ماہنامہ بینات کراچی میں دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن

کے شائع شدہ فتاویٰ اور فقہی مقالات کا وقیع علمی ذخیرہ

فتاویٰ بیّنات

١

العقائد

ترتیب و تخریج

مجلس دعوت و تحقیق اسلامی

مکتبہ بیّنات

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان

ماہنامہ بینات کراچی میں دارالافتاء جامعۃ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن
کے شائع شدہ فتاویٰ اور فقہی مقالات کا وقیع علمی ذخیرہ

فتاویٰ بیّنات

ترتیب وتخریج

مجلس دعوت وتحقیق اسلامی

جلد اوّل

العقائد

مکتبہ بینات

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان

کتاب کا نام .... فتاوی بینات (جلد اول)

ترتیب وتخریج .... رفقاء دار الافتاء

ناشر .... مکتبہ بینات جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

سن اشاعت .... رمضان ۱۴۲۷ھ - اکتوبر ۲۰۰۶ء

مطبع .... القادر پرنٹنگ پریس۔کراچی فون : 2723748

مکتبہ بینات

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان

فہرست مضامین

مضامین		صفحہ
پیش لفظ	حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب	۷
تقدیم	مولانا سید سلیمان یوسف بنوری	۱۲

مقدمہ

عصر حاضر کا اہم تقاضا	حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ	۱۹
جدید فقہی مسائل اور چند رہنما اصول	حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ	۲۵
عصر حاضر کے جدید مسائل کا حل......	حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ	۳۱
اجتہاد کے اصول و شرائط	حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ	۳۷
اسلامی قوانین میں اجتہاد و عقل کا مقام......	حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ	۴۹
احکام شرعیہ میں رائے عامہ کی حیثیت	حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ	۶۲

کتاب العقائد

لفظ خدا کا استعمال	۷۵
اللہ تعالیٰ کی قدرت سے متعلق ایک منطقی مغالطہ	۷۷
بشریت انبیاء علیہم السلام	۷۸
اسلام میں شاتم رسول ﷺ کی سزا	۹۸
کیا کنفیوشس نبی تھا؟	۱۰۷

مضامین	صفحہ
انبیاء کے کردار پر مشتمل فلم کا حکم	۱۱۴
تنقید اور حق تنقید	۱۱۸
معیار حق، عصمت و حفاظت، تنقید صحابہ	۱۳۷
رفع الالتباس عن علی والعباس	۱۴۰
تکفیر روافض پر چند شبہات کا ازالہ	۱۷۷
شیعہ، سنی، اسماعیلی اتحاد کی تحریک، ایک تنقیدی جائزہ	۱۸۵
قادیانی عقائد	۱۹۶
قادیانیت چند سوالات	۲۰۰
مرزا صاحب اور استخارہ	۲۰۳
لا اکراہ فی الدین، ایک قادیانی کے جواب میں	۲۱۵
قادیانیوں کے ساتھ موالات	۲۱۷
نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ اسلامی اصول کی روشنی میں	۲۴۱
عقیدہ حیات مسیح پر خط و کتابت	۲۷۲
ذکری فرقہ	۳۲۳
حضرت مہدی منتظر کے متعلق جواب پر اشکال کی وضاحت	۳۳۵
حضرت مہدی ----ایک تحقیق	۳۴۳
کفریات پرویز	۳۵۴
کافر، مرتد اور زندیق کا فرق	۳۷۵
شعائر اسلام کا استخفاف کرنے والے کا حکم	۳۷۷
سنت کا مذاق اڑانا کفر ہے	۳۸۶
سنت کا استخفاف	۳۸۸

مضامین	صفحہ
ڈارون کا نظریہ ارتقا	۳۹۴
''آف گاڈ اینڈ گاڈیسز'' نامی کتاب پڑھانے کا حکم	۴۲۰
اسلام کے دشمن عیسائی اور یہودی دجال کا ہراول دستہ ہیں	۴۲۶
دیلمی کا کارنامہ	۴۳۴
لامذہبیت کا فتنہ لادینیت پر جا کر ختم ہوتا ہے	۴۳۸
تبلیغ اسلام کے روپ میں کفریات کا پرچار	۴۴۱
تنظیم فکر ولی اللّٰہی کا حکم	۴۵۰
شہادت حسین میں یزید کا کردار	۴۶۷
نماز کے بعد صلوٰۃ وسلام کا حکم	۴۶۸
فرمان مصطفوی کے نام سے شائع شدہ اشتہار کا حکم	۴۷۲
امام ابوحنیفہ اور عقیدہ ارجاء	۴۷۶
امام الائمہ پر الزامات کی حقیقت	۵۰۵
المہند علی المفند سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ	۵۲۶
مدار نجات - ملاہی - آزادی ارواح	۵۲۸
جہنمی کلب شیطانی ڈنر	۵۳۰
جادو کی اقسام اور ان کا حکم	۵۳۴
محفل میلاد اور اجلاس سیرت النبی	۵۳۶
سایۂ رسول کی تحقیق	۵۳۸
زمین وآسمان کے بنانے میں ۶ دِن کیوں لگے	۵۴۳
کلمہ طیبہ والی فٹ بال	۵۴۵
پیری مریدی	۵۵۰

مضامین	صفحہ
شب براءت	۵۵۲
ماہ صفر کا آخری بدھ	۵۵۸
قبروں کے پھول	۵۶۰
مروجہ حیلہ اسقاط	۵۷۳
حیات انبیاء علیہم السلام	۵۷۹
مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۵۸۵

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی :

قرآن کریم میں ہے:

"**فاسئلوا اهل الذكر إن كنتم لاتعلمون**" (الانبیاء :۷)

ترجمہ: ''سو پوچھ لو یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے''۔

اسی طرح حدیث شریف میں ہے:

''**إنما شفاء العی السؤال**'' (ابوداؤد ج ۱، ص: ۴۹)

''لاعلم کی شفا سوال کرنے اور پوچھنے میں ہے''۔

بلا شبہ اہل علم کا منصب اگر متلاشیانِ علم کی علمی ضرورت کو پورا کرنا اور پیاس بجھانا ہے، تو لاعلموں کا فرض ہے کہ وہ بھی اپنی علمی تشنگی حضراتِ اہلِ علم کے پاس جاکر دور کریں۔

دیکھا جائے تو سوال و جواب اور استفتاء و فتویٰ اسی ضرورت کی تکمیل اور قرآن وسنت کے اسی حکم کی تعمیل ہے۔

حضراتِ انبیاء کرام کی ہدایات اور ان کے جانثاروں کی اپنے ہادی ورہبر کی تعلیمات کو دل وجان سے عزیز رکھنا اور جی جان سے ان پر عمل کرنا، اسی کا نتیجہ ہے۔ قرآنِ کریم کی تفسیر وتشریح اور ذخیرہ احادیث کی شکل میں تعلیماتِ نبوت کا مجموعہ بھی اسی کی عملی شکل ہے، اسلامی فقہ کا ذخیرہ بھی اسی سوال وجواب اور استفتاء وفتویٰ کی مدوّن شکل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ چودہ صدیوں سے مسلمانوں نے اپنے روزمرہ زندگی کے مسائل اپنے دور کے اکابر اہلِ علم اور اربابِ فتویٰ کے سامنے رکھے اور انہوں نے قرآن وسنت، اجماعِ امّت، قیاس اور اجتہاد سے

انہیں حل فرمایا، زمانہ قدیم کے ضخیم فتاویٰ ہوں یا دور حاضر کے اربابِ فتاویٰ کی علمی کاوشیں، سب اسی ضرورت کی تکمیل ہیں۔

چنانچہ جب کبھی کسی عالمِ دین نے کوئی درس گاہ قائم کی تو عوام کی اس بنیادی ضرورت کے تحت اس نے ایک یا کئی علماء کا بورڈ قائم کرکے ایک دارالافتاء بھی قائم کیا، جو مسلمانوں کے روزمرہ مسائل کا شرعی اور فقہی حل بتاتا اور اس معاملہ میں وہ کسی دنیاوی غرض و لالچ سے ماورا خالص الٰہی احکام کی نشاندہی کرتا۔

پھر ان علماء میں سے تقویٰ وتدین کے اعتبار سے جو جتنا قدآور تھا، مسلم عوام کا اسی قدر اس کی طرف رجوع ہوا، یہی وجہ ہے کہ بعض اکابر کے فتاویٰ کا مجموعہ پینتیس سے چالیس جلدوں تک جا پہنچا۔

بعض ابنائے غرض نے ان مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کی اس بے پناہ مقبولیت سے جل بھن کر ان کی راہ روکنے کی کوشش کی اور مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا بھی چاہا، تو مسلم عوام نے انہیں پائے حقارت سے ٹھکرادیا۔

کچھ طالع آزماؤں نے باقاعدہ سرکاری طور پر سرکاری فتویٰ بازی کا کارخانہ قائم کرنا اور دین ومذہب میں کتر و بیونت کرنا چاہی تو علمائے امت کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں نے بھی ان کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ انہیں منہ چھپانے کی جگہ تک نہ ملی۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن اور اس کے بانی محدث العصر حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ انہی قابلِ اعتماد اداروں اور افراد میں سے ہیں، جن پر امت مسلمہ اور مسلمانانِ پاکستان غیر متزلزل اعتماد رکھتے ہیں۔

حضرت بنوری قدس سرہ نے بھی مسلمانوں کی اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اپنے ادارہ میں علماء کے بورڈ پر مشتمل ایک دارالافتاء قائم فرمایا، جس سے بلامبالغہ آج تک لاکھوں مسائل کا حل بتلایا جاچکا ہے اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔

جامعہ کے دارالافتاء سے نکلنے والے فتاویٰ کی ترتیب کا کام جاری ہے، جو ان شاء اللہ ایک اسلامی انسائیکلوپیڈیا کی شکل میں نہایت محقَّق ومدوَّن شکل میں مرتَّب ہوکر سامنے آئے گا۔

حضرت بنوری قدس سرہ نے مسلمانوں کی ذہنی، فکری اصلاح اور دینی تربیت کی خاطر ماہنامہ

بینات کے نام سے ایک تحقیقی وعلمی مجلّہ بھی جاری فرمایا، جس میں دوسرے مفید اور اصلاحی مضامین ومقالات کے علاوہ اہم تحقیقی مسائل اور فتاویٰ کی اشاعت بھی اس کی اغراض میں شامل تھا، چنانچہ جامعہ کے اربابِ علم وتحقیق اور اصحابِ فتویٰ کے اہم فتاویٰ تسلسل سے اس میں شائع ہوتے رہے۔

اب جبکہ جامعہ کے رفقاء اور مخلصین نے فتاویٰ بنوری ٹاؤن پر کام شروع کیا تو خیال ہوا کہ اگر ماہنامہ بینات میں شائع شدہ اہم تحقیقی فتاویٰ کو الگ کتابی شکل میں شائع کردیا جائے تو اپنی جگہ یہ ایک ''مجلّہ فی الفقہ الاسلامی'' کا بدل ہوگا۔

چنانچہ پیش نظر فتاویٰ فقہی ترتیب کے اعتبار سے اُن فتاویٰ پر مشتمل ہے، جو وقتاً فوقتاً ماہنامہ بینات میں اشاعت پذیر ہوئے جن کی ترتیب وتدوین حسبِ ذیل ہے:

اس مجموعہ کو موضوع کے اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱-عقائد ۲-عبادات ۳-معاملات

جن میں توحید، رسالت، ایمان بالآخرۃ، فرق باطلہ اور عقائد کے متفرق مسائل کے علاوہ کتاب العلم، کتاب الاذکار، نماز، زکوۃ، روزہ، حج، نکاح، طلاق، معاملات بیوع، حظر واباحت، صید وذبائح اور فرائض ومیراث کے مسائل شامل ہیں۔

اس کے علاوہ جلد اول ایک وقیع علمی اور اساسی مقدمہ پر بھی مشتمل ہے، جس میں فقہ اسلامی کی تطبیق جدید، نئے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کے اصول وشرائط، اسلامی قوانین میں اجتہاد، عقل اور رائے عامہ کے طریقہ کار اور اس کی جزئیات سے بحث کی گئی ہے۔

اس مقدمہ کو پڑھنے سے بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ پیش نظر مجموعہ کے مضامین اور مباحث کے لئے ہی بطورِ خاص لکھا کیا گیا تھا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرت بنوری کے وہ مقالات ہیں جو جامعہ ازہر مصر، اور ''ادارہ تحقیقات اسلامی'' اسلام آباد پاکستان کے زیر انتظام منعقد ہونے والے سیمیناروں کے لئے تحریر کیے گئے تھے۔ اسی طرح اس کا دوسرا حصہ ''احکام شرعیہ میں رائے عامہ'' حضرت اقدس مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ کا مقالہ ہے جو دراصل اسلامی اساس پر ضرب کاری کے جواب میں تحریر کیا گیا تھا جو ''ماھنامہ بینات'' میں شائع ہوا، افسوس! کہ اس کا خاتمہ اور تتمہ بینات میں شائع نہ ہونے کی بناء پر ہمیں دستیاب نہیں ہوسکا، مگر

بایں ہمہ اس مقالے کا موجودہ حصہ بھی اپنے مدعا اور مقصود کی وضاحت میں کامل و مکمل ہے۔

ان اکابر کے مقالات کو بطور مقدمہ ذکر کرنا جہاں باعثِ خیر و برکت اور اس مجموعہ کے لئے نیک شگون ہے، وہاں یہ نئی نسل کی راہ نمائی اور فرقہ مخالف طبقہ کے لیے تازیانہ بھی ہے، بلاشبہ ان مقالات میں فقہ اسلامی کی تطبیقِ جدید، اجتہاد کے رہنما اصول، حدود اور قیود کو بیان کیا گیا ہے، جس سے نہ صرف یہ کہ نام نہاد مجتہدین کو آئینہ دکھایا گیا ہے، بلکہ ان میں فقہی اصول وقواعد کو ایسے عمدہ اور احسن پیرائے میں پیش کیا گیا ہے کہ معمولی پڑھا لکھا مسلمان، فقہی طالبعلم، فقیہ، مفتی اور محققین تک ہر ایک اس سے بھرپور رہنمائی اور فقہی نقد و بحث کی اساس و بنیاد تلاش کر سکتے ہیں۔

اس مجموعہ میں جو فقہی مقالات اور فتاویٰ درج ہیں، وہ ان دو بزرگوں کے علاوہ عموماً دارالافتاء کے مفتیان کرام کے تحریر کردہ ہیں، یا ان کے تصدیق فرمودہ، نیز ایک اچھی خاصی تعداد شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے سحر انگیز قلم سے نکلے ہوئے مقالات، فتاویٰ اور مسائل کی بھی ہے، جن میں ''تنقید اور حق تنقید''، ''رفع الالتباس عن علی وعباس''، ''عقیدہ حیاتِ مسیح پر خط و کتابت'' اور ''مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' قابلِ ذکر ہیں۔

''مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' پر دراصل دو مضامین ہیں، ایک حضرت بنوری رحمہ اللہ کا، اور دوسرا حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کا، حضرت بنوری رحمہ اللہ کی تحریر تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم کی تالیف ''تسکین الصدور'' کی تقریظ وتائید میں لکھی گئی تھی، جسے ماھنامہ بینات میں بھی شائع کیا گیا، اسی طرح حضرت لدھیانوی رحمہ اللہ کا تفصیلی مقالہ بھی دراصل ایک استفتاء کا جواب ہے، جس کی اشاعت کی ابتداء ''ماھنامہ بینات'' کے بصائر وعبر سے ہوئی اور مسلسل گیارہ قسطوں میں شائع ہوا، اس کے بعد کا حصہ حضرت شہید رحمہ اللہ کے فقہی مسائل کے مجموعہ ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' کی دسویں جلد سے لیا گیا ہے، حضرت شہید رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ چونکہ حجم میں کسی قدر طویل ہے، اس لیے اس کو جلد اول کے آخر میں رکھا گیا ہے اور موضوع میں یکسانیت ومناسبت کی بنا پر حضرت بنوری رحمہ اللہ کی تقریظی تحریر بھی آخر میں رکھی گئی۔ چونکہ یہ دونوں تحریریں پیش نظر مجموعہ کی جلد اول ''کتاب العقائد'' کا ایک تہائی حصہ بن رہی تھیں، اس لئے انہیں جزء اول کے آخر میں رکھا گیا ہے، ورنہ

عام فقہی ترتیب کے لحاظ سے ان کو پہلے ہونا چاہئے تھا۔

افسوس کہ ہم فقہی ترتیب کی رعایت کی خاطر اکابر ومشائخ کے مقالات میں فرق مراتب کی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھ سکے، چنانچہ آپ کوئی ایک اکابر کے فتاویٰ مراتب کے لحاظ سے اصاغر، بلکہ متخصصین کے فتاویٰ کے بعد ملیں گے، گو کہ متخصصین کے تحریر کردہ فتاویٰ بھی اکابر کی تصحیح وتصویب کے بعد اصولاً طلباء کے شمار نہیں ہوتے، بلکہ تصحیح کنندہ اساتذہ کرام اور مفتیان عظام کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

آخر میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو قارئین، مرتبین اور اس کے محقق اصحابِ علم اور اربابِ فتویٰ اور ہم سب کے لیے ذریعہ نجات اور نئی نسل کے لیے باعثِ ہدایت بنائے۔

اور جن حضرات نے اس عنوان پر محنت وسعی فرمائی، ان کی اس خالص دینی ومذہبی کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول بخشے۔ آمین۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

مولانا سید سلیمان بنوری

تقدیم

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

دین اسلام ان تمام خصوصیات وکمالات کا حامل ہے، جو سابقہ سماوی ادیان میں موجود تھے، اسی طرح ان تمام کمزوریوں اور کوتاہیوں سے مبرا ومنزہ ہے، جو دوسرے مذاہب اور خود ساختہ ادیان میں تھیں اور ہیں، اس لیے ہر مذہب وملت اور دین نے بجا طور پر دین اسلام کو اپنا مقابل وحریف سمجھ کر اس کی راہ روکنے کی کوشش کی۔

اسلامی دعوت کے آغاز ہی سے دین اسلام پر باطل کی طرف سے ہر قسم کی یورش رہی اور ہر دور میں ہر طرف سے اس پر طرح طرح کے وار کئے گئے، مگر چونکہ دین اسلام تا قیامت بحیثیت دین رہنے اور تمام ادیان پر غالب ہونے کے لئے آیا ہے، اس لیے کسی مخالف کی مخالفت اس کی راہ نہ روک سکی، چنانچہ اہل اسلام نے منشاء خداوندی کی تکمیل میں اس کی حفاظت، دفاع اور نشر واشاعت کے لئے ہر محاذ پر ہر طرح کی قربانیاں دے کر اسلام کی حفاظت اور تبلیغ کا فریضہ انجام دیا، اس کے لیے مسلمانوں نے کبھی مال وجان کا نقصان اٹھایا تو کبھی دین وایمان پر وار سہے، دشمنوں نے کبھی سیف وسنان کی بارش کی، تو کبھی قلم وزبان سے زہر افشانی کی، بہر کیف مسلمانوں پر اس عنوان سے سخت سے سخت مشکلات اور کٹھن گھڑیاں آئیں لیکن اللہ کی مدد اور مسلمانوں کی قربانیوں کی بدولت دین الٰہی کی شمع بدستور تاباں وفروزاں رہی۔

ماضی میں صلیبیوں نے ہر قسم کے آلات حرب وضرب سے مسلح ہو کر مسلمانوں پر حملے کئے تو مسلمانوں نے بھی فتح قسطنطنیہ کی شکل میں سقوط اندلس کا جواب دینے کی کوشش کی۔

اسی طرح معرکۂ قلم میں جب یونانی فلسفہ نے مسلمانوں کو فکری اضطراب سے دوچار کیا، الحاد، زندقہ، باطنیت اور اعتزال کے بیج بوئے تو متکلمین اسلام نے اپنی سی سعی وکوشش سے اس فکری اضطراب کے تناور درخت کو بیخ وبنیاد سے اکھاڑ پھینکا۔

بارہ صدیوں تک حق وباطل کی کشمکش میں فتح ونصرت اورعزت وشوکت کا سہرااہل اسلام کے سر سجتا رہا مگر شومی قسمت کہ گذشتہ دو،اڑھائی صدیوں سے مسلمانوں کا فاتحانہ کردارمحکومانہ بنتا چلا گیااور مسلمان مسلسل فکری،سیاسی،ثقافتی اورسماجی زوال وانحطاط کےطوفانی گرداب کے نیچے دبتے چلے گئے،ہرمیدان اور ہرمحاذ پر مسلمان پسپائی اختیار کرتے گئے،یہاں تک کہ پوری مسلم قوم ایک مفتوح قوم کہلانے لگی اور ملک وقوم کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی ذہنیت بھی مغلوب ومفتوح ہوگئی،انفرادی اوراجتماعی زندگی کے ہرشعبہ میں اس پر فاتح قوم کے رنگ وروپ کی ایسی چھاپ بیٹھی کہ فاتح قوم کا مذاق ومزاج ہی اچھے برے کا معیار بن گیا۔

اہل اسلام کے دینی مزاج اوراسلامی وجودکونابودکرنے کے لئے ہرطرح کے تجربات کئے گئے،کبھی غلام احمد قادیانی کی شکل میں ایک جھوٹا نبی کھڑا کیا گیا،کہیں لارڈ میکالے کی روحانی ذریت کی سرپرستی کرکے مختلف جماعتیں تشکیل دی گئیں اوران کی فطرت میں اپنے آقاؤں کے پیغام وپروگرام کی تبلیغ وترویج رچائی وبسائی گئی،دوسرے رخ پرفتنہ انکارحدیث،فتنہ استشراق،فتنہ اسلاف بیزاری اور بزم تکفیرخوب سجائی گئی گویا نظریاتی طور پرمسلمانوں کی نسل کشی کے لئے باطل نے ہرحربہ استعمال کیااورمسلمان بھی اس سے متاثر ہوئے۔

بلاشبہ امت مسلمہ کی یہ حالت زارحددرجہ قابل رحم ہے،اس وقت سب سے بڑی اسلامی خدمت یہ ہے کہ موجودہ دورکی نوجوان نسل کواسلام سے آشنا کیا جائے اور جس طرح بھی بن پڑے انہیں اصلی اور پکا مسلمان بنایا جائے۔ ہردینی شعبہ کا ذمہ دار اپنے میدان اورمحاذ سے یہ خدمت انجام دے،نسل جدیدکو اسلام کی اساس سے روشناس کرائے،علمی فتنوں سے نجات دلائے،فقہ اسلامی کوفرسودہ اورنا قابل عمل کہہ کر مستردکردینے کی روش تبدیل کرائے اورفقہ اسلامی کی تطبیق جدید میں ایسا کردارادا کرے کہ جاہلیتِ جدیدہ کا بھوت نسل نو کے اعصاب سے اتارکر پھینک دے،اوراس کا تفسیر،حدیث،فقہ،اصول فقہ اورعلم کلام سے رشتہ جوڑ دے اورسب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام اوراہل اسلام کے کھلے اور چھپے دشمنوں سے حفاظت ودفاع کے لئے خود بیداررہےاوردوسروں کو بیداررکھنے میں ذرہ بھرغفلت نہ آنے دے۔

الحمدللہ! ہمارے اکابرومشائخ نے اس دینی فریضہ پر پوری توجہ دی ہے،انہیں مقاصد کی خاطر ''ماہنامہ بینات کراچی'' کا اجرا ہوا، چنانچہ بینات کے پہلے شمارہ کے تعارفی کلمات میں حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ رسالہ (بینات) خالص دینی وعلمی رسالہ ہے جس کے مقاصد حسب ذیل ہیں:

۱:......اسلام کے اساسی مسائل کی حفاظت اور عصر حاضر کے علمی فتنوں کی نشان دہی اوران کے موثر جوابات۔

۲:......جدید فقہی مسائل کا قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں صحیح حل،

۳:......علوم اسلامیہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور کلام پر علمی مقالات کی اشاعت،

۴:......جدید تعلیم یافتہ اصحاب کی دینی وعلمی تربیت کے لئے وقتاً فوقتاً مختلف موضوعات پر اچھے اچھے مضامین کی اشاعت،

۵:......مستشرقین اور دیگر معاندین اسلام نے اسلام کے بارے میں مختلف طریقوں سے جو غلط فہمیاں پھیلائی ہیں ان کا علمی اور ٹھوس طریقہ پر موثر انداز میں ازالہ کرنا،

الغرض ماہنامہ ''بینات'' قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار ہے۔

الحمدللہ ماہنامہ ''بینات'' نے اپنے آغاز سے تاحال اپنے اغراض ومقاصد کی تکمیل میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ ادامہا اللہ ونفع بہا الامۃ الاسلامیہ۔

ماہنامہ ''بینات'' کا آغاز ایک ایسے وقت میں ہوا جب مختلف اطراف سے اسلام کی اساس پر علمیت نما جاہلیت زدہ فتنوں کی یلغار تھی، ایک طرف غلام احمد پرویز کے کفریات کا پرچار تھا، تو دوسری طرف ''ردشعیت'' کی آڑ میں ''ناصبیت'' کا زہر اگلا جارہا تھا، کہیں ''تحقیقات اسلامی'' کے نام سے سود کو حلال قرار دینے کی سعی تھی، تو کہیں نام نہاد اجتہاد کا دروازہ کھولنے کی مہم زوروں پر تھی اور اس کے لئے سرکاری سرپرستی کے علاوہ سرکاری خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے تھے۔ یہ کوشش درحقیقت اجتہاد مطلق، سنت، حدیث اور ائمہ مجتہدین کی مساعی کو بے قیمت قرار دینے کی سازش تھی، ان حالات میں ماہنامہ ''بینات'' کو اسلاف بیزار طبقہ کی سرکوبی کا فریضہ سرانجام دینا پڑا۔

ان تمام محاذوں پر حضرت مولانا بنوری، مولانا عبدالرشید نعمانی، حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہم اللہ، دیگر اساطینِ علم وفضل

اور اکابر نے اس خوبصورت انداز میں اساس اسلام کی حفاظت اور فتنوں کی سرکوبی کی کہ تمام فتنہ پرداز اپنے فتنوں سمیت اپنی اپنی بلوں میں گھسنے پر مجبور ہوگئے اور یوں اللہ تعالیٰ نے ان فتنوں اور فتنہ پردازوں سے اساس اسلام کو محفوظ و مامون فرما کر حفاظتِ دین کا اپنا وعدہ پورا فرمایا۔

دفاعی لائن کی اس خدمت کے علاوہ ''بینات'' نے قرآن، حدیث، اسلامی عقائد پر مشتمل نادر مضامین کی اشاعت اور دوسری متنوع انداز کی، دینی، علمی اور تحقیقی خدمات بھی نہایت خوبصورت انداز میں انجام دینے کی سعادت حاصل کی۔ فللّٰہ المنۃ والشکر۔

یہاں ماھنامہ ''بینات'' کی خدمات کا تفصیلی تذکرہ اور احاطہ مقصود ہے نہ ممکن، ان گزارشات سے ماھنامہ ''بینات'' کی کاوشوں کا محور و مرکز سمجھانا مطلوب ہے کہ یہ مجلّہ "الأهم فـالأهم" کے مسلمہ اصول کے تحت زمانہ کے حالات حاضرہ اور پیش آمدہ احوال کو موضوع بنا کر امت مسلمہ کی ہر وقت دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا آرہا ہے۔

اہم فقہی مسائل بالخصوص جدید فقہی مسائل کا حل، امت مسلمہ کی ہر وقت اور ہر لحہ بنیادی ضرورت رہی ہے، کیونکہ ''فقہ'' عملی زندگی کے احکام وآداب کا عنوان ہے اور ہر لحہ مسلمانوں کے ساتھ یہ ضرورت لاحق ہے، اس اہم ضرورت کی تکمیل کے لئے تفصیلی فقہی مقالات کے علاوہ مسائل واحکام کا مستقل و مسلسل سلسلہ بھی شروع کیا گیا، جو ''دارالافتاء'' کے عنوان سے تاحال جاری وساری ہے۔

''مسائل واحکام'' کے مستقل اور باقاعدہ آغاز کی مناسبت سے ماہنامہ بینات کے مدیر مسئول حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴ جمادی الاخری ۱۴۰۹ھ) نے اس عنوان کا تعارف کراتے ہوئے لکھا:

> ''مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی (حال بنوری ٹاؤن) کے دارالافتاء میں پاکستان اور بیرونی ممالک سے استفتاء موصول ہوتے رہتے ہیں، جن میں مسلمانوں کے معاشرتی مسائل میں شریعت اسلامی کی رہنمائی حاصل کی جاتی ہے، ان فتاویٰ اور فقہی احکام کی افادیت کو عام کرنے کی غرض سے ''بینات'' میں ان کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے، تاکہ قارئین بہ سہولت ان احکام سے واقفیت اور رہنمائی

حاصل کرسکیں، پہلا استفتاء ایک ایسے فتنہ سے متعلق ہے، جو ایک عرصہ سے مسلمانوں میں (بعنوان وصیت نامہ فرمان مصطفوی از شیخ احمد، مدینہ منورہ) پھیلایا جارہا ہے اور شہر وقصبہ میں تقریباً ہر پڑھے لکھے کو اس سے واسطہ پڑتا رہا ہے''۔ ''مدیر''

''مسائل واحکام'' کے اس مفید سلسلے کی افادیت کے باوجود دیگر مسائل کے ہجوم اور نت نئے فتنوں کے تعاقب کی بنا پر اس ''سلسلہ'' میں کچھ تعطل تو رہا مگر اس پر کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ اس کی ضرورت وطلب کے پیش نظر ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ میں یہ سلسلہ دوبارہ شروع کردیا گیا، اور اب تک یہ سلسلہ ''دارالافتاء'' کے عنوان سے جاری ہے۔

بحمداللہ! دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن مسلمانوں کے اعتقادی، معاشرتی اور معاشی مسائل میں ان کی دینی رہنمائی کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیتا چلا آرہا ہے، دارالافتاء کے انہی فتاویٰ اور فقہی مسائل میں سے مفید عام اور منتخب فتاویٰ ماہنامہ ''بینات'' میں ''دارالافتاء'' کے عنوان سے چھپتے رہتے ہیں۔

''مسائل واحکام'' کے آغاز سے تاحال ''بینات'' میں منتخب فتاویٰ کا اچھا خاصا ذخیرہ شائع ہوچکا ہے، ان فتاویٰ میں دینی مسائل اور فتاوی کے علاوہ علمی وتحقیقی مواد کی فراوانی بھی ہے، بالخصوص اکابر ومشائخ کے فتاویٰ اور فقہی مقالات کی افادیت کثیر الجہت بھی ہے، چنانچہ ان کے فتاویٰ اور مقالات میں فقہی حکم، علمی اور تحقیقی ابحاث، طرز تحریر، تحقیق کا انداز، فتویٰ نویسی کے اصول وآداب، استدلال واستشہاد کا اسلوب اور ترتیب وتنسیق کے اصول وقواعد ایسے بے شمار فوائد ومنافع بھی پنہاں ہوتے ہیں۔

ان ہی نیک مقاصد اور اہم فوائد کے تحت ''ماہنامہ بینات'' میں شائع ہونے والے منتخب فتاویٰ کی جمع وترتیب کا داعیہ پیدا ہوا، جسے جامعہ کی مجلس تعلیمی کی سرپرستی اور ہمت افزائی سے تقویت ملی۔

اس کے علاوہ ''بصائر وعبر'' کے مجموعہ کے انمول خزانہ کی ترتیب وتدوین بھی اس جمع وترتیب کے حوالہ سے ہمارے لئے راہ نما ثابت ہوئی، اس لیے کہ ''بصائر وعبر'' بینات کے ان اداریوں کا مجموعہ ہے، جو میرے والد ماجد حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ کے تحقیقی اور فاضلانہ قلم سے صادر ہوئے اور بینات کے مختلف شماروں میں بکھرے ہوئے تھے، ان جواہر پاروں کو حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہ کے فرزند نسبتی اور روحانی بیٹے حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ (المتوفی یکم رجب ۱۴۱۸ھ) نے جمع

فرما کر کتابی صورت دی اور وہ دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوا بلکہ متعدد بار زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر قبولِ عام حاصل کرچکا ہے۔

الحمدللہ'' فتاویٰ بینات'' کا کام اب تکمیل کا ایک مرحلہ طے کرتے ہوئے تین ضخیم جلدوں میں منظرِ عام پر آرہا ہے۔ فللّٰه الحمد کماھو اھله وھوولی التوفیق

آخر میں ایک اہم وضاحت بھی ضروری ہے کہ زیرِ نظر مجموعہ میں فتاویٰ کی مختصر تخریج کی گئی ہے، جس میں مشہور و متداول کتابوں کے مشہور و متداول نسخوں کو ہی سامنے رکھا گیا ہے اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ حوالہ مکمل ہو، حوالہ کے ساتھ کتاب-مؤلف رمصنف-باب-فصل-بحث-جلد-صفحہ-طبع اور بار اشاعت یا سنہ اشاعت ہو، تاکہ کسی بھی نئی یا پرانی طباعت سے گذرنے والی کتاب کے محولہ ماخذ تک بآسانی رسائی ہوسکے، لیکن ایک ہی کتاب کے مکرر حوالہ جات کی صورت میں اختصاراً مصنف رمؤلف کا نام، طبع اور سنہ اشاعت کو مکرر ذکر نہیں کیا گیا، ایسے مقامات میں اول الذکر طبع ہی مراد ہوتا ہے۔

مزید برآں کہ ماہنامہ بینات میں شائع ہونے والے فتاویٰ کا یہ مجموعہ اپنے سلسلہ کے آغاز سے ۱۴۲۶ھ تک کے منتخب فتاوی پر مشتمل ہے، اس کے بعد ماہنامہ میں شائع شدہ فتاویٰ کو آئندہ طباعت میں شامل کرکے اس مجموعہ کا حصہ بنادیا جائے گا۔ ان شاءاللہ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس علمی و دینی کاوش کو محض اپنی رضا کے لیے قبول فرمائے، اس کے جملہ کارپردازوں کو اجرِ عظیم عطاء فرمائے، قارئین کو ان علمی شہ پاروں سے بھرپور مستفید ہونے کی توفیق بخشے اور ہم سب کے لیے دنیا میں رشد و ہدایت اور آخرت میں کامیابی و کامرانی اور عنداللہ سرخروئی کا وسیلہ بنائے۔

آمین ! بحرمة النبی الکریم صلوات الله وتسلیماته علیه وعلی آله وصحبه وعترته اجمعین وعلینا معهم یا ارحم الراحمین

مقدمہ فتاوی بینات

جس میں فقہ اسلامی کی تطبیق جدید، نئے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کے اصول وشرائط، اسلامی قوانین میں اجتہاد، عقل اور رائے عامہ کے طریقہ کار اور اس کی جزئیات سے بحث کی گئی ہے۔

علماءِ امت کے لئے لمحۂ فکریہ

عصر حاضر کا اہم تقاضا

قدیم فقۂ اسلامی کی روشنی میں جدید مسائل کا حل

یوں تو آئے دن اتنے علمی و عملی فتنے ظاہر ہو رہے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس کس کا جواب دیا جائے اور کس کس کی طرف توجہ کی جائے۔ تن ہمہ داغ داغ شد، پنبہ کجا کجا نہم۔

فتنوں کا ایک سیلاب ہے کہ امنڈا چلا آرہا ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں جا کر رکے گا، رسائل ہیں، اخبارات ہیں، ریسرچ کے انسٹی ٹیوٹ ہیں، ثقافت کے ادارے ہیں، کہیں تعمیر نو کے نام پر تخریب دین ہے، کہیں عقائد اسلامیہ پر حملے ہیں، کہیں احکام شرعیہ سے انکار ہے، کہیں انکار سنت پر زور ہے کہیں تحریف قرآن کا فتنہ ہے، کہیں جوازِ سود و تحلیل خمر کے فتوے ہیں، کہیں رقص و سرور کو جائز کرنے کے لئے تحقیقات ہو رہی ہیں، کہیں تعزیرات و حدود پر ہاتھ صاف کیا جا رہا ہے، کہیں سلف صالحین سے بدظن کرانے کی مذموم کوشش ہو رہی ہے، کہیں اسلامی نظام کی ناکامی کے دلائل پیش کئے جا رہے ہیں۔ الغرض کہیں مستشرقین مصروف عمل ہیں تو کہیں ملاحدہ و زنادقہ اسلام سے برسر پیکار ہیں۔ اندر باہر، عوام و خواص، راعی و رعیت سب ہی کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی اس آخری نعمت کو تباہ کرنے کی پوری کوشش جاری ہے، مقصد حیات صرف مادی آسائش ہے، نہ آخرت کا تصور، نہ حساب و کتاب کی فکر، سارے نظام کا محور صرف پیٹ ہے اور بس۔ اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ جن حضرات میں ان فتنوں کے دفاع کی صلاحیت و اہلیت ہے وہ یا تو بالکل غافل و خاموش ہیں یا ان کے وسائل اتنے محدود ہیں کہ اگر کچھ کرنا چاہیں بھی تو نہیں کر سکتے۔ فإنا لله وإنا إليه راجعون.

مصائب شتى جمعت في مصيبة ولم يكفها حتى قفتها مصائب.

’’کتنے منتشر مصائب ایک مصیبت میں آکر جمع ہوگئے۔اور اس پر بھی بس نہیں بلکہ روز نئی نئی مصیبتیں آرہی ہیں‘‘۔

علماء امت کے ذمہ جہاں اور فرائض عائد ہوتے ہیں، وہاں عصر حاضر کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی بھی ان ہی کے ذمہ ہے کہ موجودہ دور کے تمدن وتہذیب نے جونت نئے مسائل پیدا کردیئے ہیں ان پرغور کرکے ان کا حل تلاش کیا جائے آج کل کا نیا طبقہ اپنی ناواقفیت کی بناء پر اس خیال خام میں مبتلا ہوگیا ہے کہ اسلام کا قدیم نظام یا قدیم اسلامی فقہ موجودہ معاشرے کی مشکلات کے حل کے لئے کافی نہیں، لیکن اگر ذرا غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہمارے نظام کے دو حصے ہیں، ایک حصہ وہ ہے جو قرآن وسنت کی صریح نصوص سے ثابت ہے، یہ تمام تر اس علیم وقدیر اور حکیم وخبیر رب العالمین کا ابدی اور دائمی قانون ہے جس کا علم بھی ہر شئے کو محیط ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ قیامت تک جو آنے والی نسلیں ہیں ان میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہوں گی اور اس کی قدرت بھی کامل ہے چنانچہ اس نے اپنے علم محیط اور قدرت کاملہ سے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام امراض روحانی کے لئے ایسا نسخۂ شفاء اتارا ہے کہ جس میں نہ کسی ترمیم واصلاح کی گنجائش ہے نہ کسی ادنیٰ سی تبدیلی کی۔

دوسرا حصہ وہ ہے جو علماء امت اور مجتہدین عظام نے قرآن کریم وسنت نبویہ سے استخراج واستنباط کرکے مرتب فرمایا ہے، اس کے مختلف مراتب اور مختلف ادوار ہیں، معاملات اور معاشرت میں بہت سے احکام ایسے بھی ہیں کہ جن کا تعلق اس عہد سے تھا۔ مجتہدین امت کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ وہ پہلے ہی ایسے اصول وقواعد مرتب فرماگئے کہ قیامت تک آنے والے اہل علم کو ان سے مستفید ہونے کا موقع ملتا رہے گا اور انہی اصول وقواعد کی روشنی میں آئندہ ہر قسم کی مشکلات حل ہوسکیں گی، ظاہر ہے کہ جتنا تمدن ترقی کرے گا اتنے ہی جدید مسائل پیدا ہونگے اور غیر اسلامی ملکوں سے تعلقات وروابط جتنے زیادہ پیدا ہونگے، نئے نئے مسائل سے واسطہ پڑتا رہے گا۔ مسلمانوں میں اب بھی ایک بہت بڑا طبقہ ایسا موجود ہے کہ اگر تجارت ومعاملات میں اسلامی اصول کی روشنی میں ان کے مشکلات کو حل کیا جائے اور فقہی قوانین سے ان کو ایسی تدابیر بتلادی جائیں کہ جن کی بناء پر وہ شرعی حدود کے دائرہ سے باہر قدم نہ نکال سکیں تو نہایت خوشی سے اس پر لبیک کہیں گے اور بدل وجان ان تدابیر پر عمل کریں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت علماء امت کے ذمہ یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ جس طرح ہمارے اسلاف نے اپنے اپنے زمانے میں ''اجناس''، ''واقعات'' اور ''نوازل'' کے عنوان سے روزمرہ کے نت نئے پیش آنے والے مسائل کو یکجا کیا اور پھر قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں ان کو حل کیا۔ ٹھیک اسی طرح موجودہ فقہاء بھی جدید نوازل وواقعات کا حل قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں تلاش کریں۔ جدید تمدن سے بھی فقہ کے ہر باب میں نماز روزہ سے لے کر معاملات ومعاشرت تک جدید سوالات پیدا ہو گئے ہیں۔

اس لئے علماء امت کے ذمہ اب یہ فرض ہے کہ جلد سے جلد ان نئے پیدا ہونے والے مسائل کے مفصل جوابات امت کے سامنے پیش کر کے مسلمانوں کے دیندار طبقہ کو مطمئن فرمائیں اور جدید نسل کو باور کرائیں کہ دین اسلام میں ہر وقت کے صحیح تقاضے کو پورا کرنے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے اور ہماری شریعت زمان ومکان کی قیود سے بالاتر ہے، ''بینات'' کے آئندہ شمارے میں انشاء اللہ ایک اجمالی فہرست ان مسائل کی پیش کر کے اس سلسلہ میں اہل علم کی خدمت میں چند رہنما اصول بھی پیش کروں گا تا کہ ان کی روشنی میں غور وخوض کر سکیں، بلاشبہ یہ فرض ایک اسلامی حکومت کا تھا کہ وہ وقت کے جامع ترین علماء اور قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے ایسے ماہرین کو جن کا تقوی واخلاص مسلّم ہو، جن کے تدین پر امت کو اعتماد ہو، جن کی زندگیاں قال اللہ وقال الرسول میں گذری ہوں، جن کے ذہنوں میں تو قد وذکا ہو، جن کی طبیعتوں میں استقامت واستقلال ہو، جو خواہشات وتاثرات سے بالاتر ہوں، جن کے دلوں میں مخلوق خدا کا درد ہو، جو دنیا کی مشکلات سمجھنے کا سلیقہ رکھتے ہوں اور جن میں مؤثر تعبیرات اور عام فہم تحریر کا ملکہ ہو، ان کو کسی ایک مرکز میں جمع کرتی اور ان کی رفاقت میں عصر حاضر کے دیندار قانون دان طبقہ کو شامل کرتی اور فقہ اسلامی کے شعبہ میں تمام ممالک اسلامیہ میں اب تک جتنا کام ہوا ہے وہ سب انکے پیش نظر ہوتا، خواہ وہ مصر وشام میں ہوا ہو یا مغرب اقصی کے ممالک میں اور پھر اس طرح قدیم وجدید فقہ اسلامی کی مہارت ومعلومات رکھنے والے حضرات اس کام کو اپنے ہاتھوں انجام دیتے لیکن

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

افسوس کہ حکومت پاکستان ''ادارۂ اسلامیات کراچی'' وغیرہ پر سالانہ لاکھوں روپیہ خرچ کر رہی ہے مگر اس امر پر اس کی توجہ نہیں۔ ان اداروں میں ایک بھی نہ متدین عالم ہے، نہ اسلامی علوم کا ماہر خصوصی۔

بجائے اس کے کہ وہ کچھ کام کرتے، ان کا وجود، ان کی کوششیں خود دین اسلام کے لئے عظیم الشان فتنے کی صورت اختیار کر چکی ہیں **فیاغربة الاسلام ویا خیبة المسلمین !**

موجودہ صورت حال میں جب حکومت اس طرف متوجہ نہیں تو پھر دیندار مال دار طبقہ کو چاہئے تھا کہ اس خدمت کو بجالانے کے لئے کوئی اقدام کرتا اور علماء کے مشورہ سے اس مقصد کے پیش نظر اہل افراد کا انتخاب کر کے فکر معاش سے ان کو ہر طرح مطمئن کرا کر، اسی کام کے لئے فارغ کرتا اور اس طرح ایک "**مجلس الفقهاء والعلماء**" تشکیل ہوتی کہ جس میں محققین اہل علم باہمی مشاورت اور بحث وتمحیص سے ان مسائل کو حل کرتے۔ شخصی رائے کتنے ہی غور وخوض کے بعد قائم ہو پھر بھی وہ شخصی رائے ہی رہے گی، ان مشکلات کے حل کے لئے اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اکابر صحابہؓ کے بعد حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے اجتہادی مشکلات کے حل کرنے کے لئے اپنے وقت میں ممتاز ترین چالیس افراد پر مشتمل ایک جماعت کی تشکیل کی اور ایک طویل مدت تک فقہی مسائل کے استنباط اور اجتہادی احکام کی تدوین کی خدمت انجام دیتے رہے، اسی لئے جو پختگی اور قبول عام اس مذہب کو ہوا، اور کسی مذہب کو نصیب نہیں ہوا (۱) چنانچہ خلافت عباسیہ سے لے کر خلافت عثمانیہ کے اختتام تک جو بارہ سو برس کا طویل زمانہ گزرا ہے اس میں یہی مذہب حنفی تھا جس کی روشنی میں خدا کی مخلوق کی مشکلات حل ہوتی رہیں اور ان خلافتوں میں بھی "فقہ حنفی" ملک کا قانون بنا رہا۔ (۲)

لیکن جب کہ ہماری حکومت اور ہمارے ملک کے مسلمانوں کا مالدار طبقہ بھی اس فرض سے غافل

---

(۱) **تبييض الصحيفة فى مناقب الإمام أبى حنيفة للحافظ السيوطى مع تعليق الشيخ عاشق الهى –كان اصحاب أبى حنيفة الذين دونوا الكتب ......الخ –ص ۹۴– ط: ادارة القرآن كراتشى . مانصه :**

"قال اسد بن الفرات كان اصحاب أبى حنيفة الذين دونوا الكتب أربعين رجلا و كان فى العشرة المتقدمين أبى يوسف وزفر بن الهذيل وداؤد الطائى واسد بن عمرو ويوسف بن خالد السمتى ويحى بن زكريا وهو الذى كان يكتبها لهم ثلاثين سنة" ـ(حسن التقاضى ـص ۱۲)

وكذا فى مناقب الإمام الأعظم أبى حنيفة للإمام الموفق المكى –باب اسباب تقديم مذهب الإمام الأعظم على سائر المذاهب –۲/ ۱۳۳، ۱۳۴ –ط: مكتبه اسلاميه كوئته .

(۲) **رد المحتار على الدر المختار –مقدمة الكتاب – ۱/ ۵۶ –ط: ايچ ايم سعيد. مانصه :**

وحسبك من مناقبه ...... وقد جعل الله الحكم لأصحابه واتباعه من زمنه إلى هذه الأيام ....لايولون القضاء وسائر مناصبهم إلا للحنفية قاله بعض الفضلاء ......الخ

ہے تو اب خالصۃً یہ فریضہ علماء امت کے ذمہ آجاتا ہے۔ خصوصاً ان مدارس کے ارباب اہتمام کے ذمے کہ جو اپنے مدرسوں میں ہزار ہا روپے سالانہ خرچہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور مناسب مشاہروں پر اچھے اچھے فضلاء کو رکھ سکتے ہیں۔ اگر ان عربی مدارس میں سے ہر مدرسہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایک جماعت کی تشکیل کرے اور پھر اپنا ایک نمائندہ منتخب کرے تو کیا اچھا ہو، جو کام ارباب حکومت لاکھوں روپے کے صرفے سے بھی انجام نہیں دے رہے ہیں۔ وہ علماء کا یہ غریب ومفلس اور نادار طبقہ تھوڑے سے خرچ پر بآسانی کر سکتا ہے، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی، (جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی) دارالعلوم کراچی، دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار، خیر المدارس ملتان، جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ مدنیہ لاہور، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ، جامعہ امدادیہ کشور گنج ڈھاکہ، مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری چاٹگام، مدرسہ اسلامیہ جیری چاٹگام، جامعہ اسلامیہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ وغیرہ وغیرہ(۱)۔ اگر یہ مدارس اس مقصد پر متفق ہو جائیں تو یہ عظیم الشان کام انشاء اللہ بہت جلد انجام پذیر ہو سکے گا اور بآسانی یہ مشکل حل ہو جائے گی، آخر میں اپنی یہ مختصر گزارش حضرت رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث پر ختم کرتا ہوں جس سے ان مشکلات کے حل کرنے میں پوری رہنمائی ملتی ہے۔

عن عليؓ قال: قلت يا رسول الله ﷺ إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر ولا نهي فماتأ مرني؟ قال: شاوروا فيه الفقهاء والعابدين ولاتمضوا فيه رأى خاصة. رواه الطبراني في الأوسط ورجاله موثقون من أهل الصحيح (۲)

''حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جس میں آپ کا کوئی بیان، کرنے یا نہ کرنے کا نہ ملتا ہو تو آپ کیا ارشاد

(۱) یہ تحریر وطن عزیز کے دولخت ہونے سے پہلے کی ہے اس لئے مدارس کی فہرست میں مؤخر الذکر چار مدارس مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں واقع ہیں۔ (مرتب)

(۲) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد لنورالدين علي بن ابوبكر الهيثمي(۸۰۷ھ)- كتاب العلم - باب في الاجماع ۱۰/۱۷۸-ط: دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الثالثة ۱۴۰۲ھ، ۱۹۸۲ء

فرماتے ہیں، کہ کیا کیا جائے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فقہاء و عابدین سے مشورہ کر کے فیصلہ کیا کریں شخصی رائے کو دخل نہ دیں۔

اس حدیث کریم سے جہاں اجتماعی شورائی فیصلوں کی نہ صرف اہمیت بلکہ فرضیت ثابت ہوئی، ساتھ ساتھ اس جماعت کی اہلیت کی شرائط بھی معلوم ہوئیں کہ وہ ایسے اہل علم ہوں کہ تفقہ فی الدین ان کو حاصل ہو اور وہ صالح و متقی اور عبادت گزار ہوں۔ واللہ سبحانہ هو الموفق.

بینات۔ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ

جدید فقہی مسائل اور چند رہنما اصول

''بینات'' کے گزشتہ شمارے میں حضرات علماء کرام کی خدمت میں جو گزارش کی گئی تھی اس کے پیش نظر بطور رہنما اصول کے مزید گزارش یہ ہے کہ!

(۱) یہ تو ظاہر ہے کہ ''اسلام'' وہ آخری پیغام حیات و پیغام نجات ہے جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے قانون ہدایت ہے۔ اور ہر دور، ہر ملک، ہر قوم کے لئے اس میں ہدایت کے سرچشمے موجود ہیں۔ مادی و روحانی، شخصی و اجتماعی، اقتصادی و معاشی، ملکی و سیاسی غرض ہر ضرورت کی حاجت روائی کا سامان اس میں موجود ہے اور اس کا دامن ایسے بیش قیمت جواہرات سے پُر ہے کہ سارے عالم کے افلاس کا علاج اس کے خزانۂ عامرہ سے ہوسکتا ہے۔ یہی ایک ایسا صالح ترین و اعلیٰ ترین نظام ہے جو نسل آدم میں عدل وانصاف قائم کرکے ہر مشکل کو آسان کرسکتا ہے۔

(۲) ''قرآن وحدیث'' یا ''کتاب وسنت'' اس کا بنیادی سرمایہ ہیں خلافت راشدہ بالخصوص عہد صدیقی وعہد فاروقی اور اس کے بعد عہد اموی اور عہد عباسی میں صحابہ وتابعین اور پھر ائمہ اجتہاد، ائمہ اربعہ ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور ان کے اقران میں سفیان ثوریؒ، اوزاعیؒ وغیرہ مجتہدین امت وفقہاء اسلام کی مساعی جمیلہ ومبارکہ سے دین اسلام کی تعمیر وتعبیر کا عجیب وغریب نقشہ کامل ترین خوشنما صورت میں محفوظ ہوگیا۔ ان اکابر امت اور فقہاء ملت میں اللہ تعالیٰ نے عظیم ترین اخلاص، اعلیٰ درجہ کا تقویٰ وخشیت الٰہی علوم دینیہ میں تبحر، دقت نظر، توقد وذکا، کے جو کمالات جمع کئے تھے اس وقت کی نسل اس کا ادراک بھی نہیں کرسکتی۔ قرآن وحدیث کا علم صحیح اور دین اسلام کی مزاج شناسی کا ذوق جوان کو نصیب تھا آج اس کا احساس بھی مشکل ہے۔ اور انہی کمالات کا نتیجہ ہے کہ ایک ہزار برس سے زیادہ عرصہ گزرا لیکن ان کا فیض برابر جاری ہے اور قلوب میں ان کی عظمت اور قدر وقیمت ہنوز موجود ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قیامت تک آنے والے ان کی سنت پذیری سے بے نیاز نہیں ہوسکتے اور نہ اس عظیم سرمایہ سے امت کسی وقت مستغنی ہوسکتی ہے۔

(۳) فقۂ اسلامی کا یہ ذخیرہ ہمارا بڑا قیمتی سرمایہ ہے اور جہاں اس کی حفاظت کی ضرورت ہے ساتھ ہی ساتھ اس پر عمل کرنا اور اس سے منتفع ہونا بھی ہمارا فرض ہے۔ منتفع ہونے سے میرا مقصد یہ ہے کہ جدید تمدن نے جو بہت سے جدید مسائل پیدا کردیئے ہیں اب اسی فقۂ اسلامی کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرنا چاہیئے۔ اس سرمایہ کے ہوتے ہوئے امت کو نہ جدید مستقل اجتہاد کی ضرورت ہے اور نہ اس کا امکان۔ اس عظیم الشان ذخیرہ میں بحث وتلاش اور غور وخوض کے بعد جدید مسائل کے حل کرنے کا بہت سامان مل جائے گا، ورنہ زیادہ سے زیادہ بعض جزوی مسائل میں علماء امت کو ان ہی کے بتائے ہوئے اصولوں پر جدید اجتہاد کی ضرورت ہوگی۔

(۴) گزشتہ شمارے میں جو ''معجم طبرانی'' کی حدیث پیش کی تھی اس سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

الف: جدید مسائل ایسے ضرور پیدا ہونگے جن میں قرآن وحدیث کا صاف وصریح فیصلہ نہ ہوگا۔

ب: علماء امت کے ذمہ یہ فرض عائد ہے کہ اس کا حل کریں۔

ج: علماء انفرادی رائے اور شخصی رائے سے اجتناب کریں اور باہمی مشورہ سے اس کا فیصلہ کریں۔

د: ان علماء میں دو شرطیں ضروری ہیں:

(۱) ان کے دلوں میں خوف خدا ہو۔ (۲) تفقہ فی الدین ان کو حاصل ہو۔

اس حدیث نبوی نے ان علماء امت کو جدید مسائل کے فیصلہ کرنے کا مکلّف بنایا ہے جن میں اخلاص وتقویٰ اور عبادت گذاری کی روح موجود ہو اور غور وخوض و باہمی مشورہ کرنے کی اہلیت ہو۔

(۵) اس میں شک نہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ جو بقول امام شمس الدین ذہبیؒ ''فقیہ ملت'' ہیں (۱) اور بقول صفی الدین خزرجیؒ ''فقیہ امت'' ہیں (۲) ان کی فقہ جامع ترین فقہ بلکہ فقہ اسلامی کی روح ہے کہ جس کی روشنی میں بقیہ ائمہ نے اپنی اپنی فقہ کی ترتیب وتدوین کی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے

---

(۱) سیر اعلام النبلاء للحافظ شمس الدین الذہبی (المتوفی: ۷۴۸ ھ) - ابو حنیفة - ۶/۳۹۰ - رقم الترجمة: ۱۶۳ - ط: مؤسسة الرسالة. الطبعة الأولی.

(۲) خلاصة تهذيب الكمال فی أسماء الرجال للإمام الحافظ صفی الدين الخزرجی الأنصاری - من اسمه نعمان - ص ۳۴۵ - ط: المطبعة الخيرية. الطبعة الأولی.

جو مسائل اپنے اصحاب وتلامذہ کو املاء کروائے ہیں ان کی تعداد "صاحب عنایہ شارح ہدایہ" نے چوتھی صدی کے ایک محقق کے قول کے مطابق بارہ لاکھ ستر ہزار سے زائد بتلائی ہے۔ اگر امت کو یہ سارے مسائل پہنچ جاتے تو شاید بہت سے جدید مسائل حل ہوجاتے، فقہ حنفی کی اسی ہمہ گیری کو دیکھ کر مشہور محقق مؤرخ "ابن خلدون" باوجود مالکی المذہب ہونے کے اس کا اعتراف کرتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ کی سرزمین، اسلامی تہذیب وتمدن کا گہوارہ تھی، اس لئے جو پختگی حنفی فقہ کو نصیب ہوئی وہ فقہ مالکی کو نصیب نہ ہوسکی[1] اور شاید یہی وجہ ہے کہ "امام شعرانی شافعی" اپنی کتاب "المیزان" میں اپنے اس کشف کا ذکر کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب سب مذاہب سے آخر تک رہے گا۔[2] جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس مذہب میں اس کی زیادہ اہلیت ہے کہ جدید نظام مسائل پوری طرح حل کرسکے، تاہم بہت سے مسائل ایسے ملیں گے اور ہیں جن کا ذکر موجودہ فقہ حنفی کے اس عظیم الشان ذخیرہ میں نہیں ملتا ہے اور فقہ شافعی اور فقہ حنبلی میں مل جاتا ہے اس لئے اس سلسلہ میں جو بات فکر ناقص میں آئی ہے وہ عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں اور علماء امت کی خدمت میں درخواست کروں گا کہ اگر وہ صحیح نہ ہو تو ضرور اپنی مخلصانہ تنقید سے سرفراز فرمائیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل.

(۶) "مبسوط"، "بدائع"، "قاضی خاں" سے لیکر "طحاوی"، "ردالمحتار" اور "التحریر المختار" تک کتب فقہ حنفی کی ورق گردانی کرنے کے بعد بھی اگر مسئلہ ہاتھ نہ آئے تو امہات کتب مذاہب ثلاثہ کی ورق گردانی کرنی ہوگی، فقہ مالکی میں "مدونۂ کبریٰ" سے لے کر "حطّاب" تک اور فقہ شافعی میں "کتاب الام" سے لیکر "تحفۃ المحتاج" تک کی مراجعت کرنی ہوگی۔ حکومت سعودی کی عنایت وتوجہ سے فقہ حنبلی کا عظیم الشان ذخیرہ طبع ہو کر امت کے سامنے آگیا ہے۔ اس کے لئے "مغنی ابن قدامہ" "المحرر" اور "الانصاف" کی ورق گردانی کافی ہوگی۔ الغرض اگر مسئولہ ومطلوبہ مسئلہ ان کتب میں مل جائے تو اس پر فتویٰ دیدیا جائے جدید اجتہاد کی ہرگز ضرورت نہیں۔ اور اگر مسئلہ صراحۃً نہ ملے تو ان مسائل مصرحہ پر قیاس

---

(۱) مقدمة العلامة ابن خلدون –الفصل السابع فی علم الفقه ومایتبع من الفرائض –ص ۴۴۷– ط: المکتبة التجاریة الکبریٰ القاهرة.

(۲) کتاب المیزان للإمام الشعرانی –فصل فی بعض الأجوبة عن الإمام أبی حنیفة –الفصل فی شهادة الأئمة له – ۱/ ۵۲ –ط: المکتبة الحسینیة المصریة.

کرنے میں مضائقہ نہ ہوگا بشرطیکہ قیاس مع الفارق نہ ہو جس کا فیصلہ خود علماء کرام فرمالیں گے کہ یہ قیاس کس درجہ میں ہے۔

(۷) اگر مسئلہ مطلو بہ سب فقہاء کے ہاں ملتا ہے لیکن حنفی مذہب میں دشواری ہے اور بقیہ مذاہب میں نسبتاً سہولت ہے اور عوام کا عام ابتلاء ہے تو اخلاص کے ساتھ جماعت اہل علم غور کرے اگر ان کو یقین ہو جائے کہ عموم بلویٰ کے پیش نظر عصر حاضر میں دینی تقاضا سہولت و آسانی کا مقتضی ہے تو پھر مذہب مالکؒ، مذہب شافعیؒ، مذہب احمدؒ بن حنبل کو علی الترتیب اختیار کر کے اور اس پر فتویٰ دے کر فیصلہ کیا جائے۔

ہمارے عصر حاضر کے اکابر نے فسخ نکاح کی مشکلات کو اسی طرح حل کیا ہے اور متأخرین حنفیہ نے ''مفقود الخبر'' میں بھی ایسا ہی کیا ہے، البتہ تلفیق سے احتراز کرنا ضروری ہوگا۔ اور ''تتبع رخص'' کو مقصد نہ بنایا جائے گا، مثلاً مسائل معاملات میں ''بیع قبل القبض'' ہے کہ آج کل تمام تاجر طبقہ اس میں مبتلاء ہے، اب اس کی صورت حال پر غور کر کے پوری طرح جائزہ لیا جائے کہ اگر یہ ابتلاء واقعی ہے اور موجودہ معاشرہ مضطر ہے اور بغیر اس کے چارۂ کار نہیں تو مذہب مالکی پر فتوی دیدیا جائے کہ عدم جواز بیع قبل القبض، مطعومات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس مسئلہ میں مذہب حنبلی بھی مذہب مالکی جیسا ہے اور حدیث میں صراحۃً طعام ہی کا ذکر ہے

نهى رسول الله ﷺ عن بيع الطعام حتى يستوفى(۱)

امام ابوحنیفہؒ و امام شافعیؒ نے طعام پر بقیہ چیزوں کو قیاس کر کے منع کر دیا ہے۔

(۸) خلافیات ائمہ میں اس پر غور کرنا ہوگا کہ اختلاف کا منشاء نصوص کا تعارض ہے یا قواعد فقہیہ کا اختلاف یا یہ محض اجتہادی وجوہ کی وجہ سے ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی جو الہامی رائے ''فیوض الحرمین'' میں منقول ہے کہ ائمہ احناف کے اختلافات میں ترجیح کا معیار کیسے قائم کیا جائے اس کو پیش نظر رکھنے سے موجودہ خلافیات میں رہنمائی مل سکے گی نیز اختیارات علماء کا سلسلہ جو مختلف ادوار میں جاری رہا اس کو نظیر بنایا جا سکے گا، عرف وحالات کے اختلاف سے جو اثرات ہوں گے ان کو بھی

(۱) الصحيح لمسلم للإمام مسلم بن الحجاج القشيري (المتوفى: ۲۶۱ھ) - كتاب البيوع - باب بطلان بيع المبيع قبل القبض - ۲/ ۵ - ط: قديمي

ضرور پیش نظر رکھنا ہوگا مثلاً تعلیم القرآن، پھر اذان وامامت پھر تدریس حدیث وعلوم دینیہ پر معاوضہ یا مشاہرہ لینے میں قدماء ومتاخرین کے زمانوں کے اختلاف کی وجہ سے جو اختلاف رہا یہ سب باتیں پیش نظر رکھنی ہوں گی۔

(۹) جن مطلوبہ احکام کا فیصلہ کرنا ہوگا ان میں طبقات ومراتب قائم کرنے ہونگے اور یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ مسائل موجودہ معاشرے کے لئے کس درجہ میں مطلوب ہیں کیا ان کے بغیر نظام چل نہیں سکتا؟ یا چل تو سکتا ہے لیکن کسی قدر دقت پیدا ہوگی پھر اس دقت پر غور کرنا ہوگا کہ وہ دقت کس درجہ کی ہے؟

(۱۰) معاملات میں فیصلہ کرنے کے لئے سب سے پہلے موجودہ ملک کے بارے میں فیصلہ کرنا ہوگا کہ فقہی اصطلاح کے اعتبار سے یہ ملک ''دارالاسلام'' ہے یا ''دارالامان'' یا ''دارالحرب'' ہے۔ دارالاسلام کا اصلی مدار ''فصل خصومات'' پر ہے کہ پورا قانون تعزیرات وحدود، محاکم شرعیہ عدلیہ قائم ہوں اور معاملات وعقوبات کا قانون مکمل اسلامی ہو، تعزیرات وحدود قانون اسلامی کے مطابق جاری ہوں، اسی طرح موجودہ نظام حکومت کا جائزہ لینا اور اس پر غور کرنا ہوگا کہ یہ کس قسم کی حکومت ہے؟ اسلامی قانون کے نفاذ پر صرف قدرت ہی کافی ہے یا عملی طور پر اس کی تنفیذ بھی ضروری ہے۔ عرصہ دراز تک باوجود قدرت کہ قانون اسلام جاری نہیں کیا گیا تو اس کے عوامل واسباب کیا ہیں؟ اور سابقہ ''دارالحرب''، یعنی عہد برطانوی کا دارالحرب تقسیم ہوکر دو حصے میں بٹا، ایک حصہ یقیناً اب بھی دارالحرب ہے، دوسرا حصہ صرف حکمرانوں کی تبدیلی سے کیا دارالاسلام بن جائے گا یعنی قانون تو نہیں بدلا مگر قانون کے چلانے والے بدل گئے تو کیا اس لئے حکم بدل جائے گا؟ پھر جبکہ عہد حاضر میں ''عائلی قانون'' کے نام سے صراحۃً کتاب وسنت کے خلاف قانون بنایا گیا، تو کیا صریح خلاف قرآن قانون بننے کے بعد بھی فقہاء اسلام کے مسائل کے مطابق یہ دارالاسلام ہی رہے گا؟ الغرض اس امر کے فیصلہ کرنے کے بعد معاملات کا شرعی فیصلہ ممکن ہوسکے گا، عقود فاسدہ ''ربوا''، ''بیمہ''، ان سب مسائل کے صحیح حل کرنے کے لئے اس ملک وحکومت کے متعلق شرعی وفقہی فیصلہ کرنا ہوگا اور یہ غور کرنا ہوگا کہ موجودہ حزب اقتدار آخر اسلامی قانون کے نافذ کرنے سے گریز کیوں کرتا ہے؟ کیا صرف اسلئے کہ ان کی نفسانی خواہشات کی تکمیل میں یہ قانون حائل ہے؟ یا وہ عقیدۂ اسلامی قانون کو موجودہ زمانے کے لئے غیر صالح اور ناکافی سمجھتا ہے۔ ان سب گوشوں پر غور کرنا اور ان سب حالات کا جائزہ لینا ہوگا

جب جا کر صحیح فیصلہ ہو سکے گا اور جب اس حکومت یا اس ملک کی فقہی وشرعی حیثیت متعین ہو جائے گی تو پھر ان معاملات کے احکام کا صحیح فتوی دیا جا سکے گا جن کا حکم اختلاف دار سے مختلف ہو سکتا ہے۔

یہ چند مختصر اشارات ہیں جن کی حیثیت ایک مختصر ''متن'' کی ہے اور اس کی تشریح ایک مفصل مضمون کی محتاج ہے لیکن چونکہ اصلی مخاطب علماء کرام ہیں ان کی خدمت میں یہ اشارات بھی کافی ہونگے۔

میری خواہش ہے کہ علماء کی خدمت میں ان موضوعات کو بھی آئندہ پیش کیا جائے جن پر ان کو غور کرنا ہوگا اور جب تک اجتماعی فیصلہ کا موقع نہ آئے اس سے پہلے انفرادی طور پر ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش انہی اصول کے پیش نظر کریں۔ مقصود تین باتیں ہیں:

الف: اللہ کا یہ دین کامل اور ہر معاشرے کے لئے صالح وموزوں ہے۔

ب: اسلام کو مشکل سمجھ کر اور ناممکن العمل خیال کر کے اسلام کو ختم کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

ج: جو فریضہ علماء امت کے ذمہ ایسے حالات میں عائد ہوتا ہے ان سے سبکدوش ہو جائیں نہ جدید اجتہاد کا دروازہ کھولنا ہے نہ ''تتبع رخص'' پر قوم کو آمادہ کرنا ہے۔ نہ ترک تقلید کی بنیاد رکھنا ہے بلکہ یہ سمجھنا ہے کہ ''قرآن وسنت'' اور اس کے بعد ''فقہ اسلامی'' اور ''تفقہ فی الدین'' کے ذریعہ ساری مشکلات حل ہو سکتی ہیں اور فقہاء اسلام اور فقہ اسلامی سے بے نیاز ہو کر دین اسلام کی حفاظت کی تدبیر طفلانہ خیال ہے۔ فقہاء کرام نے دین کی بڑی خدمت کی ہے ایک ہزار برس کے بعد بھی دنیا ان کی جلیل القدر حیرت انگیز خدمات سے مستغنی نہیں ہو سکتی بلکہ قیامت تک ان کی منت پذیر رہے گی۔

الدین النصیحة'' ثلثا'' قلنا لمن :قال للہ ولکتابه ولرسوله
ولائمة المسلمين وعامتهم (مسلم عن تميم الداری)(۱)

بینات- ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ

---

(۱) مشکوة المصابيح لمحمد بن عبدالله خطيب التبريزی (م۷۳۷ھ)-باب الشفقة والرحمة على الخلق -الفصل الاول -ص ۴۲۲، ۴۲۳-ط:قديمی

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ

عصر حاضر کے جدید مسائل کا حل

اور ایک غلط فہمی کا ازالہ

''بینات'' کے چند مسلسل اعداد میں راقم الحروف نے علماء امت کی خدمت میں جو گزارش کی تھی اس کا حاصل یہ تھا: کہ ''دین اسلام'' کامل ترین نظام حیات ہے، ہر عصر کے لئے صالح نظام ہے اور ہر مشکل کا علاج اس میں موجود ہے ''قرآن کریم وسنت نبویہ'' دو ایسے سرچشمے ہیں جن کا آب حیات قیامت تک کی آنے والی نسلوں کے لئے حیات بخش ہے اور قیامت تک پیدا ہونے والے امراض کے لئے نسخۂ شفاء ہے۔ انہی دو چشموں سے ''اجماع امت'' اور ''قیاس فقہی'' کی نہریں جاری ہوئی ہیں اور اس طرح سے کتاب وسنت یا قرآن وحدیث اور اجماع امت وقیاس سے فقۂ اسلامی وجود میں آئی اور اسلامی قانون مدون ہوا ہے، اور فقہاء امت کے مساعی مشکورہ سے ہزاروں لاکھوں مسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں مرتب ہو گئے ہیں۔ فقہاء امت نے انہی اسلامی مآخذ کی روشنی میں ہر دور کے نئے مسائل کو حل کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ابدی اور محکم ہے، ہر مرض کی دواء اس میں مل جاتی ہے۔ جس طرح ہمارے سلف صالحین نے اپنے اپنے زمانے میں جدید واقعات ومسائل کا حل تلاش کیا اور امت کی رہنمائی کی اور امت کو گمراہی سے بچایا، ٹھیک اسی طرح آج یہ فریضہ عہد حاضر کے علماء کے ذمے عائد ہوتا ہے کہ جدید تمدن سے جو جدید صورت حال رونما ہوئی ہے اس کے پیش نظر مدون ومرتب ذخیرہ کی روشنی میں ان نئے مسائل کا حل معلوم کر کے جدید نسل کو گمراہی سے بچائیں اور ایک دفعہ پھر اس تاریخی حقیقت کو باور کرائیں کہ دین اسلام اور قانون اسلامی ہر زمانے کے لئے کافی وشافی ہے اور یہ کہ فقہاء اسلام کی کوششوں سے جو کچھ مرتب ہوا یہ ہمارا قیمتی سرمایہ ہے، امت کبھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتی، اس خیال کے تجزیہ سے یہ بات نہایت واضح ہے کہ جو کچھ قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں منصوص احکام شرعیہ آ گئے ہیں، وہ امت کے لئے ہر حالت

میں واجب الاطاعت ہیں، اور ہمارے اجتہاد کے دائرے سے بالاتر ہیں۔ اور اگر احادیث میں کچھ تعارض ہے یا قرآن کریم کی دلالت قطعی موجود نہیں ہے تو فقہاء امت اور محدثین کرام نے انہی مشکلات کے تصفیہ کے لئے ''اصول فقہ، اصول حدیث'' کے علوم وفنون مدوّن کئے ہیں اور وہ مسائل وابحاث دائرۂ فقہ میں آجاتے ہیں۔ الغرض دین کے احکام تین قسم کے ہیں:

(۱) احکام منصوصہ اتفاقیہ۔

(۲) احکام اجتہادیہ اتفاقیہ۔

(۳) احکام اجتہادیہ خلافیہ۔

پہلی دو قسموں میں جدید اجتہاد کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، تیسری قسم میں بھی میں اجتہاد کی ضرورت نہیں سمجھتا، البتہ اتنی گنجائش ہے کہ اگر مذہب حنفی میں واقعی دشواری ہے اور امت محمدیہ واقعی تیسیر وتسہیل کی محتاج ہے اور اعذار بھی صحیح اور واقعی ہیں، محض وہمی وخیالی نہیں ہیں، تو دوسرے مذاہب پر عمل کرنے اور فتویٰ دینے کی گنجائش ہوگی اور ضرورت کس درجہ میں ہے اور ہے بھی یا نہیں، یہ صرف علماء وفقہاء کی جماعت طے کرے گی۔

چوتھی قسم مسائل کی وہ ہے جو جدید تمدن نے پیدا کئے ہیں اور سابقہ فقۂ اسلامی کے ذخیرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے نہ نفیاً نہ اثباتاً، ان مسائل میں ان جدید تقاضوں کو پورا کرنا اور ان مشکلات کو حل کرنا دور حاضر کے علماء کا فریضہ ہے یعنی یہ کہ وہ ان مسائل کا، قیاس واجتہاد سے قدیم ذخیرہ کی روشنی میں فیصلہ کریں، ان علماء میں حسب ذیل شرائط ہوں:

(۱) اخلاص۔ (۲) تقویٰ۔

(۳) قرآن وحدیث وفقہ اسلامی میں مہارت ووسعت۔

(۴) دقت نظر وذکاوت۔

(۵) جدید مشکلات کے سمجھنے کی اہلیت۔

ان صفات کے ساتھ شخصی فیصلہ نہ کیا جائے بلکہ ان صفات پر متصف جماعت ہو اور ان کے فیصلہ سے مسائل حاضرہ حل کئے جائیں۔ بہر حال قرآن کریم حجت ہے، احادیث نبویہ وسنت نبویہ دین کی اہم بنیاد ہے، تعامل علماء امت واجماع امت شرعی حجت ہیں۔

فقہاء کرام کے اجتہادی مسائل واجب العمل ہیں۔ظاہر ہے جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اجتہاد جدید کی ضرورت ہے یعنی دین اسلام کا قدیم ڈھانچہ بدل کر جدید ڈھانچہ تیار کیا جائے یا منصوص اجماعی و متفق علیہ مسائل کو از سر نو زیر بحث لایا جائے اور قانون اسلامی کے متفقہ مسائل سے خلاصی کی راہ ڈھونڈ نکالیں اور یہ سب کچھ صرف اس لئے کہ عصر حاضر کی خواہشات وتقاضے سابقہ کوششوں سے پورے نہیں ہوتے۔اگر کوئی صاحب یہ خیال قائم کریں تو کتنا غلط اور غیر واقعی خیال ہوگا،سبحانک ھذا بھتان عظیم ،بہر حال میرا یہ منشاء قطعاً نہیں کہ فیصلہ شدہ مسائل جو عہد نبوت سے آج تک مسلمہ ہیں اور امت محمد یہ ان پر عمل پیرا ہے خواہ قرآن کریم کی تصریحات سے ہیں یا احادیث نبویہ میں فیصلہ شدہ ہیں یا فقہاء امت نے طے کر لئے ہیں،ان میں ترمیم کی گنجائش ہے یا تبدیل کا امکان !یہ سب فرق مراتب کے باوجود عملی حیثیت سے سب کے لئے واجب الاطاعت ہیں۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن ڈائریکٹر'' مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی'' نے اپنی تائید میں میرا جو حوالہ پیش کیا ہے مجھے اس پر تعجب ہے۔ڈاکٹر صاحب بینک کے سود کو جائز قرار دیتے ہیں اور موجودہ معاشرے کے لئے بے حد ضروری خیال کرتے ہیں،حالانکہ سود کے جملہ اقسام کی حرمت'' دین اسلام'' کا مسلمہ قانون ہے۔[1] ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ علماء امت دوبارہ اس مسئلہ پر غور کر کے ان کی تائید وتصدیق کردیں گے۔حالانکہ ڈاکٹر صاحب کے خیال کا دارومدار ہی اس حقیقت پر ہے کہ انہوں نے'' حرمت ربا'' کی احادیث نبویہ کو قطعاً نظر انداز کردیا ہے اور حضرت رحمت عالم رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور قرآن دانی اور منصب نبوت سے سراسر ناواقفیت کا ثبوت دیا ہے،نیز قرآن فہمی کے لئے جن علوم عربیت اور علوم بلاغت اور اصول فقہ کے مسلمہ قواعد واصول کی ضرورت تھی ،یہ مضمون لکھ کر انہوں نے اپنی ناواقفیت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے جس کی تفصیل وتحقیق ڈاکٹر صاحب ہی کی تعمیل حکم کے پیش عنقریب پیش کی جائے گی اور ان کی جدید تحقیق کا تجزیہ کر کے دکھلایا جائے گا کہ ڈاکٹر صاحب سنت نبویہ اور سنت جاہلیہ کے حدود بھی متعین نہ کر سکے۔ڈاکٹر صاحب احادیث نبویہ کو ایک حدیثی تحریک کی حیثیت ہی سے جانتے ہیں جو بعد کی پیداوار

---

(۱) الجامع لأحکام القرآن لأبی عبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر القرطبی (المتوفی : ۶۷۱ھ)– سورة البقرة : ۲۷۵–الثامنة عشرة –۳/۳۵۸– ط: الھیئة المصریة العامة للکتاب .

ہے۔ وہ اس کی تشریعی حیثیت کے بالکل منکر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب مجلّہ ''فکر ونظر'' میں اپنے جو مضامین شائع فرمارہے ہیں ان سے یہ خطرہ لاحق ہوگیا ہے کہ ان کے اصول موضوعہ کے پیش نظر دین اسلامی کے اساسی مسائل سب زیر بحث آسکتے ہیں، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، شراب، زنا، سود، سب میں تاویل وتحریف کرکے اچھا خاصا اسلام کا جدید ڈھانچہ تیار ہوسکتا ہے۔ اور شاید جدید معاشرے کے لئے یہ اسلام کے جدید ایڈیشن کی تیاری کی تدبیر ہورہی ہے۔ قرآن کریم کے متن کی تشریح کے لئے اگر تعلیمات نبوت سے روشنی حاصل نہ کی جائے تو پورے کفر کا دوسرا نام اسلام ہوسکتا ہے جیسا کہ آج تک ہر دور کے ملاحدہ باطنیہ کرتے رہے پھر مسٹر پرویز کرتے رہے اور یہی کام خاکسار تحریک کے بانی نے کیا، کیونکہ ''خاکسار تحریک'' کی بنیاد بھی اسی انکار حدیث پر تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بحیثیت امیر کے مانتے تھے نہ بحیثیت نبوت، اس لئے ان کے نزدیک وفات کے بعد پیغمبر کے اقوال واجب الاطاعت نہیں رہتے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

چند اقتباسات ملاحظہ ہوں، ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اساسی طور پر بنی نوع انسان کے اخلاقی مصلح تھے وقتاً فوقتاً کچھ انفرادی فیصلوں کو چھوڑ کر جن کی حیثیت ''محض ہنگامی'' واقعات کی ہوتی تھی، آپ نے اسلام کی ترقی کے لئے بہت ہی کم عام قانون سازی کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ خود قرآن مجید میں بھی اسلامی تعلیمات کا بہت ''تھوڑا'' سا حصہ ہے جس کا تعلق عام قانون سازی سے ہے''......الخ

ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو وقت وفات تک اہل مکہ اور عرب کی اخلاقی اصلاح کی شدید جدوجہد میں مصروف اور اپنی ''قومی ریاست'' کی تنظیم میں مشغول رہے ان کو وقت ہی کہاں مل سکتا تھا کہ وہ زندگی کے جزئیات کیلئے قوانین مرتب فرماتے''......الخ

ڈاکٹر صاحب کی تحقیق ہے:

''کہ اوقات نماز اور ان کی جزئیات کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

امت کیلئے کوئی غیر لچکدار اور جامد انداز نہیں چھوڑا''۔

یعنی لچکدار انداز چھوڑا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تائید میں اپنے فہم کے مطابق مؤطا مالک کی پہلی حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں صراحۃً پانچ نمازیں آپ نے پڑھی ہیں لیکن اس میں راوی نے پانچ اوقات کی تصریح نہیں کی حالانکہ دوسری روایات میں ان پانچ وقتوں کی تصریح بھی آگئی ہے[1] جہاں تک ڈاکٹر صاحب کی نگاہ نہیں پہنچی بلکہ خود اسی روایت میں ''وقت الصلوٰۃ'' کا ذکر ہے۔ آگے خود مؤطا مالک ہی میں فجر، عصر، ظہر، مغرب، عشاء، سب ہی اوقات کی احادیث موجود ہیں[2] لیکن ڈاکٹر صاحب کی تحقیق ملاحظہ ہو:

''بعدازاں حدیث میں جب کبھی نماز پر زور دیا جاتا ہے تو ''صلوٰۃ'' کے ساتھ ''علی میقاتہا'' بھی شامل کردیا جاتا ہے یعنی نماز اپنے صحیح وقت میں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نمازوں کے لئے ایک معیاری وقت قائم کرنے کی مہم چلائی گئی تھی''۔ (۳)

دیکھا آپ نے! کس صفائی کے ساتھ اب اعتراف فرمایا گیا کہ پانچ نمازیں بعد کی پیداوار ہیں، گویا نبی کریم ﷺ نے پانچ نمازیں پانچ وقت میں پڑھی ہیں نہ حکم دیا ہے، انا للہ، جب ڈاکٹر صاحب کی تحقیقات یہاں تک بے نقاب ہوکر آگئیں تو آئندہ کیا توقع رکھی جاسکتی ہے:

ع　قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

ڈاکٹر صاحب نے مجلّہ ''فکر ونظر'' کے تین اعداد وشمار میں تقریباً ستر صفحات کا جو مضمون تحریر فرمایا ہے وہ سب اسی انداز کا ہے اس سے چند جملے بلا تبصرے کے پیش کئے گئے تاکہ ناظرین مفصل تبصرے کے انتظار میں زیادہ زحمت نہ اٹھائیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کافی عرصہ قبل یہ ''بارود'' تیار کر رکھی تھی جواب دفعۃً موصوف نے چھوڑ دی، نہ معلوم ڈاکٹر صاحب کے بارود خانہ میں تباہ کاری کے اور کتنے سامان

---

(۱) سنن الترمذی للإمام محمد بن عیسی بن سورۃ الترمذی-ابواب الصلوٰۃ- باب ما جاء فی مواقیت الصلوۃ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم- ۱/۳۸-ط: ایچ ایم سعید.

وکذا فی الصحیح لمسلم -کتاب الصلوۃ -باب أوقات الصلوات الخمس-۱/۲۲۱- ط: قدیمی.

(۲) المؤطا للإمام مالک (المتوفی: ۱۷۹ھ)-باب وقوت الصلوۃ -۳ إلی ۶ -ط: میر محمد

(۳) مجلّہ ''فکر ونظر''، جلد نمبر۱-۱۹۶۳ء-ط: مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامیہ کراچی۔

پنہاں ہیں، یہ تو محض بسم اللہ ہے، یہ ہے پاکستان کا مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلام! شاباش زندہ باد ادارۂ تحقیقات اسلام! ہم تو ایک پرویز کی ہی مرثیہ خوانی کررہے تھے، کیا معلوم کہ این خانہ ہمہ آفتاب است۔

ع　　ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

اللہ تعالیٰ امت محمدیہ ﷺ کو صحیح اسلام اور اسلامی حقائق کا صحیح فہم عطا فرمائے اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے کوئی غیبی سامان فرمائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز.

بینات - رجب ۱۳۸۳ھ

مسائل حاضرہ میں

اجتہاد کے اصول وشرائط

خطبۂ موتمر عالم اسلامی قاہرہ

حضرت علامہ محمد یوسف بنوری مدظلہٗ رئیس وفد پاکستانی

قاہرہ میں جو مؤتمر عالم اسلامی ٦ تا ٢٢ مارچ ١٩٦٤ء منعقد ہوئی تھی اس کے زیر بحث مسائل سے متعلق قبل از وقت مندوبین کو مطلع نہیں کیا گیا تھا، اسلئے پہلے ہی سے کسی مقالہ کی تیاری قیاس سے بعید تھی۔ مگر وہاں پہنچ کر حضرت مولانا بنوری نے جب اسکی ضرورت محسوس فرمائی تو قلم برداشتہ مسافرانہ حالت میں ''مسائل حاضرہ میں اجتہاد کے اصول وشرائط'' پر یہ ٹھوس علمی خطبہ تحریر فرمادیا۔ عام ناظرین ''بینات'' کے لئے اسکا بامحاورہ ترجمہ مولانا محمد ادریس صاحب استاذ مدرسہ عربیہ اسلامیہ نے فرمایا ہے جو پیش ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ کے بعد:

بلاد اسلامیہ کے برگزیدہ ترین حضرات علماء وفضلاء!

ہم اولاً جناب ڈاکٹر محمود حب اللہ ناظم اعلیٰ ''ادارہ تحقیقات اسلامی'' ''زیر سرپرستی جامعہ ازھر'' کی وساطت سے اس عظیم مؤتمر عالم اسلامی کی شرکت کے لئے ادارۂ ازھر کی جانب سے دی گئی لائق فخر ومباہات دعوت کو خوش آمدید کہتے ہیں، ثانیاً ہم خود کو اور تمام شرکاء مؤتمر کو ہدیۂ تہنیت وتبریک پیش کرتے ہیں، اس قابل قدر دعوت پر جو عصر حاضر کی دینی مشکلات کو قرآن حکیم اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی روشنی میں، اور اس لائق فخر علمی میراث (فقہ اسلامی) کی رہنمائی میں، حل کرنے کے لئے دی گئی ہے، جسکو امت محمدیہ کے

ایسے فقہاء وحکماء نے آنے والی نسلوں کے لئے بطور ترکہ چھوڑا ہے جن کے پاک وصاف قلوب ایک عظیم تر اخلاص، تقوی اور خشیت الٰہیہ کے انوار سے لبریز تھے، دوسری طرف وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے لافانی علوم ومعارف کے سرچشموں سے بھی شایان شان طور پر سیراب وسرشار ہو چکے تھے اور انہوں نے صبح وشام اپنی زندگی کے تمام شب وروز اور اپنی تمام تر توانائیاں علوم ومعارف الٰہیہ اور تعلیمات سنت نبویہ کے اندر دقت نظر میں اور طویل بحث وتفتیش میں صرف اور وقف کردی تھیں اور اس سب سے بڑھ کر یہ کہ توفیق وتائید الٰہی ان کے ساتھ تھی، اسی لئے وہ آنے والی دنیا کی گھٹاٹوپ تاریکیوں میں ایسے روشن اور تابناک ستارے بن کر چمکے کہ اطراف واکناف عالم انکے علوم ومعارف کی روشنیوں سے جگمگا اُٹھا اور آج تک مشرق ومغرب میں انکی علمی فتوحات کے جھنڈے فضاء بسیط میں لہرا رہے ہیں۔

عظیم المرتبت جلیل القدر بزرگو! جامع ازھر یا زیادہ صحیح تعبیر کے ساتھ جامعۃ ازھریۃ تقریباً ایک ہزار سال سے ایسی عظیم الشان علمی اور دینی خدمت انجام دے رہا ہے کہ کسی بھی ملک ومملکت یا علمی وتعلیمی ادارہ کی خدمات اسکے مقابلہ پر تو کیا، پاسنگ بھی نہیں بن سکتیں، اسی لئے بدون کسی شک وشبہ کے جامع ازھر تمام امت کی جانب سے علیٰ حسب المراتب عظیم الشان تعظیم واحترام، قدردانی وقدرشناسی اور تحسین وستائش کا مستحق ہے، خاص طور پر جبکہ ''تاتاریوں'' کی تاخت وتاراج اور قتل وغارت کا تباہ کن سیلاب بلاد اسلامیہ کے علمی مرکز ''بغداد'' اور اسکے تمام علمی وتعلیمی مراکز، عظیم درسگاہوں اور عظیم تر کتب خانوں اور سالہاسال کے علمی ذخائر کو بہالے گیا اور صفحۂ وجود سے حرف غلط کی طرح مٹاڈالا (لیکن جامع ازھر اللہ جل شانہ کے فضل وکرم سے ہر طرح کی تباہی سے محفوظ اور اس طوفان خیز دور میں بھی برابر خدمت علم ودین میں مصروف رہا) ایسی صورت میں ''ازھر'' کا علمی مقام دنیا کے ہر اُس علمی وتعلیمی ادارہ پر جو تحسین وستائش اور تعظیم واحترام کا مستحق ہو ایسی نمایاں فوقیت وبرتری کا مالک ہے کہ اسکا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

معزز حضرات! زمانہ اور اسکے کوائف وظروف بالکل بدل چکے ہیں، فکر ونظر کے انداز کچھ سے کچھ ہوگئے ہیں، عہد حاضر کے مسائل حیات میں روز بروز مغربی تمدن کی پیدا کردہ نو بنو مشکلات اور پیچیدگیاں سنگ راہ بن کر سامنے آرہی ہیں، زندگی کے تہذیبی، معاشی، اقتصادی اور تجارتی نظامات میں نئے نئے نظریئے اور افکار اور خیالات رونما ہورہے ہیں، یہ ایک نظری اور فکری سیلاب ہے، جو پوری قوت

کے ساتھ یورپ سے آرہا ہے لہٰذا ہم دنیا کے تمام مسلمان بجا طور پر ازھــر سے امید اور توقع رکھتے ہیں کہ جس طرح ازھـر نے اپنے سابقہ سنہری عہد اور شاندار ماضی میں عالم اسلامی کی لازوال علمی اور دینی قیادت کی تھی اسی طرح وہ اس پُرفتن دور حاضر میں بھی اپنی تمام تر دینی بصیرت اور حکمت وتدبر کے ساتھ اسلام کے اساسی حقائق اور بنیادی اغراض ومقاصد کو سامنے رکھ کر ایسی ہی لافانی رہنمائی کرے اور مسائل عصریہ کی دینی مشکلات اور پیچیدگیوں کو اُس روشن اور پاکیزہ طریق پر حل کرے جسکا اسلام کی روح اور دین کا جوہر متقاضی ہے۔ ''کتاب اللہ''، ''سنت رسول اللہ''، ''اجماع ائمہ'' اور اسلامی فقہ پر اسکا مدار ہو۔ یورپ کی پُر فریب اور گمراہ کن تہذیب اور خدا پرستی کے جذبہ پر ضرب کاری لگانے والے تمدن کا اس پر سایہ تک نہ پڑے اور اس طرح اس یورپین تمدن کے تباہ کن طوفان کے مقابلہ کے لئے ایک مضبوط چٹان کی طرح میدان میں آجائے اور ایک آزمودہ کار ''مرد آہنی'' اور تجربہ کار ''دانائے راز'' کی طرح مقابلہ کرے۔ اسلئے کہ بغیر کسی شک وشبہ کے اس وقت اسلامی دنیا کی اُمیدیں ''ازھــر'' سے وابستہ اور نظریں ''ازھــر'' کی طرف اُٹھ رہی ہیں جبکہ ہمارے پاس نہ اس سیلاب کے دھارے کو روکنے کے (مادی) وسائل ہیں اور نہ ہمیں اسکی امید باقی رہی ہے کہ ہم اس طوفان کا مقابلہ کرسکیں گے لہٰذا اس یاس وناامیدی کے عالم میں بجا طور پر ازھر سے اس دینی فرض کو ایسے طریق پر انجام دینے کی توقع کی جاتی ہے جو رحمت خداوندی اور رضاء الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہو، تاکہ ''ازھــــر'' از سر نو اطراف واکناف عالم میں مسلمانوں کے لئے مقتدا اور دوسری قوموں کے لئے ایک مثالی نمونہ بن جائے۔

معزز حاضرین! اسلامی اور یورپین تہذیب وتمدن کے اس تصادم وتلاطم کے زمانہ میں دنیا دو متضاد سمتوں اور کناروں پر کھڑی ہے۔ ایک طرف علماء دین کا گروہ ہے جن کو تصلب فی الدین اور تمسک بالشریعت نے ایسا جمود ورثہ میں دیا ہے کہ انہوں نے حالات حاضرہ میں علم اور دین کی خدمت کے لئے جن تقاضوں اور وسائل کی شدید ضرورت ہے، ان کو بالکل ہی نظر انداز کردیا ہے۔ دوسری طرف ان روشن خیال منکرین کا گروہ ہے جن میں عہد حاضر کی مشکلات اور پیچیدگیوں کو سمجھنے کی اہلیت تو بدرجۂ اتم موجود ہے، وہ بہت اچھی طرح وقت کے ان تقاضوں سے واقف ہیں جن کی امت مسلمہ عہد حاضر کی مشکلات حل کرنے میں محتاج ہے۔ ان کے دلوں میں وہ ایمانی جرأت بھی موجود ہے جس کے تقاضہ کی بنا پر وہ اس خدمت کو

انجام دینے کے لئے مضطرب ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان تمام دشواریوں اور پیچیدگیوں کو حل کردیں، جنہوں نے امت کے ذہن وفکر کو حیرانی کے گرداب میں سرگرداں بنا رکھا ہے لیکن وہ اُس دینی بصیرت وایمانی فراست اور صحیح وپختہ علم دین کی کما حقہٗ واقفیت سے محروم ہیں جسکے بغیر عہد حاضر کی پیدا کردہ مشکلات وپیچیدگیاں حل نہیں ہوسکتیں۔ لہٰذا اس میں شک نہیں کہ یہ ہر دو فریق امت کی توقعات کو پورا کرنے سے قاصر ہیں اور ان جیسے عصری مسائل کو ان دونوں میں سے کسی بھی ایک گروہ کے سپرد کر دینا اور اُسی پر تکیہ کر لینا زبردست غلطی اور گمراہ کن نادانی ہوگی، نہ اس سے دین وملت کو کوئی تقویت پہونچے گی اور نہ اُمت کی پیاس بجھے گی۔

حضرات علما وفضلاء! ہماری آرزو اور تمنا یہ ہے کہ اس ''تحریک'' کی بنیاد اس پر رکھی جائے کہ ایسے رجال دین کو کسی ایک جگہ جمع کیا جائے جن کے نفوس ایک طرف کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کے علمی سرچشموں سے کما حقہ سیراب وسرشار ہوں اور دوسری طرف وہ عہد حاضر کی پیدا کردہ ان مشکلات اور پیچیدگیوں کو بھی خوب اچھی طرح سمجھتے ہوں اور انکو حل کرنے کی بھی کماحقہٗ اہلیت رکھتے ہوں اسی کے ساتھ ساتھ ''ایمانی بصیرت''، ''اخلاص'' اور ''ورع وتقویٰ'' کے زیور سے بھی آراستہ ہوں، یا یہ ادارہٗ ''مجمع البحوث الاسلامی'' ایک ایسی مجلس کی تشکیل کرے جس کے مستقل اراکین مذکورہ بالا متنوع صفات اور متفرق خصائص کے حامل ہوں، ایسی صورت میں اگر ہر رکن ان تمام اوصاف کا جامع میسر نہ آئے تو ادارہٗ ''مجمع البحوث'' دونوں قسم کے ایسے علماء کو یکجا کرے جو اپنی اپنی علمی اور فنی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اس دینی خدمت کو انجام دینے پر دل سے متفق ومتحد بھی ہوں اور اس باہمی تعاون سے یہ جماعت مجموعی طور پر ان تمام ضروری اوصاف وفضائل کی حامل ہو سکے گی جن کا اوپر تذکرہ کیا جاچکا ہے۔

معزز ومحترم حضرات! میں اس وقت بحث اجتہاد کی ان گہرائیوں میں نہیں جانا چاہتا، جس کی تحقیق کا سہرا اُن علماءِ اصول فقہ کے سر ہے جو تدوین علوم وفنون کے قدیم تر عہد سے اس پچھلے زمانہ تک ہر دور اور ہر زمانہ میں اس کا حق ادا کرتے رہے ہیں، چنانچہ اس موضع اجتہاد پر سب سے پہلے قلم اُٹھانے والے مصنف ''قاضی ابو یوسفؒ'' ہیں ان کے بعد امام شافعیؒ، پھر امام ابوجعفر طحاویؒ، ان کے بعد ابوبکرؒ جصاص رازی، انکے بعد ابوزید دبوسیؒ، انکے بعد بزدوی، پھر غزالی اور ابن حزم، ان کے بعد رازی

وآمدی، ابن حاجب، بیضاوی، اسنوی، زرکشی، سبکی، قرافی، نسفی، شاطبی، امیر اتقانی اور ابن ہمام رحمہم اللہ کی تصانیف اس موضوع کی تحقیق وتنقیح کا حق ادا کرتی رہی ہیں اور ''قاضی شوکانی'' رحمہ اللہ پر یہ سلسلۂ تصنیف وتالیف ختم ہوتا ہے۔(۱) ان بزرگوں نے اس موضوع پر چھوٹی بڑی محققانہ کتابیں، جن میں کوئی ایک جلد میں ہے، کوئی ایک سے زائد جلدوں میں، لکھ کر اس موضوع کو اتنا غنی بنادیا ہے کہ اس پر اضافہ یا مزید بحث وتنقیح اور کسی بھی پہلو سے تحقیق وتفحص کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی چنانچہ اجتہاد کی حقیقت، شرائط، اقسام اور مجتہدین کے طبقات نیز یہ بحث کہ اجتہاد کا دروازہ کلاًیا جزءاً کھلا ہے یا بند ہوگیا۔ یہ تمام مباحث بالکل طے شدہ اور بحث سے بالاتر ہو چکے ہیں۔ اسکے بعد اب اجتہاد کے معنی، مبادی اور اصول پر بحث کرنے کا حاصل ایک بدیہی مسئلہ کو نظری بنادینے کے سوا اور کچھ نہیں۔ مشاہدہ اسکا سب سے بڑا ثبوت ہے، جس کا جی چاہے مذکورہ بالا مصنفین کی تصانیف کا مطالعہ ومشاہدہ کرلے۔ ان مجتہدین عظام کی فنی تحقیقات اور مسائل کے استنباط، جزئیات کے استخراج، نوبنو رونما ہونے والے مسائل وحوادث کے حل کے جو اصول اور طریقے، بحث وتحقیق کے بعد ان حضرات نے مقرر کردیئے ہیں۔ وہ اس امر کی حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے روشن ترین دلیل اور قوی ترین حجت ہیں کہ کہاں اجتہاد جائز ہے اور کہاں نہیں اور کس قدر اجتہاد باقی رہ گیا ہے اور کس حد تک ختم ہو چکا اور یہ فیصلہ آج کا نہیں بلکہ قدیم ترین زمانہ سے قرون وسطی تک یا زیادہ سے زیادہ متاخرین کے عہد میں ہو چکا ہے یہ وہ بدیہی حقیقت ہے کہ اسکا انکار وہی شخص کرسکتا ہے جو معاند ہو یا ہٹ دھرمی کرنے والا ہو۔ اس وقت مجھے سب سے زیادہ اہم جو چیز نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ میں شریکِ اجلاس علماء کرام اور فضلاء عظام کی توجہ چند اہم ترین امور کی جانب منعطف کراؤں اور اس میں بھی بسط وتفصیل کے بجائے اشارات پر اکتفا کروں۔

امر اول: یہ کہ تمام تر اجتہادی اور فقہی قانون سازی کے اساسی منبع ومآخذ صرف دو ہیں۔ ایک قرآن حکیم، دوسرے سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم۔

---

(۱) المقدمة للشيخ أبي الوفاء الأفغاني على اصول السرخسي للإمام أبي بكر السرخسي (المتوفى: ۴۹۰) -ص ۳ -ط: دار المعارف النعمانية.

امر دوم: یہ کہ خلفاء راشدین ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کی سنت انکے بعد فقہاء صحابہ مثلاً ابن مسعود، معاذ بن جبل، ابوالدرداء، زید بن ثابت، ابی بن کعب، ابوموسیٰ اشعری، حذیفہ، عمار، عبدالرحمٰن بن عوف، انکے بعد ابن عمر، ابن عباس، ابن عمرو وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال وآثار بھی استدلال اور حجیت میں لائق اتباع اور علوم نبوت کے انوار حاصل کرنے کے لئے منارہ ہائے نور ہیں۔

امر سوم: یہ کہ امت محمدیہ کے اجماع، خصوصاً اہل حرمین شریفین کے اجماع، مدینہ کے سات یادس فقہاء کے اجماع اور اسکے بعد درجہ بدرجہ فقہاء وعلماء امت کے اجماع کو بھی اصول دین کے اندر ایک ایسا محکم اور پائیدار مقام حاصل ہے کہ اسکو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

امر چہارم: یہ کہ امت محمدیہ کا علمی اور عملی متوارث ومتواتر ''تعامل'' جو قرنہا قرن سے چلا آرہا ہے اُسکا مرتبہ بھی اجماعِ صریح سے کم نہیں ہے۔

امر پنجم: یہ کہ وہ تمام ائمہ مجتہدین جن کے مذاہب مشرق ومغرب میں پھیلے ہوئے ہیں اور روئے زمین کے تمام متنفس مسلمان بلا استثناء اُنہیں کے مقرر کردہ اصول وفروع پر اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت کررہے ہیں اور انہیں میں سے کسی ایک کے مسلک کی پیروی اور اُن کے نقش قدم پر چلنے میں اپنی نجات کے معتقد ہیں۔ یہ عظیم قبول عام ان حضرات کو صرف اس لئے میسر نہیں آیا کہ یہی کتاب وسنت کے سرچشموں سے سب سے زیادہ سیراب تھے اور علوم کتاب وسنت کے فوق العادہ حاذق وماہر تھے۔ اجتہاد کے لئے جن علمی وفنی لوازمات کی ضرورت ہے اُن میں یہ کامل الفن تھے یا زمانہ ہائے دراز تک یہ اس بحث وتمحیص میں لگے رہے تھے اور اسی میں انہوں نے اپنی تمامتر توانائیاں اور عمریں صرف ووقف کردی تھیں' بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ یہ مقدس ہستیاں ورع وتقویٰ میں، معرفت وخشیت الٰہیہ میں' اللہ کے دین کے لئے عظیم تر اخلاص میں، بندگان خدا کی رہنمائی میں' اور اللہ کے دین اور اس کی کتاب اور عامۃ المسلمین کی خیر خواہی میں، عہد نبوت سے قریب تر ہونے اور بچشم خود آثار نبوت کا مشاہدہ کرنے میں اور اس ماحول میں زندگی بسر کرنے میں جو دین کی معرفت کا کامل معیار تھا اور پھر ان میں سے بعض حضرات خود اُن قرون خیر کے اندر ممتاز اور نمایاں حیثیت کے مالک تھے جن کے ''خیر'' ہونے کی شہادت دی گئی ہے اور ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ازلی مشیت کا فیصلہ تھا کہ ان پاکیزہ نفوس اور مقدس ہستیوں کو

دنیائے اسلام میں قبول عام حاصل ہوگا یہ اُن نفوس قدسیہ کی برگزیدگی کے ایسے روشن دلائل ہیں کہ کائنات کے صفحات اس کی شہادت دے رہے ہیں اور اسلامی تاریخ کے اوراق اس کا اعتراف کررہے ہیں، دشمن تک ان کے تقدس وطہارت کے معترف ہیں۔ لہٰذا اس عہد کے ہر محقق کے پیش نظر، یہ بدیہی حقیقت رہنی چاہئے کہ ان تمام موجب اعتماد اُمور کے حصول کا اس تاریک دور میں کسی بھی شخص کے لئے تصور بھی قریب قریب ناممکن ہے چہ جائیکہ حصول، لہٰذا ائمہ مجتہدین اور ان کے مذاہب کی عظمت کا اعتراف دل کی گہرائیوں میں راسخ ہونا ازبس ضروری ہے، ان سے باہر نکلنے کا تصور بھی پاس نہ آنا چاہئے۔

امر ششم: یہ ہے کہ یہ لائق فخر میراث (فقۂ مذاہب اربعہ) جس کا امت محمدیہ کے ایسے ایسے مجتہدین نے امت کو وارث بنایا ہے، یہی وہ سب سے بڑی دولت وثروت ہے جس سے امت ابدالآباد تک مستغنی اور بے نیاز نہیں ہوسکتی۔ ایسی صورت میں ''مسائل حاضرہ'' کے حل کرنے میں ان مذاہب کے مجتہدین سے بحث واستفادہ ازبس ضروری ہے۔

امر ہفتم: یہ کہ یہی قرآن حکیم، احادیث نبویہ، مسائل اجماع، مدون فقہ کے مسائل اور ائمہ مجتہدین کا تعامل اور طریق کار، ان نو بنو مسائل وحوادث کے حل کرنے میں ہماری موثق رہنمائی کریں گے جو سلف کے زمانے میں نہ تھے۔ اس لئے کہ کتب فتاویٰ، کتب نوازل، اور ہر عہد میں کتب تجنیس، ومزید اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ ہر زمانہ میں جو بھی نیا واقعہ یا حادثہ یا مسئلہ پیش آیا ہے ہمارے فقہاء نے اس کے حل کرنے میں مطلق کوتاہی نہیں کی ہے۔

امر ہشتم: یہ ہے کہ دنیا کی تاریخ اور اس کے واقعات وحوادث قانون قدرت کے تحت برابر بڑھتے چلے جارہے ہیں اور بڑھتے چلے جائیں گے ان میں وقوف اور ٹھیراؤ نام کو نہیں، اور جتنی کتابیں اب تک تصنیف کی گئی ہیں اور فتوے دیئے گئے ہیں اور فقہاء کے مسائل ہم تک پہونچے ہیں وہ اس جدید زمانے میں پیدا ہونے والے نو بنو واقعات اور تازہ بتازہ حوادث ومسائل کے حل کرنے کے لئے یقیناً کافی نہیں ہیں، اس لئے ہم اس پر مجبور یا مامور ہیں کہ ان جدید مسائل کو اُسی ذخیرۂ علم وہدایت کی روشنی میں حل کریں جو ہم تک پہونچا ہے۔ یعنی کتاب اللہ وسنت رسول اللہ، اجماع امت اور اجتہادی وفقہی مسائل میں متقدمین کی علمی میراث یعنی فقہ مذاہب مجتہدین اور اپنی کوتاہ بینی یا اعتراف عجز وشکست اور احساس کمتری

میں مبتلا ہوکر جدید فکر ونظر کے اس سیلاب میں (جو یورپین مفکرین کی جانب سے آرہا ہے) ہرگز نہ بہیں۔

امر نہم: یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے اور جس طرح بھی ہوسکے ہم ائمہ مجتہدین کے اقوال ہی سے استدلال کریں اور فقۂ مذاہب اربعہ سے باہر نہ جائیں اگرچہ کسی خاص مسئلہ میں ان میں سے کسی ایک کا مسلک چھوڑ کر دوسرے کا مسلک اختیار کرنا پڑے۔ غرض ان مذاہب متبوعہ میں سے جس مذہب میں بھی عہد حاضر کی کسی پیچیدگی اور دشواری کا حل مل جائے اور اس سے وہ عقدۂ لاینحل کھل جائے، اسی سے استدلال کریں اور اس کو دانتوں سے پکڑلیں، تاکہ ہر نئے مسئلہ میں جدید اجتہاد ہمارا مبلغ سعی نہ بن جائے اور ہمیں اجتہاد کا دروازہ ہر کس وناکس کے لئے چوپٹ کھولنا نہ پڑے، اس لئے کہ فریضۂ وقت اور تقاضائے ضرورت نہ اجتہاد کے دروازہ کو بالکل کھول دینا ہے اور نہ بالکلیہ بند کردینا اور اس پر سیل لگادینا ہے بلکہ اس افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کی راہ ہی صراط مستقیم ہے کہ ناگزیر ضرورت کے وقت اجتہاد کیا جائے اور وہ اجتہاد فقۂ مذاہب اربعہ کے اصول اور طریق کار سے باہر اور آزاد نہ ہو۔

امر دہم: یہ ہے کہ آج ہمارے سامنے ''مہم'' جس کو ہمیں سر کرنا ہے، اُن جدید مسائل کا حل ہے جو سلف صالحین کے عہد میں یکسر موجود نہ تھے اور نہ ان کے خیال وفکر میں آسکتے تھے۔ اسلئے کہ یہ صرف مغربی تہذیب یا جدید تمدن کی پیداوار ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ مزایا اور خصوصیات جو فراواں علم، عظیم اخلاص اور شدت خشیت اللہ کے ساتھ ہمارے سلف صالحین کے اندر موجود تھیں جیسا کہ میں بتلا چکا، اس دور میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت میں بھی نہیں جمع ہوسکتیں لہٰذا اس کمی کی تلافی اس طرح کی جائے کہ جہاں تک ہو کسی ایک فرد کی شخصی رائے پر اعتماد اور اسکو قبول کرنے سے اجتناب کیا جائے خواہ وہ کتنا ہی بڑا وسیع النظر اور کثیر المعلومات عالم کیوں نہ ہو بلکہ اس ذمہ داری کا بار اُٹھانے کے لئے ایک جماعت سامنے آئے جس میں بحیثیت مجموعی وہ تمام ممیزات وخصائص موجود ہوں جن کا تذکرہ کیا جاچکا ہے۔ اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریق کار کو اُسوۂ حسنہ اور مشعل راہ بنایئے کہ امام صاحب موصوف باوجود یکہ بجائے خود اتنے قدیم العہد مجتہد ہیں کہ صحابہ اور کبار تابعین سے انکا زمانہ بالکل ملا ہوا ہے اور خود صغار تابعین میں سے ہیں اور کتاب وسنت کے موجزن سرچشموں سے مکمل طور پر سیراب وسرشار ہیں، اس فراوانی علم کے ساتھ ساتھ قیاسی مشکلات، دشوار ترین فقہی مسائل اور قضاء وافتاء سے متعلق مغلق پیچیدگیوں

کوحل کرنے میں روشن بصیرت اورایسی فوق العادۃ قدرت اجتہاد کے مالک ہیں کہ باتفاق رائے آپ کے ہم عصروں نے آپ کو ''رأس المجتہدین'' تسلیم کیا ہے اور امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ جیسے صف اول کے مجتہدین آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''تفقہ واجتہاد میں تمام دنیا ابوحنیفہ کی عیال (پروردہ) ہے''۔ جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر، صیمری اور ابن ابی العوام سے بحوالہ ابی عبید بن قاسم اور بحوالہ حرملہ وربیع وغیرہ تلامذۂ امام شافعی نے، امام موصوف کا مذکورہ بالا مقولہ نقل کیا ہے،(۱) لیکن ان تمام خارق العادہ اور مسلم صلاحیتوں کے باوجود امام ابوحنیفہ ایک ایسی جماعت کی تخلیق وتشکیل سے مستغنی اور بے نیاز نہ ہو سکے جس میں مجتہدین، محدثین، لغویین، اہل عربیت اور ارباب ورع وتقویٰ عباد وزہاد موجود ہوں چنانچہ انہوں نے ایک اجتہاد کمیٹی بنائی جسکے مستقل اراکین قاضی ابو یوسف، امام زفر، محمد بن الحسن شیبانی، حسن بن زیاد، اسد بن عمرو، نوح بن ابی مریم، عافیۃ ازدی، حمزۃ زیات، ابن مبارک اور وکیع بن الجراح جیسے تقریباً چالیس ماہرین علوم وفنون ائمہ عصر جمع کئے جن میں سے ہر ایک ممبر کسی نہ کسی علم وفن یا زہد وتقویٰ میں اختصاصی اہلیت کا مالک تھا جیسا کہ الموفق المکی نے اس ''لجنۃ الاجتہاد'' سے بحث کی ہے۔

تو دیکھئے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنی شخصی رائے پر اپنے مذہب کی بنیاد نہیں رکھی بلکہ حنفی مذہب کی تشکیل وتدوین ان تمام حذاق علوم وفنون اور ارباب ورع وتقویٰ ائمہ کی باہمی مشاورت ومساعدت سے وجود میں آئی ہے، یہی وجہ ہے کہ دوسرے شخصی مذاہب کے بالمقابل جو وسیع اور محیط عالم قبولِ عام حنفی مذہب کو میسر آیا ہے اور کسی مذہب کو میسر نہیں آسکا۔(۲) اسی لئے جیسا کہ حنفی مذہب اپنے تکوّن کے اعتبار سے سب سے زیادہ قدیم العہد اور پہلا مذہب ہے، اسی طرح دنیا سے انقراض اور زوال کے اعتبار سے بھی دنیا کا سب سے آخری مذہب ہوگا (انشاء اللہ) جیسا کہ امام شعرانی نے اسکی تصریح کی ہے۔ بہر حال عمر فاروق، خلفاء راشدین اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے بعد ابوحنیفہ پہلے مجتہد ہیں جنہوں نے اپنے مذہب

---

(۱) مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة للموفق بن احمد المكي (المتوفى :٥٦٨ھ)–اقوال الإمام الشافعي في فقه الإمام – ٢/ ٣١– مكتبه اسلاميه كوئته .

(٢) المرجع السابق –اسباب تقديم مذهب الإمام الاعظم على سائر المذاهب – ١٢٨/٢، ١٢٣، ١٣٣ – ط: مكتبه اسلاميه .

کی بنیاد (شخصی رائے کے بجائے) باہمی مشاورت اور اجتماعی رائے پر رکھی ہے۔تو بھلا اس تاریک اور مظلم دور میں جو اس عہد زریں اور ورع وتقویٰ، اخلاص اور یقین کے انوار سے روشن زمانہ سے کوئی بھی نسبت نہیں رکھتا بلکہ بالکل متضاد ہے) ہم کیونکر اس اجتماعی رائے اور مشاورت باہمی سے مستغنی اور بے نیاز ہوسکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ بھی آیت کریمہ "إن تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا" میں اسکی جانب اشارہ فرماتے ہیں اور نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ایک حدیث سے تو اس مسئلہ کے تمام پہلو روشن بلکہ منصوص ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ حافظ طبرانی نے "معجم کبیر" اور "معجم اوسط" میں بسند خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی کہتے ہیں: میں نے عرض کیا یارسول اللہ جب ہمارے سامنے کوئی ایسا مسئلہ آئے جس کے متعلق کوئی واضح بیان (نص کتاب وسنت) موجود نہ ہو، نہ امر ہو نہ نہی (نہ حکم نہ ممانعت) تو ایسے مسئلہ کے متعلق آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں (ہم کیا کریں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسے مسئلہ میں تم فقہاء اور ارباب ورع وتقویٰ سے مشورہ کرو اور کسی بھی شخصی رائے پر تکیہ نہ کرو۔ حافظ ہیثمی "مجمع الزوائد" میں فرماتے ہیں: اس روایت کے تمام راوی ثقہ اور رجال صحیحین میں سے ہیں۔[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں اسی اجتماعی اجتہاد اور اُس کی شرائط کی طرف رہنمائی کی گئی ہے جس کا حاصل حسب ذیل ہے:

(۱) اجتہاد کی ضرورت صرف ایسے مسائل میں معتبر ہے جن میں (کوئی نص صریح نہ ہو) نہ رسول اللہ کی کوئی سنت (حدیث) ہو نہ وحی الٰہی (نص قرآن) ہو۔

(۲) ایسے مسائل کا حل لابدی طور پر جماعت علماء کے مشورہ سے کیا جائے نہ کہ کسی شخصی رائے سے۔

(۳) اس اجتہاد کے اراکین میں بیک وقت دو وصف ضرور موجود ہونے چاہئیں، ایک تفقہ فی الدین، دوسرا تقویٰ وعبادت گزاری۔

---

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للحافظ نور الدین الهیثمی (المتوفی :۸۰۷ ھ) باب الإجماع- ۱/۱۷۸- ط: دار الکتب العلمیة بیروت.

لائق احترام بزرگو! اس میں شک نہیں کہ قرآن حکیم اور سنت نبویہ ایسے دو سیراب کن سرچشمے ہیں جن کے اندر قیامت تک ہر پیدا ہونے والی نئی سے نئی بیماری کے لئے کامل شفا اور ہر دور میں رونما ہونے والی علمی تشنگی کی تسکین کے لئے آب حیات موجود ہے۔ اس لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کا علم اس قدر محیط ہے کہ وہ فتنہ اور گمراہی، بے حیائی اور بے لگامی جو انسانی معاشرہ میں کسی بھی دور کے اندر رونما ہونے والی ہے اُس سے وہ بخوبی واقف تھا اور اس جدید تہذیب وتمدن کے زمانہ میں نوع انسانی کے نظام زندگی میں جو بھی معاشرتی، معاشی، اقتصادی اور تجارتی ضروریات وقتاً فوقتاً پیش آتی رہیں گی، خواہ شخصی ضرورتیں ہوں خواہ اجتماعی، خواہ مادی ضرورتیں ہوں یا روحانی ان کو بھی وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا، دوسری طرف اسکی قدرت بھی اس قدر کامل اور محیط ہے کہ وہ اپنے بندوں کے لئے، ایسا کامل واکمل نظام زندگی آسمان سے نازل فرمادے جو ہر زمانہ میں اور ہر جگہ کافی ووافی ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اس سے قاصر وعاجز نہیں ہے۔ ایسی صورت میں قطعی طور پر ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ شریعت محمدیہ جو اس نے عطا فرمائی ہے وہ یقیناً ہر کٹھن منزل پر نوع انسانی کی دستگیری کے لئے کفیل ہے اور اس کی آغوش علمی میں ہر مشکل اور دشواری کا حل یقیناً موجود ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ عام انسانی عقول وافکار اسکے مآخذ تک پہونچنے سے قاصر رہتی ہیں تو وہ (اپنی لاعلمی کا اعتراف اور اہل علم کی طرف رجوع کرنے کے بجائے) اس عہد میں انسانی سوسائٹی کے لئے شریعت کے ناقابل عمل ہونے اور عصر حاضر کی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہونے کے طعنے مارنے شروع کردیتی ہیں۔

لہٰذا وقت کا تقاضا ہے کہ شریعت کے اساسی اصول تشریع کو سامنے رکھ کر ان عصری مسائل کو حل کرنے کے لئے صحیح معیار اور درست پیمانہ پر قدم اُٹھایا جائے۔ اور ''مجمع بحوث اسلامی'' کے کارفرماؤں سے یہ توقع رکھی جائے کہ وہ آخری حل اور نتیجہ پر پہونچنے میں عجلت سے کام نہ لیں۔ صبر وضبط، تحمل وبردباری، دیانت داری وآہستہ روی اختیار فرماکر علوم قدیم وجدید میں ربط واتصال پیدا کریں۔ نظر دقیق اور رائے صائب کے ذریعہ انکو جمع کرنے کی انتہائی محتاط کوشش فرمائیں اور اس امانت الٰہیہ کی حفاظت کی ذمہ داری کا احساس وشعور ہر لمحہ پیش نظر رکھیں تاکہ وہ حل صحیح ہو، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی مقبول ہو اور عامۃ الناس کے نزدیک بھی پسندیدہ، دول وممالک اسلامیہ کے لئے وہ قابل اعتماد طریق کار اور اُمت مسلمہ کیلئے

لائق اتباع نمونہ ہو۔

کاش کہ ہمیں اس مؤتمر میں آنے سے پہلے زیر بحث مسائل کی اطلاع دیدی جاتی تاکہ ہم اس سے زیادہ بصیرت اور تیاری کے ساتھ موتمر کے تحقیقاتی کاموں میں حصہ لیتے۔

بہرحال اب بھی ہم ان تمام زیر بحث مسائل میں اپنا نظریہ پیش کرنے کیلئے تیار ہیں اور آپ سے اتنی توقع ضرور رکھتے ہیں کہ مسائل شرعیہ میں صرف ''رخصتوں'' کا تتبع اور تلفیق بین المسائل پر قناعت کر کے اس دھوکہ میں نہ پڑ جایئے کہ ہم نے شریعت کا دامن پکڑ رکھا ہے اور اس طرح دین مبین کو ''کھیل بنا لینے'' کی غلطی کے مرتکب نہ ہو جایئے۔ أعاذنا الله منه.

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے پرخلوص دعا ہے کہ وہ ہماری اُمیدوں کو ناکام ونامراد نہ فرمائیں اور یہ عظیم خدمت ازھر کے زیر سایہ سید جمال عبدالناصر صدر جمہوریہ عربیہ متحدہ کے عہد مسعود میں صالح اور مخلص علماء کی مساعی سے پایۂ تکمیل کو پہونچے۔

خاتمہ پر میں ممالک اسلامیہ کے محترم علماء وفضلاء کے سامنے معذرت خواہ ہوں کہ یہ چند کلمات قاہرہ پہونچنے کے دو دن بعد موتمر کے پروگرام کا علم ہوتے ہی مصروف ترین اوقات میں سے دو چار گھنٹے بچا کر قلم برداشتہ لکھ کر پیش کر رہا ہوں' اُمید ہے کہ اداء مقصد میں ناکامی ہونے کی صورت میں چشم پوشی اور درگذر سے کام لیں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

دوشنبہ ۲۵ رشوال ۱۳۸۳ھ بمطابق ۹ مارچ ۱۹۶۴ء۔ قاہرہ

محمد یوسف بنوری

بانی وشیخ الحدیث۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ کراچی

نائب صدر وفاق مدارس عربیہ پاکستان

بینات۔صفر المظفر ۱۳۸۴ھ

اسلامی قوانین میں اجتہاد و عقل کا مقام

اور

جدید مسائل میں اجتہاد کا طریق کار

تحریر: حضرۃ العلامہ مولٰینا محمد یوسف بنوری مدظلہ"

ترجمہ: مولینا محمد یوسف لدھیانوی

زیرنظر مقالہ "موقف التشریع الاسلامی من الاجتہاد ومذہب العقل فی الدین" کے عنوان سے ادارۂ تحقیقات اسلامی راولپنڈی کی بین الاقوامی کانفرنس (۱۱-۱۲-۱۳ ذی القعدہ ۱۳۰۷ھ) کے لئے لکھا گیا تھا، مقالہ چونکہ تاخیر سے تیار ہوا تھا اس لئے وہاں پڑھا نہیں گیا، البتہ اس کا خلاصہ زبانی بیان کردیا گیا تھا، اس لئے اس کا ترجمہ ہدیۂ قارئین ہے (مترجم)

یہ "اجتہاد" کے موضوع پر مختصر سا مقالہ ہے میں اس وقت، موضوع سے متعلقہ تمام مباحث پر مفصل بحث کا ارادہ نہیں رکھتا مثلاً "اِجتہاد" کی لغوی تحقیق، اِجتہاد کے معانی، حکم، ارکان، شرائط، اقسام، حجیت اِجتہاد پر دلائل اور اس قسم کی اور طویل بحثیں جن سے تمام ائمہ مذہب کے اصول فقہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، چنانچہ ان اکابر نے کسی چھوٹی بڑی بحث کو نہیں چھوڑا جس کی کماحقہ تحقیق و تنقیح نہ کرڈالی ہو یہ سلسلہ اسلام کے قدیم دور سے لیکر علمی دور کے آخری سرے تک جاری رہا ہے، بلاشبہ یہ امت اسلامیہ کی مایہ فخر دولت ہے، جس سے نہ بحث وتفقہ کا طالب علم مستغنی ہے، نہ عصری مسائل کے حل کا مدعی اس سے بے نیاز ہوسکتا ہے۔

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلمیذ رشید قاضی القضاۃ ابو یوسفؒ کے دور سے پھر امام شافعیؒ،

امام طحاویؒ، جصاصؒ رازی، ابوزیدؒ دبوسی، فخر بزدویؒ، امام غزالیؒ کے دور سے امام رازیؒ اور آمدیؒ کے دور تک اور ان کے دور سے امیر کاتب اتقانیؒ اور ابن ہمامؒ حنفی کے دور تک اسلامی کتب خانے میں (اصول فقہ پر) اتنا بڑا ذخیرہ وجود پذیر ہوا جس سے عقل حیران رہ جاتی ہے۔

آج کی فرصت میں میرے پیش نظر صرف یہ ہے کہ محققین اہل علم کی توجہ مسائل حاضرہ اور جدید مشکلات میں اجتہاد کے اہم اصولوں کی طرف مبذول کراؤں، کیونکہ نئے تمدن نے نئے مسائل کو جنم دیا ہے اور ان میں بہت سی چیزیں ایسی نظر آتی ہیں جنہیں قواعد شرعیہ اور فقہ اسلامی کے مطابق ڈھالنا ہماری پہلی ضرورت ہے ہمارا ایمان ہے کہ دین اسلام تمام ادیان عالم کے لئے خاتم اور قیامت تک کی ضرورتوں کا کفیل ہے، چنانچہ کتاب وسنت اور ان سے متعلقہ علوم وہ فیاض چشمے ہیں جن سے حل مسائل کے سوتے ابلتے ہیں پھر صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کا طریق کار ہمارے لئے روشنی کا مینار ہے ان حضرات نے اجتہاد کیا اور جن ”اصول“ کے احکام نص سے ثابت تھے ان پر (غیر منصوص) کو قیاس کیا اور نصوص کے حکم کو فروع وحوادث کی طرف متعدی کرنے کے لئے اجتہاد سے کام لیا، اس طرح اجتہاد وقیاس اصول شرعیہ میں سے ایک اصول قرار پایا، جس سے تفقہ فی الدین کا دائرہ وسیع ہوا، ہم اس حق میں نہیں کہ اس دائرے کو تنگ کر دیا جائے، یا دین خداوندی کے ان فیاض چشموں کو بند کر دیا جائے کیونکہ کتاب وسنت اور عقل کے دلائل سے ثابت ہے کہ یہ دائرہ ہر دور میں وسیع رہے گا۔

چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ”پس تم عبرت لو! اے عقلمندو!“۔(۱)

نیز ارشاد ہے: ”بیشک اس میں عبرت ہے بصیرت والوں کے لئے“۔(۲)

اور ظاہر ہے کہ کسی شی کے حکم کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانے کا نام ”اعتبار“ ہے، اسی لئے جس اصل کی طرف نظائر کو لوٹایا جائے اسے ”عبرۃ“ کہا جاتا ہے۔(۳)

---

(۱) الحشر: ۲ (۲) ال عمران: ۱۳

(۳) اصول السرخسی للإمام أبی بکر محمد بن احمد السرخسی (المتوفی: ۴۹۰ھ) الحجة فی حجية القياس لجمهور العلماء -۲/۱۲۵- ط: دار المعارف النعمانية الهند.

نیز ارشاد ہے!''اوراگر یہ لوگ اس کو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے حوالے کردیتے تو ان میں جو لوگ اس کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کو خود ہی جان لیتے''۔(۱)

اور استنباط کے معنی ہیں جیسا کہ سرخسیؒ نے لکھا ہے، اجتہاد کے ذریعہ حکم منصوص کی علت دریافت کرنا۔(۲)

نیز ارشاد ہے:''پس اگر تم کسی امر میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ ورسول کی طرف لوٹاؤ''۔(۳)

امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:''یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ اللہ ورسول کی طرف لوٹانے سے مراد کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا ہے، کیونکہ یہاں رد کو منازعت پر معلق کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ کتاب وسنت پر عمل کرنا اس شرط پر معلق نہیں، نیز جن احکام شرعیہ پر کتاب وسنت کے نصوص موجود ہوں ان میں اہل ایمان کی نزاع کی صورت مشکل ہی سے پیش آسکتی ہے، اس سے واضح ہوا کہ یہاں مراد وہ منازعت ہے جو ایسے واقعہ میں پیش آئے جس کے لئے کتاب وسنت کا صریح حکم موجود نہ ہو اور''رد'' سے مراد یہ ہے کہ جس حادثہ میں نزاع واقع ہو غور وفکر سے کتاب وسنت کے منصوص احکام میں اس کی نظیر تلاش کی جائے اور یہ مماثلت، اجتہاد کے ذریعہ علت حکم کی دریافت ہی سے معلوم ہوسکتی ہے''۔(۴)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی احادیث، اجتہاد، قیاس اور اعتبار کے سلسلہ میں کافی تعداد میں موجود ہیں ان کی ایک اچھی مقدار، امام سرخسیؒ نے''اصول'' میں (۵)

---

(۱) النساء : ۸۳.

(۲) اصول السرخسی –المرجع السابق – المراد من قوله تعالیٰ لعلمه الذين يستنبطونه ۲/ ۱۲۸ .

(۳) النساء : ۵۹.

(۴)اصول السرخسی –المرجع السابق – ۲/ ۱۲۹ .

(۵)اصول السرخسی –المرجع السابق ۲/ ۱۲۹ إلى ۱۳۳ .

امام ابن عبدالبرؒ نے "جامع بیان العلم"(۱) میں اور حافظ ابن قیمؒ نے "اعلام الموقعین" میں (۲) اور دوسرے اکابر نے جمع کردی ہے، ہم یہاں "حدیث معاذ" کے ذکر پر کفایت کرتے ہیں جو "سنن" میں موجود ہے، ائمہ حدیث نے اسے روایت کیا ہے اور تمام امت نے اسے قبول کیا ہے۔

امام غزالیؒ "المستصفی" میں لکھتے ہیں: "اس حدیث کو امت نے قبول کیا ہے اور کسی نے اس میں طعن یا انکار کا اظہار نہیں کیا اس لئے اس کا مرسل ہونا قادح نہیں، بلکہ اس کی سند کی تفتیش بھی ضروری نہیں، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث جن پر پوری امت عمل پیرا ہے مثلاً وارث کے لئے وصیت نہیں"۔ "کسی عورت سے اس کی پھوپھی پر نکاح نہ کیا جائے"۔ "دو ملتوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے" وغیرہ (کہ اس عملی تواتر کے بعد ان کے اسناد کی بحث غیر ضروری ہو جاتی ہے) البتہ یہ حدیث معاذؓ اصل اجتہاد میں نص ہے اور شاید یہ "تحقیق مناط" اور تعیین مصلحت کے بارے میں ہے، جہاں کے اصل کا حکم مصلحت پر معلق ہو اس لئے یہ قیاس کو صرف اپنے عموم کی بناء پر شامل ہوگی۔(۳)

مگر چونکہ بعض لوگوں نے اسے طویل بحث کا نشانہ بنایا اور اسکی اسناد کا سوال اٹھایا ہے اس لئے ہم یہاں امام کوثری کی تحقیق کا خلاصہ اور لب لباب پیش کرتے ہیں، جو اصول حدیث کے قواعد کے مطابق انھوں نے اس کی قوت سند کے بارے میں فرمائی ہے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد، ترمذی اور دارمی نے مختلف الفاظ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ

---

(۱) جامع بیان العلم وفضله للقرطبی-باب اجتهاد الرأی علی الأصول عند عدم النصوص فی حین نزول النازلة - ص ۳۱۷ إلی ۳۳۷-رقم الحدیث: ۹۰۳ إلی ۹۲۶ - ط: دار الکتب العلمية بيروت.

(۲) اعلام الموقعين عن رب العالمين للحافظ شمس الدين ابن القيم الجوزية (المتوفى: ۷۵۱ھ) ماورد فی السنة من تعليل الأحكام - ۱۳۲ إلی ۱۵۷-ط: دار الکتب العلمية بيروت.

(۳) المستصفى من علم الأصول للإمام محمد بن محمد الغزالى (المتوفى: ۵۰۵ھ) - مقدمة فى حد القياس - الباب الأول فى اثبات القياس على منكريه - الاعتراض الخامس- ۲/ ۶۳، ۶۴-ط: المكتبة التجارية الكبرى مصر.

سے روایت کیا ہے، کہ: جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا: فیصلہ کیسے کروگے؟ عرض کیا: کتاب اللہ کے مطابق! فرمایا: اگر اس کا صریح حکم کتاب اللہ میں نہ ہو؟ عرض کیا: تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق! فرمایا: اگر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نہ ہو؟ عرض کیا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور غور وفکر میں کوتاہی نہیں کروں گا! یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا بیحد شکر ہے کہ اس نے فرستادۂ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پسندیدہ طریق کی توفیق دی۔ (۱)

اس حدیث کو اصحاب معاذ رضی اللہ عنہ سے حارث بن عمرو ثقفی نے روایت کیا ہے، اور حارث نہ تو مجہول العین ہے، چنانچہ امام شعبہ فرماتے ہیں کہ وہ مغیرۃ بن شعبہؓ کے بھتیجے ہیں، اور نہ وہ مجہول الوصف ہے کیونکہ وہ کبار تابعین میں، ابو عون ثقفی (م ۱۱۶ھ) کے طبقہ شیوخ میں ہیں اور ان کے بارے میں کوئی 'جرح مفسر'' ثابت نہیں، اس لئے ان کی ثقاہت اور قبول روایت کے لئے اتنا ہی کافی ہے اس کے بعد ان کے اہل طبقہ سے نقل توثیق کی حاجت نہیں رہ جاتی اور تمام تابعین کے حق میں خیر کی شہادت دی گئی ہے وہ سب ثقہ اور عادل ہیں، جب تک کہ ان میں جرح موثر اور جرح مفسر ثابت نہ ہو اور صحابہ سب عادل ہیں، ان میں کسی قسم کی جرح موثر نہیں، علاوہ بریں حارث کو ابن حبان نے ''ثقات'' میں ذکر کیا ہے۔

اور یہ حدیث اس وجہ سے بھی ضعیف نہیں قرار دی جاسکتی کہ ابن عون حارث سے اس کی روایت میں متفرد ہیں، اس لئے کہ ثقہ راوی کے تفرد کی وجہ سے حدیث کو رد کردینا اہل حق کا اصول نہیں اور ابن عون، امام اعمش، ابواسحاق، مسعر، شعبہ، ثوری اور ابوحنیفہ جیسے اکابر کے استاذ صحیحین کے راوی، اور باتفاق اہل نقد، ثقہ ہیں۔

---

(۱) مقالات الکوثری بقلم العلامة الشیخ محمد زاهد الکوثری (المتوفی: ۱۳۷۱ھ) - حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنه فی اجتهاد الرأی - ص ۶۰ إلی ۶۴ - ط: دار الشمسیة للنشر المحدودة کراتشی

ابن عون سے اس حدیث کوابواسحاق شیبانی اورشعبہ بن حجاج نے روایت کیا ہے،اور ابو اسحاق سے ابومعاویہ ضریر نے ،اورشعبہ سے یحییٰ بن سعید قطان،عثان بن عمر عبدی،علی بن جعد،محمد بن جعفر،عبدالرحمان بن مہدی اورابوداؤدطیالسی وغیرھم نے روایت کیا ہے اوران حضرات سے بے شمار لوگوں نے روایت کیا،یہاں تک کہ فقہاء تابعین نے اس حدیث کو بالاتفاق قبول کیا۔

اوراس حدیث کواس وجہ سے رد کردینا کہ،یہ اصحاب معاذ سے مروی ہےاوروہ مجہول ہیں، چندوجوہ سے غلط ہے۔

اولا: اس لئے کہ اصحاب معاذ،دین وثقاہت میں معروف ہیں اورناممکن ہے کہ کوئی شخص اصحاب معاذ میں سے کسی ایک کے حق میں بھی جرح ثابت کرسکے(اور ثقہ کامبہم ہونا مضر نہیں)

ثانیاً: اس لئے کہ اصحاب معاذ کا بلاتعین ذکر،اس امر کی دلیل ہے کہ روایت کے اعتبار سے یہ حدیث حد شہرت کو پہنچی ہوئی تھی،جیسا کہ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا ہے،چنانچہ امام بخاری نے عروہ بارقی کی حدیث کی سند اس طرح نقل کی ہے!''میں نے قبیلہ کے لوگوں کوعروہ سے روایت کرتے سنا ہے''۔اس کے باوجود یہ روایت درجہ صحت سے نہیں گری اورامام مالک نے''قسامۃ''میں سند یوں بیان کی ہے''اسےاس کی قوم کے بڑے لوگوں میں سے چند مردوں نے خبردی''۔نیز صحیح مسلم میں زہری سے یوں روایت ہے کہ''مجھ سے چند مردوں نے بروایت ابوہریرہ یہ حدیث بیان کی ہے کہ جس نے جنازہ کی نماز پڑھی اس کے لئے ایک قیراط ہے''۔

ثالثاً: اس لئے کہ تاریخ ابن ابی خیثمہ میں بروایت شعبہ یہ لفظ ہیں''میں نے مغیرہ بن شعبہ کے بھتیجے حارث بن عمرو سے سناوہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاذ کی یہ حدیث بیان کرتے تھے''۔حافظ ابن عبدالبر نے بھی''جامع بیان العلم''میں اسی طرح روایت کی ہے،(۱)

---

(۱) جامع بیان العلم وفضله –باب اجتهادی الرأی علی الأصول –ص۳۱۷، ۳۱۸–رقم الحدیث: ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵–ط: دار الکتب العلمیة بیروت.

اندریں صورت اصحاب معاذ رضی اللہ عنہم سے مراد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ سب عادل ہیں۔

رابعاً: اس لئے کہ خطیب بغدادی "الفقیه و المتفقه" میں لکھتے ہیں: "حارث بن عمرو کا "عن اناس من أصحا ب معاذ" کہنا شہرت حدیث اور کثرت رواۃ کی دلیل ہے اور حضرت معاذ کا فضل وزہد معروف ہے (ان کے اصحاب بھی معمولی درجہ کے لوگ نہیں ہوں گے) اور کہا گیا ہے کہ عبادہ بن نسی نے اسے بروایت عبدالرحمٰن بن غنم حضرت معاذ سے روایت کیا ہے، اور یہ سند متصل ہے اور اس کے راوی سب ثقہ ہیں، علاوہ بریں اہل علم نے اسے بالاتفاق قبول کیا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے، جس سے واضح ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک درجۂ صحت رکھتی ہے"۔(۱)

حاصل یہ کہ فقہاء محدثین کے نزدیک یہ حدیث صحیح ثابت ہے، اگر اس کے ساتھ خارجی قرائن اور تائیدی روایات کو بھی ملالیا جائے تو یہ قریباً تواتر معنوی کا درجہ رکھتی ہے (امام کوثری کی تحقیق کا خلاصہ ختم ہوا)۔

اور جدید مسائل میں حجیت اجتہاد کی عمدہ ترین دلیل وہ حدیث ہے جسے امام نسائی نے سنن میں "باب الحکم باتفاق اہل العلم" کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے طویل اثر میں روایت کیا ہے، کہ: "پس اگر ایسا معاملہ پیش آئے جس کا صریح حکم نہ کتاب اللہ میں ہو نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ فرمایا ہے تو وہ فیصلہ کرے جو سلف صالحین نے کیا ہو اور اگر ایسا معاملہ درپیش ہو جو نہ کتاب اللہ میں ہو، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ کیا ہو نہ سلف نے، تو اپنی بصیرت سے اجتہاد کرے اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں، میں ڈرتا ہوں، کیونکہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی اور حلال وحرام کے مابین بعض چیزیں مشتبہ ہیں، اس لئے اس پہلو کو چھوڑ دو جو کھٹک پیدا کرے اور وہ پہلو اختیار کرو جس میں کھٹک نہ ہو"۔

---

(۱) كتاب الفقيه و المتفقه للحافظ أبی بكر الخطيب البغدادی-(المتوفی: ۴۶۳ھ)- باب القول فی الاحتجاج بصحيح القياس-۱/۱۸۹-ط: المكتبة العلمية.

امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ:" یہ حدیث بہت عمدہ ہے"(۱) وراسی کی مثل حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے(۲)۔ اور عقلی حیثیت سے اجتہاد کی ضرورت بالکل واضح ہے۔

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:" کوئی حادثہ ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے، حلت یا حرمت ،وجوب یا عدم وجوب کا حکم نہ ہواور ظاہر ہے کہ ہر حادثہ میں نص صریح نہیں ہوگی کیونکہ نصوص محدود ومتناہی ہیں ،جبکہ قیامت تک کے حوادث غیر متناہی اور حادثہ کا نام" حادثہ" رکھنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس میں نص نہیں ہوگی ،ورنہ جس پر نص صریح موجود ہوگی وہ "اصل معہود" ہوا"۔(۳)

حاصل یہ کہ زندگی رواں دواں ہے اور وہ اپنے جلو میں بہت سے نئے مسائل کو لاتی ہے، اس لئے ہمارا فرض یہ ہونا چاہیے کہ ہم کتاب وسنت ،اجماع امت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ان جدید مسائل کا حل ،اس طرح تلاش کریں کہ نہ تو کجروی اور گمراہی کی وادیوں میں بھٹکیں نہ بزدلی سے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں۔

تشریع اسلامی کی تاریخ، فقہی دور کی تکمیل اور ہر زمانے میں جدید مسائل پر کتابوں کی تصنیف اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ جن مسائل میں کتاب وسنت کے نصوص موجود نہیں ،ان میں اجتہاد کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے چنانچہ امت اسی اصول پر کاربند رہی ہے،اس لئے جواز اجتہاد پر مزید بحث کی ضرورت نہیں ، کیونکہ حق تعالیٰ نے عقل پیدا کی ہے،انسان میں امانت الٰہیہ کی برداشت کا مدار اسی پر رکھا ہے اور" بصائر وعبر" میں غور وتدبر کی بار بار دعوت دی ہے۔

امام فخر الاسلام بزدوی فرماتے ہیں:

"عقل بدن انسان میں ایک نور ہے جیسا کہ زمینی عالم میں آفتاب۔ اس سے وہ راہیں کھلتی

---

(۱) سنن النسائی للإمام احمد بن شعیب بن علی(المتوفی:۳۰۳ھ)- الحکم باتفاق اهل العلم - ۳۰۵/۲ -ط:قدیمی .

(۲) المرجع السابق .

(۳) اصول السرخسی للإمام محمد بن احمد-باب القیاس- منهم من قال إن الصحابة كانوا مخصوصین بجواز العمل -۱۳۹/۲- ط: دار المعارف النعمانية الهند.

ہیں جہاں حواس ظاہری کا دائرہ ختم ہوجاتا ہے، پھر یہ بذات خود راہنما نہیں بلکہ اس کا کام صرف راستے کا اجاگر کردینا ہے راستہ واضح ہوجانے کے بعد اس کا ادراک، قلب اپنے نور فہم سے کرے گا جس طرح طلوع آفتاب سے راستہ کھل جاتا ہے، مگر راستہ نظر آنے کے لئے تنہا سورج کی روشنی کافی نہیں بلکہ چشم بینا کی بھی ضرورت ہے''۔(۱)

بہر حال عقل، ایک نور ہے، ایسا نور! جس سے اوہام کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں ایسا نور! جس سے علل احکام کی راہیں اجاگر ہوجاتی ہیں، حق تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں عقل کی مدح وتوصیف فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

''ان چیزوں میں نشانیاں ہیں انکو جو غور کرتے ہیں۔'' (۲)

''جوان کے دل ہوتے جن سے سمجھتے۔'' (۳)

''یوں کھول کر بیان کرتے ہیں ہم نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں۔''(۴)

''بہرے، گونگے اور اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔''(۵)

''اور وہ ڈالتا ہے گندگی ان پر جو نہیں سوچتے۔'' (۶)

''اور ان کو سمجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے۔''(۷)

''کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں یا دلوں پر لگ رہے ہیں ان کے قفل۔''(۸)

''سمجھتے وہی ہیں جن کو عقل ہے۔''(۹)

''شاید وہ سوچے یا ڈرے۔''(۱۰)

''اور سوچ وہی کرے جو رجوع رہتا ہے۔''(۱۱)

---

(۱) اصول البزدوی للإمام فخر الإسلام علی بن محمد البزدوی الحنفی (المتوفی: ۴۸۲ھ)—باب بیان العقل — ۲۲۲، ۲۲۳، ط: نور محمد کراتشی.

(۲) الرعد: ۳ (۳) الحج: ۴۶ (۴) الروم: ۲۸ (۵) البقرة: ۱۷۱

(۶) یونس: ۱۰۰ (۷) العنکبوت: ۴۳ (۸) محمد: ۲۴ (۹) الرعد: ۱۹

(۱۰) طه: ۴۴ (۱۱) المومن: ۱۳

''اور تا کہ سمجھیں عقل والے۔''(۱)

''اور بیان کرتا ہے اللہ، مثالیں لوگوں کے واسطے تا کہ وہ فکر کریں۔''(۲)

یہ بات خاص طور سے یادرکھنے کی ہے کہ بلاشبہ عقل، نور فروزاں ہے مگر اس کے لئے ایک خاص دائرہ ہے جس سے آگے قدم بڑھانا اس کے لئے ممکن نہیں اور جہاں عقل کی پرواز ختم ہوتی ہے وہاں سے، عقل سے بالاتر دائرہ شروع ہوتا ہے، اور وہ وحی الٰہی اور نبوت الٰہیہ کا دائرہ ہے، لاریب کہ عقل ان امور کا ادراک نہیں کرسکتی جو وحی کی آنکھ سے نظر آتے ہیں، عقل کے لئے یہی فخر کیا کم ہے کہ وہ وحی کے بیان کردہ حقائق کا ٹھیک ٹھیک ادراک کرلے اور اپنے نور خداداد سے حقائق کی بلند حکمتوں، گہری مصلحتوں اور باریک اسرار وعلل کا سراغ لگانے میں وہ کامیاب ہو جائے۔ اس سے واضح ہوا کہ کتاب وسنت، شرائع الٰہیہ اور احکام منصوصہ کے سامنے سر جھکانے اور ادب ووقار اور تسلیم وانقیاد کے ساتھ ان کے سامنے کھڑا ہونے کے سوا عقل کو کوئی چارہ نہیں ،اور حقائق وحی تک اس کی رسائی نہ ہوسکے تو اسے اپنی تنگ دامانی کا اعتراف کرنا ہوگا۔ مختصر یہ کہ نصوص وحی کے ہوتے ہوئے بھی عقل کو ہر چیز میں مقدم رکھنا بڑی گھناؤنی جسارت ہے اور نصوص وحی کے نہ ہونے کی صورت میں بھی اس سے کام نہ لینا نری حماقت اور کوتاہی ہے صحیح راستہ ان دونوں کے بیچ سے ہوکر گزرتا ہے اور وہی صراط مستقیم ہے۔

البتہ یہاں چند اہم نکات کی طرف اشارہ ہمارے لئے بے حد ضروری ہے جن سے موضوع کھل کر روشن ہوجائے۔

اوّل: اجتہاد کے لئے قرآن وحدیث اور اجماع امت کا علم، فقہ اسلامی کی کتابوں سے واقفیت اور فہم کتاب وسنت کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے، ان میں مہارت از بس ضروری ہے خصوصاً ''علم اصول فقہ'' میں کامل بصیرت ہونی چاہئے کہ اس کے بغیر ہم ایک قدم آگے نہیں چل سکتے۔

---

(۱) ص: ۲۹ (۲) ابراھیم: ۲۵

دوم: بالغ نظری اور دقیقہ رسی کے ساتھ تقویٰ، خشیت الہٰیہ اور دین خداوندی کے ساتھ کامل اخلاص۔

سوم: شورائی اجتہاد کا اہتمام چونکہ ایسے یکتا اشخاص کا وجود، جو ان مجتہدانہ صفات میں کامل ہوں، بیحد مشکل ہے، اس لئے ''شخصی رائے'' کی کمی کو ایسی جماعت کی آراء سے پورا کیا جانا چاہیئے، جن میں، فرداً فرداً نہ سہی، مگر مجموعی حیثیت سے یہ تمام صفات کامل طور سے جمع ہوں، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ جدید مسائل میں انفرادی رائے کے بجائے ''فقہاء وعابدین'' سے مشورہ کیا جائے، امام طبرانی نے یہ حدیث، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے [1] اور یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے، فقیہ الامت ہونے کے باوجود، انفرادی اجتہاد نہیں کیا، بلکہ اس مقصد کے لئے ایسے چالیس افراد کی جماعت تشکیل کی جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ یکتائے زمانہ تھا جیسا کہ الموفق نے ''مناقب ابی حنیفہؒ'' میں ذکر کیا ہے۔ [2]

چہارم: جب کسی پیش آمدہ مسئلہ کا حل مذاہب اربعہ میں سے کسی میں موجود ہو، بشرطیکہ وہ رائے شاذ اور اجماع امت کے خلاف نہ ہو، تو ہمیں اسی کو اختیار کرنا ہوگا تاکہ اجتہاد جدید اور مذاہب مجتہدین سے خروج کی ضرورت نہ رہے۔

پنجم: چونکہ ہمارے ملک میں حنفی مسلک رائج ہے۔ اس لئے بدون شدید اضطرار کے بلاوجہ اس سے نکلنا اور ''رائے عامہ'' کو خواہ مخواہ پریشان کرنا، غیر معقول ہوگا۔

ششم: جن مسائل میں نصوص قطعیہ موجود ہوں وہ ہر دور میں دائرہ اجتہاد سے خارج ہیں، اجتہاد صرف ان مسائل تک محدود ہے جو نہ منصوص ہوں نہ اجماعی، اس لئے اس کی گنجائش نہیں کہ کسی حکم کی علت، مصلحت یا حکمت تراش کر اسے ایسے طور پر مدارِ حکم قرار دے لیا جائے کہ اس سے نص کا غیر معمول بہ ہونا یا اجماع امت کا باطل ہونا لازم آئے یہ طرز عمل

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد –باب الاجماع– ۱/۱۷۸ –ط: دار الکتب العلمیة .

(۲) مناقب الإمام الاعظم للموفق –۲/۱۳۳، ۱۳۴ .

تقریباً الحاد وتحریف سے جاملتا ہے اور بہت سے لوگ جہل یا عناد کی بنا پر اس کے مرتکب ہیں۔

ہفتم: مسائل جدیدہ میں اجتہاد کے لئے خلافت راشدہ خصوصاً خلافت شیخین حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو نظیر بنانا، ناممکن ہے، کیونکہ خلافت راشدہ کا مقام، منصب اجتہاد سے بالاتر ہے اور خلافت راشدہ کے فیصلوں کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم، شارع علیہ السلام کی طرف سے امت کو دیا گیا ہے۔

ہشتم: مذاہب مختلفہ کو ملانے (تلفیق) اور اضطراری حالت کے بغیر، مذاہب فقہاء سے چھانٹ چھانٹ کر رخصتوں کو تلاش کرنے سے پرہیز کیا جائے، کیونکہ یہ دین ہی سے نکل جانے کے مرادف ہے۔

نہم: جدید تمدن کی بدولت غیر اسلامی ممالک میں بیشتر ایسے قوانین رائج ہیں، جو روح اسلام کے منافی اور قطعیات اسلامیہ سے ٹکراتے ہیں، انہیں ''اضطرار'' کے بہانے سے اسلامی معاشرے میں جوں کا توں فٹ نہ کیا جائے، بلکہ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے اسلام میں اس کا جو''بدل''موجود ہے اسے اختیار کیا جائے، مثلاً''بینک کا سود''''بیمہ''اور''کمیشن ایجنسی'' کا مسئلہ ہے کہ اسلام میں اس کا بدل شرکت میں ''قراض''اور''کفالت'' وغیرہ کی صورت میں موجود ہے، جس کے ہوتے ہوئے ان حرام امور کے ارتکاب کی ضرورت نہیں رہتی۔

اشکال کی جڑ''بنیاد'' یہ ہے کہ ہم غیر اسلامی قوانین کو، ان میں رتی بھر تبدیلی کئے بغیر اسلامی اصول پر منطبق کرنے بیٹھ جاتے اور جب وہ فٹ نہیں ہوتے تو گمان کرلیا جاتا ہے کہ اسلام معاذ اللہ جدید دور کے ساتھ قدم ملاکر چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

یہ یاد رہے! کہ اصول اسلامیہ کا سرچشمہ ذات خداوندی ہے جس کا علم صحیح قیامت تک کے حوادث کو محیط ہے اور جس کی قدرت ازلیہ کاملہ کسی چیز سے عاجز نہیں، کیونکہ یہ شریعت اس ذات کی طرف سے آئی ہے جو علیم وخبیر بھی ہے اور ہر چیز پر قادر بھی۔

دہم: الجاء واضطرار کے درمیان اور عیش پرستی، زراندوزی اور امیر سے امیر تر بننے کی حرص کے درمیان جو نمایاں فرق ہے، اسے ملحوظ رکھنا چاہئے ایک بھوکا ننگا فاقہ کش ہے، جسے

قوت لا یموت بھی میسر نہیں اور ایک وہ امیر کبیر ہے، جس کا گھر طرح طرح کے اسباب تنعم سے پٹا پڑا ہے، مگر اس کی حرص کی جہنم کو صبر نہیں، یہ کتنا بڑا ظلم ہوگا کہ دونوں کا حکم یکساں قرار دیا جائے، پہلی صورت اضطرار کی ہے (جس میں سدرمق تک مردار کھانے کی بھی اجازت ہے) اور دوسری اسراف وتبذیر کی۔ (جس کے لئے مجبوری کا بہانہ مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے) اور کم فہمی (اسی طرح کے) مضحکہ خیز لطیفوں بلکہ ماتم انگیز حادثوں کو جنم دیا کرتی ہے، حق تعالیٰ رحم فرمائے اس پر جو انصاف سے کام لے۔

''اسلامی قوانین میں اجتہاد کا مقام'' پر یہ چند مختصر اشارے عرض کئے گئے ہیں جن میں، تنگئ وقت کے پیش نظر تفصیلات کے بجائے اجمال سے کام لیا ہے، اس میں شک نہیں کہ موضوع کی اہمیت شرح وبسط کی متقاضی تھی، تاہم جس چیز کا پورا ادراک ممکن نہ ہو، اسے بالکلیہ چھوڑ دینا بھی زیب نہیں، کانی آنکھ کا رونا بھی صد غنیمت ہے، اور نادار کی کل کائنات اس کے چند آنسو ہوتے ہیں میرا حال وہی ہے جو کسی شاعر نے کہا ہے:-

عاشق کی پونجی وہ سوز دروں ہے جسکی غمازی رخسار پر بہتے ہوئے چند آنسو کیا کرتے ہیں

واللہ سبحانہ ولی التوفیق وھو حسبنا ونعم الوکیل.

بینات-محرم الحرام ۱۳۸۸ھ

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ

احکام شرعیہ میں رائے عامہ کی حیثیت

۱۹۶۲ء میں جب پاکستان کا دوسرا دستور نافذ ہوا تو اس کے تحت قانون سازی کے اس اصول کو صراحتًا تسلیم کیا گیا کہ پاکستان میں کوئی قانون اسلام کے منافی نافذ نہیں ہوگا نیز پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر جلد از جلد اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی کو اسلام کے بنیادی تصورات اور اصولوں کے مطابق ڈھال سکیں اور انھیں ایسی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی جن کی مدد سے وہ ان تصورات اور اصولوں کے مطابق زندگی گذارنے کا مفہوم سمجھ سکیں۔

چنانچہ دستور کی دفعہ ۱۱۹ کے تحت صدر مملکت کو ''اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل'' کے قائم کرنے کا اختیار دیا گیا تا کہ یہ ''مشاورتی کونسل'' پاکستان کے قانون ساز اداروں کو ہر شعبۂ زندگی سے متعلق اسلام کے تصورات اور اصولوں کی رہنمائی کرے نیز یہ جائزہ بھی لیتی رہے کہ آیا کوئی تجویز یا مجوزہ قانون اسلام کے منافی تو نہیں ہے۔

دستور مذکور کی دفعہ ۲۰۷ کے تحت صدر مملکت کو ''ادارۂ تحقیقات'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کرنے کا بھی اختیار دیا گیا جو اسلام اور اسلامی تعلیمات سے متعلق ایسی ''تحقیقات'' کرے جن سے صحیح اسلامی بنیادوں پر مسلم معاشرہ کی تشکیل میں مدد مل سکے۔

مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی نے صحیح اسلامی بنیادوں پر معاشرہ کی تشکیل میں مدد دینے کے سلسلہ میں ''جو کارہائے نمایاں'' انجام دیئے ہیں ان کی داستان بڑی طویل ہے جس سے قارئین بیّنات بخوبی واقف ہیں۔

اسی سلسلۂ تحریفات کی ایک کڑی وہ فتنہ ہے جو پچھلے دنوں ''بغیر اللہ کا نام لئے ذبح کے سلسلہ میں اس ادارہ کی طرف سے اٹھایا گیا، جس کا مقصد وحید یہ تھا کہ اس ملک میں مشینی ذبح کی راہ ہموار کرے جس

کے جاری کرنے کی بار ہا کوششیں کی گئیں البتہ اسلام پسند طبقہ کے مسلسل احتجاجوں پر ملتوی کرنا پڑتا تھا۔ یہ فتنہ اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ آپ کے سامنے ہے اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے ایک کتابچہ ہے جس کو ''ادارہ تحقیقات اسلامی'' کی طرف سے ''ذبیحہ کے احکام'' کے نام سے شائع کیا گیا ہے اس کو جناب محمد سرور صاحب نے ترتیب دیا ہے، جو ادارۂ تحقیقات اسلامی کے نقیب ماہنامہ ''فکرونظر'' کے مدیر شہیر ہیں، اس کتابچہ میں جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کے فتوی کی تصویب وتائید کی گی ہے اور اس کے حق میں بزعم خویش دلائل کے انبار جمع کرنے کی بے معنی کوشش کی گئی ہے۔

ادارۂ تحقیقات اسلامی کے بارے میں اب تک کا تجربہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف صحیح اسلامی بنیادوں پر معاشرہ کی مدد دینے کے سلسلہ میں کوئی شوشہ چھوڑ دیتے ہیں اور پھر ادارہ کی فوج ظفر موج اس کو ہاتھوں ہاتھ لیکر اس کو بانس پر چڑھا دیتی ہے اور اس کے لئے گری پڑی روایتوں اور مرجوح اقوال کے سہارے تلاش کر کے ایک ''نیا علم کلام'' تصنیف کرلیا جاتا ہے، پیش نظر کتابچہ اس سلسلہ کی بہترین مثال ہے۔

اس کتابچہ سے ہمیں ایک اہم انکشاف ہوا، اور اس ادارہ سے دین کی جو مٹی پلید ہورہی ہے یا آئندہ ہوگی اس سلسلہ میں یہ انکشاف بڑی اہمیت کا حامل ہے اس سے اس ادارہ کے آئندہ عزائم کا پتہ لگانا بڑا آسان ہوگا محمد سرور صاحب فرماتے ہیں:

> ''اب یقیناً اس پر بحث ہوگی اور یہ بحث ہونی چاہیئے اور ہر اہل علم کو اس میں حصہ لینا چاہیئے اگر ''رائے عامہ'' ڈاکٹر صاحب کی رائے کی تصویب کرے گی تو مشینی ذبیحہ کا حلال ہونا تسلیم کرلیا جائے گا ورنہ یہ رائے مسترد کردی جائے گی۔'' (ص ۳۲۲)

اس کے چند سطروں کے بعد مزید وضاحت فرماتے ہیں:

> دارالافتاء تو نہ اِدھر ہے نہ اُدھر آخری فیصلہ تو ''رائے عامہ'' کا ہوگا جسے بالآخر حکومت تسلیم کرے گی۔ (ص ۳۲۳)

اب یہاں دین کے ہر حکم ہر عبادت اور سارے اوامر ونواہی کے بارے میں یہ اصول طے کرلیا گیا ہے کہ یہاں حکم براہ راست کتاب وسنت نہیں، نہ اسلام کے طے شدہ اصولوں کا کوئی احترام ہوگا، بلکہ

صورت یہ ہوگی کہ اسلام کے بنیادی سے بنیادی مسئلہ کو لیا جائے اور اس میں کوئی نیا شوشہ چھوڑا جائے اور بحث کی دعوت دی جائے کچھ لوگ اس کی حمایت کریں گے اور کچھ مخالفت۔ اور پھر عوام سے استصواب کیا جائے گا، رائے عامہ جس رائے کی حمایت کرے گی حکومت اس کو تسلیم کر کے اسلامی قانون قرار دے گی اور یہ یہاں کا اسلام اور دین قرار پائے گا، اس اصول کے پیش نظر کل یہ مسئلہ اٹھایا جائے گا کہ نمازیں پانچ وقت کی زائد ہیں اور العیاذ باللہ اس سے وقت ضائع ہوتا ہے اس لئے صرف دو یا تین نمازیں اس نوزائیدہ مملکت کے لئے مناسب ہیں۔ کچھ لوگ اس الحاد اور زندقہ کی حمایت کریں گے کیونکہ اس ملک میں منکرین حدیث کی ایک کھیپ آخر موجود ہی ہے جس کا مسلک یہی ہے اور غالباً ڈاکٹر صاحب کی رائے تو اس سے بھی آگے ہے کہ نمازوں پر یہ زوروشور بعد کے دور کی پیداوار ہے، ابتدائی دور میں پانچ نمازوں کی اس طرح تاکید نظر نہیں آتی اور بدقسمتی سے رائے عامہ اس کو قبول کر لے تو کیا حکومت اس کو تسلیم کرے گی؟ پھر یہ سلسلہ صرف عبادات اور معاملات تک محدود نہیں رہے گا بلکہ اس کی زد میں ایمانیات اور دین کے مسلّمات بھی آئیں گے [1] اور ایک دن سارے دین کا سفینہ غرق ہو جائے گا "نعوذ باللہ من شر ورھم" ہر مسلمان سمجھتا ہے کہ اسلامی قوانین کے ماخذ حسب ذیل ہیں:

(الف) قرآن کریم۔

(ب) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(ج) خلافت راشدہ کا تعامل۔

(د) مجتہدین امت کے فیصلے۔

مسلمانوں نے ہر دور میں اس پر عمل کیا ہے، اور ان کے تعامل و توارث نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے شرعی مسائل میں "رائے عامہ" کو کبھی بھی حَکَم تسلیم نہیں کیا گیا۔ رائے عامہ کو اگر تسلیم کر لیا جاتا تو دین کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا۔ اس دینِ متین کو رائے عامہ کے حوالہ کر کے کیا یہ حضرات دریابُرد کرنا چاہتے ہیں یورپ نے اپنے قوانین و دستور کو رائے عامہ کے حوالہ کر کے کیا پایا؟

---

(۱) اور ڈاکٹر صاحب تو سارے ایمانیات پر پہلے ہی ہاتھ صاف کر چکے ہیں اب انتظار صرف "رائے عامہ" کا ہے۔ (حاشیہ بینات)

کیا یہ وہی ''رائے عامہ'' نہیں ہے جس نے زنا، لواطت جیسی گھناؤنی حرکات کو جائز اور مباح قرار دے دیا کیا یہی وہ رائے عامہ نہیں ہے جس نے انسانیت کو بہیمیت سے ہمکنار کر کے ہزار ہا تاریکیوں کو جنم دیا ہے اور قول وعمل کی جس قدر برُائیاں وجود میں آ سکتی تھیں وہ سب کی سب پوری طرح آ چکی ہیں۔

امریکہ، برطانیہ اور فرانس میں اباحت مطلقہ اور نوجوان نسل کی بے راہروی اور تباہی پر سینکڑوں نہیں، بلکہ ہزاروں رپوٹیں شائع ہو چکی ہیں مگر ان کے مطابق کوئی مثبت قدم نہیں اٹھایا جاتا بلکہ جب کبھی حساس دلوں نے اس پر تشویش کا اظہار کیا تو ان جرائم کے جواز کے لئے سب سے بڑی توجیہ یہی پیش کی گئی کہ ''رائے عامہ'' ان اخلاق سوز حرکتوں کی حامی ہے، اس لئے ہم کیا کر سکتے ہیں، کیا ادارہ تحقیقات اسلامی کے ذمہ دار اس سیاہ تاریخ کو اس ملک میں دہرانا چاہتے ہیں، جس کو اسلام کے نام پر بڑی قربانیاں دے کر حاصل کیا گیا ہے، کیا ''رائے عامہ'' کے فلسفہ سے یہ حضرات اسلامی معاشرے کو بھی یورپ کی سطح پر لانا چاہتے ہیں۔

رائے عامہ کو حَکم بنانے کا جو اصول پیش کیا گیا ہے اس کا ہم قرآن کریم، حدیث نبوی، اور سلف کے کلام کی روشنی میں جائزہ لینا چاہتے ہیں تا کہ ہمارے قارئین علی وجہ البصیرۃ اس گمراہ کن اور دین وشریعت کے منافی اصول پر نفرین بھیج سکیں اور اس پر پُر زور احتجاج کر سکیں۔

''ان الحکم الّاللہ امر الّاتعبدوا ایاہ ذلک الدین القیم ''(یوسف: ۴۰)

ترجمہ: حکم سوائے اللہ کے اور کسی کا نہیں اس کا فرمان ہے کہ اسکے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو یہی صحیح دین ہے۔

''یقولون ھل لنا من الا مر من شیئ قل ان الامر کلہ للہ (ال عمران: ۱۵۴)

ترجمہ: وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے کہو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

ولا تقولوا لماتصف السنتکم الکذب ھذا حلا ل وھذاحرام''(النحل:۱۱۶)

ترجمہ: ''اپنی زبانوں سے یونہی غلط سلط جھوٹ نہ بک دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔

''ومن لم یحکم بماانز ل اللہ فاولئک ھم الکافرون ''(المائدۃ ۴۴)

ترجمہ: جو خدا کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ہی دراصل کافر ہیں۔

"ماكان لمومن ولامومنةاذاقضى الله ورسوله امراً ان يكون لهم الخيرة من امر هم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالاً مبيناً" (الاحزاب: ٣٦)

ترجمہ: کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جب کسی معاملے کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسول کر دے تو پھر ان کے لئے خود اپنے معاملے میں فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔

"ياايها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم فإن تنازعتم فى شيئ فردوه الى الله والرسول ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذالك خير واحسن تاويلا" (النساء: ٥٩)

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارے درمیان نزاع ہو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیر و اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور آخرت کے دن پر یہ بہتر ہے اور بلحاظ انجام بھی اچھا ہے

"الم ترالى الذين يزعمون انهم آمنو ابماانزل اليك وما انزل من قبلك يريدون ان يتحاكموا الى الطاغوت وقد امر واان يكفروابه ويريد الشيطان ان يضلهم ضلالاً بعيداً". (النساء: ٦٠)

ترجمہ: کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایمان لے آئے اس کتاب پر جو آپ پر نازل کی گئی اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اتاری گئیں حالانکہ وہ چاہتے ہیں کہ اپنا فیصلہ "طاغوت" کی طرف لے جائیں حالانکہ ان کو اس کا حکم دیا گیا تھا کہ اس کا انکار کریں لیکن شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بہت دور کی گمراہی میں ڈال دے۔

"عن جابر رضى الله عنه ،قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم امابعد فان خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد

وشر الامور محد ثاتها و کل بد عةضلالة". (۱)

ترجمہ: جابر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بہتر کلام اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہتر طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور بدترین امر یہ ہے کہ دین میں نئی چیزیں نکالی جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

"عن ابن عباس قال قال رسول الله ابغض الناس الى الله ثلاثه ملحد فی الحرم ومبتغ فی الاسلام سنة الجاهلیةومطلب دم امرئ مسلم بغیر حق لیهریق دمه". (۲)

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین شخص سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہیں ایک تو وہ شخص جو حرم میں الحاد کرے دوسرا وہ شخص جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ زندہ کرے تیسرا وہ شخص جو کسی مسلمان کا ناحق خون بہانے کے لئے حیلے تلاش کرے۔

"عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کل امتی یدخلون الجنة الامن ابی قیل ومن آبی قال من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی". (۳)

ترجمہ: ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی سوائے ان لوگوں کے جو انکار کریں کہا گیا کہ ایسے لوگ کون ہیں فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ تو جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی تو گویا اس نے انکار کیا۔

---

(۱) مشکوۃ المصابیح لمحمد بن عبداللہ خطیب التبریزی (م۷۴۳ ھ) کتاب الإیمان -باب الاعتصام بالکتاب والسنة-الفصل الأول -۱/۲۷-ط: قدیمی کتب خانه کراچی

(۲) المرجع السابق ا. (۳) المرجع السابق.

"عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلی اللهعلیه وسلم مامن نبی بعثه الله فی امته قبلی الا کان له فی امته حوار یون واصحاب یاخذون بسنته ویقتدون بامر ہ ثم إنها تخلف من بعد هم خلوف یقولون مالایفعلون ویفعلون مالا یؤ مرون رواه مسلم ".(۱)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، کا ارشاد ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی نبی ایسا نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے اس کی امت میں مبعوث فرمایا الآ یہ کہ اس کی امت میں خاص لوگ اور اس کے صحابی ہوئے جو اس کی سنت پر عمل کرتے ہیں اور اس کے احکام کی اقتداء کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جو کہتے ہیں اور کرتے نہیں ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جن کا انہیں حکم نہیں دیا جاتا۔

"عن ابن مسعود قال من کان مستناًفلیستن بمن قد مات فان الحی لا تومن علیه الفتنة اولئک اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم کا نوا افضل هذه الامة ابر ها قلو باًاعمقهاعلماًوا قلها تکلّفاًاختار هم الله لصحبة نبیه ولاقامة دینه فاعر فوالهم فضلهم واتبعوهم علی اثر هم وتمسکو ابمااستطعتم من اخلاقهم وسیر هم فانهم کانو اعلی الهدی المستقیم "رواه رزین (۲)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں جو شخص کسی طریقہ پر چلنا چاہے تو چاہیئے کہ وہ وفات پانے والے حضرات کے طریقہ پر چلے کیونکہ زندہ لوگ فتنہ سے محفوظ نہیں رہ سکتے اور جن کے طریقے پر چلنا ہے وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں اس امت کے افضل ترین حضرات تھے دلوں کے لحاظ سے پاکیزہ، علم کے لحاظ سے گہرے، تکلّف سے خالی، اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو اپنے نبی کی صحبت کے

(۱) المرجع السابق ص ۲۹. (۲) المرجع السابق –الفصل الثالث–ص ۳۲

لئے اور دین قائم کرنے کے لئے چن لیا تھا، پس تم ان کے فضل وکمال کا اقرار کرو اور جہاں تک تم سے ہو سکے ان کے اخلاق حمیدہ اور سیرت طیبہ کو مضبوطی سے پکڑے رہو کیونکہ یہ سب لوگ جادہ مستقیم پر قائم تھے۔

"عن ابی ثعلبة الخشنی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله فرض فرائض فلاتضیعوها وحرم حرمات فلا تنتهکوها وحد حدوداً فلاتعتدوها وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلاتبحثوا عنها" رواه الدار قطنی (۱)

ترجمہ: ابوثعلبہ خشنیؓ روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزوں کو فرض فرمایا ہے تم ان کو ضائع نہ کرو اور بعض اشیاء کو حرام کہا ہے تم ان کی پردہ دری نہ کرو اور کچھ حدود مقرر کی ہیں ان سے آگے نہ بڑھو۔ اور بعض چیزوں سے۔ بھولے بغیر۔ سکوت فرمایا ان کی جستجو میں نہ پڑو۔

غرض قرآن کریم اور حدیث نبوی نے واضح طور پر اس حقیقت کا واشگاف الفاظ میں اعلان کر دیا، کہ مسلمانوں کے لئے "حَکَم" کتاب وسنت ہے، انھیں اپنے ہر معاملہ میں اور زندگی کے ہر شعبے میں یہ دیکھنا ہے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کیا ہے، یہ چیز خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حلال ہے یا حرام، جائز ہے یا ناجائز اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم معلوم ہو جانے کے بعد کسی کا حکم قابل تسلیم نہیں، نہ کسی کی رائے کا اعتبار ہے **"لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق"** جائز وناجائز اور حلال وحرام کے فیصلوں میں "رائے عامہ" کو اتھارٹی تسلیم کرنے کا نظریہ اُن معاشروں میں تو پنپ سکتا ہے، جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہوں، نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر، نہ آسمانی کتاب سے بہرہ مند ہوں نہ خدائی شریعت سے لیکن جس شخص کے دل میں ایمان کا ادنیٰ شعور باقی ہو وہ جان سکتا ہے کہ اسلامی قوانین واحکام کے بارے میں رائے عامہ کو ذرہ برابر دخل نہیں۔ اسلام میں احکام وقوانین کے مآخذ وہی ہیں جن کی اوپر نشاندہی کی گئی ہے اس لئے شرعی مسائل میں "رائے عامہ" کو بطور حکم

(۱) المرجع السابق.

پیش کرنا وہ طرز فکر ہے، جس کی توقع کسی مسلمان سے نہیں ہو سکتی۔

علمائے اصول نے بسلسلہ اجماع تصریح کی ہے کہ صرف رائے عامہ کا کوئی اعتبار نہیں فخر الاکلام بزدوی لکھتے ہیں:

"فامامایختص بالرأی والاستنباط وما یجری مجراه فلایعتبر فیه الااهل الرأی والاجتهاد".(۱)

ترجمہ: "وہ مسائل جن کا تعلق رائے اور استنباط سے ہو ان میں صرف ان ہی حضرات کا اعتبار ہے، جو اہل اجتہاد ہوں"۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے اپنی بے عدیل کتاب "المستصفیٰ" میں بسلسلہ اجماع، "رائے عامہ" پر سیر حاصل بحث کی ہے اس کا اختصار ہدیہ ناظرین ہے:

"واضح رہے کہ شریعت مطہرہ کے دو حصے ہیں ایک تو وہ حصہ جس کے ادراک میں عوام وخواص سب مشترک ہیں جیسے پانچ نمازیں، روزہ کی فرضیت، زکوٰۃ کی فرضیت اسی طرح حج کا وجوب سو یہ وہ امور ہیں جن میں عوام اور خواص سب متفق ہیں۔ دوسرا حصہ وہ ہے جس کا ادراک صرف خواص کر سکتے ہیں جیسے نماز کے احکام کی تفصیل، خرید وفروخت کے احکام اس کے علاوہ دوسرے اجتہادی مسائل، ایسے مسائل میں خواص کے اجماع کا اعتبار ہوگا اور اس میں کام یہ ہوگا کہ وہ یہ سمجھیں کہ حق وہی ہے جس میں اہل حل وعقد اتفاق کریں۔ اس قسم کے امور میں عوام اپنے دلوں میں کسی مخالفت کو جگہ نہیں دیتے گویا وہ بھی ان میں پورے پورے متفق ہوتے ہیں اس لئے ایسے مسائل میں کہا جا سکتا ہے کہ پوری امت متفق ہے جس طرح فوج اپنے میں سے ایک "اہل رائے" جماعت کو کسی قلعہ والوں سے صلح کرنے کے لئے مقرر کردے اور وہ جماعت ان سے صلح کرے تو وہ پوری فوج کا فیصلہ اور پورے لشکر کی طرف سے صلح سمجھی جاتی ہے۔

---

(۱) اصول البزدوی کنز الوصول إلی معرفة الأصول للإمام فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی (۴۸۲ھ)- باب الأهلیة -ص ۲۴۳ -ط: نور محمد کراچی.

اگر عوام کسی ایسے مسئلہ میں جس میں خواص کا اتفاق ہو مخالفت کریں تو اس سے اجماع پر فرق پڑتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے اس بارے میں صحیح ترین رائے یہی ہے کہ عوام کی مخالفت سے اجماع پر کوئی اثر نہیں پڑتا دو دلیلوں میں سے پہلی دلیل تو یہ ہے کہ عوام طلب صواب کے اہل نہیں ہیں، کیونکہ اجتہادی مسائل میں غور وفکر کرنے کے لئے جس قسم کے اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان سے تہی دامان ہوتے ہیں اور امت کے ''معصوم عن الخطاء'' ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اس کے اہل ہیں وہ خطا پر متفق نہیں ہو سکتے۔

دوسری دلیل قوی ترین یہ ہے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا اجماع ہے کہ مسائل اجتہادیہ میں عوام کا اعتبار نہیں ہے اور اس اجماع کی دلیل قرآن وحدیث ہے قرآن کریم میں فرمایا گیا۔ ''لعلمه الذی یستنبطونه منهم'' (وہ لوگ جو استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ اس کو جان لیتے ہیں) اس آیت میں صراحت کے ساتھ عوام کو حکم دیا گیا کہ وہ مسائل وواقعات کو خواص کے پاس لے جائیں اور ان کا حکم ان سے معلوم کریں، اسی حدیث میں ان جاہل رؤسا کی مذمت کی گئی ہے جو خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی اپنی جہالت سے گمراہ کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ صحیح علماء کی مخالفت کرنے سے عوام خطا کار و گناہگار سمجھے جائیں گے۔''(۱)

امام ابو اسحاق الشاطبی ''الموافقات'' میں المسئلۃ التاسعۃ کے زیر عنوان عوام کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ارباب اجتہاد کے فتاویٰ عوام کے حق میں ایسے ہیں جیسے ادلہ شرعیہ مجتہدین کے حق میں، کیونکہ عوام کے لئے ادلۃ کا وجود اور عدم برابر ہے جبکہ عوام اس سے استفادہ نہیں کر سکتے اور واقعہ بھی یہ ہے کہ عوام ادلہ شرعیہ میں غور وفکر اور صحیح استنباط

---

(۱) المستصفی للإمام أبی حامد الغزالی –الباب الثانی فی بیان أرکان الإجماع –مسئلة یتصور دخول العوام فی الإجماع فإن الشریعة تنقسم ......الخ –۱/۱۸۱–ط: المطبعة الأمیریة بولاق مصر.

کرنے کے اہل نہیں اور نہ ان کے لئے جائز ہے کہ وہ ادلہ شرعیہ سے استنباط کی جرأت
کریں انکے لئے صحیح طریق کار وہی ہے جس کی طرف قرآن کریم نے رہنمائی فرمائی
"فاسألوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون". (۱)
ترجمہ: جو چیز تم نہیں جانتے وہ صاحبان علم سے دریافت کرو۔

ہم نے سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا ہے اس سے ہمارا مقصد "رائے عامہ" کی اہانت یا تنقیص ہرگز نہیں، ہم تو ایک گمراہ کن نظریہ کی قرآن کریم وحدیث نبوی اور سلف کے اقوال کی روشنی میں تردید کررہے ہیں۔ اور یہ بتلارہے ہیں کہ دین کے احکام ومسائل میں رائے عامہ حکم نہیں ہے حکم قرآن کریم اور حدیث نبوی ہیں، البتہ وہ دنیوی امور جن کے بارے میں شریعت نے دونوں پہلوؤں کے اختیار کرنے کی صراحتاً اجازت دی ہے ، یا شریعت نے ان سے سکوت کیا ہے ان میں "رائے عامہ" کو کسی ایک جہت کے اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔

اسی طرح یہ بھی ملحوظ رہے کہ ذبیحہ کا مسئلہ ہو، یا عائلی قوانین کا، خاندانی منصوبہ بندی ہو یا بینک کا سود، پانچ نمازوں کی بحث ہو یا زکوۃ کے عبادت ہونے کی۔ غرض ہر وہ مسئلہ جس کو ادارہ تحقیقات اسلامی نے اس ملک میں معاشرہ کو "صحیح اسلامی" بنیاد پر تشکیل دینے کے سلسلہ میں اٹھایا ہے ، الحمد للہ! "رائے عامہ" اس سلسلہ میں ادارہ تحقیقات کے محققین کی نئی پیچ کو غلط ہی قرار دیتی رہی ہے، اور ایک حقیر مغرب زدہ اقلیت کے سوا ادارۂ تحقیقات اسلامی کے ساتھ کوئی مسلمان نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے اس لئے بحمد اللہ ہم "رائے عامہ" سے خائف نہیں ہیں، خائف تو آپ کو ہونا چاہیئے "استصواب رائے" کی صورت میں چند ووٹوں کے سوا آپکی جھولی میں کچھ نہیں آئے گا۔

آخر میں ہم دو باتیں نقل کرتے ہیں ایک علامہ محقق محمد زاہد الکوثریؒ سے اور دوسری حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے جن کے کلام سے استدلال کتابچہ کے مؤلف محترم جابجا کرتے ہیں۔ محمد زاہد الکوثری فرماتے ہیں:

"واحكام الشرع هي مافهمه الصحابة والتابعون وتابعوهم

---

(۱) الموافقات لأبي اسحاق الشاطبي(م ۷۹۰ھ) قوله : فتاوى المجتهدين بالنسبة إلى العوام ......الخ–
۴/۲۱۵، ۲۱٦–ط: دار الكتب العلمية بيروت.

من کتاب الله وسنة رسوله على موجب اللسان العربی المبين وعمل الفقهاء انما هو الفهم من الكتاب والسنةوليس لاحد سوى صاحب الشرع دخل فى الشرع". (۱)

ترجمہ: شریعت کے احکام درحقیقت وہی ہیں جن کو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے عربی زبان کے قواعد کے مطابق سمجھا ہے فقہاء کا عمل بھی کتاب اور سنت کا فہم ہی ہے۔ صاحب شرع کے علاوہ کسی کو احکام اسلام میں دخل دینے کا حق نہیں ہے۔"

حضرت شاہ صاحب نے اسباب تحریف پر بحث کرتے ہوئے ادارۂ تحقیقات کے محققین کے طرز عمل کی کیا خوب نشاندہی فرمائی ہے:

"من جملہ ان کے یہ کہ بعض لوگوں کو ان کی اغراض فاسدہ نصوص شرعیہ کی غلط توجیہ وتاویل کرنے پر آمادہ کرتی ہیں مثلاً بادشاہوں اور حکمرانوں کو خوش رکھنا، اور ان ہی کے اشارہ پر چلنا ان کے پیش نظر ہوتا ہے، کلام مجید میں ہے:

"ان الذين يكتمون ماانزل الله من الكتاب ويشترون به ثمناً قليلاً اولئک ما ياكلون فى بطونهم الا النار" (البقرة : ۱۷۴)

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب کے احکام کو چھپاتے ہیں اور اس کے عوض تھوڑا مول لیتے ہیں وہ جو کچھ بھی کما کر کھاتے ہیں وہ تو دوزخ کی آگ ہے۔" (۲)

---

(۱) مقالات الکوثری للمحقق محمد زاهد الكوثرى (م ۱۳۷۱ھ)—ص ۹۲—ط: دار شمسی للنشر کراتشی

(۲) حجة الله البالغة للشاه ولى الله المحدث الدهلوى (م ۱۱۷۶ھ) قوله : ومنها الأغراض الفاسدة — ص ۱۲۰ — ط: رشيديه دهلى .

کتاب العقائد

لفظ ''خدا'' کا استعمال

محترم جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب!　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وجہ تحریر وہی ہے جو ہمیشہ لکھتے ہوئے ہوتی ہے۔ یعنی پھر ایک مسئلہ درپیش ہے۔ مسئلہ کچھ ایسا سنگین تو نہیں لیکن صورتحال کچھ ایسی ضرور ہے۔

صورتحال یہ ہے کہ میرے ایک چچا انڈیا میں رہتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے میں نے اپنے ایک خط میں لفظ ''خدا'' کا استعمال کیا تھا (میرا خیال ہے کہ ''خُدا حافظ'' لکھا تھا) جس پر انہوں نے مجھے لکھا کہ لفظ ''خدا'' کا استعمال غلط ہے۔ ''اللہ'' کے لئے لفظ ''خدا'' استعمال نہیں ہوسکتا۔ جس کے جواب میں میں نے لکھا تھا کہ میرے خیال میں لفظ خدا لکھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بس ہمارے ذہن میں اللہ کا تصور پختہ ہونا چاہئے۔ اور اگر لفظ ''خدا'' غلط ہے تو تاج کمپنی جس کے قرآن پاک تمام دنیا میں پڑھے جاتے ہیں۔ کے ترجمے میں لفظ خدا استعمال نہیں ہوتا۔ میرے اس جواب پر انہوں نے ایک خط لکھا ہے جسکی نقل میں آپ کو اس خط کے ساتھ ہی روانہ کررہا ہوں۔ (۱)

آپ سے یہ گذارش ہے کہ آپ قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بتائیں کہ لفظ ''خُدا'' کا استعمال کیا غلط ہے؟

سائل: اعجاز الدین

الجواب باسمہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ ''خدا'' کا استعمال جائز ہے۔ اور صدیوں سے اکابر دین اس کو استعمال کرتے آئے ہیں۔ اور کبھی کسی نے اس پر نکیر نہیں کی۔ اب کچھ لوگ پیدا ہوئے ہیں جن کے ذہن پر عجمیت کا وہم سوار ہے۔ انہیں بالکل سیدھی سادی چیزوں میں ''عجمی سازش'' نظر آتی ہے، یہ ذہن غلام احمد پرویز اور

(۱) خط کی نقل ''بینات'' میں درج نہیں ہوئی، مدعا وہی ہے جو سوال کی آخری سطر میں درج ہے۔ (مرتب)

اس کے ہمنواؤں نے پیدا کیا۔ اور بہت سے پڑھے لکھے شعوری و غیر شعوری طور پر اس کا شکار ہوگئے۔ اسی کا شاخسانہ یہ بحث ہے جو آپ نے لکھی ہے۔ عربی میں لفظ رب، مالک اور صاحب کے معنیٰ میں ہے۔ اسی کا ترجمہ فارسی میں لفظ ''خدا'' کے ساتھ کیا گیا ہے۔ چنانچہ جس طرح لفظ ''رب'' کا اطلاق بغیر اضافت کے غیر اللہ پر نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح لفظ ''خدا'' جب بھی مطلق بولا جائے تو اس کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ کسی دوسرے کو ''خدا'' کہنا جائز نہیں۔ ''غیاث اللغات'' میں ہے:

''خدا بالضم بمعنی مالک و صاحب۔ چوں لفظ خدا مطلق باشد بر غیر ذاتِ باری تعالیٰ اطلاق نکند، مگر در صورتیکہ بچیزے مضاف شود، چوں کہ خدا، ودہ خدا''۔(۱)

ٹھیک یہی مفہوم اور یہی استعمال عربی میں لفظ ''رب'' کا ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ''اللہ'' تو حق تعالیٰ شانہ کا ذاتی نام ہے۔ جس کا نہ کوئی ترجمہ ہوسکتا ہے نہ کیا جاتا ہے۔ دوسرے اسمائے الٰہیہ ''صفاتی نام'' ہیں جن کا ترجمہ دوسری زبانوں میں ہوسکتا ہے۔ اور ہوتا ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں میں سے کسی بابرکت نام کا ترجمہ غیر عربی میں کردیا جائے۔ اور اہل زبان اس کو استعمال کرنے لگیں تو اس کے جائز نہ ہونے اور اس کے استعمال کے ممنوع ہونے کی آخر کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ اور جب لفظ ''خدا'' ''صاحب'' اور ''مالک'' کے معنیٰ میں ہے۔ اور لفظ ''رب'' کے مفہوم کی ترجمانی کرتا ہے تو آپ ہی بتایئے کہ اس میں مجوسیت یا عجمیت کا کیا دخل ہوا۔ کیا انگریزی میں لفظ ''رب'' کا کوئی ترجمہ نہیں کیا جائیگا؟ اور کیا اس ترجمہ کا استعمال یہودیت یا نصرانیت بن جائے گا؟ افسوس ہے کہ لوگ اپنی ناقص معلومات کے بل بوتے پر خودرائی میں اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ انہیں اسلام کی پوری تاریخ سیاہ نظر آنے لگتی ہے۔ اور وہ چودہ صدیوں کے تمام اکابر کو گمراہ یا کم سے کم فریب خوردہ تصور کرنے لگتے ہیں۔ یہی خودرائی انہیں جہنم کے گڑھے میں دھکیل دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھیں۔ واللہ اعلم

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

بینات - ذوالقعدہ ۱۴۰۷ھ

---

(۱) غیاث اللغات (فارسی) - فصل خائے معجمہ مع دال مہملہ - ص ۱۸۵ - ط: ایچ ایم سعید

قدرتِ الٰہی سے متعلق

ایک منطقی مغالطہ

محترم جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب!　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد از سلام مسنون۔ عرصۂ دراز سے آپ کے مسائل پڑھتا آرہا ہوں ابھی کچھ دنوں سے ایک مسئلے نے پریشان کررکھا ہے، مقامی علماء کرام صاحبان سے کافی پوچھ گچھ کی ہے لیکن کسی نے بھی ایسا جواب نہیں دیا ہے جس سے تسلی ہوتی۔ اس لئے آپ کو خط لکھ رہا ہوں، آپ سے گذارش ہے کہ تسلی بخش جواب عنایت فرمادیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ ایک صاحب نے جو الحمدللہ ایک اچھا مسلمان ہے اور ان کا اور میرا یہ یقین ہے۔ کہ خدا پاک کی ذات ہر چیز پر قادر ہے، ان صاحب نے منطق کی کسی کتاب میں سے یہ سوال دیکھا ہے کہ کیا خدا پاک ایک ایسا پتھر بنا سکتا ہے جسے وہ خود نہ اُٹھا سکتا ہو؟ تفصیلاً جواب ارسال کردیں تا کہ ہماری تسلی ہوجائے اور آئندہ اس طرح کا کوئی سوال دل ودماغ میں نہ سمانے پائے۔

سائل: سید عبدالرشید سلیمان زئی

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

حق تعالیٰ شانہ، بلاشبہ قادرِ مطلق ہے، اور ہر چیز پر قادر ہے۔ مگر سوال میں یہ منطقی مغالطہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے عاجز فرض کرکے سوال کیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی پتھر کو نہ اُٹھا سکنا عجز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ عجز سے پاک ہے۔ پس جب ایسے پتھر کا وجود ہی ناممکن ہے تو اس کی تخلیق کا سوال ہی غلط ہے...... قدرتِ الٰہیہ ممکنات سے متعلق ہوتی ہے۔ محالات سے متعلق نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم

کتبہ:　محمد یوسف لدھیانوی

بینات - ذوالقعدہ ۱۴۰۷ھ

بشریت انبیاء علیہم السلام

سوال: جناب مکرمی مولانا صاحب! السلام علیکم۔ بعدہ عرض ہے کہ آپ کا رسالہ ''بینات'' شاید پچھلے سال یعنی ۱۹۸۰ء کا ہے اس کا مطالعہ کیا جس میں چند جگہ کچھ اس قسم کی باتیں دیکھنے میں آئیں کہ جن کی وضاحت ضروری ہے کیونکہ میں نے اور دیگر حضرات کی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا ہے جس سے آپ کی بات اور ان حضرات کی بات میں بڑا فرق ہے یا تو آپ ان کے خلاف ہیں؟ یا ان کی تحریروں کو نظرانداز کر رہے ہیں۔

مثلاً: نمبر ا ص ۳۵:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لحاظ سے نہ صرف نوع بشر میں داخل ہیں، افضل البشر ہیں، نوع انسان کے سردار ہیں۔ آدمؑ کی نسل سے ہیں، بشر اور انسان دونوں ہم معنی لفظ ہیں''۔

لیکن جب میں دوسرے حضرات کی تصنیف کو سامنے رکھتا ہوں تو زمین آسمان کا فرق محسوس ہوتا ہے آخر اس کی کیا وجہ، حالانکہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

تحقیق امت نے اجماع کیا اس پر کہ شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کیا جائے پس تابعین نے اعتماد کیا صحابہ کرام پر اور تبع تابعین نے تابعین پر اس طرح ہر طبقہ میں علماء نے اپنے پہلوں پر اعتماد کیا۔(۱)

امید ہیکہ اگر دین کا سمجھدار طبقہ یا کم از کم وہ حضرات تبلیغ دین میں قدم رکھتے ہیں وہ تو اس طریقہ کو اختیار کریں تا کہ دین میں تواتر قائم رہے اب مندرجہ بالا مسئلہ میں آپ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف بشر ہیں مگر افضل ہیں انسانوں کے سردار اور آدمؑ کی نسل میں سے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت بشر ہے۔

---

(۱) عقید الجید (عربی متن مع اردو ترجمہ) الباب الثالث–ص ۵۴–ط: محمد سعید اینڈ سنز کراچی

مگر حکیم الامت جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنی تصنیف ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب'' میں پہلا باب ہی نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اللہ تعالیٰ نے نور سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ساری کائنات کی پیدائش کا اظہار کیا ہے اور اس ضمن میں چند احادیث بھی روایت کی ہیں جن میں یہ ذکر بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے رب کے پاس نور تھے۔ اور یہ بھی ہے کہ میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدمؑ ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔(۱)

اور جناب رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں ''امدادلسلوک'' میں:

''اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہ رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں''۔(۲)

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے (دفتر سوم مکتوب نمبر ۱۰۰ میں) فرمایا جس سے چند باتوں کا اظہار ہوتا ہے:

۱: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک نور ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خلقت من نور الله، میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں۔

۲: آپ نور ہیں اور آپ کا سایہ نہ تھا۔

۳: آپ نور ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت و مصلحت کے پیش نظر بصورت انسان ظہور فرمایا۔(۳)

---

(۱) نشر الطيب فی ذكر النبی الحبيب– پہلی فصل نور محمدی کے بیان میں–۱۰ تا ۱۲–ط: انتظامی کانپور.

(۲) امداد السلوک –لم نطلع على طبع جديد.

(۳) مكتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی (فارسی) دفترسوم – حصه نهم –مكتوب ۱۰۰ –مجلد ۲ ص ۷۵–ط: ایچ ایم سعید .

وايضـا الـمكتـوبـات الربانية (عربی) المكتوب ۲۱۵– إلى الشيخ نور الحق فی كشف سر محبة يعقوب ليـوسف عـليهـم السـلام خـاتـم حسـنة فـی بيـان الـحسـن والجمال المحمديين على صاحبهما السلام – ۳/ ۳۵۱– دار الكتب العلمية بيروت ۱٤۲٤ھ

مطلب یہ کہ مجدد صاحب بھی آپ کی حقیقت کو نور ہی مانتے ہیں لیکن قدرت خداوندی نے مصلحت کے تحت شکل انسانی میں ظہور کیا۔

رسالہ ''التوسل'' جو مولوی مشتاق احمد صاحب دیوبندی کی تصنیف ہے اور مولوی محمود الحسن صاحب، مفتی کفایت اللہ صاحب، اور مفتی محمد شفیع صاحب علماء دیوبند کی تصدیقات سے موید ہے، اس میں لکھا ہے کہ:

> قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین ، میں نور سے مراد حضرت رسول اکرم ﷺ مراد اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ نور اور سراج منیر کا اطلاق حضور ﷺ کی ذات پر اسی وجہ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور مجسم اور روشن چراغ ہیں۔
>
> نور اور چراغ ہمیشہ ذریعہ وسیلہ صراط مستقیم کے دیکھنے اور خوفناک طریق سے حالت حیات میں بھی وسیلہ ہے اور بعد وفات بھی وسیلہ ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے آپ کے جد امجد عبد المطلب کو قریش مصیبت کے وقت اسی نور کے سبب حل مشکلات کا وسیلہ بنایا کرتے تھے (التوسل ص ۲۲)(۱)

تفسیر کبیر میں ہے:

> قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین ،ان المراد بالنور محمد -صلی اللہ علیہ وسلم - وبالکتب القران،(۲)
>
> آپ سے عرض ہے کہ آپ بتائیں کہ یہ عقائد درست ہیں؟

نوٹ: ان حضرات کے عقائد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت نور ثابت ہے جو آدمؑ سے پہلے پیدا ہوئی۔

فقط محمد عالمگیر

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کے حوالے سے آپ نے جو اصول نقل کیا ہے کہ

---

(۱) لم نطلع علی اصل الرسالة .(مرتب)

(۲) التفسیر الکبیر للإمام الرازی - ۳/۳۸۲-ط: مطبعة العامرية الشريعة ۱۳۲۴ھ.

''شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کیا جائے'' یہ بالکل صحیح ہے لیکن آنجناب کا یہ خیال صحیح نہیں کہ راقم الحروف نے نور و بشر کی بحث میں اس اصول سے انحراف کیا ہے میں نے جو کچھ کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت نور بھی ہیں اور بشر بھی، اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور اور بشر ہونے میں کوئی منافات نہیں کہ ایک کا اثبات کر کے دوسرے کی نفی کی جائے۔ بلکہ آپ صفت ہدایت اور نورانیت باطن کے اعتبار سے نور مجسم ہیں اور اپنی نوع کے اعتبار سے خالص اور کامل بشر ہیں۔

بشر اور انسان ہونا کوئی عار اور عیب کی چیز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کا انتساب خدانخواستہ معیوب سمجھا جائے، انسانیت و بشریت کو خداتعالیٰ نے چونکہ ''احسن تقویم'' فرمایا ہے اس لئے بشریت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کمال شرف ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انسان ہونا انسانیت کے لئے موجب صد عزت و افتخار ہے۔

میرے علم میں نہیں کہ حضرات سلف صالحین میں سے کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کر کے آپ کو دائرہ انسانیت سے خارج کیا ہو، بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بشریت میں بھی منفرد ہیں اور شرف و منزلت کے اعتبار سے تمام کائنات سے بالاتر اور ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کے مصداق ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکمل البشر، افضل البشر اور سید البشر ہونا ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کیوں نہ ہو جب کہ خود فرماتے ہیں:

انا سید ولد ادم یوم القیمة ولا فخر (۱)

''میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا قیامت کے دن اور یہ بات بطور فخر نہیں کہتا''۔

قرآن کریم نے اگر ایک جگہ ﴿قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین﴾ فرمایا ہے (اگر نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد لی جائے) تو دوسری جگہ یہ بھی فرمایا ہے:

قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولاً. (الاسراء:۹۳)

''آپ فرمادیجئے کہ سبحان اللہ! میں بجز اس کے کہ آدمی ہوں مگر پیغمبر ہوں اور کیا ہوں''۔

---

(۱) مشکوۃ المصابیح -باب فضائل سید المرسلین - ۵۱۱، ۵۱۳ - ط: قدیمی

قل انما انا بشر مثلکم یوحی إلیّ انما الهکم اله واحد (الکهف:۱۱۰)

''آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے''۔

وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد ،افائن مت فهم الخالدون (الانبیاء: ۳۴)

''اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے بھی کسی بھی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا۔ پھر اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ لوگ دنیا میں ہمیشہ کو رہیں گے؟''۔

قرآن کریم یہ اعلان بھی کرتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام ہمیشہ نوع بشر ہی سے بھیجے گئے:

وما کان لبشر ان یؤتیه الله الکتاب والحکمة والنبوة ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون الله (آل عمران: ۷۹)

''اور کسی بشر سے یہ بات نہیں ہوسکتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور فہم اور نبوت عطا فرمادے پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر''۔

وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنه مایشاء (الشوری:۵۱)

''اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرماوے مگر (تین طریق سے) یا تو الہام سے، یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچادیتا ہے''۔

اور انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے یہ اعلان بھی کرایا گیا ہے۔

قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلکم ولکن الله یمن علی من یشاء من عباده (ابراهیم:۱۱)

''ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ ہم بھی تمہارے جیسے آدمی ہیں۔ لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرمادے''۔

قرآن کریم نے یہ بھی بتایا کہ بشر کی تحقیر سب سے پہلے ابلیس نے کی اور بشر اول حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے یہ کہہ کرانکار کردیا:

قال لم اکن لاسجد لبشر خلقته من صلصا ل من حمأ مسنون (الحجر:۳۳)

"کہنے لگا میں ایسا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جس کو آپ نے بجتی ہوئی مٹی سے جو سڑے ہوئے گارے سے بنی ہے پیدا کیا ہے"۔

قرآن کریم یہ بھی بتاتا ہے کہ کفار نے ہمیشہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی اتباع سے یہ کہکر انکار کیا کہ یہ تو بشر ہیں، کیا ہم بشر کو رسول مان لیں؟

فقالوا ابشراً منا واحدا نتبعه انا اذالفی ضلال وسعر (القمر:۲۴)

"پس کہا: کیا ہم اپنے میں سے ایک آدمی کے کہنے پر چلیں تب تو ہم ضرور گمراہی اور دیوانگی میں جاپڑیں گے"۔ (ترجمہ حضرت لاہوریؒ)

وما منع الناس ان یؤ منوا اذجاء هم الهدی الا ان قالوا ابعث اللہ بشر ارسولا قل لو کان فی الارض ملائکة یمشون مطمئنین لنزلنا علیهم من السماء ملکا رسول (بنی اسرائیل:۹۴/۹۵)

"اور جس وقت ان لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکی اس وقت ان کو لانے سے بجز اس کے اور کوئی بات مانع نہ ہوئی کہ انہوں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ فرمادیجئے اگر زمین پر فرشتے رہتے ہوتے کہ اس پر چلتے بستے تو البتہ ہم ان پر آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے"۔

ان ارشادات سے واضح ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام انسان اور بشر ہی ہوتے ہیں، گویا کسی نبی کی نبوت پر ایمان لانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ان کو بشر اور رسول تسلیم کیا جائے اسی لئے تمام اہل سنت کے ہاں رسول کی تعریف یہ کی گئی ہے:

انسان بعثه اللہ لتبلیغ الرسالة والاحکام (۱)

---

(۱) شرح العقائد النسفیة مع حاشیة الخیالی–ص ۳۰–ط: مصطفی البابی الحلبی.

''رسول وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالی اپنے پیغامات اور احکام بندوں تک پہنچانے کے لئے مبعوث فرماتے ہیں''۔

جس طرح قرآن کریم نے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی بشریت کا اعلان فرمایا ہے اسی طرح احادیث طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بغیر کسی دغدغہ کے اپنی بشریت کا اعلان فرمایا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں یہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے میرا نور تخلیق کیا گیا (اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کرلیا جائے) وہاں یہ بھی فرماتے ہیں:

۱: اللهم إنما أنا بشر فأى المسلمين لعنته أو سبّيتُه فاجعله له زكوة وأجراً (۱)

''اے اللہ میں بھی ایک انسان ہی ہوں پس جس مسلمان پر میں نے لعنت کی ہو یا اسے برا بھلا کہا ہو آپ اس کو اس شخص کے لئے پاکیزگی اور اجر کا ذریعہ بنادے''۔

۲: اللهم إنى أتخذك عهدا لن تخلفيه فإنما أنا بشر فأى المؤمنين اٰذيته، شتمته، لعنته، جلدته فاجعلها له صلوٰة وزكوة وقربة تقربه بها إليك (۲)

''اے اللہ! میں آپ کے یہاں سے ایک عہد لینا چاہتا ہوں آپ اس کے خلاف نہ کیجئے کیونکہ میں بھی ایک انسان ہوں پس جس مومن کو میں نے ایذاء دی ہو، گالی دی ہو، لعنت کی ہو، اس کو مارا ہو، آپ اس کے لئے اس کو رحمت، پاکیزگی بنادیجئے کہ آپ اس کی وجہ سے اس کو اپنا قرب عطا فرمائیں''۔

۳: اللهم إنما محمد (صلى الله عليه وسلم) بشر يغضب كما يغضب البشر، الحديث (۳)

---

(۱) الصحيح لمسلم-باب من لعنه النبى صلى الله عليه وسلم او سبه -۲/۳۲۳-ط: قديمى.

(۲) المرجع السابق ۱-۲/۳۲۴.

(۳) نفس المرجع السابق.

''اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک انسان ہی ہیں ان کو بھی غصہ آتا ہے جس طرح اورانسانوں کو غصہ آتا ہے''۔

۴: انی اشرطت علی ربی ،فقلت انا بشر ارضی کما یرضی البشر واغضب کما یغضب البشر (۱)

''میں نے اپنے رب سے ایک شرط کرلی ہے میں نے کہا کہ میں بھی ایک انسان ہی ہوں میں بھی خوش ہوتا ہوں جس طرح انسان خوش ہوتے ہیں اور غصہ ہوتا ہوں جس طرح دوسرے انسان غصہ ہوتے ہیں''۔

۵: انما أنا بشر وأانه یأتینی الخصم بعضهم أن یکون أبلغ من بعض فأحسب أنه صادق فأقضی له فمن قضیت له بحق مسلم فانما هی قطعة من النار فلیحملها أو یذرها،(۲)

''میں بھی ایک آدمی ہوں اور میرے پاس مقدمہ کے فریق آتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان میں سے بعض زیادہ زبان آور ہوں پس میں اس کو سچا سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ کردوں، پس جس کے لئے میں کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ کردوں وہ محض آگ کا ٹکڑا ہے اب چاہے وہ اسے اٹھالے جائے، اور چاہے چھوڑ جائے۔''

۶: انما أنا بشر مثلکم أنسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی (۳)

''میں بھی تم جیسا انسان ہی ہوں میں بھی بھول جاتا ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو''۔

---

(۱) المرجع السابق .

(۲) صحیح البخاری –باب اثم من خاصم فی باطل وهو یعلمه – ۱/ ۳۳۲–ط: قدیمی کتب خانه
الصحیح لمسلم – باب بیان ان حکم الحاکم لالغیر الباطن – ۲/ ۷۴–واللفظ لمسلم–ط:قدیمی.

(۳) صحیح البخاری –کتاب الصلوة–باب التوجه نحو القبلةحیث کان – ۱/ ۵۸–ط: قدیمی.
الصحیح لمسلم –باب سجود السهو فی الصلوٰة– ۱/ ۲۱۲، ۲۱۳.

۷: انما أنا بشر ،إذا أمرتكم بشئی من دينكم فخذوا به وإذا امرتكم بشئی من رأيی فانما أنا بشر(۱)

''میں بھی ایک انسان ہی ہوں جب تم کو دین کی کسی بات کا حکم کروں تو اسے لےلو اور جب تم کو (کسی دنیوی معاملے میں) اپنی رائے سے بطور مشورہ کوئی حکم دوں تو میں بھی ایک انسان ہی ہوں''۔

۸: ألاأيها الناس !فانما أنا بشر يوشک أن يأتی رسول ربی فأجيب ......،الخ(۲)

''سنو! اے لوگو!! پس میں بھی ایک انسان ہی ہوں قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد (یہاں سے کوچ کا پیغام لے کر) آئے تو میں اس کو لبیک کہوں''۔

قرآن کریم اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صفت نور کے ساتھ موصوف ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کی نفی کردی جائے، نہ ان نصوص قطعیہ کے ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار ممکن ہے۔

میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ بشریت کوئی عار اور عیب کی چیز نہیں جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کرنا سوء ادب کا موجب ہو، بشر اور انسان تو اشرف المخلوقات ہے اس لئے بشریت آپ کا کمال ہے، نقص نہیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشرف المخلوقات میں سب سے اشرف افضل ہونا خود انسانیت کے لئے مایۂ فخر ہے۔

''اس لئے آپ کا بشر، انسان اور آدمی ہونا نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طرۂ افتخار ہے بلکہ آپ کے بشر ہونے سے انسانیت و بشریت رشک ملائکہ ہے''۔(۳)

---

(۱) الصحيح لمسلم -باب وجوب امتثال ماقاله شرعا......الخ- ۲/ ۲۶۴.

(۲) الصحيح لمسلم -باب من فضائل علی بن ابی طالب - ۲/ ۲۷۹.

(۳) اختلاف امت اور صراط مستقیم از حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ- دیوبندی بریلوی اختلاف-نور وبشر- ۳۹/۱- ط: مکتبہ لدھیانوی.

یہی عقیدہ اکابر اور سلف صالحین کا تھا چنانچہ قاضی عیاضؒ "الشفاء بتعریف حقوق المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم" میں لکھتے ہیں۔

قد قدمنا انه صلی اللّٰہ علیه وسلم وسائر الانبیاء والرسل من البشر ،وان جسمه وظاهره خالص للبشر یجوز علیه من الأفات والتغیرات والألام والاسقام وتجرع کأس الحمام ما یجوز علی البشر وهذا کله لیس بنقیصة ،لان الشئی انما یسمی ناقصا بالاضافة الی ماهو اتم منه واکمل من نوعه وقد کتب اللّٰہ تعالی علی اهل هذه الدار فیها یحیون وفیها یموتون ومنها یخرجون وخلق جمیع البشر بمدرجة الغیر .(۱)

"ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء ورسل نوع بشر میں سے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک اور ظاہر خالص بشر کا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر وہ تمام آفات وتغیرات اور تکالیف وامراض اور موت کے احوال طاری ہو سکتے تھے جو انسان پر طاری ہوتے ہیں اور یہ تمام امور کوئی نقص اور عیب نہیں، کیونکہ کوئی چیز ناقص اس وقت کہلاتی ہے جبکہ اس کی نوع میں سے کوئی دوسری چیز اتم واکمل ہو، دار دنیا کے رہنے والوں پر اللہ تعالی نے یہ بات مقدر فرمادی کہ وہ زمین میں جئیں گے یہیں مریں گے اور یہیں سے نکالے جائیں گے اور تمام انسانوں کو اللہ تعالی نے تغیر کا محل بنایا ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکالیف کی چند مثالیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وهکذا سائر أنبیائه مبتلی ومعافی ،وذلک من تمام حکمته لیظهر شرفهم فی هذه المقامات ،وبین أمرهم ویتم کلمته فیهم

---

(۱) الشفاء بتعریف حقوق المصطفی صلی اللّٰہ علیه وسلم–للإمام القاضی عیاض –القسم الثانی فیما یخصهم فی الامور الدنیویة– ۲/۱۵۸، ۱۵۹ .

ولیحقق بامتحانهم بشریتهم ،ویرتفع الالتباس من اهل الضعف فیهم لئلا یضلوا بما یظهر من العجائب علی ایدیهم ضلال النصاری بعیسی بن مریم.........قال بعض المحققین وهذه الطواری والتغیرات المذکورة انما تختص باجسامهم البشریة المقصودة منها مقاومة البشر ومعافات بنی ادم ، لمشاکلة الجنس ،واما بواطنهم فمنزّهَة غالبا عن ذلک معصومة منه ،متعلقة بالملأ الاعلی والملئکة لاخذ ها عنهم وتلقیها الوحی عنهم (۱)

اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کہ وہ تکالیف میں بھی مبتلاء ہوئے اور ان کو عافیت سے بھی نوازا گیا اور یہ حق تعالیٰ کی کمال حکمت تھی تا کہ ان مقامات میں ان حضرات کا شرف ظاہر ہو اور ان کا معاملہ واضح ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی بات ان کے حق میں پوری ہو جائے اور تا کہ اللہ تعالیٰ ان کی بشریت کو ثابت کر دے ،اور امت کے اہل ضعف کو ان کے بارے میں جو التباس ہوسکتا تھا وہ اٹھ جائے تا کہ ان عجائبات کی وجہ سے جو ان حضرات کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں گمراہ نہ ہو جائیں جس طرح نصاری حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں گمراہ ہوئے۔ بعض محققین نے فرمایا ہے کہ یہ عوارض اور تغیرات مذکورہ ان بشری اجسام کے ساتھ مخصوص ہیں جن سے مقصود بشر کی مقاومت اور بنی آدم کی مشقتوں کا برداشت کرنا ہے تا کہ ہم جنسوں کے ساتھ مشاکلت ہو لیکن ان کی ارواح طیبہ ان امور سے متاثر نہیں ہوتیں بلکہ وہ معصوم ومنزہ اور ملأ اعلی اور فرشتوں سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ وہ فرشتوں سے علوم اخذ کرتی ہیں اور ان سے وحی کی تلقی کرتی ہیں۔''

الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان میں داخل نہیں۔ آپ نے جو حوالے نقل کئے ہیں ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نور کی

---

(۱) المرجع السابق.

صفت کا اثبات کیا گیا ہے، مگر اس سے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار لازم نہیں آتا اس لئے وہ میرے مدعا کے خلاف نہیں اور نہ میرا عقیدہ ان بزرگوں سے الگ ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''نشر الطیب'' میں سب سے پہلے نور محمدی (علی صاحبہ الصلوات والتسلیمات) کی تخلیق کا بیان فرمایا ہے اور اس کے ذیل میں وہ احادیث نقل کی ہیں جن کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے لیکن حضرتؒ نے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح بھی فرمادی ہے، چنانچہ پہلی روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ''مسند عبدالرزاق'' کے حوالے سے یہ نقل کی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے (نہ بایں معنی کہ نور الٰہی اس کا مادہ تھا بلکہ اپنے نور کے فیض سے) پیدا کیا ،،، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے ایک حصہ سے قلم پیدا کیا، دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش۔ آگے حدیث طویل ہے۔

اس کے فائدہ میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے ان اشیاء کا نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے متأخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے''۔

اور اس کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''ظاہراً نور محمدی، روح محمدی سے عبارت ہے اور حقیقت روح کی اکثر محققین کے قول پر مادہ سے مجرد ہے اور مجرد کا مادیات کے لئے مادہ ہونا ممکن نہیں پس ظاہراً اس نور کے فیض سے کوئی مادہ بنایا گیا اور اس مادہ سے چار حصے کئے گئے الخ، اور اس مادہ سے پھر کسی مجرد کا بننا اس طرح ممکن ہے کہ وہ مادہ اس کا جزء نہ ہو، بلکہ کسی طریق سے محض اس کا سبب خارج عن الذات ہو۔''

دوسری روایت جس میں فرمایا گیا ہے کہ بے شک میں حق تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا اور آدم علیہ السلام ہنوز اپنے خمیر ہی میں پڑے تھے۔

اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

اور اس وقت ظاہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن تو بنا ہی نہ تھا تو پھر نبوت کی صفت آپ کی روح کو عطا ہوئی تھی اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اسی نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ (۱)

اس سے واضح ہے کہ حضرت تھانویؒ کے نزدیک نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک اور مقدس روح ہے اور اس فصل میں جتنے احکام ثابت کئے گئے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدسہ کے ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ کی پاک روح کے اول الخلق ہونے سے آپ کی بشریت کا انکار لازم نہیں آتا، اور حضرت تھانویؒ کی تشریح سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے خدا تعالیٰ کے نور سے پیدا کئے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ نور خداوندی کا کوئی حصہ ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ نور خداوندی کا فیضان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدسہ کی تخلیق کا باعث ہوا۔

آپ نے قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ''امداد السلوک'' کا حوالہ دیا ہے کہ

''احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہیں رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں''۔

امداد السلوک کا فارسی نسخہ تو میرے سامنے نہیں البتہ اس کا اردو ترجمہ جو حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے ''ارشاد الملوک'' کے نام سے کیا ہے اس کی متعلقہ عبارت یہ ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اولاد آدم ہی میں ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کو اتنا مطہر بنالیا تھا کہ نور خالص بن گئے اور حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا اور شہرت سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور ظاہر ہے کہ نور کے علاوہ ہر جسم کے سایہ ضرور ہوتا ہے''۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کو اس قدر تزکیہ اور تصفیہ بخشا کہ وہ بھی نور بن گئے چنانچہ ان کی کرامات وغیرہ کی حکایتوں سے کتابیں پر اور اتنی

---

(۱) نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب – ص ۷، ۸ – ط: انتظامی کانپور

مشہور ہیں کہ نقل کی حاجت نہیں نیز حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جولوگ ہمارے حبیب
صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ان کا نور ان کے آگے آگے دوڑتا ہوگا اور دوسری جگہ
فرمایا ہے کہ یاد کرواس دن کو جب کہ مومنین کا نور ان کے آگے اور داہنی طرف دوڑتا
ہوگا اور منافقین کہیں گے کہ ذرا ٹھہر جاؤ تا کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ اخذ کریں
ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت
سے ایمان اور نور دونوں حاصل ہوتے ہیں (ص ۱۱۴،۱۱۵)(۱)

اس اقتباس سے چند امور بالکل واضح ہیں:

اول: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اولاد آدم علیہ السلام میں سے ہونا تسلیم کیا گیا ہے اور آدم علیہ السلام کا بشر ہونا قرآن کریم میں منصوص ہے۔

دوم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جس نورانیت کا اثبات کیا گیا ہے یہ وہ ہے جو تزکیہ وتصفیہ سے حاصل ہوتی ہے اور جس میں آنحضر صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اس قدر اکمل واعلیٰ تھا کہ آپ نور خالص بن گئے تھے۔

سوم: جسم اطہر کا سایہ نہ ہونے کو متواتر نہیں کہا گیا بلکہ ''شہرت سے ثابت ہے'' کہا گیا ہے بہت سی روایات ایسی ہیں کہ زبان زدعام وخاص ہوتی ہیں مگر ان کو تواتر یا اصطلاحی شہرت کا مرتبہ تو کیا حاصل ہوتا خبر آحاد کے درجہ میں ان کو حدیث صحیح یا قابل قبول ضعیف کا درجہ بھی حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ خالصۃً بے اصل اور موضوع ہوتی ہیں سایہ نہ ہونے کی روایت بھی حد درجہ کمزور ہے یہ روایت مرسل بھی ہے اور ضعیف بھی اس درجہ کی کہ اس کے بعض راویوں پر وضع حدیث کی تہمت ہے (اس کی تفصیل حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کے مضمون میں ہے جو آخر میں بطور تکملہ نقل کر رہا ہوں)۔

چہارم: احادیث کی تصحیح وتنقیح حضرات محدثینؒ کا وظیفہ ہے حضرات صوفیائے کرامؒ کا اکثر وبیشتر معمول یہ ہے کہ وہ بعض ایسی روایات جو عام طور سے مشہور ہوں ان کی تنقیح کے درپے نہیں ہوتے، بلکہ

---

(۱) ارشاد الملوک ترجمہ امداد السلوک، از حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ ص ۱۱۴،۱۱۵ (لم نطلع علیٰ اصل النسخۃ . واللہ اعلم —مرتب)

برتقدیرِ صحت اس کی توجیہ کردیتے ہیں یہاں بھی شیخ قطب الدین مکی قدس سرہ نے (جن کے ''رسالہ مکیہ'' کا ترجمہ حضرت گنگوہیؒ نے کیا ہے) اس مشہور روایت کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی پر نورانیت اور تصفیہ کا اس قدر غلبہ تھا کہ بطور معجزہ آپ کا سایہ نہیں تھا بہر حال اگر سایہ نہ ہونے کی روایت کو تسلیم کرلیا جائے تو یہ بطور معجزہ ہی ہوسکتا ہے گویا غلبہ نورانیت کی بناء پر آپ کے جسم اطہر پر روح کے احکام جاری ہوگئے تھے اور جس طرح روح کا سایہ نہیں ہوتا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا بھی سایہ نہیں تھا لیکن اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کی نفی لازم نہیں آتی ایک تو اس لئے کہ شیخ خود آپ کی بشریت کی تصریح فرمارہے ہیں، ظاہر ہے کہ اس نور کی بشریت سے منافات ہوتو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام متبعین کی بشریت کا انکار لازم آئے گا تیسرے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کو سب سے زیادہ جانتی ہیں وہ فرماتی ہیں،

کان بشرا من البشر (۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔

سایہ نہ ہونے کی روایت کے بارے میں ''فتاوی رشیدیہ'' سے اصل سوال و جواب یہاں نقل کرتا ہوں:

''سوال: سایہ مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑتا تھا یا نہیں اور جو ترمذی نے نوادر الاصول میں عبد الملک بن عبد اللہ بن وحید سے انہوں نے ذکوان سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں پڑتا تھا سنداس کی صحیح ہے یا ضعیف یا موضوع؟ ارقام فرمادیں۔

جواب: یہ روایت کتب صحاح میں نہیں اور نوادر کی روایت کا بندہ کو حال معلوم نہیں کہ کیسی ہے۔ نوادر الاصول حکیم ترمذی کی ہے نہ ابوعیسی ترمذی کی فقط واللہ اعلم۔ رشید احمد گنگوہی (۲)

اس اقتباس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ سایہ نہ ہونے کی روایت حدیث کی متداول کتابوں میں

---

(۱) مشکوۃ المصابیح – باب فی اخلاقہ وشمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم – الفصل الثانی – ص ۵۲۰.

(۲) فتاوی رشیدیہ – کتاب التفسیر والحدیث – ص ۱۵۲ – ط: محمد سعید اینڈ سنز کراچی.

نہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے حوالے سے آپ نے تین باتیں نقل کی ہیں:

ا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک نور ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، خلقت من نور الله، میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں۔

۲: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں آپ کا سایہ نہ تھا۔

۳: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت ومصلحت کے پیش نظر بصورت انسان ظاہر فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا ہونے اور سایہ نہ ہونے کی تحقیق اوپر عرض کر چکا ہوں البتہ یہاں اتنی بات مزید عرض کر دینا مناسب ہے کہ "خلقت من نور الله" کے الفاظ سے کوئی حدیث مروی نہیں، مکتوبات شریفہ کے حاشیہ میں اس کی تخریج کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کی "مدارج النبوۃ" کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے:

"انا من نور الله والمومنون من نوری".

"میں اللہ کے نور سے ہوں اور مؤمن میرے نور سے ہیں"۔

مگر ان الفاظ سے بھی کوئی حدیث ذخیرہ احادیث میں نظر سے نہیں گزری، ممکن ہے کہ یہ حضرت جابرؓ کی حدیث (جو نشر الطیب کے حوالے سے گزر چکی ہے) کی روایت بالمعنی ہو بہر حال اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کی شرح ہے جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی "نشر الطیب" سے نقل کر چکا ہوں۔

سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نور اجزاء وحصص سے پاک ہے اس لئے کسی عاقل کو یہ تو وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور، نور خداوندی کا جزء اور حصہ ہے پھر اس روایت میں اہل ایمان کی تخلیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ذکر کی گئی، اگر جزئیت کا مفہوم لیا جائے تو لازم آئیگا کہ تمام اہل ایمان نور خداوندی کا جزء ہوں اس قسم کی روایت کی عارفانہ تشریح کی جا سکتی ہے، جیسا کہ امام ربانیؒ نے کی ہے، مگر ان پر عقائد کی بنیاد رکھنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نصوص قطعیہ کے علی الرغم نوع انسان سے خارج کر دینا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

تیسری بات جو آپ نے حضرت مجددؒ سے نقل کی ہے اول تو وہ ان دقیق علوم ومعارف میں سے

ہے کہ جوعقول متوسطہ سے بالاتر ہیں اور جن کا تعلق علوم مکاشفہ سے ہے، جو حضرات تصفیہ وتزکیہ اور نور باطن کے عالی ترین مقامات پر فائز ہوں وہی ان کے افہام وتفہیم کی صلاحیت رکھتے ہیں، عام لوگ ان دقیق علوم کو سمجھنے سے قاصر ہیں ان لوگوں کو اگر ظاہر شریعت سے کچھ مس ہوگا تو ان اکابر کی شان میں گستاخی کریں گے (جس کا مشاہدہ اس زمانے میں خوب خوب ہو رہا ہے اور جن لوگوں کو ان اکابر سے عقیدت ہوگی وہ ظاہر شریعت اور نصوص قطعیہ کو پس پشت ڈال کر الحاد وزندقہ کی وادیوں میں بھٹکا کریں گے، فإن الجاهل اما مفرِط واما مفرّط، اس لئے اکابر کی وصیت یہ ہے کہ:

نکتہ ہاں چوں تیغ پولاد است تیز — چوں نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا — گز بریدن تیغ رانبود حیا
چہ شبہا نشستم دریں سیر گم — کہ دہشت گرفت آستینم کہ قم
محیط است علم ملک بر بسیط — قیاس تو بروے نہ گردد محیط
نہ ادراک در کنہ ذاتش رسد — نہ فکرت بغور صفاتش رسد

دوسرے، آپ نے حضرت مجددؒ کا حوالہ نقل کرنے میں خاصے اختصار سے کام لیا ہے جس سے فہم مراد میں التباس پیدا ہوتا ہے، حضرت مجددؒ فرماتے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق حق تعالیٰ کے علم اضافی سے ہوتی ہے۔

> ومشہور می گردد کہ علم جملی کہ از صفات اضافیہ گشتہ است نوریست کہ در نشأۃ عنصری بعد از انصباب از اصلاب بارحام متکثرہ بمقتضائے حکم ومصالح صورت انسانی کہ احسن تقویم است ظہور نمودہ ومسمی بہ محمد واحمد شد، (۱)

> ''اور ایسا نظر آتا ہے کہ علم اجمالی جو کہ صفات اضافیہ میں سے ہوگیا ہے ایک نور ہے جو کہ نشأۃ عنصری میں بہت سی پشتوں اور رحموں میں منتقل ہوا حکم ومصالح کے تقاضے سے انسانی صورت میں جلوہ گر ہوا اور محمد واحمد کے پاک ناموں سے موسوم ہوا ﷺ''۔

(۱) مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرھندی-دفتر سوم-مکتوب صدم-۵/۳-۷ خاتمہ حسنہ درمیان حسن وجمال-ط: بازار پریس امرتسر

حضرت امام ربانیؒ کے اقتباس سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوئے۔

۱: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق حق تعالیٰ کے علم اجمالی سے صفت اضافیہ کے مرتبہ میں ہوئی۔

۲: یہ صفت اضافیہ ایک نور تھا جس کو انسانی قالب عطا کیا گیا۔

۳: چونکہ انسانی صورت سب سے خوبصورت سانچہ ہے اسلئے حکمت خداوندی کا تقاضا ہوا کہ آپ کو انسان اور بشر کی حیثیت سے پیدا کیا جائے، اگر بشری ڈھانچے سے بہتر کوئی اور قالب ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی انسانی شکل میں پیدا نہ کیا جاتا، اس سے واضح ہے کہ حضرت امام ربانیؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے منکر نہیں، اور نہ وہ نور، بشریت کے منافی ہے جس کا وہ اثبات فرمارہے ہیں۔

آپ نے ''رسالہ التوسل'' اور ''تفسیر کبیر'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ آیت کریمہ ،قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین ، میں نور ، سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے اس آیت میں نور کی تفسیر میں تین قول ہیں:

ایک یہ کہ: اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

دوم یہ کہ: اسلام مراد ہے۔

اور سوم یہ کہ: قرآن کریم مراد ہے، اس قول کو امام رازیؒ نے اس بناء پر کمزور کہا ہے کہ معطوفین میں تغایر ضروری ہے، لیکن یہ دلیل بہت کمزور ہے، بعض اوقات ایک چیز کی متعدد صفات کو بطور عطف ذکر کردیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ''بیان القرآن'' میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

بہرحال نور سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا اسلام ہو، یا قرآن کریم، بہرصورت یہاں نور سے نور ہدایت ہے، جس کا واضح قرینہ آیت کا سیاق ہے۔

یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام ویخرجھم من الظلمت إلی النور بإذنہ ویھدیھم إلی صراط مستقیم (المائدۃ : ۱۶)

اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو، جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں (یعنی جنت میں جانے کے طریقے کہ عقائد و اعمال خاصہ ہیں، تعلیم فرماتے ہیں، کیونکہ پوری سلامتی بدنی و روحانی جنت ہی میں نصیب

ہوگی) اوران کو اپنی توفیق (اور فضل) سے (کفر ومعصیت کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان وطاعت کے) نور کی طرف لے آتے ہیں اوران کو (ہمیشہ) راہ راست پر قائم رکھتے ہیں (بیان القرآن)۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

وتسمية محمد والاسلام والقرآن بالنور ظاهرة لان النور الظاهر هو الذی يتقوى به البصر علی ادراک الاشياء الظاهرة ،والنور الباطن ايضاً هو الذی تتقوى به البصيرة علی ادراک الحقائق والمعقولات .(۱)

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم اوراسلام اورقرآن کونور فرمانے کی وجہ ظاہر ہے، کیونکہ ظاہری روشنی کے ذریعہ آنکھیں ظاہری اشیاء کو دیکھ پاتی ہیں ،اسی طرح نورِ باطن کے ذریعہ بصیرت حقائق ومعقولات کاادراک کرتی ہے۔

علامہ نسفی ''تفسیر مدارک'' میں لکھتے ہیں:

اوالنور، محمد صلی اللہ علیہ وسلم لانه يهتدی به كما يسمی سراجا(۲)

''یانور سے مرادآنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہدایت ملتی ہے،جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چراغ کہا گیا ہے۔''

قریب قریب یہی مضمون تفسیر خازن، تفسیر بیضاوی، تفسیر صاوی، روح البیان اوردیگر تفاسیر میں ہے۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا: جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نوع کے اعتبار سے بشر ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفت ہدایت کے لحاظ سے ساری انسایت کے لئے مینارۂ نور ہیں، یہی نور ہے جس کی روشنی میں انسانیت کوخداتعالیٰ کا راستہ مل سکتا ہے اورجس کی روشنی ابدتک درخشندہ

(۱) التفسير الكبير للامام الرازی–۱۱/۱۹۰– ط: الطبعة الثالثة ايران .

(۲) تفسير المدارک للإمام أبی البرکات النسفی –سورة المائدة :۱۶-۱/۲۷۶– مکتبة رحمانيه لاهور.

وتابندہ رہے گی، لہٰذا میرے عقیدے میں آپ بیک وقت نور بھی ہیں اور بشر بھی۔ میری ان تمام معروضات کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نور کی صفت ثابت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت اور بشریت کے دائرے سے خارج کر دینا ہرگز صحیح نہیں، جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت کا اعتقاد لازم ہے اسی طرح آپ کی انسانیت وبشریت کا عقیدہ بھی لازم ہے چنانچہ میں ''فتاوی عالمگیری'' کے حوالے سے یہ نقل کر چکا ہوں:

ومن قال لا ادری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان انسیا اوجنیا یکفر کذا فی الفصول العمادیة(۱)

اور جو شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے یا جن، وہ کافر ہے۔ واللہ اعلم۔

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

بینات-محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

(۱) الفتاوی الھندیة -کتاب السیر -الباب التاسع فی احکام المرتدین -مطلب موجبات الکفر انواع -منھا مایتعلق بالانبیاء- ۲/ ۲۶۳ -ط: کوئٹه.

وکذا فی البحر الرائق -لابن نجیم -باب احکام المرتدین -۵/ ۱۲۱ - ط: ایچ ایم سعید.

اسلام میں شاتم رسول ﷺ کی سزا

بعد تمام تعریفوں کے جو خدا جل شانہ کے لئے ہیں، ائمہ کرام سے اس مسئلہ کے بارے میں فتوی حاصل کرنا ہے کہ ''جو شخص بلحاظ اسم مسلمان ہو اور خدا تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ پیغمبروں اور نبی آخر الزمان فخر موجودات اور محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی اُڑاتا ہو ان کے بارے میں استہزائیہ انداز اختیار کرتا ہو۔ جو ازواج مطہرات کی شان میں گستاخی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں نازیبا الفاظ کا استعمال کرتا ہو اور قرآن مجید کے بارے میں یہ کہتا ہو کہ یہ کوئی تاریخ نہیں فقط ناول ہے، اور اک دیوانے شخص کا خواب ہے، جسے کہانی کا رنگ دیا گیا ہے تو ایسے شخص یعنی سلمان رشدی ملعون کے لئے علماء کرام کا کیا فتویٰ ہے؟

عام مسلمانوں کے لئے علماء کرام کے لئے، حکام وقت اور حکومت وقت کے لئے، از راہِ کرم بتایئے ایسے مسلمانوں کے لئے کیا حکم ہے جو ایسے گستاخ کو قتل کرنا چاہتے ہوں، جبکہ وہ ایک غیر اسلامی ملک (برطانیہ یا امریکا) میں موجود ہو۔ کیا اس ملک کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات قائم رکھے جاسکتے ہیں جبکہ وہ ملک اس ملعون کتاب کی اشاعت کی پشت پناہی بھی کر رہا ہو۔ اور ایسے ملعون شخص کو اپنے ہاں پناہ بھی دے رکھی ہو۔

سائل: سعید احمد (کراچی)

الجواب باسمہ تعالیٰ

صورت مسئولہ میں جو آدمی (کافر ہو یا مسلم) سیّد الاولین والآخرین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہنسی اڑاتا ہے، یا ان کی سیرت وزندگی کے کسی گوشے کے بارے میں استہزائیہ انداز اختیار کرتا ہے، یا ان کی توہین وتنقیص کرتا ہے یا ان کی شان میں گستاخی کرتا ہے، یا ان کو گالی

دیتا ہے، یا ان کی طرف بُری باتوں کو منسوب کرتا ہے یا آپ کی ازواج مطہرات اور امّہات المومنین (رضی اللہ عنہا) کو بازاری عورت اور طوائفوں کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرتا ہے اور قرآن مجید کو ایک دیوانہ اور مجنون آدمی کا خواب بتاتا ہے، یا ایک ناول اور کہانی سے تعبیر کرتا ہے تو وہ آدمی سراسر کافر، مرتد، زندیق اور ملحد ہے۔ اگر ایسا آدمی کسی مسلمان ملک میں حرکت کرتا ہے تو اس کو قتل کرنا مسلمانوں کی حکومت پر واجب ہے اور مشہور قول کے مطابق اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اور جو اس کے کفر میں شک کرتا ہے وہ بھی کافر ہے اور یہ ائمہ اربعہ کا مسلک ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

جیسا کہ شیخ الاسلام امام تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد العلیم بن عبد السلام الحرانی الدمشقی المعروف بابن تیمیہ نے اپنی مشہور و معروف کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں نقل فرمایا کہ:

"ان من سب النبی صلی الله علیه وسلم من مسلم او کافر فانه یجب قتله هذا مذهب علیه عامة اهل العلم .قال ابن المنذر : أجمع عوام أهل العلم علی أن حد من سب النبی صلی الله علیه وسلم، القتل ، وممن قاله مالک واللیث واحمد واسحق وهو مذهب الشافعی ....وقد حکی ابوبکر الفارسی من اصحاب الشافعی اجماع المسلمین علی ان حد من سب النبی صلی الله علیه وسلم القتل". (۱)

ترجمہ: عام اہل علم کا مذہب ہے کہ جو آدمی خواہ مسلمان ہو یا کافر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتا ہے اس کو قتل کرنا واجب ہے۔ ابن منذر نے فرمایا کہ عام اہل علم کا اجماع ہے کہ جو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتا ہے، اس کی حد قتل کرنا ہے اور اسی بات کو امام مالک، امام لیث، امام احمد، امام اسحٰق نے بھی اختیار فرمایا ہے اور امام

(۱) الصارم المسلول علی شاتم الرسول لتقی الدین ابن تیمیه—المسئلة الاولی :(۳،۴) ط: نشر السنة ملتان .

شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے.......... اور ابوبکر فارسی نے اصحابِ امام شافعی سے مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حد قتل ہے۔

"وقال محمد بن سحنون: اجمع العلماء على ان شاتم النبى صلى الله عليه وسلم والمنقّص له كافر، والوعيد جاء عليه بعذاب الله له وحكمه عند الامة القتل، ومن شك فى كفره وعذابه كفر".(۱)

"محمد بن سحنون نے فرمایا کہ علماء کا اجماع ہے کہ شاتم رسول اور آپ کی توہین وتنقیص شان کرنے والا کافر ہے اور حدیث میں اس کے لئے سخت سزا کی وعید آئی ہے اور امت مسلمہ کے نزدیک اس کا شرعی حکم قتل ہے۔ اور جو آدمی اس شخص کے کفر اور عذاب کے بارے میں شک وشبہ کرے گا وہ بھی کافر ہوگا"۔

مندرجہ بالا عبارات سے یہ بات آفتاب نیم روز کی مانند واضح ہوگئی کہ باجماع امت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا یا ان کی توہین وتنقیص کرنے والا کھلا کافر ہے اور اس کو قتل کرنا واجب ہے۔ اور آخرت میں اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور جو آدمی اس کے کافر ہونے اور مستحقِ عذاب ہونے میں شک کرے گا وہ بھی کافر ہوجائے گا۔ کیونکہ اس نے ایک کافر کے کفر میں شبہ کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے "ابن سحنون" سے مزید نقل کیا ہے کہ:

"ان الساب ان كان مسلما فانه يكفر ويقتل بغير خلاف وهو مذهب الائمه الأربعة وغيرهم".(۲)

"اگر گالی دینے والا مسلمان ہے تو وہ کافر ہوجائے گا اور بلا اختلاف اس کو قتل کردیا جائے گا۔ اور یہ ائمہ اربعہ وغیرہ کا مذہب ہے۔"

اور امام احمد حنبلؒ نے تصریح کی ہے کہ:

"قال ابن حنبل: سمعت ابا عبد الله يقول: كل من شتم النبى

---

(۱) المرجع السابق.

(۲) الصارم المسلول - (۳،۴).

صلی اللہ علیہ وسلم او تنقصہ مسلما کان أو کافرا فعلیہ القتل، وأری أن یقتل و لایستتاب(۱)

''جو آدمی بھی خواہ مسلمان ہو یا کافر اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتا ہے یا ان کی توہین وتنقیص کرتا ہے اس کو قتل کرنا واجب ہے۔اور میری رائے یہ ہے کہ اسکو توبہ کرنے کیلئے مہلت نہیں دی جائے گی بلکہ فوراً ہی قتل کر دیا جائے گا۔''

''الدر المختار'' میں ہے:

وفی الاشباہ ولا تصح ردۃ السکران الا الردۃ بسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہ یقتل ولا یعفی عنہ''.(۲)

''اشباہ میں ہے کہ (نشہ میں) مست آدمی کی ردّت کا اعتبار نہیں ہے، البتہ اگر کوئی آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے کی وجہ سے مرتد ہو جاتا ہے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اُس گناہ کو معاف نہیں کیا جائے گا''۔

امام احمدؒ اور ''اشباہ'' کی عبارات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شاتم رسول کے جرم کو معاف نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

پھر یہ شخص جب مسلسل اس جرم کے ارتکاب میں قائم ہے اور اس پر مصر ہے تو اس کے واجب القتل ہونے اور اس کی توبہ قبول نہ کرنے کے بارے میں کوئی شک ہی نہیں۔

چنانچہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ جو آدمی ارتداد کی حالت پر بدستور برقرار رہتا ہے یا بار بار مرتد ہوتا رہتا ہے اس کو فوراً قتل کر دیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

جیسا کہ ''فتاوی شامی'' میں ہے:

''وعن ابن عمر وعلی: لا تقبل توبۃ من تکررت ردتہ کالزندیق وھو قول مالک واحمد واللیث وعن ابی یوسف لو فعل

---

(۱) المرجع السابق.

(۲) الدر المختار –کتاب الجہاد–باب المرتد–۴/ ۲۲۴.

ذلک مراراً یقتل غیلة". (۱)

"حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ متعدد بار مرتد ہونے والے کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی جیسا کہ زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جاتی اور یہ امام مالک، احمد اور لیث کا مذہب ہے، امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اگر کوئی آدمی مرتد ہونے کا جرم بار بار کرے تو اسے حیلہ سے بے خبری میں قتل کر دیا جائے"۔

اسی طرح "درمختار" میں ہے:

"وکل مسلم ارتد فتوبته مقبولة الا جماعة من تکررت ردته علی ما مر. والکافر بسب نبی من الانبیاء فانه یقتل حداً ولا تقبل توبته مطلقاً". (۲)

"ہر وہ مسلم جو (نعوذ باللہ) مرتد ہو جاتا ہے اس کی توبہ قبول ہوتی ہے، مگر وہ جماعت جس کا ارتداد مکرر (بار بار) ہوتا ہو۔ ان کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اور جو آدمی انبیاء میں سے کسی نبی کو گالی دینے کی وجہ سے کافر ہو جائے اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کی توبہ کسی حال میں بھی قبول نہیں کی جائے گی"۔

ان عبارات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ سبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی توہین اتنا بڑا جرم ہے کہ بالفرض اگر کوئی (نشہ میں) مست آدمی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے گا یا آپ کی توہین وتحقیر کرے گا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

اسی طرح امہات المومنین (رضوان اللہ علیهن اجمعین) کی شان میں گستاخی کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہونچتی ہے اور گستاخی کرنے والے پر دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ کی

---

(۱) رد المحتار علی الدر المختار - کتاب الجهاد - باب المرتد - مطلب مایشک فی انه ردة لایحکم بها - ۲۲۵/۴.

(۲) الدر المختار - کتاب الجهاد - باب المرتد - ۲۳۱/۴.

لعنت ہوتی ہے اسی لئے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ امہات المومنینؓ کی شان میں گستاخی کرنے والے کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور وہ مباح الدم ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو گناہ کی تہمت لگانے والوں کے جرم کا ثبوت اور حضرت عائشہؓ کی پاکدامنی کا ثبوت تو قرآن میں مذکور ہے، فقہاء کرام نے بھی اس کی رُو سے ایسے شخص کو مباح الدم کہا ہے۔ جو حضرت عائشہ پر تہمتِ گناہ لگاتا ہے۔ جیسا کہ ''فتاوی شامی'' میں ہے:

"نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدة عائشه رضی الله عنها". (۱)

''سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگانے والا شخص بلاشبہ کافر ہے''۔

اور ملعون سلمان رشدی اپنی کتاب میں امہات المومنینؓ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوا ہے بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں، جیسا کہ ہفت روزہ ''حریت'' جلد ۷-۱۱ تا ۱۷ نومبر ۱۹۸۸ء شمارہ ۴۵ میں تفصیلی طور پر نقل کیا گیا ہے۔

اور یہ بات اہل دنیا کے سامنے ظاہر ہے کہ ملعون سلمان رشدی نے حالیہ ناول ''شیطانی آیات'' (satanic Vcrscs) کے علاوہ ''مڈنائٹ چلڈرن'' اور ''شیم'' میں بھی شان رسالت میں دریدہ دہنی اور ذہنی خباثت کی بدترین مثال پیش کی ہے۔ تفصیل کے لئے ''انڈیا ٹوڈے'' ''ستمبر ۱۹۸۸ء کی اشاعت میں موجود ہے۔ اور مزید اس کتاب کو متعدد ممالک سے شائع کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے تاکہ دنیا میں فساد پھیلایا جائے اور دین اسلام کو بدنام کیا جائے، تاریخ کو مسخ کیا جائے، ناپختہ اذہان کو اسلام سے برگشتہ کیا جائے اور مسلمانوں کے دل وجگر پر تیشے چلائے جائیں اور تلاش حق میں دامن اسلام کی طرف بڑھنے والے سادہ دل انسانوں کو اسلام اور مسلمانوں سے بدظن کیا جائے۔ لہٰذا یہ شخص اگر پہلے سے مسلمان تھا تو اب مرتد ہوگیا ہے اور ارتداد پر اصرار کرنے کی وجہ سے ملحد اور زندیق ہے جس کی توبہ کا کچھ اعتبار نہیں اور اس کی سزا قتل ہی ہے۔

دنیا کے تمام مسلمانوں کا عقیدہ اور ایمان ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور

---

(۱) رد المحتار علی الدر المختار - کتاب الجهاد - باب المرتد - ۲۳۷/۴.

رسول ہیں، تبلیغ دین اور اشاعت حق میں بالکل امین اور حق گو ہیں اور اس منصب کو بالکل صحیح صحیح طریقہ سے انجام دینے والے ہیں۔ اور دین اسلام کی تکمیل فرمادی گئی ہے اس میں کسی قسم کی کوتاہی اور خامی نہیں ہوئی ہے اسی طرح قرآن مجید کو اللہ پاک کا کلام سمجھتے ہیں۔

قرآن کو غیر اللہ کا کلام کہنا سراسر کفر ہے اسی لئے جب کفار مکہ نے قرآن کے کلام "انسانی" ہونے کا دعویٰ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں یہ چیلنج دیا کہ اگر قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے اور غیر اللہ کا کلام ہے تو تم اور تمہارے سارے دوست احباب اکھٹے ہوکر قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت جیسی کوئی سورت بنا لاؤ اگر تم سچے ہو۔ لیکن اب تک کوئی نہ بنا سکا نہ تا قیامت بنا سکے گا۔

لیکن شاتم رسول سلمان رشدی نے لفظ (Mahound) کی آڑ لے کر یہ تاثر دیا ہے کہ "جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں فرشتے اور شیطان کی آواز میں تمیز کرنے کی اہلیت نہ تھی" اور یوں کلام الٰہی کو جو حضرت جبرائیل کی وساطت سے نازل ہوا ہے، نعوذ باللہ شیطانی کلام ظاہر کرنے کی گستاخانہ مکروہ اور شیطانی جسارت کی ہے۔ ان عبارات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ سلمان رشدی قرآن شریف کو اللہ کا کلام ماننے کے لئے تیار نہیں ہے اور جو قرآن کو اللہ کا کلام نہیں مانتا وہ بدترین کافر ہے اس قسم کے کافروں کو قتل کرنا واجب ہے جیسا کہ اوپر گذرا ہے۔

اسی لئے تمام اسلامی حکومتوں کے لئے ضروری ہے کہ اگر کافر مرتد زندیق سلمان رشدی ان کی حکومت کے ماتحت ہے تو فوری طور پر قتل کرکے اسے جہنم رسید کریں اگر ان کی حکومت میں نہیں لیکن سفارتی تعلقات کے ذریعہ اس پر دباؤ ڈالنا کسی بھی طریقہ سے ممکن ہے تو اس پر دباؤ ڈال کر اس کو قتل کردینا ضروری ہے ورنہ ایک بدبخت شقی ازلی اور شاتم رسول کو پناہ دینے والے یا اس کی پشت پناہی کرنے والے ملک سے تعلق اور دوستی رکھنا جائز نہیں ہوگا۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے:

"لاتجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ ورسوله ولو کانوا اٰبائهم او اخوانهم او عشیرتهم". (المجادلة: ۲۲)

"جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں وہ

ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا اپنے گھرانے کے ہوں''۔

''یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ''. (الممتحنۃ : ۱)

''اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو''۔

اور اگر حکومت اس امرِ عظیم کو انجام دینے کے لئے تیار نہیں ہے تو ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ طاقت بشری کے مطابق کوشش کر کے اللہ کی زمین کو شاتم رسول سے پاک وصاف کر دے کیونکہ یہ اظہار دین خداوندی کی تکمیل اور اعلاء کلمۃ اللہ کا ذریعہ ہے، جب تک زمین سے شاتم رسول کو ختم نہیں کیا جائے گا اس وقت تک مکمل دین اللہ کے لئے نہیں ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

''وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ''(الانفال:۳۹)

''اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ نہ رہے، اور دین اللہ تعالیٰ کا ہو جاوے''۔

اسی لئے صفحۂ گیتی میں تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتا تھا اس کو قتل کر دیا جاتا تھا جیسا کہ کعب بن اشرف، یہودیہ عورت اور قبیلہ خطمہ کی عورت کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے کی وجہ سے اور اسلام کی مخالفت میں سرگرم عمل رہنے کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تھا۔

اسی طرح حضرت کعب بن زہیر عہد نبوی کے ایک نامور شاعر تھے، ابتداء میں وہ اسلام کی مخالفت میں سرگرم رہے حتی کہ ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ''ہجو'' میں کچھ شعر تک کہہ دیئے، معاندانہ کارروائیوں اور ہجو گوئی کی پاداش میں بارگاہ رسالت سے ان کے واجب القتل ہونے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ جبکہ سلمان رشدی نے صرف سب وشتم پر بس نہیں کیا بلکہ اس نے اسلام، نبی صلی اللہ علیہ وسلم، امّہات المومنین اور قرآن مجید کے بارے میں بھی ہر قسم کی گستاخی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

لہٰذا جو آدمی اس کو قتل کرے گا اسکو بہت زیادہ ثواب ملے گا تاکہ زمین اسکے فتنے سے محفوظ ہو جائے، اور آئندہ کسی کو اس جیسی دریدہ دہنی کی جسارت نہ ہو۔ جیسا کہ ''فتاویٰ شامی'' میں ہے:

"وجميع الكبائر......يباح قتل الكل ويثاب قاتلهم" (۱)

"اور ایسے تمام مرتکبین کبیرہ جن کے گناہوں کا ضرر دوسروں کی طرف متعدی ہوتا ہے ان کو قتل کرنا جائز ہے اور قاتل ثواب کا مستحق ہے"۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	کتبہ
۱-محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہ	محمد انعام الحق
۲-محمد شفیق عارف	
۳-ابوبکر سعید الرحمٰن	

بینات-شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ

(۱) الدر المختار -كتاب الحدود-باب التعزير-۴/۶۴.

کیا کنفیوشس نبی تھا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام عقیدۂ نبوت ورسالت سے متعلق کہ:

کیا کسی غیر پیغمبر کو اس کی اخلاقی تعلیم وتربیت کے اعتبار سے نبی یا رسول کہہ سکتے ہیں؟ مثلاً چینی مذہب کی تاریخ میں ایک شخص ہو گزرے ہیں جن کا اصل نام کنگ چیو (Kung Chiu) تھا جو کنفیوشس کے نام سے مشہور تھا۔ جو اندازاً ۵۵۱ قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ محکمہ مال اور پولیس میں ملازم رہا، وزیر عدالت بھی رہا، شادی کی اور بیوی کو طلاق دی، شاعری اور موسیقی سے شدوشغف تھا، اپنے رسوم ورواج کا سخت پابند تھا، والدہ کی وفات پر ۲۷ برس تک مسلسل سوگ منایا، وغیرہ وغیرہ۔ کنفیوشس سے متعلق یہ تمام معلومات غیر مستند اور تاریخی ہیں۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ:

۱:- کیا فقط کوئی بھی شخص اچھے اخلاق کی بنا پر پیغمبر ہوسکتا ہے؟

۲:- کیا شاعری اور موسیقی پیغمبرانہ صفات سے متصادم نہیں؟

۳:- کیا گوتم بدھ، زرتشت اور کنفیوشس کو نبی یا رسول کہا جاسکتا ہے؟

۴:- کیا حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات اور کنفیوشس کی تعلیمات کا موازنہ کرنا درست ہے؟

۵:- کیا اس قسم کے من گھڑت یا ظنیات پر مبنی عقیدے سے انسان توہینِ رسالت کا مرتکب نہیں ہوتا؟

۶:- ایسے شخص کی شریعت میں کیا سزا مقرر ہے جو کسی عام انسان کو نبی یا رسول ثابت کرنے کی کوشش کر کے مراعات حاصل کرے؟

آپ حضرات سے ہمدردانہ درخواست ہے کہ آیا اس عنوان ''کنفیوشس اور رسول اکرم ﷺ کی سیرت اور تعلیمات وافکار کا تقابلی جائزہ'' پر تحقیق اور ثابت کرنا کہ واقعی کنفیوشس نبی تھا، کس حد تک درست ہے۔ کیونکہ بعض روشن خیال وسکالرز صرف اور صرف چند ٹکوں کے لئے صحیح عقیدۂ نبوت کو خراب

کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ قرآن وسنت اور قانونِ شرعیہ کی روشنی میں اس اہم مسئلہ میں میری راہنمائی فرمایئے۔ والسلام

سائلہ: سارینہ خان ریسرچ طالبہ لالہ زار کالونی پشاور یونیورسٹی کیمپس پشاور

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

۱- اچھے اخلاق پیغمبرانہ تعلیمات کا نتیجہ، اثر اور حصہ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فرستادہ نبیوں میں سے کوئی نبی ایسا نہیں جس کی تعلیمات، اعلیٰ انسانی اقدار اور مثالی اخلاق پر مبنی نہ ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ پیغام، فطرتِ انسانی کا محافظ اور نگہبان ہوتا ہے، اگر کوئی انسان فطری وطبعی طور پر اعلیٰ اخلاق کا حامل ہو تو اسے انسانی فطرت کا مونس اور سلیم الطبع انسان تو یقیناً تسلیم کیا جاسکتا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں سمجھا جاسکتا کہ ان اچھے اوصاف کے حامل افراد کو پیغمبری کے مرتبہ پر فائز کیا جائے، جیسے عیسوی دور نبوت اور آخری شریعت کے درمیانی عرصہ میں عیسوی تعلیمات انسانوں سے اوجھل ہوچکی تھیں، اس کے باوجود بنی اسرائیل کے علاوہ بنو اسماعیل میں اعلیٰ انسانی اقدار کی حامل شخصیات موجود تھیں، مثال کے طور پر آنحضرت ﷺ کے سلسلہ نسب میں تقریباً سب ہی ایسی برگزیدہ ہستیاں گزری ہیں جن کے کریمانہ اخلاق کے اپنے اور پرائے سب معترف تھے، لیکن انہیں ان اوصاف کے باوجود کسی نے نبی نہیں قرار دیا، بلکہ ان کے علمی معیار کی پسماندگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہود ونصاریٰ اپنی تعلیمات کے محرف شدہ ہونے کے باوجو عرب قوم (بنو اسماعیل) کے مقابلہ میں تعلیم یافتہ شمار ہوتے تھے۔ ذرا غور فرمایئے کہ اخلاق حسنہ اپنی حقیقت میں مکمل ہونے کے باوجود اپنے حامل کو تعلیم یافتہ نہیں کہلا سکتے تو نبوت وپیغمبری کے مقامِ رفیع کے لئے زینہ کیونکر بن سکتے ہیں؟

۲- شاعری اور موسیقی قطعاً پیغمبرانہ صفات کے منافی ہیں، امام الانبیأ حضرت محمد ﷺ کے بارے میں قرآن کریم کا واضح اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شعر سکھائے اور نہ ہی شعر گوئی آپ کے لئے مناسب ہے، قولہ تعالیٰ:

"وما علمناه الشعر وما ينبغي له... الآية (یٰسین:۲۹)

۳- گوتم بدھ، زرتشت اور کنفیوشس کو نبی یا رسول نہیں کہا جا سکتا:

الف- اس لئے کہ کسی بھی شرعی یا مستند تاریخی روایت میں ان کے پیغمبر یا نبی ہونے کی صراحت موجود نہیں ہے، حالانکہ متداول مذہب اور نظریہ ہونے کے ناطے یہ ضروری تھا کہ یہود ونصاریٰ وغیرہما کی طرح ان کے بارے میں کوئی تصریح ہوتی۔

ب- قرآن وحدیث میں جتنے پیغمبروں یا ان کی تعلیمات کا ذکر آیا ہے ان سے بنیادی طور پر چند اصول دین مستفاد ہوتے ہیں یعنی ایسے معتقدات جو تمام آسمانی شریعت اور ہر نبی کی تعلیم میں متفقہ طور پر پائے جاتے رہے ہیں، ان معتقدات میں توحید، رسالت، بعث بعد الموت اور قیامت سرفہرست ہیں۔

توحید: کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ بندگی اور عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی، اس کی عبادت اور اس کے اختیارات میں کسی اور کو شریک وساجھی نہیں ٹھہرایا جائے گا۔

رسالت: کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کی عام مخلوق کے درمیان رابطہ اور واسطہ کا ایک مرتبہ ومقام ہے جس پر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی باکمال شخصیات کو فائز کرتا ہے جو ہر قسم کے جسمانی، روحانی اور اخلاقی عیوب سے طبعی اور خلقی طور پر پاک ہوتی ہیں، مخلوقِ خدا کی رشد وہدایت کے علاوہ ان کی ذمہ داری یہ بھی ہوتی تھی کہ وہ سابقہ جماعت انبیاءؑ کی تصدیق اور تائید کرنے والے ہوتے تھے، مثلاً روئے زمین میں تادیر متداول ہونے والے ادیان میں سے یہود ونصاریٰ کی اپنے وقت کی اصل تعلیمات اور دین اسلام کا باہمی علاقہ واضح مثال ہے یعنی یہود ونصاریٰ کی اصل کتابوں میں ہمارے نبی ﷺ کی بعثت کی پیشن گوئی موجود تھی، خود قرآن کریم نے اس کی صراحت بھی فرمائی ہے، اسی طرح دین اسلام اور ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کی تصدیق وتائید فرمائی۔

''بعث بعد الموت'' کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی زندگی ختم ہونے کے بعد قبر کے راستہ سے انسان ایک دوسرے جہاں میں داخل ہوجاتا ہے جسے برزخی زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہاں بھی انسان کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جاتا ہے، بالآخر ''برزخ'' کا یہ عرصہ بھی ختم ہوگا اور پوری انسانیت کو ان کے مدافن ومقابر سے اٹھایا جائے گا اور پھر ان کے دنیاوی اعمال کا حساب وکتاب ہوگا اور انسانیت دو حصوں میں تقسیم ہوگی، ایک حصہ دوزخ میں اور دوسرا حصہ بہشت میں جائے گا، دوزخ اور بہشت کی زندگی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے،

وہاں فنا کو بھی فنا ہوجائے گی انہی مراحل پر بعث بعد الموت اور قیامت کا اطلاق ہوتا ہے، اگر اس پیغمبرانہ اصول اور مزاج کو دیکھا جائے تو گوتم بدھ، زرتشت اور کنفیوشس کو نبی یا رسول کہنا ناممکن معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک تاریخی روایات کے مطابق تقریباً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ادوار میں گزرے ہیں، لیکن تورات اور انجیل اسی طرح خود قرآن کریم ان کے تذکرہ سے خاموش ہے، اس کے علاوہ اور کوئی استنادی واسطہ بھی نہیں ہے جس سے ان کا نبی یا رسول ہونا معلوم ہوسکے، بلکہ ان میں سے بعض کی تعلیمات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے مشابہ تو کیا بالکل متصادم نظر آتی ہیں۔ مثال کے طور پر "کنفیوشس" کے خدائی تصور میں ہندومت والا تعدد پایا جاتا ہے اور آباء واجداد کی روحوں کی عبادت اس مذہب کی اساسیات میں شامل ہے۔

ہاں جہاں ان کا تذکرہ ملتا ہے، اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عام انسانوں سے مختلف فکر وعمل کے حامل تھے، ان کی تعلیمات بنیادی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بھی مشتمل تھیں، انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو اخلاقی گراوٹ، معاشرتی بگاڑ اور خواہشات میں مبنی مصائب سے نجات دلانے کے لئے اپنے آپ کو نجات دہندہ ظاہر کیا اور قوم کی فلاح وکامیابی کے لئے اپنے خیال کے مطابق حکیمانہ فلسفہ پیش کیا تھا، یہ فلسفہ بنیادی طور پر چونکہ اچھائیوں کی تلقین، برائیوں سے دوری، تقشّف، عفو ومحبت اور ریاضتِ نفس پر مبنی تھا اور سارے خصائل فطری طور پر قابلِ عمل اور لائقِ ستائش ہیں، اس لئے ان لوگوں کے فلسفوں کو کلی طور پر مسترد بھی نہیں کیا جاسکتا، بلکہ یہ تسلیم کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ یہ لوگ اپنے وقت میں، اپنی قوم کے حکیم وفلسفی تھے، بلکہ یوں کہنا ہی قرینِ احتیاط ہوگا کہ ان کا مرتبہ مصلح قوم، حکیم وفلسفی کی حد تک مسلم ہے، جیسا کہ حضرت لقمان حکیم جن کا قرآن کریم میں تذکرہ موجود ہے، وہ بھی فطری اصولوں پر مبنی فلسفہ وحکمت کے حامل تھے، بعض لوگوں نے ان کے نبی ہونے کی رائے دی ہے، مگر معتمد نصوص سے تائید نہ ملنے کی بنا پر احتیاط پر مبنی قول یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ضرور تھے، ان کی تعلیمات، نصائح اور مواعظ درست بھی تھے، مگر ان صفات کی بنا پر انہیں نبی نہیں کہیں گے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کے فلسفہ کے درست ہونے سے اس کا نبی یا رسول ہونا لازم نہیں آتا اس لئے "گوتم بدھ"، "زرتشت" اور "کنفیوشس" کی تعلیمات کے اچھے پہلوؤں سے ان کی نبوت

ورسالت ثابت کرنا صحیح نہیں۔

پھر خصوصاً موجودہ دور میں تو اس گروہ کے پاس ان کے اصل فلسفے اور اصل تعلیمات کا وجود ہی باقی نہیں رہا، بلکہ ان لوگوں کی وفات کے متصل ہی ان کی تعلیمات سے روگردانی اور حذف ومسخ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، چنانچہ اس وقت بلا مبالغہ "بدھ مت" عیسائیت کے باطل نظریات کی حامل ہے" "زرتشت" "مجوسیت" کے علمبردار اور کنفیوشسیت" تقریباً پوری طرح ہندوازم کی تصویر پیش کر رہی ہے اور ساتھ ساتھ سورج، چاند، ستاروں، بادلوں اور پہاڑوں وغیرہ کا الگ الگ خدا ماننے کے قائل ہیں اور اپنے ہر اہم مقام پر مخصوص ذمہ داری کے لئے علیحدہ علیحدہ خدا نصب کرنے کے قائل ہیں۔

(الملل والنحل ومذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا)

۴-حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات اور "کنفیوشس" کی تعلیمات کے درمیان موازنہ کرنا تین بنیادی وجوہ سے باطل ہے:

۱:- یہ کہ حضور ﷺ کی تعلیمات اور آپ کا نبی ہونا پوری انسانیت میں ایک حقیقت اور معروف ومسلم ہے، گو کچھ لوگ آپ کی تعلیمات مانتے ہیں اور کچھ اعراض کرتے ہیں، لیکن آپ ﷺ کے نبی ہونے میں کوئی شک وشبہ شک وشبہ نہیں کرتا، جبکہ کنفیوشس کا معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ صرف ایک طبقہ محض وہم وظن کے درجہ میں ان کی نبوت کا اعتقاد رکھتا ہے، اگر یوں کہا جائے تو یہ بھی بے جا نہ ہوگا کہ ان کے لئے "نبوت" کی اصطلاح کا استعمال "تقابل ادیان" ومقارنۃ الادیان" کے سلسلے کے قیام کے بعد شروع ہوا ہے، ورنہ ان کے پیروکار تو اس اصطلاح سے بھی بے بہرہ تھے۔ الغرض نبی اور غیر نبی میں موازنہ محال ہے۔

۲:- یہ کہ حضور ﷺ کی تعلیمات کا "وحی الٰہی" سے ہونا حتمی طور پر ثابت ہے، آپ ﷺ کا ایک ایک قول وفعل وحی الٰہی کی روشنی میں صادر ہوا ہے، اس کے برعکس "کنفیوشس" کی تعلیمات کے بارے میں وحی یا الہام ہونے کا مؤقف اختیار کرنے کی کوئی اصل نہیں ملتی، بلکہ حقیقت واصلیت کے شفاف آئینہ میں صرف یہ دکھائی دیتا ہے کہ ان کی تعلیمات خود تخلیقی فلسفہ پر مبنی ہیں اور وہ فلسفہ اپنی بعض بنیادوں کی رو سے فطری اصولوں سے ہم آہنگ بھی تھا، مگر ان کا وحی یا الہامِ الٰہی ہونا موہوم ومشکوک ہے۔

۳:- تیسری اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات باقاعدہ سلسلہ سند سے

ثابت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک قول، ارشاد اور ہدایت کو باوثوق ذرائع سے نقل کرانے کا جو اہتمام ہوا ہے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، آپ کے ایک ایک قول وعمل کو کئی کئی صحابہ نے نقل کیا پھر صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین وتبع تابعین نے جماعت در جماعت نقل کیا، اگر کہیں پر کسی راوی سے طبعی وبشری طور پر کوئی ''چوک'' ہوئی تو اس کی نشاندہی اور وضاحت بھی لازمی طور پر فرمائی گئی جو ''جرح وتعدیل'' کے نام سے مستقل فن کی حیثیت سے ہمارے ہاں معروف ومتداول ہے۔ آج اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کسی قول وعمل کے بارے میں جانچ پرکھ کی حاجت محسوس ہوتی ہے تو آسانی درایتی وروایتی معیار پر پڑتال کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب قول وفعل کی حقیقت معلوم کرلی جاتی ہے۔

اس کے برخلاف ''کنفیوشس'' کی تعلیمات کا کوئی سلسلہ سند ہے ہی نہیں، چہ جائیکہ معتبر ہو، کوئی بھی دیانتدار طبقہ، منصف مزاج حلقہ ان کی تعلیمات کے مستند ہونے کا دعویدار نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ یہ اعتراف بھی کرے گا کہ ''کنفیوشس'' (کنگ چیو) کی تعلیمات محض ظنیات اور توہمات پر مبنی ہیں، ان کی کوئی سند نہیں ہے۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ ایک مستند اور غیر مستند کے درمیان موازنہ بالکل سیاہ وسفید کے درمیان موازنہ کی مانند نہیں تو اور کیا ہے؟

۵- اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ کائنات میں انبیأ کرام علیہم السلام کی جماعت سب سے افضل وبرتر ہے پھر انبیأ کرام علیہم السلام میں امام الانبیأ والمرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں، یعنی حق تعالیٰ شانہ کے بعد مخلوق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں، کسی بھی نبی مرسل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پلہ قرار نہیں دیا گیا۔

اسی طرح کسی نبی کی تعلیمات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی طرح نہیں کہا گیا تو کیا مجال ہے کہ کسی ''موہوم فلسفہ'' کے حامل فرد یا اس کے ''فلسفہ'' کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کی تعلیمات کے ہم پلہ ہونے کا عقیدہ رکھا جائے، یہ عقیدہ، عقیدہ رسالت کے منافی ہے اور عقیدۂ رسالت سے انحراف جہاں ایمان کے منافی ہے، وہاں منصبِ رسالت کی توہین بھی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ کسی غیر نبی کو نبی کہنا، ماننا اور باور کرانا گویا اللہ تعالیٰ پر بہتان طرازی اور افترأ بازی ہے، کیونکہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے نبی نہیں بنایا اور ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں یا لوگوں میں تشہیر کرتے ہیں

کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کا نبی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہوا' ایسے افراد قرآن کریم کی رو سے عام ظالموں سے بڑھ کر ظالم ہیں قولہ تعالیٰ:

"ومن اظلم ممن افترى على الله كذبا". (یونس:۱۷)

یعنی اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھے۔

۶- جو شخص عام انسان کو نبی یا رسول ثابت کرنے کی کوشش کرے، وہ اسلامی تعزیز کا مستحق ہے' جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ حکومتِ وقت اس شخص کو عمر قید کی سزا دے یا اس کے شکوک وشبہات دور کر کے سچی توبہ کروا کر پھر آزاد کرے۔ اگر پھر بھی وہ شخص اپنے "باطل نظریہ" سے باز نہ آئے تو حکومت تعزیراً اسے قتل بھی کرسکتی ہے تاہم ٹھوس شواہد کی موجودگی شرط ہے۔

الغرض جو لوگ "کنفیوشس اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وتعلیمات وافکار کا تقابلی جائزہ" پر تحقیق کر کے "کنفیوشس" کو نبی ثابت کرنے کی کوشش میں ہیں انہیں اپنے عقیدہ اور آخرت کو سامنے رکھنا چاہئے' خدانخواستہ لغزش کھا کر غیر نبی کو نبی بنانے کی کوشش میں کہیں نبی اکرم، شفیع اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہونے کے شرف سے محروم نہ ہو جائیں اور ہمارے مسلمان روشن خیال طبقہ کو یہ حقیقت معلوم ہونی چاہئے کہ ڈیڑھ دو ہزار سال پرانے خود تخلیقی فلسفہ کے حامل افراد کو نبی ثابت کرنے سے زیادہ اہم اور ضروری ہے کہ ہم آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ شفاعت سے چمٹ کر اپنے آپ کو سچا مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راست یابی کا سرمایۂ گراں مایہ نصیب فرمائے آمین

الجواب صحیح
محمد عبدالمجید دین پوری

کتبہ
رفیق احمد بالاکوٹی

انبیاء کے کرداروں پر مشتمل فلم کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

میں نے بازار سے چندسی ڈیز خریدیں جو بظاہر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی معلومات پر بنی تھیں، لیکن جب میں نے انہیں دیکھا تو ان میں باقاعدہ اردو زبان میں ترجمے کے ساتھ مختلف افراد کو انبیائے علیہم السلام کی شکل میں دکھا کر ان کی زندگی کے مختلف واقعات قلم بند کئے گئے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر بنائی گئی فلم میں انہیں بازار میں فروخت ہوتے ہوئے، زلیخا کی جانب سے آپ سے جنسی تعلق قائم کرنے کی کوشش کرنے کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ السلام سمیت ان کے تمام دس بیٹوں کو بھی دکھایا گیا، فلم کے بعض مناظر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو (معاذ اللہ) اپنی حاملہ بیوی سے بوس وکنار کرتے، حضرت یعقوب علیہ السلام کی صاحبزادی کو شراب پیتے ہوئے بتایا گیا، بعد ازاں ان کے ساتھ زیادتی کا واقعہ بھی بنایا گیا۔

حضرت سارہ کو نیم برہنہ حالت، حضرت یعقوب علیہ السلام کے اپنی خادمہ ہاجرہ کے ساتھ تعلقات اور اس کے نتیجے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش بھی اسی فلم کا حصہ ہیں۔

پردہ کے پیچھے سے آنے والی انسانی آواز کو اللہ کی آواز قرار دے کر حضرت یعقوب علیہ السلام کو ختنہ کے احکامات دیئے گئے ہیں، جبکہ ایک بڑی سی چادر اوڑھے شخص کو اللہ کہہ کر (معاذ اللہ) اس کے ہمراہ دو انسانوں کو فرشتوں کے روپ میں بھی دکھایا گیا ہے جو حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دیتے ہیں۔

فلم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو قربان گاہ لے جانے اور مینڈھے کے آنے کے مناظر بھی موجود ہیں ''کلام مقدس'' کے نام سے بنائی گئی فلم میں زمین کی تخلیق کے

مراحل، کلین شیو شخص کو مکمل برہنہ حالت میں حضرت آدم علیہ السلام اور مکمل برہنہ عورت کو حضرت حواؑ کے روپ میں پیش کر کے جنت سے پھل کھانے کے بعد دنیا میں بھیجے جانے کی تفصیلات موجود ہیں۔ اس تمام تفصیل کی روشنی میں سوال ہے کہ:

الف: اس قسم کی سی ڈیز کی کھلے عام فروخت اس کے بنانے والوں کے بارے میں شرعی حکم اور سزا کیا ہے؟ نیز حکومت اس کی روک تھام کی کس حد تک ذمہ دار ہے اور اگر حکومت ایسی سی ڈیز کی روک تھام نہیں کرتی تو ایک عام مسلمان کس حد میں رہتے ہوئے ان سی ڈیز کے پھیلاؤ کو روک سکتا ہے؟

ب: ان سی ڈیز کو کیبل نیٹ ورک پر چلانے والے کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ اور کیا ایسے کیبل نیٹ ورک کو مسلمان بزور قوت اس عمل سے باز رکھ سکتے ہیں؟

سائل: عارف محمود۔گلشن ظہور، جیکب لائن کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں چند سی ڈیز جو انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں بنائی گئیں ہیں، لائی گئیں اور اس بارے میں ''دارالافتاء'' سے شرعی رائے پوچھی گئی اور ان میں موجود مواد کی تفصیلات مذکورہ سوال میں ذکر کردی گئی ہیں، ان تفصیلات کے سامنے آنے کے بعد جواب دینے سے پہلے یہ بات پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، جیسے مسلمانوں کے ہاں قابل احترام ہستیاں ہیں، اسی طرح عیسائیوں کے ہاں بھی قابل احترام ہستیاں ہیں، اور عیسائی ان ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول تسلیم کرتے ہیں، بایں ہمہ عیسائیوں کو ایسی حرکتیں کرنا قطعاً زیب نہیں دیتا، ان انبیاء کرام علیہم السلام کو مقدس اور قابل احترام جاننے اور ماننے کے دعوے کے بعد عیسائیوں کی، اس طرح کی نازیبا اور سوقیانہ حرکتیں کرنا، انتہائی شرمناک، افسوس ناک اور ناقابل فہم ہے۔

عیسائیوں کی کسی تنظیم کی طرف سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں اس طرح کی فحش اور گھٹیا فلمیں بنا کر انبیاء کرام علیہم السلام کے روپ میں عام انسانوں کو نبی کے طور پر پیش کرنا، انبیاء کرام کی توہین و تنقیص ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ خود عیسائی نادانستہ طور پر یہودی لابی کی سازشوں کا شکار ہو

رہے ہوں' جیسا کہ کلام مقدس کے نام کی سی ڈی کے ڈیزائن میں یہودیوں کا مشہور و معروف چھ کونوں والا ستارہ نمایاں طور پر دکھایا گیا ہے' دختر ان پولوس نامی عیسائی تنظیم ان سی ڈیز کی نشر و اشاعت کا کام کر رہی ہے' حالانکہ پولوس در پردہ کٹر یہودی تھا جو دین عیسوی کو بگاڑنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں شامل ہوا تھا اور اسی کی سازشوں سے دین عیسوی کو بہت زیادہ نقصان ہوا (اور اپنی اصلی صورت تھوڑا عرصہ گذرنے کے بعد کھو بیٹھا) غالباً موجودہ زمانے میں اسی پولوس کے نام پر یہ دختر ان پولوس نامی تنظیم اسی کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے کام کر رہی ہے' تاکہ انبیاءٔ کرام علیہم السلام کا جو احترام عیسائیوں کے دلوں میں ہے اس کو ان کے دلوں سے اکھاڑ پھینکا جائے' بہر حال اس کے پیچھے محرکات جو بھی ہوں' انبیاءٔ کرام علیہم السلام' مسلمانوں کے ہاں معصوم اور گناہوں سے پاک ہستیاں ہیں' جیسے نبی آخر الزمان ﷺ کی توہین وتنقیص کفر اور موجب سزائے موت ہے' اسی طرح دیگر تمام انبیاءٔ کرام علیہم السلام یا ان میں سے کسی ایک نبی علیہ السلام کے بارے میں فلمیں بنوانا اور عام گناہگار انسانوں کو انبیاءٔ کرام جیسی معصوم اور مقدس ہستیوں کے طور پر پیش کرنا اور اللہ تعالیٰ کے معصوم اور مقدس انبیاءٔ کرام علیہم السلام کو نازیبا حرکتیں کرتے ہوئے دکھانا' انبیاءٔ کرام کی کھلی توہین وتنقیص ہے۔

لہٰذا حکومت وقت کا فرض ہے کہ وہ اس کفر وارتداد پھیلانے والی سی ڈیز کو ضبط کر کے ضائع کرے اور آئندہ کے لئے ایسا قانون پاس کرے' جس سے ایسے کفریہ وتوہین آمیز کاموں کا سدِ باب ہو سکے' جیسا کہ معلوم ہوا ہے کہ یہ سی ڈیز باہر سے درآمد کی گئیں ہیں' تو حکومت وقت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان سی ڈیز کے درآمد کرنے والوں اور ان کسٹم افسران کو' جنہوں نے بغیر تحقیق وتفتیش کے ان سی ڈیز کو ریلیز کیا ہے' عبرت ناک سزا دے اور ان سے سخت باز پرس کر کے مرتکب افراد کو کیفر کردار تک پہنچائے۔

اس کے ساتھ علماءٔ کرام اور عوام کا فریضہ بنتا ہے کہ وہ ان سی ڈیز کے خلاف آواز بلند کریں اور ان کی بندش وضبطی کی ہر ممکن کوشش کریں' اور تاجر حضرات ان کی خرید وفروخت سے کلیۃً باز آئیں کہ ان کی خرید وفروخت ناجائز وحرام ہے۔

ان سی ڈیز میں توہین انبیاءٔ کرام سے ہٹ کر بعض احکامات کو غلط انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جیسا کہ ''عمل ختنہ'' کو حضرت یعقوب علیہ السلام سے منسوب کیا گیا ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم

ان سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل کیا تھا' اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح (قربان ہونے والا) دکھایا گیا ہے' حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام۔

الجواب صحیح
محمد عبدالمجید دین پوری

الجواب صحیح
محمد داؤد

کتبہ
عبدالستار حامد

تنقید اور حق تنقید

ایک صالح عزیز کے نام

زیر نظر مقالہ اگر چہ با قاعدہ استفتاء کے جواب کے طور پر شائع نہیں ہوا لیکن اپنی نوعیت ، وقیع علمی اور اصولی مسئلہ ہے اس لئے فتاویٰ کے ساتھ شامل کیا جارہا ہے بلکہ بہت سارے مسائل کے اصولی حل کیلئے رہنما بھی ہے۔ مرتب

عزیزم، سلمہ، السلام علیکم! تمہیں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے والہانہ عقیدت ہے اور تمہارے لئے یہ سوال حیرت و پریشانی کا موجب ہے کہ اکابر اُمت، جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کی ''تحریک اسلامی'' کی مخالفت پر کیوں کمر بستہ ہیں؟

میں پوچھتا ہوں کہ سر سید احمد خان کی ''تحریک اصلاح اسلام''، عبد اللہ چکڑالوی کی ''تحریک قرآن''، غلام احمد قادیانی کی ''تحریک تجدید اسلام''، غلام احمد پرویز کی ''تحریک طلوعِ اسلام''، ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی ''تحریک تجدد اسلام''، اور سوشلسٹوں کی ''تحریک ترقی پسند اسلام'' کی مخالت علماء نے کیوں کی؟

اس کے جواب میں تم یہی کہو گے کہ ان لوگوں نے اپنی اپنی ذہنی سطح کے مطابق ''اسلام'' کا ایک مصنوعی خاکہ اپنے ذہن میں مرتب کر کے اسے تو معیار قرار دیا، اس کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام کی جو چیز اس مصنوعی خاکہ میں فٹ ہوسکی اسے لے لیا، اور جو چیز اس کے خلاف نظر آئی اسے یا تو ہنسی مذاق میں اُڑا دیا، یا تاویل کے تیشے سے تراش کر اس کے مفہوم ومعنیٰ کو غارت کردیا گویا ان کا ذہن وفکر، عقل وشعور اور دل ودماغ 'اسلام' کے تابع نہیں، بلکہ 'اسلام' کا رد وقبول ان کے ذہنی خاکہ کے تابع ہے۔ اور علماء کا فرض تھا کہ ان کے مصنوعی ''طلسم اسلام'' کو توڑ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے حقیقی اسلام کی جو چودہ سو سال سے سینوں اور سفینوں میں محفوظ چلا آتا ہے، اُمت کو دعوت

دیتے اوران نئے ''مفکرین اسلام'' کے فتنہ سے لوگوں کو آگاہ کرتے ...... تم جانتے ہو کہ علماء اُمت نے ہر قیمت پر یہ فریضہ ادا کیا، انہیں گالیاں دی گئیں، ان پر فقرے چست کئے گئے، ان کا مذاق اُڑایا گیا۔ ان پر طعن وتشنیع کے نشتر چلائے گئے، مگر علماء کو تو اپنا فرض ادا کرنا تھا اورانہوں نے بہرحال اسے ادا کیا، اور جب تک جان میں جان اور منہ میں زبان ہے تب تک علماء اُمت سے یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ وہ دن کو دن اور رات کو رات کہنے کے جُرم کا ارتکاب نہیں کریں گے۔

اب سنو! اسی طرح کا ایک مصنوعی خاکہ جناب مودودی صاحب نے اپنی ذہانت وطبّاعی سے اختراع کیا، اسی کو ''اسلامی تحریک'' کی حیثیت سے پیش کیا، اسی کی بنیاد پر اسلامی جماعت، تشکیل کی اور آج ان کی ''جماعت اسلامی'' کے بڑے چھوٹوں پر اسی مصنوعی خاکہ کی چھاپ ہے۔ خدانخواستہ میرا یہ مطلب نہیں کو جو حکم مذکورہ بالا لوگوں کا ہے وہی جناب مودودی پر بھی لگا رہا ہوں' نہیں! بلکہ درجات ومراتب کا فرق ہے۔ ''ظلمات بعضها فوق بعض'' تشبیہ سے مقصد صرف اتنا ہے کہ حقیقی اسلام کو سمجھنے سے یہ سب لوگ قاصر رہے اور اپنے فہمیدہ اسلام کا الگ ناک نقشہ مرتب کرنے میں سب شریک ہیں' یہ الگ امر ہے کہ ان میں سے بعض کا مرتبہ نقشہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام سے بالکل ہی مختلف ہو، اور بعض کا اس قدر مختلف نہ ہو، مگر اس میں کیا شک ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی عقل وفہم کے زور سے ''اسلام'' کا جو خاکہ سمجھا اسی کو لوگوں کے سامنے پیش کیا، اسی کو مدار ٹھہرایا اور اسی کی قوم کو دعوت دی۔

عربی کی مثل ہے ''لكل ساقطة لا قطة'' یعنی ہر گری پڑی چیز کو اُٹھانے والا کوئی نہ کوئی مل ہی جاتا ہے، ذہنی مطابقت اور قلبی تشابہ کی بناء پر ان میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ افراد مل ہی گئے ...... یہ تمہارے سوال کا مختصر سا جواب ہے، مگر میرا خیال ہے کہ اس اجمال سے تمہاری تشفی نہیں ہوگی، اس لئے مجھے اس کی بقدر ضرورت تفصیل کرنا ہوگی۔ آج کی صحبت میں مَیں آپ کو صرف ایک نکتہ پر غور وفکر کی دعوت دوں گا، تم نے جماعت اسلامی کے دستور میں جناب مودودی صاحب کے قلم سے یہ فقرہ پڑھا ہوگا۔

''رسولِ خدا کے سوا کسی انسان کو ''معیارِ حق'' نہ بنائے، کسی کو ''تنقید'' سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ ہر ایک کو خدا کے بتائے اسی معیار کامل پر جانچے اور پرکھے، اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو، اس کو اسی درجہ میں

رکھے"۔(مودودی مذہب ۵۳)

اس دستوری عقیدہ میں جناب مودودی صاحب نے ہر فرد جماعت کو، خواہ اس کی اپنی حیثیت کچھ ہی ہو، یہ تلقین فرمائی ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو مستثنیٰ کرنے کے بعد کسی انسان کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھا جائے نہ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہوا جائے بلکہ جو کسوٹی مودودی صاحب اور ان کی جماعت کو خدا نے عطا کی ہے اس پر ہر ایک کو ٹھونک بجا کر پرکھا جائے، اور پھر اس جانچ پرکھ کے نتیجے میں جس کا جو درجہ متعین ہواُ سے اسی درجہ میں رکھا جائے۔ اب ذرا "مودودی مذہب" کا مطالعہ کر کے دیکھئے کہ تنقید کی چھلنی میں چھان پھٹک کر مودودی صاحب اور ان کی جماعت نے اکابر کے کیا کیا درجے متعین فرمائے ہیں۔ سنیے! مودودی صاحب بتاتے ہیں کہ:

۱- موسیٰ علیہ السلام کی مثال اُس جلد باز فاتح کی سی ہے جو اپنے اقتدار کا استحکام کیے بغیر مارچ کرتا ہوا چلا جائے۔ اور پیچھے جنگل کی آگ کی طرف مفتوحہ علاقہ میں بغاوت پھیل جائے۔(مودودی مذہب، ص۔۲۳)

۲- پیغمبروں تک کو اس نفس شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں۔ چنانچہ داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقعہ پر تنبیہ کی گئی کہ "لا تتبع الهوی فیضلک عن سبیل الله" (سورۃ ص ع ۲) ہوائے نفس کی پیروی نہ کرنا ورنہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔(ص۲۱)

۳- حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہو کر "اوریا" سے طلاق کی درخواست کی تھی......(ص۔۲۴)

۴- حضرت داؤد کے فعل میں خواہش نفس، کا کچھ دخل تھا، اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا، اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا............(ص۔۲۵)

۵- حضرت نوح علیہ السلام اپنی بشری کمزوریوں سے مغلوب اور جاہلیت کے جذبہ کا شکار ہو گئے............(ص۔۲۶)

۶- عصمت دراصل انبیاء کے لوازمِ ذات سے نہیں ہے......اور ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اُٹھا کر ایک دو لغزشیں ہو جانے دی ہیں، تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھیں اور جان لیں کہ یہ بھی بشر ہیں............(ص۔۳۰)

۷- انبیاءِ کرام سے قصور بھی ہو جاتے تھے اور انہیں سزا تک دی جاتی تھی......(۳۱)

۸- حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں۔ اور غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا............(ص۳۵)

۹- صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا اور وہ ایک دوسرے پر چوٹیں کر جاتے تھے (یہ پوری عبارت مودودی مذہب، ص۔۵۶ میں پڑھ لیں) آگے کی عبارت نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔

۱۰- صحابہ کرام جہاد فی سبیل اللہ کی اصلی سپرٹ سمجھنے میں بار بار غلطیاں کر جاتے تھے......(ص۵۹)

۱۱- ایک مرتبہ صدیق اکبر جیسا بے نفس متورع اور سراپا للّٰہیت بھی اسلام کے نازک ترین مطالبہ کو پورا کرنے سے چوک گیا............(ص۔۶۰)

۱۲- (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) شخصی عظمت نے رحلتِ مصطفوی کے وقت اضطراری طور پر حضرت عمر کو تھوڑی دیر کے لئے مغلوب کرلیا تھا............(ص۔۶۵)

۱۳- حضرت عثمان، جن پر اس کارِ عظیم (خلافت) کا بار رکھا گیا تھا، ان خصوصیات کے حامل نہ تھے جو اُن کے جلیل القدر پیشرووں کو عطا ہوئی تھیں۔ اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظامِ اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا............(ص۔۶۵)

۱۴- خلفائے راشدین کے فیصلے بھی اسلام میں قانون نہیں قرار پائے، جو انہوں نے قاضی کی حیثیت سے کئے تھے............(ص۔۶۶)

۱۵- حضرت عثمان نے پے درپے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدفِ تنقید بن کر رہیں (ص۔۷۱)

۱۶- مثال کے طور پر انہوں نے افریقہ کے مالِ غنیمت کا پورا خمس (۵لاکھ دینار) مروان کو بخش دیا............(ص۔۷۱)

۱۷- اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں ایسی تھیں جو بڑے دوررس اور خطرناک نتائج کی حامل ثابت ہوئیں............(ص۔۷۲)

۱۸- دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ (حضرت عثمان) کے سیکرٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی......(ص۔۷۲)

۱۹- تاریخ بتاتی ہے اور صحیح بتاتی ہے کہ مروان و یزید اُمت مسلمہ کے نزدیک ناپسندیدہ شخصیتیں سمجھی جاتی ہیں، یہ نرم سے نرم الفاظ ہیں جو مروان اور یزید کے بارے میں کہے جاسکتے ہیں......(ماہنامہ فاران، ص۔۲۴، ستمبر ۷۶ء)

۲۰- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو (جو فقرہ ۱۷۔۱۸ میں نقل ہوا) بلاشبہ غلط تھا، اور غلط کام بہر حال غلط ہے خواہ کسی نے کیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل وانصاف کا تقاضہ اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ کہا جائے............(مودودی مذہب، ص۔۷۳)(۱)

۲۱- ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسرِ ممبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے......کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار، انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا، اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین واخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا............(ص۔۷۵)

(۱) اور اللہ اللہ فی اصحابی کا مطلب کیا ہے؟ (حاشیہ بینات مدیر)

۲۲- زیاد بن سُمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انہوں نے سیاسی اغراض کے لئے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی (ص-۷۶)(۲)

۲۳- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنا حامی اور مددگار بنانے کے لئے اپنے والد ماجد کی زناکاری پر شہادتیں لیں۔(۱) اور اس کا ثبوت بہم پہنچا کر کہ زیاد انہی (ابوسفیان) کا ولدالحرام ہے پھر اسے اسی بنیاد پر اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دے دیا۔ یہ فعل، اخلاقی حیثیت سے جیسا کہ کچھ مکروہ ہے وہ تو ظاہر ہی ہے، مگر قانونی حیثیت سے بھی یہ ایک صریح ناجائز فعل تھا، کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا............(ص-۷۷)

۲۴- حضرت عمرو بن العاص......سے دو کام ایسے سرزد ہوگئے ہیں۔ جنہیں غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے............(ص-۸۲)

۲۵- حضرت علیؓ نے......مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری تک کے عہدے دے دیئے، درآنحالیکہ قتل عثمان میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا، وہ سب کو معلوم ہے حضرت علیؓ کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے، جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں............(ص-۸۵)

۲۶- حضرت عائشہؓ وحفصہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کچھ زیادہ جری ہوگئی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے 'زبان درازی' کرنے لگی تھیں............(ص-۸۸)

۲۷- تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا نہیں ہوا

---

(۱) غالباً اسی سنت کی تقلید میں آنجناب نے فاطمہ جناح کی انتخابی مہم میں سیاسی اغراض کے لیے شریعت کے ایک مسلمہ قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔(حاشیہ بینات-مدیر)

(۲) زناکاری پر شہادتیں لینے کیسا عجیب انکشاف ہے(حاشیہ بینات-مدیر)

قریب تھا کہ عمر بن عبد العزیز اس منصب پر فائز ہوجاتے، مگر وہ کامیاب نہ ہوسکے.........(ص۔۹۱)

۲۸- امام غزالیؒ کے تنقیدی کام میں علمی وفکری حیثیت سے چند نقائص بھی تھے۔ اور وہ تین عنوانات پر تقسیم کئے جاسکتے ہیں، ایک قسم ان نقائص کی ہے جو حدیث کے علم میں کمزور ہونے کی وجہ سے ان کے کام میں پیدا ہوئے، دوسری قسم ان نقائص کی جو ان کے ذہن پر عقلیات کے غلبہ کی وجہ سے تھے، اور تیسری قسم ان نقائص کی جو تصوف کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہونے کی وجہ سے تھے.........(ص۔۹۲)

۲۹- پہلی چیز جو مجھ کو حضرت مجدد الف ثانی کے وقت سے شاہ (ولی اللہ) صاحب اور ان کے خلفاء کے تجدیدی کام میں کھٹکی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کے بارے میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ نہیں لگایا، اور ان کو پھر وہی غذا دے دی جس سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت تھی.........(ص۔۹۲)

۳۰- اسی طرح یہ قالب (تصوف) بھی مباح ہونے کے باوجود اس بناء پر قطعی چھوڑ دینے کے قابل ہوگیا ہے کہ اس کے لباس میں مسلمانوں کو 'افیون کا چسکہ' لگایا ہے، اور اس کے قریب جاتے ہی ان 'مزمن مریضوں' کو پھر وہی ''چنیا بیگم'' یاد آجاتی ہے، جو صدیوں سے ان کو تھپک تھپک کر سلاتی رہی ہے.........(ص۔۹۲)

۳۱- مسلمانوں کے اس مرض سے نہ حضرت مجدد صاحب ناواقف تھے نہ شاہ صاحب، دونوں کے کلام میں اس پر تنقید بھی موجود ہے، مگر غالباً اس مرض کی شدت کا انہیں پورا اندازہ نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے ان بیماروں کو پھر وہی غذا دی جو اس مرض میں 'مہلک' ثابت ہوچکی تھی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ دونوں کا حلقہ پھر اسی پرانے 'مرض' سے متاثر ہوتا چلا گیا.........(ص۔۹۴)

۳۲- اگرچہ مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر ٹھیک وہی روش اختیار کی جو ابن تیمیہ نے کی تھی، لیکن شاہ ولی اللہ کے لٹریچر میں تو یہ

سامان موجود ہی تھا جس کا کچھ اثر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریروں میں بھی باقی رہا، اور پیری مریدی کا سلسلہ سید صاحب کی تحریک میں چل رہا تھا، اس لئے 'مرض صوفیت' کے 'جراثیم' سے یہ تحریک پاک نہ رہ سکی (ص۔۹۵)

۳۳- اور یہی ''جہالت'' ہم ایک نہایت قلیل جماعت (۱) کے سوا مشرق سے لے کر مغرب تک مسلمانوں میں عام دیکھ رہے ہیں، خواہ اَن پڑھ عوام ہوں، یا دستار بند علماء یا خرقہ پوش مشائخ، یا کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات۔ ان سب کے خیالات اور طور طریقے ایک دسرے سے بدرجہا مختلف ہیں، مگر اسلام کی حقیقت اور اس کی روح سے ناواقف ہونے میں سب یکساں ہیں .... (ص۹۵)

میں نے جناب مودودی صاحب کے بکھرے ہوئے دریائے تنقید سے یہ چند قطرے پیش کئے ہیں، اور یہ سب کچھ انہوں نے بزعم خود، خدا کے بتائے ہوئے 'معیار' پر جانچنے اور پرکھنے کے بعد لکھا ہے۔ میں ان کے ایک ایک فقرے پر بحث نہیں کرنا چاہتا، تم خود سوچو کہ ان تنقیدات کے بعد اسلام کا کیا نقشہ ذہن میں آتا ہے۔ البتہ جی چاہتا ہے کہ تمہاری سہولت کے لئے چند اُصولی باتیں پیش کردوں:

۱- جناب مودودی صاحب کا ارشاد کہ ''رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کسی انسان کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے''۔ اس کے آثار ونتائج پر غور کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ ''تنقید'' کسے کہتے ہیں، تم جانتے ہو کہ یہ عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو جانچنا، پرکھنا اور کھوٹا کھرا معلوم کرنا۔ اور اردو محاورے میں یہ لفظ نکتہ چینی، خردہ گیری اور اظہار نقص کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، یعنی جانچنے پرکھنے کے بعد جب کوئی چیز عیب دار ثابت ہوتی ہے تو اس کے کمزور پہلوؤں کے اظہار کا نام تنقید ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں پر تنقید کی تو اس کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ اس کے کمزور پہلوؤں پر روشنی ڈالی، اس پر نکتہ چینی کی اور اس کے عیوب ونقائص بیان کئے۔

۲- جس چیز یا جس شخصیت کو تنقید کا محل سمجھا جائے اس کے بارے میں سب سے پہلا

(۱) غالباً مودودی صاحب کی اپنی جماعت (جماعت اسلامی) (حاشیہ بینات-مدیر)

تصور یہ قائم ہوتا کہ ''تنقید'' سے پہلے یہ چیز قابل اعتماد نہیں، بلکہ جانچ پرکھ کی محتاج ہے اور اس کے بعد ہی یہ فیصلہ ہو سکے گا کہ یہ لائق اعتماد ہے یا نہیں۔ کیونکہ جو چیز سو فی صد لائق اعتماد ہو اس کے جانچنے پرکھنے کی ضرورت نہیں رہتی، اور نہ دنیا میں کوئی ایسا عقلمند آپ نے دیکھا ہوگا جو سکہ بند اور لائق اعتماد چیزوں کی جانچ پرکھ کرتا پھرے۔ الغرض یہ ایک بدیہی اصول ہے کہ جو چیز لائق اعتماد ہے اس کی تنقید (یا اردو محاورے کے مطابق اس پر تنقید) کی ضرورت نہیں، اور جو چیز محتاج تنقید ہے، وہ تنقید سے قبل لائق اعتماد نہیں۔ مثلاً بازار میں مُہر شدہ باٹ استعمال ہوتے ہیں۔ آپ نے کسی کو نہیں دیکھا ہوگا کہ وہ سودا خریدتے وقت دوکاندار سے یہ دریافت کرے کہ میاں! اس کا وزن بھی درست ہے۔ کیونکہ وہ سرکاری مُہر کے بعد تنقید سے بالاتر ہے اور اس پر سرکاری مُہر کا ہونا ہی اس کے قابل اعتماد ہونے کی ضمانت ہے، اس کے باوجود اگر کوئی شخص اس دانشمندی کا مظاہرہ کرے تو تم جانتے ہو کہ اسے کیا کہا جائے گا۔

اب جب مودودی صاحب ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کوئی بھی انسان تنقید سے بالاتر نہیں، تو اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی انسان بھی ہمارے لئے لائق اعتماد نہیں، اس اعتماد کو جناب مودودی صاحب ''ذہنی غلامی'' سے تعبیر کر کے یہ فرماتے ہیں کہ نہ (رسول خدا کے سوا) کسی (انسان) کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو''۔ گویا جناب مودودی صاحب کے نزدیک چودہ سو سال کی اُمت میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کے کسی قول و فعل پر ہم اعتماد کر سکیں، تاوقتیکہ مودودی صاحب خدا کے بتائے ہوئے معیار پر جانچ کر اس کی درجہ بندی نہ کریں، اور ہمیں یہ نہ بتلا دیں کہ فلاں شخص پر تم اس حد تک اعتماد کر سکتے ہو اور اس حد تک نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ان کے خود تراشیدہ تصور اسلام میں خلفائے راشدین کے قاضیانہ فیصلوں کو بھی قانونی حیثیت حاصل نہیں ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید سے اُمت کو وصیت فرمائی تھی کہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑیں۔ مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث تم نے پڑھی ہوگی:

''عن العرباض بن ساریةؓ: قال صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ذات یوم ثم اقبل علینا بوجهه. فوعظنا موعظةبلیغة زرفت منها العیون ووجلت منها القلوب فقال رجلٌ یا رسول الله كأنّ هذه

موعظة مودع فاوصنا فقال: اوصیکم بتقوی الله والسمع والطاعة وان کان عبدا حبشیا، فانه من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا، فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین، تمسکوابهاوعضوا علیها بالنواجذ، وایاکم ومحدثات الامور، فان کل محدثة بدعة، وکل بدعة ضلالة''. رواه احمدوابوداود والترمذی وابن ماجه.(۱)

ترجمہ ''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو ہماری جانب رُخ کر کے بہت ہی پُر اثر وعظ فرمایا، جس سے آنکھیں بہ پڑیں اور دل کانپ گئے، وعظ سُن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آج کا وعظ تو ایسا (جامع اور مؤکد) تھا جیسا رخصت کرنے والے کا وعظ ہوتا ہے (کہ وہ کوئی ایسی بات نہیں چھوڑتا جس پر تنبیہ کی حاجت ہو) پس (اگر واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخصت ہونے کا وقت قریب ہے تو) ہمیں کوئی وصیت فرمایئے (جس کو عمر بھر یاد رکھیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ (تم میں سے جو اولوالامر ہو اس کی) سنو اور مانو، خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سے (نظریاتی) اختلافات دیکھے گا۔ پس تم میری سنت کو اور ان خلفاء کی سنت کو جو رشد وہدایت پر فائز ہیں اختیار کرو، اسے خوب مضبوط پکڑلو، اور دانتوں سے تھام لو، اور نئے نئے امور سے اجتناب کرو، کیونکہ ہر نئی بات (جسے دین کا جزء سمجھ لیا جائے وہ) 'بدعت' اور ہر 'بدعت' گمراہی ہے۔ (مشکوۃ ص۲۹ بحوالہ مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

۳- جانتے ہو کوئی شخص جب کسی دوسرے پر ''تنقید'' کرتا ہے تو اس کا منشاء کیا ہوتا ہے؟

---

(۱) مشکوۃ المصابیح – کتاب الإیمان – باب الاعتصام بالکتاب والسنة – الفصل الثانی – ص۲۹،۳۰

سنو اگر کسی کے علم پر تنقید کی جائے (خواہ وہ صرف کسی ایک مسئلہ یا معاملہ سے متعلق ہو) تو اس کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں ان صاحب کا علم صحیح نہیں بلکہ ناقد کا علم صحیح ہے یا ناقد اس مسئلہ کو اس سے بہتر سمجھتا ہے اسی طرح اگر کسی کے فہم پر تنقید کی جائے تو اس کا منشاء اپنے فہم کی برتری کا احساس ہے اور اگر عمل پر تنقید کی جائے تو اس کا منشاء اپنے عملی تفوق کا جذبہ ہے۔ الغرض جس بات میں آپ دوسرے پر تنقید کریں گے۔ اس میں اپنے علم و عمل اور عقل اور فہم کے مقابلے میں دوسرے کے علم و عمل اور عقل و فہم کو فروتر سمجھیں گے۔ پھر کبھی تو ناقد واقعی ان امور میں اس شخص سے جس پر تنقید کی گئی، فائق ہوتا ہے اور کبھی واقعۃً فائق نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنی خوش فہمی کے جنون میں اپنے کو فائق تر سمجھتا ہے۔ اسلام کی ''اصطلاح'' میں اسے ''کبر'' یا ''تکبر'' کہتے ہیں اور یہی ''کبر'' تھا جس کا شکار سب سے پہلے ابلیس ہوا، اور اسی برخود غلط، احساس برتری نے اسے 'معلم ملکوت' کے بجائے قیامت تک ملعون بنادیا۔ اب اس اصول کو سامنے رکھ کر ذرا مودودی صاحب کی تنقید اور اصول تنقید پر نظر ڈالئے۔ وہ ہر شخص کو حق دیتے ہیں کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم، کے سوا سلف صالحین میں سے ہر شخص پر تنقید کرے۔ بتائیے! آخر اس کو کیا نام دیا جائے، کیا مودودی صاحب کے نزدیک ان کی جماعت کا ہر فرد سلف صالحین سے علم و فہم میں فائق ہے۔ اگر نہیں، تو اس کا منشاء برخود غلط پندار کے سوا اور کیا ہے؟ اور پھر مودودی صاحب جب یہ کہتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضۂ رسالت میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں، اس وقت ان کا دعویٰ گویا یہ ہوتا ہے کہ وہ فریضۂ رسالت کی ذمہ داریوں کو حضرت یونس علیہ السلام سے زیادہ سمجھتے ہیں، بلکہ شاید خدا سے بھی زیادہ۔ کیونکہ کم از کم مودودی صاحب سے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ اپنی جماعت کی کوئی ذمہ داری کسی ایسے شخص کے سپرد کردیں جس کے بارے میں انہیں علم ہے کہ وہ اسے پوری طرح ادا نہیں کرسکے گا۔ مگر بقول ان کے خدا نے فریضۂ رسالت کی ذمہ داری حضرت یونس علیہ السلام کے سپرد کرکے یہ احتیاط ملحوظ نہیں رکھی۔ اسی طرح جب وہ کہتے ہیں کہ نوح علیہ السلام جاہلیت کے جذبہ سے مغلوب ہوگئے تھے تو گویا وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جذباتِ جاہلیت پر ان کی نظر حضرت نوح علیہ السلام سے زیادہ ہے، اور یہ کہ ان جاہلی جذبات پر غالب آنے کی وہ حضرت نوح علیہ السلام سے زیادہ ہمت رکھتے ہیں کیونکہ اپنے بارے میں ان کا ارشاد یہ ہے کہ:

''خدا کے فضل سے میں نے کوئی کام یا کوئی بات جذبات سے مغلوب ہوکر

نہیں کیا، اور کہا کرتا، ایک ایک لفظ جو میں نے اپنی تقریر میں کہا ہے تول تول کر کہا ہے، اور یہ سمجھتے ہوئے کہا کہ اس کا حساب مجھے خدا کو دینا ہے نہ کہ بندوں کو، چنانچہ میں اپنی جگہ بالکل مطمئن ہوں کہ میں نے کوئی لفظ بھی خلافِ حق نہیں کہا۔ (مودودی مذہب، ص ۲۹)

جب وہ کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہوکر فلاں کام کیا تھا، اس وقت وہ نہ صرف اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ جو شخص اپنی سوسائٹی کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہوجائے وہ پیغمبر ہی نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ساتھ وہ یہ تاثر بھی دیتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کی جگہ اگر حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ہوتے تو ''اوریا'' سے اس کی بیوی کی طلاق کا بھی مطالبہ نہ فرماتے۔

جب وہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے فلاں معاملہ میں انسانی اخلاق تک کو ملحوظ نہیں رکھا۔ اس وقت وہ اپنے آپ کو انسانی اخلاقیات کا حضرت معاویہؓ سے بڑا عالم سمجھتے ہیں، اور جب وہ یہ کہتے ہیں حضرت معاویہؓ نے شریعت کے فلاں قاعدے کی صریح خلاف ورزی کی اس وقت وہ اپنے آپ کو حضرت معاویہؓ سے بڑھ کر عالم شریعت کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

جب وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن العزیز (رحمہ اللہ) سے لے کر حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ تک مجددین کے تجدیدی کاموں میں یہ یہ نقائص رہ گئے۔ اس وقت وہ یہ باور کراتے ہیں کہ وہ تجدید واحیائے دین کو ان تمام اکابر سے زیادہ سمجھتے ہیں اور جب وہ فخر سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ:

> ''میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن اور سنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے (۱)، اسلئے میں کبھی یہ معلوم کرنے کے لئے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے، یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں۔ بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا

(۱) اور قرآن وسنت کا سمجھنا آنجناب کو کس نے سکھایا تھا، حال یا ماضی کے اشخاص نے؟ ملأ اعلیٰ کے فرشتوں نے یا مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح سب کچھ شکم مادر ہی سے لے کر آئے تھے، ناشکری کی حد ہے کہ دچار الٹے سیدھے حرف جن اشخاص کی جوتیوں کی برکت سے حاصل ہوئے انہی کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔ (حاشیہ بینات - مدیر)

ہے اور رسول نے کیا کہا''۔ (مودودی مذہب، ص۔۶۸)(۱)

اس وقت دراصل وہ لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اُمت کے طویل ترین دور میں کوئی 'بزرگ' ان سے زیادہ دین کو سمجھنے والا پیدا نہیں ہوا۔ خیر یہ ایک الگ موضوع ہے، اس پر انشاء اللہ کبھی دوسری فرصت میں کچھ کہوں گا سردست مجھے یہ کہنا ہے کہ تنقید کا منشا ہمیشہ ''انا خیر منہ'' کا احساس ہوتا ہے، اگر کوئی شخص واقعۃً کسی سے علم و فہم اور عمل و اخلاق میں بڑھ کر ہے تو اسے بلاشبہ اپنے چھوٹے پر تنقید کا حق حاصل ہے۔ اور اگر برخود غلط احساسِ برتری، اس کا منشاء ہو تو اس سے ہر مومن کو اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ اب اگر جناب مودودی صاحب واقعی ان تمام حضرات سے اپنے علم و فہم اور عمل و تقویٰ میں فائق ہیں جن پر انہوں نے تنقیدیں کی ہیں تو بلاشبہ انہیں تنقید کا حق ہے، اور اگر ان حضرات کے مقابلہ میں علم و فہم اور عمل و تقویٰ میں تہی دامن ہونے کے باوصف وہ تنقید کا شوق رکھتے ہیں تو اس کا منشاء بجز غرور و پندار اور تکبر کے کیا ہوسکتا ہے؟

۴- پھر جناب مودودی صاحب کے نظریہ کے مطابق جب چودہ سوسالہ اُمت کا کوئی بھی فرد تنقید سے بالا نہیں؟ نہ کسی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، بلکہ خدا کی بتائی ہوئی کسوٹی پر ہر ایک کو جانچنا اور پرکھنا لازم ہے تو سوال یہ ہے کہ جو دین آج کی اُمت کو سلف صالحین کی نقل و روایت اور علم و عمل کے ذریعہ پہنچتا ہے اس پر اعتماد کیسے کیا جائے؟ تم جانتے ہو کہ ہمارے دین کے دلائل کل چار ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، (خلفائے راشدین کی سنت اسی کے ضمن میں آجاتی ہے) اجماعِ اُمت، اور قیاسِ مجتہدین۔

ائمہ اجتہاد کے فقہی مسائل تو یوں ختم ہوئے کہ مودودی صاحب ماشاء اللہ خود مجتہد مطلق ہیں۔ انہیں دین فہمی کے لئے ماضی و حال کے کسی بزرگ سے علمی استفادہ کی حاجت نہیں۔ اور جب پوری اُمت کو محتاجِ تنقید اور نالائقِ اعتماد فرض کرلیا جائے تو ظاہر ہے کہ ان کے اجماع کی بھی کوئی حیثیت نہ ہوگی اور کتاب وسنت کا مدار روایت و درایت پر ہے، جن لوگوں کے علم و عمل پر ہی اعتماد نہیں ان کی روایت و درایت کا حال معلوم۔ خصوصاً جبکہ جناب مودودی صاحب کی تحقیق کے مطابق صحابہ کرامؓ ایک دوسرے پر چوٹیں کیا کرتے تھے اور ایک دوسرے کو (نعوذ باللہ) جھوٹا بتایا کرتے تھے اگر صحابہ کرامؓ بھی نعوذ باللہ ایسے ہی تھے جن

---

(۱) بنیادی طور پر ٹھیک یہی نظریہ مرزا غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز کا ہے۔ (حاشیہ بینات۔ مدیر)

کی تصویر مودودی صاحب کی تنقیدات نے مرتب کی ہے تو بعد کی اُمت تو ظاہر ہے کہ ان سے بدتر ہی ہوگی۔ نتیجہ یہ کہ قرآن وحدیث سے لے کر اجماع وقیاس تک ہر چیز مشکوک اور ناقابل اعتماد ٹھہری جب تک کہ خدا کے بتائے ہوئے معیار پر رکھ کر مودودی صاحب ہمیں نہ بتائیں کہ فلاں چیز کتنی حد تک قابل اعتماد ہے اور کتنی حد تک نہیں......؟ ذرا انصاف سے کہیے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور مسٹر غلام احمد پرویز اس کے سوا اور کیا کہتے ہیں؟ اور پھر یہ ''خدائی معیار'' مودودی صاحب کو کہاں سے حاصل ہوگا، جس پر جانچ جانچ کہ وہ سلف صالحین میں سے ایک ایک فرد کی درجہ بندی کریں گے، (اور جیسی درجہ بندی انہوں نے کردی ہے اس کا کچھ نمونہ تم دیکھ ہی چکے ہو) کیا ان پر نئے سرے سے وحی نازل ہوگی یا چودہ سو سال پیچھے کی طرف زقند لگا کر وہ براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن وسنت سُن لیں گے؟ جب وہ ماضی یا حال کے کسی بھی بزرگ کے واسطہ کے قائل نہیں اور نہ کسی کی ذہنی غلامی کی ذلت اُٹھانے کے لئے تیار ہیں تو آخری خدائی معیار انہیں کس غار سے دستیاب ہوگا۔

۵- تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہمارے آخری دین کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک محفوظ رکھنے کا ذمہ لیا ہے دین کی حفاظت جبھی ہوسکتی ہے جب کہ نصوصِ دین کے الفاظ بھی بغیر کسی تغیر وتبدل کے محفوظ رہیں۔ ان کے معانی بھی محفوظ ہوں۔ پھر ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح خود عمل کرکے دکھایا اور صحابہ کرامؓ سے اپنے سامنے عمل کرایا، وہ بھی محفوظ ہو، اور پھر ان اعمال سے جو اسلامی ذوق، احسانی کیفیت اور دین فہمی کا ملکہ پیدا ہوتا ہے وہ بھی محفوظ رہے۔ غرضیکہ یہ چار چیزیں ہوئیں، الفاظ، معانی، اعمال اور ذوق دین......ہم ذہنی غلامی کے مبتلاؤں کا تو خیال ہی نہیں بلکہ عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ نے یہ چاروں چیزیں بغیر کسی انقطاع کے محفوظ رکھیں اور جن حضرات کے ذریعہ محفوظ رکھیں وہ ہمارے محسن ہیں، مقتدا ہیں، معتمد علیہ ہیں، اور ہم ان کے ذہنی غلام ہیں۔ ممنون احسان ہیں۔ کیونکہ اگر ان حضرات کو درمیان سے ہٹا دیا جائے اور یہ فرض کرلیا جائے کہ فلاں دور میں وہ دین کے الفاظ کو یا معانی کو، یا عمل کو، یا ذوق کو محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے یا یہ کہ ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا تو اس سے پورے دین ہی کی نفی ہوجاتی ہے۔ مگر مودودی صاحب کے نظریہ کے مطابق تو ان چاروں چیزوں میں سے ایک چیز بھی لائق اعتماد نہیں رہی، کیونکہ ماضی اور حال کے بزرگوں کو ذہنی غلامی میں مبتلا ہونے کی ذلت ان کے منصب عالی کے لئے ناقابل برداشت

ہے جس کے لئے وہ کسی طرح بھی آمادہ نہیں......اور اگر ان کی رعایت سے یہ تسلیم بھی کرلیں کہ قرآن وسنت کے الفاظ محفوظ ہیں، تب بھی ان الفاظ کو معنی پہنانے اور ان معانی کو عملی جامہ پہنانے اور پھر ان اعمال ریاضت سے دین کا ذوق نصیب ہونے کے مراحل باقی رہیں گے، اور چونکہ مودودی صاحب کسی بھی انسان کی ذہنی غلامی قبول کرنے پر آمادہ نہیں اس لئے انہیں یہ سارے مراحل بغیر کسی کی راہنمائی کے طے کرنے ہونگے، اسی طرح ان کی جماعت کے ایک ایک فرد کے لئے بھی چونکہ سلف صالحین کی ذہنی غلامی شجرہ ممنوعہ ہے۔ اس لئے انہیں بھی اپنی عقل وفہم کی پرواز سے یہ مرحلے طے کرنے ہوں گے۔ اس سے ان کے دین کا جو حلیہ بنے گا اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں، حاصل یہ کہ جو شخص آج چودہ سو سال پرانے اسلام کے اندر رہنا چاہتا ہے اس کو تو حاملینِ دین سلف صالحین کی ذہنی غلامی کے بغیر چارہ نہیں اور جو شخص اس ذلت کو برداشت نہیں کرسکتا یا نہیں کرنا چاہتا، وہ خواہ کتنا ہی بلند پرواز کیوں نہ ہو اسلام کو......محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام کو......حاصل نہیں کرسکتا۔ اگر سلف صالحین کے قال وحال پر اعتماد کے بغیر اور ان کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہوئے بغیر بھی اسلام کو حاصل کرنے کا کوئی سائنٹفک طریقہ جناب مودودی صاحب نے ایجاد فرمایا ہے اس کے معلوم کرنے کا متمنی ہوں۔ بشرطیکہ وہ مسٹر پرویز اور مرزا غلام احمد قادیانی وغیرہ ملاحدہ کے طریقہ سے ذرا مختلف ہو۔

۶- جناب مودودی صاحب کی شستہ بیانی اور قلم کی روانی کا میں بھی معترف ہوں۔ مگر میرا یہ خیال ہے کہ وہ اپنی بلند پروازی میں ایسے الفاظ بھی استعمال فرماجاتے ہیں جو موقعہ ومحل کے اعتبار سے بالکل ہی بے معنی ہوں۔ مثلاً یہی تنقید سے بالاتر' اور ذہنی غلامی کے الفاظ کو لیجئے۔ یہ اپنے سیاق سباق کے اعتبار سے بالکل مہمل ہیں۔ ذرا غور فرمائیے اگر دین اسلام کی ذہنی غلامی' کوئی عیب نہیں بلکہ لائق صد فخر ہے تو حاملین اسلام، اور سلف صالحین کی پیروی اور ذہنی غلامی' کیوں لائق فخر نہیں، اور اگر دین اسلام ہم ایسے جاہلوں کی تنقید سے بالاتر ہے تو جن حضرات کے واسطے سے ہمیں دین پہنچا ان کا علم وفہم تنقید سے بالاتر کیوں نہ ہوگا۔ ارشاد نبوی: "ان اللہ لایجمع امتی علی ضلالۃ"(۱) (اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع

---

(۱) مشکوۃ المصابیح -باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ -ص۳۰- رقم الحدیث:۱۶۴-ط: ایچ ایم

نہیں کریگا) کا آخر کیا مفہوم ہے۔

ایک طفل مکتب کا تصور کیجئے جو پہلے دن مکتب میں گیا۔ اُستاذ نے اسے بغدادی قاعدہ شروع کرایا ہو جب استاذ نے اس کو' الف، ب کہلایا تو اس کے جواب میں وہ صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضور! میں چودھویں صدی کا مفکر ہوں آپ کی ذہنی غلامی کیوں قبول کروں تو اس صاحبزادے کی تعلیم جس قدر مکمل ہوگی وہ محتاج بیان نہیں......

ہم لوگ صحابہ کرامؓ اور دیگر سلف صالحین کے مقابلہ میں وہ حیثیت بھی نہیں رکھتے جو اس ماڈرن صاحبزادے کی استاذ کے مقابلہ میں تھی، ہمیں دین کی ابجد انہی بزرگوں کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے، ان کی ذہنی غلامی سے انحراف کا نتیجہ بھی اس صاحبزادے سے مختلف نہیں ہوگا۔ خدا مجھے معاف فرمائے۔ میرا یہ خیال ہے کہ سلف صالحین سے کٹ کر اور ان کی ذہنی غلامی کا جوا اتار کر جو لوگ اسلام کا ناک نقشہ مرتب کر رہے ہیں۔ وہ سرے سے اسلام کے قائل ہی نہیں، وہ قرآن اور سنت کے الفاظ بار بار اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ میں کفر والحاد پھیلانے کے لئے اس کے بغیر کام نہیں چلتا، جناب مودودی صاحب کو میں ان لوگوں کی صف کا آدمی تو نہیں سمجھتا، لیکن افسوس ہے کہ مودودی صاحب نے سلف صالحین میں سے ایک ایک فرد کی ذہنی غلامی کی نفی کر کے دورِ حاضر کے ملاحدہ کی ذہنی غلامی کو ترجیح دی ہے، اور انہوں نے آزادروی کا وہی راستہ اپنایا ہے جس پر آج کا ماڈرن طبقہ سرپٹ دوڑ رہا ہے۔

۷- جناب مودودی صاحب سلف صالحین کی اقتدا و اتباع کو ذہنی غلامی کا نام دے کر اس کا مذاق اُڑا رہے ہیں، حالانکہ یہ وہی ذہنی غلامی ہے جس کو قرآن 'سبیل المومنین' قرار دے کر اس کے چھوڑنے والوں کو جہنم رسید کرنے کی دھمکی دیتا ہے اور پھر یہ وہی ذہنی غلامی ہے جس کو قرآن ''الصراط المستقیم'' قرار دے کر اس کی ہدایت کی دعاء تلقین کرتا، اور پھر یہ وہی ذہنی غلامی ہے جس کے لئے مسلمان ناک رگڑ رگڑ کر پنج وقتہ دعائیں کرتے ہیں۔ کتنی مکروہ اور بھونڈی تعبیر ہے۔ جس راستہ پر مقدسین کے قافلوں کے قافلے گزرے ہیں اس کی پیروی کو ذہنی غلامی بتایا جائے۔

تم نے اگر اسلامی دور میں اُبھرنے والے باطل فرقوں کا مطالعہ کیا ہے تو یہ حقیقت تم پر آشکارا ہوگی کہ ان سب کی بنیاد اسی "انا و لاغیری" پر استوار ہوئی، ان سب نے سلف کی ذہنی غلامی سے عار کی اور اپنی عقل

فہم کے بازوؤں پر تخیلات کے جنگل میں پرواز شروع کردی، اور پھر جس کا جدھر منہ اُٹھا اسی سمت اڑتا رہا۔

اسلام میں سب سے پہلا فتنہ عبداللہ بن سبا یہودی نے برپا کیا جس کی بنیاد ہی ''رسول خدا'' کے سوا کسی انسان کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھنے پر تھی، پھر اسی سبائیت کے بطن سے ''فتنہ خوارج'' نے جنم لیا جو بڑی شوخ چشمی سے کہتے تھے کہ حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ نے دین کو نہیں سمجھا، ہم ان سے بہتر سمجھتے ہیں، پھر انہی بنیادوں پر معتزلہ، مرجئہ، قدریہ وغیرہ فرقے پیدا ہوئے ان میں سے ہر ایک نے سلف کی پیروی کو ''ذہنی غلامی'' تصور کیا، فضلّوا و أضلوا۔ دورِ حاضر میں جو نئے نئے فرقے پیدا ہوئے ان میں اصول ونظریات کے اختلاف کے باوجود تمہیں یہی قدر مشترک نظر آئیگی۔ سلف صالحین کا مذاق اُڑانا، ان کے کاموں میں کیڑے نکالنا، ان کی حیثیت کو مجروح کرنا، ان پر تنقیدی نشتر چلانا اوران کی پیروی کو رجعت پسندی، دقیانوسیت، قدامت پرستی، ذہنی غلامی جیسے القاب دینا دَورِ جدید کا فیشن ہے۔ افسوس ہے کہ جناب مودودی صاحب نے بھی اپنی "اسلامی تحریک" کی بنیاد اسی نظریہ پر اُٹھائی ہے۔ ہم جب خارجیوں کے حالات پڑھتے تھے تو ہمیں ان کی جرأت پر تعجب ہوتا تھا کہ وہ ایک ایسی شخصیت کے مقابلے میں دین فہم کا دعویٰ کررہے ہیں جس نے آفتاب اسلام کو اپنی آنکھوں سے طلوع ہوتے دیکھا جو ۲۳ سالہ دورِ نبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق ومعتمد علیہ رہا۔ جو نزول وحی کے ایک ایک واقعہ کا عینی شاہد تھا۔ جس نے اپنی زندگی بچپن سے کہولت تک اسلام پر نثار کردی۔ ان لوگوں کی عقل کو آخر کیا ہوگیا تھا۔ کہ وہ اس کی دین فہمی پر تنقید کرتے تھے۔ مگر تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے آج جناب مودودی صاحب کی تنقیدوں نے (جوانہوں نے حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ کبار پر کی ہیں) خارجیوں سے متعلق ہمارا سارا تعجب دور کردیا۔ مودودی صاحب ہمیں بتاتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ اسلامی نظام کو قائم نہیں رکھ سکتے تھے نہ ان کے بعد کسی کو اس کی توفیق ہوئی اب جناب مودودی صاحب کی تحریک اسلامی، اسلامی نظام برپا کرے گی۔ ان هی الاخارجیة جدیدة حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خدا کے فرشتے حیا کرتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "الا استحی من رجل تستحی منه الملائكة" ۔(۱) ''کیا میں ایسے شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں''۔

---

(۱) مشکوۃ المصابیح –باب مناقب عثمان – ۲/ ۵۶۱ ۔

مگر مودودی صاحب ان سے کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے بلکہ ان پر بے لاگ تنقید کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ کی بے پناہ قربانیوں سے متاثر ہوکر فرماتے ہیں:

"ما علی عثمان ما عمل بعد هذه ما علی عثمان ما عمل بعد هذه". رواه الترمذی.(۱)

"عثمان اس کے بعد جو کچھ بھی کریں ان پر الزام نہیں عثمان اس کے بعد جو کچھ بھی کریں ان پر الزام نہیں"۔

مگر مودودی صاحب ان پر الزامات کی بوچھاڑ کرنے کو سرمایۂ فخر ومباہات سمجھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کو وصیت فرماتے ہیں:

"الله الله فی اصحابی، الله الله فی اصحابی لا تتخذوهم غرضا من بعدی، فمن أحبهم فبحبی أحبهم، ومن أبغضهم فببغضی أبغضهم". ترمذی(۲)

"میرے ساتھیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو ان کو میرے بعد ہدفِ تنقید نہ بنالینا، پس جس نے ان سے محبت کی پس میری محبت کی بناء پر ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی بناء پر ان سے بغض رکھا"۔

لیکن مودودی صاحب ان کی تنقید کو چھلنی میں چھاننا ضروری سمجھتے ہیں۔ ہر کس وناکس کو ان پر تنقید کا حق دیتے ہیں ان کی عیب چینی کر کے اُمت کو ان سے نفرت وبغض رکھنے کی تلقین کرتے ہیں کہ لوگ ان کی ذہنی غلامی سے دست بردار ہوجائیں، یہ جدید رنگ میں اسی خارجیت کا احیاء ہے۔ جو صحابہؓ کے دَور میں اُبھری تھی، ولعن اخر الامة أولها (اور امت کے پچھلے لوگ پہلوں پر لعن طعن کریں گے حدیث نبوی)

اس تحریر کو فقیہ الامت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر ختم کرتا ہوں تا کہ ان کے ارشاد سے مودودی صاحب کے فرامین کا "معیارِ حق"، تمہیں معلوم ہوسکے۔

---

(۱) المرجع السابق.

(۲) المرجع السابق.

عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه قال من كان مستنا فليستن بمن قدمات فإن الحی لایومن علیه الفتنة اولئک اصحاب محمد صلی اللهعليه وسلم كانوا افضل هذه الأمة أبرها قلوبا وأعمقها علما وأقلها تكلفا اختارهم الله لصحبة نبيه ولإقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوا على اثرهم وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرتهم فإنهم كانوا على الهدى المستقيم .رواه رزين (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے جس کو کسی اقتدا کرنی ہو تو ان حضرات کی اقتدا کرے جو فوت ہو چکے ہیں کیوں کہ زندہ آدمی فتنہ کے اندیشہ سے مامون نہیں میری مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں، یہ حضرات ساری امت سے افضل تھے سب سے زیادہ پاک دل تھے علم میں سب سے گہرے اور سب سے کم تکلف تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ورفاقت اپنے دین کی اقامت وحمایت کے لیے ان کو منتخب فرمایا لہٰذا ان کے فضل وکمال کو پہچانو، ان کے نقش قدم پر چلو، جہاں تک ممکن ہو ان کی سیرت واخلاق کو اپناؤ کیوں کہ وہ سیدھی ہدایت پر تھے۔

حق تعالیٰ شانہ ہمیں اور پوری امت کو اس زرین نصیحت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور صراط مستقیم پر قائم رکھے۔

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

بینات-ذوالحجہ ۱۴۰۶ھ

---

(۱) مشكوة المصابيح - كتاب الايمان - باب الاعتصام بالكتاب والسنة - ص ۳۲ - ط: قديمی.

معیارِ حق۔ عصمت وحفاظت۔ تنقید صحابہ

استفتاء

۱۔ معیارِ حق کی تعریف وتشریح کیجئے۔

۲۔ کیا صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین معیارِ حق ہیں؟ اگر معیارِ حق ہیں تو ان کے درمیان جو اختلاف آتا ہے اس وقت ایک رائے کو لینے اور دوسری رائے کو چھوڑنے سے معیارِ حق پر اثر نہیں پڑے گا۔

۳۔ کیا رضاء الٰہی کی وجہ سے گناہوں سے حفاظت ہوتی ہے جیسا کہ عصمت سے ہوتی ہے؟

۴۔ کیا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تنقید کرنا جائز ہے؟ اگر ہے تو کسی نے کسی صحابی پر تنقید کی ہے؟

۵۔ اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تنقید جائز سمجھی جائے تو آیت کریمہ پر اثر نہیں پڑے گا؟

"واعلموا أن فيكم رسول الله لو يطيعكم في كثير من الأمر لعنتم ولكن الله حبب اليكم الإيمان وزينهٗ في قلوبكم وكرّہ اليكم الكفر والفسوق والعصيان". آلاية (الحجرات :۷)

۶۔ کیا ایسی بھی کوئی جگہ ہے کہ صحابہ کی رائے ہوتے ہوئے کسی نے اپنی رائے پر عمل کیا ہو اور صحابی کی رائے کو چھوڑ دیا ہو۔؟

الجواب باسمہ تعالیٰ

۱۔ معیارِ حق کوئی قرآنی یا حدیثی، فقہی اصطلاح نہیں، ایک خاص مفہوم کے پیش نظر ادبی وانشائی طور پر یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ "کل يؤخذ من قوله و يترک إلا صاحب هذا القبر صلى الله عليه وسلم" ۔جیسا کہ امام مالکؒ کا مقولہ ہے۔ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن اس کو جس مفہوم میں استعمال کرنے کے بعد اس سے جو نتائج نکالے جارہے ہیں، اکثر صحیح نہیں ہے۔

۲۔سنت اور بدعت کے درمیان بنیادی فرق یہی ہے، کہ جو عہد نبوت اور عہد خلافت راشدہ وعہد صحابہ میں دین کا جزو نہ بن سکا۔(۱)

اس لئے احادیث میں سنت نبویہ اور سنت خلفاء راشدین کے تمسک کا حکم دیا گیا (۲) اور صحابہ کے بارے میں تصریح فرمادی گئی کہ جو دین کا کام وہ کریں گے وہ غلط نہیں ہوسکتا وہ بدعت نہ ہوگی۔ اگر اختلاف پایا جائے تو ان میں سے کسی کو بھی اختیار کیا جائے تو خروج عن الدین نہ ہوگا۔ (۳) اور اگر سب متفق ہوگئے تو صورت اجماع کی ہوجاتی ہے، اتباع اس کی فرض ہوجاتی ہے اب کوئی شخص یہ کہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معیار حق نہیں ہیں، صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معیار حق ہیں تو اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اگر حدیث نبوی موجود نہیں تو تعامل صحابہ یا سنت صحابہ حجت نہیں یہ کتنی غلط بات ہوگی اور اس پر مستزاد یہ بھی کہا جائے کہ کبھی کبھی انبیاء سے بتقاضائے شریعت ایسی بات ظہور میں آسکتی ہے جو عصمت کے خلاف ہو تو بات انتہائی خطرناک صورت اختیار کرلیتی ہے، گویا نبی باوجود عصمت کے احیاناً غیر معصوم ہوسکتا ہے اس طرح عصمت سے بھی امان اُٹھ جاتا ہے، ہر وقت یہ احتمال قائم رہتا ہے، کہ اس وقت شاید وہ غیر معصومانہ حالت ہو۔

۳۔رضاء الٰہی سے اتنی بات ضرور ثابت ہوجاتی ہے کہ صحابی سے کوئی بات ایسی ظاہر نہیں ہوسکتی ہے جو نجات کے منافی ہو اگر کوئی شخص غیر معصوم بھی ہو تو یہ کیا ضروری ہے کہ وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کام کرے گا؟ اور گناہ بھی کرے گا؟ بہت سے صالحین امت غیر معصوم ہیں، لیکن اس کے باوجود ان سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ عصمت سے گناہ کا صدور ہو نہیں سکتا، رضاء کا ثمرہ یہ ہے کہ گناہ ہوتا نہیں اگرچہ ناممکن نہ ہونے کا امکان ہے۔ لیکن کسی چیز کے امکان کے لئے کیا یہ ضروری ہے کہ واقع ہوجائے۔ بہرحال

---

(۱) "الابداع فی مضار الابتداع ،للشیخ علی محفوظ– طریقة ثانیة فی معنی البدعة" –ص:۱۷،
ط:المکتبة العلمیة بالمدینة المنورة، ۱۳۹۱ھ، ولفظه: "ما احدث بعده صلی الله علیه وسلم أو بعد القرون المشهود لهم بالخیر خیرا کان او شرا عبادة او عادة وهی مایراد به عرض دنیوی ... الخ".

(۲) سنن الترمذی – ابواب المناقب– باب من سب اصحاب النبی –۲/۲۲۵.

(۳) مشکوة المصابیح ،باب الاعتصام بالکتاب والسنة ، الفصل الثانی ،عن العرباض بن ساریة — فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین– ۱/۲۹،۳۰.

اس کو محفوظ کہیں یا اور کوئی لفظ اس حقیقت کو ظاہر کرے۔

۴۔صحابہ ہماری تنقید سے بالاتر ہیں۔"اللہ، اللہ فی اصحابی لا تتخذوهم غرضاً من بعدی"......الخ وغیرہ احادیث میں تصریح ہے۔(۱)

۵۔جواب نمبر۴ سے جواب معلوم ہوگیا تنقید جائز نہیں۔

۶۔بظاہر اس کی نظیر اختلافات ائمہ میں نہیں ملے گی، کہ حدیث میں کوئی تصریح نہ ہو، اور پھر صحابہ میں ان کا تعامل موجود ہو، اس کو ترک کردیا جائے، اور صرف اپنی رائے سے کام لیا جائے، البتہ اس کے نظائر بہت ہیں، کہ صحابہ میں آراء کا اختلاف رہا' ان میں کسی ایک کو ترک کیا گیا، اور دوسرے کو اختیار کیا گیا۔اس وقت بہت عجلت میں یہ چند سطریں لکھ سکا، مزید تفصیل ودلائل کی اس وقت فرصت نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بینات- ذوالقعدہ ۱۳۸۵ھ

---

(۱)مشکوۃ المصابیح ،باب مناقب الصحابة ، الفصل الثالث،-۲/ ۵۵۴. وفيه ايضاً. عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال: سمعت رسول اللّٰهيقول: سألت ربى عن اختلاف اصحابى من بعدى فاوحى الى يا محمد! ان اصحابك عندى بمنزلة النجوم فى السماء بعضها اقوى من بعض ولكل نور فمن اخذ بشئ مما هم عليه من اختلافهم فهو عندى على هدى ".

رفع الالتباس عن علی والعباس (رضی اللہ عنہما)

حضرت عباس اور حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہما)
کے بارے میں چند شبہات کا ازالہ

محترم المقام جناب یوسف لدھیانوی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قاضی ابوبکر ابن العربیؒ ۴۶۸ھ تا ۵۴۳ھ اپنی کتاب ''العواصم من القواصم'' کے ایک باب میں رقم طراز ہیں۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ایک کمر توڑ حادثہ تھا۔ اور عمر بھر کی مصیبت۔ کیونکہ حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ کے گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے''۔

''اور حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے دوران اپنی الجھن میں پڑ گئے۔ حضرت عباسؓ نے حضرت علی سے کہا کہ موت کے وقت بنی عبدالمطلب کے چہروں کی جو کیفیت ہوتی ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی دیکھ رہا ہوں۔ سو آؤ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں اور معاملہ ہمارے سپرد ہو تو ہمیں معلوم ہو جائے گا''۔

''پھر اس کے بعد حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں اُلجھ گئے وہ فدک، بنی نضیر اور خیبر کے ترکہ میں میراث چاہتے تھے''۔

ائمہ حدیث کی روایت کے مطابق حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا تھا کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوقاف کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا جھگڑا لے کر آئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''اے امیر المومنین میرے اور اس .... کے درمیان فیصلہ کرا دیں''۔

دیگر جگہ پر ہے کہ آپس میں گالی گلوچ کا.........."۔(ابن حجر، فتح الباری)

''حضرت علیؓ بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری بیماری میں مبتلا تھے لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ اے ابوالحسن! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کیسی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اب آپ پہلے سے اچھی حالت میں ہیں۔ تو حضرت عباس نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: ''خدا کی قسم تین روز کے بعد آپ پر لاٹھی کی حکومت ہوگی۔ مجھے معلوم ہورہا ہے کہ اس بیماری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات عنقریب ہونے والی ہے۔ کیونکہ بنی عبدالمطلب کے چہروں کی جو کیفیت موت کے وقت ہوتی ہے وہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معلوم ہورہی ہے۔ آؤ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں اور آپ سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ آپ ہمیں خلافت دے جائیں تو بھی ہمیں معلوم ہوجائے اور اگر آپ کسی اور کو خلافت دے دیں تو پھر ہمارے متعلق اس کو وصیت کرجائیں''، تو حضرت علیؓ نے کہا ''خدا کی قسم اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کریں اور آپ ہم کو نہ دیں تو پھر لوگ ہم کو کبھی نہ دیں گے اور میں تو خدا کی قسم اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز سوال نہ کروں گا یہ حدیث صحیح بخاری کتاب المغازی اور'' البدایہ والنہایہ'' میں ابن عباسؓ سے مروی ہے اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔

سوالات:

۱......حضرت علی (رضی اللہ عنہ) چھپ کر کیوں بیٹھ گئے تھے؟

۲......کیا ان دونوں کو مال ودولت کی اس قدر حرص تھی کہ بار بار ترکہ مانگتے تھے جبکہ ان کو حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے علم کرادیا تھا کہ اس مال کی حیثیت ترکے کی نہیں۔ تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔

۳......یہ جھگڑا ان دونوں کو نہ صرف مال ودولت کا حریص ثابت کرتا ہے بلکہ اخلاقی پستی کی

طرف بھی اشارہ ملتا ہے کیونکہ گالی گلوچ شرفاء کا وطیرہ نہیں ...."۔

۴...... "تین روز کے بعد آپ پر لاٹھی کی حکومت ہوگی"۔اس عبارت کو واضح کریں۔

۵...... حضرت عباسؓ کو کیسی فکر پڑی ہے کہ خلافت ملے، نہ ملے تو وصیت ہی ہو جائے کہ ان کے مفادات محفوظ ہو جائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری اور وفات کا صدمہ اگر غالب ہوتا تو یہ خیالات اور یہ کاروائیاں کہاں ہوتیں؟

۶...... خط کشیدہ الفاظ سے تو حضرت علیؓ کا ارادہ یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکار ہی کیوں نہ کر دیں، انہیں خلافت درکار رہے اور یہ بھی کہ انہیں احتمال یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمادیں گے اسی لئے کہتے ہیں کہ میں نہ سوال کروں گا (اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس خلافت کو حاصل کرونگا) خط کشیدہ الفاظ اگر یہ مفہوم ظاہر نہیں کرتے تو پھر کیا ظاہر کرتے ہیں؟ امید ہے کہ جواب جلد ارسال فرمائیں گے فقط والسلام

محمد ظہور الاسلام

الجواب باسمہ تعالیٰ

سوالات پر غور کرنے سے پہلے چند امور بطور تمہید عرض کر دینا مناسب ہے۔

اول: اہل حق کے نزدیک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی کی تحقیر و تنقیص جائز نہیں۔ بلکہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو عظمت و محبت سے یاد کرنا لازم ہے۔ کیونکہ یہی اکابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان واسطہ ہیں۔ امام اعظمؒ اپنے رسالہ "فقہ اکبر" میں فرماتے ہیں:

"ولا نذكر الصحابة(وفي نسخة ولا نذكر احدا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم) الابخير". (۱)

"اور ہم صحابہ کرامؓ کو (......اور ایک نسخہ میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

(۱) الفقه الاكبر للإمام الاعظم أبي حنيفة النعمان بن ثابت الكوفي مع شرحه للملاعلى القارى – ص۱۰۱ – ط: دار الباز للنشر والتوزيع، مكة المكرمة.

اصحابؓ میں سے کسی کو) خیر کے سوا یاد نہیں کرتے''۔

امام طحاویؒ اپنے ''عقیدہ'' میں فرماتے ہیں:

"ونحب اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا نفرط في حب احد منهم ولا نتبرأ من أحد منهم ونبغض من يبغضهم وبغير الخير يذكرهم وحبهم دين وايمان واحسان. وبغضهم كفر ونفاق وطغيان". (۱)

''اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے محبت رکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی کی محبت میں افراط وتفریط نہیں کرتے۔ اور نہ کسی سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور ہم ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو ان میں سے کسی سے بغض رکھے یا ان کو ناروا الفاظ سے یاد کرے۔ ان سے محبت رکھنا دین وایمان اور احسان ہے۔ اور ان سے بغض رکھنا کفر ونفاق اور طغیان ہے''۔

امام ابوزرعہ عبید اللہ بن عبد الکریم الرازیؒ (المتوفی ۲۶۴ھ) کا یہ ارشاد بہت سے اکابر نے نقل کیا ہے کہ:

"اذا رأيت الرجل ينتقص احدا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم انه زنديق. لان الرسول صلى الله عليه وسلم عندنا حق. والقرآن حق، وانما ادى الينا هذا القرآن والسنن، اصحابُ رسول الله صلى الله عليه وسلم وانما يريدون ان يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة والجرح بهم اولىٰ، وهم زنادقة". (۲)

---

(۱) العقيدة الطحاوية للإمام أبي جعفر احمد بن محمد الطحاوي مع شرحه للشيخ محمد بن ابي العز الدمشقي –ماورد من الايات في الثناء على الصحابة– ۲/ ۶۸۹ –ط: مؤسسة الرسالة بيروت.

(۲) مقدمة العواصم من القواصم –اصحاب رسول الله ﷺ عدول ..... الخ ص: ۳۸.

وكذا في مقدمة كتاب الإصابة في تميز الصحابة للعسقلاني – الفصل الثالث في بيان حال الصحابة من العدالة– ۱/ ۱۰ – ط: مطبعة السعادة بجوار محافظة مصر.

''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نزدیک حق ہیں۔ اور قرآن کریم حق ہے۔ اور قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات ہمیں صحابہ کرامؓ نے ہی پہنچائے ہیں، یہ لوگ صحابہ کرامؓ پر جرح کرکے ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں تاکہ کتاب وسنت کو باطل کردیں۔ حالانکہ یہ لوگ خود جرح کے مستحق ہیں۔ کیونکہ وہ خود زندیق ہیں''۔

یہ تو عام صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں اہل حق کا عقیدہ ہے جبکہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا شمار خواص صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ حضرت عباسؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ''عمی وصنو ابی'' فرمایا کرتے تھے۔ یعنی ''میرے چچا اور میرے باپ کی جگہ''۔ اور ان کا بے حد اکرام فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے وسیلہ سے استسقاء (بارش کی دعاء) کرتے تھے۔ ان کے علاوہ حدیث کی کتابوں میں ان کے بہت سے فضائل ومناقب وارد ہیں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے فضائل ومناقب تو حد شمار سے خارج ہیں۔ ان کے دیگر فضائل سے قطع نظر وہ اہل حق کے نزدیک خلیفۂ راشد ہیں۔

قاضی ابوبکر بن العربی ''العواصم من القواصم'' میں جس کا حوالے آپ نے سوال میں درج کئے ہیں لکھتے ہیں:

''وقتل عثمان، فلم يبق على الأرض احق بها من علي. فجاء ته على قدر في وقتها ومحلها. وبين الله على يديه من الاحكام والعلوم ما شاء الله ان يبين. وقد قال عمر: لو لا علي لهلك عمر. وظهر من فقهه وعلمه في قتال اهل القبلة من استد عائهم ومناظرتهم. وترك مبادرتهم والتقدم اليهم قبل نصب الحرب معهم. وندائه: لانبدأ بالحرب. ولا يتبع مولّ ولا يجهز على جريح ولا تهاج امراة ولا نغنم لهم مالاً وامرهُ بقبول شهادتهم والصلوة خلفهم حتى قال اهل العلم: لو لا ماجرى ما عرفنا قتال اهل البغي''. (۱)

(۱) العواصم من القواصم في تحقيق مواقف الصحابة بعد وفاة النبي ﷺ للقاضي ابن العربي (المتوفى: ۵۴۳ھ) - خلافة علي - ص ۱۳۱ - ط: دار الكتب العلمية بيروت.

''اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو روئے زمین پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی خلافت کا مستحق نہیں تھا، چنانچہ نوشتۂ الٰہی کے مطابق خلافت انہیں اپنے ٹھیک وقت میں ملی۔ اور برمحل ملی۔ اور ان کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے ان احکام وعلوم کا اظہار فرمایا جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا''۔ ''اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہوجاتا''۔ اور اہل قبلہ سے قتال میں ان کے علم وتفقہ میں سے بہت سے امور ظاہر ہوئے۔ مثلاً انہیں دعوت دینا۔ ان سے بحث ومناظرہ کرنا، ان سے لڑائی میں پہل نہ کرنا۔ اور ان سے جنگ کرنے سے قبل یہ اعلان کرنا کہ ہم جنگ میں ابتداء نہیں کریں گے، بھاگنے والے کا تعاقب نہیں کیا جائے گا، کسی زخمی کو قتل نہیں کیا جائے گا، کسی خاتون سے تعرض نہیں کیا جائے گا، اور ہم ان کے مال کو غنیمت نہیں بنائیں گے۔ اور آپ کا یہ حکم فرمانا کہ اہل قبلہ کی شہادت مقبول ہوگی۔ اور ان کی اقتداء میں نماز جائز ہے وغیرہ، حتی کہ اہل علم کا قول ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اہل قبلہ سے قتال کے یہ واقعات پیش نہ آتے تو ہمیں اہل بغی کے ساتھ قتال کی صورت ہی معلوم نہ ہوسکتی''۔

پس جس طرح ایک نبی کی تکذیب پوری جماعت انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب ہے۔ کیونکہ یہ دراصل وحی الٰہی کی تکذیب ہے۔ ٹھیک اسی طرح کسی ایک خلیفہ راشد کی تنقیص خلفائے راشدین کی پوری جماعت کی تنقیص ہے۔ کیونکہ یہ دراصل خلافت نبوت کی تنقیص ہے۔ اسی طرح جماعت صحابہؓ میں سے کسی ایک کی تنقیص وتحقیر پوری جماعت صحابہؓ پر تنقیص ہے کیونکہ یہ دراصل صحبت نبوت کی تنقیص ہے۔ اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''الله الله فی اصحابی لا تتخذوهم غرضا بعدی فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم''. (۱)

---

(۱) جامع الترمذی للامام ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی—ابواب المناقب —فی من سب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم – ۲/۲۲۵ ط—ایچ ایم سعید .

''میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو۔ ان کو میرے بعد ہدف ملامت نہ بنالینا پس جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے اُن سے بغض رکھا''۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت رکھنا اور انہیں خیر کے ساتھ یاد کرنا لازم ہے۔ خصوصاً حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نیابتِ نبوت کا منصب حاصل ہوا۔ اسی طرح وہ صحابہ کرامؓ جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں مُحب ومحبوب ہونا ثابت ہے، ان سے محبت رکھنا حب نبوی کی علامت ہے۔ اس لئے امام طحاویؒ اس کو دین وایمان اور احسان سے تعبیر فرماتے ہیں۔ اوران کی تنقیص وتحقیر کو کفر ونفاق اور طغیان فرماتے ہیں۔

دوم: ایک واقعہ کے متعدد اسباب وعلل ہوسکتے ہیں۔ اور ایک قول کی متعدد توجیہات ہوسکتی ہیں۔ اس لئے ہمیں کسی واقعہ پر گفتگو کرتے ہوئے یا کسی کے قول کی توجیہ کرتے ہوئے صاحب واقعہ کی حیثیت ومرتبہ کو ملحوظ رکھنا لازم ہوگا۔ مثلاً ایک مسلمان یہ فقرہ کہتا ہے کہ مجھے فلاں ڈاکٹر سے شفا ہوئی تو قائل کے عقیدہ کے پیش نظر اس کو کلمۂ کفر نہیں کہا جائے گا۔ لیکن یہ فقرہ اگر کوئی دہریہ کہتا ہے تو یہ کلمہ کفر ہوگا۔ یا مثلاً کسی پیغمبر کی توہین وتذلیل اور اس کی ڈاڑھی نوچنا کفر ہے لیکن جب ہم یہی واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پڑھتے ہیں تو ان کی شان وحیثیت کے پیش نظر کسی کو اس کا وسوسہ بھی نہیں آتا۔

سوم: جس چیز کو آدمی اپنا حق سمجھتا ہے اس کا مطالبہ کرنا، نہ کمال کے منافی ہے اور نہ اسے حرص پر محمول کرنا صحیح ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد حضرت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ کر کون کامل ومخلص ہوگا۔ لیکن حقوق میں بعض اوقات ان کے درمیان بھی منازعت کی نوبت آتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان فیصلے فرماتے تھے۔ مگر نہ اس پر نکیر فرماتے تھے کہ یہ منازعت کیوں ہے؟ اور نہ حق طلبی کو حرص کہا جاتا ہے۔

چہارم: اجتہادی رائے کی وجہ سے فہم میں خطا ہوجانا لائق مواخذہ نہیں۔ اور نہ یہ کمال واخلاص کے منافی ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام باجماع اہل حق معصوم ہیں مگر اجتہادی خطا کا صدور

ان سے بھی ممکن ہے، لیکن ان پر چونکہ وحی الٰہی اور عصمت کا پہرہ رہتا ہے اس لئے انہیں خطاء اجتہادی پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا۔ بلکہ وحی الٰہی فوراً انہیں متنبہ کردیتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ دیگر کاملین معصوم نہیں۔ ان سے خطائے اجتہادی سرزد ہوسکتی ہے۔ اور ان کا اس پر برقرار رہنا بھی ممکن ہے۔ البتہ حق واضح ہوجانے کے بعد وہ حضرات بھی اپنی خطائے اجتہادی پر اصرار نہیں فرماتے بلکہ بغیر جھجک کے اس سے رجوع فرمالیتے ہیں۔

پنجم: رائے کا اختلاف ایک فطری امر ہے اور کاملین و مخلصین کے درمیان اختلاف رائے کی وجہ سے کشاکشی اور شکر رنجی پیدا ہوجانا بھی کوئی مستبعد امر نہیں بلکہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے، قیدیان بدر کے قتل یا فدیہ کے بارے میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کے درمیان شرعاً و عقلاً جو اختلاف رائے ہوا وہ کس کو معلوم نہیں، لیکن محض اس اختلاف رائے کی وجہ سے کسی کا نام دفتر اخلاص و کمال سے نہیں کاٹا گیا، باوجودیکہ وحی الٰہی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر...... جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید حاصل تھی...... رحیمانہ عتاب بھی ہوا مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضل و کمال اور صدیقیت کبریٰ میں کوئی ادنیٰ فرق بھی آیا اسی طرح بنوتمیم کا وفد جب بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا تو اس مسئلہ پر کہ ان کا رئیس کس کو بنایا جائے، حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف رائے ہوا، جس کی بناء پر دونوں کے درمیان تلخ کلامی تک نوبت پہنچی، اور سورۂ حجرات کی ابتدائی آیات اس سلسلہ میں نازل ہوئیں اس کے باوجود ان دونوں بزرگوں کے قرب و منزلت اور محبوبیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

الغرض اس کی بیسیوں نظیریں مل سکتی ہیں کہ انتظامی امور میں اختلاف رائے کی بناء پر کشاکشی اور تلخی تک نوبت آسکتی ہے مگر چونکہ ہر شخص اپنی جگہ مخلص ہے اس لئے یہ کشاکشی ان کے فضل و کمال میں رخنہ انداز نہیں سمجھی جاتی۔

ششم: حکومت و امارت ایک بھاری ذمہ داری ہے اور اس سے عہدہ برآ ہونا بہت ہی مشکل اور دشوار ہے اس لئے جو شخص اپنے بارے میں پورا اطمینان نہ رکھتا ہو کہ وہ اس عظیم ترین ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکے گا یا نہیں اس کے لئے حکومت و امارات کی طلب شرعاً و عرفاً مذموم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا ارشادِ گرامی ہے:

"انکم ستحرصون علی الأمارة وستکون ندامة یوم القیامة فنعم المرضعة وبئست الفاطمة". (۱)

"بے شک تم امارت کی حرص کروگے اور عنقریب یہ قیامت کے دن سراپا ندامت ہوگی۔ پس یہ دودھ پلاتی ہے تو خوب پلاتی ہے۔ اور دودھ چھڑاتی ہے تو بری طرح چھڑاتی ہے"۔

لیکن جو شخص اس کے حقوق ادا کرنے کی اہلیت وصلاحیت رکھتا ہو اس کے لئے اس کا مطالبہ شرعاً وعقلاً جائز ہے۔ اور اگر وہ کسی خیر کا ذریعہ ہو تو مستحسن ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کا ارشاد قرآن کریم میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے شاہ مصر سے فرمایا تھا:

"اجعلنی علی خزائن الأرض انی حفیظ علیم". (یوسف:۵۵)

"ملکی خزانوں پر مجھ کو مامور کردو۔ میں ان کی حفاظت رکھوں گا۔ اور خوب واقف ہوں"۔

اور قرآن کریم ہی میں سیدنا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا بھی نقل کی گئی ہے:

"رب اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی انک انت الوھاب". (صٓ:۳۵)

"اے میرے رب میرا (پچھلا) قصور معاف کر اور (آئندہ کے لئے) مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا (میرے زمانہ میں) کسی کو میسر نہ ہو"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت و نیابت، جسے اسلام کی اصطلاح میں "خلافت راشدہ" کہا جاتا ہے۔ ایک عظیم الشان فضیلت ومنقبت اور حسب ذیل وعدہ الٰہی کی مصداق ہے:

"وعد الله الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکّنن لھم دینھم الذی ارتضی

---

(۱) صحیح البخاری – کتاب الاحکام – باب مایکرہ من الحرص علی الامارة – ۱۰۵۸/۲.

لهم وليبدّلنّهم من بعد خوفهم امنا. يعبدوننى لا يشركون بى شيئا". (النور: ۵۵)

"(اے مجموعہ امت) تم میں جولوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمائے گا۔ جیسا ان سے پہلے (اہل ہدایت) لوگوں کو حکومت دی تھی۔ اور جس دین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند کیا (یعنی اسلام) اس کو ان کے (نفع آخرت) کے لئے قوت دے گا۔ اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل با من کردے گا۔ بشرطیکہ وہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں"۔ (بیان القرآن)

جو شخص اس خلافت کی اہلیت رکھتا ہو اس کے لئے اس کے حصول کی خواہش مذموم نہیں۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کے فضل و کمال کو حاصل کرنے کی فطری خواہش ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں یہ اعلان فرمایا کہ "میں یہ جھنڈا کل ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اس سے محبت رکھتے ہیں" تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر شخص اس فضیلت کو حاصل کرنے کا خواہشمند تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ماأحببت الامارة الا يومئذ. قال: فتساورت لها رجاء أن أدعىٰ لها. قال: فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم على بن أبى طالب فأعطاه إياها". (۱)

"میں نے اس دن کے سوا امارت کو کبھی نہیں چاہا۔ پس میں اپنے آپ کو نمایاں کر رہا تھا۔ اس امید پر کہ میں اس کے لئے بلایا جاؤں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور وہ جھنڈا ان کو عنایت فرمایا"۔

ظاہر ہے کہ اس موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ

---

(۱) الصحيح لمسلم –كتاب الفضائل –باب مناقب على بن ابى طالب –۲/ ۲۷۹ –ط: قديمى.

خواہش کرنا کہ امارت کا جھنڈا انہیں عنایت کیا جائے اس بشارت اور اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے تھا۔ شیخ محی الدین نوویؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"انما كانت محبته لها لما دل عليه الامارة من محبته لله ولرسول الله صلى الله عليه وسلم ومحبتهما له والفتح على يديه".(۱)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس دن یارات کی محبت وخواہش کرنا اس وجہ سے تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبّ ومحبوب ہونے کی دلیل تھی۔ اور اس شخص کے ہاتھ پر فتح ہونے والی تھی''۔

الغرض خلافتِ نبوت ایک غیر معمولی شرف، امتیاز اور مجموعہ فضائل وخواص ہے۔ جو حضرات اس کے اہل تھے اور انہیں اس کا پورا اطمینان تھا کہ وہ اس کے حقوق ان شاء اللہ پورے طور پر ادا کرسکیں گے ان کے دل میں اگر اس شرف وفضیلت کے حاصل کرنے کی خواہش ہوتو اس کو ''خواہش اقتدار'' سے تعبیر کرنا جائز نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ کارِ نبوت میں شرکت اور جارحہ نبوی بننے کی حرص کہلائے گی۔ مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''ایام خلافت بقیہ ایام نبوت بودہ است۔ گویا در ایام نبوت حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم تصریحاً بزبان مے فرمود۔ ودر ایام خلافت ساکت نشستہ بدست وسر اشارہ مے فرماید''۔(۲)

''خلافت راشدہ کا دور دورِ نبوت کا بقیہ تھا۔ گویا دورِ نبوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صراحتاً ارشادات فرماتے تھے۔ اور دورِ خلافت میں خاموش بیٹھے ہاتھ اور سر کے اشارے سے سمجھاتے تھے''۔

ان مقدمات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینے کے بعد اب اپنے سوالات پر غور فرمائیے:

---

(۱) شرح مسلم للنواوی – باب مناقب علی بن أبی طالب رضی اللّٰہ عنہ – ۲/۲۷۹.

(۲) ازالۃ الخفاء – مقصد اول۔ فصل ششم در عمومات وتعریضات قرآنی...... الخ – ۱/۲۵ – ط: سھیل اکیڈمی لاھور

۱-حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گھر میں بیٹھ جانا:

قاضی ابوبکر بن العربیؒ نے پہلا قاصمہ (کمر توڑ حادثہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کو قرار دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ اس ہوش ربا سانحہ کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سکتہ طاری ہوگیا تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر وارفتگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس پوری عبارت سے واضح ہوجاتا ہے کہ اس قیامت خیز سانحہ کے جو اثرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مرتب ہوئے قاضی ابوبکر بن العربیؒ ان اثرات کو ذکر کر رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس حادثہ کا یہ اثر ہوا تھا کہ وہ گھر میں عزلت نشین ہوگئے تھے۔

آپ نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ کسی محبوب ترین شخصیت کی رحلت کے بعد جہان ان کے لئے تیرہ و تار ہوجاتا ہے۔ ان کی طبیعت پر انقباض وافسردگی طاری ہوجاتی ہے۔ اور دل پر ایک ایسی گرہ بیٹھ جاتی ہے جو کسی طرح نہیں کھلتی۔ ان کی طبیعت کسی سے ملنے یا بات کرنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوتی۔ وہ کسی قسم کے جزع فزع یا بے صبری کا اظہار نہیں کرتے لیکن طبیعت ایسی بجھ جاتی ہے کہ مدتوں تک معمول پر نہیں آتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی محبوب اس خطۂ ارضی پر نہیں ہوا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ کر کوئی عاشقِ زار اس چشم فلک نے نہیں دیکھا ہمیں تو ان اکابر کے صبر وتحمل پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس عشق ومحبت کے باوجود یہ حادثہ عظیمہ کیسے برداشت کرلیا، لیکن آپ اُنہیں عُشاق کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ وہ گھر میں چھپ کر کیوں بیٹھ گئے تھے؟

راقم الحروف نے اپنے اکابر کو دیکھا ہے کہ جب درسِ حدیث کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے سانحہ کبریٰ کا باب شروع ہوتا تو آنکھوں سے اشکہائے غم کی جھڑی لگ جاتی، آواز گلوگیر ہوجاتی اور بسا اوقات رونے کی ہچکیوں سے گھگھی بندھ جاتی .... جب چودہ سو سال بعد اس حادثہ جانکاہ کا یہ اثر ہے تو جن عُشاق کی آنکھوں کے سامنے یہ سب کچھ بیت گیا، سوچنا چاہئے کہ ان کا کیا حال ہوا ہوگا۔

رفتم واز رفتن من عالمے ویران شد　　من مگر شمعم چوں رفتم بزم برہم ساختم

خاتون جنت، جگر گوشۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتی تھیں ''انس تم نے کیسے گوارا کرلیا کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالو'' (۱)

اور مسند احمد کی روایت میں ہے تم نے کیسے گوارا کرلیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر کے خود لوٹ آؤ (حیاۃ الصحابہ، ص ۳۲۸) (۲)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر ہوئی تو فرمایا آہ! میری کمر ٹوٹ گئی۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ مسجد میں پہنچے مگر کسی کو توقع نہ تھی کہ وہ مسجد تک آسکیں گے (حیاۃ الصحابہ، ج۔۲، ص۔۳۲۳) (۳)

اگر ہم درد کی اس لذّت اور محبت کی اس کسک سے ناآشنا ہیں تو کیا ہم سے یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ جن حضرات پر یہ قیامت گذر گئی تو ہم ان کو معذور ہی سمجھ لیں۔

اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں بیٹھ جانے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جمعہ، جماعت اور دینی ومعاشرتی حقوق وفرائض ہی کو چھوڑ بیٹھے تھے۔ شیخ محب الدین الخطیب ''حاشیہ العواصم'' میں لکھتے ہیں:

''واضاف الحافظ ابن کثیر فی البدایۃ والنہایۃ (۵: ۲۴۹) ان علیا لم ینقطع عن الصلوات خلف الصدیق وخرج معه الی ذی القصة لما خرج الصدیق شاهرا سیفهٗ یرید قتال اهل الردة''. (۴)

''اور حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں اس پر اتنا اضافہ کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا سلسلہ

---

(۱) صحیح البخاری - کتاب المغازی - باب مرض النبی ﷺ ووفاته - ۲/ ۶۴۱.

(۲) حیاة الصحابة للشیخ محمد یوسف الدهلوی - باب کیف خرج الصحابة عن الشهوات ماقالت الصحابة علی وفاته ﷺ - ۲/ ۳۲۷، ۳۲۸ - ط: مجلس دائرة المعارف حیدر آباد دکن، الهند.

(۳) حیاة الصحابة - حال الصحابة عند وفاته ﷺ وبکاؤهم علی فراقه - ۲/ ۳۲۳.

(۴) حاشیة العواصم ......: ۳۸.

ترک نہیں فرمایا تھا، نیز جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مرتدین سے قتال کرنے کے لئے تلوار سونت کر ''ذی القصہ'' تشریف لے گئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بھی ان کے ساتھ نکلے تھے''۔

پس جب آپ سے نہ دین ومعاشرتی فرائض میں کوتاہی ہوئی اور نہ نصرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں ان سے کوئی ادنیٰ تخلف ہوا تو کیا اس بناء پر کہ شدت غم کی وجہ سے ان پر خلوت نشینی کا ذوق غالب آ گیا تھا، آپ انہیں موردالزام ٹھہرائیں گے؟

۲-طلب میراث:

جہاں تک بار بار ترکہ مانگنے کا تعلق ہے، یہ محض غلط فہمی ہے۔ ایک بار صدیقی دور میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ترکہ ضرور مانگا تھا۔ اور بلاشبہ یہ ان کی اجتہادی رائے تھی جس میں وہ معذور تھے اسے اپنا حق سمجھ کر مانگ رہے تھے، اس وقت نص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ''لا نورث ما ترکناہ صدقۃ''۔ ''ہماری وراثت جاری نہیں ہوتی جو کچھ ہم چھوڑ کر جائیں وہ صدقہ ہے''۔ کا یا تو انکو علم نہیں ہوگا۔ یا ممکن ہے کہ حادثۂ وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے انکو ذہول ہو گیا ہو۔ جس طرح اس موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آیت ''وما محمد الا رسول'' سے ذہول ہو گیا تھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت (دیگر آیات کے ساتھ) برسرِ منبر تلاوت فرمائی تو انہیں ایسا محسوس ہوا گویا یہ آیت آج ہی نازل ہوئی تھی۔

الغرض ان اکابر کا ترکہ طلب کرنا، نہ مال کی حرص کی بناء پر تھا۔ اور نہ یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سننے کے بعد انہوں نے دوبارہ کبھی مطالبہ دہرایا ہو، یا انہوں نے اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ سے کوئی منازعت فرمائی ہو۔ قاضی ابوبکر بن العربیؒ لکھتے ہیں:

''وقال لفاطمة وعلي والعباس: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا نورث. ماتركناه صدقة. فذكر الصحابة ذالک''. (۱)

(۱) العواصم ...... ص: ۴۸.

''اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرات فاطمہ، علی اور عباس رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہماری وراثت جاری نہیں ہوتی۔ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔تب دیگر صحابہؓ نے بھی یہ حدیث ذکر کی''۔

اس کے حاشیہ میں شیخ محب الدین الخطیبؒ لکھتے ہیں:

"قال شیخ الاسلام ابن تیمیة فی منهاج السنة قول النبی صلی الله علیه وسلم: لا نورث. ماترکناه صدقة" رواه عنه ابوبکر وعمر وعثمان، وعلی، وطلحة والزبیر، وسعد وعبد الرحمن بن عوف، و العباس بن عبد المطلب، وازواج النبی صلی الله علیه وسلم وابوهریرة. والروایة عن هؤلاء ثابتة فی الصحاح والمسانید". (۱)

''شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''ہماری وراثت جاری نہیں ہوتی۔ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے''۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مندرجہ ذیل حضرات روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، عبدالرحمٰن بن عوف، عباس بن عبدالمطلب، ازواج مطہرات، اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان حضرات کی احادیث صحاح ومسانید میں ثابت ہیں''۔

اس سے واضح ہے کہ حدیث: "لانورث، ماترکناه صدقة" کو خود حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما بھی روایت کرتے ہیں اس لئے یا تو ان کو اس سے پہلے اس حدیث کا علم نہیں ہوگا۔یا وقتی طور پر ذہول ہوگیا ہوگا۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس حدیث کے مفہوم میں کچھ اشتباہ ہوا ہو اور وہ اسکو صرف منقولات کے بارے میں سمجھتے ہوں۔

بہرحال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متنبہ کردینے کے بعد انہوں نے نہ اس حدیث میں کوئی جرح وقدح فرمائی۔نہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منازعت کی۔بلکہ اپنے مؤقف سے

---

(۲) العواصم من القواصم ...... ص: ۴۸.

دستبردار ہوگئے۔ اور یہ ان مؤمنین قانتین کی شان ہے جن میں نفسانیت کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا۔

الغرض ''بار بار ترکہ مانگنے'' کی جونسبت ان اکابر کی طرف سوال میں کی گئی ہے وہ صحیح نہیں' ایک بار انہوں نے مطالبہ ضرور کیا تھا جس میں وہ معذور تھے۔ مگر وضوح دلیل کے بعد انہوں نے حق کے آگے سر تسلیم خم کردیا۔ البتہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں یہ درخواست ضرور کی تھی کہ ان اوقاف نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تولیت ان کے سپرد کردی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اولاً اس میں کچھ تأمل ہوا لیکن بعد میں ان کی رائے بھی یہی ہوئی اور یہ اوقاف ان کی تحویل میں دیدئے گئے، بعد میں ان اوقاف کے انتظامی امور میں ان کے درمیان منازعت کی نوبت آئی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ کی شکایت کی (جس کا تذکرہ سوال سوم میں کیا گیا ہے) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ یہ اوقاف تقسیم کر کے دونوں کی الگ الگ تولیت میں دے دیئے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ درخواست مسترد فرمادی۔ صحیح بخاری میں مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ کی طویل روایت کئی جگہ ذکر کی گئی ہے''۔

''باب فرض الخمس'' میں ان کی روایت کے متعلقہ الفاظ یہ ہیں:

''ثم جئتماني تكلماني وكلمتكما واحدة وأمركما واحد جئتني يا عباس تسئالني نصيبک من ابن اخيک وجاء ني هذا (يريد عليا) يريدنصيب امرأته من ابيها. فقلت لكما: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ''لانورث، ماتركناه صدقة'' فلما بدالي ان ادفعهٗ اليكما قلت: ان شئتما دفعتها اليكما على ان عليكما عهد الله وميثاقه لتعملان فيها بما عمل فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم وبما عمل فيها ابوبكر وبما عملت فيها منذ وليتها، فقلتما: ادفعها الينا، فبذالک دفعتها اليكما. فانشدكم بالله هل دفعتها اليهما بذالک؟ قال الرهط: نعم. ثم اقبل علىٰ على وعباس فقال: انشد كما بالله هل دفعتها اليكما بذالک، قالا: نعم. قال: فتلتمسان منى قضاءً

غیر ذالک؟ فو اللہ الذی باذنہ تقوم السماء والارض لا اقضی فیھا غیر ذالک، فان عجزتما عنھا فادفعاھا الیّ فانی اکفیکماھا“۔ (۱)

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' پھر تم دونوں میرے پاس آئے درآنحالیکہ تمہاری بات ایک تھی۔ اور تمہارا معاملہ ایک تھا۔ اے عباس! تم میرے پاس آئے تم مجھ سے اپنے بھتیجے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) سے حصہ مانگ رہے تھے اور یہ صاحب یعنی حضرت علیؓ اپنی بیوی کا حصہ ان کے والد سے مانگ رہے تھے۔ پس میں نے تم سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”ہماری وراثت جاری نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے“۔ پھر میری رائے ہوئی کہ یہ اوقاف تمہارے سپرد کردیئے جائیں۔ چنانچہ میں نے تم سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے سپرد کئے دیتا ہوں مگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عہد و میثاق ہوگا کہ تم ان میں وہی معاملہ کروگے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ اور جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ اور جو میں نے کیا جب سے یہ میری تولیت میں آئے ہیں۔ تم نے کہا کہ ٹھیک ہے یہ آپ ہمارے سپرد کردیجئے چنانچہ اسی شرط پر میں نے یہ اوقاف تمہارے سپرد کئے۔ پھر حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا میں نے اسی شرط پر ان کے سپرد کئے تھے یا نہیں“ سب نے کہا جی ہاں! پھر حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا' میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا میں نے یہ اوقاف اسی شرط پر تمہاری تحویل میں دیئے تھے یا نہیں؟ دونوں نے کہا جی ہاں! اسی شرط پر دیئے تھے ۔فرمایا' اب تم مجھ سے اور فیصلہ چاہتے ہو (کہ دونوں کو الگ الگ حصہ تقسیم کرکے دے دوں) پس قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں میں اس کے سوا تمہارے درمیان کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ اب اگر تم ان اوقاف کی تولیت سے عاجز آگئے ہو تو میرے سپرد کردو۔ میں ان کے معاملہ میں تمہاری کفایت کروں گا۔

(۱) صحیح البخاری – کتاب الجهاد – باب فرض الخمس – ۲/۴۳۵، ۴۳۶.

اس روایت کے ابتدائی الفاظ سے یہ وہم ہوتا ہے کہ ان دونوں اکابر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پھر میراث کا مطالبہ کیا تھا۔ مگر سوال و جواب اور اس روایت کے مختلف ٹکڑوں کو جمع کرنے کے بعد مراد واضح ہوجاتی ہے کہ اس مرتبہ ان کا مطالبہ ترکہ نہیں تھا بلکہ ان کے نزدیک یہ حقیقت مسلم تھی کہ ان اراضی کی حیثیت وقف کی ہے۔ اور وقف میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ اس بار ان کا مطالبہ ترکہ کا نہیں تھا۔ بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ اس کی تولیت ان کے سپرد کردی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اولاً اس میں تامل ہوا کہ کہیں یہ تولیت بھی میراث ہی نہ سمجھ لی جائے۔ لیکن غور و فکر کے بعد ان حضرات کی درخواست کو آپ نے قبول فرمالیا اور یہ اوقاف ان دونوں حضرات کے سپرد کردیئے گئے پھر جس طرح انتظامی امور میں متولیان وقف میں اختلاف رائے ہوجاتا ہے ان کے درمیان بھی ہونے لگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ علم و فقاہت میں چونکہ فائق تھے اس لئے وہ اپنی رائے کو ترجیح دیتے تھے گویا عملی طور پر بیشتر تصرف ان اوقاف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چلتا تھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے تصرفات مغلوب تھے اس سے ان کو شکایت پیدا ہوئی اور انہوں نے دوبارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ ان اوقاف کو تقسیم کرکے ہر ایک کا زیر تصرف حصہ الگ کردیا جائے۔ مگر حضرت عمرؓ نے یہ مطالبہ تسلیم نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ یا تو اتفاق رائے سے دونوں اس کا انتظام چلاؤ۔ ورنہ مجھے واپس کردو میں خود ہی اس کا انتظام کرلوں گا۔

اور علی سبیل التنزل یہ فرض کرلیا جائے کہ یہ حضرات، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھی پہلی بار طلب ترکہ ہی کے لئے آئے تھے تب بھی ان کے مؤقف پر کوئی علمی اشکال نہیں۔ اور نہ ان پر مال و دولت کی حرص کا الزام عائد کرنا درست ہے بلکہ یوں کہا جائے گا کہ ان کو حدیث کی تاویل میں اختلاف تھا۔ جیسا کہ ''بخاری شریف'' کے حاشیہ میں اس کی تفصیل ذکر کی گئی ہے۔

شرح اس کی یہ ہے کہ حدیث: ''لانورث، ماترکناه صدقة'' ۔ تو ان کے نزدیک بھی مسلم تھی، مگر وہ اس کو صرف منقولات کے حق میں سمجھتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو منقولات و غیر منقولات سب کے حق میں عام قرار دیا۔ بلاشبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حدیث کا جو مطلب سمجھا وہی صحیح تھا۔ لیکن جب تک ان حضرات کو اس مفہوم پر شرح صدر نہ ہوجاتا ان کو اختلاف کرنے کا حق حاصل تھا۔ اس کی نظیر مانعینِ زکوٰۃ کے بارے میں حضرات شیخینؓ کا مشہور مناظرہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بار بار کہتے تھے:

"کیف تقاتل الناس؟ وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ. فمن قالها فقد عصم منی ماله ونفسه الا بحقه وحسابه علی اللہ". (۱)

"آپ ان لوگوں سے کیسے قتال کر سکتے ہیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک وہ "لا الٰہ الا اللہ" کے قائل ہو جائیں پس جو شخص اس کلمہ کا قائل ہو گیا اس نے مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان محفوظ کر لی۔ مگر حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے"۔

یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک حدیث کا مفہوم سمجھنے میں دقت پیش آ رہی ہے۔ اور وہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مؤقف کو خلاف حدیث سمجھ کر ان سے بحث و اختلاف کرتے ہیں تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مفہوم کھول دیا جو حضرت صدیق اکبرؓ پر کھلا تھا۔ جب تک انہیں شرح صدر نہیں ہوا انہوں نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے نہ صرف اختلاف کیا۔ بلکہ بحث و مناظرہ تک نوبت پہنچی۔

ٹھیک اسی طرح ان حضرات کو بھی حدیث "لانورث، ما ترکناه صدقة". میں جب تک شرح صدر نہیں ہوا کہ اس کا مفہوم وہی ہے جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے سمجھا تب تک ان کو اختلاف تھا۔ اور ان کا مطالبہ ان کے اپنے اجتہاد کے مطابق بجا اور درست تھا۔ لیکن بعد میں ان کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح شرح صدر ہو گیا۔ اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مؤقف کو صحیح اور درست تسلیم کر لیا۔ جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اپنے دور خلافت میں ان اوقاف کی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی۔ بلکہ ان کی جو حیثیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ متعین کر گئے تھے اسی کو برقرار رکھا۔ اگر ان کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مؤقف پر شرح صدر نہ ہوا ہوتا تو ان اوقاف کی حیثیت تبدیل

(۱) صحیح البخاری - کتاب الزکوة - باب وجوب الزکوة وقول اللہ عزو جل - ۱/۱۸۸.

کرنے سے انہیں کوئی چیز مانع نہ ہوتی۔

خلاصہ یہ کہ مطالبۂ ترکہ ان حضرات کی طرف سے ایک بار ہوا بار بار نہیں، اور اس کو مال ودولت کی حرص سے تعبیر کرنا کسی طرح بھی زیبا نہیں۔ اس کو اجتہادی رائے کہہ سکتے ہیں اور اگر وہ اس سے رجوع نہ بھی کرتے تب بھی لائقِ ملامت نہ تھے۔ اب جبکہ انہوں نے اس سے رجوع بھی کرلیا تو یہ ان کی بے نفسی وللّٰہیت کی ایک اعلیٰ ترین مثال ہے۔ اس کے بعد بھی ان حضرات پر لب کشائی کرنا نقص علم کے علاوہ نقص ایمان کی بھی دلیل ہے۔

۳-حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی منازعت:

اس منازعت کا منشاء اوپر ذکر کیا جاچکا ہے۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ یہ منازعت کسی نفسانیت کی وجہ سے نہیں تھی۔ نہ مال ودولت کی حرص سے اس کا تعلق ہے۔ بلکہ اوقاف کے انتظام وانصرام میں رائے کے اختلاف کی بناء پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وقتی طور پر شکایت پیدا ہوگئی تھی۔ اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے ایسا اختلاف رائے نہ مذموم ہے نہ فضل وکمال کے منافی ہے۔ جہاں تک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کا تعلق ہے جو سوال میں نقل کئے گئے ہیں۔ اور جن کے حوالے سے نعوذ باللہ ان پر اخلاقی پستی کا فتویٰ صادر کیا گیا ہے۔ تو سائل نے یہ الفاظ تو دیکھ لئے مگر یہ نہیں سوچا کہ یہ الفاظ کس نے کہے تھے۔ کس کو کہے تھے۔ اور ان دونوں کے درمیان خوردی وبزرگی کا رشتہ کیا تھا۔ اور عجیب تر یہ کہ قاضی ابوبکر بن العربیؒ کی جس کتاب کے حوالے سے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں اسی کتاب میں خود موصوف نے جو جواب دیا ہے اسے بھی نظر انداز کردیا گیا۔ ابوبکر بن العربیؒ "العواصم" میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

"قلنا: انما قول العباس لعلی فقول الأب للابن، وذلک علی الرأس محمول. وفی سبیل المغفرة مبذول. وبین الکبار والصغار...... فکیف الأباء والابناء مغفور موصول". (۱)

"ہم کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے بارے میں حضرت عباسؓ کے الفاظ بیٹے کے

(۱) العواصم من القواصم ......ص: ۱۹۶.

حق میں باپ کے الفاظ ہیں، جو سر آنکھوں پر رکھے جاتے ہیں، اور سبیل مغفرت میں صرف کئے جاتے ہیں، بڑے اگر چھوٹوں کے حق میں ایسے الفاظ استعمال کریں تو انہیں لائق مغفرت اور صلہ رحمی پر محمول کیا جاتا ہے چہ جائیکہ باپ کے الفاظ بیٹے کے حق میں''۔

اور ''العواصم'' ہی کے حاشیہ میں ''فتح الباری'' کے حوالے سے لکھا ہے:

''قال الحافظ: ولم ارفی شیئی من الطرق انه صدر من علی فی حق العباس شیئی. بخلاف مایفهم من قوله فی روایة عقیل ''استبًّا'' واستصوب المازری صنیع من حذف هذه الألفاظ من هذا الحدیث. وقال: لعل بعض الروا ة وهم فیها. وان کانت محفوظة فاجود ما تحمل علیه ان العباس قالها دلالا علیٰ علی لانه کان عنده بمنزلة الولد، فاراد ردعه عما یعتقد انه مخطئی فیه''. (۱)

''حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ کسی روایت میں میری نظر سے نہیں گذرا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں کچھ کہا گیا ہو۔ بخلاف اس کے جو عقیل کی روایت میں ''استبَّــا'' کے لفظ سے سمجھا جاتا ہے۔ اور مازریؒ نے ان راویوں کے طرز عمل کو درست قرار دیا ہے جنہوں نے اس حدیث میں ان الفاظ کے ذکر کو حذف کر دیا ہے۔ مازریؒ کہتے ہیں غالباً کسی راوی کو وہم ہوا ہے اور اس نے غلطی سے یہ الفاظ نقل کر دیئے ہیں۔ اور اگر یہ الفاظ محفوظ ہوں تو ان کا عمدہ ترین محمل یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ناز کی بناء پر کہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیثیت ان کے نزدیک اولاد کی تھی۔ اس لئے پرزور الفاظ میں ان کو ایسی چیز سے روکنا چاہا جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ غلطی پر ہیں''۔

---

(۱) حاشیة العواصم من القواصم —حاشیه......ص: ۱۹۵

حافظؒ کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل امور منقح ہوگئے:

اوّل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں کوئی نامناسب لفظ سرزد نہیں ہوا۔ اور عقیل کی روایت میں ''استبّا'' کے لفظ سے جو اس کا وہم ہوتا ہے وہ صحیح نہیں۔

دوم: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے جو الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نقل کئے گئے ہیں۔ ان میں بھی راویوں کا اختلاف ہے۔ بعض ان کو نقل کرتے ہیں۔ اور بعض نقل نہیں کرتے۔ حافظؒ ، مازریؒ کے حوالے سے ان راویوں کی تصویب کرتے ہیں جنہوں نے یہ الفاظ نقل نہیں کئے۔ اور جن راویوں نے نقل کئے ہیں ان کا تخطیہ کرتے ہیں اور اسے کسی راوی کا وہم قرار دیتے ہیں۔

سوم: بالفرض یہ الفاظ محفوظ بھی ہوں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیثیت چونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹے کی ہے...... اور والدین، اولاد کے حق میں اگر از راہ عتاب ایسے الفاظ استعمال کریں تو ان کو بزرگانہ ناز پر محمول کیا جاتا ہے۔ نہ کوئی عقلمند ان الفاظ کو ان کی حقیقت پر محمول کیا کرتا ہے اور نہ والدین سے ایسے الفاظ کے صدور کو لائقِ ملامت تصور کیا جاتا ہے۔ اس لئے حضرت عباسؓ کے یہ الفاظ بزرگانہ ناز پر محمول ہیں۔

تمہیدی نکات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ کرچکا ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کو موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے ملا کر دیکھئے۔ کیا یہ واقعہ اس واقعہ سے بھی زیادہ سنگین ہے؟ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عتاب وغضب سے ان کے مقام ومرتبہ پر کوئی حرف نہیں آتا تو اگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کے حق میں اپنے مقام ومرتبہ کے لحاظ سے کچھ الفاظ استعمال کرلئے تو ان پر (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) اخلاقی پستی کا فتویٰ صادر کرڈالنا میں نہیں سمجھتا کہ دین و ایمان یا عقل ودانش کا کونسا تقاضہ ہے؟ بلاشبہ گالی گلوچ شرفاء کا وطیرہ نہیں، مگر یہاں نہ تو بازاری گالیاں دی گئیں تھیں۔ اور نہ کسی غیر کے ساتھ سخت کلامی کی گئی تھی کیا اپنی اولاد کو سخت الفاظ میں عتاب کرنا بھی وطیرہ شرفاء سے خارج ہے؟ اور پھر حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا وارد ہے:

''اللهم انی اتخذ عندک عهداً لن تخلفيه. فانما انا بشر فأیّ المؤمنين اٰذيته أو شتمته أو لعنته أو جلدته فاجعلها له صلوٰة

وزکوٰۃ وقربۃ تقربہ بھا الیک یوم القیامۃ". (۱)

"اے اللہ! میں آپ سے ایک عہد لینا چاہتا ہوں۔ آپ میرے حق میں اس کوضرور پورا کر دیجئے۔ کیونکہ میں بھی انسان ہی ہوں۔ پس جس مومن کو میں نے ستایا ہو، اسے کوئی نامناسب لفظ کہا ہو۔ اس پر لعنت کی ہو۔ اس کو مارا ہو، آپ اس کو اس شخص کے حق میں رحمت و پاکیزگی اور قربت بنا دیجئے۔ کہ اس کی بدولت اس کو قیامت کے دن اپنا قرب عطا فرمائیں"۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف "سب وشتم" کی نسبت فرمائی ہے جس سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کے حق میں میری زبان سے ایسا لفظ نکل گیا ہو جس کا وہ مستحق نہیں تو آپ اس کو اس کے لئے رحمت وقربت کا ذریعہ بنا دیجئے۔ کیا اس کا ترجمہ گالی گلوچ کر کے نعوذ باللہ آپ پر بھی اخلاقی پستی کی تہمت دھری جائے گی اور اسے وطیرہ شرفاء کے خلاف کہا جائے گا؟ حق تعالیٰ شانہ سخن فہمی اور مرتبہ شناسی کی دولت سے کسی مسلمان کو محروم نہ فرمائے۔

۴-لاٹھی کی حکومت:

حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں: "انت و اللہ بعد ثلث عبد العصا" (بخدا تم تین دن بعد محکوم ہو گے) "صحیح بخاری" کے حاشیہ میں "عبدالعصا" کے تحت لکھا ہے:

"کنایۃ عن صیرورتہ تابعا لغیرہ. کذا فی التوشیح قال فی الفتح والمعنی :انہ یموت بعد ثلث وتصیر انت ماموراً علیک. وھذا من قوۃ فراسۃ العباس". (۲)

"یہ اس سے کنایہ ہے کہ وہ دوسروں کے تابع ہوں گے۔ "توشیح" میں اسی طرح ہے حافظ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ تین دن بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو جائے گا۔ اور تم پر دوسروں کی امارت ہوگی۔ اور یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ

---

(۱) الصحیح لمسلم - کتاب البر والصلۃ والأداب - باب من لعنہ النبی ﷺ - ۲/ ۳۲۴.

(۲) حاشیۃ صحیح البخاری - کتاب المغازی - باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ - ۲/ ۶۳۹ - حاشیۃ: ۱۴.

کی قوت فراست تھی''۔

خلاصہ یہ ہے کہ ''عبد العصا'' جس کا ترجمہ ترجمہ نگار نے۔ ''لاٹھی کی حکومت'' کیا ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ تم محکوم ہو گے۔ اور تمہاری حیثیت عام رعایا کی سی ہوگی۔ یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ کنائی الفاظ میں لفظی ترجمہ مراد نہیں ہوتا اور اگر کہیں لفظی ترجمہ گھسیٹ دیا جائے تو مضمون بھونڈا بن جاتا ہے، اور قائل کی اصل مراد نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ مثلاً عربوں میں ''فلان کثیر الرماد'' کا لفظ سخاوت سے کنایہ ہے۔ اگر اس کا لفظی ترجمہ گھسیٹ دیا جائے کہ ''فلاں کے گھر راکھ کے ڈھیر ہیں'' تو جو شخص اصل مراد سے واقف نہیں وہ راکھ کے ڈھیر تلے دب کر رہ جائے گا اور اسے یہ فقرہ مدح کے بجائے مذمت کا آئینہ دار نظر آئے گا...... یہی حال ''عبد العصا'' کا بھی سمجھنا چاہئے۔ ترجمہ کرنے والے نے اس کا لفظی ترجمہ کر ڈالا۔ اور عام قارئین چونکہ عربوں کے محاورات اور لفظ کی اس ''کنائی مراد'' سے واقف نہیں اس لئے انہیں لاٹھیوں کی بارش کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔ ایک حدیث میں آتا ہے:

''لا ترفع عصاک عن اهلک''(۱) (اپنے گھر والوں سے کبھی لاٹھی ہٹا کر نہ رکھو)

صاحب مجمع البحار اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ای: لا تدع تادیبهم وجمعهم علی طاعة الله تعالیٰ، یقال: شق العصا' ای: فارق الجماعة، ولم یرد الضرب بالعصا، ولکنه مثل......لیس المراد بالعصا المعروفة بل اراد الادب وذا حاصل بغیر الضرب''۔ (۲)

''یعنی ان کی تادیب اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طاعت پر جمع کرنے کا کام کبھی نہ چھوڑو، محاورے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں نے ''لاٹھی چیر ڈالی'' یعنی جماعت سے الگ ہو گیا۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد لاٹھی سے مراد مارنا نہیں، بلکہ یہ ایک

(۱) المسند للإمام احمد بن حنبل -حدیث معاذ بن جبل -۱۶/ ۱۸۸- رقم: ۲۱۹۷۴- ط: دار الحدیث القاهرة.

(۲) مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الأخبار. للإمام محمد طاهر الصدیقی الهندی- حرف العین -باب العین مع الصاد...... ۳/ ۶۱۴ -ط: مکتبة دار الإیمان بالمدینة المنورة.

ضرب المثل ہے...... یہاں ''عصا'' سے معروف لاٹھی مراد نہیں۔ بلکہ ادب سکھانا مراد ہے۔اور یہ مارنے پیٹنے کے بغیر بھی ہوسکتا ہے''۔

اسی طرح ''عبد العصا'' میں بھی معروف معنوں میں لاٹھی مراد نہیں۔ نہ لاٹھی کی حکومت کا یہ مطلب ہے کہ وہ حکومت لاٹھیوں سے قائم ہوگی یا قائم رکھی جائے گی۔ بلکہ خود حکومت واقتدار ہی کو ''لاٹھی'' سے تعبیر کیا گیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ تم دوسروں کی حکومت کے ماتحت ہوگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز وخویش اور آپ کے پروردہ تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ ان کی حیثیت گویا ایک طرح سے شہزادے کی تھی (اگر یہ تعبیر سوءِ ادب نہ ہو) حضرت عباسؓ انکو جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ تین دن بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایۂ عاطفت اُٹھتا محسوس ہورہا ہے۔ اس کے بعد تمہاری حیثیت...... ملت اسلامیہ کے عام افراد کی سی ہوگی۔

۵-حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مشورہ:

قاضی ابوبکرؒ کی کتاب ''العواصم من القواصم'' میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے الفاظ اس طرح نقل کئے گئے ہیں:

''اذهب بنا الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فلنسأله فیمن یکون هذا الامر بعده. فان کان فینا علمنا ذالک. وان کان فی غیرنا علمنا، فاوصیٰ بنا''. (۱)

''چلو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں کہ آپ کے بعد یہ امر خلافت کس کے پاس ہوگا؟ پس اگر ہمارے پاس ہوتو ہمیں معلوم ہوجائے گا۔ اور اگر کسی دوسرے کے پاس ہوا تب بھی ہمیں معلوم ہوجائے گا۔ اس صورت میں آپ ہمارے حق میں وصیت فرمائیں گے''۔

(۱)العواصم والقواصم ص:۱۸۶

اور یہ بعینہٖ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں۔(۱) آپ نے اول تو خط کشیدہ الفاظ کا ترجمہ ہی صحیح نہیں کیا۔ معلوم نہیں کہ یہ ترجمہ جناب نے خود کیا ہے۔ یا کسی اور کا ترجمہ نقل کیا ہے۔

دوم: یہ ہے کہ اہل علم آج تک صحیح بخاری پڑھتے پڑھاتے آئے ہیں مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ میں ان کو کبھی اشکال پیش نہیں آیا۔ خود قاضی ابوبکر بن العربیؒ اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

”رأی العباس عندی اصح. واقرب الی الأخرة. والتصریح بالتحقیق. وهذا یبطل قول مدعی الاشارة: باستخلاف علی، فکیف ان یدعی فیه نص“.(۲)

”حضرت عباس کی رائے میرے نزدیک زیادہ صحیح اور آخرت کے زیادہ قریب ہے۔ اور اس میں تحقیق کی تصریح ہے اور اس سے ان لوگوں کا قول باطل ہوجاتا ہے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنائے جانے کا اشارہ فرمایا تھا۔ چہ جائیکہ اس باب میں نص کا دعویٰ کیا جائے“۔

انصاف فرمایئے کہ جس رائے کو ابوبکر بن العربیؒ زیادہ صحیح اور ”اقرب الی الاخرة“ فرمارہے ہیں، آپ انہی کی کتاب کے حوالے سے اسے ”خلافت کی فکر پکڑنے“ سے تعبیر کر کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں۔ اور آپ کا یہ خیال بھی آپ کا سوء ظن ہے کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری اور وفات کا صدمہ اگر غالب ہوتا تو یہ خیالات اور یہ کاروائیاں کہاں ہوتیں“......خود آپ نے جو روایت نقل کی ہے اس میں تصریح ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت مایوسی کی حد میں داخل ہوچکی ہے۔ اور آپ اپنے خدام کو داغ مفارقت دینے والے ہیں، عین اس حالت میں اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ جو امور اختلاف ونزاع اور امت کے شقاق وافتراق کا موجب ہوسکتے ہیں۔ ان کا تصفیہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے کرالینا مناسب ہے۔ تاکہ بعد

(۱) صحیح البخاری – کتاب المغازی – باب مرض النبی ﷺ – ۲/ ۶۳۹.

(۲) العواصم والقواصم ص. ۱۸۶، ۱۸۷.

میں شورش وفتنہ نہ ہوتو آپ کا خیال ہے کہ وہ بڑا ہی سنگ دل ہے، اس کو ذرا بھی نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ومحبت ہے نہ اسے آپ کی بیماری کا صدمہ ہے۔ اور نہ وفات کا غم ہے...... آپ ہی فرمائیں کہ کیا یہ صحت مندانہ طرز فکر ہے؟

آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان بنو ہاشم کے بزرگ ترین فرد تھے۔ اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کے خاندان کے بزرگوں کو ایسے موقعوں پر آئندہ پیش آنے والے واقعات کا ہولناک منظر پریشان کیا کرتا ہے اگر کسی الجھن کا اندیشہ ہوتو وہ وفات پانے والے شخص کی زندگی ہی میں اس کا حل نکالنے کی تدبیر کیا کرتے ہیں۔ یہ روزمرہ کے وہ واقعات ہیں جن سے کم وبیش ہر شخص واقف ہے، ایسے موقعوں پر اس قسم کے سرد وگرم چشیدہ بزرگوں کی راہنمائی کو ان کے حُسن تدبر اور دور اندیشی پر محمول کیا جاتا ہے، اور کسی معاشرے میں ان کے اس بزرگانہ مشورے کو سنگدلی پر محمول نہیں کیا جاتا، اور نہ کسی ذہن میں یہ وسوسہ آتا ہے کہ ان بڑے بوڑھوں کو مرحوم سے کوئی تعلق نہیں۔ مرنے والا مر رہا ہے مگر انکو ایسی باتوں کی فکر پڑ رہی ہے۔ ٹھیک یہی بزرگانہ حسن تدبر یا دور بینی ودور اندیشی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس رائے پر آمادہ کر رہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا سے تشریف لے جارہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی جانشینی کا مسئلہ خدانخواستہ کوئی پیچیدہ صوت حال اختیار نہ کرلے۔ اس لئے اس کا تصفیہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ ہو جائے تو بہتر ہے اور ان کا یہ اندیشہ محض ایک توہماتی مفروضہ نہیں تھا۔ بلکہ بعد میں یہ واقعہ بن کر سامنے آیا، اور یہ تو حق تعالیٰ شانہٗ کی عنایتِ خاصہ تھی کہ یہ نزاع فوراً دب گیا۔ ورنہ خدانخواستہ یہ طول پکڑ جاتا تو سوچئے کہ اس امت کا کیا بنتا؟ اب اگر عین مایوسی کی حالت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی فہم وفراست سے یہ مشورہ دیا کہ یہ قصہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں طے ہو جانا چاہئے تو فرمائیے کہ انہوں نے کیا بُرا کیا؟۔

اوپر میں نے جس عنایتِ خداوندی کا ذکر کیا ہے غالباً اسی کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد گرامی "یأبی الله والمومنون الا ابابکر" میں اشارہ فرمایا تھا:

"عن عائشةؓ قالت: قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی مرضه: ادعی لی ابابکر اباک واخاک حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان

یتمنی متمن ویقول قائل انا اولی، ویأبی الله والمومنون الا ابابکر". (۱)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض الوفات میں مجھ سے فرمایا کہ میرے پاس اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلا لاؤ تاکہ میں ایک تحریر لکھ دوں، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے۔ اور کوئی کہنے والا کہے کہ میں سب سے بڑھ کر خلافت کا مستحق ہوں دوسرا نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان ابوبکرؓ کے سوا کسی اور کا انکار کرتے ہیں"۔

"صحیح بخاری" کی ایک روایت میں ہے:

لقد هممت أو أردت أن أرسل إلى أبي بكر وابنه فاعهد أن يقول القائلون أو يتمنى المتمنون ثم قلت: يأبى الله ويدفع المؤمنون أو يدفع الله ويأبى المؤمنون (۲)

میر ارادہ ہواتھا کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے کو بلا بھیجوں اور تحریر لکھوادوں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہنے والے کہیں گے اور تمنا کرنے والے تمنا کریں گے لیکن پھر میں نے کہا اللہ تعالیٰ (ابوبکر کے سوا کسی دوسرے کا) انکار کریں گے اور مسلمان مدافعت کریں گے، یا یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مدافعت فرمائیں گے اور اہل اسلام انکار کردیں گے"۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس نزاع واختلاف کا اندیشہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو لاحق تھا اور جس کا وہ تصفیہ کرالینا چاہتے تھے۔ اس اندیشے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذہن مبارک بھی خالی نہیں تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی چاہتے تھے کہ اس کا تحریری تصفیہ کرہی دیا جائے لیکن پھر آپ نے حق تعالیٰ شانہ کی رحمت وعنایت اور اہل اسلام کی فہم وبصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے اس معاملہ کو خدا تعالیٰ کے سپرد فرمادیا کہ انشاء اللہ اس کے لئے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کا انتخاب ہوگا اور اختلاف ونزاع کی کوئی

---

(۱) الصحيح لمسلم – كتاب الفضائل – باب من فضائل أبي بكر الصديق – ۲/۲۷۳.

(۲) صحيح البخاري – كتاب الاحكام – باب الاستخلاف – ۲/۱۰۷۲.

ناگفتہ بہ صورت انشاء اللہ پیش نہیں آئے گی۔

الغرض حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ بزرگانہ مشورہ نہایت صائب اور مخلصانہ تھا اور اس میں ہمیں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس کی صفائی یا معذرت کی ضرورت لاحق ہو۔ رہا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ اگر خلافت ہمارے سوا کسی اور صاحب کو ملے گی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو ہمارے بارے میں وصیت فرمادیں گے۔ یہ بھی محض اپنے مفادات کا تحفظ نہیں، جیسا کہ سوال میں کہا گیا ہے۔ بلکہ یہ ایک دقیق حکمت پر مبنی ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین کی عزت وتوقیر درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبت وعظمت اور عزت وتوقیر کا ایک شعبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے تمام خدام اور متعلقین کے بارے میں مختلف عنوانات سے تاکیدیں اور وصیتیں فرمائی ہیں کہیں عام صحابہ کرام کے بارے میں۔ کہیں حضرات خلفاء راشدینؓ کے بارے میں۔ کہیں حضرات انصار کے بارے میں۔ کہیں امہات المومنین کے بارے میں۔ اور کہیں حضرت علیؓ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں جیسا کہ حدیث کے تمام طالب علم ان امور سے بخوبی واقف ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مشورۂ وصیت کا منشاء یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزہ واقارب کو نہ ملے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عظمت وتوقیر کے بارے میں خصوصی وصیت فرماجائیں تاکہ خلافت بلافصل سے ان کی محرومی کو ان کے نقص اور نااہلیت پر محمول نہ کیا جائے اور لوگ ان پر طعن وتشنیع کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جفاو بے مروتی کے مرتکب نہ ہوں۔ پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فکر اپنے مفادات کی نہیں۔ بلکہ ان لوگوں کے دین وایمان کی ہے جو اپنی خام عقلی سے ان کی خلافت سے محرومی کو ان پر لب کشائی کا بہانہ بنالیں۔

اور اگر یہی فرض کرلیا جائے کہ وہ خلافت سے محرومی کی صورت میں اپنے خاندان کے مفاد کے تحفظ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وصیت کرانا چاہتے تھے۔ تب بھی سوچنا چاہئے کہ آخر وہ کس کا خاندان ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے ذاتی مفاد کا تحفظ نہیں کررہے (حالانکہ عقلاً وشرعاً یہ بھی قابل اعتراض نہیں) وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ ہی کے خاندان کے بارے میں کلمہ خیر کہلانا چاہتے ہیں کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ایک مسلمان کی نظر میں اس لائق بھی نہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے میں کوئی کلمہ خیر امت کو ارشاد فرمائیں؟ اور جو شخص ایسا خیال بھی دل میں لائے تو اسے طعن و تشنیع کا نشانہ بنالیا جائے؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کیا اسی مرض الوفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیف کی شدت کے باوجود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں وصیتیں نہیں فرمائیں۔ کیا حضرات انصارؓ کے بارے میں وصیت نہیں فرمائی کیا غلاموں اور خادموں کے بارے میں وصیت نہیں فرمائی۔ کیا اہل ذمہ کے بارے میں وصیت نہیں فرمائی؟ اگر کسی نیک نفس کے دل میں خیال آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاندان نبوت کے بارے میں کوئی وصیت فرمادیں تو اسکو خودغرضی پر محمول کرنا کیا صحیح طرز فکر ہے؟

غالباً اسی مرض الوفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، امہات المومنین سے فرماتے تھے:

"ان امر کن مما یهمنی من بعدی ولن یصبر علیکن الا الصابرون الصدیقون". (۱)

"بے شک میرے بعد تمہاری حالت مجھے فکر مند کررہی ہے۔ اور تمہارے (اخراجات برداشت کرنے) پر صبر نہیں کریں گے مگر صابر اور صدیق لوگ"۔

الغرض زندگی سے مایوسی کی حالت میں مرنے والے کے متعلقین کے بارے میں فکرمندی ایک طبعی امر ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توکل علی اللہ اور تعلق مع اللہ کے سب سے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود اپنے بعد اپنے متعلقین کے بارے میں فکرمند ہوئے۔ اسی کا عکس حضرت عباس رضی اللہ عنہ

---

(۱) جامع الترمذی -ابواب المناقب عن رسول الله صلی الله علیه وسلم -مناقب عبدالرحمن بن عوف- ۲/۲۱۶- ط: ایچ ایم سعید.

المستدرک علی الصحیحین للإمام أبی عبدالله الحاکم -کتاب معرفة الصحابة -باب مناقب عبدالرحمن بن عوف -دعاء عائشة لابن عوف علی صلته- ۴/۳۶۸.

موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان للحافظ نور الدین الهیثمی -کتاب المناقب-باب فضائل عبدالرحمن بن عوف -رقم الحدیث: ۲۲۱۶ -ص ۵۴۷- ط: عباس احمد الباز مکة.

مشکوة المصابیح -باب مناقب العشرة رضی الله عنهم -الفصل الثالث- ص ۵۶۷.

کے قلب مبارک پر پڑا۔ اور ان کو خیال ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل خاندان کے بارے میں کچھ ارشاد فرما جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل قرابت کے بارے میں بھی بڑی تاکیدی وصیتیں فرمائی ہیں، یہی وجہ ہے کے حضرات صحابہ کرام خصوصاً حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت کی رعایت کا بہت ہی اہتمام تھا۔ جس کے بے شمار واقعات پیش نظر ہیں۔

یہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک فقرہ نقل کرتا ہوں جسے ''العواصم'' کے حاشیہ میں شیخ محبّ الدین الخطیبؒ نے ''صحیح بخاری'' کے حوالے سے نقل کیا ہے:

''والذی نفسی بیده لقرابة رسول الله صلی الله علیه وسلم احب الی ان اصل من قرابتی''. (۱)

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت کے ساتھ حُسن سلوک کرنا مجھے اپنے اہل قرابت کے ساتھ حسنِ سلوک سے زیادہ محبوب ہے''۔

بلاشبہ ایک مومن مخلص کا یہی ایمانی جذبہ ہونا چاہئے، کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ومحبت کی نمایاں علامت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''احبوا الله لما یغذوکم به من نعمه. واحبونی لحب الله. واحبوا اهل بیتی لحبی''. (۲)

''اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو کیونکہ اپنی نعمتوں کے ساتھ تمہیں پالتا ہے۔ اور مجھ سے محبت رکھو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے۔ اور میرے اہل بیت سے محبت رکھو میری

(۱) صحیح البخاری - کتاب المناقب - باب مناقب قرابة رسول الله ﷺ - ۱/۵۲۶.

(۲) جامع الترمذی - ابواب المناقب - مناقب اهل بیت النبی ﷺ - ۲/۲۱۹.

وایضاً الجامع الصغیر فی احادیث البشیر والنذیر لجلال الدین السیوطی - ۱/۲۰ - رقم الحدیث: ۲۲۴ - ط: دار الکتب العلمیة بیروت.

محبت کی وجہ سے''۔

۶- حضرت علی رضی اللہ عنہ اور طلبِ خلافت:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اس مشورہ پر کہ چلو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استصواب کرالیں کہ خلافت ہمارے پاس ہوگی یا کسی اور صاحب کے پاس؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

"انا والله لئن سالناها رسول الله صلى الله عليه وسلم فمنعناها لا يعطينا الناس بعده. وانى والله لا اسألها رسول الله صلى الله عليه وسلم".(۱)

''بخدا! اگر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نہ دی تو لوگ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں دیں گے۔ اور بخدا! میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال نہ کروں گا''۔

جس شخص کے ذہن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے میل نہ ہو وہ اس فقرہ کا مطلب یہی سمجھے گا کہ ان کا مقصود حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مشورے کو قبول نہ کرنا تھا۔ اور اس پر انہوں نے ایک ایسی دلیل بیان کی کہ حضرت عباسؓ کو اس پر خاموش رہنا پڑا۔ یعنی جب خود آپ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جس طرح یہ احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلافت ہمیں دے جائیں۔ اسی طرح یہ بھی احتمال ہے کہ کسی اور صاحب کا نام تجویز فرمادیں۔ اب اگر یہ معاملہ ابہام میں رہے تو اس کی گنجائش ہے کہ مسلمان خلافت کیلئے ہمیں منتخب کرلیں۔ لیکن اگر سوال کرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا تو ہمارے انتخاب کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی۔ اب فرمائیے کہ یہ ابہام کی صورت آپ کے خیال میں ہمارے لئے بہتر ہے۔ یا تعیین کی صورت؟ ظاہر ہے کہ اس تقریر پر دور دور بھی کہیں اس الزام کا شائبہ نظر نہیں آتا جو آپ نے یہ کہہ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر عائد کرنا چاہا ہے کہ: ''ان کا ارادہ یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکار ہی کیوں نہ

(۱) العواصم من القواصم...... ص: ۱۸۶۔

صحيح البخاری کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ ووفاته - ۲/ ۶۳۹.

کردیں انہیں خلافت درکار ہے۔ اور یہ بھی کہ انہیں احتمال یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمادیں گے۔ اس لئے انہوں نے کہا میں سوال نہ کروں گا (اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس خلافت کو حاصل کروں گا)۔

اس الزام کی تردید کے لئے حضرت **علی** رضی اللہ عنہ کا طرز عمل ہی کافی ہے۔ اگر ان کا ارادہ یہی ہوتا کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کے علی الرغم ...... نعوذ باللہ ...... اپنی خلافت قائم کرنی ہے تو وہ ضرور ایسا کرتے۔ لیکن واقعات شاہد ہیں کہ خلفاء ثلاثہ کے دور میں انہوں نے ایک دن بھی خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے خلافت نبوت کا مدار محض نسبی قرابت پر نہیں۔ بلکہ فضل وکمال اور سوابق اسلامیہ پر ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان امور میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے لائق ہیں اور ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص خلافت کا مستحق نہیں۔ ''صحیح بخاری'' میں ان کے صاحبزادہ حضرت محمد بن الحنفیہؒ سے مروی ہے:

''قلت لابی: من خیر الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال: ابوبکر. قال قلت ثم من؟ قال عمر، وخشیت ان یقول عثمان، قلت ثم انت؟ قال ما انا الا رجل من المسلمین''. (۱)

''میں نے اپنے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل وبہتر آدمی کون ہے؟ فرمایا ابوبکرؓ، میں نے عرض کیا ان کے بعد؟ فرمایا، عمرؓ ...... مجھے اندیشہ ہوا کہ اب پوچھوں گا تو حضرت عثمانؓ کا نام لیں گے۔ اس لئے میں نے (سوال بدل کر) کہا کہ ان کے بعد آپ کا مرتبہ ہے؟ فرمایا' میں تو مسلمانوں کی جماعت کا ایک فرد ہوں''۔

وہ اپنے دور خلافت میں برسر منبر یہ اعلان فرماتے تھے:

''خیر ہذہ الامۃ بعد نبیہا ابوبکر وبعد ابی بکر عمر رضی

(۱) صحیح البخاری - کتاب المناقب - باب (بدون ترجمۃ) - ۵۱۸/۱.

الله عنهما ولو شئت اخبرتکم بالثالث لفعلت". (۱)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں، اور ابوبکر کے بعد عمر رضی اللہ عنہما، اور اگر میں چاہوں تو تیسرے مرتبہ کا آدمی بھی بتا سکتا ہوں''۔

اس سلسلہ کی تمام روایات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''ازالۃ الخفاء'' میں جمع کردی ہیں۔ وہاں ملاحظہ کرلی جائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ بھی جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری ایام میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو امامتِ صغریٰ تفویض فرمائی ہے، یہ درحقیقت امامت کبریٰ کے لئے ان کا ''استخلاف'' ہے۔

اخرج ابوعمرو فی الاستیعاب عن الحسن البصری عن قیس بن عباد قال: قال لی علیؓ بن ابی طالب: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مرض لیالی وایاما، ینادی بالصلوة فیقول مروا ابابکر یصلی بالناس، فلما قبض رسول الله صلی الله علیه وسلم نظرت فاذا الصلوة علم الاسلام وقوام الدین. فرضینا لدنیانا من رضی رسول الله صلی الله علیه وسلم لدیننا فبایعنا ابابکر رضی الله عنه". (۲)

''حافظ ابوعمرو ابن عبدالبرؒ ''الاستیعاب'' میں حضرت حسن بصریؒ سے اور وہ قیس بن عبادؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی دن رات بیمار رہے، نماز کی اذان ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ابوبکرؓ کو کہو نماز پڑھائیں۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو میں نے دیکھا کہ نماز اسلام کا سب سے بڑا شعار اور دین کا مدار ہے۔ پس ہم نے اپنی دنیا (کے

---

(۱) المسند للإمام احمد بن حنبل -مسند علی بن ابی طالب - ۱/۱۰۶ -ط: المکتب الاسلامی بیروت. وایضاً. رقم الحدیث/۸۳۷، ج. ۱ ص ۵۳۰ ط: دار الحدیث، القاهرة.

(۱) ازالۃ الخفاء - مقصد اول فصل ہفتم - در اقامت دلیل عقلی...... الخ - ۱/۶۸ - ط: سہیل اکیڈمی لاہور.

نظم ونسق) کے لئے اس شخص کو پسند کرلیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا تھا۔ اس لئے ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔

اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ اسی کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں بھی خلافت نبوت کی صلاحیت واہلیت بدرجۂ اتم موجود تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات سے انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اس خلافت نبوت میں ان کا بھی حصہ ہے اور یہ کہ خلافت اپنے وقت موعود پر ان کو ضرور پہنچے گی۔ ان ارشادات نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی تفصیل وتشریح کا یہ موقع نہیں، یہاں صرف ایک حدیث نقل کرتا ہوں:

"عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال: كنا جلوسا ننتظر رسول الله صلى الله عليه وسلم فخرج علينا من بعض بيوت نسائه. قال فقمنا معه فانقطعت نعله، فتخلف عليها علی يخصفها ومضى رسول الله صلى الله عليه وسلم ومضينا معه. ثم قام ينتظره وقمنا معه. فقال ان منكم من يقاتل على تاويل القرآن كما قاتلت على تنزيله. فاستشرفنا وفينا ابوبكر وعمر رضی الله عنهما فقال: لا، ولكنه خاصف النعل. قال فجئنا نبشره، قال فكانه قد سمعه (مسند احمد) قال الهيثمی رواه احمد ورجاله رجال الصحيح غير فطر بن خلبفه وهو ثقة". (۱)

"حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ہم بیٹھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہراتؓ میں سے کسی

---

(۱) مسند احمد بن حنبل — حديث ابی سعيد الخدری — ۳/۸۲ — ط: المكتب الاسلامی.
وايضاً رقم ۱۱۷۱۲، ج-۱۰ ص ۲۵۷ ط: دار الحديث القاهرة.
مجمع الزوائد ومنبع الفوائد — كتاب المناقب — مناقب علی — باب فی قتاله ومن يقاتله — ۹/۱۳۳ — ط: دار الكتاب العربی بيروت.

کے گھر سے باہر تشریف لائے۔ پس ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے کے لئے اُٹھے کہ آپ کا نعل مبارک ٹوٹ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی مرمت کے لئے رُک گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چل پڑے، ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ چل پڑے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔ پس آپ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک تم میں سے ایک شخص قرآن کی تاویل پر قتال کرے گا۔ جیسا کہ میں نے اس کی تنزیل پر قتال کیا ہے۔ پس ہم سب اس کے منتظر ہوئے کہ اس کا مصداق کون ہے؟ ہم میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ آپ نے فرمایا اس سے تم لوگ مراد نہیں ہو۔ بلکہ وہ جوتا گانٹھنے والا مراد ہے، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خوشخبری دینے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو ایسا محسوس ہوا گویا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پہلے سے سن رکھا ہے''۔

اس تفصیل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال نہیں کرتا۔ اور یہ کہ آپ نے انکار فرمادیا تو مسلمان ہمیں کبھی نہیں دیں گے۔ کیونکہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقعہ پر یہ فرماتے (اور یہ فرمانا محض احتمال نہیں بلکہ یقینی تھا) کہ میرے بعد علیؓ کو خلیفہ نہ بنایا جائے بلکہ ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا جائے تو اس کا متبادر مفہوم تو یہی ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بلافصل حضرت علیؓ نہیں، لیکن لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوسکتی تھی کہ علیؓ میں خلافت کی صلاحیت و اہلیت ہی نہیں یا یہ کہ خلافت نبوت میں ان کا سرے سے کوئی حصہ ہی نہیں۔ اور آپ کے دور خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ارشاد کو پیش کر کے لوگوں کو اس غلط فہمی میں ڈالا جاسکتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''میرے بعد علی کو خلیفہ نہ بنانا'' یہ تھا غلط فہمی کا اندیشہ جس کی بناء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں روک دیا تو اندیشہ ہے کہ مسلمان اس کو ایک دائمی دستاویز بنالیں گے اور ہمیں خلافت کے لئے نااہل تصور کرلیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ غلط فہمی، جس کا اندیشہ تھا نہ صرف منشائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوتی۔ بلکہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے ساتھ بدترین ظلم بھی ہوتا۔ جو آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں۔

"ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا ربنا انک رؤف رحیم"۔

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

بینات۔ جمادی الثانیہ ۱۴۰۲ھ

تکفیر روافض پر چند شبہات کا ازالہ

ماہنامہ بینات جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ کی خصوصی اشاعت ''خمینی اور اثناعشریہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ'' پر مشتمل تھی جو ہندو پاکستان کے اکابر علماء کے فتاویٰ اور گرامی قدر آراء پر مبنی ٹھوس، مدلل اور ناقابل انکار حقائق کی حامل ایک تحقیقی و تاریخی دستاویز تھی۔ ''بینات'' کی اس خصوصی اشاعت کے دو ایڈیشن چند ہی دنوں میں نایاب ہوگئے۔ قارئین کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کے پیش نظر تیسرا ایڈیشن شائع کرنا پڑا۔ اُدھر ہندوستان میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کے خلوص و اخلاص اور دعوات صالحہ کا ثمرہ کہ ہزاروں کی تعداد میں ''الفرقان'' اور پھر کتابی شکل میں اس عظیم تحقیقی کتاب نے ''ایرانی انقلاب اور خمینی'' سے بڑھ کر کام دکھایا۔ اس سے جہاں ابن سبا کی اولاد کو اپنی ردائے تقیہ تار تار ہوتے دکھائی دینے لگی وہاں کسریٰ کے جانشین خمینی کے ایوان میں زلزلہ اور بھونچال سا آگیا۔ لہٰذا شیعہ لابی نے اپنی خفت کو عفت میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ایک گمنام مفتی صاحب سے اپنی منشاء کا فتویٰ حاصل کرکے ایران اور پاکستان کے شیعی حلقوں میں اُچھال کر سرخرو ہونے کی ناکام کوشش کی۔ ''بینات'' کے ایک قاری نے ڈیرہ غازی خان سے اس فتویٰ کی ایک کاپی بھیج کر تشفی چاہی تھی کہ حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی مدظلہ کا جواب میسر آگیا جو انشاء اللہ اس سلسلہ کی تشکیک کے لئے تریاق ثابت ہوگا۔ (سعید احمد جلال پوری عفی عنہ)

روافض کا فرقہ اپنے عہد اول سے اسلام اور مسلمان کا اور قرآن کا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا بہت بڑا دشمن رہا ہے مکاری اور تقیہ کے ہتھیار سے مسلح ہونے کی وجہ سے عامۃ المسلمین بلکہ بہت سے علماء پر بھی ان کا کفر مخفی رہا۔ ہندوستان میں حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے گذشتہ صدی میں روافض کی کتابوں کا خوب وسیع مطالعہ کیا اور یہ یقین ہوجانے کے بعد کہ ''فرقہ اثناعشریہ'' عقائد کفریہ رکھتا ہے، ان پر کفر کا فتویٰ دیا۔ بہت سے لوگوں کو ضرورت سے زیادہ احتیاط کی پاسداری ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ علی الاطلاق روافض کو کافر نہ کہا جائے کیونکہ ان کے بہت سے فرقے ہیں ہر ایک کا حال معلوم نہیں ہے۔ البتہ مقید کرکے یوں کہنا چاہئے کہ جو شخص تحریف قرآن کا یا حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بھول کر غیر علی پر وحی لانے کا قائل ہو یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا منکر ہو یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کو صحیح جانتا ہو وہ کافر ہے۔

درحقیقت شیعوں کے کفریہ عقائد پران کے تقیہ نے پردہ ڈال رکھا تھا جب کوئی شخص ان کے مذکورہ عقائد کے بارے میں گفتگو کرتا تو کہہ دیتے کہ یہ ہمارے عقیدے نہیں ہیں۔ ان کی کتابیں بھی زیادہ تر سامنے نہ آئی تھیں۔ دورحاضر میں ان کی کتابیں چھپ کر سامنے آگئی ہیں اورخمینی نے اپنی کتاب ''کشف الاسرار'' اور ''الحکومۃ الاسلامیۃ'' میں واضح طور پر عقائد کفریہ شائع کردیئے ہیں جن لوگوں نے ان کو امام مانا وہ سب ان عقائد کفریہ کو تسلیم کرنے کی وجہ سے کافر ہوگئے۔ ایران کے علاوہ دوسرے تمام ممالک کے شیعہ تقریباً سب ہی خمینی کو امام مان چکے ہیں۔ الا ما قل و شذَّ۔ اورخمینی نے جوعقائد کفریہ شائع کئے ان کی پورے عالم کے روافض میں سے کسی نے بھی تردید نہیں کی۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ تمام روافض ''اثناء عشریہ'' ان عقائد سے متفق ہیں۔

آج کل شیعوں کے بہت سے فرقے کہاں ہیں جو یوں کہا جائے کہ تمام روافض کو علی الاطلاق کافر کہنے سے اجتناب کیا جائے۔ پورے عالم میں اس وقت ان کے دو ہی فرقے ہیں۔ ایک فرقہ ''تفضیلی'' ہے جو یمن میں پایا جاتا ہے یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیگر تمام صحابہ کرامؓ سے افضل جانتے ہیں۔ اور فروع میں فقہ شافعی پر عمل کرتے ہیں۔ اس بات سے کوئی کافر نہیں ہوتا۔ اگر چہ ان کا مسلک تفضیلی عام روایات حدیث کے خلاف ہے، اوراس فرقہ کا کوئی عقیدہ کفریہ سامنے نہیں آیا۔ لہٰذا اس کو کوئی کافر بھی نہیں کہتا۔ (۱)

دوسرا فرقہ ''اثناء عشریہ'' جس کے عقائد کفریہ بالکل واضح اور ظاہر ہیں۔ حضرت مولانا منظور نعمانی دامت برکاتہم مدیراعلیٰ ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنو کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے جنہوں نے فرقہ ''اثناء عشریہ'' کے عقائد کفریہ کی ان کی کتابوں سے نشان دہی فرمائی پھر ایک سوال مرتب فرمایا جس کا جواب مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی دامت برکاتہم العالیہ نے تحریر فرمایا ہے اور فرقہ ''اثناء عشریہ'' کو کافر قرار دیا ہے۔ ہندو پاک کے بڑے بڑے علماء اور مفتیان کرام نے اس پر اپنی تصدیق اور توثیقی دستخط ثبت فرمادیئے ہیں۔ یہ مجموعہ دونوں ملکوں (ہندو پاک) میں شائع ہو چکا ہے۔ روافض کی طرف سے اب تک کوئی ایسی بات کسی فرد یا ادارہ یا انجمن

---

(۱) رد المحتار - کتاب الجهاد - باب المرتد - مطلب علم فی حکم ساب الشخین - ۴/۲۳۷ .

نے شائع نہیں کی کہ یہ ہمارے عقائد نہیں ہیں اور جب تک کوئی فرقہ، فرقہ اثناء عشریہ سے منسلک رہے گا، ان عقائد کفریہ سے برأت ظاہر نہیں کرسکتا اور نہ وہ اپنے دین سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

مذکورہ بالا فتویٰ اور اس کی توثیقات اور تصدیقات کے طبع ہونے کے بعد ایک صاحب کو اظہار حق کا جوش آیا۔ یہ صاحب احمد علی سعید ہیں جن کو دارالعلوم دیوبند کا مفتی اعظم ظاہر کیا گیا ہے ان کا حالیہ فتویٰ رسالہ ''توحید'' تہران میں ایرانی حکومت نے شائع کیا ہے۔ اس فتویٰ میں تحریر کیا ہے کہ روافض پر علی الاطلاق کفر کا فتویٰ لگانا غیر شرعی جسارت ہے۔ لیکن ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جو ان ضروریات دین کا منکر ہو جو نصوص معلومہ سے ثابت ہیں۔ اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا اور یہ بھی لکھا ہے کہ جس کا عقیدہ ہو کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وحی کے لانے میں غلطی کی ہے یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت رسول کا قائل نہ ہو یا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی کرتا ہو تو ایسا عقیدہ رکھنے والے پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ تمام شیعوں کا عقیدہ یہ نہیں۔

مفتی صاحب موصوف کو روافض سے ضرورت سے زیادہ حسن ظن ہے حالانکہ جو روافض فرقہ ''اثناعشریہ'' سے متعلق ہیں (اور علی الاطلاق ان ہی کو شیعہ کہا جاتا ہے)۔ ان میں سے کوئی شخص بھی مذکورہ بالا عقائد سے بیزاری ظاہر کرنے والا نہیں ہے جب سے روافض کو علی الاطلاق کافر کہا گیا ہے اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کا فتویٰ مع تصدیق علماء حق روافض کی تکفیر کے بارے میں شائع ہوا ہے اس کو تقریباً ایک سال گزر رہا ہے۔ کسی شیعہ نے بھی یہ اعلان نہیں کیا کہ ہم ان عقائد سے بَری ہیں۔ اگر شیعہ ان عقائد سے بیزار ہیں تو اسی رسالہ توحید ہی میں احمد علی صاحب کے فتوے کے ساتھ ہی ان عقائد سے اپنی بیزاری شائع کردیتے جن کی وجہ سے ان پر کفر کا فتویٰ عائد کیا گیا۔ مفتی صاحب موصوف نے تحریر فرمایا کہ ''جن روافض کا یہ عقیدہ ہے وہ اقلِ قلیل ہیں''۔ مفتی صاحب کی یہ بات غلط ہے کیونکہ فرقہ اثناعشریہ کا ہر فرد ان عقائد کا حامل ہے اگر چہ وہ اظہار نہیں کرتا لیکن قرائن واضحہ سے یہ بات محقق ہے کہ ان سب کے یہی عقائد ہیں۔ مفتی صاحب نے خود بھی یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ قرائن واضحہ سے مفتی کو جب یہ معلوم ہوجائے کہ کس کا یہ عقیدہ ہے تو کفر کا فتویٰ اس کے بارے میں دے سکتا ہے۔

مفتی صاحب موصوف کا یہ فرمانا کہ ''جن کے عقائد کفریہ ہیں وہ اقل قلیل ہیں'' تعجب خیز ہے۔ کیا

مفتی صاحب پورے عالم کے روافض سے مل کر اور ہر اک کا عقیدہ معلوم کرکے یہ بات لکھ رہے ہیں۔ یا رجماً بالغیب یہ ارشاد فرمارہے ہیں؟

جناب مفتی صاحب نے ''شرح فقہ اکبر'' سے یہ بات بھی نقل کی ہے کہ اگر کسی کے کلام میں ۹۹ احتمال کفر کے ہیں اور ایک احتمال اس کی نفی کا ہے تو کفر کا فتویٰ نہیں لگانا چاہئے۔ مفتی صاحب نے اپنی بات کو مؤید کرنے کے لئے اس عبارت کو بے جا پیش کیا ہے اور اس کا غلط سہارا لیا ہے۔ جن عقائد کی بنیاد پر حضرات اکابر نے روافض پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے ان میں سے کسی ایک میں بھی غیر کفر کا ایک فیصد بھی احتمال نہیں ہے جو شخص یہ کہتا ہو کہ قرآن محرف ہے اس میں کفر ہی کفر ہے۔ ایمان کا کون سا احتمال مفتی صاحب کو نظر آرہا ہے۔

اس زمانہ میں لاعلمی میں بہت سے مفتی دشمنوں کے آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ اس وقت جناب احمد علی صاحب نے اپنا فتویٰ لکھ کر اہل حق کے فتویٰ کی تردید کرنے کی بے جا جسارت کی ہے۔ روافض کے ہاتھ میں انہوں نے ایک بہت بڑا ہتھیار دے دیا تاکہ وہ مکفرین کو غلطی پر بتا سکیں پھر فتویٰ بھی دار العلوم دیوبند کے مفتی اعظم کی طرف سے منسوب ہے حالانکہ یہ صاحب دار العلوم دیوبند قائم کردہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کے مدرسہ میں نہ مدرس ہیں نہ مفتی ہیں مفتی اعظم تو کیا ہوتے۔

روافض، اہل سنت کو ان کے اکابر کو حتیٰ کہ حضرات صحابہ کرام تک کو کافر کہتے ہیں جن میں حضرات خلفاء ثلاثہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی ہیں بلکہ وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہ تہمت رکھتے ہیں کہ آپ نے العیاذ باللہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ڈر سے امت کو اللہ تعالیٰ کا پیغام نہیں پہنچایا جو حضرت علیؓ کی خلافت سے متعلق تھا۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتمان حق کا الزام لگاتے ہوں کوئی تاویل والا مفتی ان کو کہاں تک دائرہ اسلام میں رکھ سکتا ہے؟ شیعہ خود اپنے اقرار سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر نہیں ہیں۔ اہل سنت الحمد للہ اسی دین پر ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور وہی حقیقتاً دین اسلام ہے، روافض کا اپنا بنایا ہوا خود ساختہ دین وہ ہے جسے وہ حضرات ائمہ اہل بیت علیہم الرحمۃ والرضوان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

جب وہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہیں ہی نہیں اور وہ اہل سنت کا دین اور اپنا دین الگ الگ

بتاتے ہیں۔ اہل سنت کو کافر کہتے ہیں تو علماء اہل سنت نے اگر ان کو دائرہ اسلام سے خارج بتادیا تو کونسی غلطی کی؟ روافض کو اس پر ذرا بھی افسوس نہیں ہے کہ وہ اہل سنت کے اس دین پر نہیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے ان کو تو اپنے خودساختہ دین پر فخر ہے وہ تو اہل سنت کے دین کو اختیار کرنے کو تیار نہیں اور ہمارے مفتیان کرام میں جو ان کو خواہ مخواہ دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی بے جا کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ مفتی احمد علی صاحب کسی شیعہ سے یہ کہلوادیں کہ میرا دین وہی ہے جسے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔ اُس کے بعد اُن کے "داخل فی الاسلام" ہونے کی بات کریں، روافض صاف یوں نہیں کہتے کہ ہمارا دین اسلام نہیں ہے لیکن عقائد کفریہ کی وجہ سے ان کا دعوائے اسلام غلط ہے۔ یوں تو قادیانی بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں حالانکہ ختم نبوت کے منکر ہیں۔ ان کو پاکستان قومی اسمبلی میں ہر فرقے اور ہر جماعت نے کافر قرار دے دیا وہ پھر بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اس زبردستی کے دعویٰ کا اس دنیا میں علاج ہوجاتا اگر کسی جگہ اسلامی قانون کا نفاذ ہوتا اب تو آخرت ہی میں ان کے کفر کی سزا ملے گی، جوابدہی ہوگی۔

درحقیقت ان آخری سات آٹھ سال میں جس طرح کھل کر روافض کا کفر سامنے آیا ہے۔ اس سے پہلے کبھی اس قدر واضح ہوکر سامنے نہیں آیا تھا۔ کچھ عجب نہیں کہ سمجھدار شیعہ، خمینی کی امامت کو شیعوں کے لئے اس اعتبار سے بہت زیادہ ضرررساں اور خطرناک قرار دے رہے ہوں کہ اس کی باتوں اور کتابوں سے اہل سنت پر روافض کا کفر پوری طرح عیاں ہوگیا جو اب تک تقیہ کے غلیظ حجاب میں مستور تھا۔

ساری دنیا کو معلوم ہے کہ روافض تمام صحابہ مہاجرین وانصار کو کافر کہتے ہیں اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ ان کی ہر مجلس تبرّا پر ختم ہوتی ہے، جو شخص مہاجرین وانصار کو کافر کہتا ہے وہ قرآن مجید کی تصریح "رضی اللہ عنہم ورضوا عنه" کو جھٹلاتا ہے، جو سورۃ توبہ میں موجود ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کو تحریف قرآن کا اسی لئے قائل ہونا پڑا کہ وہ مہاجر وانصار کے کفر کے قائل ہیں۔ ان کو ایک کفر نے دوسرے کفر میں دھکیل دیا۔ مفتی احمد علی کسی شیعہ سے یہ کہلوادیں کہ مہاجرین و انصار اھل ایمان تھے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔ اگر مفتی صاحب انکو کافر کہنے کو تیار نہیں تو کیا وہ تصریحِ قرآن کی تکذیب کی وجہ سے عنداللہ کافر نہ ہوں گے؟

ہم شیعوں کو بھی دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ ان میں سے ہر شخص غور کرے کہ میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہوں یا نہیں؟ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما، تمام مہاجرین وانصار جیسے بھی ہوں اللہ تعالیٰ کا ان کا معاملہ ہے تم اپنے ایمان کی تو فکر کرو۔ کیا بارہ اماموں کا عقیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے؟ کیا ان اماموں کے معصوم ہونے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ارشاد فرمایا؟ کیا تقیہ اور تبرّا کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے؟ غور کریں اور خوب کریں اور یہ بھی بتائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اپنے مقصد میں کامیاب ہوکر تشریف لے گئے یا ناکام۔ شیعہ کامیابی والی بات نہیں کہہ سکتے کیوں کہ ان کے نزدیک چار پانچ کے علاوہ سب صحابہ کافر تھے اور ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان نہ کر سکے۔ اگر شیعوں کی یہ بات مان لی جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت رائیگاں گئی۔ شیعوں کی اس بات سے آیت قرآنی "لیظهره على الدين كله" کی تکذیب لازم آتی ہے۔ ہم خیر خواہانہ طور پر شیعوں کو غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں۔

فتویٰ کا تعلق تو روافض کی تکفیر سے تھا لیکن جناب احمد علی صاحب حرم شریف کے فساد کو بھی درمیان میں لے آئے جو وہاں ۱۴۰۷ھ کے حج کے موقع پر ہوا۔ تحریر فرماتے ہیں کہ "رہی یہ بات کہ ایران کے شیعوں نے حرم شریف میں فساد کیا۔ اگر یہ بات صحیح ہی ہو کہ انہوں نے فساد کیا ہے تو اس فعل کی وجہ سے بھی ان پر کفر کا فتویٰ کسی طرح بھی عائد نہیں ہوتا"۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں نے یہ بات احمد علی صاحب سے لکھوائی ہے مفتیان کرام نے اس فساد کی وجہ سے ان کو کافر نہیں کہا۔ ان کی وجوہِ کفر اور ہیں جو فتویٰ میں ذکر کی گئی ہیں۔

جناب احمد علی صاحب نے اول تو شیعوں کو فساد سے بَری کرنے کے لئے مذکورہ بالا عبارت میں یہ الفاظ لکھ دیئے ہیں کہ "اگر یہ بات صحیح ہی ہو کہ انہوں نے فساد کیا" پھر یہ تحریر فرمایا کہ "اب حرم میں جو کچھ ہوا کس نے پہل اور ابتداء کی، اس کے مقاصد کیا تھے اور کس نے دفاع کیا اسکو تو صحیح طور پر دونوں حکومتیں ہی جانتی ہیں (الی ان قال) کیسے کہا جائے کہ اس میں سنی مسلمان شریک نہیں تھے اس لئے کہ ایران میں صرف شیعہ ہی نہیں بستے، سنیوں کی بھی لاکھوں کی تعداد ہے۔ کیا ان میں سے کوئی حج کو نہیں گیا تھا اور اس میں شریک نہیں تھا؟

مفتی صاحب نے خواہ مخواہ ایسے احتمالات پیدا کئے ہیں جن سے شیعوں کا حجاج پر حملہ آور ہونا اور ''البلد الامین'' میں فساد برپا کرنا محض ایک مشکوک سی بات ہو کر رہ جاتی ہے جس سے بڑی حد تک شیعوں کا دامنِ فساد اور قتل وقتال سے پاک ہو جاتا ہے۔ یا وہ لوگ جنہوں نے ان سے فتویٰ لکھوایا اور صحیح حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے لیکن انہوں نے دانستہ یا نادانستہ طور پر جو شیعوں کی حمایت کی ہے وہ جسارت بے جا ہے۔

مختلف ممالک کے حجاج موقع پر حاضر تھے جنہوں نے آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے خواہ مخواہ ان کی آنکھوں میں دھول جھونکی جا رہی ہے اور جھوٹی شقیں نکال کر انکو جھوٹا اور روافض کو شر وفساد سے بَری قرار دیا جا رہا ہے۔ ایرانی شیعہ تقریباً اٹھارہ سال سے حج کے نام پر حرمین آتے رہے ہیں اور شر وفساد کرتے رہے ہیں۔ جناب احمد علی صاحب نے ممکن ہے اس لمبی مدت میں حج نہ کیا ہو اگر حج کیا ہو تو شیعوں کی حرکات سے صرفِ نظر کر گئے ہوں۔ ورنہ ایسی بات نہ لکھتے۔ بلاشبہ ایران میں اہل سنت والجماعت رہتے ہیں۔ اول تو ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ پھر جو حج میں تھوڑے سے آتے رہے ہیں وہ تو دوسرے مسلمانوں کی طرح صرف حج کرنے آتے ہیں۔ شیعوں کے ساتھ کسی سال بھی انہوں نے شر وفساد اور نعرہ بازی میں شرکت نہیں کی۔ احقر کو برسہا برس سے ہر سال حج کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ شیعوں کا شر وفساد ہر سال سامنے آتا تھا۔ لیکن سعودی حکومت قصداً طرح دے جاتی تھی اور چشم پوشی سے کام لیتی تھی۔ جب سر سے پانی اونچا ہو گیا تو حکومتِ سعودیہ کو وہ اقدام کرنا پڑا جس کی ذمہ داری ان پر آتی تھی۔

شیعہ قرآن کو تو مانتے نہیں ورنہ ''سورۂ حج'' کی آیت (**ومن یرد فیه بالحاد بظلم نذقه من عذاب الیم**) (الحج: ۲۵) کو سامنے رکھتے اور وہ حرکت نہ کرتے جو انہوں نے مکہ معظمہ میں ۱۴۰۷ کے حج میں کی۔ آخر حج کے موقع پر چاقو اور چھری لے کر جلوس نکالنا حج کا کونسا رکن ہے؟۔

مفتی احمد علی صاحب ہی اس عقدۂ لاینحل کو حل کر سکتے ہیں۔ فتویٰ کے آخر میں احمد علی صاحب نے لکھا ہے کہ ''موجودہ وقت میں جو کچھ ہے مفاد پرستوں اور اقتدار پرستوں کا ایک نیا فتنہ ہے''۔ ہمارے نزدیک احمد علی صاحب کا فتویٰ کچھ اس انداز کا ہے کہ انہیں مفاد پرستوں نے استعمال کر لیا ہے اور اہل کفر کے کفر ظاہر ہو جانے کے بعد انکو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی ضد کرنا یہ ایک مستقل فتنہ ہے۔ اللہ ہم سب پر رحم فرمائے اور شیعہ کے مکائد اور دسائس سے محفوظ رکھے۔ یہ بات قابلِ سوال ہے کہ ''دیوبند'' کا لکھا ہوا

فتویٰ ایران کیسے پہنچا اور وہاں کیسے چھپا اور وہاں کے رسالہ میں چھپنے کے لئے کس نے دیا اور یہ فتویٰ ہندوستان کے جرائد میں کیوں نہ آیا؟۔ **فالی الله المشتکیٰ وهو المستعان.**

بشکریہ: ماہنامہ الفاروق کراچی صفر ۱۴۰۹

کتبہ: محمد عاشق الٰہی بلندشہری

بینات - رجب المرجب ۱۴۰۹ھ

سنی، شیعہ اور اسماعیلی اتحاد کی تحریک

ایک تنقیدی جائزہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین درج ذیل دوورقی پمفلٹ کے بارے میں جس کا عنوان ہے ''سنی، شیعہ اور اسماعیلی اتحاد'' اس پمفلٹ کے مندرجات کچھ یوں ہیں۔

''ہم سب ''سنی، شیعہ اور اسماعیلی'' ایک اللہ، ایک رسول ﷺ اور ایک قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں، ''ناردرن ایریا'' میں ہم سب کا تعاون اور محبت مدتوں سے مثالی رہا ہے، ہم ایک دوسرے کی عبادت گاہوں میں اپنی اپنی نمازیں ادا کرتے رہے ہیں لیکن گزشتہ چند ماہ سے اسلام دشمن سازشوں کے جال میں پھنس کر ہمارے درمیان جو قتل وغارت ہوئی ہم سب اس پر شرمندہ اور معذرت خواہ ہیں۔

محترم علامہ عارف الحسینی کے قتل کی تفتیش اور ملزمان کی گرفتاریوں سے ہم سب کو یقین محکم ہوگیا ہے کہ جس طرح ایک ملزم نے افغانستان سے ۱۶ لاکھ روپے کے عوض جناب علامہ عارف الحسینی کو قتل کیا ہے اسی طرح افغانستان اور روسی سازشوں کے تحت ملک کے اس انتہائی اہم اور حساس سرحدی علاقے میں بھائیوں کو بھائیوں سے لڑایا گیا ہے۔

خلفائے راشدین کے خلاف بہتان طرازیاں اور امام باڑے یا جماعت خانے کا جلایا جانا سب کچھ گھناؤنی سازش کا نتیجہ تھا جس کا ہم سب شکار ہوئے ہم سب اپنی اپنی غلطیوں پر نادم اور شرمندہ ہیں اور ایک دوسرے کو کھلے دل سے معاف کرکے گلے لگاتے ہیں، قرآن مجید میں دوسرے مذاہب کے بتوں تک کو برا کہنے سے منع کیا گیا ہے کہ وہ جواب میں اللہ کو برا کہیں گے، افواہیں یہاں تک پھیلی ہوئی ہیں کہ ہم میں سے بعض مکاتب فکر نے قرآن مجید میں تحریف کی

سازش کی ہے تا کہ ہم کو ایک دوسرے سے بدظن کر کے لڑایا جا سکے ہم سب مشترکہ طور پر یہ اعلان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی تحریف کرنے والا بھی اسلام کے دائرہ سے خارج ہے۔

۱: دشمنان اسلام اور پاکستان کو منہ توڑ جواب دینے کے لئے ہم سب نے فیصلہ کیا ہے کہ تمام مساجد، امام باڑے اور جماعت خانوں کے دروازے سب سنی، شیعہ اور اسماعیلیوں کے لئے کھلے رہیں گے کسی بھی مکتب فکر کا مسلمان کسی بھی عبادت گاہ میں جا کر اپنے مسلک سے نماز ادا کرسکتا ہے۔

۲: قرآن مجید میں تحریف کے الزام کو رد کرنے کے لئے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ مساجد میں، امام باڑوں اور جماعت خانوں میں قرآن مجید کے مخلوط مدارس قائم کئے جائیں جہاں سب مکاتب فکر کے بچے، بڑے قرآن مجید پڑھیں۔

۳: خلفائے راشدین پر تبرّا بھیجنے والوں کا محاسبہ خود شیعہ برادری بھی کرے گی اور سنی حضرات پرامن عزاداری کو یقینی بنانے میں پوری مدد دیں گے کیونکہ کسی کے بھی بزرگوں یا شعائر مذہب کی تضحیک لازماً کشیدگی پیدا کرے گی۔

۴: اگر آپ اپنی آبادی کی مساجد، امام باڑے، جماعت خانے میں قرآن مجید کا مخلوط مدرسہ قائم کرنا چاہیں تو ہم ہر طرح کا مالی اور اخلاقی تعاون پیش کریں گے۔

۵: اگر آپ اپنی آبادی کی مسجد/امام باڑے/جماعت خانے میں ڈسپنسری قائم کرنا چاہیں تب بھی ہماری ممکنہ امداد حاضر ہے۔

۶: کسی بھی مکتب فکر کے لوگوں کو دوسرے مکتب فکر سے کوئی شکایت پیدا ہو تو وہ راست اقدام سوچنے کے بجائے زیر دستخطی سے رابطہ کریں تا کہ متعلقہ مکتب فکر کے بزرگوں سے مل کر شکایت کنندہ کی تکلیف دور کی جا سکے۔

یقین کیجئے کہ ہر مکتب فکر کے بزرگ انتہائی دردمند اور خداخوفی والے لوگ ہیں اس کے ثبوت میں ہم علی آباد (ہنزہ) میں مسجد قبا کی مثال پیش کرتے ہیں جہاں اسماعیلیوں کی شکایت پر سنی منتظمین نے فوراً امام مسجد کو علیحدہ کر دیا اسی طرح علامہ آغا حامد، دشمنان اسلام کی سازشیں ناکام

بنانے اور اخوت ورواداری کی فضاء کے لئے بے چین ہیں، ہم سب کو دشمنان اسلام کے سامنے مذاق نہیں بننا چاہیئے ''اور مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ واور متفرق نہ ہوجاؤ''۔ القرآن

آفتاب احمد شمسی

(کنوینر) سنی شیعہ اسماعیلی اتحاد کمیٹی

جمعیت تعلیم القرآن، فورٹریس اسٹیڈیم، لاہور کینٹ

مندرجہ بالا پمفلٹ کی عبارت کے مضمون، تحریک اور ایسے عمل پر کیا حکم ہے؟ مزید یہ کہ جو صاحب ایسے امور کو لے کر چلے اور رجوع نہ کرے اس کا کیا حکم ہے؟

سائل: صغیر احمد (حال وارد کراچی) ۱۷۸، انارکلی لاہور

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

منسلکہ پمفلٹ ''سنی، شیعہ اسماعیلی اتحاد'' کے مضمون کا حکم بیان کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ تین امور کا تذکرہ ہوجائے تاکہ اس پمفلٹ کے بارے میں ایک عام آدمی کو بھی نتیجہ اخذ کرنے میں سہولت ہو اور وہ امور ثلاثہ یہ ہیں:

۱: فرقہ شیعہ وفرقہ اسماعیلیہ آغا خانی کے مختصر عقائد اور پھر اہلسنت کے عقائد سے موازنہ۔

۲: اس پمفلٹ کے مندرجات پر نقد وتبصرہ۔

۳: اتحاد کے لئے شرائط۔

آخری امر کا تذکرہ اس لئے ضروری ہے کہ عام لوگوں کا تاثر یہ ہے کہ اختلاف چھوٹے طبقے کے پیدا کردہ ہیں ہر طبقہ کے بڑے اس بات کے متمنی ہیں کہ اتفاق واتحاد رہے۔

شیعہ کے عقائد

ان کے بنیادی ''عقائد ثلاثہ'' یہ ہیں:

۱- عقیدۂ امامت:

اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ''مبعوث من اللہ'' (اللہ تعالیٰ کی طرف

سے بھیجے ہوئے) ہوتے ہیں ایسے ہی ''ائمہ معصومین'' بھی ، ان پر وحی نازل ہوتی ہے اور ان کو حسب منشاء قرآن پاک میں تبدیلی کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

۲-بغض صحابہ:

ان کا دوسرا بڑا عقیدہ یا اصول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض وعداوت ہے ان کے نزدیک تمام صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین ماسوائے حضرات مقداد، ابوذر غفاری، اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کے بعد وصال النبی ﷺ مرتد ہوگئے تھے اور ان تین حضرات نے بھی بشمول حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طوعاً وکرہاً ایک مرتد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی تھی۔ (العیاذ باللہ)

۳-تحریف قرآن:

تیسرا بنیادی عقیدہ جو پہلے دو کا نتیجہ ہے وہ ہے تحریف قرآن، ان کے نزدیک موجودہ قرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تحریف کردہ ہے۔ (العیاذ باللہ) اور اصلی قرآن ائمہ کے پاس اباً عن جدٍ منتقل ہوتا رہا ہے اور اب امام مہدی کے پاس ہے اس کے چالیس پارے ہیں وہ ایک غار ''سرمن راٰہ'' میں اس قرآن کو لئے بیٹھے ہیں، اپنے ظہور کے بعد اس کو لائیں گے اور نافذ کریں گے۔ (۱)

مزید تفصیل کے لئے مذکورہ کتاب کے علاوہ ''بینات'' کا خصوصی نمبر، مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کی کتاب ''ایرانی انقلاب'' اور شاہ عبدالعزیزؒ کی کتاب ''تحفہ اثناء عشریہ'' کا مطالعہ فرمائیں۔

اسماعیلیوں کے عقائد

اسماعیلیوں کے عقائد شیعہ ہی کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی کچھ آگے ہیں۔ اسی بناء پر بعض شیعہ نے بھی ان کو اپنے میں شمار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ ان کے عقائد کو بھی ہم مذکورہ بالا انداز سے لے لیتے ہیں۔

۱-عقیدۂ امامت:

آغاخانی اپنے ''امام حاضر'' کو صرف معصوم ہی نہیں مانتے بلکہ یہ بھی مانتے ہیں کہ ان کا امام

(۱) ماخوذ از اختلاف امت اور صراط مستقیم مؤلفہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ ص۱۶ تا ۲۴ - ط: بینات

حاضر ہے، خدا کا مظہر ہے خدا تعالیٰ اپنی تمام الٰہی طاقتوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے امام حاضر میں حلول کرتا ہے اس لیے ان کے نزدیک امام حاضر ہی خدا ہے وہی مستحق دعا وعبادت ہے۔

درج ذیل عبارت میں اسی عقیدہ کا اظہار ہے:

''اس کلجگ میں خداوند عالم کا ظہور انسانی جسم میں ہے اور وہ ساری روحوں کا شہنشاہ ہے یعنی وہ امام حاضر ہے''۔(۱)

۲-بغض صحابہ:

اس عقیدہ میں اسماعیلی بھی شیعہ ہی کی طرح ہیں کیونکہ وہ بھی اکابر اصحاب ثلاثہ کو غاصب، ظالم اور خائن کہتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ)

۳-تحریف قرآن:

ان کے نزدیک بھی قرآن پاک میں معاذ اللہ حضرت عثمانؓ نے تحریف کی ہے اصل قرآن تو چالیس پارے ہیں تیس تو موجودہ اور باقی دس پارے امام حاضر کی زبان ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)(۲)

ہم نے مذکورہ دونوں فرقوں کے تین بنیادی عقیدوں کا تو ذکر کیا ہے لیکن کلمہ کا نہیں کیونکہ وہ تو عقیدے کا مظہر ہی ہوتا ہے لہذا اب طرداً للباب اس کا بھی ذکر کئے دیتے ہیں۔

شیعہ کا کلمہ:

''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیّ ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلا فصل''.

یہ کلمہ ''دینیات برائے جماعت نہم ودہم'' کے جدا شیعہ نصاب۔ جاری کردہ حکومت پاکستان سے لیا گیا ہے لیکن انہی کا کلمہ ایرانی رسالہ ''وحدت اسلامی'' کے سالنامہ ۱۹۸۴ء میں یوں درج ہے:

''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ خمینی حجۃ اللہ''.

---

(۱) گنان برہم پرکاش۔۔۔۔ص:۲۹۶.

(۲) ماخوذ از مجموعہ اشاعت ہفت روزہ تکبیر شمارہ۔۔۔۔۲۵ فروری تا ۷ جولائی ۱۹۸۸ء

اسماعیلی کلمہ:

''اشھد ان لا الٰہ الا اللہ ،واشھد ان محمد رسول اللہ ،

واشھد ان علی اللہ''. (۱)

آغاخانیوں کے عقائد کی تفصیل کے لیے ڈاکٹر زاہد علی کی تالیف ''ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام'' کا مطالعہ کافی ہے۔ مذکورہ ڈاکٹر صاحب خاندانی طور پر اسماعیلی تھے۔ لیکن بفضل اللہ تائب ہوکر اسلام کے کامل اور صحیح مبلغ ہوگئے تھے۔

اب دوسری طرف اہل سنت کے ہاں نہ تو عقیدہ تحریف قرآن ہے اور نہ بغض صحابہ رضی اللہ عنہ اور نہ ہی امامت کا مذکورہ تصور بلکہ یہ سب چیزیں ان کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج کرنے والی ہیں۔ ان کے ہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مثل النجوم ہیں ان کی اقتدا ہی میں ہدایت مضمر ہے۔ وہ موجودہ قرآن پاک ہی کو منزل من اللہ جانتے ہیں اور اسی بناء پر ان کے ہاں بنیادی عقیدہ توحید ورسالت کا ہے، اور تمام صحابہ علیٰ حسب المراتب شرف صحابیت سے مشرف ہونے کے باعث ان کے سر کے تاج ہیں۔

لہٰذا یہ بات ثابت ہوئی کہ اہلسنت کے ساتھ ان دونوں گروہوں کا اختلاف اصولی ہے اور کفر واسلام کا اختلاف ہے کوئی فروعی اختلاف نہیں کیونکہ تحریف قرآن کا قائل اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا منکر باجماع اہل اسلام کافر ہے۔ یہاں ایک بات کا تذکرہ مفید ہوگا وہ یہ کہ جب امت مسلمہ قادیانیوں کو ایک مرزا کے نبی ماننے پر کافر ومرتد کہتی ہے تو شیعہ اور آغاخانی تو بطریق اولیٰ اس کے مستحق ہوں گے کیونکہ وہ تو بارہ اماموں کو نبی بلکہ ان سے بھی بڑھ کر مانتے ہیں۔

اگر کسی خیرخواہ کو یہ اشکال ہو کہ وہ تو ان عقائد سے برأت کا اظہار کرتے ہیں تو اس سلسلہ میں واضح ہو کہ ان دونوں فرقوں کے مذہب کا بنیادی جزو ہے ''تقیہ''، جس کے معنی ہیں ''اپنے عقائد کو چھپانا'' تو وہ اس اظہار برأت میں اسی ''تقیہ'' سے کام لیتے ہیں، ویسے بھی جب کوئی شخص کسی مذہب کا متبع و پیروکار ہے تو اس کی بات کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ اس مذہب کے ائمہ ومجتہدین کی بات دیکھی جاتی ہے، لہٰذا مذکورہ دونوں

(۱) ماخوذ از مجموعہ اشاعت ہفت روزہ تکبیر.

فرقوں کے اماموں اور بڑے علماء کی باتوں کو دیکھا جائے گا جیسا کہ صاحب ''اصول کافی'' جس کے بارے میں ملت شیعہ کا خیال ہے کہ اس نے گیارہویں بارہویں امام کا زمانہ پایا ہے یا موجودہ دور میں خمینی اور پیشوا ''ملاباقر مجلسی'' اگر کوئی ان سے برأت کا اظہار کرے تو وہ شیعہ یا اسماعیلی ہی نہیں اور اس کا ان کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا صحیح نہیں لہٰذا ''برأت کا عذر'' عذر لنگ ہے۔

منسلکہ پمفلٹ کی حقیقت:

منسلکہ پمفلٹ جھوٹ کا پلندہ، کذب وافتراء کا طومار اور اہل سنت عوام کو دھوکہ دینے کے لئے ''تقیہ'' کی سیاہ نقاب ہے، یہ اہلسنت کی تحریک ہرگز نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر شیعہ اور اسماعیلی اپنے کفریہ عقائد کو چھوڑ دیں تو وہ خود اسلام میں داخل ہوجائیں گے اور اس صورت میں اس تحریک اور اتحاد کو سنی، شیعہ، اسماعیلی اتحاد قرار دینا غلط ہوگا بلکہ اس کو ''انتقال الشیعة والاسماعیلین الی اهل السنة'' کہنا ہوگا اور اگر انہوں نے اپنے عقائد کو نہیں چھوڑا جیسا کہ پمفلٹ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے اور اس کا نام بھی اس کی طرف مشعر اور اس کے لئے مثبت ہے تو پھر یہ کفر واسلام کے اتحاد کی کوشش ہے کیونکہ شیعیت اور آغاخانیت خالص کفر ہے جیسا کہ اوپر ذکر کئے گئے عقائد سے واضح ہوچکا ہے۔

اور جہاں تک اس کے مندرجات پر تفصیلی جائزہ کی بات ہے تو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ پہلا پیراگراف تو سفید جھوٹ ہے کیونکہ نادرن ایریا میں مسلمانوں، شیعوں اور آغاخانیوں کے مابین دشمنی تو مثالی کہی جاسکتی ہے، ان کے مابین محبت کا دعوی کرنا روز روشن کو شب تاریک قرار دینے کے مترادف ہے پھر دوسرے پیراگراف میں سازشوں کو فقط روس اور افغانستان کی طرف منسوب کرنا گویا عام مشاہدہ کا انکار کرنا ہے کیونکہ سرکاری تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ ایسے واقعات میں ایران ملوث ہے جیسا کہ مرحوم صدر ضیاء الحق نے اپنے ایک بیان میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا تھا۔

تیسرے پیراگراف میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف بہتان تراشی کو سازش کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ عداوت وبغض صحابہؓ، شیعہ اور آغاخانیوں کا جزو ایمان ہے، اب اگر یہ سازش ہے تو پمفلٹ لکھنے والوں کو گویا اس کا اقرار ہے کہ شیعہ اور آغاخانی مذہب خود اسلام

اور اہل اسلام کے خلاف ایک گھناؤنی سازش ہیں۔

چوتھے پیراگراف میں تحریف قرآن کی سازش پر افواہ کا اطلاق کیا گیا ہے، جو پرلے درجے کی جہالت اور جھوٹ ہے، اس لئے کہ شیعوں کے امام ملا باقر مجلسی نے تو ''تذکرۃ الائمۃ'' میں ان سورتوں کو بھی نقل کیا ہے جو اس کے زعم میں قرآن سے نکال دی گئی تھیں۔ العیاذ باللہ

اور خمینی موجودہ شیعہ امام اسی ''ملا باقر مجلسی'' کو اپنی کتاب ''کشف الاسرار'' میں اپنا امام ومقتداء لکھتا ہے اب اگر یہ لوگ مجبور ہوکر ایسے شخص کو جو تحریف قرآن کا قائل ہو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیں تو پھر انہیں ملا باقر مجلسی، خمینی اور دیگر شیعہ مجتہدین اور آغا خانی مصنفین کو بھی کافر کہنا ہوگا حالانکہ وہ اس کے قائل کبھی نہیں ہو سکتے اور اگر بغیر تقیہ کے اس کے قائل ہو جاتے ہیں تو پھر ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ کفر کی مختلف وجوہ میں سے ایک وجہ ان میں نہیں رہی اب اگر وہ مزید وجوہ کفر کو بھی چھوڑ دیں تو اسلام میں داخل ہو جائیں گے ورنہ دو خداؤں کو ماننے والا اور سو خداؤں کو ماننے والا کفر میں برابر ہیں۔

آخر میں پمفلٹ میں مختلف تجاویز اور فیصلے دیئے گئے ہیں، ان میں سے پہلا فیصلہ تو یہ کہ سنی، شیعہ اور اسماعیلی، ہر ایک کو اجازت ہوگی کہ دوسرے کے عبادت خانے میں جا کر عبادت کرے۔ معلوم نہیں اس پر عمل کہاں ہوا؟ یہاں کراچی میں تو اسماعیلی جماعت خانوں میں داخلے پر پابندی تو ویسے ہی ہے جیسے کہ پہلے تھی اور جملہ حقوق داخلہ بحق متبعین آغا خان محفوظ ہیں۔ اب اگر اس کو عقلاً بھی دیکھا جائے تو ناممکن نظر آتا ہے کیونکہ جب عقائد دونوں فریقوں کے جدا اور طرز عبادت جدا ہے اور دونوں کے درمیان کفر واسلام کا فاصلہ ہے تو پھر کیسے ایک جگہ عبادت کی جا سکتی ہے۔ اور جہاں تک مخلوط مدارس ومکاتب کا تعلق ہے تو اس میں ان سادہ لوح اہلسنت کو تو اپنے بچوں سے ہاتھ دھونے پڑیں گے، باقی شیعہ اور آغا خانی تو اس کے علاوہ اور چاہتے ہی کیا ہیں! یہ روزمرہ کے مشاہدے کی بات ہے کہ شیعہ اور اسماعیلی کا بچہ اپنے عقائد سے بخوبی واقف ہوتا ہے جبکہ اہلسنت کے بڑے بھی اس سے واقف ہونا اضطراری نہیں سمجھتے۔

پھر تبرا بازی کے انسداد کے لئے شیعہ خود محاسبہ کریں گے تو بہت اچھا! سب سے پہلے تو موجودہ امام خمینی کا محاسبہ کریں کیونکہ اس کی کتابیں مثلاً ''کشف الاسرار'' اور ''الحکومۃ الاسلامیۃ'' ان خرافات سے بھری پڑی ہیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو محاسبہ کیسا ہوگا؟

باقی یہ کہنا کہ سنی پرامن عزاداری کو یقینی بنائیں گے! عزاداری پرامن ہی کہاں ہوتی ہے؟ کیونکہ عزاداری کا ڈھونگ پہلے دن ہی سے اہلسنت کے خلاف خونی ڈرامہ کھیلنے کے لئے رچایا گیا ہے۔ چنانچہ یہ جلوس ہمیشہ چھریوں اور خنجروں سے لیس قاتلوں پر مشتمل ہوتے ہیں جیسا کہ گزشتہ کئی سال کے واقعات گواہ ہیں اور اگر بفرض محال یہ جلوس پرامن ہوں بھی تو ان کا جواز شرعی کہاں سے ثابت ہے؟ خود شیعہ کی کتابوں میں اس کو ناجائز لکھا ہے مثلاً ملا باقر مجلسی نے ''حیات القلوب'' کے ص ۱۵۹، ۱۷۴، ۳۳۷ کے علاوہ بھی کئی صفحات پر تصریح کی ہے اور وہی ملا اپنی کتاب ''جلاء العیون'' کے ص ۲۱۳ پر لکھتا ہے کہ

''ماتم کی ابتداء قاتلان حسین نے کی تا کہ اپنے جرم پر پردہ ڈال سکیں''(۱)

اس کے علا وہ جو فیصلے اور تجاویز ہیں وہ خودفریبیوں کے سوا کچھ حیثیت نہیں رکھتیں اب بدیہی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان فرقوں کے عقائد واقعتاً ایسے ہی ہیں تو پھر ان پر حکومت گرفت کیوں نہیں کرتی، اور ان کو کافر کیوں قرار نہیں دیتی جبکہ یہ ایک اسلامی مملکت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''ہمارے ملکی قانون میں اسلام اور اس کے بنائے ہوئے طریقوں سے انحراف قابل مواخذہ نہیں ہے'' یہ بات اثر حسین ایڈوکیٹ نے سندھ ہائی کورٹ میں دوران بحث کہی تو عدالت نے اس پر سکوت اختیار کیا۔(۲)

آخر میں ہم تیسرے امر کا تذکرہ کرتے ہیں کیونکہ ہر تھوڑی سی دینی سوچ رکھنے والا دنیا دار اتحاد بین المسلمین کے لئے اپنے آپ کو بے چین ظاہر کرتا ہے اور انتشار و اختلاف کو علماء کے سر ڈالتا ہے۔

اتحاد کی شرط:

شیعہ آغاخانی اور اہلسنت کے اتحاد کی دعوت جو اس پمفلٹ میں دی گئی ہے غلط اور بے ہودہ ہے، اتحاد کی شرط، بشرطیکہ دوسرے فرقے بھی راضی ہوں اور مخلص ہوں تو فقط ایک ہی ہے اور اس شرط پر عمل کئے اور اس صورت کو اپنائے بغیر اہل حق کا ان حضرات سے اتحاد ناممکن ہے اور وہ شرط یہ ہے کہ شیعہ اور آغانی

(۱) بحوالہ خیر الفتاویٰ جلد اول۔ ناشر: جامعہ خیر المدارس۔ ص: ۸۸۔ ۴۸۷۔

(۲) ہفت روزہ تکبیر اشاعت ۹ جون ۱۹۸۸ء

اپنے تمام عقائد باطلہ سے برأت کا اظہار کریں اور ہر اس شخص کو جو ان عقائد کا حامل ہو، کافر قرار دیں چاہے وہ ان کا امام ہی کیوں نہ ہو، اگر اتحاد کی یہ شرط نہ پائی جائے تو یہ کفر و اسلام کا اتحاد ہوگا جو نہ صرف ناممکن بلکہ محال ہے اور اس کی دعوت کفر کو برداشت کرنے کی دعوت کے مترادف ہوگی۔

اب یہ تو ظاہر ہے کہ اس شرط پر عمل کر کے حقیقتاً تو وہ شیعہ اور اسماعیلی نہیں رہیں گے بلکہ اہلسنت میں داخل ہو جائیں گے لیکن اس کے سوا اتحاد کی کوئی صورت نظر نہیں آتی کیونکہ کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر ''اتحاد بین المسلمین'' نہیں بلکہ ''اتحاد بین المنافقین'' ہوگا۔

اب آخر میں ہم سائل کے سوالات کے جواب کی طرف آتے ہیں۔

۱: مذکورہ بالا تفصیل کو دیکھنے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ پمفلٹ اور تحریک و عمل کسی چالاک اور منافق شیعہ ذہن کی پیداوار ہے جس کا مقصد اہلسنت کو بے غیرت بنانا اور ان کو ایک سازش کے تحت گمراہ کرنا ہے لہٰذا یہ تحریک و عمل قطعاً ناجائز و حرام ہے کوئی عقل سلیم رکھنے والا اس کو صحیح نہیں کہے گا چہ جائیکہ علماء۔ اور یہ تحریک و عمل اس انسان کو جو اس پر عمل پیرا ہو کم از کم اہل سنت سے ضرور خارج کر دے گا لہٰذا اس پمفلٹ کا مضمون بلا مبالغہ زندقہ اور عیاری پر مبنی ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ ایک شخص سنی بھی ہو اور شیعہ بھی ہو وغیرہ وغیرہ پھر وہ دوسرے کے عقائد کو جانتے ہوئے اس کے ساتھ اتحاد کر لے، یہ پمفلٹ سراسر گمراہی ہے، عوام کو اس سے متنبہ کیا جائے۔

۲: اس تحریک کو لے کر چلنے والا اگر اسلام اور عقیدۂ اہلسنت کا مدعی ہے تو اس پر لازم ہے کہ فوراً توبہ کر لے اور اپنے ایمان کو بچانے کی سعی کرے ورنہ اس تحریک کے سبب سے وہ اہلسنت سے خارج ہو جائے گا رہا یہ کہ وہ پھر کس زمرے میں شمار ہوگا، مذکورہ بالا تقریر کی روشنی میں ادنیٰ فہم رکھنے والا شخص بھی اس کو سمجھ سکتا ہے کیونکہ اہلسنت کے نزدیک کفر و اسلام کے درمیان ایسی کوئی گھاٹی نہیں جس سے آدمی اہل سنت کے زمرے سے نکل کر بھی خالص مسلمان رہ جائے۔

اور اگر وہ شخص منع کرنے کے باوجود اور شیعہ و آغاخانیوں کے عقائد سے مطلع ہونے کے باوجود اپنی اس تحریک پر جما رہے اور اصرار کرتا رہے تو یہ شخص دینِ اسلام اور مسلمانوں کا غدار شمار ہوگا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس سے قطع تعلق کر لیں کیونکہ ایسے شخص سے تعلق آدمی کے ایمان کو خطرے میں ڈال سکتا ہے اور

حضورﷺ اوران کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ناراضگی کا سبب تو ہے ہی۔اللہ پاک ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ نصیب فرمائے اور صراط مستقیم پر چلائے۔فقط واللہ اعلم

کتبہ: محمد زہیر

بینات-شوال ۱۴۰۹ھ

قادیانی عقائد

عقیدہ ۱: قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، میں محمد رسول اللہ سے مراد مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ مرزا بشیر احمد صاحب ایم، اے لکھتے ہیں:

مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو اشاعت اسلام کے لئے دوبارہ تشریف لائے اس لئے ہم (مرزائیوں) کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں ہاں اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔

(کلمۃ الفصل ص ۱۵۸، مندرجہ ریویو آف ریلیجز، بابت مارچ، اپریل ۱۹۱۵ء)

عقیدہ ۲: قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ چودھویں صدی سے تمام انسانیت کا رسول مرزا غلام احمد ہے۔ (تذکرہ ص ۳۶۰)

عقیدہ ۳: قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ رحمۃ للعالمین مرزا غلام احمد ہے۔ (تذکرہ ص ۸۳)

عقیدہ ۴: قادیانی عقیدہ ہے کہ خاتم الانبیاء مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ مرزائی اخبار "الفضل" مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۵ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

یہ مسلمان کیا منہ لے کر دوسرے مذاہب کے بالمقابل اپنا دین پیش کر سکتے ہیں تا وقتیکہ وہ مسیح موعود (غلام احمد قادیانی) کی صداقت پر ایمان نہ لائیں، جو فی الحقیقت وہی ختم المرسلین تھا کہ خدائی وعدہ کے مطابق دوبارہ آخرین میں مبعوث ہوا وہ (مرزا) وہی فخر اولین و آخرین ہے جو آج سے تیرہ سو برس پہلے رحمۃ للعالمین بن کر آیا تھا۔ (قادیانی مذہب ص ۲۶۴)

عقیدہ ۵: قادیانی عقیدہ ہے کہ آسمان و زمین اور تمام کائنات کو صرف مرزا غلام احمد کی خاطر پیدا کیا گیا۔ لولاک لما خلقت الأفلاک۔ (حقیقۃ الوحی ص ۹۹)

عقیدہ ۶: قادیانی عقیدہ ہے کہ مرزا غلام احمد کا آسمانی تخت تمام نبیوں سے اونچا ہے۔ (حقیقۃ الوحی: ۸۹)

عقیدہ ۷: قادیانی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا زمانہ روحانی ترقیات کی طرف پہلا قدم تھا اور مرزا غلام احمد کے زمانہ میں روحانیت کی پوری تجلی ہوئی۔ (خطبۂ الہامیہ: ص ۱۷۷)

عقیدہ ۸: قادیانی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو چھوٹی فتح مبین نصیب ہوئی تھی اور بڑی فتح مبین مرزا غلام احمد کو ہوئی۔ (خطبۂ الہامیہ۔ ص: ۱۹۳)

عقیدہ ۹: قادیانی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کا اسلام پہلی رات کے چاند کی طرح (یعنی بے نور) تھا اور مرزا غلام احمد کے زمانہ کا اسلام چودھویں رات کے چاند کی طرح تاباں و درخشاں ہے۔ (خطبۂ الہامیہ۔ ص: ۱۸۴)

عقیدہ ۱۰: قادیانی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے معجزات تین ہزار تھے (تحفۂ گولڑیہ۔ ص: ۶۳) اور مرزا غلام احمد کے معجزے تین لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔ (حقیقۃ الوحی۔ ص: ۶۷)

عقیدہ ۱۱: قادیانی عقیدہ ہے کہ مرزا غلام احمد کا ذہنی ارتقاء آنحضرت ﷺ سے زیادہ تھا۔ (ریویو، مئی ۱۹۲۹ء، بحوالہ قادیانی مذہب، ص: ۲۴۱)

عقیدہ ۱۲: قادیانی عقیدہ ہے کہ مرزا غلام احمد کی روحانیت آنحضرت ﷺ سے اقویٰ اور اکمل اور اشد ہے۔ (خطبۂ الہامیہ۔ ص ۱۸۱)

عقیدہ ۱۳: قادیانی عقیدہ ہے کہ:

محمدؐ پھر اتر آئے ہیں ہم میں — اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں
محمدؐ دیکھنے ہوں جس نے اکمل — غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

(اخبار بدل قادیان جلد ۲ شمارہ ۴۳ مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء)

عقیدہ ۱۴: قادیانی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک ہر ایک نبی سے مرزا غلام احمد قادیانی پر ایمان لانے اور اس کی بیعت ونصرت کرنے کا عہد لیا تھا۔ (اخبار الفضل، ۱۹، ۲۱ ستمبر ۱۹۱۵ء الفضل ۲۶ فروری ۱۹۲۴ء قادیانی مذہب ص ۳۴۲)

عقیدہ ۱۵: قادیانی عقیدہ ہے کہ: اگر حضرت موسیٰ وعیسیٰ مرزا غلام احمد کے زمانے میں ہوتے تو ان کو مرزا کی پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ (اخبار الفضل، ۱۸ مارچ، ۱۹۱۶ء بحوالہ قادیانی مذہب

ص ۳۲۵)

عقیدہ ۱۶: قادیانی عقیدہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم آنحضرت ﷺ کا معجزہ تھا جس کی مثل لانے سے دنیا عاجز ہے اسی طرح مرزا غلام احمد کی تصنیف ''اعجاز احمدی'' اور ''اعجاز المسیح'' بھی معجزہ ہے۔

عقیدہ ۱۷: قادیانی عقیدہ ہے کہ آخری آسمانی کتاب قرآن مجید نہیں بلکہ مرزا غلام احمد کی وحی کا مجموعہ ''تذکرہ'' آخری وحی ہے۔

عقیدہ ۱۸: قادیانی عقیدہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی بمنزلہ خدا کی اولاد کے ہے۔(تذکرہ۔ص:۴۱۲)

عقیدہ ۱۹: قادیانی عقیدہ ہے کہ مرزا غلام احمد خدا کا بروز ہے۔(تذکرہ۔ص:۵۹۶)

عقیدہ ۲۰: قادیانی عقیدہ ہے کہ مرزا غلام احمد خدا کی توحید وتفرید ہے۔(تذکرہ۔ص:۲۸۱)

عقیدہ ۲۱: قادیانی عقیدہ ہے کہ مرزا غلام احمد خدا کی روح ہے۔(تذکرہ۔ص:۷۴۱)

عقیدہ ۲۲: قادیانی عقیدہ ہے کہ

غلام احمد ہے عرش رب اکبر مکاں ہے گویا لامکاں میں

(اخبار بدر ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء)

عقیدہ ۲۳: قادیانی عقیدہ ہے کہ مرزا غلام احمد ''کن فیکون'' کا مالک ہے۔(تذکرہ۔ص:۵۲۵)

عقیدہ ۲۴: قادیانی عقیدہ ہے کہ مرزا غلام احمد خدا کا اعلیٰ نام ہے۔(تذکرہ۔ص:۳۲۸)

عقیدہ ۲۵: قادیانی عقیدہ ہے کہ مرزا خدا سے ہے اور خدا مرزا سے

خدا سے تو خدا تجھ سے واللہ ترا رتبہ نہیں آتا بیاں میں۔

(اخبار بدر ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء)

عقیدہ ۲۶: قادیانی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر دجال، عیسیٰ بن مریم، یاجوج وماجوج، دابۃ الارض وغیرہ کی پوری حقیقت نہیں کھلی تھی مرزا غلام احمد پر ان تمام چیزوں کی حقیقت کھل گئی۔(ازالۂ اوہام ص:۶۹۱)

عقیدہ ۲۷: قادیانی عقیدہ ہے کہ اس زمانہ میں صرف آنحضرت ﷺ کی پیروی مدار نجات نہیں بلکہ صرف مرزا غلام احمد کی پیروی سے نجات ہوگی۔(اربعین۔ص:۷)

عقیدہ ۲۸: قادیانی عقیدہ ہے کہ جو لوگ مرزا غلام احمد کو (مندرجہ بالا صفات کے ساتھ) نہیں

مانتے وہ شقی ازلی ہیں جو دوزخ بھرنے کے لئے پیدا کئے گئے۔(براھین احمدیہ حصہ پنجم ص:۸۲،۸۳)

عقیدہ ۲۹: قادیانی عقیدہ ہے کہ جو شخص مرزا کی پیروی نہ کرے وہ خدا و رسول کا نافرمان اور جہنمی ہے۔(اشتہار معیار الاخیار، مؤرخہ ۲۵ مئی ۱۹۰۰ء)

عقیدہ ۳۰: قادیانی عقیدہ ہے کہ ''ہر ایک شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد ﷺ کو نہیں مانتا یا محمد ﷺ کو مانتا ہے مگر مسیح موعود (غلام احمد قادیانی) کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔(کلمۃ الفضل ص:۱۱۰ مصنفہ مرزا بشیر احمد قادیانی)

عقیدہ ۳۱: قادیانی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے جو معجزات قرآن کریم میں بیان فرمائے ہیں وہ سب ''مسمریزم'' کا کرشمہ تھے۔(ازالۂ اوھام حاشیہ ص:۳۰۵)

عقیدہ ۳۲: قادیانی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے قرآنی معجزات مکروہ اور قابل نفرت تھے مرزا قادیانی لکھتا ہے۔اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ اعجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ رہتا۔(ازالۂ اوھام حاشیہ ص:۳۰۹)

عقیدہ ۳۳: قادیانی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے بطور معجزہ صرف چاند گہن ہوا تھا اور مرزا غلام احمد کے معجزہ کے طور پر چاند اور سورج دونوں کو گہن ہوا۔(اعجاز احمدی ص:۷۱)

یہ عقائد صریح طور پر اسلام کی ضد اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت ہے اس لئے مرزا غلام احمد کے ماننے والوں سے خیر خواہانہ گزارش ہے کہ ان کفریہ عقائد سے توبہ کرکے دوبارہ اسلام میں داخل ہوں۔وما علینا الا البلاغ

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

بینات-صفر ۱۳۹۷ھ

قادیانیت ـــــــ چند سوالات

مرزا صاحب کو مجدد ماننے والوں کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ: کل مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۷۳ء بوقت ساڑھے چار بجے دن سابق امام مسجد وڈ نگ مسجد محمد طفیل متعلقہ مرزائی فرقہ لاہوری کی ساس کا جنازہ مسجد ھذا میں لایا گیا اور یہاں کے سرکاری امام خواجہ قمر الدین جو کہ اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت ظاہر کرتے ہیں، انہوں نے مرزائی سابق محمد طفیل کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی جب چند معززین نے اس حرکت کا محاسبہ کیا تو خواجہ قمر الدین سرکاری امام وڈ کنگ مسجد نے یہ دلیل پیش کی کہ میں نے اس لئے نماز جنازہ میں شرکت کی ہے کیونکہ مرزا محمد طفیل بسا اوقات میرے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے ہیں اور دوسری دلیل یہ دی کہ میں لاہوری مرزائیوں کو کافر نہیں سمجھتا کیونکہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو صرف مجدد تسلیم کرتے ہیں اور ہم کو کافر نہیں کہتے۔ لہٰذا مہربانی فرما کر قرآن وسنت کی روشنی میں ایسے شخص کے متعلق شرعی فتوی سے کماحقہ آگاہ کیا جائے۔

عینی شاہدوں کے دستخط مندرجہ ذیل ہیں: صابر حسین، محمد شریف، عبدالرحمٰن، ملک احمد خاں۔

سائل: ایک نمازی مسجد وڈ کنگ، لندن، انگلینڈ

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

مرزائیوں کے دونوں فرقے لاہوری اور قادیانی باتفاق علمائے اسلام کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، لاہوری فرقہ نفاق اور تقیہ کی وجہ سے قادیانی فرقہ سے زیادہ خطرناک ہے فرقہ لاہوریہ کے کفر کے لئے یہی کافی ہے کہ یہ ایک مدعیٔ نبوتِ کاذبہ کو مجدد، مصلح اور امام تسلیم کرتے ہیں (۱)

---

(۱) اعلاء السنن – کتاب السیر – ابواب احکام المرتدین متنبئ البنجاب القادیانی و من صدقه کافر مرتد – ۱۲/ ۶۳۷ – ط: ادارة القرآن کراتشي.

حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب قدس سرہ العزیز نے اپنی بے نظیر تالیف ''اکفار الملحدین'' میں مؤخر الذکر فرقہ کے کفر کو دلائل ظاہرہ باہرہ سے ثابت کیا ہے، **من شاء فلیراجع الیہ**۔(۱)

اسی طرح کسی ایسے فرقہ یا اس کے بعض افراد کو مسلمان سمجھنا جسے علمائے امت نے بالاتفاق کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے جبکہ علماء امت کے فیصلہ کا علم بھی ہو حد درجہ گمراہی ہے اور ایسے آدمی پر خوف کفر ہے۔

مرزائی، لاہوری یا کوئی ایسا فرقہ جو باتفاق علمائے اسلام خارج از دائرہ اسلام ہے اس کے کسی فرد کی جنازہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں۔(۲)

نماز جنازہ درحقیقت دعا ہے اور کسی کافر کے لئے اس کے مرنے کے بعد دعا کرنا بنص قرآنی حرام ہے۔(۳)

حضرت شاہ صاحب نے ''عقیدۃ السفارینی'' سے اہل الاہواء کے سلسلہ میں سلف کا مذہب جس کو انہوں نے خلف تک پہنچایا یہ نقل کیا ہے:

بان لایسلموا علی القدریة ولایصلوا علی جنائزھم ولایعودوا مرضاھم (۴)

سلف کا مذکورہ بالا فیصلہ اہل اہواء کے بارے میں ہے مرزائی اہواء سے گزر کر برسوں سے صریح کفر میں داخل ہو چکے ہیں ان کی نماز جنازہ میں شرکت کس طرح جائز ہوسکتی ہے۔

بناءعلیہ خواجہ قمر الدین امام وڈ کنگ مسجد، لندن گمراہ، متبع ہواء ہے، قطعاً لائق امامت نہیں (۵)، اس

---

(۱) اکفار الملحدین –قبیل تفسیر الزندقة والالحادوالباطنیة ......الخ– ص ۱۰ –ط:مجلس علمی کراتشی

(۲) احکام القرآن للجصاص – سورۃ التوبۃ:۸۴–۳/۱۴۴ –ط: سہیل اکیڈمی لاہور

(۳) سورۃ التوبۃ:۱۱۳

(۴) اکفار الملحدین –النقل عن الائمة الاربعة وغیرھم من ائمة الدین ......الخ–۸–ط:مجلس علمی

(۵) فتح القدیر –کتاب الصلوۃ –باب الإمامۃ– ۱/۳۰۴–ط: مکتبہ رشیدیہ

کو علیحدہ کر کے کسی صحیح العقیدہ شخص کو امام مقرر کیا جائے ہشام رازیؒ نے امام محمدؒ سے نقل کیا ہے کہ اہل الاہواء کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز لائق اعادہ ہے۔(۱)

کتبہ: ولی حسن ٹونکی

مسئلہ فوق الذکر کی جو تحقیق کی گئی ہے یہی دور حاضر کے علماء امت کا متفقہ فیصلہ ہے اس لئے میں بھی فتوی مذکور کی تائید وتوثیق کرتا ہوں۔

محمد یوسف بنوری

بینات - ذیقعدہ ۱۳۹۳ھ

(۱) اکفار الملحدین - النقل عن الائمة...... الخ - ص ۳۸ - ط: مجلس علمی۔

مرزا صاحب اور استخارہ

مکرمی جناب مدیر ماہنامہ ''بینات'' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

۱: ہمارے علاقہ میں کچھ مرزائی رہتے ہیں اور وہ مسلمانوں میں اس بات کا چرچا کرتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو ہم نبی تو تسلیم نہیں کرتے بلکہ مجدد مانتے ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے؟

۲: نیز وہ مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو مرزا قادیانی کی صداقت میں کسی قسم کا شک وشبہ ہے تو تم استخارہ کر کے معلوم کرلو، کیا یہ شرعاً درست ہے؟ براہ کرم مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

(مولوی) رشید احمد

خطیب جامع مسجد سوئی گیس یونیورسٹی روڈ، کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

آپ کے پہلے سوال کے جواب میں چند باتیں قابل ذکر ہیں۔

۱: ان مرزائی صاحبان کا یہ پروپیگنڈہ کہ وہ مرزا صاحب کو نبی نہیں بلکہ صرف مجدد مانتے ہیں محض دجل وتلبیس پر مبنی ہے یا پھر وہ خود اپنے مذہب سے جاہل ہیں، یا ان کے بڑوں نے انہیں قصداً جاہل رکھا ہے ان مرزائی صاحبان سے کہیے کہ اگر ان کا واقعۃً یہی مسلک ہے تو اپنے خلیفۂ ربوہ مرزا ناصر احمد صاحب سے لکھوالائیں کہ ''جو شخص مرزا کو نبی مانے خواہ کسی تاویل سے ہو وہ انکار ختم نبوت کی بناء پر کافر ومرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے'' قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

۲: مرزا غلام احمد قادیانی کا جھوٹا دعویٰ نبوت ایسا نہیں جسے مکر وفریب کے غلیظ پردوں میں لپیٹ کر گول کیا جا سکے، مرزا صاحب کی وہ کتابیں جن میں انہوں نے جھوٹی نبوت کا بار افتراء اپنے سر لیا ہے ساری دنیا کے سامنے ہیں اور آج بھی ربوہ سے ''روحانی خزائن'' کے نام سے چھپ رہی ہیں، اس لئے اگر

مرزائی صاحبان کسی مصلحت کی بناء پر مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کا انکار کرتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ مرزا صاحب کو ان کے دعویٰ نبوت میں جھوٹا سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو شخص اتنا بڑا جھوٹا دعویٰ کرے اسے ''جھوٹ کا مجدد'' کہنا تو بجا ہے مگر اسے مجددِ اسلام تسلیم کرنا نہ عقل وفہم کی رو سے روا ہے نہ دین ومذہب کے اعتبار سے جائز ہے، اس لئے مرزا صاحبان سے کہئے کہ یا تو مرزا صاحب کے دعووں کے مطابق انہیں نبی تسلیم کریں اور ان کے نقشِ قدم پر چل کر جہاں وہ خود پہنچے ہیں وہاں پہنچیں یا پھر اسلام کی تعلیمات کے مطابق مدعی نبوت کاذبہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے کر ان سے بیزاری کا اعلان کریں۔

۳: اگر کبھی آپ کو مرزا صاحب کی کتابوں کے مطالعہ کا اتفاق ہوا ہے تو آپ ہماری اس رائے سے اتفاق کریں گے ادعائے نبوت، ادعائے معجزات، ادعائے وحی والہام، مخالفین کی تکفیر وتذلیل، تمام انبیاء علیہم السلام سے برتری کا دعویٰ اور اولوالعزم انبیاء کرام کی توہین وتنقیص کے سوا مرزا صاحب کی کتابوں کے انبار میں اور کوئی پیغام نہیں ملتا وہ اپنی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں انہی باتوں کے اصرار وتکرار دہرانے کے ایسے خوگر ہیں کہ ان کا قاری اکتا کر رہ جاتا ہے۔ مثلاً

''سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا''۔ (دافع البلا: ص ۱۱ طبع قدیم)

''ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں''۔ (اخبار بدر، ۵ مارچ ۱۹۰۸ء)

''خدا تعالیٰ نے اور اس کے پاک رسول نے مسیح موعود (مرزا صاحب) کا نام نبی ورسول رکھا''۔ (نزول المسیح ص ۴۸)

''صدہا نبیوں کی نسبت ہمارے معجزات اور پیش گوئیاں سبقت لے گئی ہیں۔''

''خدا نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان (معجزات) دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر تقسیم کئے جائیں تو ان کی ان سے نبوت ثابت ہوسکتی ہے''۔ (چشمۂ معرفت ص ۳۱۷)

''جو کوئی میری جماعت میں داخل ہوگیا وہ صحابہ میں داخل ہوگیا''۔ (خطبہ الہامیہ ص ۱۷۱)

''اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے مجھے بھیجا ہے اور میرا نام نبی رکھا ہے اور اس نے میری تصدیق کے لئے بڑے

بڑے نشانات ظاہر کئے ہیں جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں''۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۸)

''اوائل میں میرا بھی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح بن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں ہے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تھا تو میں اس کو جزوی فضیلت قرار دیتا تھا، مگر بعد میں جو خدائے تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی تو اس نے مجھ کو اس عقیدے پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر بھی مسیح کا خطاب مجھے دیا گیا''۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۴۹، ۱۵۰)

''مگر میں خدا تعالیٰ کی ۲۳ برس کی متواتر وحی کو کیوں کر رد کر سکتا ہوں میں اس کی پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ خدا کی ان تمام وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں''۔ (حقیقۃ الوحی ص: ۱۵۰)

اینک منم کہ حسب بشارات آمدم عیسیٰ کجا ست تابنہد پا بمنبرم

(ازالۂ اوھام۔ص ۶)

(ترجمہ) ہاں! میں وہ ہوں جو بشارتوں کے موافق آیا ہوں، عیسیٰ کہاں ہے جو میرے منبر پر قدم رکھے۔

منم مسیح زماں ومنم کلیم خدا، منم محمد واحمد کہ مجتبیٰ باشد

(ترجمہ) میں ہی مسیح زماں ہوں اور میں ہی کلیم خدا ہوں میں ہی محمد اور احمد مجتبیٰ ہوں۔ (تریاق القلوب ص ۳)

کل مسلم یقبلنی ویصدق دعوتی الا ذریۃ البغایا

(ترجمہ) کل مسلمانوں نے مجھے مان لیا ہے اور تصدیق کی ہے مگر کنجریوں کی اولاد نے مجھے نہیں مانا۔ (آئینہ کمالات اسلام ص ۱۲۵)

ان العدا صاروا خنازیر الفلا ونسائھم من دونھن الاکالب

(ترجمہ) میرے دشمن جنگلوں کے سور اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ کر ہیں۔ (رسالہ نجم الہدیٰ ص ۱۰)

''ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ

مسلمان نہیں ہے''۔ (مکتوب مرزا صاحب بنام ڈاکٹر عبدالحکیم..... مندرجہ الذکر الحکیم، نمبر ۴، ص:۲۲)

''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ میرے عقائد ہیں۔۔

(مرزا محمود کا فتویٰ آئینہ صداقت ص ۳۵)

یہ مرزا صاحب کی سینکڑوں عبارتوں میں سے چند عبارتیں ہیں جن سے صاف طور پر واضح ہوجاتا ہے کہ مرزا صاحب نے نبوت، وحی اور معجزات کا دعویٰ کیا، اپنی نبوت کو تمام انبیاء کرام کے ہمرنگ بتایا، اپنی وحی کو قرآن جیسی قطعی وحی قرار دیا، اولوالعزم انبیاء علیہم السلام سے افضلیت کا دعویٰ کیا اپنے ماننے والوں کو صحابہ کی صف میں شامل کیا اور نہ ماننے والوں کے حق میں لعنت کے مکروہ ترین الفاظ استعمال کرکے انہیں غیر مسلم، کافر، جہنمی اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ان تمام باتوں کے باوجود اگر کوئی کہتا ہے کہ مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ صرف مجدد ہونے کا دعویٰ کیا تھا تو وہ حقائق کی دنیا میں نہیں بلکہ احمقوں کی جنت میں رہتا ہے آخر بتایا جائے کہ اسلامی تاریخ کی چودہ صدیوں میں کون ایسا مجدد ہوا جس پر قرآن نازل ہوا کرتا تھا جو انبیاء علیہم السلام کے برابر کرسی نشینی کا دعویٰ کرتا تھا جو اپنے کو نبی اور رسول کہلاتا تھا جو اپنے ماننے والوں کو ''صحابی'' کے خطاب سے سرفراز کرتا تھا جو بانگ دہل اعلان کرتا تھا کہ نبی کون ہوتے ہیں جو میرے منبر پر قدم بھی رکھیں، جو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دیتا تھا اور جو ایمان نہ لانے والوں کو حرام زادے، جہنمی اور کافر ٹھہراتا تھا؟ اگر اسی کا نام ''مجدد'' ہے تو نہ جانے ملحد اور زندیق کا مفہوم کس پر صادق آئے گا۔

۴: علاوہ ازیں مرزا صاحب کا کفر وضلال صرف دعویٔ نبوت میں منحصر نہیں بلکہ اس کے بہت سے اسباب میں سے صرف ایک سبب اور نہایت اہم سبب ہے، ورنہ مرزا صاحب کے کفریات کی فہرست خاصی طویل ہے انہوں نے اسلام کے ایسے متعدد قطعی عقائد کا انکار کیا کہ ان میں سے ہر ایک کا انکار ایک مستقل کفر ہے، انہوں نے متعدد آیات کو جو آنحضرت ﷺ سے متعلق تھیں اپنی ذات پر منطبق کیا انہوں نے ''ظل و بروز'' کے پردے میں آنحضرت ﷺ کی رسالت ونبوت کو علی وجہ الکمال اپنی جانب منسوب کیا انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو برہنہ گالیاں دیں انہیں ناجائز حمل کی پیداوار بتایا ان کی والدہ حضرت مریم بتول

پر تہمت دھری، ان کے سلسلۂ نسب پر فحش الفاظ میں طعن کیا انہیں شرابی کا لقب دیا، ان کے قطعی معجزات کو پائے تحقیر سے ٹھکرایا۔

الغرض اس قسم کے بے شمار ہذیانات ہیں جن کے حوالے نقل کئے جائیں تو اس کے لئے ایک دفتر درکار ہے اور علمائے امت کی تصانیف میں ان امور کی پوری تفصیل موجود ہے اس لئے بالفرض اگر مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت نہ بھی کیا ہوتا اور مرزائی امت انہیں واقعۃً نبی کے بجائے ''مجدد'' ہی تسلیم کرتی تب بھی ان کفریات کے ہوتے ہوئے ان کو مجدد ماننا درحقیقت ان کفریات پر ''ص'' (تصحیح وتصویب) کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ مرزائیوں کی لاہوری شاخ جو مرزا صاحب کو مجدد اور ''مسیح موعود'' کہتی ہے امت مسلمہ کے نزدیک دائرہ اسلام سے اسی طرح خارج ہے (۱) جس طرح کہ مرزا محمود کی قادیانی جماعت۔

ہمیں معلوم ہے کہ لاہوری اور قادیانی پارٹیوں کا یہ باہمی اختلاف درحقیقت جنگ زرگری کی پیداوار ہے ورنہ ان کے خلیفۂ اول حکیم نور دین کے زمانے تک مسٹر محمد علی ''امیر جماعت لاہور'' بھی مرزا صاحب کو برملا نبی مانتے تھے اور اس کا تحریری ثبوت ہمارے پاس موجود ہے آپس کے معاملات میں جھگڑا ہوا تو لاہوری جماعت نے اپنا الگ موقف پیش کرنا شروع کردیا اس کے باوجود وہ اب بھی مرزا صاحب کو'' مسیح موعود'' کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ''مسیح موعود'' کی کوئی اصطلاح اگر اسلام میں ہے تو کیا وہ نبی کے سوا کسی دوسرے پر راست آتی ہے؟ اس کے صاف معنی ''مسیح موعود'' کے پردے میں مرزا صاحب کی نبوت کا اعلان نہیں تو اور کیا ہے؟

الغرض مرزا صاحب کے دعاوی کی تصدیق وتائید میں مرزائیوں کی دونوں شاخیں (قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت) ہم زبان ہیں فرق ہے تو صرف عنوان اور تعبیر کا فرق ہے، یہی وجہ ہے کہ قادیانی جماعت کے خلیفہ دوم تمام مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں مگر لاہوری مرزائیوں کو کافر نہیں بلکہ ''غیر مبایع'' کہتے ہیں۔ ادھر لاہوری جماعت بھی قادیانی جماعت کو کافر نہیں کہتی۔ حالانکہ اگر ان کا یہی عقیدہ ہے کہ مرزا صاحب نبی نہیں تو غیر نبی کو نبی ماننا کفر ہے ان کا فرض تھا کہ وہ قادیانی جماعت کو

---

(۱) اکفار الملحدین –بیان شئ من دعوی القادیانی.....الخ –ص ۱۰–ط: مجلس علمی

کافر قرار دیتے اسی طرح مرزا محمود صاحب کی قادیانی پارٹی کا فرض تھا کہ وہ مرزا صاحب کو نبی نہ ماننے کی بناء پر جس طرح تمام مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں مسٹر محمد علی اور ان کی پارٹی کی بھی تکفیر کرتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مرزائیوں کی دونوں پارٹیاں مرزا صاحب کو ''مسیح موعود'' مانتی ہیں اور دونوں کا عقیدہ ہے کہ یہ منصب ایک نبی کا منصب ہے، دونوں مرزا صاحب کی تصدیق ان دعاوی میں کرتی ہیں، دونوں ایک دوسرے کو مسلمان بھی کہتی ہیں صرف اپنے ''برانڈ مارکہ'' کی شناخت کے لئے ایک نے مسیح موعود کو کھلے بندوں ''نبی'' کہا اور دوسری جماعت نے ''مسیح موعود'' بمعنی آخری مجدد کہا حالانکہ یہ دونوں لفظ نبوت ہی کی ایک تعبیر ہے اس سے ان بعض پڑھے لکھے جاہلوں کی گمراہی واضح ہوگی جو لاہوری مرزائیوں کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں حالانکہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جو لعین، مرزا غلام احمد قادیانی کے کفریات کی تصدیق کرتا ہے اور جو مرزا صاحب ایسے دجال کو مسیح موعود اور آخری زمانہ کا مجدد کہتا ہے اس کے کفر وضلال میں کیا شک ہے؟

اس کے باجود اگر کوئی انہیں مسلمان سمجھے تو ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر آج ایسی جماعت پیدا ہو جو مسیلمہ کذاب کو ''مسیح موعود'' اور ''مجدد اعظم'' مانے اس کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا؟

تاریخ اور سیرت کی کتابیں اٹھا کر دیکھئے آپ کو معلوم ہوگا کہ مسیلمہ کذاب کا دعوی مرزا غلام احمد (مسیلمۂ پنجاب) کے مقابلہ میں بالکل صفر نظر آتا ہے اگر اس کے ماننے والے "فی النار والسقر" ہیں تو مرزا صاحب نے کونسا قصور کیا کہ ان کے ماننے والوں کو ''لهم خزی فی الحیوة الدنیا ولهم فی الاخرة عذاب النار'' کی دولت سے محروم رکھا جائے حاصل یہ کہ کسی مدعی نبوت کو مجدد ماننے کا مطلب اس کے تمام دعاوی کی تصدیق کرنا ہے اور کفر خالص کی تصدیق بھی کفر ہے اور اس کو کفر نہ سمجھنا خود کفر آمیز جہالت ہے۔

۵: آخری بات اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ مرزا صاحب کی جھوٹی نبوت کا کھوٹ ساری دنیا پر کھل چکا ہے مرزا صاحب اور ان کی ذریت کے کفر و نفاق کی دھجیاں میدان مناظرہ سے عدالت کے کٹہرے تک اور منبر و محراب سے لے کر اسمبلی ہال تک فضا میں تحلیل ہو چکی ہیں، مسلمانوں کا بچہ بچہ مرزائیوں کے خداع و دجل اور مرزا صاحب کی جھوٹے افسانۂ نبوت سے واقف ہو چکا ہے اس کے باوجود مرزائیوں کی ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ مسلمانوں کے گھروں اور ان کی عبادت گاہوں میں گھس گھس کر ان کے

دین وایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں مرزا صاحب کے دین باطل کے زہر کو دجل وفریب کی شیرینی میں لپیٹ کر مسلمانوں کے حلق سے اتارنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں مال ودولت کا لالچ دیتے ہیں سادہ لوح نوجوانوں کو نوکری اور ملازمت کا سبز باغ دکھاتے ہیں، پڑھے لکھے طبقے کو تبلیغ اسلام کے خوش کن پروپیگنڈہ سے مسحور کرتے ہیں قرآن کریم کے تحریف شدہ نسخے ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کرتے ہیں اور اس مہم میں اسرائیلیوں کی طرح ان کی پوری پوری قوم لگی ہوئی ہے اس سے مسلمانوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور انہیں غفلت کی نیند سے بیدار ہونا چاہئے مسلمانوں نے مرزائیوں کے مقابلہ میں دفاعی پوزیشن اختیار کر رکھی ہے جب مرزائی ان کے گرد وپیش پر حملہ آور ہوتے ہیں تو انہیں تنبہ ہوتا ہے حالانکہ امت محمدیہ کے سبھی طبقات علماء، خطباء، وکلاء، طلباء، اور تجار وغیرہ کا فرض یہ ہے کہ ان کے جو بھائی محض جہالت وناواقفی یا مال ودولت کے لالچ کی وجہ سے مرزائی کفر کی دلدل میں پھنس چکے ہیں انہیں ہر ممکن طریقے سے اسلام کے آب حیات کی طرف لایا جائے جو لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن رحمت کو چھوڑ کر مرزا غلام احمد کی جھوٹی مسیحیت کے دامن سے چپک گئے ہیں انہیں اس وادی خارزار سے نکالنے کی فکر کی جائے؟ آخر یہ کیا ستم ہے کہ مرزائی کفر گلی کوچوں میں ناچتا پھرے اور مسلمان مہر بلب ہوں اور ان کی زبانیں گنگ ہوں۔ ”سگہا را بستہ وسنگہا را کشادہ“۔

جواب سوال دوم:

مرزائیوں کا یہ مشورہ کہ مرزا صاحب کی صداقت معلوم کرنے کے لئے استخارے کا نسخہ آزمایا جائے یہ بھی دو زبردست مغالطوں پر مبنی ہے، اول یہ کہ انہوں نے اول ہی سے فرض کرلیا ہے کہ مرزا صاحب کا صادق یا کاذب ہونا مسلمانوں کے نزدیک محل تردد ہے، حالانکہ یہ بات مرزا صاحب کے دعویٔ نبوت کی طرح سو فیصد غلط اور سفید جھوٹ ہے مسلمانوں کو جس طرح حضرت ختمی مآب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت ونبوت پر ایمان ہے ٹھیک اسی طرح مرزا صاحب کے کاذب ومفتری ہونے کا یقین ہے جس میں شک وارتیاب کا کوئی شائبہ نہیں، اسلئے کہ:

اولاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت ایسا قطعی عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کسی قسم

کی نبوت کا مدعی بغیر کسی شک وشبہ کے کذاب ودجال ہے اور جو شخص اس سے معجزہ طلب کرے وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے اس عقیدہ سے متعلق ''شرح الشفاء'' سے چند جملے یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

وكذا لك نكفر من ادعى نبوة احد مع نبينا صلى الله عليه وسلم اى فى زمانه كمسيلمة الكذاب والاسود العنسى ،او ادعى نبوة احد بعده فانه خاتم النبيين بنص القرآن والحديث ،فهذا تكذيب الله ورسوله او من ادعى النبوة لنفسه بعد نبينا صلى الله عليه وسلم كالمختار بن ابى عبيد الثقفى وغيره.

قال ابن حجر: ويظهر كفر كل من طلب منه معجزة لانه يطلبه منه مجوزا لصدقه مع استحالته المعلومة من الدين ضرورة ،نعم ان اراد بذالك تسفيهه وبيان كذبه فلا كفر به. انتهى. وكذالك من ادعى منهم انه يوحى اليه وان لم يدع النبوة فهولاء المذكورون كلهم كفار محكوم بكفرهم لانهم مكذبون النبى ﷺ....الخ(۱)

ترجمہ: اور اسی طرح جو شخص آپ ﷺ کے زمانے میں کسی کی نبوت کا دعوی کرے جیسا کہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے کیا تھا یا آپ ﷺ کے بعد کسی کی نبوت کا دعوی کرے اسے کافر قرار دیا جائے گا کیونکہ آنحضرت ﷺ کا آخری نبی ہونا قرآن وحدیث کے قطعی دلائل سے ثابت ہے اس لئے ایسا مدعی اللہ ورسول کی تکذیب کرتا ہے اسی طرح جو شخص آپ ﷺ کے بعد اپنی ذات کے لئے نبوت کا دعوی کرے وہ بھی کافر ہے جیسا کہ مختار بن ابی عبید وغیرہ نے کیا تھا۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ جو شخص اس مدعی نبوت سے بطور ثبوت کے معجزہ طلب کرے اس کا کفر بھی ظاہر ہو جائے گا کیونکہ ثبوت طلب کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس مدعی

(۱) اکفار الملحدین-بیان وجوہ تکفیر اهل القبلة-ص۵۷، ۵۸-ط: مجلس علمی کراچی

نبوت کے سچا ہونے کا امکان ہے حالانکہ دین کے قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کسی مدعی نبوت کے سچا ہونے کا کوئی امکان نہیں وہ قطعاً جھوٹا ہے ہاں اگر اس کی حماقت اور جھوٹ کا پول کھولنے کے لئے معجزہ کا مطالبہ کرے تو مطالبہ کنندہ کافر نہیں ہوگا اسی طرح جو شخص یہ دعوی کرے کہ اس پر وحی آتی ہے اگر چہ صاف طور پر نبوت کا دعوی نہ کرے (وہ بھی کافر ہے) الغرض یہ مذکور الصدر سارے لوگ کافر ہیں ان پر کفر کے احکام جاری ہوں گے کیونکہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں....الخ

الغرض مرزا صاحب نے نبوت، وحی اور معجزات وغیرہ کے جو دعوے کئے (جو ان کی کتابوں میں آج بھی موجود ہیں) اور جن کے چند فقرے پہلے سوال کے ذیل میں نمبر ۳، پر ہم بھی نقل کر چکے ہیں ان کے ہوتے ہوئے مرزا صاحب کے دجال و کذاب ہونے میں کسی ادنی شک وارتیاب کی گنجائش نہیں رہ جاتی اس لئے جو شخص ان کے جھوٹا ہونے میں معمولی شک کرے وہ بھی مسلمان نہیں رہتا چہ جائیکہ ان کو مجدد تسلیم کرے یا ان کے مجدد ہونے کے بارے میں استخارہ کرتا پھرے، بنابریں مسلمانوں سے استخارہ کرنے کا مطالبہ کرنا درحقیقت انہیں غیر محسوس طریقے پر کافر بنانے کی سازش ہے۔

ثانیاً: مرزا صاحب ''مراق'' کے مریض تھے جو اطباء کی تصریح کے مطابق ''مالیخولیا'' کا ایک شعبہ ہے مرزا صاحب لکھتے ہیں: مجھ کو دو بیماریاں ہیں ایک اوپر کے دھڑ کی یعنی مراق اور ایک نیچے کے دھڑ کی یعنی کثرت بول۔

(اخبار بدر، جلد ۲ نمبر ۲۳ ص ۵ مورخہ ۷ جون ۱۹۰۶ء، رسالہ تشحیذ الاذھان جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۲ بابت جون ۱۹۰۶ء)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: میرا تو یہ حال ہے کہ دو بیماریوں میں ہمیشہ مبتلا رہتا ہوں تاہم مصروفیت کا یہ حال ہے کہ بڑی بڑی رات تک بیٹھا کام کرتا رہتا ہوں، حالانکہ زیادہ جاگنے سے مراق کی بیماری ترقی کرتی ہے اور دوران سر کا دورہ زیادہ ہو جاتا ہے تاہم میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتا اور اس کام کو کئے جاتا ہوں (یہ بھی مراق ہی کا اثر ہے)۔ اس لئے مرزا صاحب کے نبوت، مسیحیت اور مجددیت کے دعووں کو جوش جنون کا کرشمہ تو کہا جا سکتا ہے لیکن کوئی عاقل ایک مراقی آدمی کی مجنونانہ بڑ کو لائق التفات بھی نہیں سمجھے گا چہ جائیکہ اس کے لئے استخارہ کیا کرے۔

ثالثاً: مرزا صاحب نفسیاتی مریض بھی تھے ان پر مختلف نفسیاتی کیفیات طاری ہوا کرتی تھیں وہ کبھی خوابوں کی دنیا میں ''خدا'' اور کبھی ''خدا کی مانند'' بن جاتے تھے (حاشیہ اربعین نمبر۳،ص۳۰،آئینۂ کمالات ص ۵۶۵)

اور کبھی کشفی حالت میں ان پر نسوانی کیفیت طاری ہوتی تھی اور اللہ تعالیٰ رجولیت کی طاقت کا اظہار کرتے (قاضی یار محمد کا مرتبہ ٹریکٹ نمبر۳۴،موسومہ ''اسلامی قربانی'') اسی کشفی سلسلہ میں انہیں نسوانی وظائف، حیض، حمل اور وضع حمل کے تجربات سے بھی گزرنا پڑا (ملاحظہ فرمایئے حقیقۃ الوحی کا حاشیہ اور اس کا تتمہ، یاد رہے کہ انبیاء کا کشف وحی قطعی کے مترادف ہوتا ہے)

انہیں کبھی کبھی ہسٹریا کے دورے بھی پڑتے تھے (سیرۃ المہدی) جو مرزائیوں کے اعتراف کے مطابق امراض مخصوصہ زنان میں شمار ہوتا ہے۔ غرض ایسے نفسیاتی مریض کے نبی یا مجدد ہونے کا سوال ہی خارج از بحث ہے کجا کہ اس کے لئے استخاروں کے مشورے دیئے جائیں۔

رابعاً: مزید برآں خود مرزا صاحب کے اپنے چیلنج کے مطابق ان کا کذاب ہونا ساری دنیا میں روز روشن کی طرح کھل چکا ہے مثلاً انہوں نے (محمدی بیگم) کے نکاح آسمانی کی پیش گوئی کی تھی اور پوری دنیا کو اس کا چیلنج دیا تھا اور اسے اپنے صدق و کذب کا معیار قرار دیا تھا مگر یہ آسمانی منکوحہ جس کا نکاح بقول ان کے کہ خدا نے آسمان پر پڑھا تھا کبھی ان کے حبالۂ عقد میں نہ آئی، بالآخر انہیں اقرار کرنا پڑا کہ خدا نے یہ نکاح فسخ کر دیا اور خود ان کے مقرر کردہ معیار کے مطابق ان کا مفتری اور کذاب ہونا خدا تعالیٰ نے ساری دنیا کو دکھا دیا۔

نیز انہوں نے مرزا احمد بیگ کے داماد کی موت کے لئے ایک تاریخ مقرر فرمائی اور اسے عظیم الشان ''نشان'' اور ''ایک صادق یا کاذب کی شناخت کے لئے کافی'' دلیل قرار دیا مگر دنیا جانتی ہے کہ وہ اس مقررہ تاریخ تک نہیں مرا اس طرح خود مرزا صاحب کے اقرار سے ان کے کاذب ہونے کی شناخت کے لئے یہ عظیم الشان نشان کافی ہو گیا۔ نیز انہوں نے مولانا ثناء اللہ مرحوم کو مباہلہ کی دعوت دیتے ہوئے حق تعالیٰ سے فیصلہ کن دعا کی کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کے سامنے مر جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب کے جھوٹے ہونے کا آخری فیصلہ فرما دیا اور مرزا صاحب، مولانا مرحوم کی حیات میں دار الجزاء

پہنچ گئے اس نوعیت کے متعدد واقعات ہیں جن کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہیئے ،ہمیں ان واقعات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ یہ مرزا صاحب کی نجی روئیداد حیات ہیں یہاں صرف یہ کہنا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے ایک دو بار نہیں بلکہ دسیوں بار خود مرزا صاحب کے چیلنج کے مطابق انہیں جھوٹا ثابت کر دیا ہے، اور بالآخر خود ان کی موت نے ان کے جھوٹ پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے تو اس کے بعد ان کا صدق و کذب معلوم کرنے کے لئے استخارے کی یا کسی اور چیز کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے مرزا صاحب کے یہاں تو سر تا پا کذب ہی کذب ہے شر ہی شر ہے وہاں استخارے کا کیا سوال؟

اور دوسرا مغالطہ اس مشورہ استخارہ میں یہ ہے کہ استخارہ ایسے امور کے لئے مشروع ہے جن کا کرنا نہ کرنا شرعاً دونوں جائز ہوں مگر آدمی یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ میرے لئے اس کے کرنے میں خیر ہے یا نہ کرنے میں مثلاً فلاں جگہ رشتہ کروں یا نہ کروں اور فلاں جگہ ملازمت ٹھیک رہے گی یا نہیں وغیرہ لیکن جن امور کا خیرِ محض ہونا دلائل شرعیہ سے ثابت ہو وہاں استخارہ کی ضرورت نہیں ،اسی لئے مشہور مقولہ ہے کہ ''در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست'' ،اسی طرح جن امور کا شر محض ہونا دلائل شرعیہ سے ثابت ہو وہ بھی استخارہ کا محل نہیں (۱)

کوئی شخص شراب نوشی یا بدکاری کے لئے استخارہ کرنے لگے تو اسے زندیق کہا جائے گا اسی طرح اگر کوئی شخص استخاروں کے ذریعہ معلوم کرنا چاہے کہ فلاں شخص سچا ہے یا جھوٹا ہے، نبی ہے یا نہیں ،مجدد ہے یا نہیں اسے بھی احمق اور زندیق کہا جائے گا مرزا صاحب کا شر محض ،کذاب محض اور ضلال محض ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے جو شخص اس خالص کفر کے لئے استخارہ تجویز کرے اس کے زندیق اور بے ایمان ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں مرزائی امت آسمان کے تارے توڑ لائے آسمان وزمین کے قلابے ملادے اور مشرق ومغرب کے احمقوں کو جمع کرے مگر وہ واللہ العظیم مرزا غلام احمد قادیانی کے کذّاب ومفتری اور دجال ومضل ہونے میں ادنی شبہ نہیں ہوسکتا اگر محمد رسول اللہ ﷺ سچے ہیں ،قرآن سچا ہے اور اسلام سچا ہے تو مرزا صاحب جھوٹے ہیں اور قطعاً جھوٹے ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ ''بلعم باعورا'' کو اسی استخارے نے گمراہ کیا تھا اسے تین دن سخت تنبیہ ہوتی

---

(۱) فتح الباری - کتاب الدعوات - باب الدعاء عند الاستخارة - ۱۲/ ۸۷/ ۴ - ط: دار الفکر بیروت.

رہی لیکن جب وہ اپنی حماقت سے باز نہ آیا اور چوتھے دن بھی استخارہ کیا تو کوئی تنبیہ نہ ہوئی اس سے وہ احمق سمجھا کہ یہی حق ہے، بالآخر و اضله الله علی علم ،کا مصداق بنا اور مثله کمثل الکلب، کا طوق اس کے گلے کا ہار بنا، الغرض یہ خالص زندیقانہ مشورہ ہے جو مرزائیوں نے سادہ لوح مسلمانون کو جہنم میں لے جانے کے لئے تجویز کیا ہے علماء امت کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس فتنے سے متنبہ کریں۔

نوٹ: اس مضمون کے تمام حوالے ''اکفار الملحدین'' اور ''محمدیہ پاکٹ بک'' سے لئے گئے ہیں۔ (مدیر)

بینات - ذوالقعدہ ۱۳۹۳ھ

لااکراہ فی الدین

ایک قادیانی کے جواب میں

سوال: لااکراہ فی الدین یعنی دین میں کوئی جبر نہیں نہ تو آپ جبراً کسی کو مسلمان بنا سکتے ہیں اور نہ ہی جبراً کسی مسلمان کو آپ غیر مسلم بنا سکتے ہیں اگر یہ مطلب ٹھیک ہے تو پھر آپ نے ہماری جماعت (جماعت احمدیہ) کو کیوں جبراً قومی اسمبلی اور حکومت کے ذریعہ غیر مسلم کہلوایا؟

جواب: آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جا سکتا یہ مطلب نہیں کہ جو شخص اپنے غلط عقائد کی وجہ سے مسلمان نہ رہا اس کو غیر مسلم بھی نہیں کہا جا سکتا، دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے آپ کی جماعت کو قومی اسمبلی نے غیر مسلم نہیں بنایا، غیر مسلم تو آپ اپنے عقائد کی وجہ سے خود ہی ہوئے ہیں (۱) البتہ مسلمانوں نے غیر مسلم کو غیر مسلم کہنے کا "جرم" ضرور کیا ہے۔

✿✿✿

سوال: مساجد میں خدا اور اس کے ذکر سے اور رسول خدا کے ذکر سے احمدیوں کو روکنا اور ہم سے یہ کہنا کہ آپ مساجد کی شکل مندر کی طرح بنائیں اور مسجد میں خدا اور اس کے رسول کا نام نہ لیں کیا یہ سب کچھ آپ کے نزدیک اسلامی طریقہ ہے؟

جواب: سنعذبهم مرتين ، کے تحت متعدد احادیث روح المعانی میں مذکور ہیں کہ آنحضرت

---

(۱) شہرۂ آفاق مقدمہ بہاولپور میں حضرت سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے قادیانی اور اس کے پیروکاروں کے چھ وجوہ کفر متعین فرمائے تھے: (۱) ختم نبوت کا انکار۔ (۲) دعوی نبوت مطلقہ وتشریعیہ۔ (۳) ادعائے وحی اور اپنی وحی کو قرآن کے برابر قرار دینا۔ (۴) حضرت عیسی علیہ السلام کی توہین۔ (۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین۔ (۶) ساری امت کو بجز اپنے متبعین کے کافر قرار دینا۔ (مقدمہ بہاولپور ص ۳۱)

صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو مسجد سے نکالا اس لئے یہ عمل تو عین سنتِ نبوی ہے۔ (۱)

۞۞۞

سوال: احمدیوں کو مسجدیں بنانے سے جبراً روکا جارہا ہے کیا یہ اسلام میں آپ کے نزدیک جائز ہے؟

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ضرار کے ساتھ کیا کیا تھا؟ اور قرآن کریم نے اس کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے؟ شاید جناب کے علم میں ہوگا، اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ (۲)

آپ حضرات دراصل رنج کی وجہ سے معقول بات پر بھی اعتراض فرماتے ہیں دیکھئے اس بات پر تو غور ہوسکتا تھا (اور ہوتا بھی رہا ہے) کہ آپ کی جماعت کے عقائد مسلمانوں کے سے ہیں یا نہیں؟ اور یہ کہ اسلام میں ان عقائد کی گنجائش ہے یا نہیں؟ لیکن جب یہ طے ہوگیا کہ آپ کی جماعت کے نزدیک مسلمان، مسلمان نہیں اور مسلمانوں کے نزدیک آپ کی جماعت مسلمان نہیں؟ تو خود انصاف فرمایئے کہ آپ مسلمانوں کو اور مسلمان آپ کو اسلامی حقوق کیسے عطا کرسکتے ہیں؟ اور از روئے عقل وانصاف کسی غیر مسلم کو اسلامی حقوق دینا ظلم ہے؟ یا اس کے برعکس نہ دینا ظلم ہے؟

میرے محترم! بحث جبر واکراہ کی نہیں، بلکہ بحث یہ ہے کہ آپ نے جو عقائد اپنے اختیار وارادہ سے اپنائے ہیں ان پر اسلام کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ان پر اسلام کا اطلاق ہوتا ہے تو آپ کی شکایت بجا ہے، نہیں ہوتا تو یقیناً بے جا ہے۔ اس اصول پر تو آپ بھی اتفاق کریں گے اور آپ کو کرنا چاہیئے۔

اب آپ خود ہی فرمایئے کہ آپ کے خیال میں اسلام کس چیز کا نام ہے؟ اور کن چیزوں کے انکار کردینے سے اسلام جاتا رہتا ہے اس تنقیح کے بعد آپ اصل حقیقت کو سمجھ سکیں گے جو غصہ کی وجہ سے اب نہیں سمجھ رہے۔

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

بینات-محرم الحرام ۱۴۰۰ھ

---

(۲) عن ابن عباس قال قام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوم الجمعة خطیبا فقال قم یا فلان فاخرج فإنك منافق فأخرجهم بأسمائهم (**روح المعانی للألوسی -تحت قوله تعالیٰ سنعذبهم مرتین -۱۱/۱۱ط: دار الفکر بیروت**)

(۲) ان النبی أمر بعد حرق المسجد وهدمه أن یتخذ كناسة یلقی فیها الجیف والنتن (**روح المعانی -۱۱/۱۸**)

قادیانیوں کے ساتھ موالات

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین متین وفقہم اللہ للصواب حسب ذیل مسئلہ میں:

کوئی شخص یا جماعت کسی داعیٔ نبوتِ کاذبہ پر ایمان لانے کی وجہ سے باتفاقِ اُمت دائرہ اسلام سے خارج ہو، اور اُن کا کفر یقینی اور شک وشبہ سے بالاتر ہو، اس کے علاوہ اُن میں حسب ذیل وجوہ بھی موجود ہوں:

(۱) وہ اسلام کا لبادہ اُوڑھ کر مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہوں اور تمام عالمِ اسلام اور ملتِ اسلامیہ کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہوں۔

(۲) مسلمانوں کو جانی ومالی ہر طرح کی ایذاء پہنچانے میں تامقدور کوتاہی نہ کرتے ہوں۔

(۳) اُن کی مادی قوت اور مالی وسائل میں روزافزوں ترقی کا تمام تر انحصار مسلمانوں کے استحصال پر ہو، اُن کے کارخانے اور انڈسٹریاں مسلمانوں کے ذریعہ چلتی ہوں اور وہ اسلامی ملک کے تمام کلیدی مناصب پر فائز اور معاشی وسائل پر قابض ہونے کی کوششیں کررہے ہوں۔

(۴) دُشمنِ اسلام بیرونی طاقتوں، یہودی اور مسیحی حکومتوں اور ہندوستان کی اسلام دُشمن حکومت سے اُن کے روابط ہوں، الغرض مسلمانوں کے لئے دینی، معاشی، اقتصادی اور معاشرتی اعتبار سے اُن کا طرزِ عمل سنگین خطرات کا باعث ہو بلکہ ان کی وجہ سے ایک اسلامی مملکت کو بغاوت وانقلاب کے خطرات تک لاحق ہوں۔

(۶) حکومت یا حکومَت کی سطح پر یہ توقع نہ ہو کہ اس فتنہ سے ملک وملت کو بچانے کی کوئی تدبیر کی جائے گی اور یہ اُمید نہ ہو کہ جس شرعی سزا کے وہ مستحق ہیں وہ ان پر جاری ہوسکے گی، اندریں حالات بے بس مسلمانوں کو اس فتنہ کی روک تھام کے لئے کیا کرنا چاہئے؟ اور اس سلسلہ میں شرعی طور پر اُن پر کیا فریضہ عائد ہوتا ہے؟ کیا ان حالات میں اس جماعت یا فرد کی بڑھتی ہوئی جارحیت پر قدغن لگانے کے لئے حسب ذیل امور کے جواز یا وجوب کی شرعاً کوئی صورت ہے کہ:

(الف) امت اسلامیہ اس فرد یا جماعت کے ساتھ برادرانہ تعلقات منقطع کرے۔

(ب) ان سے سلام و کلام، میل جول، نشست و برخاست، شادی وغمی میں شرکت نہ کی جائے بلکہ معاشرتی سطح پر اُن سے مکمل طور پر قطعِ تعلق کرلیا جائے۔

(ج) ان سے تجارت، لین دین اور خرید وفروخت کی جائے یا نہیں؟

(د) ان کے کارخانوں، فیکٹریوں سے مال خریدا جائے یا اُن کا مکمل اقتصادی مقاطعہ کیا جائے؟

(ھ) اُنکی تعلیم گاہوں، ہوٹلوں، ریسٹورانوں میں جانا جائز ہے یا نہیں؟

(و) اُن سے رواداری برتی جائے یا نہیں؟

(ز) اُن کے کارخانوں اور فیکٹریوں کی مصنوعات استعمال کی جائیں یا نہیں؟

غرض ان سے مکمل سوشل بائیکاٹ یا مقاطعہ کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ کیا تمام مسلمانوں کو بھی شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ اُنہیں راہ راست پر لانے کے لئے اُن کا بائیکاٹ کریں۔ جبکہ اُس کے سوا اور کوئی چارہ اصلاح موجود نہ ہو۔

مجلس عمل کراچی

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

بلاشبہ قرآن کریم کی وحی قطعی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ متواترہ قطعیہ اور اُمت محمدیہ کے قطعی اجماع سے ثابت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، اس لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر نبوت کا مدعی کافر اور دائرہ اسلام سے قطعاً خارج ہے (۱)

اور جو شخص اس مدعی نبوت کی تصدیق کرے۔ اور اُسے مقتدا و پیشوا مانے وہ بھی کافر و مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، (۲)

---

(۱) روح المعانی للآلوسی –سورۃ الاحزاب: ۴۰–۱۱/۵۹–ط: المکتبۃ الحقانیۃ ملتان

(۲) اعلاء السنن–ابواب احکام المرتدین –فائدۃ: من ادعی النبوۃ اوصدق من ......الخ–۱۲/۶۳۶.

اس کفر اور ارتداد کے ساتھ اگر اُس میں وجوہ مذکورہ فی السوال میں سے ایک وجہ بھی موجود ہو تو قرآن کریم اور احادیث نبویہ اور فقہ اسلامی کے مطابق وہ اسلامی اخوت اور اسلامی ہمدردی کا ہرگز مستحق نہیں۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کے ساتھ سلام وکلام، نشست و برخاست اور لین دین وغیرہ تمام تعلقات ختم کردیں۔ کوئی ایسا تعلق یا رابطہ اس سے قائم کرنا جس سے اُس کی عزت واحترام کا پہلو نکلتا ہو یا اُس کو قوت و آسائش حاصل ہوتی ہو جائز نہیں۔ کفار، محاربین اور اعداء اسلام سے ترک موالات کے بارے میں قرآن حکیم کی بے شمار آیات موجود ہیں اسی طرح احادیثِ نبویہ اور فقہ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

یہ واضح رہے کہ کفار محاربین جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہوں، انہیں ایذاء پہنچاتے ہوں، اسلامی اصطلاحات کو مسخ کر کے اسلام کا مذاق اُڑاتے ہوں، اور مارِ آستین بن کر مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو منتشر کرنے کے درپے ہوں، اسلام اُن کے ساتھ سختی سے سخت معاملہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ رواداری کی ان کافروں سے اجازت دی گئی ہے جو محارب اور موذی نہ ہوں۔ ورنہ ''کفار محاربین'' سے سخت معاملہ کرنے کا حکم ہے۔ (۱)

علاوہ ازیں بسا اوقات اگر مسلمانوں سے کوئی قابل نفرت گناہ سرزد ہو جائے تو بطور تعزیر و تادیب ان کے ساتھ ترک تعلق اور سلام وکلام ونشست و برخاست ترک کرنے کا حکم شریعت مطہرہ اور سنت نبوی میں موجود ہے چہ جائیکہ کفار محاربین کے ساتھ۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو اسلامی حکومت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ان فتنہ پرداز مرتدین پر ''من بدل دینه فاقتلوه'' کی شرعی تعزیر نافذ کر کے اس فتنہ کا قلع قمع کرے اور اسلام اور ملت اسلامیہ کو اس فتنہ کی یورش سے بچائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے فتنہ پرداز موذیوں اور مرتد و کافر سے جو سلوک کیا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اور بعد کے خلفاء اور سلاطین اسلام نے بھی کبھی اس

---

(۱) احکام القرآن للتهانوی —سورة الممتحنة: ۸—ط: ادارة القرآن کراچی. ولفظه:

"وبالجملة فی الایة دلیل علی جواز البر والاحسان إلی الکافر إذا لم یکن محاربا لکن یشترط ان لایقصد تعظیمه واکرامه"۔

فریضہ سے غفلت اور تساہل پسندی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

لیکن اگر مسلمان حکومت اس قسم کے لوگوں کو سزا دینے میں کوتاہی کرے یا اُس سے توقع نہ ہو تو خود مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بحیثیت جماعت اُس قسم کی سزا کا فیصلہ کریں جو ان کے دائرہ اختیار میں ہو، الغرض ارتداد، محاربت، بغاوت، شرارت، نفاق، ایذا، مسلمانوں کیساتھ سازش، یہود و نصاریٰ و ہنود کے ساتھ ساز باز ان سب وجوہ کے جمع ہو جانے سے بلاشبہ مذکور فی السوال فرد یا جماعت کے ساتھ مقاطعہ یا بائیکاٹ نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے، اگر مسلمانوں کی جماعت بہیئتِ اجتماعی اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے مقاطعہ یا بائیکاٹ جیسے ہلکے سے اقدام سے بھی کوتاہی کرے گی تو وہ عنداللہ مسئول ہوگی۔

یہ مقاطعہ یا بائیکاٹ ظلم نہیں بلکہ اسلامی عدل و انصاف کے عین مطابق ہے، کیونکہ اس کا مقصد ہے کہ مسلمانوں کو اُن کی محاربت اور ایذاءرسانی سے محفوظ کیا جائے اور ان کی اجتماعیت کو ارتداد و نفاق کے دست بُرد سے بچایا جائے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ خود ان محاربین کے لئے بھی اس میں یہ حکمت مضمر ہے کہ وہ اس سزا یا تادیب سے متاثر ہو کر اصلاح پذیر ہوں اور کفر و نفاق کو چھوڑ کر صحیح ایمان و اسلام قبول کریں، اس طرح آخرت کے عذاب اور ابدی جہنم سے اُن کو نجات مل جائے، ورنہ اگر مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ ان کے خلاف کوئی تادیبی اقدام نہ کرے تو وہ اپنی موجودہ حالت کو مستحسن سمجھ کر اس پر مُصر رہیں گے اور اس طرح ابدی عذاب کے مستحق ہوں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر ابتداءً یہی طریقہ اختیار فرمایا تھا کہ کفار مکہ کے قافلوں پر حملہ کر کے اُن کے اموال پر قبضہ کیا جائے تاکہ مال اور ثروت سے ان کو جو قوت و شوکت حاصل ہے وہ ختم ہو جائے جس کے بل بوتے پر وہ مسلمانوں کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور مقابلہ کرتے ہیں اور مختلف سازشیں کرتے ہیں، قتل نفس اور جہاد بالسیف کے حکم سے پہلے مقاطعہ اور دشمنوں کو اقتصادی طور پر مفلوج کرنے کی یہ تدبیر اس لئے اختیار کی گئی تھی تاکہ اس سے ان کی جنگی صلاحیت ختم ہو جائے اور وہ اسلام کے مقابلہ میں آ کر کفر کی موت نہ مریں۔ گویا اس اقدام کا مقصد یہ تھا کہ اُن کے اموال پر قبضہ کر کے ان کی جانوں کو بچایا جائے۔ کیونکہ اموال پر قبضہ اُن کی جان لینے سے زیادہ بہتر تھا۔

علاوہ ازیں اس تدبیر میں یہ حکمت و مصلحت بھی تھی کہ کفار مکہ کے لئے غور و فکر کا ایک اور موقعہ

فراہم کیا جائے تاکہ وہ ایمان کی نعمت سے سرفراز ہوکر ابدی نعمتوں کے مستحق بن سکیں اور عذاب اُخروی سے نجات پاسکیں۔ لیکن جب اس تدبیر سے کافر اور مشرکین کے عناد کی اصلاح نہ ہوئی تو ان کے شر و فساد سے زمین کو پاک کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے جہاد بالسیف کا حکم دیدیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے قریش کے تجارتی قافلہ کے بجائے اُن کی عسکری تنظیم سے مسلمانوں کا مقابلہ کرادیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء کی تدبیر سے اُمت مسلمہ کو یہ ہدایت ضرور ملتی ہے کہ خاص قسم کے حالات میں جہاد بالسیف پر عمل نہ ہوسکے تو اس سے اقل درجہ کا اقدام یہ ہے کہ کفار محاربین سے نہ صرف اقتصادی بائیکاٹ کیا جائے بلکہ اُن کے اموال پر قبضہ تک کیا جاسکتا ہے مگر ظاہر ہے کہ عام مسلمان نہ تو جہاد بالسیف پر قادر ہیں، نہ انہیں اموال پر قبضہ کی اجازت ہے، اندریں صورت ان کے اختیار میں جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ ان موذی کافروں سے ہر قسم کے تعلقات ختم کرکے اُن کو معاشرہ سے جُدا کردیا جائے۔

بدن انسانی کا جو حصہ اس درجہ سڑ گل جائے کہ اس کی وجہ سے تمام بدن کو نقصان کا خطرہ لاحق ہو اور جان خطرہ میں ہو تو اس ناسور کو جسم سے پیوستہ رکھنا دانشمندی نہیں، بلکہ اسے کاٹ دینا ہی عین مصلحت و حکمت ہے، تمام عقلاء اور حکماء واطباء کا اسی پر عمل اور اتفاق ہے اور پھر جب یہ موذی کفار مسلمانوں کا خون چوس چوس کر پل رہے ہوں اور طاقتور ہوکر مسلمانوں ہی کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کررہے ہوں تو ان سے خرید و فروخت اور لین دین میں مکمل مقاطعہ، اسلام اور ملت اسلامیہ کے وجود و بقاء کے لئے ایک ناگزیز ملی فریضہ بن جاتا ہے، آج بھی اس متمدن دُنیا میں مقاطعہ یا اقتصادی ناکہ بندی کو ایک اہم دفاعی مورچہ سمجھا جاتا ہے اور اس کو سیاسی حربہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے مگر مسلمانوں کے لئے یہ کوئی سیاسی حربہ نہیں بلکہ اُسوۂ نبی، سنت رسول اور ایک مقدس مذہبی فریضہ ہے۔ اسلام کی غیرت ایک لمحہ کے لئے یہ برداشت نہیں کرتی کہ اسلام اور ملت اسلامیہ کے دشمنوں سے کسی نوعیت کا کوئی تعلق اور رابطہ باقی رکھا جائے۔

اب ہم آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور فقہاء اُمت اسلامیہ کے وہ نقول پیش کرتے ہیں جن سے اس مقاطعہ کا حکم واضح ہوتا ہے:

(۱) "اذا سمعتم آيات الله يكفر بها ويستهزأ بها فلا تقعدوا معهم" (النساء: ۱۳۹)

''جب سنو تم کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جارہا ہے اور ان کا مذاق اُڑایا جارہا ہے تو اُن کے ساتھ نشست و برخاست ترک کردو''۔

(۲) ''وإذا رأيت الذين يخوضون في اٰيٰتنا فاعرض عنهم''(الانعام:۶۸)

''اور جب تم دیکھو اُن لوگوں کو جو مذاق اُڑاتے ہیں ہماری آیتوں کا تو ان سے کنارہ کشی اختیار کرلو''۔

اس آیت کے ذیل میں حافظ الحدیث امام ابوبکر الجصاصؒ الرازی لکھتے ہیں:

''وهذا يدل على ان علينا ترك مجالسة الملحدين وسائر الكفار لا ظهارهم الكفر والشرك وما لا يجوز على الله تعالى اذا لم يمكننا انكاره......''الخ(۱)

''یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ہم (مسلمانوں) پر ضروری ہے کہ ملاحدہ اور سارے کافروں پر اُن کے کفر اور شرک اور اللہ پر ناجائز باتیں کہنے کی روک نہ کرسکیں تو ان کے ساتھ نشست برخاست ترک کردیں''۔

(۳)''يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء''(المائدة:۵۱)

''اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ''۔

امام ابوبکر الجصاصؒ لکھتے ہیں:

''وفي هذه آلاية دلالة على ان الكافر لا يكون وليا للمسلمين لا في التصرف ولا في النصرة وتدل على وجوب البراءة من الكفار والعدواة لهم لان الولاية ضد العداوة فإذا أمرنا بمعاداة اليهود والنصارى لكفرهم فغيرهم من الكفار بمنزلتهم والكفر ملة

---

(۱) احکام القرآن للجصاص –سورة الانعام–باب النهي عن مجالسة الظالمين–۳/ ۲–ط:دار الكتاب العربي بيروت.

واحدة"(۱)

اس آیت میں اس امر پر دلالت ہے کہ کافر مسلمانوں کا ولی (دوست) نہیں ہوسکتا، نہ تو معاملات میں اور نہ امداد وتعاون میں...... اور اس سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ کافروں سے برأت اختیار کرنا اور ان سے عداوت رکھنا واجب ہے کیونکہ ولایت، عداوت کی ضد ہے اور جب ہم کو یہود ونصاری سے ان کے کفر کی وجہ سے عداوت رکھنے کا حکم ہے تو دوسرے کافر بھی اُن ہی کے حکم میں ہیں، سارے کافر ایک ہی ملت ہیں۔

(۴) ''سورہ ممتحنہ'' کا تو موضوع ہی ''کفار سے قطع تعلق'' کی تاکید ہے۔ اس سورہ میں بہت سختی کے ساتھ کفار کی دوستی اور تعلق سے ممانعت کی گئی ہے، اگر چہ رشتہ دار، قرابت دار ہوں۔ اور فرمایا کہ قیامت کے دن تمہارے یہ رشتے کام نہیں آئیں گے۔ اور یہ کہ جو لوگ آئندہ کفار سے دوستی اور تعلق رکھیں گے، وہ راہ حق سے بھٹکے ہوئے اور ظالم شمار ہوں گے۔ (۲)

(۵) "لاتجد قوما يومنون بالله واليوم الآخر يوادون من حاد الله ورسوله ولو كانوا آباء هم او ابناء هم او اخوانهم او عشيرتهم "(المجادلة: ۲۲)

''تم نہ پاؤ گے کسی قوم کو جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور آخرت پر کہ دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہیں اللہ کے اور اُس کے رسول کے خواہ وہ اُن کے باپ ہوں، بیٹے ہوں، بھائی ہوں یا خاندان والے ہوں''۔

آگے چل کر اس آیت کریمہ میں اُن مسلمانوں کو جو باوجود قرابت داری کے، محارب کافروں سے دوستانہ تعلقات ختم کر دیتے ہیں، سچے مومن کہا گیا ہے، انہیں جنت اور رضوان الٰہی کی بشارت سُنا دی گئی ہے اور اُن کو ''حزب اللہ'' کے لقب سے سرفراز فرمایا گیا ہے، جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ خدا ورسول کے دُشمن، موذی کافروں سے تعلقات رکھنا، ان سے گھل مل کر رہنا اور انہیں کسی قسم کی تقویت پہچانا کسی مومن کا

---

(۱) احكام القرآن للجصاص –سورة المائدة–مطلب الكافر لايكون وليا للمسلم– ۲/ ۴۴۴–ط: دار الكتاب

(۲) الممتحنة : ۱ تا ۹

کام نہیں ہوسکتا۔

بطور مثال ان چند آیات کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ بے شمار آیات کریمہ اس مضمون میں موجود ہیں۔

اب چند احادیث نبویہ ملاحظہ ہوں:

(۱) جامع ترمذی کی ایک حدیث میں جو سمرۃؓ بن جندب سے مروی ہے:

"حکم دیا گیا ہے کہ مشرکوں اور کافروں کے ساتھ ایک جگہ سکونت بھی اختیار نہ کرو۔ ورنہ مسلمان بھی کافروں جیسے ہوں گے۔(۱)

(۲) نیز ترمذی کی ایک حدیث میں جو جریرؓ بن عبداللہ البجلی سے مروی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"انا بریٔ من کل مسلم یقیم بینَ اظهر المشرکین".

"یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار برأت فرمایا اُس مسلمان سے جو محارب کافروں میں سکونت پذیر ہو"۔(حوالہ بالا)

(۳) صحیح بخاری کی ایک حدیث میں "قبیلہ عکل" اور "عرینہ" کے آٹھ نو اشخاص کا ذکر ہے جو مرتد ہوگئے تھے، ان کے گرفتار ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں، اور اُن کی آنکھوں میں گرم کرکے لوہے کی کیلیں پھیر دی جائیں اور اُن کو مدینہ طیبہ کے کالے کالے پتھروں پر دھوپ میں ڈال دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، یہ لوگ پانی مانگتے تھے لیکن پانی نہیں دیا جاتا تھا۔ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں: "یستسقون فلا یسقون" (۲) اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں: "حتی ان احدهم یکدم بفیه الارض ، فرأیت الرجل منهم یکدم الارض بلسانه حتی یموت." کہ وہ پیاس کے مارے زمین چاٹتے تھے مگر انہیں پانی دینے کی اجازت نہ تھی۔(۳)

---

(۱) سنن الترمذی -باب فی کراهیة المقام بین اظهر المشرکین- ۱/۱۹۴ -ط: فاروقی کتب خانه

(۲) صحیح البخاری -کتاب الوضوء -باب ابوال الابل والدواب والغنم ومرابضها- ۱/۳۶ -ط: قدیمی

(۳) صحیح البخاری -کتاب الطب -ابواب الدواء بالبان الابل -۲/۸۴۸ -ط: قدیمی

امام نوویؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"ان المحارب المرتد لا حُرمة له فی سقی الماء ولا غیره، ویدل علیه ان من لیس معه ماء الا للطهارة لیس له ان یسقیه المرتد ویتیمم بل یستعمله ولو مات المرتد عطشاً"۔(۱)

"اس سے معلوم ہوا کہ محارب مرتد کا پانی وغیرہ پلانے میں کوئی احترام نہیں، چنانچہ جس شخص کے پاس صرف وضو کے لئے پانی ہو تو اس کو اجازت نہیں ہے یہ کہ پانی مُرتد کو پلا کر تیمم کرلے، بلکہ اس کے لئے یہ حکم ہے کہ پانی مرتد کو نہ پلائے اگرچہ وہ پیاس سے مرجائے بلکہ وضو کرکے نماز پڑھے"۔

(۴) غزوۂ تبوک میں تین کبار صحابہ کعب بن مالک، ہلال بن اُمیہ واقفی بدری اور مُرارۃ بن ربیع بدری عمری کو غزوہ میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے سخت سزا دی گئی، آسمانی فیصلہ ہوا کہ ان تینوں سے تعلقات ختم کرلئے جائیں ان سے مکمل مقاطعہ کیا جائے، کوئی شخص ان سے سلام وکلام نہ کرے حتی کہ ان کی بیویوں کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ بھی ان سے علیحدہ ہوجائیں اور ان کے لئے کھانا بھی نہ پکائیں، یہ حضرات روتے روتے نڈھال ہوگئے اور حق تعالیٰ کی وسیع زمین اُن پر تنگ ہوگئی(۲) وحی قرآنی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"وعلی الثلاثة الذین خلفوا حتی ضاقت علیهم الارض بما رحبت وضاقت علیهم انفسهم وظنوا ان لا ملجأ من الله الا الیه"۔

اور ان تینوں پر (بھی توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین اُن پر باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی، اور وہ خود اپنی جانوں سے تنگ آگئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اسی کی طرف کے"۔

پورے پچاس دن یہ سلسلہ جاری رہا آخرکار اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور معافی ہوگئی۔

---

(۱) فتح الباری – کتاب الوضوء – باب ابوال الابل والدواب.....الخ – ۱/۲۴۱ – ط: رئاسة ادارات البحوث.

(۲) التفسیر المظهری – سورة التوبة – ۴/۳۱۳ – ط: اشاعة العلوم دهلی.

قاضی ابوبکر بن العربی لکھتے ہیں:

"وفیہ دلیل علی ان للامام ان یعاقب المذنب بتحریم کلامه علی الناس أدباً له وعلی تحریم أهله علیه" (۱)

"اس قصہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ امام کو حق حاصل ہے کہ کسی گنہ گار کی تادیب کے لئے لوگوں کو اس سے بول چال کی ممانعت کردے۔ اور اس کی بیوی کو اس کے لئے ممنوع ٹھہرادے"۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

"وفیها ترک السلام علی من اذنب وجواز هجره اکثر من ثلاث......"الخ (۲)

"اس سے ثابت ہوا کہ گنہ گار کو سلام نہ کہا جائے اور یہ کہ اس سے قطع تعلق تین روز سے زیادہ بھی جائز ہے"۔

بہر حال کعب بن مالک اور اُن کے رفقاء کا یہ واقعہ قرآن کریم کی "سورۃ توبہ" میں مذکور ہے اور اُس کی تفصیل صحیح بخاری، صحیح مسلم اور تمام صحاح ستہ میں موجود ہے۔

امام ابوداؤد نے اپنی کتاب سنن ابی داؤد میں "کتاب السنة" کے عنوان کے تحت متعدد ابواب قائم کئے ہیں:

(الف) باب مجانبة اهل الاهواء (اہل ہوا باطل پرستوں سے کنارہ کشی کرنے اور بغض رکھنے کا بیان) (۳)

(ب) باب ترک السلام علی اهل الاهواء (اہل ہواء سے ترک سلام کا بیان) (۴)

سنن ابی داؤد میں حدیث ہے کہ عمار بن یاسرؓ نے خلوق (زعفران) لگایا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) احکام القرآن لابن العربی سورة التوبة: ۱۱۸-۲/۱۰۲۶-ط: دار الکتاب العربی.

(۲) فتح الباری -کتاب المغازی -باب حدیث کعب بن مالک -۸/۱۲۴-ط: رئاسة ادارات

(۳) سنن أبی داؤد-۲/۶۳۲-ط:میر محمد

(۴) المرجع السابق.

نے ان کوسلام کا جواب نہیں دیا۔(۱)

غور فرمایئے کہ معمولی خلاف سنت بات پر جب یہ سزا دی گئی تو ایک مُرتد موذی اور کافر محارب سے بات چیت، سلام وکلام اور لین دین کی اجازت کب ہوسکتی ہے؟

امام خطابیؒ "معالم السنن" میں حدیث کعب کے سلسلہ میں تصریح فرماتے ہیں:

"مسلمانوں کے ساتھ بھی ترک تعلق اگر دین کی وجہ سے ہوتو بلا قید ایام کیا جاسکتا ہے جب تک توبہ نہ کریں"۔(۲)

(۵) مسند احمد وسنن ابی داوٗد میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"القدرية مجوس هذه الأمة إن مرضوا فلا تعودوهم وإن ماتوا فلا تشهدوهم".(۳)

"تقدیر کا انکار کرنے والے اس اُمت کے مجوسی ہیں اگر بیمار ہوں تو عیادت نہ کرو اور اگر مرجائیں تو جنازے پر نہ جاؤ"۔

(۶) ایک اور حدیث میں ہے:

لاتجالسوا أهل القدر ولاتفاتحوهم"(۴)

"منکرین تقدیر کیساتھ نہ نشست وبرخاست رکھو اور نہ اُن سے گفتگو کرو"۔

(۷) سنن کبریٰ بیہقی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

---

(۱) سنن أبی داؤد -كتاب الترجل -باب فی الخلوق للرجال-۲/۵۷۵-ط: میر محمد کتب خانه

(۲) معالم السنن للخطابی -كتاب السنة -باب مجانبة اهل الاهواء-۷/۵-ط: المكتبة الاثرية

(۳) مسند احمد -مسند ابن عمر-رقم الحديث:۵۵۸۴-۵/۱۲۵-ط: دار الحديث قاهرة

سنن أبی داؤد -كتاب السنة- باب فی القدر-۲/۶۴۴-ط: میرمحمد کتب خانه

(۴) سنن أبی داؤد -كتاب السنة -باب فی ذراری المشركين-۲/۶۴۹-ط: میرمحمد

"امرنی رسول الله صلی الله علیه وسلم أن أغور ماء آبار بدر".(۱)

''جنگ بدر میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا کہ بدر کے کنوؤں کا پانی خشک کردوں''۔

اور ایک روایت میں ہے:

"ان تغور المیاه کلها غیر ماء واحد نلقی القوم عنیه"(۲)

''کہ سوائے ایک کنویں کے جو بوقت جنگ ہمارے کام آئے گا باقی سب کنویں خشک کردیئے جائیں''۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس چند بددین زندیق لائے گئے تو آپ نے انہیں آگ میں جلادیا۔ حضرت ابن عباس کو اس کی اطلاع پہونچی تو فرمایا: اگر میں ہوتا تو انہیں جلاتا نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے: کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی سزا مت دو بلکہ میں انہیں قتل کرتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"من بدل دینه فاقتلوه" (۳)

''جو شخص مرتد ہوجائے اسے قتل کردو''۔

صحیح بخاری میں صعب بن جثامۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ رات کی تاریکی میں مشرکین پر حملہ ہوتا ہے تو عورتیں اور بچے بھی زد میں آجاتے ہیں فرمایا: وہ بھی انہی میں شامل ہیں۔(۴)

بہرحال یہ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں۔ عہد نبوت کے بعد عہد خلافت راشدہ میں بھی اسی طرز عمل کا ثبوت ملتا ہے۔

---

(۱)سنن کبریٰ للبیهقی -جماع ابواب السیر-باب قطع الشجر وحرق المنازل-۹/۸۴-ط:نشر السنة

(۲) المرجع السابق .

(۳) صحیح البخاری-کتاب استتابة المعاندین -باب حکم المرتد والمرتدة-۲/۱۰۲۳-ط:قدیمی

(۴) صحیح البخاری -کتاب الجهاد-باب اهل الدار یبیتون فیصاب الولدان ......الخ-۱/۴۲۳.

مانعین زکوٰۃ کے ساتھ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اعلان جہاد کرنا بخاری ومسلم میں موجود ہے۔(۱)

مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، طلیحہ، سدی اور اُن کے پیروؤں کے ساتھ جوسلوک کیا گیا اس سے حدیث وسیر کا معمولی طالب علم بھی واقف ہے۔(۲)

عہد فاروقی میں ایک شخص صبیغ عراقی قرآن کریم کی آیات کے ایسے معانی بیان کرتا تھا، جس میں ہوائے نفس کا دخل تھا، اور اُن سے مسلمانوں کے عقائد میں تشکیک کا راستہ کھلتا تھا، یہ شخص فوج میں تھا، جب عراق سے مصر گیا اور حضرت عمرو بن العاص گورنر مصر کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ بھیجا اور صورت حال لکھی، حضرت عمرؓ نے نہ اس کا موقف سنا، اور دلائل۔ بحث ومباحثہ میں وقت ضائع کئے بغیر اس کا ''علاج بالجرید'' ضروری سمجھا، فوراً کھجور کی تازہ شاخیں منگوائیں اور خود اپنے ہاتھ سے اس کے سر پر بے تحاشہ مارنے لگے، اتنا مارا کہ خون بہنے لگا۔ وہ چیخ اُٹھا: ''امیر المومنین! آپ مجھے قتل ہی کرنا چاہتے ہیں تو مہربانی کیجئے تلوار لے کر میرا قصہ پاک کردیجئے، اور اگر صرف میرے دماغ کا خنّاس نکالنا مقصود ہے تو آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ اب وہ بھوت نکل چکا ہے''۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اُسے چھوڑ دیا اور چند دن مدینہ رکھ کر اسے عراق بھیج دیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا: ان لا یجالسہ احد من المسلمین'' کہ کوئی مسلمان اس کے پاس نہ بیٹھے۔ اس مقاطعہ سے اس شخص پر عرصۂ حیات تنگ ہوگیا، تو حضرت ابوموسیٰؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ اب اس کی حالت ٹھیک ہوگئی ہے، تب حضرت عمر نے لوگوں کو اس کے پاس بیٹھنے کی اجازت دی۔(۳)

---

(۱) صحیح البخاری – کتاب استتابة المعاندين والمرتدين – باب قتل من أبى قبول الفرائض – ۲/۱۰۲۳.

صحيح مسلم – كتاب الايمان – باب الامر بقتال الناس حتى يقولوا لا اله الا الله – ۱/۳۷.

(۲) البداية والنهاية مقتل مسيلمة الكذاب لعنه الله – ۶/۳۲۸ – ط: دار الريان للتراث – قاهرة

ايضا – خروج الاسود العنسى – ۶/۳۱۱ –

ايضا – خروج طليحة بن خويلد – ۷/۱۲۱ –

(۳) سنن الدارمى – باب من هاب الفتيا وكره التنطع والتبدع – ۱/۵۱ – ط: دار المحاسن القاهرة.

اب فقہ کی چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

(۱) علامہ دردیر مالکی ''شرح کبیر'' میں باغیوں کے احکام میں لکھتے ہیں:

''وقطع الميرة والماء عنهم الا ان يكون فيهم نسوة وذراری''(۱)

''ان کا کھانا پانی بند کردیا جائے الا یہ کہ اُن میں عورتیں اور بچے ہوں''۔

(۲) کوئی قاتل اگر حرم مکہ میں پناہ گزیں ہوجائے اس سلسلہ میں ابوبکر الجصاص لکھتے ہیں:

''قال أبوحنيفة و أبو يوسف و محمد وزفر والحسن بن زياد: إذا قتل في غير الحرم ثم دخل الحرم لم يقتص منه مادام فيه، ولكنه لايبايع ولا يؤاكل إلى أن يخرج من الحرم(۲)

امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، محمد، زفر اور حسن بن زیاد کا قول ہے کہ جب حرم سے باہر قتل کرکے حرم میں داخل ہو تو جب تک حرم میں ہے اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا لیکن نہ اس کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی جائے نہ اس کو کھانا دیا جائے یہاں تک کہ وہ حرم سے نکلنے پر مجبور ہوجائے۔

(۳) ''درمختار'' میں ہے:

''وافتى الناصحي بوجوب قتل كل موذ وفي ''شرح الوهبانية: ويكون بالنفي عن البدل وبالهجوم على بيت المفسدين وبالاخراج عن الدار وبهدمها''(۳)

ناصحی نے فتویٰ دیا ہے کہ ہر موذی کا قتل واجب ہے اور ''شرح وہبانیہ'' میں

(۱) حاشية الدسوقي على الشرح الكبير ۴/۲۶۶ -ط:مطبعة التقدم العلمية مصر.

(۲) احكام القرآن للجصاص -آل عمران -مطلب في حكم الجاني في غير الحرم إذا التجأ اليه - ۲/۲۷ - ط: دار الكتب العلمية بيروت.

(۳) الدر المختار -كتاب الحدود-باب التعزير-۴/۶۴.

ہے کہ تعزیر یوں بھی ہوسکتی ہے کہ شہر بدر کردیا جائے اور اُن کے مکان کا گھیراؤ کیا جائے انہیں مکان سے نکال باہر کیا جائے اور مکان ڈھادیا جائے۔

(۴) ابن عابدین الشامی ردالمحتار میں لکھتے ہیں:

قال فی احکام السیاسة: وفی المنتقی: واذا سمع فی داره صوت المزامیر فادخل علیه لانه لما اسمع الصوت فقد اسقط حرمة الدار، وفی حدود "البزازیة" وغصب "النهایة" وجنایة "الدرایة" ذکر الصدر الشهید عن اصحابنا انه یهدم البیت علی من اعتاد الفسوق وأنواع الفساد فی داره حتی لابأس بالهجوم علی بیت المفسدین وهجم عمر علیٰ نائحة فی منزلها وضربها بالدرة حتی سقط خمارها فقیل له فیه، فقال: لا حرمة لها بعد اشتغالها بالمحرم والتحقت بالاماء.......... وعن عمر رضی الله عنه انه احرق بیت الخمار. عن الصفار الزاهد: الامر بتخریب دار الفاسق". (۱)

احکام السیاسۃ میں "المنتقی" سے نقل کیا ہے کہ جب کسی کے گھر سے گانے بجانے کی آواز سُنائی دے تو اس میں داخل ہوجاؤ کیونکہ جب اُس نے یہ آواز سُنائی تو اپنے گھر کی حرمت کوخود ساقط کردیا۔ اور "بزازیہ" کی کتاب الحدود اور "نہایہ" کے باب الغصب اور "درایہ" کی کتاب الجنایات میں لکھا ہے کہ صدر الشہید نے ہمارے اصحاب سے نقل کیا ہے کہ جو شخص فسق وبدکاری اور مختلف قسم کے فساد کا عادی ہو ایسے شخص پر اس کا مکان گرادیا جائے حتی کہ مفسدوں کے گھر میں گھس جانے میں بھی مضائقہ نہیں...... حضرت عمر ایک نوحہ گر عورت کے گھر میں گھس آئے اور اس کے ایسا دُرہ مارا کہ اس کے سر سے چادر اُتر گئی اور اپنے طرز عمل کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ: حرام میں مشغول ہونے کے بعد اُس کی کوئی حرمت نہیں رہی اور یہ لونڈیوں کی صف میں

---

(۱) ردالمحتار علیٰ الدر المختار –کتاب الحدود–باب التعزیر مطلب یکون التعزیر بالقتل– ۴/۶۵.

شامل ہوگئی۔ حضرت عمر سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے ایک شرابی کے مکان کو آگ لگادی تھی صفار زاہد کہتے ہیں کہ فاسق کا مکان گرادینے کا حکم ہے۔

(۵) ملا علی قاری ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' میں لکھتے ہیں:

وهذا تنصيص على أن الضرب تعزير يملكه الانسان وإن لم يكن محتسبا وصرف في "المنتقى" بذلك".(۱)

اور یہ اس امر کی تصریح ہے کہ مارنا ایسی تعزیر ہے جس کا انسان اختیار رکھتا ہے خواہ محتسب نہ ہو۔ ''المنتقی'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

یاد رہے کہ اس قسم کے مقاطعہ کا تعلق درحقیقت ''بغض فی اللہ'' سے ہے جس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ''احب الاعمال الی اللہ'' فرمایا ہے۔(۲)

''بغض فی اللہ'' کے ذیل میں امام غزالی ''احیاء العلوم'' میں بطور کلیہ لکھتے ہیں:

"الاول: الكافر، فالكافر ان كان محارباً فهو يستحق القتل والارقاق' وليس بعد هذين اهانة، الثاني: المبتدع الذى يدعو الى بدعته فان كانت البدعة بحيث يكفر بها فامره اشد من الذمى لانه لايقر بجزية، ولا يسامح بعقد ذمه، وان كان ممن لا يكفر به فامره بينه وبين الله اخف من امر الكافر لا محالة، ولكن الأمر فى الانكار عليه اشد منه على الكافر، لان شرا لكافر غير متعد فان المسلمين اعتقدوا كفره فلا يلتفتون الى قوله......"الخ(۳)

اول کافر، پس کافر اگر حربی ہو تو اس بات کا مستحق ہے کہ قتل کیا جائے یا غلام

---

(۱)مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح–كتاب الجدود–باب التعزير–۷/ ۲۲۱–ط: مكتبه حقانيه

(۲)سنن أبى داؤد –كتاب السنة –باب مجانبة اهل الأهواء وبغضهم–۲/ ۲۷۶–ط: ايچ ايم سعيد

(۳) احياء علوم الدين للعلامة الغزالى –كتاب آداب الالفة والاخوة–بيان مراتب الذين يبغضون فى الله......الخ– ۲/ ۱۶۸–ط: دار المعرفة بيروت.

بنالیا جائے اور یہ ذلت واہانت کی آخری حد ہے۔ دوم صاحب بدعت جو اپنی بدعت کی دعوت دیتا ہو، پس اگر بدعت حد کفر تک پہونچی ہوئی ہوتو اس کی حالت کافر ذمی سے بھی سخت تر ہے، کیونکہ نہ اس سے جزیہ لیا جاسکتا ہے۔ نہ اس کو ذمی کی حیثیت دی جاسکتی ہے، اور اگر بدعت ایسی نہیں جس کی وجہ سے اس کو کافر قرار دیا جائے تو عند اللہ تو اس کا معاملہ کافر سے لامحالہ اخف (ہلکا) ہے مگر کافر کی بہ نسبت اس پر نکیر زیادہ کی جائے گی کیونکہ کافر کا شر متعدی نہیں اس لئے کہ مسلمان کافر کو ٹھیٹھ کافر سمجھتے ہیں لہٰذا اس کے قول کو لائق التفات ہی نہیں سمجھیں گے۔ الخ

''ردالمحتار'' میں قرامطہ کے بارے میں لکھا ہے:

''ونقل عن علماء المذاهب الاربعة انه لا يحل اقرارهم فى ديار الاسلام بجزية ولا غيرها، ولا تحل مناكحتهم ولاذبائحهم...... والحاصل انهم يصدق عليهم اسم الزنديق والمنافق والملحد. ولا يخفى ان اقرارهم بالشهادتين مع هذا الاعتقادالخبيث لا يجعلهم فى حكم المرتد لعدم التصديق ولا يصح اسلام احدهم ظاهرا الا بشرط التبرئ عن جميع ما يخالف دين الاسلام لانهم يدعون الاسلام ويقرون بالشهادتين . وبعد الظفر بهم لا تقبل توبتهم اصلاً......''الخ(۱)

مذاہب اربعہ سے منقول ہے کہ اُنہیں (قرامطہ کو) اسلامی ممالک میں ٹھہرانا جائز نہیں نہ جزیہ لے کر نہ بغیر جزیہ کے۔ نہ ان سے شادی بیاہ جائز ہے نہ اُن کا ذبیحہ حلال ہے...... حاصل یہ ہے کہ اُن پر زندیق، منافق اور ملحد کا مفہوم پوری طرح صادق آتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس خبیث عقیدہ کے باوجود ان کا کلمہ پڑھنا انہیں مرتد کا حکم نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ تصدیق نہیں رکھتے۔ اور اُن کا ظاہری اسلام غیر معتبر ہے جب تک ان

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار – كتاب الجهاد – مطلب حكم الدروز والتيامنة...... الخ – ۴/۲۴۴.

تمام امور سے جو دین اسلام کے خلاف ہیں براءت کا اظہار نہ کریں، کیونکہ وہ اسلام کا دعویٰ اور شہادتین کا اقرار تو پہلے سے کرتے ہیں (مگر اس کے باوجود پکے بے ایمان اور کافر ہیں) اور ایسے لوگ گرفت میں آجائیں تو ان کی توبہ اصلاً قابل قبول نہیں۔
فقہ حنفی کی معتبر کتاب ''معین الحکام'' میں بسلسلۂ تعزیر ایک مستقل فصل میں لکھا ہے:

والتعزير لا يختص بفعل معين ولا قول معين، فقد عزر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالهجر، وذلک فی حق الثلاثه الذين ذكرهم الله تعالىٰ فی القرآن العظيم فهجروا خمسين يوما، لا يكلمهم احد، وقصتهم مشهورة فی الصحاح، وعزر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالنفی،فامر باخراج المخنّثين من المدينة ونفاهم، وكذالک الصحابة من بعده، ونذكر من ذلک بعض ما وردت به السنة مما قال ببعضه اصحابنا، وبعضه خارج المذهب:

فمنها: امر عمر بهجر صبيغ الذی كان يسأل عن الذاريات وغيرها، ويامر الناس بالتفقه فی المشكلات من القرآن، فضربه ضربا وجيعاً ونفاه الى البصرة او الكوفة، وامر بهجره، فكان لا يكلمه احد حتى تاب و كتب عامل البلد الى عمر بن الخطاب رضی الله عنه يخبره بتوبته فأذن للناس فی كلامه.

ومنها: ان عمر رضی الله عنه حلق راس نصير بن الحجاج و نفاه من المدينه لما شببت النساء به فی الاشعار وخشی الفتنة.

ومنها: ما فعله عليه الصلوة والسلام بالعرنيين.

ومنها: ان ابابكر استشار الصحابة فی رجل ينكح كما تنكح المرأة، فاشاروا بحرقه بالنار فكتب أبوبكر بذلک إلى خالد بن الوليد، ثم حرقهم عبد الله بن الزبير فی خلافته، ثم حرقهم هشام بن عبد الملک.

ومنها :ان ابابكر حرق جماعة من اهل الردة .

ومنها :امره صلى الله عليه وسلم بكسر دنان الخمر وشق ظروفها .

ومنها: امره صلى الله عليه وسلم يوم خيبر بكسر القدور التى طبخ فيها لحم الحمر الاهلية، ثم استاذنوه فى غسلها، فاذن لهم، فدل على جواز الامرين لان العقوبة بالكسر لم تكن واجبة.

ومنها: تحريق عمر المكان الذى يباع فيه الخمر .

ومنها: تحريق قصر عمر سعد بن ابى وقاص لما احتجب فيه عن الرعية فصار يحكم فى داره .

ومنها: مصادرة عمر عماله باخذ شطر أموالهم وقسمتها بينهم وبين المسلمين.

ومنها: انه ضرب الّذى زَوَّرَ على نقش خاتمه واخذ شيئا من بيت المال مائةً ، ضربه فى اليوم الثانى مائةً: ثم ضربه فى اليوم الثالث مائةً: وبه اخذمالک لأن مذهبه التعزير يزادعلى الحد.

ومنها: ان عمر رضى الله عنه لما وجد مع السائل من الطعام فوق كفايته وهو يسأل، اخذ ما معه واطعمه ابل الصدقة، وغير ذلک مما يكثر تعداده وهذه قضايا صحيحة معروفة......الخ(۱)

ترجمہ　"اور تعزیر کسی معین فعل یا معین قول کے ساتھ مختص نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین حضرات کو (جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے اور) جن کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ذکر فرمایا ہے، مقاطعہ کی سزا دی تھی۔ چنانچہ پچاس دن تک ان سے مقاطعہ رہا، کوئی شخص ان سے بات تک نہیں کرسکتا تھا۔ ان کا

(۱) معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الاحكام لعلاء الدين الطرابلسى –فصل بلااسم تحت فصل فى عقوبة العائن–ص ۲۳۱–ط: المطبعة اليمينة بمصر .

مشہور قصہ صحاح میں موجود ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطنی کی سزا بھی دی۔ چانچہ مخنثوں کو مدینہ سے نکالنے کا حکم دیا اور اُنہیں شہر بدر کر دیا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی مختلف تعزیرات جاری کیں، ہم ان میں سے بعض کو جو احادیث کی کتابوں میں وارد ہیں یہاں ذکر کرتے ہیں، ان میں سے بعض کے ہمارے اصحاب قائل ہیں اور بعض پر دیگر ائمہ نے عمل کیا ہے:

۞...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبیغ نامی ایک شخص کو مقاطعہ کی سزا دی یہ شخص ''الذاریات'' وغیرہ کی تفسیر پوچھا کرتا تھا اور لوگوں کو فہمائش کیا کرتا تھا کہ وہ مشکلات قرآن میں تفقہ پیدا کریں، حضرت عمر نے اس کی سخت پٹائی کی، اور اسے بصرہ یا کوفہ جلاوطن کر دیا اور اس سے مقاطعہ کا حکم فرمایا۔ چنانچہ کوئی شخص اس سے بات تک نہیں کرتا تھا، یہاں تک کہ وہ تائب ہوا اور وہاں کے گورنر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے تائب ہونے کی خبر لکھ بھیجی تب آپ نے لوگوں کو اجازت دی کہ اس سے بات چیت کر سکتے ہیں۔

۞...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصیر بن حجاج کا سر منڈوا کر اُسے مدینہ سے نکال دیا تھا جبکہ عورتوں نے اشعار میں اس کی تشبیب شروع کر دی تھی اور فتنہ کا اندیشہ لاحق ہو گیا تھا۔

۞...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عرینہ کے افراد کو جو سزا دی (اس کا قصہ صحاح میں موجود ہے)۔

۞...... حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے شخص کے بارے میں جو بدفعلی کراتا تھا، صحابہ سے مشورہ کیا، صحابہ نے مشورہ دیا کہ اسے آگ میں جلا دیا جائے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یہ حکم لکھ بھیجا بعد ازاں حضرت عبداللہ بن زبیر اور ہشام بن عبدالملک نے بھی اپنے اپنے دور خلافت میں اس قماش کے لوگوں کو آگ میں ڈالا۔

۞...... حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کی ایک جماعت کو آگ میں جلا دیا۔

۞...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے مٹکے توڑنے اور اس کے مشکیزے

پھاڑ دینے کا حکم فرمایا۔

۞......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن ان ہانڈیوں کو توڑنے کا حکم فرمایا۔ جن میں گدھوں کا گوشت پکایا گیا تھا، پھر صحابہ نے آپؐ سے اجازت چاہی کہ اُنہیں دھوکر استعمال کرلیا جائے تو آپ نے اجازت دے دی۔ یہ واقعہ دونوں باتوں کے جواز پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ ہانڈیوں کو توڑ ڈالنے کی سزا واجب نہیں تھی۔

۞......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مکان کے جلادینے کا حکم فرمایا جس میں شراب کی خرید وفروخت ہوتی تھی۔

۞......حضرت سعد بن ابی وقاص نے جب رعیت سے الگ تھلگ رہ کر اپنے گھر ہی میں فیصلہ کرنا شروع کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا مکان جلا ڈالا۔

۞......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کے مال کا ایک حصہ ضبط کرکے مسلمانوں میں تقسیم کردیا۔

۞......ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مہر پر جعلی مہر بنوالی تھی اور بیت المال سے کوئی چیز لے لی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے سوڈرے لگائے، دوسرے دن پھر سوڈرے لگائے اور تیسرے دن بھی سوڈرے لگائے، امام مالک نے اسی کو لیا ہے، چنانچہ ان کا مسلک ہے کہ تعزیر مقدارِ حد سے زائد بھی ہوسکتی ہے۔

۞......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ایک ایسا سائل دیکھا جس کے پاس قدرِ کفایت سے زائد غلہ موجود تھا، اس کے باوجود وہ بھیک مانگتا پھر رہا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے پاس جو کچھ تھا چھین کر صدقہ کے اونٹوں کو کھلا دیا۔

ان کے علاوہ اس نوعیت کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں اور یہ صحیح اور معروف فیصلے ہیں۔

اور ''شرح السیر الکبیر'' میں ہے:

''ولا باس بان یبیع المسلمون من المشرکین مابدالھم من الطعام والثیاب وغیر ذلک الا السلاح والکراع والسبی، سواء

دخلوا اليهم بأمان أوبغير أمان، لانهم يتقوون بذلک على قتال المسلمين ولا يحل للمسلمين اكتساب سبب تقويتهم على قتال المسلمين، وهذا المعنى لا يوجد في سائر الامتعة، ثم هذا الحكم اذا لم يحاصروا حصنا من حصونهم. اما اذا حاصروا حصنا من حصونهم فلا ينبغي لهم ان يبيعوا من اهل الحصن طعاما ولا شراباً ولا شيئاً يقويهم على المقام، لانهم انما حاصروهم لينفد طعامهم وشرابهم، حتى يعطوا بايديهم ويخرجوا على حكم الله، ففي بيع الطعام وغيره منهم اكتساب ما يتقوون به على المقام في حصنهم، بخلاف ما سبق، فان اهل الحرب في دارهم يتمكنون من اكتساب مايتقوون به على المقام لا بطريق الشراء من المسلمين، فاما اهل الحصن لا يتمكنون من ذلک بعد ما احاط المسلمون بهم فلا يحل لاحد من المسلمين ان يبيعهم شيئاً من ذلک، ومن فعله فعلم به الامام أدبه على ذلک لارتكابه مالا يحل.(۱)

''اور کوئی مضائقہ نہیں کہ مسلمان کافروں کے ہاتھ غلہ اور کپڑا وغیرہ فروخت کریں مگر جنگی سامان اور گھوڑے اور قیدی فروخت کرنے کی اجازت نہیں، خواہ وہ امن لے کر اُن کے پاس آئے ہوں یا بغیر امان کے، کیونکہ ان چیزوں کے ذریعہ مسلمانوں کے مقابلے میں ان کو جنگی قوت حاصل ہوگی، اور مسلمانوں کے لئے ایسی کوئی چیز حلال نہیں جو مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کو تقویت پہونچانے کا سبب بنے، اور یہ علت دیگر سامان میں نہیں پائی جاتی۔ پھر یہ حکم جب ہے جبکہ مسلمانوں نے ان کے کسی قلعہ کا محاصرہ نہ کیا ہوا، لیکن جب انہوں نے ان کے کسی

(۱) شرح السير الكبير للإمام محمد بن الحسن الشيباني–باب هدية اهل الحرب –۴/ ۱۴۲۲ – ط:مكتبة التراث العربي.

قلعہ کا محاصرہ کیا ہوا ہو تو ان کے لئے مناسب نہیں کہ اہل قلعہ کے ہاتھ غلہ یا پانی یا کوئی ایسی چیز فروخت کریں جو ان کے قلعہ بند رہنے میں ممد و معاون ثابت ہو، کیونکہ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ اسی لئے تو کیا ہے کہ ان کی رسد اور پانی ختم ہو جائے اور وہ اپنے کو مسلمانوں کے سپرد کردیں، اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر باہر نکل آئیں۔ پس ان کے ہاتھ غلہ وغیرہ بیچنا اُن کے قلعہ بند رہنے میں تقویت کا موجب ہوگا۔ بخلاف گذشتہ بالا صورت کے کیونکہ اہل حرب اپنے ملک میں ایسی چیزیں حاصل کرسکتے ہیں جن کے ذریعہ وہاں قیام پذیر رہ سکیں، انہیں مسلمانوں سے خریدنے کی ضرورت نہیں، لیکن جو کافر کہ قلعہ بند ہوں، اور مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر رکھا ہو وہ مسلمانوں کے علاوہ کسی سے ضروریات زندگی نہیں خرید سکتے، لہٰذا کسی بھی مسلمان کو حلال نہیں کہ ان کے ہاتھ اس قسم کی کوئی چیز فروخت کرے، جو شخص ایسی حرکت کرے اور امام کو اس کا علم ہو جائے تو امام اسے تادیب اور سرزنش کرے کیونکہ اُس نے غیر حلال فعل کا ارتکاب کیا ہے''۔

مذکورہ بالا نصوص اور فقہاء اسلام کی تصریحات سے حسب ذیل اصول منقح ہوکر سامنے آجاتے ہیں:

(۱) کفار محاربین سے دوستانہ تعلقات ناجائز اور حرام ہیں۔ جو شخص ان سے ایسے روابط رکھے وہ گمراہ، ظالم اور مستحق عذاب الیم ہے۔

(۲) جو کافر مسلمانوں کے دین کا مذاق اُڑاتے ہوں اُن کے ساتھ معاشرتی تعلقات، نشست و برخاست وغیرہ بھی حرام ہے۔

(۳) جو کافر مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہوں ان کے محلے میں ان کے ساتھ رہنا بھی ناجائز ہے۔

(۴) مُرتد کو سخت سے سخت سزا دینا ضروری ہے۔ اس کی کوئی انسانی حرمت نہیں یہاں تک کہ اگر پیاس سے جان بلب ہوکر تڑپ رہا ہو تب بھی اسے پانی نہ پلایا جائے۔

(۵) جو کافر مُرتد اور باغی مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہوں ان سے خرید و فروخت اور لین دین، جبکہ اس سے ان کو تقویت حاصل ہوتی ہو، جائز نہیں، بلکہ اُن کی اقتصادی ناکہ بندی کرکے اُن کی جارحانہ قوت کو مفلوج کردینا واجب ہے۔

(۶) مفسدوں سے اقتصادی مقاطعہ کرنا ظلم نہیں بلکہ شریعت اسلامیہ کا اہم ترین حکم اور اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

(۷) اقتصادی اور معاشرتی مقاطعہ کے علاوہ مُرتدین، موذیوں اور مفسدوں کو یہ سزائیں بھی دی جاسکتی ہیں، قتل کرنا، شہر بدر کرنا، اُن کے گھروں کو ویران کرنا، اُن پر ہجوم کرنا وغیرہ۔

(۸) اگر محارب کافروں اور مفسدوں کے خلاف کارروائی کرتے ہوئے ان کی عورتیں اور بچے بھی تبعاً اس کی زد میں آجائیں تو اس کی پرواہ نہیں کی جائے گی، ہاں اصالۃً عورتوں اور بچوں پر ہاتھ اُٹھانا جائز نہیں۔

(۹) ان لوگوں کے خلاف مذکورہ بالا اقدامات کرنا دراصل اسلامی حکومت کا فرض ہے، لیکن اگر حکومت اس میں کوتاہی کرے تو خود مسلمان بھی ایسے اقدامات کرسکتے جو اُن کے دائرہ اختیار کے اندر ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ عوام کے اختیار میں مکمل مقاطعہ ہی ایک ایسا اقدام ہے جو مؤثر بھی ہے اور پُرامن بھی۔

(۱۰) مکمل مقاطعہ صرف کافروں اور مفسدوں سے ہی جائز نہیں بلکہ کسی سنگین نوعیت کے معاملہ میں ایک مسلمان کو بھی یہ سزا دی جاسکتی ہے۔

(۱۱) زندیق اور مُلحد جو بظاہر اسلام کا کلمہ پڑھتا ہو مگر اندرونی طور پر خبیث عقائد رکھتا ہو اور غلط تاویلات کے ذریعہ اسلامی نصوص کو اپنے عقائد خبیثہ پر چسپاں کرتا ہو، اس کی حالت کافر اور مُرتد سے بھی بدتر ہے کہ کافر اور مُرتد کی توبہ باتفاق قابل قبول ہے مگر بقول شامی زندیق کا نہ اسلام معتبر ہے، نہ کلمہ، نہ اس کی توبہ ہی قابل التفات ہے۔ الّا یہ کہ وہ اپنے تمام عقائد خبیثہ سے برأت کا اعلان کرے۔

ان اصول کی روشنی میں زیر بحث فرد یا جماعت کی حیثیت اور اُن سے اقتصادی و معاشی اور معاشرتی وسیاسی مقاطعہ (یا مکمل سوشل بائیکاٹ) کا شرعی حکم بالکل واضح ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: ولی حسن ٹونکی

بینات - ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ

نزول مسیح کا عقیدہ

اسلامی اصول کی روشنی میں

ذیل کا مقالہ آج سے ستائیس سال قبل سہ روزہ "صدق" لکھنو کی چھ اشاعتوں (۱۸ شعبان لغایہ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ) میں شائع ہوا تھا موجودہ حالات میں اس کی افادیت وضرورت کے پیش نظر سرسری نظر ثانی کے بعد اسے "بینات" کے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ (مدیر)

حامداً و مصلیاً۔ امام حجۃ الاسلام غزالی "مقاصد الفلاسفہ" وغیرہ میں فرماتے ہیں:

"یونانیوں کے علوم میں حساب، ہندسہ اور اقلیدس، یقینی علوم تھے ان کو یقینی اور صحیح پا کر ان کے بقیہ علوم الٰہیات، طبعیات، نجوم وغیرہ کو بھی بعض لوگ ان کی تقلید میں صحیح خیال کرنے لگے۔"

حقیقت میں یہ ایک عام چیز ہے، نہ اس عہد کی تخصیص ہے نہ یونانیوں کے علوم کی خصوصیت۔ اکثر لوگ جب کسی کی شخصیت سے مرعوب ہوجاتے ہیں ان کے بعض خود ساختہ غلط نظریات وافکار کو یا تو صحیح مان لیتے ہیں یا اس میں تاویل کے درپے ہوجاتے ہیں اور ان کی شخصیت کو بچاتے رہتے ہیں۔

آج کل یہی وبا پھیل رہی ہے بعض مشاہیر جن کے بعض کمالات وخصائص عوام میں مسلّم ہوگئے ہیں اکثر لوگ ان کی شخصیت اور بعض خصوصیات سے مرعوب ہوکر ان کے بقیہ خیالات وافکار کو بھی صحیح تصور کرنے لگتے ہیں اور بسا اوقات اس میں غلو کرکے ان ہی تحقیقات کو صحیح نظریات سمجھنے لگتے ہیں۔

اس عقلی ترقی کے دور میں یہ چیز خود دنیا کے دوسرے عجائبات کی طرح حیرت انگیز ہے۔ ایک طرف کبار امت اور اساطین عمائدین، اشعری، ماتریدی، باقلانی، غزالی، رازی، آمدی وغیرہ جیسے محققین اسلام

کی تحقیر کی جاتی ہے۔ کبار فقہاء امت اور اکابر محدثین کے فیصلوں کو بنظر اشتباہ دیکھا جاتا ہے اور دوسری طرف قرن حاضر کے بعض ارباب قلم کی قلمی جولانیوں سے متاثر ہوکر یا ان کی شخصیت سے مرعوب ہوکر ان کے ہر فکر اور ہر خیال کو قطعی خیال کرنے لگتے ہیں۔

کچھ دنوں سے ہندوستان کے موقر جریدہ ''صدق'' میں نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ زیر بحث ہے جو مدتوں پہلے سے فیصلہ شدہ ہے اور جو ''فتنۂ قادیانیت'' کی وجہ سے پھر تقریباً چالیس سال زیر بحث رہا ہے اور جس پر متعدد کتابیں تصنیف ہوئی ہیں۔

مولوی ابوالکلام صاحب، مولوی جار اللہ صاحب، مولانا عبید اللہ صاحب سندھی وغیرہ کی تحریرات میں یہ چیز آئی اور مولانا آزاد نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ اگر یہ عقیدہ نجات کے لئے ضروری ہوتا تو قرآن کریم میں کم سے کم، واقیموا الصلوٰۃ جیسی تصریح ضروری تھی اور ہمارا اعتقاد ہے کہ کوئی مسیح اب آنے والا نہیں......، الخ،

اس وقت بھی میں نے اس خیال کی تردید میں ایک مفصل مضمون لکھا تھا جو بعض ارباب جرائد کی مداہنت سے شائع نہ ہوسکا اور نہ اس کا مسودہ میرے پاس ہے، غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو اصل داعیہ اس قسم کے خیالات میں عقلی استبعاد کا ہے اور بدقسمتی سے اپنے عقلی معیار کو ان حضرات نے اتنا بلند سمجھا ہے کہ نبوت کا منصب گویا ان عقول قاصرہ کو دیدیا گیا، ہوسکتا ہے کہ ہمارے بعض نیک دل ارباب قلم ان ہی حضرات کی شخصیتوں سے مرعوب ہوکر غیر شعوری تقلید میں کچھ درمیانی صورت اختیار کرنے لگے ہوں۔

اہل حق کے مسلک کی تائید میں جناب محترم مولانا ظفر احمد صاحب محدث تھانوی نے ایک مقالہ ''صدق'' میں شائع فرمایا، اس کے جواب میں جے پور کے ایک محترم نے بہت طویل مقالہ ''صدق'' میں شائع فرمایا جس کی تنقیح حسب ذیل امور میں ہوسکتی ہے۔

۱:　نزول مسیح کا عقیدہ صحیح ہے لیکن ظنی ہے یقینی نہیں۔

۲:　نزول مسیح کے بارے میں احادیث اصطلاحی تواتر کو نہیں پہنچیں۔

۳:　نزول مسیح کے بارے میں اجماع کا نقل مشتبہ ہے، غیب کے آئندہ امور میں اجماع محل نظر ہے۔

ممکن ہے کچھ اور اجزاء بھی تنقیح طلب ہوں، لیکن اصلی مدار ان تین چیزوں پر ہے اور یہی زیادہ اہم بھی ہیں، اس وقت اس مختصر فرصت میں اس مسئلہ کی نوعیت میں بعض خطرناک اصولی غلطیاں جو پیش آرہی ہیں ان کا تصفیہ مقصود ہے، ج پوری صاحب نہ تو میرے مخاطب خاص ہیں، نہ ان کے مضمون کی سطر سطر کی تردید یا گرفت منظور ہے، نہ طالبعلمانہ بحثوں میں الجھنا مقصود ہے، نہ ان کی نیت پر حملہ ہے، صرف طالب حق کے لئے چند اصولی اساسی امور بیان کرتے ہیں، باقی جحو دوعناد کا تو کوئی علاج نہیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

۱: دین اسلام کے مہمات عقائد واعمال یا اصول وفروع کا ایک ذخیرہ جیسے قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے ہم تک پہنچا ہے، اسی طرح اعتقادی وعملی ضروریات دین ہم تک بذریعہ توارث یا تعامل طبقہ بہ طبقہ بھی پہنچتے رہے ہیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ دین اسلام اور اس کے کل ضروریات ہم کو اسی توارث کے ذریعہ پہنچے ہیں لاکھوں کروڑوں مسلمان جن کو نہ تو قرآنی تعلیمات کی پوری خبر ہے نہ احادیث نبویہ کا علم ہے لیکن باوجود اس کے وہ دین کی مہمات وضروریات سے واقف رہتے ہیں۔

یہ دوسری بات ہے کہ عوام کا ایمان اجمالی ہوتا ہے تفصیلات کے وہ اس وقت مکلّف ہوتے ہیں جب ان کے علم میں آجائے، یہ حق تعالیٰ کا ایک مستقل احسان ہے کہ باوجود اس دینی توارث کے قران کریم وحدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ایک ایسا دستور اساسی بھی دیدیا کہ اگر کسی وقت مدتوں کے بعد اس دینی عملی توارث میں فتور یا قصور آجائے یا لوگ منحرف ہوجائیں تو تجدید واحیاء کے لئے ایک مکمل ''اساسی قانون'' اور علمی ذخیرہ بھی محفوظ رہے تاکہ امم سابقہ کی طرح ضلالت کی نوبت نہ آئے اور حق تعالیٰ کی حجت پوری ہوجائے۔

اور ظاہر ہے جب کتاب الٰہی ''خاتم الکتب الالٰہیہ'' ہو اور نبی کریم ''خاتم الانبیاء'' ہوں اور دین ''خاتم الادیان'' اور امت ''خیر الامم'' ہو تو اس کے لئے یہ تحفظات ضروری تھے اور اسی لئے اس علمی قانون پر عمل کرنے کے لئے ''عملی نمونوں'' کی ایک جماعت بھی ہمیشہ موجود رہے گی تاکہ علمی وعملی دونوں طرح حق وباطل کا امتیاز قائم رہ سکے اور پوری طرح تحفظ کیا جائے اور مزید اطمینان یا اتمام حجت کے لئے دونوں باتوں کا صاف صاف نہایت موکد طریقہ پر اعلان بھی کردیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

۱:"انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون" (الحجر:۹)

ہم ہی نے قرآن کو اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

۲:اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"لاتزال طائفة من امتی قائمین علی الحق لایضرهم من خالفهم ولا من خذلهم حتی یاتی امر اللہ وهم علی ذلک"(۱)

یعنی ایک گروہ قیامت تک کے لئے دین حق پر قائم رہے گا کسی کے امداد نہ کرنے سے یا مخالفت کرنے سے ان کا کچھ نہ بگڑے گا۔

اور میرے خیال ناقص میں تو "فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون" (اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہل علم سے پوچھتے رہو) میں بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ ہر دور میں کچھ اہل حق ضرور ہوں گے، بہرحال اتنی بات واضح ہوئی کہ "محافظین حق" اور "قائمین علی الحق" کا ایک گروہ قیامت تک ہوگا، جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مہمات دین کے لئے صرف علمی اور ذہنی دستور اساسی ہی نہیں بلکہ ایک "عملی نمونہ" بھی موجود رہے گا اور اسی طرح توارث اور تعامل کا سلسلہ بدستور جاری رہے گا، اگر بالفرض وہ علمی و دفتری قانون دنیا سے مفقود بھی ہو جائے تو حصول مقصود کے لئے اس گروہ کا وجود بھی کافی ہوگا۔

دین اسلام کی بہت سی ضروریات اور قطعیات مثلاً، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق، خرید وفروخت کی اجازت، شراب نوشی، زنا کاری، قتل وقتال کی حرمت وغیرہ وغیرہ بیسیوں باتیں اسی توارث کے ذریعہ سے ہم تک پہنچتی رہیں۔ بلکہ نماز کی بعض کیفیات اور زکوٰۃ کی بعض تفصیلات نہ تو صریح قرآن سے ثابت ہیں، نہ اس بارے میں احادیث "اصطلاحی متواتر" ہیں، لیکن باوجود اس کے دنیا جانتی ہے کہ وہ سب چیزیں ضروری ہیں اور قطعی ہیں اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں۔

۴: "ادلہ سمعیہ" یعنی عقائد واحکام کے ثبوت کے لئے قرآن وحدیث کے نصوص چار قسم کے ہوتے ہیں:

---

(۱)صحیح البخاری – کتاب الاعتصام – باب قول النبی لاتزال طائفة من أمتی – ۱۰۸۷/۲.

الف: ثبوت ودلالت دونوں قطعی ہوں۔ ب: ثبوت قطعی ہو دلالت ظنی ہو۔

ج: دلالت قطعی ہو ثبوت ظنی ہو۔ د: ثبوت ودلالت دونوں ظنی ہوں۔

ثبوت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے، دلالت کے معنی یہ کہ اس کے کلام کی مراد یہ ہے قرآن واحادیث متواترہ ثبوت کے اعتبار سے دونوں قطعی ہیں، البتہ دلالت کے اعتبار سے کبھی قطعیت ہوگی کبھی ظنیت۔

اخبار آحاد میں تیسری چوتھی قسم پائی جاتی ہے، مزید تفصیل کے لئے عبد العزیز بخاری کی کتاب کشف الاسرار شرح اصول فخر الاسلام اور شرح تحریر الاصول ابن امیر حاج وغیرہ ملاحظہ ہوں پہلی قسم سے انکار کفر ہے۔ دوسری تیسری قسم کے انکار سے کفر تک نوبت نہیں پہنچتی۔

۳: تصدیق رسالت جو بنیادی عقیدہ ہے اس میں تصدیق کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو دل قبول کرے اور تسلیم کرے قرآن میں، "وصدق بہ"، اور، "ویسلموا تسلیما" سے یہی مراد ہے صرف کسی شے کا علم میں آجانا جو منطقی ومعقولی تصدیق ہے قطعاً کافی نہیں ہے، ورنہ صرف معرفت تو بہت سے یہودیوں کو اور ہرقل کو بھی حاصل تھی لیکن مسلمان ہونے کے لئے اور نجات کے لئے اتنی بات کافی نہ ہوئی۔

۴: احادیث متواترہ کا افادۂ قطعیت اہل حق بلکہ امت کا اجماعی مسئلہ ہے۔

۵: اصطلاحی تواتر میں ایک شرط یہ ہے کہ ہر دور میں نقل کرنے والے اتنے ہوں کہ غلطی اور شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ نقل کرنے والوں کی کوئی خاص تعداد مقرر نہیں، بسا اوقات کسی خاص موقع پر پانچ خاص آدمیوں کی روایت سے یقین حاصل ہوجاتا ہے جو پچاس دوسروں سے کسی دوسرے موقع پر حاصل نہیں ہوسکتا ہے، اس لئے علماء اصول نے تصریح کردی ہے کہ بیان کرنے والوں یا سننے والوں کے مرتبہ سے فرق پڑجاتا ہے اور کبھی مضمون اور بات کی نوعیت سے بھی تفاوت ہوسکتا ہے دیکھو "فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت" (۱)۔

---

(۱) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت –للشیخ عبدالعلی محمد الھندی (م ۱۲۲۵ ھ) –الأصل الثانی السنة – مسألة للتواتر شروط –۲/۱۴۷ –ط: دار النفائس ریاض.

۶: بعض اصولیین کے نزدیک تواتر حدیث کا مدار راویوں کی کثرت اور طرق ومخارج کی تعداد پر نہیں بلکہ دارومدار ''تلقی بالقبول'' پر ہے جن احادیث کو قرن اول یعنی صحابہؓ کے عہد ہی میں امت نے قبول کرلیا ہے وہی متواتر ہیں۔ اس تعریف کے پیش نظر متواتر احادیث کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے بعض محققین نے اسی تعریف کو زیادہ پسند کیا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عملی اعتبار سے قبولیت عامہ نفس کثرتِ رواۃ سے کہیں زیادہ مؤثر اور قوی ہے اسی کو ہم نے توارث وتعامل سے تعبیر کیا ہے، عنقریب اس بات کی تائید دوسری طرح سے بھی ہوجائیگی۔

۷: قرن اول میں ناقلین شرط تواتر پر ہوں اور قرن ثانی وثالث میں کمی آجائے یہ محض عقلی احتمال ہے ذخیرہ حدیث میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ بلکہ احادیث کی روایت میں واقعہ یہ ہے کہ راوی بڑھتے گئے اور قرن ثانی وثالث میں اخبارِ احاد کے راوی بھی اس کثرت کو پہنچ گئے ہیں جو قرن اول میں احادیث متواترہ کے بھی نہیں تھے۔

جے پوری صاحب کو یہاں بھی بظاہر اشتباہ ہے اگر چہ آخری جز کو خود بھی ایک مقام پر تسلیم کر گئے ہیں۔

۸: احادیث متواترہ کا ذخیرہ حدیث میں نہ ہونا یا نہایت کم ہونا دونوں دعوے تحقیق وواقعیت کے خلاف ہیں، حافظ ابن حجر وغیرہ محققین اس خیال کی تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس قسم کے خیالات کا منشا احوالِ رواۃ وکثرتِ طرق پر قلت اطلاع کے سوا اور کچھ نہیں بلکہ فرماتے ہیں کہ صحاح ستہ میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں، حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے تو دو مستقل رسالے تصنیف کئے ہیں جن میں احادیث متواترہ کو جمع کیا ہے:

(۱)''الازهار المتناثرة فی الاخبار المتواترة''، یہ رسالہ چھپ چکا ہے۔

(۲) تدریب الراوی[1] (۳) فتح المغیث للسخاوی[2]

---

(۱) تدريب الراوى للحافظ جلال الدين السيوطى (متوفى ۹۱۱ھ)–النوع الثلاثون : المشهور من الحديث– ص ۴۴۹– ط: قديمى كتب خانه.

(۲) فتح المغيث للإمام أبى عبدالله السخاوى (متوفى ۹۰۲ھ)–تعريف المتواتر لغة واصطلاحا– ۱۳/۴– ط: دار الإمام الطبرى.

۹: محدثین میں کبار محدثین کی رائے یہ ہے کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی وہ احادیث صحیحہ جو درجہ تواتر کو نہیں بھی پہنچیں وہ بھی قطعی ہیں اوران سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔استاذ ابومنصور بغدادی،امام ابواسحٰق اسفرائی،امام الحرمین،امام ابوحامد اسفرائینی،قاضی ابوطیب طبری،امام ابواسحٰق شیرازی،شمس الائمہ سرخسی حنفی،قاضی عبدالوہاب مالکی،ابویعلی حنبلی، ابوخطاب حنبلی،ابن فورک،ابن طاہر مقدسی،ابونصر عبدالرحیم شافعی ابن صلاح وغیرہ محققین مذاہب اربعہ کا یہی مذہب ہے، بلکہ اکثر اشاعرہ اور عام محدثین کا بھی یہی مسلک ہے اور یہی رائے ہے متأخرین میں سے ابن تیمیہ،ابن قیم،ابن کثیرؒ،ابن حجر،سیوطی کا یہی دعویٰ ہے نووی وغیرہ نے جوخلاف کیا ہے حافظ ابن حجر نے اس کو بھی نزاع لفظی بتایا ہے،الافصاح فی المحاکمة بین النووی وابن الصلاح" ابوعلی غسانی کی جو اس موضوع پر مستقل کتاب ہے وہ بھی نزاع لفظی ٹھہراتے ہیں فرماتے ہیں کہ "علم قطعی نظری" کا افادہ سب کے یہاں مسلم ہے۔

امام ابن طاہر مقدسی تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو صحیحین کی روایتیں نہیں ہیں لیکن صحیحین کی شرط پر ہوں وہ بھی مفید قطع ہیں،مکہ کے کبار تابعین میں سے عطاء ابن ابی رباح فرماتے ہیں:

ان ما اجمعت عليه الأمة اقوى من الاسناد .(۱)

جس حدیث پر امت کا اتفاق ہو کہ یہ صحیح ہے نفس اسناد کے تواتر سے یہ زیادہ قوی چیز ہے۔

امام ابواسحٰق اسفرائی فرماتے ہیں:

اهل الصنعة مجمعون على ان الاخبار التى اشتمل عليها الصحيحان مقطوع لصحة اصولها ومتونها، فمن خالف حكمه خبراً منها وليس له تاويل سائغ للخبر نقضنا حكمه ،لان هذه الاخبار تلقته الأمة بالقبول(فتح المغيث للسخاوى)(۲)

---

(۱) فتح المغيث للسخاوى —حكم الصحيحين والتعليق – ۱/ ۵۹.

حلية الأولياء وطبقات الأصفياء للحافظ ابن نعيم الاصفهانى(متوفى ۴۳۰ھ) —عطاء ابن أبى رباح — ۳/۳۱۴— ط: دار الكتب العلمية بيروت .

(۲) فتح المغيث للسخاوى—حكم الصحيحين والتعليق – ۱/ ۵۹.

محدثین سب اس پر متفق ہیں کہ بخاری ومسلم کی احادیث سب قطعی ہیں۔
اگر بغیر تاویل کوئی ایک حدیث کی بھی مخالفت کرے گا تو اس کے حکم کو ہم توڑ دیں گے
کیونکہ امت محمد یہ نے ان احادیث کو قبول کرلیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

الاجماع على القول بصحة الخبر اقوى فى افادة العلم من مجرد كثرة الطرق. (۱)

کسی حدیث کی صحت پر علماء کا متفق ہونا افادۂ علم (قطعیت) میں کثرت طرق سے زیادہ قوی ہے۔

۱۰: متواتر لفظی کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ بعینہ ایک ہی لفظ سے وہ احادیث مروی ہوں، بلکہ جس لفظ سے بھی ہوں مضمون ایک ہونا چاہئے اور ایک یا دو محدثین نے جو نفی تواتر حدیث کا دعوی کیا تھا یا صرف ایک ہی مثال بتلائی تھی، بعض محققین کے نزدیک ان کی مراد بھی یہی ہے کہ ایک لفظ سے متواتر کی مثال نہیں ملتی، عزیز الوجود ہے، گویا ان کے نزدیک بھی احادیث متواترہ بہت ہیں لیکن ایک لفظ سے نہیں ہیں، صرف حدیث "من كذب عليّ متعمدا فليتبوّأ مقعده من النار" کو ایسا بتلایا گیا ہے، اس بناء پر نزاع بھی لفظی ہو جاتا ہے۔ متواتر معنوی کے یہ معنی نہیں کہ لفظ مختلف ہوں اور مضمون سب میں ایک ہو بلکہ یہ معنی ہیں کہ ہر ایک حدیث میں مضمون الگ الگ ہو اور ایک بات قدرِ مشترک نکل آئے جیسے احادیث معجزات کہ ہر ایک اگر چہ اخبار آحاد میں سے ہے لیکن نفس ثبوت معجزہ سب میں مشترک ہے۔ اسی کو اصطلاح میں تواتر معنوی یا تواتر قدر مشترک کہتے ہیں ملاحظہ ہو "مسلم الثبوت" اور اس کی شرح "فواتح الرحموت"۔ (۲)

۱۱: ادلہ شرعیہ میں ایک دلیل "اجماع امت" ہے اگر اس اجماع کا ثبوت قطعی ہو تو اجماع قطعی ہوگا۔ اور اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔ جیسے دوسرے قطعیات شرعیہ کا منکر، بعض عقائد اگر چہ اخبار آحاد سے ثابت

(۱) نزهة النظر شرح نخبة الفكر للإمام ابن حجر -الخبر المحتف بالقرائن -ص ٣٦-ط:قديمى
وكذا فى فتح المغيث - المرجع السابق -ص ١/ ٢٠.

(٢) فواتح الرحموت لعبدالعلى الهندى(المتوفى ١٢٢٥هـ)-الأصل الثانى السنة -٢/ ١٥٠-ط:مكتبة العلم.

ہوں لیکن جب ان پر امت کا اجماع ہو جائے تو وہ بھی قطعی ہو جاتے ہیں کما فی التلویح (۱) وتیسیر التحریر (۲)

آئندہ غیبی امور کے متعلق ''علامات قیامت'' کے بارے میں اگر اجماع ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس بارے میں مخبر صادق سے جو نقل ہے وہ صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو تفصیل کے لئے فواتح الرحموت شرح مسلم (۳)

''حدوث عالم'' پر اجماع کے معنی بھی یہی ہیں جیسے فتح الباری میں تقی الدین ابن دقیق العید سے منقول ہے، جے پوری صاحب نے اس بارے میں کسی قدر تلبیس سے کام لیا ہے، (۴) فلیتنبه۔

۱۲: جو چیز قرآن کریم یا احادیث متواترہ سے ثابت ہو یا اجماع امت سے اور دلالت بھی قطعی ہو تو وہ سب ضروریات دین میں داخل ہیں ''ضروریات دین'' کے معنی یہ ہیں کہ ان کا دین اسلام سے ہونا بالکل بدیہی ہو خواص سے گزر کر عوام تک اس کا علم پہنچ گیا ہو۔ یہ نہیں کہ ہر عامی کو اس کا علم ہو۔ کیونکہ بسا اوقات تعلیم دین نہ ہونے سے بعض ''ضروریات دین'' کا علم عوام کو نہیں ہوتا لیکن تعلیم کے بعد اور جان لینے کے بعد اس پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے علماء نے تصریح فرمادی ہے کہ ''بعض متواترات شرعیہ'' کے جہل سے تو کفر لازم نہیں آتا لیکن معلوم ہونے کے بعد جحود وانکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو ''جواہر التوحید'' کی شرح وحاشیہ ''الموافقات للشاطبی'' واکفار الملحدین (۵)

۱۳: ''ضروریات دین'' کا انکار کرنا یا اس میں خلاف مقصود تاویل کرنا دونوں کو علماء کرام

---

(۱) التوضيح للعلامة عبيدالله بن مسعود الملقب بصدر الشريعة (المتوفى: ۷۴۷ھ) الأمر الرابع في حكم الإجماع– ۲/ ۵۱۲–ط: نورمحمد كتب خانه .

(۲) تيسير التحرير للعلامة محمد امين المعروف بأمير بادشاه–باب الاجماع–انكار حكم الاجماع القطعي يكفر –۳/ ۲۵۸، ۲۵۹–ط: دار الباز مكة .

(۳) فواتح الرحموت –الأصل الثالث في الإجماع –مسألة جمع –ص ۳۰۵ –ط: مكتبة العلم .

(۴) اكفار الملحدين في ضروريات الدين –عبارات من الحافظ ابن حجر في تحقيق كفر الخوارج–ص ۳۱ – ط: دار الكتب العلمية .

(۵) حاشية اكفار الملحدين –تفسير ضروريات الدين –ص ۳–ط: دار الكتب العلمية بيروت .

نے موجب کفر بتلایا ہے۔ حجۃ الاسلام غزالی نے اس موضوع میں ''التفرقة بین الاسلام و الزندقة'' مستقل کتاب لکھی ہے۔ اور فیصلہ کن بحث فرمائی ہے۔ مدت ہوئی مصر سے چھپ کر آ گئی ہے اور غالباً ہندوستان میں بھی طبع ہوئی ہے اور امام العصر محدث وقت، حضرت استاذ مولانا محمد انور شاہؒ کی کتاب ''اکفار الملحدین فی ضروریات الدین'' اس موضوع میں نہایت ہی جامع اور بے مثل کتاب ہے۔

۱۴: جو چیز متواتر ہو جائے وہ دین میں ضروری ہو جاتی ہے کیونکہ متواتر کا افادۂ علمِ ضروری قطعی مسلمات سے ہے پس اگر کسی کو اس کا علم ہو جائے کہ یہ حدیث احادیث متواترہ میں سے ہے یا یہ بات مغیبات مستقلہ سے ہے خواہ عقائد کے متعلق ہو خواہ احکام کے بارے میں ہو، تصدیق رسالت کے لئے اس سے چارہ نہیں اور نہ تکذیب رسول کا کفر ہونا کسی دلیل کا محتاج ہے۔ بہر حال تصدیق رسول کا ایمان کے لئے ضروری ہونا اور تکذیب سے کفر لازم آنا یہ خود دین کی ضروریات میں داخل ہے کتب کلامیہ اور کتب اصول فقہ میں یہ ''قواعد کلیہ'' مفصل مل جاتے ہیں، بطور نمونہ ہم اس سمندر سے چند قطرے پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

(۱) ومن اعترف بكون شئ من الشرع ثم جحده كان منكرا للشرع وانكار جزء من الشرع كانكار كله (شرح التحرير ۳، ۱۴۳)(۱)

جو شخص یہ مانے کہ یہ چیز شریعت میں ہے باوجود اس کے انکار کرے تو یہ کل شریعت کا انکار ہے۔

(۲) وصح الاجماع على كل من جحد شيئا صح عندنا بالاجماع ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اتى به فقد كفر أو جحد شيئاً صح عنده بان النبى صلى الله عليه وسلم قاله فهو كافر (الملل)(۲)

اس پر اجماع ہے کہ جس چیز کے متعلق یہ اتفاق ہو کہ نبی کریم ﷺ فرما چکے ہیں اس کا انکار کفر ہے یا یہ مانتا ہو کہ آپ فرما چکے ہیں، باوجود اس کے نہ مانے یہ کفر ہے۔

---

(۱) لم نطلع على طبع جديد (مرتب)

(۲) كتاب الفصل فى الملل والأهواء والنحل للإمام أبى عبدالله محمد على بن حزم الاندلسى الظاهرى (المتوفى: ۴۵۶ھ)–كتاب الإيمان –۳/۲۵۵–ط: المثنى ببغداد.

(۳) من انکر الاخبار المتواترة فی الشریعة مثل حرمة لبس الحریر علی الرجال کفر (شرح الفقه الاکبر)(۱)

کسی شرعی حکم کی حدیث متواتر ہو اور اس سے انکار کیا جاوے تو کافر ہوگا جیسے ریشمی لباس مردوں کے لئے۔

(۴) فصار منکرا لمتواتر ومخالفه کافرا (اصول فخر الاسلام)(۲)

متواتر کا انکار یا مخالفت دونوں کفر ہیں۔

(۵) والصحیح ان کل قطعی من الشرع فهو ضروری (المحصول للرازی)(۳)

دین میں جو چیز قطعیات کو پہنچ چکی ہو وہ ضروریات دین میں داخل ہے۔

(۶) شروط القطع فی النقلیات التواتر الضروری فی النقل والتجلی الضروری فی المعنی (ایضا)(۴)

شرعی امور جب تواتر سے ثابت ہوں اور معنی بھی واضح ہوں یہی قطعیت ہے۔

(۷) کل مالم یحتمل التاویل فی نفسه وتواتر نقله ولم یتصور ان یقوم برهان علی خلافه فمخالفته تکذیب محض (التفرقة للغزالی ص ۱۴)(۵)

---

(۱) شرح کتاب الفقه الأکبر للإمام الأعظم -مطلب فی ایراد الألفاظ المکفرة التی جمعها العلامة- ص ۲۷۶- ط: دار الکتب العلمیة بیروت.

(۲) کشف الأسرار عن اصول فخر الاسلام البزدوی للإمام علاء الدین عبدالعزیز احمد (المتوفی: ۷۳۰ھ)- ۲/۵۳۳- ط: دار الکتب العلمیة بیروت.

(۳) اکفار الملحدین فی ضروریات الدین -ص ۸۴- ط: دار الکتب العلمیة بشاور.

(۴) المرجع السابق -ص ۸۵.

(۵) لم نطلع علی طبع جدید.

جس چیز کی نقل متواتر ہواور تاویل کی گنجائش نہ ہواور کوئی دلیل خلاف پر قائم نہ ہوتو ایسی چیز کی مخالفت رسول اللہ ﷺ کی تکذیب ہے۔

(۸) بل انکار المتواتر عدم قبول اطاعة الشارع ورد على الشريعة وان لم يكذب وهو كفر بواح بنفسه (شرح الاشباه للحموی، ردالمحتار، طحطاوی)(۱)

بلکہ حقیقت میں تو متواتر کا انکار شارع کی عدم اطاعت ہے اور شریعت اسلام کا رد ہے جوخود کھلا ہوا کفر ہے اگر چہ تکذیب نہ کرے۔

(۹) ومن انكر شيئا من شرائع الاسلام فقد ابطل قول لااله الاالله (السير الكبير للامام محمد)(۲)

شریعت اسلامیہ کی کسی چیز سے انکار کرنا کلمہ اسلام سے انکار کرنا ہے۔

(۱۰) فلا خلاف بين المسلمين ان الرجل لو اظهر انكار الواجبات الظاهرة المتواترة والمحرمات الظاهرة المتواترة ونحو ذلک فانه يستتاب فان تاب، والا قتل كافرا مرتدا.(۳)

امت مسلمہ میں کوئی خلاف اس بارے میں نہیں کہ جوکوئی متواترات سے انکار کرے چاہے اس کا کرنا فرض ہو یا ترک حرام ہو اس سے توبہ نہ کرے تو کافر ہے اور واجب القتل ہے۔

---

(۱) اكفار الملحدين فی ضروريات الدين –تحقيق أن تكذيب الشارع كفر سواء كان بنسبة الكذب...... – ص ۱۹ – ط: دار الكتب العلمية بشاور.

(۲) لم نطلع على هذا القول فی اكفار الملحدين ولكن وجدنا مايقاربه ونصه: فمن أنكر شيئا من الضروريات كحدوث العالم......وفرضية الصلوة والصوم لم يكن من اهل القبلة ولو كان مجاهدا بالطاعات اكفار الملحدين –تحقيق ان هل القبلة اتفقوا على ضروريات الدين –ص ۱۷.

(۳) مهذب شرح العقيدة الطحاوية للإمام ابن ابی العز الدمشقی –قضية التكفير –ص ۲۳۲ – ط: مكتبة الغرباء

(۱۱) لایکفر اهل القبلیة الا فیما فیه انکار ماعلم مجیئه بالضرورة او اجمع علیه کاستحلال المحرمات (المواقف ومثله فی العضدیه)(۱)

اہل قبلہ کی اس وقت تک تکفیر نہیں کی جاتی جب تک ضروریات دین کا یا کسی ایسی چیز کا جس پر اجماع منعقد ہوا انکار نہ کرے مثلاً حرام کو حلال سمجھنا۔

(۱۲) وکذلک یقطع بتکفیر من کذب او انکر قاعدة من قواعد الشریعة وما عرف یقینا بالنقل المتواتر من فعل رسول الله صلی الله علیه وسلم (۲)

جو شخص تکذیب کرے یا کلیات شریعت میں سے کسی قاعدہ سے انکار کرے یا جو چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر ثابت ہے اس سے انکار کرے اس کی تکفیر قطعی ویقینی ہے۔

(۱۳) وخرق الاجماع القطعی الذی صار من ضروریات الدین کفر (کلیات ابی البقاء) (۱)

قطعی اجماع جو ضروریات دین میں داخل ہے اس کا خلاف کرنا کفر ہے۔

(۴) ضروریات دین کی مثال میں علماء امت اپنی اپنی کتابوں میں دو چار مثالیں ذکر کرتے ہیں۔ ناظرین کو یہ غلط فہمی ہوجاتی ہے کہ ضروریات دین بس یہی ہیں آگے سلسلہ ختم ہوگیا یہ چیز جج پوری صاحب کو بھی پیش آرہی ہے۔ حالانکہ ان اکابر کا مقصود محض مثال پیش کرنا ہے، نہ استقصاء، نہ حصر، نہ تخصیص۔ اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے ذیل میں ہم ان مثالوں کو ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں جو سرسری محنت سے مل سکیں۔ تاکہ اس مختصر فہرست سے خود بخود یہ حقیقت واضح ہوجائے کہ مقصود تمثیل تھی، نہ کہ پوری فہرست کتب فقہ، اصول فقہ، کتب کلام، اصول حدیث میں ذیل کی مثالیں ملتی ہیں:

اثبات علم الٰہی، قدرت محیط، ارادۂ کاملہ، صفت کلام، قرآن کریم، قِدَم قرآن، قدم صفات باری، حدوث عالم، حشر اجساد، عذاب قبر، جزاء وسزا، رویت

---

(۱) اکفار الملحدین —بیان وجوه تکفیر أهل القبلة —ص ۵۴–۵۵.

(۲) المرجع السابق—۵٦.

(۳) اکفار الملحدین —النقل عن الأئمة وغیرهم من أئمة الدین.

باری قیامت میں، شفاعت کبریٰ، حوض کوثر، وجود ملائکہ، وجود کراماً کاتبین، ختم نبوت کا وہبی ہونا، مہاجرین وانصار کی اہانت کا عدم جواز، اہل بیت کی محبت، خلافت شیخین، پانچ نمازیں، فرض رکعات کی تعداد، تعداد سجدات، رمضان کے روزے، زکوٰۃ، مقادیر زکوٰۃ، حج، وقوف عرفات، تعداد طواف، جہاد، نماز میں استقبال کعبہ، جمعہ، جماعت، اذان، عیدین، جواز مسح خفین، عدم جواز سبّ رسول، عدم جواز سب شیخین، انکار جسم، انکار حلول اللہ، عدم استحلال محرمات، رجم زانی محصن حرمت لبس حریر (ریشم پہننا) جواز بیع، غسل جنابت، تحریم نکاح امہات، تحریم نکاح بنات، تحریم نکاح ذوی المحارم، حرمت خمر، حرمت قمار۔

اس وقت یہ اکیاون مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ اب تو خیال مبارک میں آ گیا ہوگا کہ بعض وہ امور جس کی طرف التفات بھی نہ ہوگا وہ بھی ضروریات دین میں داخل ہیں۔

اب ہم اس بحث کے آخر میں محقق ہند حضرت عبد العزیزؒ صاحب کی عبارت کا اقتباس پیش کرتے ہیں پوری عبارت اکفار الملحدین میں منقول ہے۔ اس سے انشاء اللہ یہ بات بالکل بدیہی ہو جائے گی کہ ضروریات دین کے لئے ضابطہ کلیہ کیا ہے اور جو چیزیں بطور تمثیل پیش کی جاتی ہیں۔ ان کا دائرہ صرف تمثیل ہی کی حد تک محدود ہے، فرماتے ہیں:

لأن ضروريات الدين منحصرة عندهم في ثلثة: مدلول الكتاب بشرط ان يكون نصاً صريحاً لايمكن تأويله كتحريم الامهات والبنات ،...... ومدلول السنة المتواترة لفظاً او معناً سواء كان من الاعتقاديات او من العمليات وسواء كان فرضاً او نفلاً...... والمجمع عليه اجماعاً قطعياً كخلافة الصديق والفاروق ونحو ذالك ولا شبهة ان من انكر أمثال هذه الامور لم يصح ايمانه بالكتاب والنبيين .(۱)

---

(۱) اكفار الملحدين

ضروریات دین تین قسم کے ہیں پہلی قسم یہ کہ تصریح نص قرآنی سے ثابت ہوں جیسے ماں بیٹی سے نکاح کا حرام ہونا، دوسری قسم یہ کہ سنت متواترہ سے ثابت ہوں۔ تواتر خواہ لفظی ہو خواہ معنوی عقائد میں ہو یا اعمال میں ہو فرض ہو یا نفل ہو۔ تیسری قسم یہ ہے کہ اجماع قطعی سے ثابت ہوں جیسے صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ کی خلافت وغیرہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس قسم کے امور سے اگر انکار کیا جائے تو اس شخص کا ایمان قرآن اور انبیاء پر صحیح نہیں ہے۔

امام العصر محدث حضرت استاذ محمد انور شاہ مزید توضیح کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ''ضروری'' کے معنی یہ ہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ سے اس کا ثبوت ضروری ہو، دین سے ہونا یقینی ہو۔ اور جو بھی اس کا شرعی مرتبہ ہو اسی درجہ کا عقیدہ اس کا ضروری ہوگا۔ مثلاً نماز فرض ہے اور فرضیت کا عقیدہ بھی فرض ہے اور اس کا سیکھنا بھی فرض ہے اور انکار کفر ہے اسی طرح مسواک کرنا سنت ہے اور سنت ہونے کا عقیدہ فرض ہے اور سیکھنا سنت اور انکار کرنا کفر ہے اور عملاً ترک کر دینا باعث عتاب یا عقاب ہے۔

اب امید ہے کہ اس تشریح سے ضروریات دین کی حقیقت واضح ہوگئی ہوگی، بات تو بہت لمبی ہوگئی لیکن توقع ہے کہ طالب حق کے لئے نہایت کارآمد ثابت ہوگی اور آج کل جو عام طور سے ایمان و کفر کے قواعد یا مسائل میں عوام کو یا عالم نما جاہلوں کو شبہات و شکوک یا وساوس پیش آرہے ہیں ان کا بھی اس سے تصفیہ ہو جائے گا اس طولانی تمہید کے بعد ان ہی اصول مذکورہ کی روشنی میں ہم نزول مسیح علیہ السلام کے عقیدے کو پرکھتے ہیں اگر چہ ہمارا اصلی مقصد تو پورا ہو گیا۔ اب طالب حق خود ہی ان اصول اسلامیہ اور قواعد مسلمہ کی روشنی میں تفتیش کر کے مزید ''ضروریات دین'' کا سراغ بھی لگا سکے گا۔ لیکن تبرعاً چند مختصر گزارشات بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

نزول مسیح علیہ السلام کے تین پہلو ہیں:

(۱) قرآنی حیثیت اس کی کیا ہے؟

(۲) حدیثی حیثیت سے مرتبہ کیا ہے؟

(۳) اور اجماع امت کا فیصلہ اس بارے میں کیا ہے؟

تینوں امور واضح ہونے کے بعد خود بخود یہ چیزیں اظہر من الشمس ہو جائیں گی کہ عقیدۂ نزول ''ضروریات دین'' میں سے ہے یا نہیں۔

عقیدۂ نزول مسیح اور قرآن کریم

ا: وانہ لعلم للساعة فلا تمترن بها (الزخرف: ۶۱)

''اور بے شک وہ نشانی ہے قیامت کی، پس نہ شک کرو اس میں''۔

ترجمان القرآن حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرۃ صحابہ میں سے، تابعین میں سے ابوالعالیہ ،ابو مالک ،عکرمہ، حسن، قتادہ، ضحاک، مجاہد، وغیرہ سے آیت کریمہ کی صحیح تفسیر یہ منقول ہے کہ ''انہ'' کی ضمیر عیسی علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ قرآنی سیاق کا تقاضا بھی یہی ہے اور ''علم'' کے معنی نشانی کے ہیں، تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر درمنثور میں مجاہد سے مروی ہے:

قال: آية للساعة خروج عيسى ابن مريم قبل يوم القيمة،

''فرمایا قیامت کی نشانی ہے حضرت عیسی بن مریم کا قیامت سے پہلے تشریف لانا''۔

حافظ ابن کثیر دعوی کرتے ہیں کہ یہی تفسیر صحیح ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی صحابی سے اس کے خلاف تفسیر جب منقول نہیں تو ایسی صورت میں حبر امت اور بحر امت ترجمان القرآن ابن عباس کی تفسیر سے زیادہ راجح کونسی تفسیر ہوسکتی ہے۔ اب ترجمہ آیت کریمہ کا یہ ہوا کہ ''یقینی یہ ہے کہ نزول عیسی علیہ السلام قیامت کی نشانی ہے پس اس میں شک نہ کرو'' تفصیل کے لئے تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن کثیر، الدر المنثور، عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسی علیہ السلام ملاحظہ ہو۔ (۱)

---

(۱) تفسير ابن جرير

تفسير ابن كثير -۴/۱۳۲- ط: قديمي كراتشي

الدر المنثور في تفسير الماثور للإمام عبدالرحمن جلال الدين السيوطي (المتوفى: ۹۱۱ھ)-۷/۳۸۷- ط: دار الفكر بيروت.

عقيدة الاسلام وتعليقاته تحية الاسلام للعلامة انور شاه الكشميري -۲/۲۸- ملحقه مجموعه رسائل الكشميري- ط: ادارة القرآن كراتشي

اس لئے عقیدۃ الاسلام میں حضرت امام العصرؒ فرماتے ہیں:

اذا تواترت الاحادیث بنزوله، وتواترت الأثار ،وهو المتبادر من نظم الأية: "وانه لعلم للساعة" فلا يجوز تفسير غيره.(۱)

جب عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی احادیث وآثار متواتر ہیں، اور قرآن کریم کی آیت کا واضح مفہوم بھی یہی ہے تو اس کے علاوہ کوئی اور تفسیر صحیح نہ ہوگی۔

۳: وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهم شهيدا (النساء:۱۵۹)

کوئی شخص بھی اہل کتاب میں سے نہ رہے گا مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے قبل ایمان لائے گا۔

''موته'' کی ضمیر میں نزاع ہے ابن جریر نے ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، ابن سیرین، ضحاک وغیرہ کی تفسیر کے مطابق اس کی تصحیح وترجیح فرمائی ہے کہ ''موتہ'' کی ضمیر راجع ہے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اور مقصود یہ ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت جتنے اہل کتاب ہونگے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے سب ایمان لے آئینگے اور اسی قول کو ابن جزیر اپنی تفسیر میں أولى هذا الاقوال بالصحة ،قرار دیتے ہیں، ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وهذا القول هو الحق كما سنبينه بعد بالدليل القاطع ان شاء الله.

یہی قول حق ہے جیسا کہ آگے دلیل قطعی کے ساتھ اس کو بیان کریں گے، انشاء اللہ۔

اور پھر فرماتے ہیں:

"ولا شك ان هذا الذى قاله ابن جرير هو الصحيح لانه المقصود من سياق".(۲)

''لاریب کہ یہ جو کچھ ابن جریرؒ نے فرمایا ہے یہی صحیح ہے کیونکہ سیاق آیت سے یہی مقصود ہے''۔

---

(۱) عقيدة الاسلام –۲/۴۸– ملحقه مجموعه رسائل الكشميرى– ط: ادارة القرآن كراتشى

(۲) تفسير ابن كثير – ۱/۵۷۷.

غرضیکہ انتہائی تاکید سے ابن کثیر نے اس دعوے کو ثابت کیا ہے۔ ''فتح الباری'' اور ''عمدۃ القاری'' میں اس تفسیر کو ''اھل العلم'' کی تفسیر بتلایا ہے۔(۱)

بہر حال قرآن کریم کی راجح تفسیر کی بناء پر ان دو آیتوں میں نزول مسیح کا ذکر ہے ہاں یہ دونوں آیتیں اس مقصود میں ظاہر الدلالۃ ہیں قطعی الدلالۃ نہیں لیکن چونکہ احادیث صحیحہ نزول عیسی علیہ السلام کے متعلق تواتر کو پہنچ گئی ہیں اور تواتر مفید قطعیت ہے اس حیثیت سے یہ آیتیں مفید قطعیت ہونگی اگر چہ مقطوع لغیرہ ہوں۔

بہر حال یہ تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے اس موضوع کی تفصیل و تحقیق نکات و لطائف کو دیکھنے کا اگر شوق ہو تو ''عقیدۃ الاسلام''، اور ''تحیۃ الاسلام'' کی مراجعت کی جائے جو امام العصر مولانا انور شاہ قدس سرہ کی اس موضوع پر بے نظیر کتابیں ہیں۔

نزول عیسی علیہ السلام کے بارے میں تواترِ حدیث:

اب رہا دوسرا پہلو: حدیثی اعتبار سے تو یہ پہلے ذہن نشین ہونا چاہیئے کہ تواترِ حدیث یا تواتر احادیث دونوں ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں اگر ایک ''متن'' مثلاً دس صحابہ سے مروی ہو تو یہ دس حدیثیں کہلائیں گی اگر عدد صحابہ درجۂ تواتر کو پہنچ گیا تو یہی حدیث متن کے اعتبار سے حدیث متواتر ہوگی، رواۃ اور کثرت طرق کے اعتبار سے احادیث متواترہ کی تعبیر زیادہ انسب ہوگی بظاہر جے پوری صاحب اس سے بھی غافل ہیں۔

اب سنئے اگر کسی حدیث کے رواۃ اور طرق بحث و تفتیش کے بعد درجہ تواتر کو پہنچ گئے ہیں تو ہر محدث کو اس حدیث کے متواتر کہنے کا حق حاصل ہوگا اگر چہ امت میں سے کسی نے تصریح نہ کی ہو۔ بلکہ

(۱) فتح الباری شرح صحیح البخاری للإمام الحافظ ابن حجر العسقلانی (المتوفی: ۸۵۳ھ)–کتاب الأنبیاء – باب نزول عیسی بن مریم علیه السلام –۶/۴۹۲–ط: رئاسة ادارة البحوث العلمية و الافتاء.

(۲) عمدة القاری شرح صحیح البخاری للإمام العلامة بدر الدين العينی (المتوفی: ۸۵۵ھ) –کتاب الأنبياء– باب نزول عیسی بن مریم علیه السلام –۱۳/۹۲– ط: مصطفى البابی الحلبی مصر.

ہوسکتا ہے کہ کسی محدث نے بغیر بحث وتحقیق کے کسی حدیث کے متعلق فرمادیا ہو کہ یہ ''خبر واحد'' ہے۔ بعد میں تتبع طرق اور کثرتِ رواۃ سے کسی کو معلوم ہو کہ متواتر ہے تو وہ متواتر اور مفید للعلم القطعی ہوگی، نیز یہ معلوم رہے کہ ہر فن کا مسئلہ اس فن والوں سے لیا جاتا ہے کسی حدیث کی تصحیح یا تحسین یا تضعیف یا خبر واحد یا مشہور ومتواتر ہونے کے لئے محدث کی شہادت پیش کی جائے گی صرف فقیہ کا یہ منصب نہیں۔ اور نہ صرف متکلم یا معقولی کا یہ وظیفہ ہے۔

ایک موقع پر جے پوری صاحب نے ''نزول مسیح'' کی احادیث کو ''اخبار آحاد'' کہنے کے لئے تفتازانی کی عبارت پیش فرمائی ہے۔ یہ فن تفتازانی کا نہیں۔ وہ معانی وبیان یا منطق وکلام میں ہزار درجہ محقق ہوں تو ہوں حدیث ان کا فن نہیں ہے یہاں تو غزالی، امام الحرمین، رازی، آمدی جیسے اکابر کے اقوال بھی قابل اعتبار نہیں چہ جائیکہ تفتازانی؟ ایسے موقع پر تو مغلطائی، ماردینی، مزی، ذہبی، عراقی، ابن حجر، عینی، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر، وغیرہ وغیرہ محدثین اُمت اور حفاظ حدیث کی شہادت مقبول ہوسکتی ہے۔

سید جرجانی اور تفتازانی کی احادیث دانی جاننے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ چھ ماہ تک ''حب الھجرۃ من الایمان'' میں مناظرہ کرتے رہے کہ حدیث ہے اور ''من'' ابتدائیہ ہے؟ یا تبعیضیہ؟ بیچاروں کو اتنی بھی خبر نہیں ہوئی کہ حدیث ''موضوع'' ہے۔

خیر اس بحث کو رہنے دیجئے، احادیث ''نزول مسیح'' صحاح کی حدیثیں ہیں اور صحاح ہی میں عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حذیفہؓ، ابن اسید، ابوامامہ باہلی، جابر بن عبداللہ، نواس بن سمعان سے مروی ہیں ان میں سے ابوہریرۃؓ، جابرؓ، حذیفہؓ، ابن عمرؓ کی حدیثیں تو صحیحین کی ہیں۔ اگر اس باب میں صرف شیخین ہی کی حدیثیں ہوتیں تو نمبر (۹) کے مطابق محققین اہل حدیث وکبار محدثین کے نزدیک ان کے افادۂ یقین میں ذرا بھی شبہ نہیں اور صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مسند احمد، سنن اربعہ وغیرہ کی حدیثیں ملاکر مرفوعات کی تعداد ستر تک پہنچ جاتی ہیں۔

کیا ستر کبار صحابہ جن کی فضیلت میں وحی متلو نازل ہوئی اور روئے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے بعد صدق شعار قوم ان سے زیادہ نہیں گزری، اگر لسان نبوت سے ان کی حکایت مفید للعلم نہیں ہوگی تو کس قوم کی ہوگی؟ اگر ہمیں کسی صلاح وتقوے اور صداقت کا یقین ہو اور بیس بائیس ایسے آدمی آکر ہم سے کوئی

بات بیان کریں تو انصاف سے بتایا جائے کہ ہمارے لئے مفید للعلم الیقینی ہوگی یا نہیں؟ حالانکہ ایک صحابی ایک ہزار راویوں پر بھاری ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ساری امت پر بھاری ہے تو شاید مستبعد نہ ہوگا، پھر ان ستر صحابہ کی مرفوع احادیث کے علاوہ تقریباً تیس صحابہ وتابعین سے آثار موقوفہ بھی مروی ہیں اور محدثین کا یہ فیصلہ ہے کہ غیر قیاسی وغیر عقلی امور میں موقوف روایت بھی مرفوع کے حکم میں ہے۔ گویا سو مرفوع روایتیں باسانید صحیحہ وحسنہ جمع ہوگئی ہیں کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ جن محدثین نے جن احادیث کے متعلق تواتر اصطلاحی کا دعوی کیا ہے وہ کثرت رواۃ وکثرت طرق اور کثرت مخارج میں اس کا مقابلہ کرسکتی ہیں حدیث "**من كذب على متعمدا فليتبؤا مقعده من النار**"(۱) جو سب سے اعلی ترین متواتر حدیث کی نظیر پیش کی گئی ہے اس کے رواۃ بھی تقریباً سو ہی تک پہنچتے ہیں حالانکہ مشکل ہے کہ سو کی سو روایتوں کے تمام رجال صحیح یا حسن تک پہنچیں، حدیث "مسح خفین" باتفاق محدثین حدیث متواتر ہے کتب اصول فقہ وکتب فقہ، شروح حدیث میں متعدد مواضع میں امام ابوحنیفہؒ کا یہ مشہور قول نقل چلا آتا ہے:

ماقلت بالمسح (على الخفين) حتى جاء نى مثل ضوء النهار

وانى اخاف الكفر على من لم ير المسح على الخفين،(۱)

میں مسح خفین کا اس وقت قائل ہوا جب کہ دن کی روشنی کی طرح یہ مسئلہ میرے سامنے واضح ہوگیا اور جو شخص مسح خفین کا قائل نہیں مجھے اس کے حق میں کفر کا اندیشہ ہے۔

تو مسح خفین کے انکار سے کفر کا اندیشہ ہے۔ اور تاریخ خطیب بغدادی میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے کسی نے ان کا مسلک پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

---

(۱) الصحيح لمسلم –المقدمة – ۱/۷–ط: قديمى.

(۲) الكفاية على الهداية – كتاب الطهارة –باب المسح على الخفين – ۱/۱۲۷.

وفتح القدير –كتاب الطهارة –باب المسح على الخفين – ۱/۱۲۶، ۱۲۷.

وعمدة القارى شرح البخارى للعلامة العينى –باب المسح على الخفين –بيان استنباط الأحكام – ۲/۴۰۸–ط: مصطفى البابى مصر.

افضل الشیخین واحب الختنین واری المسح علی الخفین،(۱)

میں حضرت ابوبکر وعمر کو سب (صحابہ) سے افضل سمجھتا ہوں عثمان وعلی رضی اللہ عنہما سے محبت رکھتا ہوں، مسح خفین کا قائل ہوں۔

گویا سنّی ہونے کے لئے مسح خفین کے ماننے کو ضروری معیار قرار دیا ہے۔ بالفاظ دیگر جواب کا خلاصہ یہ نکلا کہ میں نہ شیعی ہوں نہ خارجی ہوں بلکہ سنّی ہوں تو اس لئے کہ امامؒ کے نزدیک مسح علی الخفین کی احادیث متواتر ہیں اور مفید للعلم القطعی ہیں حالانکہ غسلِ رِجلین قرآن کریم کا قطعی حکم ہے اور احادیث غسلِ رِجلین بھی متواتر ہیں۔ دو قطعی دلیلوں سے فرضیت غُسلِ رِجلین ثابت ہو چکی تھی، پھر بھی جمہور امت کے نزدیک مسح علی الخفین کا جواز یقینی ہے اور اس قطعی دلیل سے کتاب اللہ اور احادیث متواترہ غسل پر زیادتی صحیح ہوگئی۔(۲)

غور کرنے کا مقام ہے کہ احادیث مسح علی الخفین کے باب میں بتصریح امام احمد بن حنبلؒ مرفوع حدیثیں کل چالیس ہیں حالانکہ صحابہ میں سے بعض اکابر کا خلاف بھی منقول ہے پھر یہ بھی مشکل ہے کہ یہ چالیس حدیثیں سب کی سب صحیح یا حسن ہوں اس کے باوجود اتنی مقدار تواتر قطعی کے لئے کافی ہوئی۔(۳)

احادیث غسل رجلین کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے حالانکہ بمشکل اکتیس حدیثیں منقول ہیں۔ احادیث معراج جسمانی کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے حالانکہ کل رواۃ بیس تک پہنچتے ہیں احادیث ''حوض کوثر''

---

(۱) **لم نجد هذه العبارة نصاولكن فيه** :عن يحى بن نصر قال كان أبو حنيفة يفضل أبابكر وعمر ويحب عليا وعثمان ...... وكان يمسح على الخفين وكان اعلم الناس فى زمانه واتقاه۔ (**تاريخ بغداد -النعمان بن ثابت أبوحنيفة صاحب المذهب -۱۳/۳۷۷-رقم الترجمة :۷۲۹۷-ط: دار الكتاب العربى بيروت**).

(۲) **عمدة القارى -باب المسح على الخفين -۲/۴۰۹.**

(۳) **كشف الاسرارعن اصول فخر الاسلام البزدوى للإمام علاء الدين البخارى (المتوفى :۷۳۰ھ)-باب المشهور من الأخبار -۲/۵۳۵،۵۳۶-ط: دار الكتب العلمية بيروت .**

وكذا فى المغنى لابن قدامة (المتوفى: ۶۲۰ھ)-باب المسح على الخفين -۱/۳۱۶-ط: دار الفكر.

کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے حالانکہ کل احادیث پچاس تک پہنچتی ہیں احادیث ''رفع یدین عند التحریمہ'' کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے حالانکہ کل حدیثیں بمشکل پچاس تک پہنچیں گی۔

حدیث: ''من بنی مسجداً للہ''.... الخ متواتر ہے باوجودیکہ صحابہ روایت کرنے والے بیس سے متجاوز نہیں، ایسی ہی حدیث شفاعت، حدیث عذاب قبر، حدیث سوال منکر نکیر، حدیث المرء مع من احب، حدیث کل میسر لما خلق له، حدیث بدء الاسلام غریبا... الخ وغیرہ وغیرہ ان سب حدیثوں کو اصطلاحی تواتر کے اعتبار سے متواتر کہا گیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے تو کئی رسائل میں احادیث شفاعت، حوض کوثر، عذاب قبر کو سنتِ متواترہ سے تعبیر کیا ہے باوجودیکہ ان کے رواۃ وطرق احادیث نزول مسیح کو نہیں پہنچتے۔

اب نہیں معلوم جے پوری صاحب کے یہاں وہ کون سی شرط ہے جو حدیث متواتر اصطلاحی کے لئے موجود ہونی چاہیئے، محدثین نے جن متواتر حدیثوں کو جمع کیا ہے وہ سب اصطلاحی متواترات ہیں نہ کہ لغوی، نہ معلوم جے پوری صاحب کو تواتر کے لفظ سے کیوں چڑ ہے کہ جہاں ''تواترات الاخبار'' کا لفظ دیکھ لیا، فرمانے لگے، ''یہ تواتر لغوی ہے، مراد کثرت ہے''، نہ معلوم یہ ''ججی'' کا منصب آپ کو کس نے دیا ہے؟

ہاں یہ صحیح ہے کہ بعض مواقع پر لغوی تواتر مراد ہوتا ہے لیکن خارجی قرائن اور بحث وتحقیق سے فیصلہ ہو جاتا ہے کہ یہ تواتر اصطلاحی ہے یا لغوی، جن کا یہ فن ہے اور شب وروز اس کی مزاولت کرتے ہیں اور حدیث ان کی صفت نفس بن گئی ہے وہ ہی اپنی بصیرت سے اس کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ہر عمرو زید کا یہ منصب نہیں اب سوچیئے کہ صحابہ میں سے احادیث نزول کو اتنے روایت کرنے والے اور صحابہ سے نقل کرنے والے یقیناً اس سے کہیں زائد ہیں اور کم سے کم اتنے تو ضرور ہیں اور باتفاق امت رواۃ بڑھتے ہی گئے کم نہیں ہوئے۔ اسی وجہ سے متواترات کی مشہور احادیث کی تعداد بھی بڑھ گئی کہ قرن ثانی میں نقل کرنے والے بڑھ جاتے ہیں اور قرن ثالث میں تو اخبار آحاد بھی مشہور ومتواتر کی کثرت طرق اور کثرت رواۃ کو پہنچ جاتی ہیں۔ جو جے پوری صاحب کو خود بھی تسلیم ہے اب ایسی صورت میں اگر کوئی محدث بھی تصریح نہ کرتا کہ یہ حدیث متواتر ہے جب بھی کوئی مضائقہ نہ تھا۔

لیکن باوجود اس کے جب حافظ ابن کثیر ان کو "اخبار متواترہ" سے تعبیر کرتے ہیں حافظ جلال الدین سیوطی ان کو "متواتر" کہتے ہیں۔ قدماء محدثین میں سے "ابوالحسن السجزی الآبری" اس کو متواتر مانتے ہیں اور خارجی بحث وتحقیق سے بھی یہ بات ثبوت کو پہنچ چکی تو خدارا انصاف کیجئے کہ ایسی صورت میں کیا کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ بے دلیل محض اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے یہ کہے کہ تواتر سے لغوی تواتر مراد ہے۔

ابوالحسن آبری قدماء محدثین میں سے ہیں، ابن خزیمہ صاحب الصحیح سے روایت کرتے ہیں ۳۶۳ھ میں وفات پاچکے ہیں ان کا قول حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری مطبوعہ میریہ میں یوں نقل کیا ہے وقال ابو الحسن الخسعی الآبدی.

یہ ناسخین کی تصحیف ہے صحیح "السنجری الآبری" ہے "سجستانی" کی نسبت غیر قیاسی "سنجری" آیا کرتی ہے، کمافی القاموس "السجستی" نہیں آتی، جیسا جے پوری صاحب فرماتے ہیں۔

في مناقب الشافعيؒ: وتواترت الاخبار بان المهدي من هذه الامة وان عيسى يصلي خلفه.... الخ

مناقب شافعیؒ میں ہے کہ اس مضمون کی احادیث متواتر ہیں کہ مہدی اس امت سے ہوں گے اور عیسیٰ علیہ السلام ان کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔

اصل غرض اس عبارت سے چاہے ابن ماجہ والی حدیث کا رد ہی ہو جس میں "ولا مهدي الا عيسى"، آیا ہے لیکن اس سے تین باتیں نکل آئیں۔

الف: احادیث مہدی متواتر ہیں۔

ب: احادیث نزول مسیح متواتر ہیں۔

ج: مہدی کا عیسیٰ علیہ السلام کے لئے امام ہونا متواتر ہے۔

لیجئے بجائے ایک دعویٰ کے اب تین دعوے ہوگئے، جے پوری صاحب کا یہ فرمانا کہ لازم آتا ہے غرض یہ تو نہ تھی، بالکل بے معنی بات ہے کیونکہ لازم بین ہے لزوم صریح ہے اور قائل کا غیر مراد نہیں بلکہ یہ مراد

(۱) فتح الباری لابن حجر –۶/۳۵۸–ط: المطبعة الكبرى الميرية بولاق مصر ۱۳۰۰ھ.

بالاولی ہے اور اس کا التزام ہے تو کیا یہ لازم ہونا ان کے خلاف مقصود ہے۔ کیا ''دلالت النص'' اور ''دلالت بالاولی'' یا ''ظاہر النص'' کی بحث اصول فقہ میں محض بیکار ہے۔ حقیقت میں خروج مہدی، نزول مسیح، خروج دجال تینوں متشاکل ومتقارب امور ہیں اور شرعی حیثیت میں تقریباً ان تینوں میں لزوم ہے اس لئے اکثر احادیث میں تینوں کا ذکر ساتھ ساتھ آتا ہے، ''فرحم اللہ من انصف''۔

اب صرف ایک دو محدثوں کا ضعیف قول کہ متواتر عزیز الوجود ہے کیسے قابل وثوق ہوسکتا ہے کیا مثبت کا قول راجح ہے یا نافی کا؟ اکثریت کس طرف اور اقلیت کس طرف ہے؟ خارجی ثبوت کس کی شہادت دیتا ہے۔ اثبات متواترات کی، یا نفی کی؟ اور کثرت کی یا قلت کی؟ کیا کسی نے ان کے قول کو قبول بھی کیا ......احادیث کا ذخیرہ متواترات سے بھرا پڑا ہے اگر کسی کو نظر نہ آئے تو اس کا کیا علاج؟

بہرحال حدیثی ابحاث میں محض اٹکل سے یا محض عقلی احتمالات سے کام نہیں چلتا نہ اس قسم کے وساوس سے خدا کے ہاں نجات ہوسکتی ہے محدثین میں سے جن محدثین نے یہ فرمایا تھا کہ متواتر حدیث قلیل الوجود ہیں۔ وہ یہ بھی تو فرماتے ہیں کہ بخاری ومسلم کی اخبار احاد بھی مفید للعلم الیقینی ہیں تو ان کے یہاں تو ''ضروریات دین'' کے لئے صحیحین کی اخبار احاد بھی کافی ہیں۔

آپ بتلائیے کہ آپ کے نزدیک قرآن کریم کے سوا ''ضروریات دین'' کے لئے کیا ثبوت رہ جاتا ہے کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کے بغیر کوئی بھی عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ قطعیت کے لئے سوا قرآن کے متواتر حدیث ہونی چاہیئے اور وہ ہے نہیں؟ اللہ اللہ کیسے کام ہلکا ہوگیا یہی تو فرقہ اہل قرآن والے کہتے چلے آئے ہیں اور کل منکرین حدیث کا منشاء بھی یہی نکلتا ہے۔ بہرحال بقیہ ضروریات دین کے لئے یا تو صحیحین کے اخبار آحاد کو مفید للعلم مان کر ان کو قطعی ماننا ہوگا یا احادیث متواترہ کو تسلیم کر کے ان ''ضروریات دین'' پر ایمان لانا ہوگا۔ تیسرا قول کہ نہ تو احادیث صحیحین مفید قطعیت ہیں اور نہ کوئی حدیث متواتر موجود ہے جو مفید قطعیت ہو۔ یا اجماع مرکب باطل ہے، اللہ تعالیٰ فہم وانصاف عطا فرمائے۔ یہی تو وہ پرانا فتنہ ہے جو جہمیہ کی میراث رہ گئی ہے گویا آج کل اس فتنہ کی تجدید ہورہی ہے کیونکہ ''عقائد قطعیہ'' کے لئے ان دلائل کی ضرورت ہوگی جن کا مفید علم ہونا قطعی طور پر مسلم ہو۔ اور وہ صرف قرآن کریم کے وہ نصوص ہوں گی جو قطعی الدلالۃ ہوں یا حدیث متواتر قطعی الدلالۃ ہو اور وہ ہے نہیں۔ یہی تو حمدان قرمطی اور ان کے اتباع

''قرامطہ'' کا مسلک ہے۔ اب بتلائیے کہ بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جائے گی؟

پس خلاصہ یہ ہوا کہ احادیث نزول مسیح صحیحین کی حدیثیں ہیں۔ محققین محدثین اور اکثر اشاعرہ کے مذہب کے موافق تو افادۂ علم ویقین کے لئے یہ بھی کافی ہے اور اگر مدار تواتر پر بھی ہو تو قرنِ اول میں ان احادیث کی تلقی بالقبول ہوچکی ہے تو یہ چیز بھی ان احادیث میں موجود ہے۔ اگر خواہ مخواہ اسی کی ضد ہے کہ تواتر اصطلاحی کی مشہور تعریف کی بناء پر متواتر احادیث چاہئیں تو لیجئے گزشتہ تحقیق وتفصیل سے یہ بات بھی بحمداللہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ احادیث نزول مسیح اصطلاحی تواتر سے متواتر ہیں اور متواتر بھی قطعی الدلالۃ ہیں، احادیث متواترہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہونے کے بعد عقیدۂ نزول مسیح کی فرضیت وقطعیت میں کیا شبہ رہ جاتا ہے اور جحود وانکار کا جو نتیجہ ہے وہ بھی ظاہر ہے، یقین واذعان کی ان مختلف جہات اور حیثیات کے بعد بھی اس کے ضروریات دین ہونے میں کوئی شبہ باقی رہتا ہے؟ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل .

نزول مسیح علیہ السلام اور اجماع امت:

نمبر (۱۳) میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ مستقبل میں جن امور کے متعلق امت کا اجماع ہوتا ہے اس کی حیثیت کیا ہے؟ کیونکہ امت کو تو غیب کا علم نہیں، وہ تو علاّم الغیوب ہی کا خاصہ ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ مخبر صادق سے جو کچھ منقول ہے اس پر امت کا اتفاق ہے اگر وہ نقل بذریعہ آحاد ہو جب بھی اجماع کے بعد قطعی ویقینی ہوجاتی ہے اب غور کیجئے کہ کتب حدیث میں جوامہات واصول ہیں مثلاً بخاری، مسلم، سنن نسائی، سنن ابی داوٗد، ترمذی، ابن ماجہ، سے لے کر مستدرک حاکم وسنن کبریٰ بیہقی تک بیسیوں کتابوں میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے مستقل ابواب موجود ہیں سب ہی نزول کی احادیث روایت کرتے ہیں۔ اور نفس نزول میں اسنادی اعتبار سے کوئی علتِ قادحہ نہیں بیان کرتے۔

پھر ان ہی کتب حدیث وتفسیر میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پھر تابعین سے اور تابعین بھی مختلف بلاد کے مدینہ، مکہ، بصرہ، کوفہ، شام، وغیرہ کے سب سے نزول مسیح کے بارے میں نقول موجود ہیں۔ پھر کسی صحابی کسی تابعی سے نہیں بلکہ کسی امام دین، کسی محدث، کسی مصنف، سے بھی اس کا خلاف کسی کتاب میں کسی دور میں، کہیں بھی کوئی حرف نقل نہیں ہوا۔ کیا یہ اس کی دلیل نہیں کہ یہ بات اور یہ عقیدہ بالکل اجماعی واتفاقی

ہے۔ پھر کتب عقائد میں جو مستند ترین اور اعلیٰ ترین کتب عقیدہ ہیں ان سب میں اس کا ذکر عقیدہ کی صورت میں موجود ہے اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوگی؟

اس وقت ہم ذیل میں دو اہم ترین ماخذ پیش کرتے ہیں:

(۱) عقیدہ طحاویہ: جو امام ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ، محمدؒ، وغیرہ ائمہ حنفیہ کے عقائد میں موثوق ترین چیز ہے۔ اس کی عبارت ملاحظہ ہو:

> ونؤمن باشراط الساعة من خروج الدجال ونزول عيسى ابن مريم عليه السلام من السماء ،(۱)

خروج دجال اور آسمان سے نزول عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ علامات قیامت پر ہمارا ایمان ہے۔

(۲) فقہ اکبر: امام ابوحنیفہؒ کی مشہور ترین متداول کتاب ہے، ابو مطیع بلخی کی روایت سے منقول ہے امام ابومنصور ماتریدی جو ماتریدیہ کے امام الطائفہ ہیں وہ اس کتاب کے پہلے شارح ہیں اس فقہ اکبر کی عبارت یہ ہے:

> ونزول عيسى عليه السلام من السماء وسائر علامات القيامة على ماوردت به الا حاديث الصحيحه حق كائن ،(۲)
>
> آسمان سے عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا اور اس کے علاوہ علامات قیامت جو صحیح احادیث میں مذکور ہیں بالکل حق ہیں۔

ان عبارتوں میں جس طرح تصریح کی گئی ہے اس سے بڑھ کر عقیدہ ہونے کی کیا تصریح ہوگی؟ کیا اس قسم کی تصریحات کے بعد کسی منصف کے لئے کوئی شبہ باقی رہتا ہے؟ کیا اس عقیدہ کے اتفاقی ہونے کے لئے مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ یہ عقائد تو وہ ہیں جو بذریعہ توارث امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں پہنچ چکے ہیں اب اجماع کی بھی دو تصریحی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں تا کہ بیان

---

(۱) شرح العقيدة الطحاوية للأمى أبى جعفر الطحاوى (المتوفى: ۳۲۱ھ)–اشراط الساعة– خروج الدجال ونزول عيسى –ص ٥٦٤–ط: المكتب الاسلامى.

(۲) الفقه الأكبر مع شرحه للإمام أبى حنيفة نعمان بن ثابت (المتوفى: ١٥٠ھ) ص–١٦٦، ١٦٧–ط: دار الباز.

سابق کی تصدیق وتائید میں کسی طالب حق کے لئے کوئی خلجان باقی نہ رہے۔

امام ابو اسحق کلا آبادی بخاری جو قرن رابع کے اکابر حفاظ محدثین سے ہیں اور اپنی اسناد سے روایت حدیث کرتے ہیں، اپنی کتاب "معانی الاخبار" میں فرماتے ہیں:

قد اجمع اهل الاثر و کثیر من اهل النظر علی ان عیسی علیه السلام ینزل من السماء فیقتل الدجال ویکسر الصلیب ،(۱)

کل محدثین اور بہت سے متکلمین کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے دجال کو قتل کریں گے اور صلیب کو توڑیں گے۔

یہ خیال رہے کہ محدثین کا دور متکلمین سے پہلے شروع ہوتا ہے اور اس مسئلہ پر محدثین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے بعد میں اگر متکلمین کے عہد میں خلاف بھی ہوگا ہوتو اجماع سابق کو مضر نہیں، نہ یہ خلاف اتفاق ہونے کے بعد قابل اعتبار ہے جس کی تحقیق کتب اصول فقہ میں موجود ہے نیز بظاہر یہ خلاف جو بعض متکلمین کی طرف منسوب ہے صحیح نہیں جیسا کہ آئندہ سفارینی کی عبارت سے واضح ہے۔

بہرحال یہ تو ہوئی نقل اجماع کے بارے میں قدماء محدثین کی تصریح اب متاخرین اہلحدیث میں سے امام شمس الدین محمد بن احمد حنبلی سفارینی نابلسی کی عبارت ملاحظہ ہو۔

واما الاجماع فقد اجتمعت الامة علی نزوله ولم یخالف فیه احد من اهل الشریعة وانما انکر ذالک الفلاسفة والملاحدة مما لایعتد بخلافه وقد انعقد اجماع الامة علی انه ان ینزل ویحکم بهذه الشریعة المحمدیة(۲)

---

(۱) تحیة الاسلام —ص ۱۳۵—

(۲) کتاب لوائح الأنوار البهیة وسواطع الأسرار الأثریة لشرح الدرة المضیئة فی عقد الفرقة المرضیة — حرف الدال والذال — العلامة الثانیة :خروج الدجال ومایتعلق به — ۲/ ۹۰ — ط: المجلة المنار مصر.

ولهذا الکتاب تلخیص واختصار قد طبع من مطبعة الشرقی بدمشق ، لخصه حسن الشطی الحنبلی والحوالة المذکورة تحت عنوان : فصل فی اشتراط الساعة وعلاماتها ... ص ۱۱۸.

رہا نزول عیسی علیہ السلام میں اجماع تو کل امت محمدیہ کا اہل شرع میں ان کے نزول پر اجماع ہے کہ وہ نازل ہوں گے اور شرع محمدی پر عمل کریں گے بجز فلاسفہ اور ملاحدہ کے کسی نے خلاف نہیں کیا اور ان کا خلاف قابل اعتبار نہیں۔

سفارینی مذکور بارہویں صدی کے اکابر محدثین میں ہیں، حنبلی المذہب، نابلس کے ایک گاؤں سفارین کے باشندے ہیں نام محمد بن احمد، شمس الدین لقب، ابوالعون کنیت ہے، بیسیوں کتابوں کے مصنف ہیں۔

''سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر'' اور'' السحب الوابلہ علی ضرائح الحنابلة''، وغیرہ میں ان کا مفصل ترجمہ اور حالات مذکور ہیں سلک الدرر میں ان کو الشیخ الامام العلام الحبر البحر النحریر الکامل الهمام وغیرہ جلیل القدر القاب سے ذکر کیا ہے اور بہت سے مفاخر و مآثر لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وبالجملة فقد كان غرة عصره وشامة مصره لم يظهر في بلده بعده مثله .... الخ (۱)

صاحب الضرائح لکھتے ہیں

شمس الدين العلامة المسند الحافظ المتقن ،وبالجملة فتاليفه نافعة مفيدة مقبولة سارت به الركبان انتشرت في البلدان، كان اماما متقنا ،جليل القدر ،زينة اهل عصره ونقاوة اهل مصره ......الخ (۲)

سید مرتضی زبیدی بلگرامی صاحب'' تاج العروس شرح القاموس'' اور صاحب'' اتحاف السادة المتقین بشرح احیاء علوم الدین''، حدیث میں ان کے تلمیذ ہیں۔

اب تو ججپوری صاحب نے سفارینی کو پہچان لیا ہوگا کہ وہ کون ہیں اور کس پایہ کے ہیں، سفارینی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ کل محدثین اور سب متکلمین ماتریدیہ، اشاعرہ، معتزلہ سب کے سب کا

(۱) سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر –للسید محمد خلیل –۴/ ۳۱، ۳۲–ط: مکتبة المثنی بغداد

(۲) لم نطلع علی طبع جدید .

نزول مسیح علیہ السلام پر اجماع ہے صرف ملحدین وفلاسفہ اس کے منکر ہیں اس قسم کے مواضع میں جب اجماع کا اس طرح ذکر کیا جاتا ہے۔

جے پوری صاحب کو جیسے تواتر کے لفظ سے چڑھ ہے ایسا ہی اجماع کے لفظ سے بھی ضد ہے جہاں اجماع کا لفظ دیکھا جھٹ فرمائیں گے کہ یہ کوئی سکوتی اجماع ہوگا محض اپنی ضد کو پورا کرنے کے لئے بے انصافی کر کے بے دلیل ایسی بات کہنا کسی عالم کا شعار نہیں، جب تک کوئی صریح دلیل اس کے خلاف قائم نہ ہو اجماع سے یہی اجماع صریح اجماع ناطق مراد ہوگا اگر ان کو اس پر اصرار ہے کہ یہ اجماع سکوتی ہے تو لائیں کوئی دلیل پیش کریں، ھاتو ابرھانکم ان کنتم صادقین.

نیز واضح رہے کہ تالیفی دور کے بعد اجماع کا نقل انہی تالیفات کے ذریعے سے ہوتا ہے جتنے مسائل اصول کے ہوں یا فروع کے جن میں اجماع نقل کیا جاتا ہے اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے آج تک تالیفی دور میں کل ارباب تالیف کا سلف میں بھی اور خلف میں بھی یہی معمول چلا آ رہا ہے یہ کبھی نہ ہوا اور نہ ہوسکتا ہے کہ چودھویں صدی میں کسی زید وعمرو کو اسنادی اجماع پہنچ گیا ہو اس قسم کے خیالات محض طفلانہ ہیں اگر بات لمبی نہ ہوتی تو ہم یہاں پر اس کے نظائر پیش کرتے کہ جن امور میں اجماع نقل ہوا ہے اور امت کے نزدیک اجماع سے وہ درجہ قطعیت کو پہنچ گئے ہیں۔ ان میں بھی اس سے زیادہ اجماع کا ثبوت نہیں کہ فلاں کتاب میں فلاں شخص نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ناقل ثقہ ہے اب تک امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نے اپنی تالیفات میں اس علمی امانت کو اچھے طریقہ سے ادا کر دیا ہے اب آگے اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں۔

خلاصہ بحث:

اس طویل بحث کا خلاصہ حسب ذیل امور میں پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں قرن بہ قرن، طبقہ بہ طبقہ متوارث چلا آ رہا ہے اور اس کو تواتر طبقی حاصل ہے، قطعیت کے لئے یہ توارث خود بخود مستقل دلیل ہے جس کی تفصیل نمبر (۱) میں گزر چکی ہے۔

(۲) باوجود اس تواترث کے قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر موجود ہے اکثر اہل علم اور صحابہ وتابعین کی تفسیر کی بناء پر نزول مسیح علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔

(۳) نزول مسیح کی احادیث باتفاق امت صحیح ہیں اور باتفاق امت ان کی تلقی بالقبول ہوچکی ہے اور یہ کہ بتصریح حفاظ حدیث وہ اصطلاحی متواتر ہیں خارجی بحث وتحقیق سے بھی ان تینوں باتوں کی قطعیت میں کوئی شبہ نہیں۔

(۴) نزول مسیح کے بارے میں امت محمدیہ کا اجماع بھی منعقد ہوچکا ہے۔قدماء محدثین اور متاخرین اس اجماع کونقل کرتے ہیں۔اور آج تک کسی کتاب میں کسی کا اہل حق میں سے انکار یا خلاف منقول نہیں۔

(۵) غرض یہ کہ عقیدہ نزول مسیح مختلف جہات مختلف اعتبارات سے قطعی ہے۔اور ضروریات دین میں داخل ہے اور معلوم ہونے کے بعد صرف باطنی زیغ یا قلبی وساوس یا عقلی استبعاد کی بناء پر انکار کرنا اور انکار کے لئے حیلے تلاش کرنا اور چارہ جوئی کرنا مومن قانت کا شیوہ نہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ضروریات دین کا اہم ترین جزو ہے۔

جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات فرما چکے ہوں اور قطعی ذرائع سے ہم تک پہنچ جائے پھر اس کا ضروریات دین میں داخل نہ ہونا ایمان کا جزو نہ بننا بالکل غلط ومتناقض دعوی ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔اگر تصدیق رسول ضروریات دین میں داخل ہے تو کوئی راستہ ماننے کے سوا نہیں۔اس کی کیفیت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔اگر فرشتہ آسمان سے اتر سکتا ہے۔اور بصورت دحیہ کلبیؓ متمثل ہوسکتا ہے تو ایک نبی کا آسمان پر چلا جانا اس میں کون سا عقلی استبعاد ہے؟

فتمثل لها بشراً سويا [1] لقد جاءت رسلنا ابراهيم بالبشرى [2] وغیرہ آیات قرآنیہ میں بشکل انسانی فرشتہ کا متمثل ہونا بالکل منصوص ہے،انبیاء علیہم السلام کی روحانیت ان کی قوت قدسیہ کی وجہ سے بھی غالب ہوتی ہے۔اس لئے ان کے اجساد مبارکہ پر روحانی کیفیات بآسانی طاری ہوسکتی ہیں۔

---

(۱) مریم: ۱۷۔ (۲) هود: ۳۶۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی اور جسد عنصری کا عروج بنص قرآن مکہ سے بیت المقدس تک ثابت نہیں؟ اور آگے آسمانوں پر صعود وعروج احادیث متواترہ سے ثابت نہیں؟ کیا اس پر یقین اہل حق کا عقیدہ نہیں؟ تو جیسے یہاں صعود ونزول آناً فاناً قابل انکار نہیں۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا رفع جسمانی پھر حق تعالیٰ جل شانہ کے ارادہ کی مقناطیسی جذب نے ان کو آسمان پر اٹھالیا ہو تو اس میں کونسی حیرت کی بات ہے۔ آج کل ''مسمریزم'' اور ''اسپر یچویلزم'' کے عجائبات کا اگر کسی کو ذرہ بھر بھی علم ہو تو ان خوارق الہیہ میں ذرا بھی شبہ نہیں کرسکتا۔

خیر! یہ چیز تو ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے۔ کہنا صرف اتنا ہے کہ جب اللہ ورسول کوئی بات ارشاد فرمائیں ہمیں بجز تسلیم کے کوئی مخلص نہیں

قولہ تعالی: وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرة (الاحزاب: ٣٦)

''اللہ ورسول کے فیصلہ کے بعد کسی مرد مومن یا عورت مومنہ کو ماننے نہ ماننے کا اختیار باقی نہیں رہتا''

عقیدہ کی تنقیح کے دو جزو ہیں، عیسیٰ علیہ السلام کا جسمانی رفع اور پھر قیامت کے قریب آسمان سے نزول، یہی دو چیزیں ضروریات دین میں داخل ہیں، جب نزول مانا جائے گا تو رفع جسمانی خود بخود ماننا پڑے گا اس لئے اس مضمون میں اس جزو کو نہیں لیا جائے گا، باقی یہ تفصیلات کہ رفع سے پہلے موت طاری ہوئی تھی یا نہیں، تھوڑی دیر کے لئے یا زیادہ دیر کے لئے رفع بحالت حیات ہوا؟ وغیرہ وغیرہ ان جزوی تفصیلات میں کچھ کچھ سلف سے خلاف منقول ہے، لیکن اہل حق اور جمہور اہل سنت کا اس میں منقح فیصلہ یہی ہے کہ جسد عنصری کے ساتھ بحالت حیات رفع آسمانی واقع ہوا، اس وقت صرف مسئلہ نزول کو اصولی حیثیت سے واضح کرنا تھا۔ اتنا عرض کردیا گیا، اسی پر کفایت کی جاتی ہے توقع ہے کہ طالب حق کے لئے اتنا لکھنا کافی ہوگا۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب.

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

بینات- رجب وشعبان ۱۳۹۱ھ

عقیدۂ حیاتِ مسیح علیہ السلام پر خط و کتابت

گزشتہ سال اس ناکارہ نے ایک رسالہ" قادیانیوں کو دعوت اسلام" کے نام سے شائع کیا تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ مرزائی مذہب جناب مرزا صاحب کو"محمد رسول اللہ" سمجھتا ہے اور انہیں آنحضرت ﷺ سے افضل قرار دیتا ہے اس رسالے کا جواب تو آج تک نظر سے نہیں گزرا البتہ اسے پڑھ کر لاہوری جماعت کے آرگن" پیغام صلح لاہور" کے مدیر جناب خلیل الرحمٰن صاحب نے اپنے اخبار میں" مولوی محمد یوسف لدھیانوی کی خدمت میں چند گزارشات" کے زیر عنوان لکھا کہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے میں ان کے کچھ اشکال ہیں۔

اور آپ نے جو فرض اپنے آپ کو سونپا ہے اس کا تقاضا ہے کہ آپ ہمارے شکوک وشبہات اور اشکال کا ازالہ کریں"۔

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا ثبوت مل جائے تو حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود خود بخود باطل ہو جاتا ہے"۔ (ص ۶ کالم ۲)

یہ مضمون پڑھتے ہی میں نے ان کو لکھ بھیجا کہ" میں آپ کے اور آپ کی ساری جماعت کے تمام شبہات حل کرنے کو حاضر ہوں"۔ چنانچہ مبادیات طے کرنے کے لئے طرفین سے خطوط کا تبادلہ ہوتا رہا۔ کچھ سردی گرمی بھی ہوئی مراسلت کا یہ دلچسپ حصہ فی الحال محفوظ رکھا جاتا ہے۔ جہاں سے اصل موضوع پر گفتگو شروع ہوئی۔ مراسلت کا وہ حصہ ادھر" پیغام صلح" میں اور ادھر" بینات" میں شائع ہو گا۔ پہلے اس ناکارہ کا خط اور پھر مدیر پیغام کا جواب (جو" پیغام صلح" میں علی الترتیب ۹ شوال اور ۱۶ شعبان ۹۷ھ کو شائع ہو چکے ہیں) ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اس ناکارہ کا جواب الجواب جو ۲۹ شعبان کو مدیر پیغام صلح کے نام بذریعہ ڈاک بھیجا گیا اور جس کے جواب کا ابھی منتظر ہوں وہ انشاء اللہ آئندہ شمارے میں شائع ہوگا دیکھئے خط و کتابت کا یہ سلسلہ کب تک چلتا ہے۔

(محمد یوسف)

مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۷ھ ۹ جون ۱۹۷۷ء

مخدوم ومکرم جناب پروفیسر خلیل الرحمان صاحب، زیدت عنایاتھم

نامۂ کرم کل موصول ہوکر موجب منت ہوا، شکر گزار ہوں کہ آنمحترم نے میری اور اپنی حیثیت طے فرمادی میرے پیرانمبر۴ سے آنجناب کے جذبات کو ٹھیس پہنچی اور "عوض معاوضہ گلہ نہ دارد" کے تحت آپ نے جس تلخ کلامی کا اظہار فرمایا مجھے اس کا بجا طور پر پہلے سے احساس تھا، مگر آپ کے عقائد پر بحث کرنے کے لئے یہ واضح کرنا ضروری تھا کہ میرے نزدیک جناب مرزا صاحب اور ان کے مخلصین کی شرعی حیثیت کیا ہے اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو میں اپنے اس دعوے پر دلائل پیش کروں اور آپ میرے شبہات حل فرمائیں۔ چونکہ آپ اس موضوع سے ہی کبیدہ خاطر ہوتے ہیں اور میرے دلائل کا سامنا کرنے کے لئے آمادہ نہیں اس لئے مجھے بھی اصرار نہیں اسی بناء پر میں آنجناب کے خط کے اس حصہ کو جو پیرانمبر۴ کے ضمن میں ارقام فرمایا گیا ہے یکسر چھوڑ رہا ہوں۔ بہرحال آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے "عوضِ معاوضہ" کے ذریعہ دل کا غبار ہلکا کرلیا۔ اب ٹھنڈے دل سے حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام پر گفتگو کرسکیں گے، دست بدعا ہوں کہ حق تعالیٰ توفیق وہدایت سے ہم سب کو بہرہ ور فرمائے۔ آج کی صحبت میں چند معروضات پیش خدمت ہیں۔ رد وقبول اور تنقید وتسلیم کے آپ مختار ہیں۔ واللہ الموفق

(۱) کسی اسلامی عقیدے کا ثبوت تین میں سے کسی ایک کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے، ۱: قرآن کریم ،۲: حدیث متواتر، ۳: اجماع امت۔ حسن اتفاق سے ہمارے زیر بحث مسئلہ میں یہ اصول ثلاثہ متفق ہیں یہ عقیدہ قرآن کریم سے بھی ثابت ہے حدیث متواتر سے بھی اور اکابر امت کے اتفاق واجماع سے بھی۔

۱-قرآن مجید:

جناب مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"﴿ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ﴾ پ۲۸ یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیشگوئی ہے اور جس غلبۂ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ ظہور میں آئے گا، اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق واقطار میں پھیل جائے گا لیکن اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے

کہ یہ خاکسار اپنی غربت اور انکسار اور توکل اور آیات اور انوار کی رو سے مسیح کی ''پہلی زندگی'' کا نمونہ ہے اور اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت متشابہ واقعہ ہوئی ہے...... چونکہ اس عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہت تامہ ہے اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیش گوئی میں ابتداء سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے یعنی حضرت مسیح پیشگوئی متذکرہ بالا کا ظاہری اور جسمانی طور پر مصداق ہے اور یہ عاجز روحانی اور معقولی طور پر اس کا محل اور مورد ہے''۔(۱)

نوٹ:...... جناب مرزا صاحب نے اس آیت کی یہ الہامی تفسیر فرمائی ہے۔ جیسا کہ ان کے خط کشیدہ الفاظ'' اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے'' سے ظاہر ہے اور چونکہ ان کا الہام بھی ان کے نزدیک قطعی ہے اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں دوبارہ تشریف لانے کی پیش گوئی ثبوت اور دلالت دونوں کے لحاظ سے قطعی ہے۔ پس اس پر ایمان لانا ضروری ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خداتعالیٰ کی پیش گوئی کے مطابق ضرور دوبارہ تشریف لائیں گے اور انہی کے ہاتھ پر دین اسلام کو دوبارہ غلبۂ کاملہ ہوگا جس کا اس آیت میں وعدہ دیا گیا ہے۔

حدیث متواتر:

مرزا صاحب لکھتے ہیں:

> ''مسیح ابن مریم کے آنے کی پیش گوئی ایک اوّل درجہ کی پیشگوئی ہے جس کو سب نے باتفاق قبول کرلیا ہے اور جس قدر صحاح میں پیش گوئیاں لکھی گئی ہیں کوئی پیش گوئی اس کے ہم پہلو اور ہم وزن ثابت نہیں ہوتی۔ انجیل بھی اس کی مصدق ہے اب اس قدر ثبوت پر پانی پھیرنا اور یہ کہنا کہ تمام حدیثیں موضوع ہیں درحقیقت ان لوگوں کا کام ہے جن کو خداتعالیٰ نے بصیرتِ دینی اور حق شناسی سے کچھ بھی بہرہ اور حصہ نہیں دیا اور بباعث اس کے کہ ان لوگوں کے دلوں میں قال اللہ وقال الرسول کی عظمت باقی نہیں رہی اس لئے جو بات ان کی اپنی سمجھ سے بالاتر ہو اس کو محالات اور ممتنعات میں داخل کر لیتے ہیں''۔ ''پس یہ کمال درجہ کی بے نصیبی اور بھاری غلطی ہے کہ یک لخت تمام حدیثوں کو ساقط الاعتبار سمجھ

(۱) براہین احمدیہ- از مرزا غلام احمد قادیانی- حصہ چہارم- ص ۴۹۸، ۴۹۹ حاشیہ در حاشیہ ط: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

لیں اور ایسی متواتر پیش گوئیوں کو جو خیر القرون میں ہی تمام ممالک اسلام میں پھیل گئی تھیں اور مسلّمات میں سے سمجھی گئی تھیں بمدّ موضوعات داخل کردیں"۔(۱)

نوٹ:......قرآن کریم نے حضرت مسیح ابن مریم (علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام) کے دوبارہ آنے کی جو قطعی اور اٹل پیش گوئی فرمائی ہے (جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے) احادیث متواترہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پیش گوئی کی ادنیٰ ادنیٰ جزئیات اور تفصیلات بیان فرمائی ہیں" اور خیر القرون سے آج تک کے سب مسلمانوں نے اسی کو قبول کیا ہے اور عہد نبوی ﷺ سے آج تک اسی کو مسلّمات میں شمار کیا گیا ہے، چنانچہ قرآن کریم وحدیث اور اسلامی لٹریچر میں "مسیح ابن مریم" کے نام سے ایک ہی شخصیت متعارف ہے اور وہ ہیں سیدنا عیسیٰ ابن مریم علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام پس ہر مومن کا یہ فرض ہے کہ خدا اور رسول کی اس قطعی ومتواتر پیش گوئی پر لفظاً ومعناً ایمان رکھے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری کا صدق دل سے معتقد رہے۔

۲-اجماع امت

مرزا صاحب فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ ہم دلّی میں گئے تھے، ہم نے وہاں کے لوگوں سے کہا کہ تم نے تیرہ سو برس سے یہ نسخہ استعمال کیا کہ آنحضرت کو مدفون اور حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر بٹھایا......مگر اب دوسرا نسخہ ہم بتاتے ہیں۔ وہ استعمال کرکے دیکھو اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو وفات شدہ مان لو"۔(۲)

نوٹ:...... ادھر تیرہ سو سال سے (اور اب چودہ سو سال سے) حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کے دوبارہ دنیا میں تشریف لانے کی قطعی اور متواتر پیشگوئی تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئی تھی اور اسے مسلّمات میں شمار کیا گیا تھا، ادھر اسی وقت سے آج تک مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ مانتے چلے آتے ہیں۔ پس جس طرح خیر القرون سے لے کر تیرہ سو سال تک کے مسلمانوں نے خدا تعالیٰ اور رسول

(۱) ازالۂ اوہام-از مرزا غلام احمد قادیانی-حصہ دوم، ص،۵۵۷ مندرجہ روحانی خزائن ص:۴۰۰ ج:۳ ط:الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ

(۲) ملفوظات مرزا صاحب-جلد دہم ص،۳۰۰-ط:ربوہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پر ایمان رکھا، اگر آج کے مسلمانوں کو بھی خیر القرون کے اسلام کی ضرورت ہے تو انہیں بھی اسی طرح اس پیش گوئی پر ایمان رکھنا ہوگا۔

۲: جو امور خیر القرون سے متواتر چلے آتے ہیں ان کا دین محمدی ﷺ میں داخل ہونا ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، ان تمام امور کو ماننا اسلام ہے۔ اور ان میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ اس کی مثال ایسی سمجھئے کہ ایک شخص سارے قرآن کو مانے اور اس کی ایک آیت کو مشکوک سمجھے، ایسا شخص قرآن کریم کا منکر تصور کیا جائے گا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وفرمودات جو تواتر سے منقول ہوں۔ ان میں سے کسی ایک کا منکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکذب ہوگا۔

۳: پھر انکار کی دو صورتیں ہیں (۱) متواتر الفاظ کا انکار (۲) متواتر معنی ومفہوم کا انکار، دونوں کا ایک ہی حکم ہے مثلاً ایک شخص نماز کا سرے سے منکر ہے اور دوسرا شخص کہتا ہے کہ میں نماز کا قائل ہوں مگر نماز کا وہ مفہوم جو مسلمانوں نے سمجھ رکھا ہے۔ غلط ہے، یہ دونوں شخص نماز کے منکر تصور ہوں گے یا مثلاً ایک شخص قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کی کتاب ہی نہیں مانتا اور دوسرا شخص مانتا ہے مگر ساتھ ہی یہ کہتا ہے کہ قرآن کے معنی وہ کتاب نہیں جس کو مسلمان چودہ سو سال سے خدا کی کتاب کہتے چلے آرہے ہیں۔ پہلا شخص بھی قرآن کا منکر ہے اور دوسرا شخص بھی۔ یہی حال تمام متواترات کا سمجھنا چاہئے کہ امت اسلامیہ نے جن الفاظ کو تواتر سے نقل کیا ان کا انکار بھی کفر ہے، اور ان الفاظ کے جو متواتر معنی ومفہوم نقل کیا ان کا انکار بھی کفر ہے۔

۴: چونکہ دین کا مدار نقل پر ہے اسلئے دین پر اعتماد جبھی ہوسکتا ہے جبکہ ناقلین دین پر اعتماد کیا جائے، صحابہ، تابعین اور گزشتہ صدیوں کے مجدّ دین اور ائمہ دین (رضوان اللہ علیہم) ہمارے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان واسطہ ہیں، اگر ان اکابر کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو دین اسلام کی ہر چیز مشکوک ہوکر رہ جاتی ہے۔ پھر قرآن کا قرآن ہونا تک ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ کجا کہ کسی اسلامی عقیدہ یا مسئلہ پر اعتماد کیا جا سکے، اسلئے قرآن کریم کی ایسی تفسیر، جو کسی متواتر عقیدہ کے خلاف یا سلف صالحین کے مسلّمہ معنی ومفہوم کے خلاف ہو ”تفسیر بالرائے“ کہلاتی ہے۔ جس کی ہمیں اجازت نہیں دی گئی۔

۵: یہ تو پیرا نمبر ا میں واضح کر چکا ہوں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری کی پیش گوئی خود خدا تعالیٰ نے فرمائی ہے، آنحضرت ﷺ نے اس کی تفصیلات ارشاد فرمائی ہیں اور اول سے آخر

تک امت اسلامیہ نے اسے اپنے معتقدات ومسلمات میں شامل کیا ہے، اس کے بعد کسی منصفِ عاقل کو اس پیش گوئی کی صحت وصداقت میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا (یا کم از کم بعد از علم نہیں رہنا چاہئے) رہا یہ خیال کہ ان کے دوبارہ آنے سے ختم نبوت کی مہر ٹوٹ جاتی ہے، صحیح نہیں، کیونکہ خاتمیت کا مقتضی یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کسی شخص کو منصب نبوت پر فائز نہ کیا جائے یہ نہیں کہ کوئی ایسا نبی، جسے پہلے سے نبوت مل چکی ہے زندہ نہ رہے، نویں صدی کے مجدد حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے الفاظ میں:

"فوجب حمل النفی علی انشاء النبوّة لاحد من الناس، لاعلی نفی وجود نبیّ قد نبّئ قبل ذلک".(۱)

۶: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور ہتک کا موجب نہیں بلکہ آپ ﷺ کے شرف وفضیلت، سیادت وقیادت اور جلالتِ قدر کا مظہر ہے، کیونکہ آیت "میثاق النبیین" (آل عمران:۸۱) کے مطابق تمام انبیاء کرام (علیہم السلام) سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا تھا۔ اب اس عہد کے ایفاء کے لئے اگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو زندہ رکھا جاتا، اور وہ سب حضرات لواء محمدی ﷺ کے تلے جمع ہوکر اصالتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کرتے تو ظاہر ہے کہ اس میں آپ ﷺ کی تعظیم ہوتی نہ کہ تنقیص۔ آپ ﷺ کی جلالتِ قدر کا ظہور ہوتا نہ کہ ہتک عزت کا۔

اب اگر حکمت الٰہیہ نے (ان مصالح کی بناء پر جن کو وہ حکیم مطلق ہی بہتر جانتا ہے) تمام انبیاء کرام کی نیابت کے لئے انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو منتخب کرلیا، اور انہوں نے اپنی طرف سے اصالۃً اور دیگر انبیاء کرام کی جانب سے نیابۃً ایمان ونصرت کا وہ عہد پورا کر دکھایا تو اسکو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص اور ہتک کیوں کہا جائے؟ کیا کسی پر ایمان لانا اور اس کی نصرت کے لئے کمر بستہ ہونا اس کے حق میں تنقیص اور ہتک کہلاتا ہے؟ قرب قیامت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری آنحضرت ﷺ کے دین کے خادم وناصر کی حیثیت میں ہوگی اور ان کے ایمان ونصرت سے نیابۃً تمام انبیاء

---

(۱) الاصابة فی تمییز الصحابة للحافظ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ)- ۱/ ۴۳۶.

کرام علیہم السلام کی تصدیق ونصرت ساری دنیا کے سامنے علیٰ رؤس الاشہاد متحقق ہوجائے گی۔ بعید نہیں کہ ارشادِ نبوی، "انا اولی الناس بعیسی بن مریم فی الاولی والآخرۃ،" (۱) میں اس مضمون کی جانب بھی اشارہ ہو۔ بہرحال کسی گزشتہ نبی کا آپ ﷺ کی رعیّت میں شامل ہوکر نصرت وحمایت بجالانا آپ ﷺ کے شرف ومنزلت کو دوبالا کرتا ہے نہ کہ ہتک وتنقیص کا موجب ہے۔

۷: اور اسی سے یہ بھی واضح ہوا ہوگا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے دین اسلام میں نقص واقع نہیں ہوتا بلکہ اس کے شرف وفضیلت کا عملی اظہار ہے کہ دورِ محمدی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیمات) میں ایک نہیں بلکہ سارے اولوالعزم رسول بھی تشریف لائیں تو انہیں اپنی اپنی کتابیں اور شریعتیں لپیٹ کر رکھ دینی ہوں گی اور ان کا منصب بھی دین اسلام کے ناصرین اور خدام کا ہوگا، کیونکہ خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد انبیاء سابقین کی تمام کتابیں اور شریعتیں منسوخ ہوچکی ہیں۔ اب کسی کو آپ ﷺ کی پیروی کے بغیر چارہ نہیں، حدیث: لو کان موسیٰ حیّا لما وسعہ الا اتباعی (۲)، کا یہی مفہوم ہے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری اس ارشاد کی عملی تصدیق ہے۔

۸: احکام میں نسخ وتبدیلی ممکن بھی ہے اور واقع بھی کہ حاکم جس وقت کے لئے جو حکم قرین مصلحت سمجھے دے سکتا ہے، مگر عقائد میں نسخ وتبدیلی ممکن نہیں۔ کیونکہ جو خبر واقعہ کے مطابق ہو اس پر پختہ یقین رکھنے کا نام عقیدہ ہے اور اس کے مقابلہ میں خلاف واقعہ خبر پر یقین جمانے کا نام "جہل مرکب" ہے عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں" یہ جملہ خبریہ اگر واقعہ کے مطابق ہے تو اس کا یقین عقیدہ ہے اور اگر واقعہ کے مطابق نہیں تو "جہل مرکب" ہے "عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں اتریں گے" یہ خبر اگر واقعہ کے مطابق ہے تو عقیدہ ہے، اور اگر خلاف واقعہ ہے تو اس کا اعتقاد "جہل مرکب" ہے۔

۹: چونکہ جناب مرزا صاحب کو اپنے الہامات پر قرآن کریم کی طرح ایمان تھا اور وہ ان سے انحراف کو کفر کے مرادف سمجھتے تھے اس لئے نامناسب نہ ہوگا اگر زیر بحث مسئلہ میں ان کا ایک الہام بھی تبرکاً درج

(۱) مشکوٰۃ المصابیح للامام ولی الدین الخطیب التبریزی (م ۷۴۳ھ) باب بدء الخلق وذکر الانبیاء علیہم السلام ص: ۲/ ۵۰۹۔

(۲) المرجع السابق – ۱/ ۳۰۔

کردیا جائے۔کیا بعید کہ کسی سعید روح کو اسی سے ہدایت وتوفیق کی متاع بے بہا نصیب ہوجائے۔وھو ھذا:

"﴿عسیٰ ربکم ان یرحم علیکم وان عدتم عدنا وجعلنا جھنم للکافرین حصیرا﴾(۱)

خدا تعالیٰ کا ارادہ اس بات کی طرف متوجہ ہے کہ تم پر رحم کرے اور اگر تم نے گناہ اور سرکشی کی طرف رجوع کیا تو ہم بھی سزا اور عقوبت کی طرف رجوع کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنا رکھا ہے۔یہ آیت اس مقام میں حضرت مسیح کے جلالی طور پر ہونے کا ظاہراً اشارہ ہے یعنی اگر طریق رفق اور نرمی اور لطف احسان کو قبول نہیں کریں گے اور حق محض جو دلائل واضحہ اور آیات بینہ سے کھل گیا ہے اس سے سرکش رہیں گے تو وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ جب خدا تعالیٰ مجرمین کے لئے شدت اور عنف اور قہر اور سختی کو استعمال میں لائے گا۔اور حضرت مسیح نہایت جلالیت کے ساتھ دنیا پر اتریں گے اور تمام راہوں اور سڑکوں کو خس وخاشاک سے صاف کردیں گے۔اور کج اور ناراست کا نام ونشان نہ رہے گا۔اور جلال الٰہی گمراہی کے تخم کو اپنی تجلی قہری سے نیست ونابود کردے گا۔اور یہ زمانہ اس زمانہ کے لئے بطور ارہاص کے واقع ہوا ہے۔یعنی اس وقت جلالی طور پر خدائے تعالیٰ اتمام حجت کرے گا۔اب بجائے اس کے جمالی طور پر یعنی رفق اور احسان سے اتمام حجت کررہا ہے۔"(۲)

۱۰: آنجناب کی ارشاد فرمودہ گنجائش کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت ہی مختصر اشارات عرض کیے ہیں۔جن میں اجمال کی حد تک اختصار کی رعایت کی ہے۔چونکہ آپ عاقل وفہیم ہیں اس لئے مطلب سمجھنے میں امید ہے دقت نہیں ہوگی۔ردوقبول اور تنقید وتسلیم کا آنجناب کو اختیار ہے،ان میں کوئی بات لائق قبول

(۱) آیت کریمہ نقل کرنے میں مرزا صاحب سے غفلت ہوئی ہے،حکایت کے طورور پر انہی کے نقل کردہ حوالہ کے مطابق آیت کے الفاظ نقل کئے جاتے ہیں جبکہ صحیح الفاظ یہ ہیں:عسی ربکم أن یرحمکم وإن عدتم عدنا ......الایة (مرتب)

(۲) براہین احمدیہ از غلام احمد قادیانی-حصہ چہارم-ص۵۰۵-حاشیہ در حاشیہ-ط:احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور.

ہوتو زہے نصیب۔ اگر لائق رد ہوتو دلیل کے ساتھ رد فرمائیے۔ آئندہ صحبت میں آنجناب کے نقد کا بھی منتظر رہوں گا اور جدید شبہات کا بھی اگر کوئی شبہ ہو۔ نیز اصل مسئلہ پر مزید دلائل یا توضیح کی ضرورت ہوگی تو اس کے لئے بھی حاضر ہوں حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں توفیق وہدایت سے نوازے۔ حق وباطل کی تمیز نصیب فرمائے اور کجی وناراستی سے بچائے۔ آمین، امید ہے مزاج سامی بعافیت ہوں گے۔ فقط

محمد یوسف لدھیانوی - ملتان

❁-❁-❁

مکرمی ومحترمی مولوی محمد یوسف صاحب زید مجدکم۔

آپ کا مکتوب گرامی مرقومہ ۹ جون ۱۹۷۷ء ملا میں آپ کا یہ خط اور اس پر اپنا تبصرہ ''پیغام صلح'' میں اشاعت کے لئے ارسال کررہا ہوں آپ بھی مناسب خیال فرمادیں تو اپنے کسی جریدہ میں یہ دونوں شائع فرماکر مشکور فرمادیں۔

ا: میں نے اپنے خط مورخہ ۳۰/۵/۷۷ء میں آپ سے یہ عرض کیا تھا کہ (۱) میں سائل ہوں اور آپ مجیب (۲) میں نے بحیثیت سائل آپ سے درخواست کی ہے کہ بروئے قرآن حیات مسیح ثابت کریں اور (۳) مجھے قرآن کریم سے باہر کوئی اصول موضوعہ یا دلیل منظور نہ ہوگی۔ لیکن آپ نے قرآن کریم کے ساتھ احادیث اور اجماع امت کو بھی لے لیا ہے اس لئے میں اپنے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی توجہ اور معروضات صرف قرآن کریم سے پیش کردہ آیات پر ہی مرکوز رکھوں گا۔ حدیث متواتر اور اجماع پر بحث قرآن کریم کے بعد آئے گی جیسا کہ میں نے آپ کو ایک دفعہ لکھا تھا کہ میرے نزدیک کوئی ایسی حدیث جو قرآن کریم کے مخالف پڑتی ہو اور کسی شخص کا ایسا قول خواہ وہ حضرت مرزا صاحب ہی کیوں نہ ہوں جو قرآن کریم کے مخالف ہو ہرگز قابل قبول نہیں۔ البتہ اگر کوئی حدیث تاویل کے بعد قرآن کریم کے موافق نظر آئے تو وہ مانی جائے گی۔

۲: قرآن کریم سے حیات مسیح کا ثبوت۔

قرآن کریم سے حیات مسیح ثابت کرنے کے لئے آپ نے تین آیات پیش کی ہیں۔

الف: هو الذی ارسل ....علی الدین کله. (الصف، ۹)

ب: واذ أخذ الله میثاق النبیّین (ال عمران، ۸۱)

ج: وان عدتم .... حصیرا. (بنی اسرائیل، ۸)

''الف'' اور ''ج'' کے تحت درج شدہ آیات آپ نے اس لئے میرے سامنے رکھی ہیں کہ براہین احمدیہ حصہ چہارم کے صفحات ۴۹۸، ۴۹۹ اور ۵۰۵ پر آپ کو وہ تفسیر مل گئی ہے جو ان آیات کے بارے میں حضرت مرزا صاحب نے بیان کی ہے لیکن آپ یہ بھول گئے ہیں کہ براہین احمدیہ کا حصہ چہارم ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا اور حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کا راز آپ پر ۱۸۹۰ء میں اس الہام کے ذریعے منکشف ہوا۔

''مسیح ابن مریم فوت ہوگیا ہے وجعلنا ک المسیح بن مریم۔''

اس کے مدّنظر آپ نے ۱۸۹۱ء میں دعویٰ مسیح موعود تک قرآن کریم کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی اطلاع کو جانچا اور پرکھا۔ جب آپ کو یقین ہوگیا کہ قرآن کریم وفات مسیح کی تصدیق کرتا ہے تو آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے وفات مسیح کے عقیدہ کی تائید میں قرآن کریم سے ۳۰ آیات پیش کیں جو ازالہ اوہام میں بالتفصیل درج ہیں اس لئے آپ کو چاہیئے تھا کہ آپ ۱۸۹۱ء کے بعد کی کوئی تفسیر پیش کرتے جس میں سے حضرت مرزا صاحب کا عقیدہ دوبارہ حیات مسیح مستنبط ہوسکتا۔

ضمناً یہ بھی عرض کردوں کہ کوئی بھی شخص جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہونے کا دعویٰ کرتا ہوا اپنی طرف سے اس سے زیادہ ظاہر نہیں کرسکتا جو اللہ تعالیٰ نے اس پر ظاہر کیا ہو۔ اور نہ ہی اس مقام پر مبعوث ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا مدّعی ہونے کا حکم نازل نہ ہوجائے اس لئے ۱۸۸۴ء میں حضرت مرزا صاحب نے نہایت دیانت داری اور سچائی سے کام لیتے ہوئے وہی کچھ بتایا جو آپ پر ظاہر ہوچکا تھا یعنی ''اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت متشابہ واقع ہوئی ہے۔'' اور ''اس عاجز کو مسیح سے مشابہت تامہ ہے اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیش گوئی میں ابتداء سے اس عاجز

کو بھی شریک کر رکھا ہے۔''

اور وہاں تو یہ الفاظ بھی ہیں جو آپ نے ...... اس طرح نقطے ڈال کر حذف کر دئے ہیں '' گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں''، یہاں تو حضرت صاحب نے ایک فطرتی اور سائنسی اصول بیان کر دیا ہے ایک ہی درخت کے دو پھل یا سارے پھل شکل و شباہت جسامت اور دوسری خصوصیات میں ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت تامہ رکھتے ہیں اور ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے کیا سائنسی لحاظ سے سارے ہی ٹکڑوں بلکہ ان کے خوردبینی ذرات یا ایٹموں میں بھی طبعی اور کیمیائی لحاظ سے مشابہت تامہ ہوتی ہے۔ اس سے تو جسمانی مشابہت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نے صرف وہی کچھ بیان فرمایا جو ان پر ظاہر کیا گیا تھا۔ اسی لئے '' جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیش گوئی'' میں اپنے آپ کو شامل نہ کیا۔ یہ آپ کا اپنا اجتہاد اور خیال تھا جس میں غلطی لگنے کے امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ اور جب خدا تعالیٰ نے آپ پر ظاہر کر دیا تو مسیح ابن مریم کے دوبارہ واپس آنے کا آپ کا نظریہ غلط ثابت ہو گیا اور تب آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔

جہاں تک '' الصف کی آیت ۹'' کا تعلق ہے بعینہ الفاظ '' الفتح ۲۸'' میں ہیں۔ '' الصف'' ابتدائی مدنی زمانہ کی ہے اور '' الفتح'' ۶ ھ کی نازل شدہ۔ اس سے اگلی آیت ۲۹ میں اس رسول کا نام لے کر یعنی '' محمد رسول اللہ'' کہہ کر بتا دیتا ہے کہ یہ غلبہ دین محمد ﷺ کی رسالت سے ہی وابستہ ہے اور اس سے آگے ''والذین معه'' کے الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ یہ غلبۂ دین ان لوگوں کے ساتھ بھی وابستہ ہے جنہیں آپ کی معیت کا شرف حاصل ہے۔ یہ معیت محض قولی نہیں فعلی بھی ہے اس کی علامتیں یہ ہیں کہ کفار کے مقابلہ میں قوی، آپس میں رحم کرنے والے۔ رکوع اور سجود کرنے والے اور اپنے رب کا فضل چاہنے والے ہیں اور یہ نشانیاں ان کے چہروں پر ان کے سجدوں کے اثر سے نمایاں ہیں یعنی آپ کی مکمل اطاعت اور اتباع کرنے والے لوگ ہیں ورنہ زبان سے کہنے والے تو منافقین بھی تھے کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں جیسا کہ '' البقرہ ۱۴'' میں فرمایا ہے۔

'' اور جب انہیں ملتے ہیں جو ایمان لائے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ اکیلے ہوتے ہیں کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ان سے ہم صرف ہنسی کرتے ہیں۔''

اس لئے آپ کی معیت کا مطلب آپ علیہ السلام کی کامل اطاعت اور اتباع ہے اور اس اطاعت اور اتباع کے ثمرات کا ذکر ''النساء ۶۹''، میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

''اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے تو یہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا من النبیین و الصدیقین و الشهدآء و الصالحین ،یعنی نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالح لوگوں کے ساتھ اور یہ اچھے ساتھی ہیں۔''

یہ مقامات آپ علیہ السلام کی زندگی تک محدود نہیں تھے بلکہ ''ومن یطع الله والرسول'' کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے یا کرے گا خواہ آپ علیہ السلام کی زندگی میں ہو یا بعد میں وہ ان مقامات کو پا جائے گا اس لئے اس میں عمومیت ہے اور اس بات پر کہ بعد میں آنے والے بھی آپ علیہ السلام کی اطاعت سے یہ مقامات حاصل کر سکتے ہیں۔ سورۃ الجمعہ کی آیات نمبر ۲ اور نمبر ۳ بڑی واضح اور غیر مبہم شہادت دیتی ہیں:

۲: ''وہی ہے جس نے امیوں کے اندر انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور وہ پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں پڑے تھے۔''

۳: ''اور ان میں سے اوروں کو بھی جو ابھی ان کو نہیں ملے (بعد میں آنے والے) اور وہ غالب حکمت والا ہے۔''

بعد میں آنے والوں کے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی معلم ہوں گے اور انہیں آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوگا۔ آپ ہی کے ذریعے وہ علم و حکمت سیکھیں گے اور ان کا تزکیہ بعد میں ہوگا جو ان کے لئے مذکورہ مراتب کے حصول کا موجب ہوگا اور تاریخ گواہ ہے کہ اس امت میں آپ ﷺ کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہیں یہ رتبہ ملا، اس گروہ میں ''النبیین'' کا ذکر بھی ہے اس کی تفسیر خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ ''علماء اُمّتی کانبیاء بنی اسرائیل''، اس تمام تفصیل سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

۱: اظہار دین آنحضرت علیہ السلام کی رسالت اور ان لوگوں سے وابستہ ہے جنہیں آپ کی معیت

حاصل ہے۔

۲: یہ معیت صرف قولی نہیں بلکہ فعلی بھی ہے جس کا مطلب آپ کی مکمل اطاعت اور اتباع ہے۔

۳: ایسی اطاعت اور اتباع سے انسان کو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت حاصل ہوتی ہے۔

۴: اس میں عمومیت ہے تخصیص نہیں۔ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر قدم مارے گا۔ وہ یہ مقامات حاصل کر سکتا ہے۔

۵: یہ بات آپ کے زمانۂ حیات تک محدود نہیں بلکہ آپ کے بعد آنے والے بھی اس سرچشمہ ہدایت وحق سے سیراب ہو کر تزکیہ نفوس کر کے یہ مقامات پا سکتے ہیں اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان کے معلم، ہادی، رہنما اور مقتدا ہوں گے۔

۶: تاریخ اسلام اس پر گواہ ہے کہ آپ کے بعد اس امت میں ایسے عظیم المرتبت انسان پیدا ہوئے جنہیں اولیاء اور مجدد کہا جاتا ہے اور جن کے ذریعے اپنے اپنے زمانہ میں مسلمانوں میں پیدا ہونے والی خرابیاں دور ہوئیں اور نئے نئے مسائل کا حل پیش کیا گیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آئیں گے اور ''اخرین منهم'' میں شامل ہوں گے۔ اس طرح وہ بھی علم وحکمت کی باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھیں گے اور آپ ہی کے ذریعہ ان کا تزکیہ نفس ہوگا۔ اور یوں وہ آپ کے تلامذہ میں شامل ہوں گے اور آپ کی اطاعت اور اتباع سے ہی ان کو یہ سب کچھ حاصل ہوگا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مطاع ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مطیع۔ لیکن جب میں قرآن کریم پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے وہاں یہ آیت نظر آتی ہے ''وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ''، یعنی رسول مطاع ہوتا ہے نہ کہ مطیع۔ اس کی اطاعت کی جاتی ہے نہ کہ وہ کسی کی اطاعت کرتا ہے اور جو بھی رسول آیا ہے وہ مطاع ہی ہوا ہے مطیع نہیں ہوا، اسے تعلیم براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی ملتی رہی ہے جو وہ لوگوں تک پہنچاتا رہا ہے اور وہ ایک کتاب کی صورت میں محفوظ رہی ہے اور چاہیئے بھی یہی کیونکہ زمانہ ارتقاء پذیر رہا ہے اور ہر دور کے مسائل مختلف رہے ہیں۔ زمانہ کی ضروریات کے مطابق انبیاء تشریف لاتے رہے ہیں اور ہر نبی کو اپنے زمانہ کی ضروریات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم حاصل ہوتا رہا ہے۔ اس لئے اس تعلیم میں بتقاضائے زمانہ ردوبدل ہوتا رہا ہے پہلی کتابوں میں جو باتیں زمانہ کی

ضرورت کے مطابق ہوتی تھیں وہ رکھی جاتیں اور دوسری باتوں کو ترک کرکے نئے احکام نازل کئے جاتے۔ اسی طرح شریعت میں ردوبدل ہوتا رہا جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

''ومانا ننسخ من ایة او ننسها نأت بخیر منها او مثلها الم تعلم ان اللہ علی کل شئی قدیر۔''

حضرت عیسیٰ صاحب کتاب نبی اور رسول تھے۔ آپ مطاع تھے مطیع نہیں ہوسکتے۔ مجھے کہیں کوئی ایسی مثال قرآن کریم میں نہیں ملتی کہ کسی نبی کو دوسرے نبی کا مطیع اور شاگرد بنادیا ہو۔ اس لئے وہ عیسیٰ جو بنی اسرائیل میں سے نبی تھے اور انہی کی طرف تھے ''اخرین منهم'' میں شامل نہیں ہوسکتے۔ اس لئے وہ آبھی نہیں سکتے اور زندہ بھی نہیں ہیں۔ اور پھر وہاں الفاظ ''یزکیهم'' بھی ہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان میں شامل ہوں گے تو ان کا تزکیہ نفس بھی آنحضرت ﷺ کے ذریعہ ہوگا۔ مطلب یہ ہوا کہ جب وہ آئیں گے تو نعوذ باللہ گنہگاروں میں شامل ہوں گے۔ کیا یہ ممکن کہ مقام نبوت پر فائز ہونے کے بعد وہ اس سے گر کر گنہگاروں میں شامل ہوجائیں گے اور کسی دوسرے نبی کے ذریعہ ان کے تزکیہ کی ضرورت پڑے اور اس تزکیہ کے بعد وہ لوگوں کی اصلاح کے لئے پھر مبعوث کئے جائیں؟ کیا قرآن کریم سے کوئی ایسی مثال پیش کی جاسکتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر کیوں ایسا نہ ہو کہ اسی نبی کی امت کا کوئی شخص جس کا تزکیۂ نفس اسی نبی کے ذریعہ ہوچکا ہو اصلاح کے لئے کھڑا کیا جائے۔

میرے خیال میں '' منھم '' میں آنحضرت ﷺ کی امت کے لوگ شامل ہیں اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے باہر ہیں اور کوئی نبی بیک وقت نبی بھی اور امتی بھی نہیں ہوسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امتی اس لئے بھی نہیں ہوسکتے کہ ان کے متعلق قرآن کریم میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ، ''ویعلمه الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل''، اور وہ اسے کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل سکھائے گا (آل عمران: ۴۸) اسلئے آنحضرت سے سیکھنے اور ان کے شاگردوں میں داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا یہ آیت جو آپ نے نقل کی ہے اور اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات پر دلیل دی ہے کسی طرح بھی یہ ثبوت بہم نہیں پہنچاتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور آنحضرت ﷺ کے بعد اصلاحِ امّت کے لئے تشریف لائیں گے۔

آل عمران کی آیت ۸۱ سے ثبوت:

یہ آیت کریمہ میثاق النبیین کے متعلق ہے جس کا ترجمہ میں اپنے قارئین کے لئے درج کر دیتا ہوں۔

''اور جب اللہ نے نبیوں کے ذریعہ عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت سے دیا ہے پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم نے ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ کہا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرے عہد کا بوجھ لیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں۔ کہا پس گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں''۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ ''اگر انبیاء کرام کو زندہ رکھا جاتا'' یعنی آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام سے پہلے جتنے انبیاء تھے وہ زندہ نہیں ہیں فوت ہو چکے ہیں۔ اب اللہ تعالی کے اس قانون سے جس کے تحت تمام انبیاء علیہم السلام کی وفات واقع ہوئی آپ حضرت عیسی علیہ السلام کو مستثنٰی رکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''اگر حکمت الہیہ نے ان مصالح کی بناء پر جن کو وہ حکیم مطلق ہی بہتر جانتا ہے، تمام انبیاء کرام کی نیابت کے لئے انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم سیدنا عیسی علیہ السلام کو منتخب کر لیا اور انہوں نے اپنی طرف سے اصالۃً اور دیگر انبیاء کرام کی جانب سے نیابۃً ایمان ونصرت کا وعدہ پورا کر دکھایا تو اس کو آپ ﷺ کی تنقیص اور ہتک کیوں کہا جائے۔''

آپ کی اس تشریح پر میرے یہ اعتراضات ہیں

۱: کیا آپ قرآن کریم سے کوئی ایک ایسی آیت دکھا سکتے ہیں جس میں یہ ذکر ہو کہ حکمت الہیہ نے ان مصالح کی بناء پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کو انبیاء علیہم السلام کی نیابت کے لئے منتخب کیا۔ کیونکہ میرا ایمان ہے کہ انسانوں کی فلاح وبہبود اور اصلاح نفوس کے لئے جو بات ضروری ہوتی ہے اس کو اس کی حکمت نے کبھی پوشیدہ نہیں رکھا۔ اپنے ایسے احکام کو وہ ''آیات بینات'' سے تعبیر کرتا ہے اور ان بینات کے

بعد ہی وہ منکرین کو کافر کا خطاب دیتا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے،

''یہ ایک سورۃ ہے جسے ہم نے اتارا ہے اور اس کے احکام کو ضروری ٹھہرایا اور اس میں کھلے کھلے حکم اتارے (فیھا ایات بینت) تا کہ تم نصیحت حاصل کرو(۱)۔

اور فرماتا ہے کہ ''یہ اسلئے کہ ان کے رسول ان کے پاس کھلے دلائل لے کر آتے تھے پر انہوں نے انکار کیا (فکفروا) سو اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑا اور وہ طاقتور سزا دینے میں سخت ہے۔'' (۲)

اگر اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کے مطابق کھلے کھلے دلائل اور واضح احکام نازل نہ کرے اور نعوذ باللہ مصلحت آمیزی اور مصلحت کوشی سے کام لے تو اسے مخالفین حق کو سزا دینے کا کیا حق پہنچتا ہے اگر حضرت عیسیٰؑ کو اصلاح امت محمدیہ کے لئے زندہ رکھنا مقصود تھا تو اسے کون روک سکتا تھا کہ قرآن میں ان کی زندگی کے متعلق صاف صاف بیان کر دیتا اور وہاں ایسی آیات نہ ہوتیں جن سے کہیں تو ان کی حیات ثابت ہوتی اور کہیں ممات۔ اور اس پر مسلمانوں میں اختلاف رونما ہوتا۔

۲: قرآن کریم میں نہ تو مجھے کوئی ایسی آیت ملی ہے جس میں ان مصالح کا ذکر ہو جن کے مدنظر حضرت عیسیٰؑ کو زندہ رکھا گیا اور نہ ہی کوئی ایسی آیت نظر آتی ہے جس میں یہ ذکر ہو کہ انبیاء علیہم السلام نے یہ نیابت انہیں سونپی ہو کہ وہ ان سب کی طرف سے اس عہد کو پورا کریں۔ کیونکہ عہد پورا کرنا اسی نبی کا فرض ہے جس سے یہ عہد لیا گیا ہو۔ خدا ایک نبی سے عہد لیتا ہے۔ وہ خود دا سے پورا نہیں کرتا اور ذمہ داری دوسرے کے سر ڈال دیتا ہے اس کی منطق مجھے سمجھ نہیں آئی۔ ایمان اسی نبی نے لانا ہے اور مدد اسی نبی نے کرنی ہے۔ اس میں کیا تُک ہوئی کہ وہ دوسرے کو کہے کہ بھئی میں تو نہ ایمان لاتا ہوں اور نہ مدد کرتا ہوں تم میری طرف سے ایمان بھی لے آؤ اور مدد بھی کرو۔ کیا یہ خدا کے حکم کی حکم عدولی اور عہد شکنی نہیں اور کیا کسی نبی سے اس کی توقع کی جا سکتی ہے قرآن کریم تو فرماتا ہے۔ ''جو اللہ کے عہد کو اس کے پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں (من بعد میثاقه) اور اسے کاٹتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ملایا جائے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔'' (۳)

---

(۱) سورۃ النور : ۱ (۲) سورۃ المومن : ۲۲ (۳) البقرۃ : ۲۷

کیا انبیاء اپنے لئے نقصان پسند کر سکتے ہیں؟

''الرعد'' ۲۵ میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ ہیں:

''اور وہ جو اللہ کے عہد کو پکا کرنے کے بعد توڑتے ہیں (ینقضون عهد اللہ من بعد میثاقه) اور اسے کاٹتے ہیں جو اللہ نے حکم دیا ہے کہ جوڑا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔ یہی ہیں جن کے لئے لعنت اور جن کیلئے اس گھر کا بُرا انجام ہے۔''

کیا اللہ کے نبی بذات خود اس پختہ عہد کو پورا نہ کر کے اس کو توڑنے کے مرتکب نہیں ہوتے اور نعوذ باللہ اس سزا کے مستوجب نہیں ٹھہرتے اگر کسی نبی کی امت کے لئے یہ سزا ہے تو وہ نبی جو اپنی امت کا قائد اور رہنما ہے وہ اس سے کیسے بچ سکتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کو اپنے بارے میں فرمانے کا یہ حکم ہوتا ہے، ''کہہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ایک بُرے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں'' (۱) جن کے بارے میں عہد لیا گیا اگر وہ یہ فرماتے ہیں تو باقی انبیاء کو اس سے بڑھ کر ڈرنا چاہئے تھا کہ اگر ہم نے عہد پورا نہ کیا تو یہ معصیت الٰہی ہوگی اور ہم اللہ کی ناراضگی کے مورد ہو جائیں گے۔

۳: بفرض محال اگر آپ کی یہ بات تسلیم کر ہی لی جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی طرف سے اصالۃً اور سابقہ انبیاء علیہم اسلام کی طرف سے نیابۃً یہ عہد پورا کرنے کے لئے زندہ رکھے گئے ہیں تو اس آیت کے الفاظ، ''لتومنن به و لتنصرنه''، کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ سے یہ کہنا چاہئے تھا کہ اب وہ رسول مبعوث ہو گیا ہے اب مجھے نیچے اتار یے کہ میں وہ میثاق پورا کروں جو آپ نے سب انبیاء سے لیا اور انہوں نے یہ ذمہ داری مجھے سونپی اور میں بذات خود یہ شہادت دوں کہ یہ وہی رسول ہے جس کے متعلق میں نے کہا تھا اور بشارت دی تھی کہ ''یاتی من بعدی اسمه احمد'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا وہ وقت تھا جب مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو سخت سے سخت ایذائیں دی جا رہی تھیں۔ ان کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ چھوڑنا پڑا۔ مدینہ میں بھی آرام سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ زندگی کے آخری

---

(۱) سورۃ الأنعام: ۱۵

سال تک جنگیں لڑنا پڑیں۔اس وقت سلطنتِ روم عیسائیوں کی بہت بڑی سلطنت تھی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام آکر اپنی قوم سے ہی مدد دلوادیتے۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ خدا جس نے خود ہی ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد لیا اور حضرت عیسیٰ جنہیں نیابۃً اور اصالۃً یہ فرض ادا کرنا تھا۔دونوں خاموش تماشائی بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصائب اور مشکلات کا تماشا دیکھتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے عہد لے کر اس عہد کو پورا کرنے کیلئے حضرت عیسیٰ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لئے نہ بھیجا۔آخر کیوں؟

۴:حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی پہلی بعثت کے وقت یہ فرمادیا کہ "ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد"،اپنا عہد اصالۃً اور نیابۃً پورا کردیا ہے اور ساتھ ہی توریت کی تصدیق بھی کردی ہے اگر توریت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر دیکھنا ہو تو "استثناء ۱۸، ۱۸"، دیکھ لیں اور انجیل میں دیکھنا ہو تو "یوحنا ۱۴، ۱۶"۔"یوحنا ۱۵، ۲۶" اور "یوحنا ۱۶ و ۱۳" دیکھ لیں۔برناباس کی انجیل میں لکھا ہے۔

"یسوع نے کہا وہ کیسا مبارک زمانہ ہے جس میں کہ یہ رسول دنیا میں آئے گا تم مجھے سچا مانو۔میں نے اسے دیکھا اور اس کے سامنے عزت وحرمت کو پیش کیا۔اور اسکو ہر نبی نے دیکھا ہے کیونکہ اللہ ان نبیوں کو اس کی روح بطور پیشگوئی عطا کرتا ہے اور جب میں نے اس کو دیکھا (روح کو) میں تسلی سے بھر کر کہنے لگا،اے محمد ﷺ! اللہ تیرے ساتھ ہو اور مجھ کو اس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں۔کیونکہ اگر میں یہ شرف حاصل کرلوں تو بڑا نبی اور اللہ کا مقدس ہو جاؤں گا اور جبکہ یسوع نے اس بات کو کہا اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔"(۱)

حضرت عیسیٰؑ کو بھی آپ ﷺ کی روح بطور پیش گوئی عطا کی گئی تو آپ نے فرمایا "ومبشرا برسول یاتی من بعد اسمہ احمد"،اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کس مقصد کے لئے زندہ رکھنا مقصود تھا۔تورات میں شہادت موجود ہے۔انجیل میں شہادت موجود ہے۔یہودی اور عیسائی اپنی آنکھوں سے آنحضرت ﷺ کو دیکھ رہے تھے ان کے سامنے یہ ساری شہادتیں سچی ثابت ہو رہی تھیں لیکن انہوں نے

(۱) برناباس کی انجیل-باب ۴۴: ۱۹تا ۳۲۔

انکار ہی کیا۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آکر اس سے بڑھ کر کیا شہادت دیں گے کہ سب مان جائیں گے۔ حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے۔

''اور تیرے ماننے والوں کو تیرا انکار کرنے والوں پر قیامت کے دن تک فوقیت دینے والا ہوں پھر میری ہی طرف تمہارا لوٹ کر آنا ہے پس میں تمہارے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔''

یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی بعثت اولیٰ کے وقت ہے جب آپ کو ماننے والے عیسائی اور انکار کرنے والے یہودی قیامت تک رہیں گے تو حضرت عیسیٰؑ آکر کیا کریں گے اگر ان دونوں قوموں کا اختلاف ویسے کا ویسا رہا تو حضرت عیسیٰؑ آکر کیا کارنامہ سرانجام دیں گے۔

۵: مولانا آپ ذرا بھی غور فرماتے تو آپ کو ﴿لما اٰتیتکم من کتٰب و حکمة﴾ کے مدنظر عیسیٰؑ کو اس کام کے لئے زندہ رکھنے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔ عہد نامے تحریری ہوتے ہیں۔ ''میثاق مدینہ'' بھی ایک تحریری دستاویز تھی اور صلح نامہ حدیبیہ بھی۔ ان دونوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستخط موجود ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مکلّف تھے اس کی پابندی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر بھی اتنی ہی لازم تھی جتنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ''کتاب'' کا لفظ صاف بتاتا ہے کہ جو عہد اللہ تعالیٰ نے لیا وہ اس نبی کی کتاب میں درج ہے نبی نے زندہ نہیں رہنا تھا۔ لیکن اس کی امت اور کتاب نے دوسرے نبی کے آنے تک آگے چلنا تھا جیسا کہ فرمایا گیا ہے: ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت دی اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔(۱) نبی کے جانے کے بعد اس کی امت پر اس عہد نامے کی پابندی لازمی تھی۔ جب دوسرا نبی آیا تو اس نے اپنے سے پہلے نبی اور اس کی کتاب کی تصدیق کی اور اس طرح اس عہد نامے کی بھی تصدیق کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس میں درج تھا اور یوں وہ اس پر ایمان لایا اور یہی عہد نامہ اس کی اپنی کتاب میں درج ہوا۔ اسی طرح ایک امت سے دوسری امت تک یہ عہد نامہ کتاب کے ذریعہ منتقل ہوتا رہا تا آنکہ وہ موعود نبی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور

(۱) سورۃ المومن: ۵۳

اللہ نے آپ ﷺ سے فرمایا: کہ "اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں" اور اس میں تمام نسل انسانی جو اس وقت کرۂ ارض پر موجود ہے اور جو بعد میں آنے والی تھی مخاطب تھی اور اس ساری نسل انسانی میں پہلے رسولوں کی امتیں شامل تھیں۔ ہر رسول کو جو تعلیم ملی وہ اس کی کتاب میں درج تھی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جو تعلیم ملی وہ قرآن کریم کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور ہم نے تیری طرف کتاب حق کے ساتھ اتاری اس کی تصدیق کرتی ہوئی جو اس سے پہلے کتاب میں سے ہے اور اس پر نگہبان۔"(۱)

پھر اہل کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

"اے وہ لوگو جن کو کتاب دی گئی ہے اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا ہے (قرآن) اس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے پاس ہے۔"(۲)

قرآن کریم نے تمام سابقہ کتب انبیاء علیہم السلام کی تصدیق حفاظت اور نگہبانی اس طرح فرمائی کہ ان کی تمام صحیح تعلیم کو اپنے اندر محفوظ کرلیا اور وقت کے ساتھ ساتھ ان میں جو تحریف اور ردّ و بدل ہوتا رہا اس کی تصحیح کی۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے متعلق جو پیشگوئیاں ان ساری مذہبی کتب میں درج ہیں وہ جوں کی توں ہیں ان میں سے کسی کو ردّ و بدل کی توفیق ہی نہیں ملی اس کا مطالعہ کرنا ہو تو ہمارے مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب کی معرکۃ الآرا تصنیف "میثاق النبیین" پڑھ لیجئے آپ کا دل روشن ہو جائے گا۔

اسلئے یہ عہد نامہ یا "میثاق" نبیوں کے ذریعے ان کی امتوں سے لیا گیا تھا اور جو ان کی کتب میں متواتر درج ہوتا چلا آرہا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے، "انما اخذ اللہ میثاق النبیین علی اممھم" یعنی اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا میثاق ان کی امتوں پر لیا۔ اس لئے حضرت عیسیٰؑ کی کتاب انجیل اور آپ کی امت کے ذریعہ یہ میثاق پورا ہو چکا ہے۔ اب دوبارہ آکر حضرت عیسیٰؑ کو یہ شہادت دینے کی ضرورت نہیں کہ جس شخص محمد ﷺ نامی نے مجھ سے پہلے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا وہ سچا تھا۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور اس کی مدد کرتا ہوں۔ اس طرح تو حضرت عیسیٰؑ سے پہلے گزرنے والے انبیاء میں سے کوئی بھی نہ آپ

(۱) سورۃ المائدۃ: ۴۸ (۲) سورۃ النساء: ۴۷

ﷺ پر ایمان لایا اور نہ آپ ﷺ کی مدد کی جو اللہ تعالیٰ کی معیت میں داخل ہے کیونکہ انہوں نے کہا تھا "اقررنا" اور نہ ہی قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت نظر آتی ہے جس سے یہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے یہ فرض حضرت عیسیٰ کو تفویض کر دیا تھا اور اگر کیا بھی تھا تو وہ رسول کریم ﷺ کی زندگی میں اسے ادا کرنے کے لئے آسمان سے نیچے نہ آئے اور نہ ہی اللہ نے انہیں بھیجنا مناسب سمجھا اور اس طرح خود ہی اقرار لے کر خود ہی تڑوا دیا۔

آپ کا فرمانا ہے کہ حضرت عیسیٰ آنحضرت ﷺ کے بعد آ کر دوسرے انبیاء کی طرف سے "نیابةً" اور اپنی طرف سے "اصالةً" یہ میثاق پورا کریں گے یعنی آپ ﷺ پر ایمان بھی لائیں گے اور آپ ﷺ کی مدد بھی کریں گے لیکن اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل غور امر یہ ہے کہ وہاں الفاظ "میثاق النبیین" ہیں اس لئے حضرت عیسیٰ کو ایک نبی کی حیثیت اور مستقل نبی کی حیثیت میں آ کر یہ میثاق پورا کرنا ہوگا کیونکہ وہاں صاحب کتاب اور مستقل نبیوں کا ہی ذکر ہے جیسا کہ ساتھ ہی، "لما اتیتکم من کتاب"، الفاظ ہیں جب آنحضرت ﷺ کے بعد ایک صاحب کتاب نبی آئے گا تو ختم نبوت کی مہر کہاں ثابت رہے گی۔ ایک بار تو حضرت عیسیٰ پر انجیل اتر چکی ہے جس میں آنحضرت ﷺ کے متعلق شہادت موجود ہے۔ اب ان پر کوئی دوسری کتاب اترنی چاہیئے جو بغیر وحی الٰہی بوساطت جبرائیل ممکن نہیں۔ اسلئے آنحضرت ﷺ کے بعد اجرائے نبوت اور وحی کا ایک نیا سلسلہ ماننا پڑتا ہے۔ جسے تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ اس لئے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ تسلیم نہیں کرسکتا۔ اس سے آنحضرت ﷺ نہ خاتم النبیین رہتے ہیں۔ نہ قرآن خاتم الکتاب اور نہ اسلام ایک مکمل دین۔ اب خود ہی سوچ لیجئے اجرائے وحی اور نبوت کا قائل کون ہے اور ختم نبوت کا منکر کون۔ ہم یا آپ؟

مولانا جناب برکت اے خان کی طرف سے جو بشارتی کمیٹی سیالکوٹ ڈایوسیس کونسل (عیسائی تنظیم) کے ایک معزز رکن ہیں ایک کتابچہ، "فلسفہ وحدت الوجود" شائع ہوئی ہے جو مجھے ابھی ابھی ملی ہے میں آپ کی توجہ اس کے صفحہ ۶۸ پر ان سطور کی طرف مبذول کرنے کی اجازت چاہتا ہوں:

> "چنانچہ خداوند یسوع خدائے کامل اور انسان کامل بھی ہے۔ وہ پیکر حق وصداقت، الٰہی سیرت، قدرت، اختیار، آسمانی جلال اور الوہیت کی ساری معموری کے سبب اور بعد از مصلوب ومقتول تیسرے دن مُردوں میں سے جی اٹھنے کی قدرت

اور زندہ بجسد عنصری صعود آسمانی کی بے مثل جلالی عظمت کے سبب ''ابن اللہ'' ہے اور ''کلمۃ اللہ'' ہے۔''

آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ وہ بجسد عنصری آسمان پر اٹھائے گئے اور واپس آئیں گے امت مسلمہ کی اصلاح کریں گے۔ تو کیا جواب ہے آپ کے پاس عیسائیوں کے ان الفاظ کا کہ ''ابن اللہ'' ہے۔ ''کلمۃ اللہ'' ہے۔ ''خدائے کامل اور انسان کامل ہے۔ پیکر حق وصداقت، الٰہی، سیرت، قدرت، اختیار'' بھی اسے حاصل ہے کہاں ہے آپ کی نگاہ میں۔ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین کی وہ عظمت اور رفعت جب آپ کا اور عیسائیوں کا ایک ہی عقیدہ ہے تو کیا آپ خدا کے ساتھ شرک کے مرتکب نہیں ہو رہے؟ ذرا خدا کا خوف دل میں کھا کر ذرا ختمی المرتبت کی اس فضیلت کو جو آپ محض زبانوں سے انہیں دوسرے انبیاء علیہم السلام پر دیتے ہیں سامنے رکھ کر ضد اور تعصب کے جذبات سے اپنے دل کو خالی کر کے تنہائی اور فرصت کے لمحات میں اس پر غور فرمائیں کہ یثرب کے نبی معصوم کو جنہیں ساری نسل انسانی کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا۔ آپ مدینہ میں مدفون سمجھتے اور آپ کے روضہ مبارک کی زیارت کی تمنا اور تڑپ دل میں لئے پھرتے ہیں۔ مگر حضرت عیسیٰ کو جنہیں انجیل اور قرآن دونوں بنی اسرائیل کی طرف بھیجا جانے والا رسول کہتے ہیں انہیں عرش پر زندہ سلامت سمجھے بیٹھے ہیں۔

''اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔'' (۱)

''اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں''۔ (۲)

ورسولا الی بنی اسرائیل (۳)

نوٹ: جہاں تک آپ کے خیال کا تعلق ہے کہ ''میں حضرت مرزا صاحب کے ''دعاوی'' کے بارے میں آپ کے دلائل کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہیں'' میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حیات وممات مسیح کے مسئلہ

(۱) متی - باب ۱۵: ۲۴۔

(۲) سورۃ الصف: ۶ (۳) سورۃ ال عمران: ۴۹

کا فیصلہ ہو جانے کے بعد میں انشاء اللہ العزیز آپ کے ان ''دلائل'' کا بھی سامنا کروں گا۔ اور یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ غلط آپ سمجھے بیٹھے ہیں یا ہم؟ گم کردہ راہ آپ ہیں یا ہم؟ اور حقیقی معنوں میں ختم نبوت کے قائل ہم ہیں یا آپ؟

جواب کا منتظر

خلیل الرحمان - مدیر پیغام صلح

بینات - ذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ

عقیدہ حیات مسیح علیہ السلام

(جواب ——— مدیر پیغام صلح)

دفتر ختم نبوت، ۲۹ شعبان ۹۷ھ - ۱۶ اگست ۷۷ء

مکرم و محترم جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب۔ زیدت عنایاتھم

میرے خط محررہ ۹ جون ۷۷ء کا جواب بذریعہ ''پیغام صلح'' ۳۔ اگست ۷۷ء کو مجھے موصول ہوا اور میں نے بڑی دلچسپی سے اس کا مطالعہ کیا جواباً چند گزارشات پیش حدمت ہیں۔

۱: میں نے عرض کیا تھا کہ کسی اسلامی عقیدہ کا ثبوت (۱) یا تو قرآن کریم سے ہوسکتا ہے، (۲) یا حدیث متواتر سے، (۳) یا اجماع امت سے اور یہ کہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ قرآن کریم۔ حدیث متواتر اور اجماع امت تینوں سے ثابت ہے۔ اس کے بعد میں نے ان تینوں کے حوالے علی الترتیب پیش کئے تھے جن کا انکار آپ نہیں کر سکے۔ مگر ان کے جواب میں آپ فرماتے ہیں کہ ''میرے لئے قرآن سے باہر کوئی دلیل منظور نہیں'' گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متواتر ارشادات اور ائمہ ہدیٰ کے اتفاقی و اجماعی عقائد کی آپ کے نزدیک کوئی قیمت نہیں۔ آپ صرف قرآن کو مانتے ہیں اور اس کی تفسیر بھی صرف وہی جو آنجناب کے ذہن عالی میں آئے، اس کے علاوہ کوئی تفسیر آپ کے لئے قابل قبول نہیں۔ خواہ وہ پوری امت کی متفقہ و مسلمہ ہو۔ اور خواہ وہ آپ کے ''مامور من اللہ'' کی تفسیر ہو۔

حیات عیسیٰ علیہ السلام کو تو قبول کیجئے یا نہ کیجئے۔آپ کی اپنی صوابدید ہے مگر یہ گزارش ضرور کروں گا کہ آپ نے حیات عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدہ سے گریز اختیار کرنے کا جو راستہ اپنایا ہے وہ بڑا ہی خطرناک راستہ ہے۔اور اس کی وجوہ حسب ذیل ہیں۔

اولاً: میں آپ کے سامنے قرآن کریم اور آپ کے مسلمہ مامور من اللہ کی الہامی تفسیر پیش کروں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات متواترہ کا حوالہ دوں۔گزشتہ صدیوں کے اجماع سلف صالحین کو ذکر کروں اور آپ ہر ایک کے جواب میں ''نامنظور'' کا لفظ کہہ کر فارغ ہو جائیں تو انصاف سے کہیے کہ پھر میں کسی اسلامی عقیدہ کے ثبوت میں اور کیا پیش کروں؟

ثانیاً: خود قرآن کریم کا ثبوت بھی تواتر سے ہے۔اگر تواتر ہی آپ کیلئے نامنظور ہو تو قرآن کریم کا قطعی ثبوت آپ کس دلیل سے پیش کریں گے؟

ثالثاً: جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں ''تواتر ایک ایسی چیز ہے کہ اگر غیر قوموں کی تواریخ کے رو سے بھی پایا جائے تو تب بھی ہمیں قبول کرنا ہی پڑتا ہے''(۱) اور پھر تواتر سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ آنکھوں دیکھی چیز کی طرح قطعی اور بدیہی ہوتا ہے،اس میں کبھی کسی نادان بچے کو بھی شک نہیں ہوتا مگر کتنے تعجب کی بات ہے کہ امت محمدیہ کے ثقہ اور امین لوگوں کے تواتر کو آپ حیات عیسیٰ علیہ السلام سے بچنے کے لئے ''نامنظور'' فرما رہے ہیں انصاف فرمائیے کہ عقلاء کو آپ کے اس ''نامنظور'' کے بارے میں کیا رائے قائم کرنی چاہیئے؟

رابعاً: آپ آنحضرت ﷺ کے متواتر ارشادات کو ''نامنظور'' فرما رہے ہیں مگر جناب مرزا صاحب کی وصیت یہ ہے

کیوں چھوڑتے ہو لوگو، نبی کی حدیث کو
جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اس خبیث کو(۲)

---

(۱) ازالہ اوہام-حصہ دوم-ص ۵۵۶-مندرجہ روحانی خزائن از غلام احمد قادیانی -۳۹۹/۳- ط: الشرکۃ الاسلامیۃ ربوہ
(۲) ضمیمہ تحفہ گولڑویہ-ص ۳۹

آپ ائمہ اہل سنت کے اجماعی عقیدہ کو نامنظور کہہ کر مسترد کر رہے ہیں مگر جناب مرزا صاحب کی تصریح یہ ہے کہ:

''وہ تمام امور جن پر سلف صالحین کو اعتقادی اور عملی طور پر اجماع (اجماع) تھا اور وہ امور جو اہل سنت کی اجماعی رائے سے ہے اسلام کہلاتے ہیں ان سب کا ماننا فرض ہے۔''(۱)

''اور جس شخص نے اس شریعت میں ایک ذرہ کی کمی بیشی کی یا کسی اجماعی عقیدہ کا انکار کیا اس پر خدا کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔''(۲)

خامساً: اگر آپ قرآن سے باہر کوئی دلیل قبول نہیں کرتے تو آپ کے اور مسٹر غلام احمد پرویز کے مسلک میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اہل قرآن بھی تو یہی نعرہ لگاتے ہیں کہ قرآن سے باہر کوئی دلیل اور ان کی خود تراشیدہ تفسیر کے سوا کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی تفسیر ان کے لئے لائق قبول نہیں۔ بلکہ خوارج ،جہمیہ ،معتزلہ، باطنیہ وغیرہ سے لے کر دور حاضر کے لکھے پڑھے جاہلوں تک سب کا موقف یہی رہا ہے کہ سلف صالحین پر اعتماد نہ کیا جائے بلکہ جو کچھ اپنی عقل میں آئے اسی کو قرآن کے نام پر پیش کیا جائے۔

مجھے معاف کیجئے اگر میں گزارش کروں کہ ایمان کی حفاظت اور دین کی سلامتی کا واحد راستہ سلف صالحین کی اقتداء اور گزشتہ صدیوں کے ائمہ ہدیٰ کی پیروی ہے اور یہ میری اختراعی رائے نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ اور تمام مجددین امت کی یہی وصیت ہے۔اس لئے ہمیں کسی عقیدہ کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے یہ دیکھنا ہوگا کہ صحابہ وتابعین اور سلف صالحین کا عقیدہ کیا تھا۔انہوں نے قرآن کریم اور ارشاداتِ نبویہ کا کیا مطلب سمجھا تھا۔پس جبکہ میں نے حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا ثبوت قرآن کریم اور حدیث متواتر سے پیش کرنے کے ساتھ یہ بھی ثابت کر دیا تھا کہ تیرہ سو سال سے تمام اکابرِ امت کا عقیدہ بھی یہی چلا آتا ہے تو اس کے بعد آنجناب کا یہ کہنا قطعاً قرین انصاف نہیں کہ آپ نہ تو قرآن کریم سے باہر کوئی دلیل قبول کرنے کے لئے تیار ہیں نہ کسی اصول اور ضابطے کی پابندی کے لئے آمادہ ہیں۔ کیونکہ آنجناب

(۱) ایام الصلح از غلام احمد قادیانی -ص ۸۷-ط: مطبع ضیاء الاسلام قادیان

(۲) انجام آتھم -ص ۱۴۴۔

کے اس ارشاد کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ سے پہلے کسی نے قرآن کریم کو نہیں سمجھا، نہ آنحضرت ﷺ نے، نہ صحابہ وتابعین نے، نہ ائمہ مجتھدین نے، بلکہ یہ سب کے سب نعوذ باللہ فہم قرآن سے عاری اور اپنی اٹکل پچو رائے کے پیرو تھے۔ یہاں میں آنجناب کو امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا ایک فقرہ یاد دلاؤں گا:

> ''جماعۃ کہ ایں اکابر دین را اصحاب رائے میدانند اگر ایں اعتقاد دارند کہ ایشاناں بہ رائے خود حکم میکردند ومتابعتِ کتاب وسنت نمے نمودند، پس سواد اعظم از اہل اسلام بزعم فاسد ایشاں ضال ومبتدع باشند بلکہ از جرگۂ اہل اسلام بیروں بوند۔ ایں اعتقاد نکند مگر جاہلے کہ از جہل خود بے خبر است یا زندیقے کہ مقصودش ابطال شطر دین است۔''(۱)

جو لوگ ان اکابر دین کو ''اصحاب رائے'' سمجھتے ہیں اگر وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ حضرات اپنی رائے سے حکم کرتے تھے اور کتاب وسنت کی پیروی نہیں کرتے تھے تو مسلمانوں کا سواد اعظم ان کے زعم فاسد کے مطابق گمراہ اور بدعتی ٹھہرے گا بلکہ اہل اسلام کی جماعت ہی سے خارج ہوگا۔ ایسا نظریہ یا تو اس جاہل کا ہوسکتا ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہو۔ یا ایسے زندیق کا۔ جس کا مقصود دینِ اسلام کے ایک حصہ کو باطل ٹھہرانا ہو۔

۲: میں نے سب سے پہلے عقیدہ حیات عیسیٰ علیہ السلام پر قرآن کی آیت اور اس کے ذیل میں جناب مرزا صاحب کی الہامی تفسیر پیش کی تھی اور لکھا تھا کہ یہ آیت ہمارے زیر بحث عقیدہ میں قطعی الثبوت بھی ہے اور قطعی الدلالت بھی۔ اور خدا تعالیٰ کی قطعی پیش گوئی پر ایمان لانے میں پس وپیش کرنا کسی مومن کا شیوہ نہیں۔ آنجناب نے اس کا جو جواب دیا ہے وہ میرے لئے سرمایۂ صد حیرت ہے آنجناب لکھتے ہیں:

> ''آپ یہ بھول گئے ہیں کہ براہین احمدیہ حصہ چہارم ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا راز آپ پر (یعنی مرزا صاحب پر) ۱۸۹۰ء میں اس الہام کے ذریعہ منکشف ہوا مسیح بن مریم فوت ہوگیا ہے و جعلنا ک المسیح بن

(۱) مکتوبات امام ربانی - دفتر دوم - مکتوب نمبر ۵۵ - ۵۵/۲

مریم اس کے مدنظر آپ نے ۱۸۹۱ء میں دعویٰ مسیح موعود تک قرآن کریم کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی اطلاع کو جانچا اور پرکھا۔ جب آپ کو یقین ہوگیا کہ قرآن کریم وفات مسیح کی تصدیق کرتا ہے تو آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے وفات مسیح کے عقیدہ کی تائید میں قرآن کریم سے ۳۰ آیات پیش کیں۔ جو ازالۂ اوہام میں بالتفصیل مذکور ہیں اسلئے آپ کو (یعنی راقم الحروف کو) چاہئے تھا کہ آپ ۱۸۹۱ء کے بعد کی تفسیر پیش کرتے جس میں سے حضرت مرزا صاحب کا عقیدہ دربارہ حیات مسیح مستنبط ہوسکتا۔''

میں صفائی سے عرض کردینا چاہتا ہوں کہ میں آپ کے اس جواب کو آنجناب ایسے بالغ نظر پروفیسر کی شان سے قطعاً فروتر سمجھتا ہوں غالباً آنجناب نے مندرجہ ذیل امور پر توجہ نہیں فرمائی:

اول: سب سے پہلے تو وفات مسیح کو ایک راز کہنا ہی سائنسی دنیا میں ایک نیا انکشاف کہلانے کا مستحق ہے جو مسئلہ بقول آپ کے قرآن کریم کی تیس آیتوں میں صراحۃً بیان کیا گیا۔ کیا اسے ''راز'' کہنا علم وعقل سے انصاف ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ وضو کا مسئلہ قرآن کریم کی صرف دو آیتوں میں بیان کیا گیا ہے، کیا آپ دنیا کے کسی عاقل کا نام بتاسکتے ہیں جو بقائمی ہوش وحواس وضو کو ایک ''راز'' سمجھتا ہو۔

دوم: پھر اس ''راز'' کے لئے الہام کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ مرزا صاحب سے پہلے جناب سرسید احمد خان بہادر کی نیچریت اس راز کا افشا کرچکی تھی۔ اور جناب حکیم نوردین، جناب مولوی عبدالکریم، جناب محمد احسن امروہی وغیرہ سرسید کی تقلید میں وفات مسیح کی منادی کررہے تھے۔ اسے نہ تو ''راز'' کہنا صحیح ہے نہ اس کے ''انکشاف'' کے لئے الہام کی احتیاج۔

سوم: ایک طرف امت کا اجماعی عقیدہ تھا کہ مسیح علیہ السلام زندہ ہیں۔ دوسری طرف سرسید اور اس کے رفقاء کا نیچری عقیدہ تھا کہ مسیح مرگیا۔ عین اس حالت میں بقول آپ کے مرزا صاحب کو وفات مسیح کا الہام ہوتا ہے اور وہ امت کے اجماعی عقیدہ سے انحراف کرکے قرآن میں وفات مسیح کا گم شدہ راز ڈھونڈھنے لگتے ہیں۔ بالآخر ان پر یہ انکشاف ہوتا ہے کہ قرآن کی تیس آیتیں وفات مسیح کی تصریح کرتی ہیں۔ آپ کی یہ تقریر جناب مرزا صاحب کے بارے میں بے حد بدظنی پیدا کرتی ہے، اوران کی حیثیت کو

یکسر مشکوک بنا دیتی ہے۔ کیونکہ ایک غیر جانبدار یہ کہہ سکتا ہے کہ مرزا صاحب کا الہام اور اس سے پیدا شدہ نظریات ودعاوی سرسیّد کے افکار کی صدائے بازگشت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جناب مرزا صاحب کو سب سے پہلے انہی لوگوں نے قبول کیا ہے جو سرسید کے غالی معتقد تھے۔ وہاں نیچریت پر عقلیت کا غلبہ تھا اور یہاں کشف والہام کا دبیز پردہ۔

چہارم: آنجناب نے مرزا صاحب کی زندگی کے دودور تجویز کئے ہیں۔ پہلا ۱۸۹۰ء تک کا اور دوسرا ۱۸۹۱ء سے آخر حیات تک کا پہلے دور میں وہ حیات مسیح کے قائل تھے اور دوسرے میں وفات مسیح کے۔ پہلے دور میں وہ قرآن کریم سے عقیدہ حیات پیش کرتے تھے اور دوسرے میں وفات کا عقیدہ پہلے دور میں ان پر ظاہر کیا گیا تھا کہ ''مسیح علیہ السلام کی زندگی کے دودور ہیں انہیں مسیح کی پہلی زندگی سے مشابہت ہے۔ انہیں اللہ تعالی نے مسیح کی پیش گوئی میں شریک کر رکھا ہے اور آیت کا مصداق مسیح علیہ السلام کی جلالی آمد ہے'' اور دوسرے دور میں اس کے برعکس ان پر یہ ظاہر کیا گیا کہ مسیح کی زندگی کا بس ایک ہی دور تھا جسے وہ پورا کر کے فوت ہو چکے ہیں پہلے دور میں ان کو **وان عدتم عدنا** کا الہام ہوا تھا جس میں مسیح علیہ السلام کے دوبارہ آنے کی پیش گوئی کی گئی تھی۔ اور دوسرے دور میں اس کے برعکس یہ الہام ہوا کہ مسیح مر گیا ہے۔ دوبارہ نہیں آئے گا۔

الغرض حیات ووفات مسیح کے بارے میں مرزا صاحب کے دوعقیدے ہیں۔ دوتفسیریں ہیں۔ اور دوالہام ہیں، جو آپس میں متناقض ہیں ہم اور آپ اتنی بات پر تو متفق ہیں کہ ان میں سے ایک صحیح ہے اور ایک غلط۔ گویا مرزا صاحب کی اعتقادی غلطی، تفسیری غلطی اور الہامی غلطی تو ہماری طرح آنجناب کو بھی مسلم ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ مرزا صاحب اپنے پہلے دور میں غلطی پر تھے یا دوسرے دور میں؟ ہمارا کہنا یہ ہے کہ پہلے دور میں مرزا صاحب سلف صالحین کے مسلک پر تھے لہذا ان کا اس دور کا عقیدہ اس دور کا الہام اور ان کی الہامی تفسیر ہی قابل قبول ہے۔ اس کے مقابلہ میں آنجناب کا خیال یہ ہے کہ جب تک مرزا صاحب آنحضرت ﷺ کے ارشادات متواترہ اور سلف صالحین کے اجماع سے متفق تھے اس وقت تک تو ان کا عقیدہ بھی غلط تھا۔ ان کا فہم قرآن بھی غلط تھا اور ان کا الہام بھی غلط تھا۔ جونہی انہوں نے سرسید احمد خان سے ہمنوائی کی ان کا عقیدہ بھی صحیح ہو گیا۔ ان کے الہام بھی قابل اعتبار ہو گئے اور انہیں قرآن کریم بھی صحیح سمجھ آنے لگا۔ میں آنجناب ہی کو منصف بناتا ہوں کہ عقل وانصاف کی میزان میں ہمارا موقف وزنی ہے یا آپ کا؟

پنجم: آپ فرماتے ہیں کہ ۱۸۹۰ء میں مرزا صاحب پر وفات مسیح کا راز منکشف ہوا، اور اس کے بعد انہوں نے وفات مسیح کی تیس آیات ڈھونڈ نکالیں، میں پوچھتا ہوں ۱۸۹۰ء تک یہ تیس آیات مرزا صاحب کو قرآن کریم میں کیوں نظر نہ آئیں؟ کیا یہ تیس آیات ۱۸۹۰ء کے بعد نازل ہوئی تھیں؟ یا اس سے پہلے جناب مرزا صاحب کے علم وفہم میں کچھ نقص تھا؟ آنجناب کی تحقیق کے مطابق اس وقت مرزا صاحب کی عمر ۵۵ برس تھی گویا وہ چالیس برس سے عاقل و بالغ تھے اور پندرہ برس سے وہ اپنے مجدد، محدث، ملھم اور مامور من اللہ ہونے کا اشتہار بھی دے رہے تھے۔ انہیں ساری دنیا سے زیادہ فہم قرآن کا بھی دعوی تھا، سوال یہ ہے کہ مسلسل چالیس برس [1] تک انہیں قرآن کریم کی یہ تیس آیتیں کیوں سمجھ میں نہ آئیں اور مرزا صاحب کے فہم رسا کی رسائی ان تک کیوں نہ ہوئی؟ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ سرسید تو قرآن کی ان آیات کا مطلب سمجھ جائے لیکن مرزا صاحب نہ سمجھیں؟ اور پھر سوال صرف مرزا صاحب کا نہیں بلکہ یہی سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے بارے میں بھی پیدا ہوتا ہے ان تیس آیات کا مطلب ان اکابرین نے کیوں نہ سمجھا؟ اور وہ تسلسل اور تواتر کے ساتھ حیات عیسی علیہ السلام کا عقیدہ کیوں رکھتے آئے؟ کیا قرآن کسی ایسی زبان میں نازل ہوا جس کو صرف سرسید کی نیچریت اور جناب مرزا صاحب کا الہام ہی سمجھ سکتا ہے؟

ششم: دور اوّل میں جناب مرزا صاحب نے حیات مسیح کا عقیدہ خود تحریر فرمایا، اس کے لئے قرآن کریم کی سند پیش کی، اور اس کی تائید میں اپنا الہام بھی پیش فرمایا لیکن دوسرے دور میں انہوں نے اس عقیدے کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ مجھ سے زیادہ آپ کو معلوم ہے۔ مثلاً:

''حضرت عیسی کا زندہ آسمان پر جانا محض گپ ہے۔'' (۱)

''بتلاؤ یہ ایمانداری ہے یا بے ایمانی؟'' (۲)

''صاف اور صریح طور پر نصوص صریحہ قرآن شریف کے برخلاف ہے۔'' (۳)

''پس یہ کس قدر جھوٹ ہے۔'' (۴)

''محض جھوٹ کی حمایت۔'' (۵)

---

(۱) ضمیمہ براہین احمدیہ از غلام احمد قادیانی - حصہ پنجم - ص ۱۰۰ - ط: انوار احمدیہ پریس قادیان۔

(۲) حوالہ بالا - ص ۱۱۸۔ (۳) حوالہ بالا - ص ۱۷۷ (۴) حوالہ بالا - ص ۱۱۸ (۵) حوالہ بالا - ص ۲۰۴۔

یہ بطور نمونہ چند فقرے نقل کئے ہیں، ورنہ ان کے اس قسم کے ارشادات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احصاء ممکن نہیں انصاف فرمایئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متواتر ارشادات اور امت محمدیہ ﷺ کے تمام اکابر مجددین (نعوذ باللہ) محض گپیں ہانکتے رہے؟ قرآن کریم کے نصوص صریحہ کی صاف اور صریح طور پر خلاف ورزی کرتے رہے؟ بے ایمانی اور جھوٹ پر متفق رہے اور محض جھوٹ کی حمایت کرتے رہے اس بات کو بھی جانے دیجئے، صرف یہی دیکھئے کہ تبدیلی عقیدہ کے بعد خود مرزا صاحب کی پہلی شخصیت کیسی نظر آتی ہے اور ان کے تجویز فرمائے ہوئے القاب خود ان پر کیسے چسپاں نظر آتے ہیں؟

محترم پروفیسر صاحب! حق تعالیٰ نے آپ کو عقل وفہم کا جوہر عطا فرمایا، سوچئے اور انصاف کیجئے اگر قرآن کریم کی تیس آیتوں میں واقعی وفات مسیح کی تصریح کی گئی ہوتی تو کیا امت محمدیہ ﷺ کے اکابر بقول مرزا صاحب کے قرآن کریم کے نصوص صریحہ کے برخلاف عقیدہ رکھ سکتے تھے محض گپ تراشی کرسکتے تھے جھوٹ اور بے ایمانی کے مرتکب ہوسکتے تھے؟ کیا اس کے بجائے ہمارے لئے یہ آسان نہیں کہ ہم یہ یقین رکھیں کہ جناب مرزا صاحب کو الہام میں غلطی لگی ہے۔

اور پھر دوسری غلطی ان سے یہ سرزد ہوتی کہ انہوں نے قرآن کریم کو اس غلط ''الہام'' کے مطابق ڈھالنا شروع کردیا۔ جناب مرزا صاحب لکھتے ہیں:

من تفوه بكلمة ليس له (لها) اصل صحيح فى الشرع ملهما
كان او مجتهدا فبه الشياطين متلاعبة (۱)

جو شخص ایسا کلمہ منہ سے نکالے جس کی کوئی اصل صحیح شرع میں نہ ہو خواہ وہ ملہم ہو یا مجدد۔ پس شیاطین اس کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔

گزارش یہ ہے کہ ایک طرف آنحضرت ﷺ سے لے کر چودہ صدیوں کے اکابر امت اور ائمہ ہدیٰ ہیں اور دوسری طرف جناب مرزا صاحب۔ ان دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کے بارے میں ماننا پڑے گا کہ بقول مرزا صاحب ''شیاطین اس کے ساتھ کھیل رہے ہیں'' اب دیکھئے کہ حیات عیسیٰ علیہ

(۱) آئینہ کمالات اسلام از غلام احمد قادیانی (دافع الوسواس) ۔ص ۲۱ ۔ط: مطبع ریاض ہند قادیان۔

السلام کی کوئی اصل صحیح شرع میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو تمام ائمہ مجددین پر مرزا صاحب کا یہ فتوی عائد ہوتا ہے اور اگر حیات عیسیٰ علیہ السلام کا شرعی ثبوت موجود ہے تو یہی فتوی خود مرزا صاحب پر عائد ہونا چاہئے۔ غالباً آنجناب مرزا صاحب کے بجائے سلف صالحین کو "شیاطین کے ہاتھ کا کھلونا" سمجھتے ہوں گے۔ مگر میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ کسی فرد کے الہام واجتہاد اور فہم قرآن میں تو غلطی لگ سکتی ہے مگر پوری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی۔ اور اگر عقیدہ حیات کا صحیح ثبوت نہ ہوتا تو سلف صالحین اور اکابر مجددین کبھی یہ عقیدہ نہ رکھتے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ غلطی جناب مرزا صاحب ہی کو لگی، شیخ محی الدین ابن عربیؒ فتوحات کے باب میں فرماتے ہیں کہ "اس قسم کے شبہات سالکین کو پیش آتے رہتے ہیں اور ایسی حالت میں شیخ ومرشد کامل کی تربیت واصلاح کی ضرورت پیش آتی ہے چنانچہ ہمارے شیخ کو بھی ایک دفعہ ایسا واقعہ پیش آیا تھا، جبکہ ان کو الہام ہوا کہ تو عیسیٰ بن مریم ہے۔ (۱)

اگر جناب مرزا صاحب کا بھی کوئی مرشد ہوتا تو اس کی توجہ سے ان کا یہ شبہ زائل ہوجاتا۔ مگر افسوس کہ مرشد کامل کے نہ ہونے کی وجہ سے مرزا صاحب نے اپنے الہام کو واقعی سمجھ لیا اور اس پر یہاں تک اعتماد کرلیا کہ اس کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر بھی کرنے لگے۔ اس طرح ان کا راستہ مسلمانوں سے الگ ہوگیا۔

ہفتم: آنجناب فرماتے ہیں کہ ۱۸۹۰ء میں مرزا صاحب کو بذریعہ الہام "مسیح بن مریم" بنادیا گیا، اور اس الہام کی بنیاد پر انہوں نے ۱۸۹۱ء میں "مسیح موعود" ہونے کا دعویٰ کیا مگر اس کے برعکس مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

> "اے برادران دین وعلمائے شرع متین! آپ صاحبان میری ان معروضات کو متوجہ ہوکر سنیں کہ اس عاجز نے جو مثیل موعود ہونے کا دعوی کیا ہے جس کو کم فہم لوگ "مسیح موعود" خیال کر بیٹھے ہیں۔ یہ کوئی نیا دعوی نہیں جو آج ہی میرے منہ سے سنا گیا ہو۔ بلکہ یہ وہی پرانا الہام ہے جو میں نے خدا تعالی سے خبر پاکر براہین احمدیہ کے کئی مقامات پر بتصریح درج کردیا تھا جس کے شائع کرنے پر سات سال

(۱) الفتوحات المكية للشيخ محى الدين العربى -باب ۸۱.

سے بھی کچھ زیادہ عرصہ گزر گیا ہوگا۔ میں نے یہ دعوی ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح بن مریم ہوں۔ جو شخص یہ الزام میرے پر لگائے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے، بلکہ میری طرف سے عرصہ سات سال یا آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں۔''(۱)

آپ کی اور جناب مرزا صاحب کی عبارت میں واضح طور پر تناقض ہے چنانچہ:

الف: آپ فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب کو ۱۸۹۰ء میں الہام ہوا کہ ''ہم نے تجھ کو مسیح بن مریم بنادیا'' اس کے برعکس مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ یہ وہی پرانا الہام ہے جو براہین احمدیہ کے کئی مقامات پر بتصریح درج ہے۔

ب: آپ فرماتے ہیں کہ ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا۔ اس کے برعکس مرزا صاحب کا ارشاد ہے کہ یہ کوئی نیا دعوی نہیں جو آج ہی میرے منہ سے سنا گیا ہو۔

ج: آپ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا، مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ اس عاجز نے مثیل موعود ہونے کا دعوی کیا ہے جس کو کم فہم لوگ ''مسیح موعود'' خیال کر بیٹھے ہیں۔

د: آپ لکھتے ہیں کہ الہام نے مرزا صاحب کو مسیح بن مریم بنایا (انا جعلناک المسیح بن مریم) مگر مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ ''میں نے مسیح بن مریم ہونے کا دعوی ہرگز نہیں کیا، جو شخص یہ الزام میرے پر لگائے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے۔''

کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کی بات صحیح ہے یا مرزا صاحب کی؟ وہ کم فہم لوگ کون ہیں جو مرزا صاحب کو ''مسیح موعود'' خیال کر بیٹھے ہیں؟ اور وہ سراسر مفتری اور کذاب کون ہیں جس نے مرزا صاحب کو ''مسیح بن مریم'' کا خطاب دیا؟ مسیح اور مثیل مسیح ایک ہی چیز ہے یا الگ الگ؟ کیا مرزا صاحب کا کوئی الہام ایسا ہے جس میں ان کو ''مثیل مسیح'' کہا گیا ہو؟ آپ قرآن کریم سے باہر کوئی دلیل قبول نہیں کرتے، قرآن کریم کی وہ کونسی آیت ہے جس میں مرزا غلام احمد قادیانی کو ''مسیح'' یا ''مثیل مسیح'' کہا گیا ہے؟ اور آنجناب

(۱) ازالہ اوہام از غلام احمد قادیانی - حصہ اول - ص ۱۹۰ - مندرجہ روحانی خزائن - ۳/۱۹۲ - ط: الشرکۃ الاسلامیۃ ربوہ۔

نے وہ آیت پڑھ کر مرزا صاحب کو (ان کے دعوی کے علی الرغم) مسیح موعود مان لیا ہے؟

۳: آپ لکھتے ہیں قرآن کریم سے حیات مسیح ثابت کرنے کے لئے آپ نے تین آیات پیش کی ہیں:

الف: **هو الذی ارسل رسوله...... الایة** .(الفتح : ۲۸)

ب: **میثاق النبیین .... الایة** .(ال عمران : ۸۱)

ج: **وان عدتم عدنا .... الایة** .(الاسراء : ۸)

معاف کیجئے، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں نے حیات مسیح پر تین نہیں، بلکہ صرف ایک ہی آیت پیش کی تھی آیت میثاق النبیین حیات مسیح پر دلیل کی حیثیت سے پیش نہیں کی تھی۔ بلکہ آپ کے اس شبہ کے ازالہ کے لئے پیش کی تھی کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی آمد سے آنحضرت ﷺ کی تنقیص ہوتی ہے۔ میں نے آیت ''میثاق النبیین'' کے حوالے سے لکھا تھا کہ اگر سارے انبیاء بھی دوبارہ تشریف لے آئیں تو اس میں آپ ﷺ کی تنقیص نہیں بلکہ تعظیم ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح **وان عدتم عدنا** والی آیت مرزا صاحب کا الہام ہے۔ اور میں نے جناب مرزا صاحب کا الہام ہی نقل کیا تھا۔ نہ کہ قرآن مجید کی آیت بہر حال میرے عریضہ کو آپ دوبارہ ملاحظہ فرمائیں، وہاں حیات مسیح پر آپ کو ایک ہی آیت ملے گی، نہ کہ تین ایک کو تین سمجھنا بھی اسی طرح کی غلطی ہے جس طرح کہ تین کو ایک سمجھنا۔

۴: هو الذی ارسل .... کله ، میں آنجناب نے مرزا صاحب کی تفسیر مسترد کر کے خود اپنی تفسیر پیش کر دی ہے بے شک آنجناب علم و فہم اور عقل و دانش میں مرزا صاحب سے فائق ہونگے اس لئے آپ کو یقیناً اس کا حق حاصل ہوگا۔ مگر افسوس ہے کہ میں آنجناب کی ایجاد کردہ تفسیر کو دو وجہ سے قبول نہیں کر سکتا۔ اوّل اس لئے کہ آنجناب مرزا صاحب پر ایمان رکھتے ہیں اور انہیں ''مامور من اللہ'' مانتے ہیں ادھر مرزا صاحب اس کی تفسیر کرتے ہوئے تصریح کرتے ہیں کہ ''اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے''، جس سے ہر شخص یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ مرزا صاحب نے اس آیت کے تحت جو کچھ لکھا ہے ''وہ اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے'' کی روشنی میں لکھا ہے۔ اور میں کسی شخص کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ اپنے ''مامور من اللہ'' کے الہام کے خلاف قرآن کی تفسیر کرنے بیٹھ جائے۔ دوسری بات یہ کہ مرزا صاحب تمام مفسرین کا اجماع نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت سیّدنا عیسی علیہ السّلام کے زمانہ نزول سے متعلق ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

''اس آیت کی نسبت ان سب متقدمین کا اتفاق ہے جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں کہ یہ عالمگیر غلبہ مسیح موعود کے وقت میں ظہور میں آئے گا (اور چونکہ مرزا صاحب کے وقت میں یہ عالمگیر غلبہ ظہور میں نہیں آیا اسی سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب مسیح موعود نہیں۔'' ناقل (۱)

اسی مضمون کو مرزا صاحب نے ازالہ اوہام ص ۶۷۵ تریاق القلوب ص ۴۷ وص ۱۵۳ اور تحفہ گولڑویہ ص ۱۲۳ میں بیان فرمایا ہے۔ اس صورت میں تمام متقدمین کے اتفاق کو، جس پر مرزا صاحب کی الہامی مہر بھی ثبت ہے ترک کر کے آنجناب کی ایجاد کردہ تفسیر کو کیوں قبول کیا جائے؟

۵: آنجناب نے آیت ''میثاق النبیین'' کے ذیل میں اس ناکارہ سے سوال فرمایا کہ ''کیا آپ قرآن کریم سے کوئی ایک ایسی آیت دکھا سکتے ہیں جس میں یہ ذکر ہو کہ حکمت الہیہ نے ان مصالح کی بناء پر حضرت عیسی علیہ السلام کو انبیاء علیہم السلام کی نیابت کے لئے منتخب کیا۔''

جواباً گزارش ہے کہ ایک طرف تو قرآن کریم نے عیسی علیہ السلام کے دوبارہ آنے کی قطعی پیش گوئی کی جسے براہین احمدیہ کے حوالے سے ذکر کر چکا ہوں۔ دوسری طرف قرآن کریم نے یہ اطلاع بھی دی کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے آنحضرت ﷺ کی تصدیق ونصرت کا عہد لیا گیا۔ تیسری طرف یہ عقلی مقدمہ ہے کہ کسی جماعت کی جانب سے ایک نمائندہ منتخب ہو کر کوئی کاروائی کرے تو وہ نیابۃً پوری جماعت کی جانب سے سمجھی جاتی ہے۔ ان مقدمات صحیحہ کے پیش نظر میں نے لکھا تھا کہ ممکن ہے اس عہد و پیمان کے ایفاء کی ایک شکل یہ بھی ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر اپنی طرف سے اصالۃً اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی جانب سے نیابۃً ایمان ونصرت کا عہد پورا فرمائیں رہی یہ بات کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت میں سے حضرت عیسی علیہ السلام ہی کو کیوں اس منصب کے لئے تجویز کیا گیا؟ اس کے بارے میں میں نے لکھا تھا کہ اس کی مصلحت اللہ تعالی ہی بہتر جانتا ہے۔ یہ ایک ایسی صاف اور واضح بات ہے جس میں کسی گنجلک کی گنجائش نہیں تھی۔ مگر آپ ماشاء اللہ اسرار وحکم پر بھی قرآنی آیات کا مطالبہ فرماتے ہیں۔ اور

(۱) چشمہ معرفت از غلام احمد قادیانی۔ص ۸۳ تا ص ۹۱ - ط: نظارت اشارت لٹریچر ربوہ پاکستان۔

مطالبہ کی دلیل یہ کہ ''میرا ایمان ہے کہ انسانوں کی فلاح و بہبود اور اصلاح نفوس کے لئے جو بات ضروری ہوتی ہے اس کو اس کی حکمت نے کبھی پوشیدہ نہیں رکھا۔ اپنے ایسے احکام کو وہ ''آیات بینات'' سے تعبیر کرتا اور ان ''بینات'' کے بعد ہی وہ منکرین کو کافر کا خطاب دیتا ہے۔''

مگر آپ نے یہ بات ملحوظ نہیں رکھی کہ قطعی احکام کا نام ''بینات'' ہے، نہ کہ احکام کی حکمتوں کا۔ اور آپ مجھ سے کسی حکم پر قرآن کریم کی آیت کا مطالبہ نہیں فرما رہے۔ بلکہ ایک قطعی حکم کی جو حکمت میں نے بیان کی اس پر آیت پیش کرنے کو کہہ رہے ہیں، محترم! سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا قرب قیامت میں تشریف لانا قطعی ہے ''آیات بینات'' میں شامل ہے، قرآن کریم، حدیث متواتر اور اجماع امت سب اس کی قطعیت پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں، مگر ان کی تشریف آوری میں کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں ہیں؟ اس کی تفصیل کا جاننا نہ ضروری ہے، نہ ہم جاننے کے مکلف ہیں، اور اگر کوئی شخص کسی حکمت کو بیان کرے تو اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس کے صحیح شواہد موجود ہوں اور بس۔ اگر آپ ہر حکم اور اس کی ہر حکمت کے لئے قرآنی آیات کا مطالبہ شروع کردیں گے تو آپ کو سخت دقت آئے گی غور فرمائے کہ مرزا صاحب کے بقول آپ کے مسیح موعود ہونے کا تعلق انسانوں کی فلاح و بہبود اور انسانوں کی اصلاح سے ہے یا نہیں؟ کیا آپ قرآن کریم کی کوئی آیت دکھا سکتے ہیں کہ مرزا غلام احمد بن مرزا غلام مرتضےٰ قادیانی کے مسیح موعود بنائے جانے میں فلاں فلاں حکمتیں ہیں۔

میرے محترم! کچھ تو انصاف فرمایئے کہ جب آپ ماننے پہ آتے ہیں تو مرزا صاحب کے الہام پر ایمان لے آتے ہیں اور نہیں ماننا ہوتا تو قرآن کریم کی آیت قطعی الدلالت اور حدیث متواتر و اجماع امت سن کر بھی نہیں مانتے بہر حال منوانا میرا کام نہیں، تاہم انصاف و دیانت کی اپیل ضرور کرتا ہوں۔

۶: آنجناب کے جوابات پر گفتگو کرنے کے بعد اب میں آپ کے پیش کردہ شبہات کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں، آنجناب کے شبہات کا مختصر اور جامع جواب یہ ہے کہ جو امر عقلاً ممکن ہو اور مخبر صادق نے اس کی خبر دی ہو اس کا ماننا لازم ہے اور محض احتمالات کے ذریعہ اسے رد کرنا ناروا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا ممکن ہے اور مخبر صادق صلّی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تشریف آوری کی قطعی خبر دی ہے، اس لئے اس خبر کا ماننا مومن کا فرض ہے، اور شبہات کے ذریعہ شارع کی خبر کو رد کر دینا اس کی تکذیب و توہین ہے۔ اس اجمال کے بعد اب تفصیل عرض کرتا ہوں۔

پہلا شبہ:

''وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله'' سے آپ نے یہ اجتہاد کیا ہے کہ ''رسول مطاع ہوتا ہے نہ کہ مطیع۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے مطیع نہیں ہوسکتے۔'' حالانکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اپنی امّت کا مطاع ہوتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک رسول دوسرے کا بھی پیرو نہیں ہوسکتا، دیکھیے! حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے حکم کی پابندی کا عہد کرتے ہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرتے ہیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری پیروی کرتے (۱) ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ ایک رسول دوسرے رسول کا پیرو ہوسکتا ہے، اس میں کوئی خدشہ اور دغدغہ نہیں۔

دوسرا شبہ:

''عیسیٰ علیہ السلام و آخرین منھم میں شامل نہیں ہوسکتے۔ اس لئے وہ آ بھی نہیں سکتے اور زندہ بھی نہیں''۔ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام امت محمدیہ کے ایک فرد کی حیثیت سے تشریف لائیں گے تو وہ اس امت میں کیوں شامل نہیں ہوسکتے؟ اور کیوں نہیں آسکتے؟

تیسرا شبہ:

الفاظ یزکیھم سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ ''ان کا تزکیہ بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوگا'' صحیح نہیں کیونکہ آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ ﷺ امّت کے قابل تزکیہ لوگوں کا تزکیہ فرماتے ہیں، یہ کہاں سے نکل آیا کہ کوئی ''مزکی'' شخص امّت میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر تزکیہ کے مدارج بھی غیر متناہی ہیں۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رفعت و بلندی اور تزکیہ و تصفیہ کی جو دولت اپنی شریعت پر عمل کرنے سے حاصل ہوئی تھی اس سے کہیں بڑھ کر شریعت محمدیہ کی پیروی سے حاصل ہوگی تو اس میں کیا علمی اشکال ہے؟ دیکھئے! آنجناب نے خود ہی انجیل برناباس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

---

(۱) مشکوۃ المصابیح - باب الاعتصام بالکتاب و السنة - ۱ / ۳۰

''اے محمد! اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ہو اور مجھکو اس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں کیوں کہ اگر میں یہ شرف حاصل کرلوں تو بڑا نبی اور اللہ کا مقدس بن جاؤں گا۔

کیا کوئی آپ جیسا عقل منداس کا یہ مطلب نکالے گا کہ آپ کی جوتی کا تسمہ کھولنے سے پہلے نہ تو وہ ''بڑے نبی'' تھے نہ ''مقدس''؟ اور یہ میں آگے چل کر بتاؤں گا کہ ان کی دعا درحقیقت امّت محمدیہ میں شامل ہونے کی دعا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبول بخشا، اور اس ''شرف'' کے حاصل ہونے سے ان کی بڑائی اور تقدس میں واقعتاً اضافہ ہوا۔

چوتھا شبہ:

''کوئی نبی بیک وقت نبی بھی اور امتی بھی، نہیں ہوسکتا''، یہ مقدمہ بالکل غلط ہے، محققین کا مسلک تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نبی الانبیاء ہیں۔ تمام نبی آپ ﷺ کے مقتدی اور تابع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام نبی قیامت کے دن آپ ﷺ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔ قرآن میں جو انبیاء کرام کے آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کا ذکر ہے اس میں بھی اسی طرف اشارہ ہے، خود مرزا صاحب لکھتے ہیں ''قرآن شریف سے ثابت ہے کہ ہر ایک نبی آنحضرت ﷺ کی امت میں داخل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لتومنن به ولتنصرنه"، پس اس طرح تمام انبیاء علیہم السلام آنحضرت ﷺ کی امت ہوئے۔''(۱)

علاوہ ازیں آپ کا قاعدہ مرزا صاحب کے بھی خلاف ہے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ''وہ امتی بھی ہیں اور نبی بھی۔''

پانچواں شبہ:

"لتومنن به ولتنصرنه"، کے مطابق آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے کہنا چاہئے تھا کہ اب وہ رسول مبعوث ہوگیا ہے اب مجھے نیچے اتار دیجئے کہ میں وہ میثاق پورا کروں...... اللہ تعالیٰ نے عہد لے کر اس عہد کو پورا کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آپ کی مدد کے لئے نہ بھیجا آخر کیوں؟''

---

(۱) ضمیمہ براہین احمد از غلام احمد قادیانی - حصہ پنجم - ص ۱۳۳ - ط: انوار احمدیہ پریس قادیان

اس سوال کا جواب یا تو عیسی علیہ السلام دے سکتے ہیں یا اللہ تعالی۔ کیونکہ یہ سوال مجھ پر نہیں بلکہ عیسی علیہ السلام پر ہے یا خدا پر۔ اس لئے اس سوال کو قیامت کے دن کے لئے اٹھا رکھئے۔ وہاں انشاء اللہ ٹھیک ٹھیک جواب مل جائے گا۔ حضرت عیسی علیہ السلام کے نازل کئے جانے کا ایک خاص وقت طے شدہ ہے اور وہ ہے قرب قیامت میں خروج دجال کا وقت۔ اس مقررہ وقت سے پہلے ان کے نزول کے کوئی معنی نہیں تھے۔ نہ وہ یہ احمقانہ سوال کر سکتے تھے کہ مجھے قبل از وقت بھیج دیا جائے۔ اور نہ کسی کو خدا تعالی سے یہ پوچھنے کا حق ہے کہ اب تک انہیں کیوں نہیں بھیجا۔ مسند احمد اور ابن ماجہ وغیرہ میں بروایت ابن مسعودؓ آنحضرت ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ معراج کی رات میری ملاقات حضرت ابراھیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسی علی نبینا وعلیہم السلام سے ہوئی، آپس میں قیامت کا تذکرہ ہونے لگا تو سب سے پہلے حضرت ابراھیم علیہ السلام سے دریافت کیا گیا، انہوں نے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا۔ انہوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی۔ پھر عیسی علیہ السلام کا نمبر آیا انہوں نے فرمایا ”قیامت کے وقوع کا ٹھیک ٹھیک وقت تو اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ ہاں! قیامت کے وقوع سے پہلے پہلے میرے رب کا مجھ سے ایک عہد ہے۔ وہ یہ کہ دجال نکلے گا تو میں نازل ہو کر اسے قتل کروں گا“..الخ (۱) حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے اس کی تصدیق اور حافظ ابن حجر نے تائید کی ہے اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کی تشریف آوری کا ایک وقت پہلے سے طے ہو چکا ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجه للإمام محمد بن يزيد (م ۲۷۳ھ) -ابواب الفتن -قبيل باب خروج المهدى -ط: قديمى كتب خانه كراچى

مسند احمد للإمام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ ھ) -مسند عبدالله بن مسعود -۳/ ۴۸۴ -رقم الحديث: ۳۵۵۶ -ط: دار الحديث القاهرة .

المستدرك على الصحيحين للإمام أبى عبدالله الحاكم النيسابورى (م ۴۰۵ ھ) -كتاب الفتن والملاحم -باب الساعة -۵/ ۷۵۲ -رقم الحديث: ۸۶۸۲ -ط: دار المعرفة بيروت لبنان .

فتح البارى شرح صحيح البخارى للعلامة الحافظ ابن حجر العسقلانى (م ۸۵۲ھ) -۱۲/ ۷۹.

چھٹا شبہ:

''عیسائیوں اور یہودیوں کا اختلاف قیامت تک رہے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام آکر کیا کارنامہ انجام دیں گے'' وہی کارنامہ انجام دیں گے جو مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں ذکر کیا ہے کہ ''جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام آفاق واقطار میں پھیل جائے گا۔''

اور جسے صحیح حدیث میں ''ویھلک اللّٰہ فی زمانہ الملل کلھا الا الاسلام'' سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا تمام مذاہب کو نیست و نابود کردے گا۔(۱)

ساتواں شبہ:

''جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک صاحب کتاب نبی آئے گا تو ختم نبوت کی مُہر کہاں رہے گی'' آنحضرت ﷺ کے بعد کسی شخص کو نبوت عطا کی جائے تب تو مہر ختم نبوت ٹوٹ جاتی ہے۔ خواہ وہ صاحب کتاب ہو یا بغیر کتاب کے تشریعی ہو یا غیر تشریعی، اصلی ہو یا ظلی۔ لیکن آنحضرت ﷺ سے پہلے کے تمام نبی بھی اگر زندہ رہتے اور آپ کی پیروی کرتے تو اس سے ختم نبوت کی مہر نہیں ٹوٹتی دیکھئے جناب مرزا صاحب اپنے والدین کے لئے خاتم الاولاد تھے(۲) اب اگر وہ اپنے تمام بہن بھائیوں سے پہلے دنیا سے رخصت ہوجاتے تب بھی ان کی ''ختم ولادت'' کی مہر نہیں ٹوٹ سکتی تھی۔ ہاں ان کے والدین کے یہاں ان کی ولادت کے بعد کوئی اور بچہ پیدا ہوجاتا تو اس سے ختم ولادت کی مہر ضرور ٹوٹ جاتی۔ ختم نبوت کی مہر کو بھی اسی طرح سمجھ لیجئے۔

آٹھواں شبہ:

''اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ رکھنا تھا تو قرآن ان کی زندگی کو صاف صاف بیان کرتا اور وہاں ایسی آیات نہ ہوتیں جن سے کہیں تو حیات ثابت ہوتی ہے اور کہیں ممات اور اس پر مسلمانوں میں اختلاف رونما نہ ہوتا۔''

---

(۱) براہین احمدیہ۔ص ۴۹۸ (۲) تریاق القلوب۔ص ۳۷۹

آنجناب کا یہ شبہ تین دعووں پر مشتمل ہے۔اول یہ کہ قرآن نے ان کی زندگی کو صاف صاف بیان نہیں کیا دوم یہ کہ اس مسئلہ میں آیات قرآن میں تعارض ہے کہیں سے ان کی حیات ثابت ہوتی ہے اور کہیں سے ممات، سوم یہ کہ اس مسئلہ میں مسلمانوں کا اختلاف رہا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ یہ تینوں دعوے قطعی بے بنیاد اور یکسر بے دلیل ہیں، قرآن اور شارح قرآن ﷺ نے جس صراحت کے ساتھ ان کی حیات اور تشریف آوری کی خبر دی ہے اور امت اسلامیہ نے جس تواتر اور تسلسل کے ساتھ اس قرآنی ونبوی پیشگوئی کو لوح قلب پر رقم کیا ہے اس کا حوالہ خود آنجناب کے ''ماموروم رسل'' سے دلا چکا ہوں، اور گرآپ کو ان کی شہادت پر اعتماد نہ ہو تو گزشتہ اکابر کی جتنی شہادتیں آپ کہیں پیش کرنے کو حاضر ہوں۔

میرے محترم فروعی اور اجتہادی مسائل میں اختلاف ہوسکتا ہے اور اسے گوارا بھی کیا جا سکتا ہے، مگر دین کے قطعی ویقینی اور متواتر عقائد میں کتر بیونت نا قابل برداشت ہے. کسی عقیدہ کے صحیح یا غلط ہونے کا بس ایک ہی معیار ہے کہ وہ سلف صالحین، صحابہ وتابعین، ائمہ مجددین کے مطابق ہے یا اس کے خلاف؟ اگر وہ سلف صالحین سے متواتر چلا آتا ہے تو اسے بغیر کسی حیل وحجت کے ماننا لازم ہے، اگر ایسے قطعی اور متواتر عقیدے کے خلاف کوئی رائے زنی کرتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ مسلمانوں کی راہ سے ہٹ چکا ہے، اس کی عقل زنگ خوردہ اور اس کی قرآن فہمی زیغ آلود ہے۔ حیات عیسی علیہ السلام کی قطعیت پر مرزا صاحب کی یہ عبارت آپ پڑھ چکے ہیں: ''مسیح ابن مریم کے آنے کی پیش گوئی ایک اول درجے کی پیش گوئی ہے جس کو سب نے باتفاق قبول کرلیا ہے'' پہلے عریضے میں اس کے تحت میں نے جو نوٹ لکھا ہے اسے ایک بار پھر بطور خاص ملاحظہ فرمالیا جائے۔

آنجناب کو غلط فہمی ہوئی کہ آپ نے ان لوگوں کی گری پڑی آراء کو''مسلمانوں کا اختلاف''سمجھ لیا جن کے بارے میں مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

''حال کہ نیچری جن کے دلوں میں کچھ بھی عظمت قال اللہ اور قال الرسول کی باقی نہیں رہی''(۱)

(۱) ازالہ اوہام-حصہ دوم-ص۵۵۵-مندرجہ روحانی خزائن-۳/۳۹۹-ط: الشرکۃ الاسلامیۃ ربوہ۔

آپ نے ان نیچریوں کی آرا کو مسلمانوں کے اختلاف سے تعبیر کرتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ بقول مرزا صاحب ''وہ اس قدر متواترات سے انکار کر کے اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالتے ہیں۔'' (۱)

میرے محترم! دینی عقائد میں ملاحدہ اور زنادقہ کی آراء کا اعتبار نہیں، نہ ان کا اختلاف کسی عقیدے کی قطعیت پر خاک ڈال سکتا ہے میں عرض کر چکا ہوں کہ امت کے ثقہ وامین اکابر از اول تا آخر حیات عیسیٰ علیہ السلام کے عقیدے پر متفق رہے ہیں، یہ وہی حضرات ہیں جن کے بارے میں آنجناب خود لکھتے ہیں:

> ''تاریخ اسلام گواہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسے عظیم المرتبت انسان پیدا ہوئے جنہیں اولیاء اور مجدد کہا جاتا ہے، اور جنکے ذریعہ اپنے اپنے زمانوں میں مسلمانوں میں پیدا ہونے والی خرابیاں دور ہوئیں''۔

کیا ان عظیم المرتبت انسانوں میں کبھی اس مسئلہ پر اختلاف ہوا؟ کیا کسی صدی کے مجدد نے اعلان کیا کہ حیات مسیح کا عقیدہ غلط ہے ''عسل مصفیٰ'' میں مجددین کی فہرست دیکھ لیجئے اور پھر مجھے بتائے کہ فلاں فلاں اکابر نے اس عقیدہ کے غلط ہونے کا اعلان کیا تھا اور میں بفضل خدا پہلی صدی سے لے کر تیرھویں صدی تک کے اکابر کا عقیدہ پیش کرنے کو حاضر ہوں کیا اس کے بعد بھی آپ اپنی غلط فہمی پر اصرار کرنے میں حق بجانب ہوں گے؟۔

ع ''بندہ پرور! منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر''

نواں شبہ:

''حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے: "انما أخذ اللہ میثاق النبیین علی أممھم"، یعنی اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا میثاق ان کی امتوں پر لیا اس لئے حضرت عیسیٰؑ کی کتاب انجیل اور آپ کی امت کے ذریعہ یہ میثاق پورا ہو چکا ہے اب دوبارہ آکر حضرت عیسیٰؑ کو شہادت دینے کی کیا ضرورت؟''

پروفیسر صاحب! آپ کے منہ میں گھی اور شکر۔ آج آپ نے ترجمان القرآن، حبر الامت

(۱) ازالہ اوہام-ص ۵۵۶۔

حضرت ابن عباسؓ کا نام لیا، جزاک اللہ! مرحبا! اچھا یہ فرمایئے کہ اگر یہی حضرت ابن عباسؓ فرمادیں کہ حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھایا گیا، اور یہ کہ وہ قرآنی ونبوی پیش گوئی کے مطابق قرب قیامت میں دوبارہ تشریف لائیں گے تو کیا میری آپ کی بحث کا فیصلہ ہوجائے گا؟ اور کیا آپ ان کے فیصلے پر سر تسلیم خم کردیں گے؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو ماشاء اللہ، اور اگر نہیں تو انصاف فرمایئے کیا حضرت عباسؓ کا ارشاد صرف میرے ہی سامنے پیش کرنے کی چیز ہے؟ یہ تو شاید آنجناب کو بھی مسلم ہی ہوگا کہ سیدنا ابن عباسؓ مجھ سے اور آپ سے زیادہ قرآن جانتے تھے، اس کے مفہوم و مدعا سے باخبر تھے، اور اس کی تصریحات وارشادات کو سمجھتے تھے، یا نہیں؟

اب سنئے میثاق کی بات! قرآن کریم نے اس عہد وپیمان کا ذکر کیا ہے جو (غالباً عالم ارواح میں) انبیاء کرام علیہم السلام سے حضرت خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں لیا گیا، سب نے ایمان ونصرت کا عہد وپیمان باندھا اب رہی یہ بات کہ یہ عہد پورا کس کس وقت ہوا اور کس کس شکل میں ہوا؟ اس کو قرآن کریم نے ذکر نہیں فرمایا، میرے آقا حضرت ابن عباسؓ نے اس کی ایک شکل تجویز فرمادی کہ ہر نبی سے یہ عہد لیا گیا کہ وہ اپنے وقت میں اپنی امت کو اس عہد وپیمان کی وصیت کرے کہ جب حضرت خاتم النبیین ﷺ تشریف لائیں تو فوراً آپ ﷺ پر ایمان لاؤ اور آپ کی نصرت وحمایت کے لئے کمر بستہ ہوجاؤ، گویا انبیاء کرام کا اپنی اپنی امتوں کو وصیت کرنا اور امتوں کا نیابۃً اس عہد کو پورا کرنا یہ ایفائے عہد کی ایک شکل ہوئی۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ سیدنا ابن عباسؓ کے ارشاد میں آپ نے تدبر نہیں فرمایا ورنہ وہ بھی اس عہد کے نیابۃً پورا ہونے ہی کے قائل ہیں، اس کے برعکس آنجناب نے جو تقریر فرمائی ہے اس سے یا تو قرآن کریم کی تکذیب لازم آتی ہے، یا انبیاء کرام پر نعوذ باللہ عہد شکنی کا الزام عائد ہوتا ہے کیونکہ قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ انبیاء کرام سے یہ عہد لیا گیا کہ "تم ایمان لاؤگے اور نصرت کروگے" اب ظاہر ہے کہ انبیاء کرام بذات خود تو نصرت کر نہیں سکے۔ ادھر نیابت کے اصول کو آنجناب تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ بقول آپ کے:

> "ایمان اسی نبی نے لانا ہے اور مدد اسی نبی نے کرنی ہے اس میں کیا تک ہے کہ وہ دوسرے کو کہے کہ بھئی میں تو نہ ایمان لاتا ہوں اور نہ مدد کرتا ہوں تم میری طرف سے ایمان بھی لے آؤ اور مدد بھی کرو کیا یہ خدا کے حکم کی عدولی اور عہد شکنی نہیں؟"

ظاہر ہے کہ آپ کے اصول کے مطابق جب اس معاملہ میں ایک نبی دوسرے نبی کی نیابت نہیں کرسکتا، کیونکہ بقول آپ کے یہ عہد شکنی ہے۔تو کوئی امتی اس معاملہ میں کسی نبی کی نیابت کیسے کرسکتا ہے اوراس کی نیابت آنجناب کی بارگاہ میں کیسے قبول ہوسکتی ہے؟ گویا آپ کے نظریہ کے مطابق یاتو قرآن نے اس میثاق کی خبرنعوذ باللہ غلط دی ہے، یاانبیاء کرام عہد شکنی کے مرتکب ہوئے۔

بہرحال سیدنا ابن عباسؓ نے ایفائے عہد کی جوشکل بیان فرمائی ہے اسی میں حصر نہیں،اس کے علاوہ اور بھی شکلیں ہوسکتی ہیں مثلاً شب معراج میں تمام انبیاء کرام مقتدی ہوئے امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کومنصب امامت تفویض کیا گیا۔سب نے آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی کیوں نہ اس واقعہ کوبھی اسی لتومنن به ولتنصرنه، کی ایک شکل سمجھا جائے؟اور جب آنحضرت ﷺ نے امت کوآگاہ فرمادیا ہے کہ

الانبیاء اخوة علات ،امهاتهم شتی ودینهم واحدوانا اولی الناس بعیسی ابن مریم ،فانه لیس بینی وبینه نبی وانه نازل فیکم فاعرفوه ...الخ،(۱)

انبیاء علاتی بھائی ہیں،ان کی شریعتیں الگ الگ اورسب کا دین ایک ہے اور مجھے سب انسانوں سے زیادہ قرب وتعلق عیسیٰ بن مریم سے ہے کیونکہ (ایک تو) میرے اوران کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا(دوسرے) وہ تم میں نازل ہونگے پس ان کی خوب پہچان کرلو(آگے علامتیں بیان فرمائیں جن سے ان کی پہچان ہوسکے گی)

پس جب آنحضرت ﷺ خود بیان فرمارہے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری دین اسلام کی نصرت وحمایت کے لئے ہونے والی ہےتواگر میں نے یہ عرض کردیا کہ یہ بھی اسی عہد و پیان کے ایفاء کی ایک شکل ہےتو اس میں کیا بے جائیت ہے؟اورسیدنا ابن عباسؓ کے ارشاد سے اس کا کیا تعارض ہے؟رہا آنجناب کا یہ ارشاد کہ وہ ایک بار یہ میثاق پورا کرچکے ہیں اب دوبارہ کیا ضرورت؟''یہ میری عقل وفہم سے بالاتر ہے،جب وہ آنحضرت ﷺ کی امت میں شامل ہیں توانہیں آپ ﷺ کی حمایت ونصرت کےفرض پر

(۱)النبوة فی الاسلام –ص ۹۲. لم نطلع علی طبع جدید.

جب بھی مامور کیا جائیگا وہ اسے بسر وچشم بجالائیں گے۔مامور کرنے والا خدا ہے،فرض بجائی عیسی علیہ السلام کررہے ہیں۔میں،آپ یا کوئی اور کون ہوتا ہے جوان پر یہ حکم امتناعی جاری کردے کہ نہیں جناب آپ ایک بار یہ کام کر چکے ہیں۔اب ضرورت نہیں،تشریف لے جائیے؟

دسواں شبہ:

''ایک بار تو حضرت عیسی علیہ السلام پر انجیل اتر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شہادت موجود ہے۔اب ان پر کوئی دوسری کتاب اترنی چاہئے''افسوس ہے اس''اترنی چاہئے''کی منطق میں نہیں سمجھ سکا کیوں اترنی چاہئے؟اس کی ضرورت اور وجہ،شاید لفظ''ثم''پر نظر نہیں گئی۔اس پر ذرا اچھی طرح غور فرما کر سوال کیجئے۔

گیارہواں شبہ:

''یثرب کے نبی معصوم کو جنہیں ساری نسل انسانی کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا،آپ مدینہ میں مدفون سمجھتے ہیں مگر حضرت عیسیٰ کو جنہیں انجیل اور قرآن دونوں بنی اسرائیل کی طرف بھیجا جانے والا رسول کہتے ہیں انہیں عرش پر زندہ سلامت سمجھے بیٹھے ہیں''۔

یہ شبہ آپ سے پہلے کئی بار پیش کیا جا چکا ہے مجھے توقع نہ تھی کہ آنجناب زیب رقم فرمائیں گے تاہم مجھے مسرت ہے کہ آپ جتنے شبہے بھی پیش کریں میں اپنی ناچیز استطاعت کے مطابق انہیں زائل کرنے کی کوشش کروں۔وما توفیقی الا باللہ۔

سب سے پہلے تو میں آنجناب کی یہ غلط فہمی زائل کرنا چاہتا ہوں کہ ہم حضرت عیسی علیہ السلام کو عرش پر بیٹھے سمجھتے ہیں۔غالباً آنجناب نے آسمان اور عرش کو مترادف سمجھ لیا ہے مگر واقعہ یہ ہے آسمان اور چیز ہے اور عرش اس سے الگ چیز ہے،مسلمان حضرت عیسی علیہ السلام کو عرش پر نہیں،بلکہ آسمان پر زندہ سمجھتے اور ان دونوں کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ آپ کا یہ شبہ دراصل تین شبہات کا مجموعہ ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فوت شدہ ہونا اور حضرت عیسی کا زندہ ہونا۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمین پر ہونا یا زمین میں مدفون ہونا اور حضرت عیسیٰ کا آسمان پر ہونا۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کا مختصر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کا طویل ہونا۔

یہ تمام چیزیں آنجناب کے خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین وتنقیص کی موجب اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت وبرتری کو مستلزم ہیں۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ یہ سراسر غلط فہمی ہے۔ غالباً آنجناب کی غلط فہمی کا منشاء یہ ہے کہ آپ نے (معاف کیجئے عیسائیوں اور نیچریوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر) اپنے خیال میں یہ طے کرلیا ہے کہ جو زندہ ہو وہ فوت شدہ سے افضل ہوتا ہے، جو آسمان پر ہو وہ زمین والوں سے برتر ہوتا ہے، اور جس کی عمر لمبی ہو وہ چھوٹی عمر والے سے بہتر ہوتا ہے۔

میں پوچھتا ہوں کیا یہ اصول، جس پر آپ کے شبہ کی ساری عمارت کھڑی ہے صحیح ہے؟ اور آپ کو مسلم ہے؟ آپ ذرا بھی تامل سے کام لیں گے تو آپ پر اس اصول کی غلطی فوراً واضح ہوجائے گی محترما! کسی شخص کا مدفون اور دوسرے کا زندہ ہونا نہ اول الذکر کی تنقیص کا موجب ہے، نہ ثانی الذکر کی فضیلت کا، دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت جو لوگ زندہ تھے یا اب زندہ ہیں۔ کیا آپ انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل سمجھ لیں گے نعوذ باللہ یا کیا ان لوگوں کا زندہ ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کا موجب ہے؟

دور کیوں جایئے مرزا صاحب زیر زمین مدفون ہیں اور آنجناب ماشاءاللہ زندہ سلامت (عرش پر نہ سہی) کرسی پر متمکن ہیں کیا کسی احمق کو اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہیئے کہ آپ، مرزا صاحب سے افضل ہیں؟ یا یہ کہ آپ کے زندہ ہونے میں مرزا صاحب کی توہین وتنقیص ہے؟ غور فرمایئے یہ دلیل ہے یا محض سفسطہ؟

اسی طرح کسی شخص کا محض آسمان پر ہونا اور دوسرے کا زمین پر ہونا نہ تو اول الذکر کی افضلیت کی دلیل ہے اور نہ موخر الذکر کی تنقیص کا موجب ہے۔ کون نہیں جانتا کہ انبیاء کرام علیہم السلام آسمان کے فرشتوں سے بلکہ حاملین عرش سے بھی افضل ہیں۔ جب جبرئیلؑ کے آسمان پر زندہ ہونے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص نہیں ہوتی۔ نہ جبرئیل علیہ السلام کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونا لازم آتا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود کیوں بارِ خاطر ہے؟ جبکہ وہ جبرئیل علیہ السلام سے تو افضل ہی ہیں اور سنیے! جناب مرزا صاحب لکھتے ہیں "جنات آسمان تک پہنچ جاتے ہیں جیسا کہ فاتبعہ شھاب ثاقب سے ظاہر ہوتا ہے۔"(۱)

---

(۱) چشمہ معرفت از غلام احمد قادیانی - ص ۷۷.

اگر خبیث جنات کے آسمان تک پہنچ جانے سے کوئی پہاڑ نہیں ٹوٹتا (البتہ ستارے ضرور ٹوٹتے ہیں) کسی نبی کی توہین نہیں ہوتی، نہ کسی کو جنات کی برتری وفضیلت کا شبہ گزرتا ہے تو ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام سنکر کیوں طوفان برپا ہوجاتا ہے؟ اور پھر نیک روحوں کے اعلیٰ علیین پر جانے کا عقیدہ کس کو معلوم نہیں؟ کیا محض ان کے آسمان پر ہونے سے یہ فرض کرلیا جائے کہ ہر نیک روح زمین کے تمام باشندوں سے افضل ہوتی ہے؟ اور پھر میں کہتا ہوں کہ جب روحیں آسمان پر جاتی ہیں اور وہی ان کا مستقر بھی ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو لقب ہی ''روح اللہ'' ہے وہ اگر آسمان پر جائیں اور وہاں رہیں تو اس سے کیوں بدکا جائے؟

ضمناً یہ بھی عرض کردوں کہ جن عیسائیوں نے یہ ''دانشمندانہ گپ'' اڑائی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام چونکہ آسمان پر ہیں اس لئے وہ خدا یا خدا کے بیٹے ہیں ان سے کہیے کہ اگر آسمان پر جانے سے ہی خدائی مل جاتی ہے تو ایسے سستے خدا انہیں اور بھی مل جائیں گے، اس لئے وہ ان سارے صعود آسمانی والے خداؤں کی پرستش کے لئے تیار رہیں۔ آسمان کے سارے فرشتے ان کی خدائی کے لئے موجود ہیں، علیین کی تمام روحیں ان کی خدا بننے کو حاضر ہیں اور آسمان تک پہنچنے والے سب شیاطین ان سادہ لوحوں سے اپنی خدائی کا سکہ منوانے کے لئے موجود ہیں۔ محترما! یہ اصول سراسر عیسائی گپ ہے کہ جو آسمان پر چلا جائے وہ خدا بن جاتا ہے یا وہ زمین والوں سے افضلیت کا استحقاق رکھتا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ آپ ایسے عاقل وفہیم بھی عیسائیوں کے غلط مگر مکروہ پروپیگنڈہ کو اپنے دلائل کے دامن میں ٹانک سکتے ہیں، سرسید مسکین پر احساسِ کمتری طاری تھا وہ اور اس کے حواری عیسائی پروپیگنڈے کے سیلاب میں بہہ کر اسلامی عقائد پر مشق جراحی کرتے رہے انہوں نے یہ دیکھنے کی زحمت نہیں کی کہ یہ پروپیگنڈہ عقل واستدلال سے کس قدر عاری ہے۔ مگر اب تو ہم غلام نہیں، اب تو یہ طرز فکر چھوڑ دینا چاہیئے، ہاں کسی کی عمر کا مختصر اور دوسرے کی عمر کا طویل ہونا بھی معیار فضیلت نہیں، حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ہزار برس ہوئی اور نوح علیہ السلام کی اس سے بھی زیادہ کیا اس سے یہ استدلال کرنا صحیح ہوگا کہ یہ دونوں حضرات، ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل تھے؟ یا ان کا طویل عمر پانا آپ ﷺ کی تنقیص کا موجب ہے؟ الغرض نہ کسی کا زندہ ہونا معیار فضیلت ہے، نہ آسمان پر ہونا، نہ طویل العمر ہونا، اس لئے آنجناب کا یہ شبہ محض جذباتی ہے، اور اس کا منشاء صرف غلط فہمی اور عیسائی پروپیگنڈہ سے مرعوبیت۔

بارہواں شبہ:

آنجناب کی مندرجہ بالاعبارت میں ضمناً ایک اور شبہ بھی پیش کیا گیا ہے اسے بھی صاف ہوجانا چاہیئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''حضرت عیسیٰؑ کوانجیل اورقرآن دونوں بنی اسرائیل کی طرف بھیجا جانے والا رسول کہتے ہیں'' اس سے آپ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی طرف بھیجا جانے والا رسول امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی طرف کیوں کرآسکتا ہے؟ جواباً گزارش ہے وہ امت محمدیہ ﷺ کی طرف رسول بن کرنہیں آئیں گے، بلکہ اس امت میں اس کے ایک فرد کی حیثیت سے تشریف لائیں گے، وہ بنی اسرائیل کے رسول تھے ان کی دوبارہ تشریف آوری اس دور میں ہوگی جس دور کے تمام لوگوں کے لئے رسول حضرت خاتم النبیین ہیں، اس امت کے لئے بھی، خودحضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی۔ ان کی امت کے لئے بھی، اور دیگرانبیاء کرام اوران کی امتوں کے لئے بھی۔ بعیدنہیں کہ ان کا اسی دنیا میں امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں آشامل ہونا ان کی اس دعا کاثمرہو جوآنجناب نے ''برنباس'' سے نقل کی ہے:

> ''اے محمد ﷺ! اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ہو، اور مجھ کواس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں۔ کیونکہ اگر میں یہ شرف حاصل کرلوں تو بڑا نبی اور اللہ کا مقدس بن جاؤں گا۔''

ان کی اس دعاء میں دو باتیں بالکل نمایاں ہیں۔ ایک یہ کہ ''جوتی کا تسمہ کھولنا'' کنایہ ہے خوردانہ خدمت اورنصرت وحمایت سے۔ گویا دعا یہ ہے کہ حق تعالیٰ ان کوآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حامی وخادم بنائے اورآپ ﷺ کی امت میں شامل کرکے ان سے دین قیم کی خدمت لے۔

دوسرے یہ کہ آپ ﷺ کی امت میں داخل ہونا ان کے حق میں ذلّت کا موجب نہیں بلکہ ان کی بڑائی وتقدس وشرف کا باعث ہے۔ شاید ان کی اسی دعا کوقبول کرکے اللہ تعالیٰ نے ان سے وہ وعدہ کیا ہو جسے میں حدیث معراج کے حوالے سے اوپرنقل کرچکا ہوں (دیکھئے پانچواں شبہ) الغرض ان کے اس امّت میں تشریف لانے سے ان کی سابقہ حیثیت ختم نہیں ہوگی۔ البتہ بنی اسرائیل کے رسول ہونے کے ساتھ

ساتھ وہ امّت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے ایک فرد بھی ہوں گے (اور یہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ تمام انبیاء آپ کی امت ہیں) اور امّت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں ان کی تشریف آوری کا سب سے اہم مقصد بھی اپنی ہی قوم یعنی بنی اسرائیل کی اصلاح ہوگی۔ شاید اسی نقطہ کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے فرمایا تھا:

انّ عیسیٰ لم یمت وانه راجع الیکم قبل یوم القیامة(۱)

''بے شک عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں اور قیامت سے پہلے وہ تمہاری طرف واپس لوٹ کر آئیں گے''

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس امت کو آپ ﷺ نے ''نازل فیکم'' کی خوشخبری دی، یعنی تم میں نازل ہوں گے اور بنی اسرائیل کو ''راجع الیکم'' فرمایا یعنی ''تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے'' اس طرز تعبیر میں یہی نکتہ معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ہاں! یاد آیا انجیل برنباس، جس سے آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کا اقتباس نقل کیا ہے اس میں ٹھیک اسلامی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہودیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہونے سے بچایا جانا، زندہ سلامت آسمان پر اٹھایا جانا اور پھر آخری زمانے میں نزول فرمانا درج ہے، کیا آپ بتاسکیں گے کہ یہ انجیل کس زمانے میں لکھی گئی؟ کس نے لکھی؟ اور اس کے مندرجات کی حیثیت کیا ہے؟

تیرھواں شبہ:

جناب برکت خان کا ایک ژولیدہ فقرہ نقل کر کے آنجناب نے لکھا ہے:

''آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ وہ بجسد عنصری آسمان پر اٹھائے گئے اور واپس آئیں گے اور امت محمدیہ کی اصلاح کریں گے، تو کیا جواب ہے آپ کے پاس عیسائیوں کے ان الفاظ کا کہ ابن اللہ ہے، کلمۃ اللہ ہے، خدائے کامل اور انسان کامل ہے''

---

(۱) الدر المنثور فی التفسیر الماثور للإمام عبدالرحمن جلال الدین السیوطی –تحت قوله تعالیٰ: إذ قال الله یعیسی انی متوفیک ......الایة–ال عمران :۵۵–۲/۲۲۵–ط: دار الفکر بیروت.

میں آپ کو یاد دلاؤں گا کہ عیسائیوں کے یہ "الفاظ" آج نئے آپ کے سامنے نہیں آئے، بلکہ انھوں نے یہی عجیب وغریب الفاظ بارگاہ رسالت میں بھی پیش کئے تھے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ان کی دلیل کا سامنا کرنے کیلئے نہ تو مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کا انکار فرمایا، نہ انکو یہ کہا کہ عیسیٰ مر چکا ہے، نہ ان کے کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونے سے انکار فرمایا، بلکہ ان کی غلطی کی اصلاح کیلئے صرف تین فقرے ایسے فرمائے کہ ان کا جواب نہ ان سے اسوقت بن سکا، نہ آج تک۔ ایک فقرہ یہ تھا:

الستم تعلمون ان عیسیٰ یاتی علیه الفنا و ان ربنا حیّ لا یموت (۱)

کیا تم نہیں جانتے کہ عیسیٰ پر فنا طاری ہوگی اور ہمارا رب "حی لا یموت" ہے کبھی نہیں مرے گا۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ عیسیٰ مر چکا ہے، بلکہ انہیں اس حقیقت پر متنبہ فرمایا کہ جس طرح ساری مخلوق فانی ہے اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام پر بھی آئندہ کسی زمانے میں قانونِ فنا طاری ہونے والا ہے، وہ قانون فنا سے مستثنیٰ نہیں، ان کی حیات مستعار، خواہ وہ کتنی ہی طویل ہو، انہیں خدا بنانے کے لئے کافی نہیں ہے. وہ فانی ہیں، اور فانی خدا نہیں ہوسکتا۔

محترما! آپ نے برکت خاں کے ایک فقرہ کے سامنے سپر ڈال دی اور اسے لاجواب سمجھ لیا جب تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کا انکار نہ کر دیا جائے۔ آپ نے برکت صاحب سے یہ تو پوچھ لیا ہو تا کہ انہوں نے اپنے ژولیدہ فقرے کا مطلب خود بھی سمجھا ہے؟ یا تین ایک اور ایک تین کی طرح یہ بھی ایک ایسی چیستان ہے جسے کوئی عیسائی نہ خود سمجھ سکتا ہے نہ کسی اور کو سمجھا سکتا ہے، ان صاحب سے پوچھئے کہ:

(۱) کیا خدا بھی قتل کیا جاتا اور سولی دیا جاتا ہے؟

(۲) انسان خدا، خدا انسان؟ یہ کیا معمّا ہے؟

(۳) خدا کا قاتل طاقتور تھا یا مقتول خدا؟

(۴) کیا خدا خود ہی باپ اور خود ہی بیٹا ہے؟

---

(۱) الد المنثور فی التفسیر الماثور – لم نجد بهذا اللفظ فی طبع جدید .

(۵) عیسیٰ علیہ السلام مقتول ومصلوب ہونے کے سبب ابن اللہ ہیں؟ یا برعکس اس کے ابن اللہ ہونے کے سبب مقتول ومصلوب ہوئے؟ عیسائی عقیدہ اس بارے میں کیا ہے اور برکت صاحب کیا فرما رہے ہیں؟

تعجب ہے جو مسکین یہ نہیں جانتا کہ اس کا عقیدہ کیا ہے اور جو کچھ وہ لکھ رہا ہے اس کا مفہوم ومدعا کیا؟ جسے یہ خبر نہیں کہ سبب کسے کہتے ہیں اور مسبب کیا ہوتا ہے؟ آپ اس کی بے سروپا تگ بندی کو لاجواب بتا کر مجھے اسلامی عقیدے میں ترمیم واصلاح کا مشورہ دے رہے ہیں اور اپنی خفگی کا سارا زور اسلامی عقیدے پر اُتار رہے ہیں، کیا عقیدۂ رفع کے انکار سے عیسائی مسلمان ہوجائیں گے؟

میرے محترم! غیروں کے واہی تباہی شبہات کا سامنا کرنے کے لئے اسلامی عقائد میں کتر بیونت شروع کردینا کوئی صحت مندانہ طرزِ فکر نہیں، بلکہ یہ گریز پائی، شکست خوردگی اور سپراندازی کی علامت ہے اسلام سے نادان دوستی ہے میں بحمداللہ مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کا قائل ہوں، کیونکہ میرا خدا قائل ہے، میرا رسول قائل ہے، پیشرو سلف صالحین قائل ہیں لیکن کسی عیسائی کو میرے سامنے لایئے میں دیکھوں گا کہ وہ کس دلیل اور کس منطق سے آسمان پر جانے سے الوہیت یا ابنیت کشید کرکے دکھاتا ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عیسیٰ علیہ السلام کی افضلیت کیسے ثابت کردکھاتا ہے؟ مگر میں آنجناب کی خفگی کا کیا علاج کروں؟ آپ جوش میں یہ تک کہہ گئے: ''کہاں ہے آپ کی نگاہ میں آنحضرت خاتم النبیین کی رفعت وعظمت؟ جب آپ کا اور عیسائیوں کا ایک ہی عقیدہ ہے تو کیا آپ خدا کے ساتھ شرک کے مرتکب نہیں ہورہے؟''

محترم! آپ کا یہ فقرہ نرا جذباتی ہے، غصہ میں آدمی حق وباطل اور صحیح وغلط کی تمیز نہیں کرپاتا، حدود کی رعایت نہیں رہتی، بس غصہ تھوک دیجئے، اطمینان وسکون سے بتایئے کیا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مسلمانوں اور عیسائیوں کا عقیدہ واقعتہ ایک ہی ہے؟ کیا کسی باوقار اور سنجیدہ اتھارٹی کے سامنے آپ اپنے اس دعوے کو ثابت کرسکتے ہیں؟

اچھا یہ بتایئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی سے واقعی ان کا خدا ہونا ثابت ہوجاتا ہے؟ رفع وحیاتِ مسیح کا عقیدہ واقعی شرک ہے؟ اگر آنجناب کے یہ دعوے جھنجھلاہٹ اور جذباتیت کا نتیجہ نہیں، بلکہ سنجیدگی سے آپ یہی سمجھتے ہیں تو آپ کے شُبہ کا ازالہ میرا فرض ہے اور میں انشاء اللہ اس فرض کو ضرور

بجالاؤں گا۔لیکن چند تنقیحات ضروری ہیں۔آپ ان کی وضاحت کردیں:

(۱) شرک کسے کہتے ہیں؟

(۲) جو شخص شرک کا مرتکب ہو اس کا کیا نام رکھتے ہیں؟

(۳) شرک کی سزا وہی ہے جو قرآن کریم نے بتائی ہے **ان اللہ لایغفران یشرک به،** یا کچھ اور؟

(۴) شرک کو شرک سمجھ کر کیا جائے تبھی آدمی گنہگار ہوتا ہے یا نادانستہ شرک بھی شرک ہی ہے،مثلاً عیسائی صاحبان تثلیث کو شرک نہیں سمجھتے بلکہ توحید سمجھتے ہیں وہ مشرک ہیں یا نہیں؟

(۵) حیات مسیح کا عقیدہ آپ کے خیال میں شرک خفی ہے یا جلی؟

(۶) یہ کس تاریخ سے شرک شمار ہونے لگا ہے؟

(۷) کیا مامور من اللہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے؟

(۸) کیا شرک کا مرتکب مجدد بھی ہوتا ہے؟

(۹) خدا تعالی نے لوگوں کو شرک سے بچانے کے لئے اتمام حجت بھی کی ہے یا نہیں؟

(۱۰) اگر کی ہے تو کس تاریخ سے؟

آنجناب ان امور کی تنقیح فرمائیں گے تب عرض کروں گا کہ ہم بحمد اللہ حیات مسیح کو مان کر شرک کے مرتکب نہیں۔بلکہ قضیہ برعکس ہے۔

میں نے آنجناب کے خط سے کرید کرید کر شبہات نکالے ہیں اور انہیں حل کرنے کی ناتواں کوشش کی ہے خدا تعالی شاہد ہے کہ میرا مقصود واقعۃً آپ کی صلاح و بہبود اور خیر خواہی ہے آنجناب ان معروضات پر غور و تدبر فرمائیں،اگر کوئی شبہ پھر بھی باقی رہ جائے تو اس کی تشفی کے لئے حاضر ہوں۔کوئی اور شبہ ہو تو وہ بھی پیش فرمائیے۔اچھا اب اجازت۔ آپکا خیر اندیش

محمد یوسف لدھیانوی

بینات-ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ

ذکری فرقہ

''یہ مضمون ''ماہنامہ بینات'' میں اشاعت کیلئے حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ کی کتاب ''احسن الفتاوی'' سے لیا گیا ہے، حوالہ کیلئے احسن الفتاوی کا مطالعہ کریں''۔ از مرتب

سوال:۔ بلوچستان اور خاص طور سے ضلع مکران میں ایک مہدوی فرقہ بنام ''ذکری'' مشہور ومعروف ہے۔ یہ دراصل مہدویوں کی ایک شاخ ہے جو عرصہ تین چار سو سال سے ہے۔ ان کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات درکار ہیں:

۱: ان سے رشتہ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے بعض جہلاء ان سے رشتہ لیتے اور دیتے بھی ہیں۔

۲: اگر نکاح کرلیا ہو تو اب مسئلہ معلوم ہونے کے بعد کیا کرے؟

۳: بصورت افتراق (علیحدگی) اس نکاح سے جو بچے پیدا ہوئے وہ کس کے ہیں؟

۴: کیا یہ لوگ اہل کتاب شمار کئے جاسکتے ہیں؟ جبکہ یہ قرآن کو مانتے اور پڑھتے بھی ہیں اور منزل من اللہ (اللہ کی طرف سے اترا ہوا) سمجھتے ہیں۔

۵: ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کیسا ہے؟ جبکہ ذبح کے وقت کلمہ اور اللہ اکبر پڑھتے ہیں۔

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

سوالات کے جواب دینے سے قبل مناسب ہے کہ ذکری مذہب پر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے۔ آپ کو یہ سن کر شاید تعجب ہوگا کہ ''ذکری مذہب'' ایک ایسا مذہب ہے جس کا کوئی ضابطۂ حیات نہیں ہے بلکہ وقتی طور پر اس کے پیشوا جن کو ''ملائی'' کہا جاتا ہے وہ جو کچھ حکم دے دیں وہی ان کا دین ہے ان کے مذہب پر اگر کوئی کتاب اصولی طور پر ان کے مذہب کے بانی یا اور کسی پیشوا نے لکھی بھی ہے تو اول تو وہ قلمی ہے اور ایک دو نسخہ سے زائد نہیں۔ مزید یہ کہ بہائیوں کی کتاب اقدس کی طرح وہ فضا سازگار ہونے تک

برسرعام نہیں لائی جاتی بلکہ وہ ایک دو نسخے ابا عن جد ان کے مذہبی پیشواؤں کے پاس منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔

تاہم ان کے مذہبی عقائد جس حد تک ہمیں معلوم ہوسکے ان میں سے چند اصولی چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔اس کے بعد مذکورہ سوالات کے جوابات تحریر کئے جائیں گے،انشاءاللہ تعالیٰ۔

مہدوی فرقہ:

ذکریوں کے عقائد ذکر کرنے سے قبل یہ بتادینا ضروری ہے کہ''ذکری مذہب''حقیقت میں فرقہ مہدویہ کی ایک شاخ ہے۔مہدویہ فرقہ میراں سید محمد جونپوری کی طرف منسوب ہے،مختلف جگہوں میں اس کے مختلف نام ہیں کہیں یہ لوگ ''مہدوی'' کہلاتے ہیں۔کہیں ''دائرہ والے''،کہیں ''مصدق'' کہیں ''ذکری'' کہیں ''داعی'' اور کہیں ''طائی'' کا نام رکھتے ہیں۔(مہدوی تحریک ص ۵)

مہدی جونپوری:

میراں سید جونپوری، جمادی الاول بروز پیر ۸۴۷ھ مطابق ۱۴۴۳ء جونپور (دوآبہ) ہندوستان میں پیدا ہوئے (مہدوی تحریک ص ۳۵) والد کا نام سید عبداللہ ہے۔بارہویں پشت میں موسیٰ کاظم تک سلسلہ نسب جا پہنچتا ہے۔والدہ کا نام آمنہ خاتون اور عرف آغا ملک ہے (مہدوی تحریک ص ۳۵) سندھ کے عوام سید محمد جونپوری کو''میراں سائیں''اور مکران وقلات وایران کے ذکری ''نور پاک'' کے لقب سے ان کا تذکرہ کرتے ہیں، جمادی الاولی ۸۸۷ھ میں جونپور کو چھوڑ کر مختلف علاقوں میں گشت کرتے رہے، یہاں تک کہ ۹۰۰ھ میں احمد نگر پہنچے اور ۹۰۱ھ میں حج کے لئے چلے گئے،نو ماہ مکہ معظمہ میں قیام رہا اور رکن اور''مقام ابراہیم'' کے درمیان کھڑے ہوکر اعلان کردیا کہ میری ذات وہی ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا اور محمد رسول اللہ ﷺ نے اور انبیاء سابق نے جس کی آمد کی خبر دی تھی۔اور یہ کہا کہ مہدی آخر زمانی میری ذات ہے (تحریک مہدویت ص ۴۴)۔

شیخ محمد اکرام نے ''رود کوثر'' میں اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے کہ:

۹۰۱ھ میں انہوں نے حج کیا اور مکہ معظمہ میں بھی مہدویت کا دعوی کیا۔اس

کے بعد واپس ہندوستان آئے۔ سب سے پہلے احمد آباد (گجرات) میں داخل ہوئے چنانچہ ۹۰۵ھ میں وہ موجودہ پاکستان کے علاقہ ٹھٹھہ میں آئے اور یہاں تقریبا چھ ماہ قیام کیا۔ ٹھٹھہ میں ان کی جائے قیام آج تک زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔

ٹھٹھہ سے چل کر بلوچستان کے غیر آباد اور دشوار گزار راستوں سے ہوکر آپ اپنی کثیر جماعت کو ساتھ لیکر قندھار پہنچے، قندھار سے فراہ (جو اس زمانے میں ایران میں داخل تھا، اب افغانستان میں شامل ہے) آئے اور فراہ میں ۱۹۔ ذی قعدہ ۹۱۰ھ میں بروز دوشنبہ انتقال کر گئے (مہدوی تاریخ مختصراً ص ۷۶)

مہدی ہونے کا دعوی اور سلاطین کو دعوت نامہ:

ذیل میں ہم ان کا ایک دعوت نامہ نقل کرتے ہیں جو انہوں نے مختلف امراء وسلاطین کو لکھا ہے۔ یہ خط شمس الدین مصطفائی نے اپنی کتاب مہدوی تحریک میں ''قول المحمود'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے، یہ خط مقام بڑلی (گجرات) سے ۹۰۵ھ میں مختلف امراء وسلاطین اور خوانین کے نام جاری کیا گیا۔

''اے لوگو! اس امر کو سمجھ لو کہ میں محمد بن عبداللہ رسول اللہ ﷺ کا ہم نام ہوں، مجھے اللہ تعالی نے ولایت محمد یہ کا خاتم اور اپنے نبی کی بزرگ امت پر خلیفہ بنایا ہے۔ میں وہی شخص ہوں جس کے آخری زمانے میں مبعوث ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے اور میں وہی ہوں جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ میں وہی ہوں جس کا سابقہ پیمبروں کے صحیفوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ میں وہی ہوں جس کی اگلے اور پچھلے گروہوں نے توصیف کی ہے۔ میں وہی ہوں جس کو رحمانی خلافت دی گئی ہے میں اللہ کی طرف بصیرت پر مخلوق کو اللہ تعالی کے حکم سے بلاتا ہوں۔ میں اس دعوی کے وقت نشے کی حالت میں نہیں ہوں۔ بلکہ باہوش ہوں۔ ہوش میں لائے جانے اور بیدار کئے جانے کا محتاج نہیں ہوں۔ اللہ کی طرف سے مجھے پاک رزق ملتا ہے اور مجھے سوائے اللہ کے اور کسی شے کی احتیاج نہیں میں ملک وحکومت کا طالب نہیں ہوں۔ اور نہ مجھے ریاست وسلطنت قائم کرنے کی خواہش ہے۔ میں امارت، ملک اور ریاست کو نجس خیال کرتا

ہوں۔ دنیا کی محبت سے چھڑانا میرا کام ہے۔

میری اس دعوت کا باعث یہی ہے کہ میں اللہ کی جانب سے اس دعوت پر مامور ہوں تاکید اور تہدید سے اپنی دعوت تم تک پہنچاتا ہوں۔ اللہ نے مجھے مفترض الطاعۃ بنایا ہے (یعنی میری اطاعت فرض ہے) میں تمام انس وجن کی طرف اپنی اس دعوت کو پہنچا رہا ہوں، اس مضمون سے کہ میں ولایت محمدیہ کا خاتم ہوں۔ میں اللہ کا خلیفہ ہوں، جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے روگردانی کی گویا اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے روگردانی کی، اے لوگو! مجھ پر ایمان لاؤ تاکہ تم کو چھٹکارا نصیب ہو۔

میری بات سنو! اور میری پیروی کرنے میں جلدی کرو تاکہ تم فلاح پاسکو، جو کوئی میرا انکار کرے گا اور میرے احکام سے سرتابی کرے گا اس کو اللہ اپنی شدید پکڑ میں پکڑے گا۔

اے لوگو! اس دن کے عذاب سے بچو جس دن پہاڑ باریک ریت کی طرح پیس دیئے جائیں گے۔ تم اس دنیا سے اس حالت میں سفر مت کرو کہ ہلاکت میں گرفتار ہو حسنِ ثواب آخرت اختیار کرو۔ اس ثواب آخرت کو کھوٹے داموں کے عوض نہ بیچو۔ تم سمجھدار ہو، اگر تم سمجھتے ہو کہ میں بناوٹی ہوں اور میں اللہ تعالیٰ پر افتراء کر رہا ہوں تو تمہارا فرض ہے کہ تحقیق کرو اور اس بات کے لئے جدوجہد کرو، اگر تم نے میری بات پر توجہ نہ دی تو تمہارا جھٹلانا ثابت ہوگا۔ تم حق بات کی تحقیق پر قادر ہو، اگر تم نے مجھے جھوٹ پر چھوڑ رکھا تو لازماً تم ماخوذ ہوگے، میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں اور اللہ شہادت کے لئے کافی ہے کہ میں امت محمدیہ کا دافع ہلاکت ہوں اور گمراہی سے بچانے والا ہوں تم پر لازم ہے کہ دھوکے میں نہ رہو۔ بلکہ میرے اقوال، افعال اور احوال کو قرآن پاک سے ملاؤ اور غور کرو۔ اگر میرا ہر کام اور میرا ہر حال قرآن کے مطابق ہے تو میرا کہا مانو ورنہ مجھے قتل کردو۔ یہی تمہاری نجات کا ذریعہ ہے اللہ سے ڈرو اور قلب عاجز سے اس کی

جانب متوجہ ہوجاؤ'' کیونکہ وہ مہربان اورمتوجہ ہونے والا ہے، وہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والانہیں ہے، یہ بات نصیحت ہے اس کے لئے جس نے قلبِ حاضر اور گوش واسے اس کوسنا''۔ آہ (مہدوی تحریک ص ۴۷ تا ۴۹ بحوالہ قول محمود)

زینۂ مہدویت:

سید محمد جونپوری کے والد کا نام عبداللہ نہ تھا اور نہ ہی والدہ کا نام آمنہ بلکہ جب سید محمد نے مہدی ہونے کا دعوی کرنے کا ارادہ کیا تو یہ خیال گزرا کہ حدیث میں مہدی کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ آیا ہے اس لئے اپنے والدین کا نام تبدیل کر کے حدیث کی ان پیشگوئیوں سے مطابقت اختیار کر لی جائے، چنانچہ اپنے والدین کے نام تبدیل کرادیئے۔ جب وہ ان ناموں سے مشہور ہوگئے تو مہدی ہونے کا دعوی کردیا، اس کے ہم عصر مصنفین میں سے کوئی بھی والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ نہیں لکھتا بعض محققین کی عبارات درج ذیل ہیں۔

الجونپوری: سید محمد الکاظمی الحسینی بن سید خان المعروف بڈھ حسینی اور والدہ آقا ملک مہدی ہونے کا مدعی، جونپور میں بروز یکشنبہ ۲۴ جمادی الاول ۸۴۷ھ ۱۰ ستمبر ۱۴۴۳ء کو پیدا ہوا ہم عصر ماخذ میں سے کوئی بھی اس کے والدین کا نام عبداللہ اور آمنہ نہیں بتاتا جیسا کہ مہدی ماٰخذ مثلاً سراج الابصار میں دعوی کیا گیا ہے۔ بظاہر اس کا مقصد یہ ہے کہ ان ناموں کو نبی اکرم ﷺ کے والدین کے ناموں جیسا بنادیا جائے تاکہ حدیث کی بعض پیشگوئیاں جونپوری پر ٹھیک آسکیں۔ علی شیر قانع کی ''تحفۃ الکرام'' اور خیر الدین الہ آبادی کے ''جونپور نامہ'' میں ان ناموں کا ذکر ہے یہ بعد کی تالیفات ہیں اس لئے معتبر نہیں۔

(دائرہ معارف اسلامیہ اردو ص ۵۲۱، ج ۷، دانشگاہ پنجاب لاہور)

علامہ عبدالحئ بن فخر الدین الحسینی اپنی مشہور کتاب ''نزہۃ الخواطر'' کے سلسلہ نمبر ۴۸۵ میں لکھتے ہیں:

الشیخ الکبیر محمد بن یوسف الحسینی الجونپوری المتمهدی المشهور بالهند ولد سنة سبع واربعين وثمان مائة بمدينة جونپور(۱)

(۱) نزهة الخواطر –الطبقة العاشرة فی أعيان القرن العاشر –حرف الميم –۴/۲۱۸–ط: دار ابن حزم بيروت

اسی کتاب میں آگے چل کر ان کی مزید نقاب کشائی کرتے ہیں:

قال ابو رجاء الشاهجانپوری فی الهدية المهدوية ان الجونپوری لم یمنع اصحابه عن ذلک (ای عن نسبته الی المهدی الموعود ۱۲ مولف) وبدل اسم ابیه بعبد الله واسم امه بآمنة واشاعها فی الناس وصنف کتابا فی اصول ذالک المذهب (۱)

ملاعبدالقادر بدایونی کی فارسی تاریخ ''منتخب التواریخ'' کے مترجم محمود احمد فاروقی نے حاشیہ میں لکھا ہے ''سید محمد جونپور کے رہنے والے تھے ان کے والد کا نام یوسف تھا۔ ایک مجذوب شخص دانیال کے مرید وخلیفہ ہوئے''۔ (ترجمہ منتخب التواریخ)

بہرحال سید محمد جونپوری کے والد کا نام یوسف ہو یا سید خان یا سید محمد یوسف خان لیکن اتنی بات پائے ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ والد کا نام عبداللہ مہدویت کے شوق کے بعد رکھا گیا ہے۔ ایسے والدہ کا اصل نام آقا ملک تھا جسے ہوسِ مہدویت نے آمنہ سے بدل دیا اور آقا ملک (آغا ملک) کا عرفی نام تجویز کر دیا۔ اس سے قارئین حضرات بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سید محمد جونپوری نے جس طرح والدین کے نام بعد میں نقلی تجویز کر ڈالے۔ ایسے ہی دعویٰ مہدویت بھی نقل ہے جسے بالفاظ دیگر مصنوعی مہدی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

ذکری مذہب:

یہاں تک یہ بات ثابت ہوگئی کہ سید محمد جونپوری نے مہدی آخر الزماں ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اب ہم مذہب ذکری کے متعلق کچھ مختصراً عرض کریں گے۔

یہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ سید محمد جونپوری مہدی آخرالزمان ہیں۔ نیز اس کو رسول بھی مانتے ہیں چنانچہ ان کا کلمہ اسلام کے کلمہ سے برعکس یہ ہے، **لاالہ الااللہ نور پاک محمد مهدی مرَاد الله**، (بلوچستان گزیٹر جلد ۷ آر ہیوز بلر ۱۹۰۷ء مکران ص ۱۱۹) نیز یہ کبھی اپنا کلمہ یوں بھی پڑھتے ہیں **لاالـه الاالله نورپاک محمد مهدی رسول الله** (ملت بیضاء ص ۱۰)

---

(۱) المرجع السابق — ۴/۱۹ ۴.

یہ لوگ اپنے پیغمبر کو عام طور پر محمد مہدی اٹکی کہتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ ان کا پیغمبر محمد مہدی اٹک (پنجاب سے مکران آیا تھا۔وہ ایک نور تھا جو ظاہر ہو کر ان کے بزرگوں کو دین کا راستہ بتا کر روپوش ہو گیا۔ ان کا خیال ہے کہ اس واقعہ کو چار پانچ سو سال گزر چکے ہیں۔اوران کے تفصیلی حالات (مہدی نامہ) میں لکھے ہیں مگر وہ یہ کتاب کسی کو نہیں دکھاتے یہ کتاب فارسی زبان میں ہے(ماخوذ از ملت بیضا ص ۱۷)

لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے۔یہ محمد اٹکی،سید محمد جونپوری ہی کو کہتے ہیں اور ہم پیچھے بتا چکے ہیں کہ سید محمد جونپوری مکران کے علاقہ میں گئے ہی نہیں بلکہ جب پنجاب (ہند) سے نکلے تو بلوچستان کے اس راستے سے گئے جو قندھار جاتا ہے۔پہلے قندھار اور پھر فراہ چلے گئے اور فراہ ہی میں انتقال ہوا اس لئے مکران میں ان کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،ابوسعید بلیدی جو سید محمد جونپوری کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے ان کے ہاتھوں مکران میں یہ فتنہ آیا،یہ وہ زمانہ ہے جب کہ اس علاقے میں بلیدیوں کی حکومت تھی۔یہ پندرہویں صدی عیسوی کا زمانہ تھا۔اس زمانہ میں ایران پر صفوی خاندان کا شاہ اسمٰعیل صفوی جو غالی شیعہ تھا فرمانروا تھا اور ترکی میں سلطان سلیم اول کی حکمرانی تھی۔پرتگیز،ولندیز اور انگریز اسی زمانے میں بحیرہ عرب سے ہندوستان میں تجارت اور سیاسی قسمت آزمائی کرنے میں مصروف تھے۔ان کی وجہ سے ہندوستان کے عازمین حج کو کافی دقت اٹھانی پڑی۔یہ تفصیلات مہدوی تحریک سے متعلق تقریباً سب ہی کتب میں لکھی ہیں۔

ذکریوں کے عقائد

مہدوی اور ذکری فرقے کے تاریخی حالات پیش کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے چند باتیں بطور پس منظر واظہار حقیقت ذکر کر دی گئی ہیں۔اب ذیل میں ان کے چند عقائد ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) ذکریوں کا کلمہ الگ ہے:

ذکریوں کے کلمہ سے متعلق کچھ حوالے ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں مزید حوالے ملاحظہ ہوں:

''اول آنکہ فرقۂ داعیان کلمہ طیبہ رابدیں طریق میگویند، لاالـــــہ الااللہ محـمـد مهـدی رسـول اللهِ'' (عمدة الوسائل ص ۱۶) ان کے جدید کلمے میں نور پاک کا حوالہ بھی ہے۔(میں ذکری ہوں ص ۳۶ ج ۱) نیز ذکری اور داعی لوگ

"رسول اللہ" کی جگہ بسا اوقات "امر اللہ" یا "مراد اللہ" بھی کہتے ہیں ان کا ایک کلمہ وہ ہے جسے وہ اپنی پنجگانہ تسبیحات میں پڑھتے ہیں،

لاالٰہ الااللہ الملک الحق المبین نور محمد مہدی رسول اللہ صادق الوعد الامین

(ترجمہ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ ہے، برحق ہے، ظاہر ہے، نور محمد مہدی اللہ کے رسول ہیں جو وعدہ کا سچا اور امانت دار ہے (ذکر توحید ص ۹، ۱۴، ۱۶ اومہدی تحریک ص ۴۷)

(۲) نماز کے منکر کے ہیں:

یہ لوگ نماز کے منکر ہیں اور نماز کے بجائے پانچ وقت ذکر کرتے ہیں۔ (میں ذکری ہوں ص ۷)

دوم آنکہ داعیان درادائے نماز پنجگانہ براہ انکار واعراض آمدہ اند ومی گویند نماز یکے شما مرداں میخوانند در پنج وقت علی التعیین فرض فجر وظہر وعصر ومغرب وعشاء ثبوتی ندارد خداوند تعالیٰ حکم عدم قرب نماز دادہ است بمقتضائے آیت، **یاایہا الذین امنوا لاتقربوا الصلوٰۃ** (ترجمہ) اے مومنان نزدیک مشوید نماز را (عمدۃ الوسائل از مولانا محمد موسیٰ صاحب ص ۲۰ ومکران تاریخ کے آئینہ میں ص ۱۰) وغیرہ۔

(۳) رمضان کے روزہ کے منکر ہیں:

سویم آنکہ مذہب والا داعیان در ماہ صیام رمضان المبارک روزہ نمی دارند، درتمام ماہ رحمٰن وشہر سبحان بشوق وذوق درخوردن وچریدن مشغول اند، ازفرضیت صیام منکر اند ومیگویند کہ خداوند تعالیٰ گفتہ است بخورید وبنوشید خطاب بما داعیان کردہ است قال اللہ تعالیٰ **کلوا واشربوا**، آہ گفت خداوند بخورید وبنوشید ہر آں عمل کہ خداوند بجا آوردہ در ماہِ رمضان خورد ونوش داریم (عمدۃ الوسائل صفحہ ۲۸)

نیز ذکریوں کی اپنی کتاب "میں ذکری ہوں" میں لکھا ہے کہ وہ رمضان کے بجائے دوسرے دنوں میں تین ماہ آٹھ دن روزوں کے قائل ہیں۔ وہ اس طرح کہ ہر دوشنبے، ایام بیض اور ذی الحجہ کے آٹھ، یہ کل تین ماہ آٹھ دن ہوگئے (میں ذکری ہوں ص ۷ ج ۱، وص ۳۷، ۳۸، ۳۹، ج ۱)

(۴) حج بیت اللہ کے منکر ہیں:

یہ لوگ (ذکری اور داعی) حج بیت اللہ کے منکر ہیں اور خانہ کعبہ کو قبلہ تصور نہیں کرتے، حج بیت اللہ کے بجائے ''کوہ مراد'' میں جا کر حج کرتے ہیں جو تربت (ضلع مکران) کے قریب ایک میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے (ماخوذ از مہدوی تحریک ص ۷۱)

مولانا محمد موسیٰ صاحب دشتی لکھتے ہیں:

''چہارم آنکہ منکر بیت اللہ خانہ کعبہ شریف بقصد زیارت ہستند (الی قولہ) وکوہِ مراد راکہ ذکر آن گذشتہ بوُد قبلہ خود مقرر کردہ اند (الی قولہ) برائے زیارت وطواف کوہِ مراد فراہم وجمع می شوند'' (عمدۃ الوسائل ص ۳۰،۲۹)

یہ لوگ ۲۷۔ رمضان اور نہم ودہم ذی الحجہ کو زیارت کے بہانے حج کرتے ہیں (مہدوی تحریک صفحہ ۷۱، سپاسنامہ آل پاکستان مسلم ذکری انجمن ص ۱۰، ۱۱)

(۵) کعبۃ اللہ کے قبلہ ہونے کے قائل نہیں:

مولانا محمد موسیٰ عمدۃ الوسائل میں لکھتے ہیں:

''ایضا پنجم آنکہ از توجہ بطرف کعبہ ضرورت عبادت ندانند، میگویند ملائیان ،فاینما تولوا فثم وجه الله پس ہر جا کہ روئی آرید پس آنجا خدائی تعالیٰ ہست، لہذا توجہ کعبہ قبلہ ضرورت ندارد (عمدۃ الوسائل ص ۳۱)

دین یا مذہب:

عام لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے دین و مذہب کی عجب تقسیم کرکے لکھتے ہیں:

ہم مسلمانوں کا دین ایک اسلام ہے۔ لیکن مذہب الگ الگ ہیں، جیسا حنفی، حنبلی، مالکی، شافعی، جعفری، شش امامی، ذکری اور اہل حدیث وغیرہ وغیرہ۔ ہمارا اور ان سب کا دین ''اسلام'' ہے اور جو اسلام سے خارج ہے وہ کافر ہے (میں ذکری ہوں ص ۶ ج ۱)

یہ عجب اتحاد اسلام ہے کہ کلمہ مسلمانوں سے الگ ہے۔ نماز، روزہ، حج جیسے اصولِ اسلام کے منکر ہیں، مگر مسلمان ہیں۔

عبادات کا ذکری تخیل:

کتاب ''میں ذکری ہوں'' کا مصنف عبادات کے بارے میں اپنا نظریہ یوں لکھتا ہے:

''میری عبادت یہ ہے، ذکر خداوندی پانچ وقت، رکوع اور سجدے، تین وقت اور روزہ ہم سب مذہبوں سے زیادہ رکھتے ہیں، یعنی سال میں تین ماہ آٹھ دن اور زکوٰۃ چالیس پر ایک اور عشر یعنی دسواں حصہ ہر آبادی پر یا کمائی پر اور یہ ہم فرض جانتے ہیں''۔

(میں ذکری ہوں ص،۷)

ان کے علاوہ:

''ذکری'' غسل بعد جماع واحتلام کے قائل نہیں (عمدہ ص۳۲) میت کے لئے نماز جنازہ کے قائل نہیں، صرف دعا کرتے ہیں جو ذکرخانہ میں ہوتی ہے (میں ذکری ہوں ص۴۵ ج۱)

ان کے علاوہ اور بھی کئی خرافات ہیں جن کا تحریر میں لانا مناسب نہیں۔

چوگان یا مذہبی رقص:

اس سے قبل کہ ہم استفتاء میں مندرجہ سوالات کا جواب دیں، ذکری مذہب کے ایک سماجی رقص کا تذکرہ کرتے ہیں۔

چوگان: یہ ایک قسم کا سماجی رقص ہے جسے مذہبی رنگ دے دیا گیا ہے۔ یہ چوگان چاندنی راتوں اور مقدس راتوں میں بالعموم کھلے میدانوں میں ہوتا ہے جوان بچے اور بوڑھے سب اس میں بڑے انہاک سے حصہ لیتے ہیں، چوگان میں شریک ہونے والے ایک دائرے میں کھڑے ہوجاتے ہیں اور وسط میں کوئی خوش گلو مرد یا عورت جو چوگان کے قدموں اور حرکتوں سے کماحقہ واقف ہوتا یا ہوتی ہے۔ کھڑے ہوکر صفت مہدی اور حمد خدا کے اشعار پڑھنا شروع کرتے ہیں اور تمام شرکاء جنہیں جوابی کہا جاتا ہے شاعر کے منہ سے نکلنے والے الفاظ پر حرکت میں آجاتے ہیں اور شعر کا آخری مصرعہ بہ یک زبان دہراتے ہیں، چوگان میں کسی قسم کا آلہ موسیقی استعمال نہیں کیا جاتا۔

چوگان کے بول تین طرح کے ہوتے ہیں۔ دو چاپی، سہ چاپی، اور چار چاپی، مثلاً، ہادیاً مہدیاً،

نازنین مہدیا، اللہ یک، مہدی برحق، یاراں مہدیا بلوٹیت، مہدی منی دل مرادوغیرہ (مہدوی تحریک ص۲۷)۔

مذکورہ چوگان (سماجی رقص) مین یہ لوگ دائرے کی شکل میں کھڑے ہوتے ہیں، جب چوگان کے بول بولے جاتے ہیں تو رقص کی طرح وہ اوپر نیچے ہوجاتے ہیں اور آگے پیچھے اس طرح سے ہٹتے جاتے ہیں کہ دائرہ اپنے حال پر باقی رہتا ہے، ذکری مذہب میں اس رقص کا بہت بڑا ثواب ہے اس میں شامل ہونے والوں کے ثواب کا تو کوئی اندازہ نہیں، اس کے تماشائی بھی بہت بڑا ثواب کماتے ہیں۔

ایک عزیز نے بتایا کہ انہوں نے دو مدعی "مہدی آخر الزمان" دیکھے ہیں، ذکریوں کی طرح انہوں نے بھی اپنے ماننے والوں کی اصلاح کے لئے اسی سے ملتا جلتا ایک مذہبی رقص اختیار کیا ہوا ہے جس میں حسب ضرورت عورتیں بھی شامل ہیں مذکورہ بالا مہدویوں میں سے ایک کا رقص اکثر وبیشتر پچھلی رات کو ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو خود ناچنے اور لوگوں کو نچانے کا جو شوق ہوا تو اپنی اس ہوس اور خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لئے مہدویت کا جال استعمال کیا۔

ع "دل کے بہلانے کو یہ چال بھی کیا خوب چلی"

یہ لوگ، سید محمد جونپوری کے ایک جملہ سے اپنے دائرہ یا مذہبی رقص پر استدلال کرتے ہیں اگرچہ سید محمد جونپوری کا اصطلاحی دائرہ کسی اور ڈھنگ کا تھا، وہ قول یہ ہے "میرے دائرے کا کتا بھی ضائع نہیں ہوگا"۔(مہدویت تحریک ص۷۶)۔

ذکری کافر ہیں:

ذکری چونکہ محمد مہدی کو رسول مانتے ہیں، اس کے نام کا کلمہ بھی پڑھتے ہیں اور اصول اسلام نماز، روزہ، حج وغیرہ کے منکر ہیں۔ اس لئے ان کے کافر ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں، اس تفصیل کے بعد اب مختصراً مطلوبہ سوالات کے جوابات ملاحظہ ہوں:

۱: ذکریوں سے نکاح جائز نہیں ہے:

قال فی الدر (و)حرم نکاح (الوثنیة) قال فی الشامیة تحت (قوله الوثنیة) ......ویدخل فی عبدة الاوثان عبدة الشمس (الی قوله)

وفی شرح الوجیز و کل مذهب یکفر به معتقده......الخ

قلت وشمل ذلک الدروز والنصیریة والتیامنة، فلا تحل مناکحتهم ولاتوکل ذبیحتهم لانهم لیس لهم کتاب سماوی (۱)

۲: چونکہ نکاح شروع سے ہوا ہی نہیں۔اس لئے علیحدگی اختیار کرلی جائے اور اتنی مدت جو بلا نکاح میاں بیوی کی صورت میں ایک ساتھ رہے اس سے توبہ کرے۔(۲)

۳: جو بچے پیدا ہوئے ہیں۔وہ ولد الزنا ہیں۔ان کا نسب ثابت نہیں، چونکہ ان کا باپ نہیں اس لئے ماں کی کفالت میں رہیں گے، باپ کے ساتھ ان کی وراثت کا کوئی تعلق نہیں۔

۴: اہل کتاب وہ ہیں جو کسی سچے رسول کی طرف منسوب ہوں (۳) اور ذکری مذہب والے محمد مہدی کو رسول مانتے ہیں، جو ان کے کلمہ "لاالہ الا اللہ نور پاک محمد مہدی رسول اللہ" سے صاف ظاہر ہے۔حالانکہ سید محمد جونپوری نبی نہیں اس لئے یہ لوگ اہل کتاب نہیں۔

۵: ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال نہیں ہے عبارت سوال نمبر (۱) کے جواب میں ملاحظہ ہو۔ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے صرف کلمہ اور اللہ اکبر کہنا کافی نہیں بلکہ اس کے لئے مسلمان یا اہل کتاب ہونا لازم ہے۔(۴)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: رشید احمد لدھیانوی

بینات، ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار -کتاب النکاح -مطلب مهم فی وطء السراری اللاتی یؤخذن غنیمة فی زماننا- ۳/۴۵.

(۲) الدر المختار -کتاب النکاح -مطلب فی النکاح الفاسد- ۳/۱۳۰.

(۳) تنویر الأبصار -کتاب النکاح- ۳/۴۵. لفظه: (وصح نکاح کتابیة مؤمنة بنبی) قال فی الشامیة (قوله: مومنة بنبی تفسیر للکتابیة لاتقیید.

(۴) تنویر الأبصار -کتاب الذبائح- ۳/۲۹۶، ۲۹۷.

حضرت مہدی منتظر

کے متعلق

جواب پر اشکال کی وضاحت

محترم المقام جناب مولانا لدھیانوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۴ ستمبر کے ''جنگ'' ''جمعہ ایڈیشن میں کسی سوال کے جواب میں آپ نے مہدی منتظر کی ''مفروضہ پیدائش'' پر روشنی ڈالتے ہوئے ''امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کے پرشکوہ الفاظ استعمال کئے ہیں، جو صرف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے مخصوص رہے ہیں۔

دوسرے قرآن مقدس اور حدیث مطہرہ سے ''امامت'' کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ علاوہ ازیں اس سلسلے میں جو روایات ہیں وہ معتبر نہیں کیونکہ ہر سلسلۂ رواۃ میں قیس بن عامر شامل ہے جو متفقہ طور پر کاذب اور من گھڑت احادیث کے لئے مشہور ہے۔

ابن خلدون نے اس بارے میں موافق ومخالف احادیث کو یکجا جمع کرنے پر اکتفا کیا ہے ان میں کوئی بھی سلسلۂ تواتر کو نہیں پہنچتی۔ اور ان کا انداز بھی بڑا مشتبہ ہے۔

لہٰذا میں حق وصداقت کے نام پر درخواست کروں گا کہ مہدی منتظر کی شرعی حیثیت قرآن عظیم اور صحیح احادیث نبویؐ کی روشنی میں بذریعہ ''جنگ'' مطلع فرمائیں تاکہ اصل حقیقت ابھر کر سامنے آجائے۔ اس سلسلہ میں مصلحت اندیشی یا کسی قسم کا ابہام یقیناً قیامت میں قابل مواخذہ ہوگا۔

شیعہ عقیدہ کے مطابق مہدی منتظر کی ۲۵۵ھ میں جناب حسن عسکریؒ کی یہاں نرجس خاتونؒ کے بطن سے ولادت ہوچکی ہے اور وہ حسن عسکریؒ کی رحلت کے فوراً بعد ۵ سال کی عمر میں حکمت خداوندی سے غائب ہوگئے، اس غیبت میں اپنے نائبین' حاجزین' سفراء اور وکلاء کے ذریعہ خمس وصول کرتے' لوگوں کے احوال دریافت کرکے حسب ضرورت ہدایات' احکامات دیتے رہتے ہیں۔ اور انہیں کے ذریعہ اس دنیا میں

اصلاح وغیرہ کا عمل جاری ہے۔ اس کی تائید میں لٹریچر کا طویل سلسلہ موجود ہے۔

میرے خیال میں علماء اہل سنت نے اس ضمن میں اپنے اردگرد پائی جانے والی مشہور روایات ہی کو نقل کردیا ہے۔ مزید تاریخی یا شرعی حیثیت و تحقیق سے کام نہیں لیا۔ اور اغلباً اسی اتباع میں آپ نے بھی اس ''مفروضہ'' کو بیان کرڈالا۔ کیا یہ درست ہے؟ والسلام منتظر جواب

''ابواللسان'' معرفت صاحبزادہ غازی

الجواب باسمہ تعالیٰ:

حضرت مہدی علیہ الرضوان کے لئے ''رضی اللہ عنہ'' کے ''پرشکوہ الفاظ'' پہلی بار میں نے استعمال نہیں کئے۔ بلکہ اگر آپ نے مکتوبات امام ربانیؒ کا مطالعہ کیا ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مکتوبات شریفہ میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے حضرت مہدیؓ کو انہیں الفاظ سے یاد کیا ہے۔ (۱) پس اگر یہ آپ کے نزدیک غلطی ہے تو میں یہی عرض کرسکتا ہوں کہ اکابر امت اور مجدد دین ملت کی پیروی میں غلطی:

ع این خطا از صد صواب اولیٰ تر است

کی مصداق ہے۔ غالباً کسی ایسے موقع ہی پر امام شافعیؒ نے فرمایا تھا:

ان کان رفضاً حب اٰل محمد ﷺ فلیشھد الثقلان انی رافضی (۲)

(''اگر آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا نام رافضیت ہے تو جن وانس گواہ رہیں کہ میں پکا رافضی ہوں۔'')

آپ نے حضرت مہدی کو ''رضی اللہ عنہ'' کہنے پر جو اعتراض کیا ہے اگر آپ نے غور وتأمل سے کام لیا ہوتا تو آپ کے اس اعتراض کا جواب خود آپ کی عبارت میں موجود ہے۔ کیونکہ آپ نے تسلیم کیا ہے کہ ''رضی اللہ عنہ'' کے الفاظ صرف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے لئے مخصوص رہے ہیں۔ آپ کو

---

(۱) مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ۱۰۳۴ھ۔ دفتر سوم۔ مکتوب ۱۲۳۔ ص ۲۰۱، ۲۰۲، اردو ترجمہ سید زوار حسین شاہ م: ۱۴۰۰ھ۔ ط: ادارہ مجددیہ کراچی

(۲) دیوان الامام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی۔ روی الضاد۔ قف بالمحصب۔ ص ۵۵۔ ط: اسلامی کتب خانہ

معلوم ہوگا کہ حضرت مہدی علیہ الرضوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفیق ومصاحب ہوں گے۔ پس جب میں نے ایک ''مصاحب رسول'' ہی کے لئے ''رضی اللہ عنہ'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ تو آپ کو کیا اعتراض ہے؟ عام طور سے حضرت مہدی کیلئے ''علیہ السلام'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جو لغوی معنی کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے اور مسلمانوں میں ''السلام علیکم'' ''وعلیکم السلام'' یا ''وعلیکم وعلیہ السلام'' کے الفاظ روزمرہ استعمال ہوتے ہیں مگر کسی کے نام کے ساتھ یہ الفاظ چونکہ انبیاء کرام یا ملائکہ عظام کے لئے استعمال ہوتے ہیں، اس لئے میں نے حضرت مہدیؓ کے لئے کبھی یہ الفاظ استعمال نہیں کئے کیونکہ حضرت مہدیؓ نبی نہیں ہوں گے۔

جناب کو حضرت مہدیؓ کیلئے ''امام'' کا لفظ استعمال کرنے پر بھی اعتراض ہے۔ اور آپ تحریر فرماتے ہیں کہ ''قرآن مقدس اور حدیث مطہرہ سے ''امامت کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ اگر اس سے مراد ایک خاص گروہ کا نظریۂ امامت ہے تو آپ کی یہ بات صحیح ہے۔ مگر جناب کو یہ بدگمانی نہیں ہونی چاہئے تھی کہ میں نے بھی ''امام'' کا لفظ اسی اصطلاحی مفہوم میں استعمال کیا ہوگا۔ کم سے کم امام مہدی کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' کے الفاظ کا استعمال ہی اس امر کی شہادت کے لئے کافی ہے کہ ''امام'' سے یہاں ایک خاص گروہ کا اصطلاحی ''امام'' مراد نہیں۔

اور اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم اور حدیث نبویؐ میں کسی شخص کو امام بمعنی مقتدا، پیشوا، پیش رو کہنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی تو آپ کا یہ ارشاد بجائے خود ایک اعجوبہ ہے۔ قرآن کریم، حدیث نبوی اور اکابر امت کے ارشادات میں یہ لفظ اس کثرت سے واقع ہوا ہے کہ عورتیں اور بچے تک بھی اس سے نامانوس نہیں۔

آپ کو ''واجعلنا للمتقین اماما'' کی آیت اور ''من بایع اماما'' کی حدیث تو یاد ہوگی، اور پھر امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کے ہزاروں افراد ہیں جن کو ہم ''امام'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ فقہ وکلام کی اصطلاح میں ''امام'' مسلمانوں کے سربراہ مملکت کو کہا جاتا ہے (جیسا کہ حدیث ''من بایع اماماً'' میں وارد ہوا ہے)(۱)

---

(۱) المسند للإمام احمد –۶/۵۳ تا ۵۷–رقم الحدیث: ۶۵۰۱، ۶۵۰۳–ط: دار الحدیث القاهرة

حضرت مہدیؒ کا ہدایت یافتہ اور مقتدا و پیشوا ہونا تو لفظ مہدی ہی سے واضح ہے۔ اور وہ مسلمانوں کے سربراہ بھی ہوں گے۔ اس لئے ان کے لئے ''امام'' کے لفظ کا استعمال قرآن و حدیث اور فقہ و کلام کے لحاظ سے کسی طرح بھی محل اعتراض نہیں۔

ظہور مہدیؒ کے سلسلہ کی روایات کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد کہ:

''اس سلسلہ میں جو روایات ہیں وہ معتبر نہیں۔ کیونکہ ہر سلسلۂ رواۃ میں قیس ابن عامر شامل ہے، جو متفقہ طور پر کاذب اور من گھڑت احادیث کے لئے مشہور ہے۔''

بہت ہی عجیب ہے معلوم نہیں جناب نے یہ روایات کہاں دیکھی ہیں جن میں سے ہر روایت میں قیس بن عامر کذاب آ گھستا ہے۔

میرے سامنے ابوداؤد کھلی ہوئی ہے۔ جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی، حضرت ام سلمہ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم کی روایت سے احادیث ذکر کی گئی ہیں ان میں سے کسی سند میں مجھے قیس بن عامر نظر نہیں آیا۔ (۱)

جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم کی احادیث ہیں۔ ان میں سے اول الذکر دونوں احادیث کو امام ترمذی نے ''صحیح'' کہا ہے۔ اور آخر الذکر کو ''حسن۔'' ان میں بھی کہیں قیس بن عامر نظر نہیں آیا۔ (۲)

سنن ابن ماجہ میں یہ احادیث حضرات عبداللہ بن مسعود، ابوسعید خدری، ثوبان، علی، ام سلمہ، انس بن مالک، عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہم کی روایت سے مروی ہیں۔ ان میں بھی کسی سند میں قیس بن عامر کا نام نہیں آتا۔

مجمع الزوائد میں مندرجہ ذیل صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے اکیس روایات نقل کی ہیں۔

۱۔ حضرت ابوسعید خدریؓ ٤

۲۔ حضرت ام سلمہؓ ٤

---

(۱) سنن أبي داؤد –اول کتاب المهدی– ۲/ ۵۸۸، ۵۸۹– ط: میرمحمد کتب خانه کراچی.

(۲) جامع الترمذی –باب ماجاء في المهدی –۲/ ۴۷– ط: قدیمی کتب خانه کراچی.

۳۔حضرت ابو ہریرہؓ ۳

۴۔حضرت ام حبیبہؓ ۱

۵۔حضرت عائشہؓ ۱

۶۔حضرت قرۃ بن ایاسؓ ۱

۷۔حضرت انسؓ ۱

۸۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۱

۹۔حصرت جابرؓ ۱

۱۰۔حصرت طلحہؓ ۱

۱۱۔حصرت علیؓ ۱

۱۲۔حضرت ابن عمرؓ ۱

۱۳۔حضرت عبداللہ بن حارثؓ ۱ (۱)

ان میں سے بعض روایات کے راویوں کی تضعیف کی ہے اور دو روایتوں میں دو کذاب راویوں کی بھی نشان دہی کی ہے۔مگر کسی روایت میں قیس بن عامر کا نام ذکر نہیں کیا۔اس لئے آپ کا یہ کہنا کہ ہر روایت کے سلسلۂ رواۃ میں قیس بن عامر شامل ہے۔محض خوش فہمی ہے۔

''آپ نے مؤرخ ابن خلدون کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں موافق اور مخالف احادیث کو یکجا جمع کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ان میں کوئی بھی سلسلۂ تواتر کو نہیں پہنچتی اور ان کا انداز بھی بڑا مشتبہ ہے''۔

اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ آخری زمانے میں ایک خلیفۂ عادل کے ظہور کی احادیث صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دیگر کتب احادیث میں مختلف طرق سے موجود ہیں۔یہ احادیث اگرچہ فرداً فرداً آحاد ہیں مگر ان کا قدر مشترک متواتر ہے۔

---

(۱)مجمع الزوائد ومنبع الفوائد،للحافظ نورالدین علی بن ابی بکر الهیثمی(م۸۰۷ھ)-باب ماجاء فی المهدی-۳۱۳/۷ تا ۳۱۸-ط: دار الفکر بیروت.

آخری زمانے کے اسی خلیفۂ عادل کو احادیث طیبہ میں "مھدی" کہا گیا ہے۔ جن کے زمانے میں دجال اعور کا خروج ہوگا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوکر اسے قتل کریں گے، بہت سے اکابر امت نے احادیث مہدیؒ کو نہ صرف صحیح بلکہ متواتر فرمایا ہے۔ اور انہی متواتر احادیث کی بناء پر امت اسلامیہ ہر دور میں آخری زمانے میں ظہور مہدیؒ کی قائل رہی ہے۔ خود ابن خلدون کا اعتراف ہے:

اعلم أن المشهور بين الكافّة من اهل الاسلام على ممر الاعصار انه لابد في اٰخر الزمان من ظهور رجل من اهل البيت يؤيد الدين ويظهر العدل ويتبعه المسلمون ويستولى على الممالك الاسلامية ويسمى بالمهدى ويكون خروج الدجال ومابعده من اشراط الساعة الثابتة في الصحيح على اثره وان عيسى ينزل من بعده فيقتل الدجال او ينزل معه فيساعده على قتله ويأتم بالمهدى في صلاته (۱)

ترجمہ...... جاننا چاہئے کہ تمام اہل اسلام کے درمیان ہر دور میں یہ بات مشہور رہی ہے کہ آخری زمانے میں اہل بیت میں سے ایک شخص کا ظہور ضروری ہے جو دین کی تائید کرے گا۔ عدل ظاہر کرے گا۔ اور مسلمان اس کی پیروی کریں گے۔ اور تمام ممالک اسلامیہ پر اس کا تسلط ہوگا۔ اس کا نام "مھدی" ہے۔ اور دجال کا خروج اور اس کے بعد کی وہ علامات قیامت جن کا احادیث صحیحہ میں ذکر ہے۔ ظہور مھدی کے بعد ہوں گی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام، مہدی کے بعد نازل ہوں گے۔ پس دجال کو قتل کریں گے۔ یا مہدی کے زمانے میں نازل ہوں گے۔ پس حضرت مہدی قتل دجال میں عیسیٰ علیہ السلام کے رفیق ہوں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز میں حضرت مہدی کی اقتدا کریں گے۔

اور یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے عقائد پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں بھی "علامات قیامت" کے ذیل میں ظہور مہدی کا عقیدہ ذکر کیا گیا ہے۔ اور اہل علم نے اس موضوع پر مستقل رسائل بھی تالیف فرمائے ہیں۔ پس ایک ایسی خبر جو احادیث متواترہ میں ذکر کی گئی ہو۔ ہر دور اور ہر زمانے میں کہ تمام مسلمان

---

(۱) مقدمة العلامة ابن خلدون — الفصل الثاني والخمسون في امر الفاطمي ...... الخ ص ۳۱۱ — ط: مصر

جسے مانتے آئے ہوں، اور جسے اہل سنت کے عقائد میں جگہ دی گئی ہو۔ اس پر جرح کرنا یا اس کی تخفیف کرنا پوری امت اسلامیہ کو گمراہ اور جاہل قرار دینے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ آپ نے اپنے خط کے آخر میں مہدی کے بارے میں ایک مخصوص فرقہ کا نظریہ ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

''میرے خیال میں علماء اہل سنت نے اس ضمن میں اپنے اردگرد پائی جانے والی مشہور روایات ہی کو نقل کر دیا ہے۔ مزید تاریخی یا شرعی حیثیت و تحقیق سے کام نہیں لیا۔ اور اغلباً اسی اتباع میں آپ نے بھی اس ''مفروضہ'' کو بیان کرڈالا، کیا یہ درست ہے۔؟''

گویا حفاظ حدیث سے لے کر مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ تک وہ تمام اکابر امت اور مجددین ملت جنہوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دکھایا آپ کے خیال میں سب دودھ پیتے بچے تھے کہ وہ تاریخی و شرعی تحقیق کے بغیر، گرد و پیش میں پھیلے ہوئے افسانوں کو اپنی اسانید سے نقل کر دیتے اور انہیں اپنے عقائد میں ٹانک لیتے تھے۔

غور فرمایئے!! کہ ارشاد نبویؐ ''ولعن آخر هذه الامة اولها '' (۱) کی کیسی شہادت آپ کے قلم نے پیش کر دی۔ میں نہیں سمجھتا کہ احساس کمتری کا یہ عارضہ ہمیں کیوں لاحق ہو جاتا ہے کہ ہم اپنے گھر کی ہر چیز ''آوردۂ اغیار'' تصور کرنے لگتے ہیں۔

آپ علماء اہل سنت پر یہ الزام لگانے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے کہ انہوں نے ملاحدہ کی پھیلائی ہوئی روایات کو تاریخی و شرعی معیار پر پرکھے بغیر اپنے عقائد میں شامل کر لیا ہوگا (جس سے اہل سنت کے تمام عقائد و روایات کی حیثیت مشکوک ہو جاتی ہے، اور اسی کو میں ''احساس کمتری'' سے تعبیر کر رہا ہوں) حالانکہ اسی مسئلہ کا جائزہ آپ دوسرے نقطۂ نظر سے بھی لے سکتے تھے کہ آخری زمانے میں ایک خلیفۂ عادل حضرت مہدیؓ کے ظہور کے بارے میں احادیث و روایات اہل حق کے درمیان متواتر چلی آتی تھیں۔ گمراہ فرقوں نے اپنے سیاسی مقاصد کیلئے اسی عقیدہ کو لے کر اپنے انداز میں ڈھالا۔ اور اس میں موضوع اور من گھڑت روایات کی بھی آمیزش کر لی۔ جس سے ان کا مطمح نظر ایک تو اپنے سیاسی مقاصد کو

---

(۱) مشکوة المصابيح -باب اشراط الساعة-الفصل الثانی-۲/ ۴۷۰-ط: قديمی كراچی.

بروئے کار لانا تھا۔ اور دوسرا مقصد مسلمانوں کو اس عقیدے ہی سے بدظن کرنا تھا۔ تاکہ مختلف قسم کی روایات کو دیکھ کر لوگ الجھن میں مبتلا ہوجائیں۔ اور ظہور مہدی کے عقیدے ہی سے دستبردار ہوجائیں۔ ہر دور میں جھوٹے مدعیانِ مہدویت کے پیش نظر بھی یہی دو مقصد رہے چنانچہ گذشتہ صدی کے آغاز میں پنجاب کے جھوٹے مہدی نے جو دعویٰ کیا اس میں بھی یہی دونوں مقصد کارفرما نظر آتے ہیں۔

الغرض سلامتیٔ فکر کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم اس امر کا یقین رکھیں کہ اہل حق نے اصل حق کو جوں کا توں محفوظ رکھا۔ اور اہل باطل نے اسے غلط تعبیرات کے ذریعہ کچھ کا کچھ بنادیا۔ حتیٰ کہ جب کچھ نہ بن آئی تو امام مہدی کو ایک غار میں چھپا کر پہلے غیبت صغریٰ کا اور پھر غیبت کبریٰ کا پردہ اس پر تان دیا۔ لیکن آخر یہ کیا اندازِ فکر ہے کہ تمام اہل حق کے بارے میں یہ تصور کرلیا جائے کہ وہ اغیار کے مال مستعار پر جیا کرتے تھے۔ اہل باطل کو اصل قرار دے کر تمام اہل حق کو ان کا تابع ٹھہرایا جائے؟

جہاں تک ابن خلدون کی رائے کا تعلق ہے وہ ایک مؤرخ ہیں، اگرچہ تاریخ میں بھی ان سے مسامحات ہوئے ہیں، فقہ وعقائد اور حدیث میں ابن خلدون کو کسی نے سند اور حجت نہیں مانا۔ اور یہ مسئلہ تاریخ کا نہیں بلکہ حدیث وعقائد کا ہے۔ اس بارے میں محدثین ومتکلمین اور اکابرامت کی رائے قابل اعتناء ہوسکتی ہے۔

امداد الفتاویٰ جلد ششم میں ص ۲۴۹ سے ص ۲۶۷ تک "موخرة الظنون عن ابن خلدون" کے عنوان سے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے ابن خلدون کے شبہات کا شافی جواب تحریر فرمایا ہے۔ اسے ملاحظہ فرمالیا جائے۔ (۱)

خلاصہ یہ کہ "مسئلہ مہدی" کے بارے میں اہل حق کا نظریہ بالکل صحیح اور متواتر ہے۔ اور اہل باطل نے اس سلسلہ میں تعبیرات وحکایات کا جو انبار لگایا ہے نہ وہ لائق التفات ہے اور نہ اہل حق کو اس سے مرعوب ہونے کی ضرورت ہے۔

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

بینات-صفر ۱۴۰۲ھ

---

(۱) امداد الفتاویٰ - کتاب العقائد والکلام - رسالہ موخرة الظنون عن ابن خلدون - ۶/ ۲۴۹ تا ۲۶۷ - ط: دار العلوم کراچی۔

حضرت مہدی
(ایک تحقیق)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس تحقیق کے بارے میں جو بندہ ناچیز نے کی ہے: لفظ ''مہدی'' کے معنی ہدایت یافتہ کے ہیں جس طرح شریعت میں رسول، نبی، صحابی، تابعین، تبع تابعین، مجدد وغیرہ کی اصطلاح ہیں اسی طرح مہدی کا لفظ شریعت کی اصطلاح میں ہدایت یافتہ امام کے لئے استعمال ہوا ہے۔ لفظ ''مہدی'' کی مندرجہ بالا اصطلاح حدیث کی روشنی میں صحیح ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے:

حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہوں گے میرے بعد بارہ امیر (سردار) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی لفظ کہے کہ میں نے نہ سنے تو میرے باپ یعنی سمرہ نے کہا کہ حضرت نے فرمایا کہ وہ سب سردار قریش کی قوم سے ہوں گے۔(۱)

فائدہ: ہر چند حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت سردار ہوئے لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ بارہ سردار نہایت دین دار ہوں گے، سنت محمدی پر چلیں گے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں خلفاء (خلفاء راشدین) اور حضرت حسن اور عمر بن عبدالعزیز اور امام مہدی آخر الزمان باقی تفصیل خدا ہی کو معلوم ہے اور جو یہ کہتے ہیں کہ بارہ (باطنی) امام مراد ہے سو بے دلیل بات ہے۔ اسلئے کہ امیر سردار اور حاکم کو کہتے ہیں اور کمال بزرگی اور چیز ہے۔ لیکن یہاں حکومت کا بیان ہے۔ (مترجم مشارق الانوار)

مندرجہ بالا حدیث سے تو ابتدائی چھ اماموں کی تعیین ہوئی، (اب منتخب کنز العمال کی حدیث سے ساتواں امام ثابت ہوگا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو فرمایا کہ اے چچا! کیا آپ نہیں

---

(۱) صحیح البخاری – کتاب الاحکام – ''باب'' – ۱۰۷۲/۲.

صحیح مسلم – کتاب الامارة – باب الناس تبع لقریش و الخلافة فی قریش – ۱۱۹/۲.

جانتے کہ آپ کی اولاد سے مہدی ہوگا)(۱) اور میری تحقیق کے مطابق اس سے ہارون الرشید مراد ہے۔

اور آٹھواں نواں دسواں گیارہواں امام الحاوی للفتاوی کی مندرجہ ذیل دوحدیثوں سے ثابت ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میرے اہل بیت میں پانچواں مرجائے ہرج ہی ہرج ہوگا یہاں تک کہ ساتواں مرجائے، پوچھا گیا ہرج کیا چیز ہے؟ فرمایا قتل، اسی طرح جاری رہے گا یہاں تک کہ مہدی آجائے (یعنی نیک سیرت آٹھواں امام)۔(۲)

لہذا میری تحقیق کے مطابق اب جو امام ہوگا وہ آٹھواں ہوگا اور اس کا نام عتیق ہوگا کیونکہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب نے اپنی تصنیف ''عصر حاضر'' میں سنن دارمی کی حدیث نقل کی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں، ''اور تمہارے اوپر عتیق کی اتباع ضروری ہے۔''

۲۔ دوسری حدیث میں باقی اماموں کے نام کا ذکر ہے جیسا کہ الحاوی میں ہے حکمرانوں کے بعد مہدی ہوگا پھر منصور ہوگا پھر سلام ہوگا اور پھر امیر العصب ہوگا اس کے بعد جو موت پر قدرت رکھتا ہے تو مرجائے۔(۳)

یعنی بارہ اماموں کی ترتیب یہ ہوئی:

۱: حضرت ابوبکر صدیقؓ ۲: حضرت عمرؓ ۳: حضرت عثمانؓ ۴: حضرت علیؓ
۵: حضرت حسنؓ ۶: حضرت عمر بن عبدالعزیز ۷: بادشاہ ہارون الرشید ۸: عتیق
۹: منصور ۱۰: سلام ۱۱: امیر العصب ۱۲: محمد معروف مہدی آخر الزمان۔

کیا میری یہ تحقیق درست ہے؟ اور آپ حضرات میری اس تحقیق کے ساتھ متفق ہیں؟

المستفتی: ایک ادنیٰ مسلمان (محمد فرید)

---

(۱) **قوله**: عن ابن عباس، اللهم انصر العباس وولد العباس ثلاثاً، ياعم! اماعلمت ان المهدى من ولدك مرفقا رضيا ومرضياً۔ **منتخب كنز العمال (لعلاء الدين على التقى م۹۷۵ھ) على هامش المسند الامام احمد - الفرع الثانى فى ذكر اشراطها الكبرىٰ - ۶/۳۱ ط: المكتب الاسلامى.**

(۲) **الحاوى للفتاوى للعلامة جلال الدين السيوطى (م ۹۱۱ھ) - " العرف الوردى فى اخبار المهدى" - ۲/۸۳ - ط: دار الكتب العلمية بيروت لبنان.**

(۳) **المرجع السابق.**

الجواب باسمہ تعالیٰ

صورت مسئولہ میں جواب سے پہلے تمہید کے طور پر دو باتیں لکھی جارہی ہیں تاکہ جواب سمجھنے میں آسانی ہو:

۱: جتنی صحیح احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ خلفاء کے آنے کا ذکر ہے ان میں سے کسی حدیث میں بھی کسی خلیفہ کے نام کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ:

عن عبد الملک سمعت جابر بن سمرة قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول یکون اثناعشر امیراً فقال کلمةً لم اسمعها فقال ابی: انه قال: کلهم من قریش (۱)

اسی طرح مسلم شریف میں ہے:

عن جابر بن سمرةؓ قال دخلت مع أبی علی النبی ﷺ فسمعته یقول ان هذا الامر لاینقضی حتی یمضی فیهم اثناعشر خلیفةً ثم تکلم بکلام خفی علی قال فقلت لابی ماقال؟ قال کلهم من قریش. (۲)

اس روایت کو امام مسلم نے سات طرق سے نقل کیا ہے کسی طریق میں بھی کسی خلیفہ کے نام کی کوئی صراحت نہیں ہے۔

۲: ان بارہ آدمیوں کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ خلیفہ یعنی بادشاہ ہوں اور لوگوں کا ان پر اتفاق واجتماع ہو، یعنی سب مسلمان ان کو مانتے ہوں جیسا کہ ان شرطوں کا ذکر ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے:

عن جابر بن سمرةؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لایزال هذا الدین قائماً حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفة کلهم تجتمع علیه الامة. (۳)

---

(۱) صحیح البخاری – کتاب الاحکام – "باب" – ۱۰۷۲/۲۔

(۲) صحیح مسلم – کتاب الامارة – "باب الناس تبع لقریش" – ۱۱۹/۲۔

(۳) سنن أبی داؤد – کتاب المهدی – ۲۳۲/۲۔

یہاں نبی اکرم ﷺ نے ان کو خلیفہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ ہوں گے۔ اور دوسرے نمبر پر فرمایا کہ امت کا ان میں سے ہر ایک پر اجماع ہوگا۔

اسی طرح ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے اہل تشیع کے بارہ اماموں کا رد اسی شرط سے کیا ہے کہ وہ سب کے سب صاحب الامر نہیں تھے۔ جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے:

ولیسوا بائمة الشیعة الاثنی عشر فان کثیراً من اولئک لم یکن الیهم من الامر شیئی (۱)

مذکورہ دونوں تمہیدی باتوں کو سمجھنے کے بعد یہ سمجھنا چاہئے کہ جب حدیث شریف میں مذکورہ بالا خلفاء میں سے کسی خلیفہ کے نام کی تصریح نہیں ہے۔

اب شارحین حدیث ان خلفاء کے بارے میں کیا فرماتے ہیں اس کو دیکھنا ضروری ہے تاکہ حدیث کا صحیح مطلب اور مراد متعین ہو سکے۔ شارح البخاری علامہ ابن حجرؒ نے ''فتح الباری'' میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علماء کرام کے تین اقوال نقل کئے ہیں۔

۱- فانه اشار الی مایکون بعده وبعد اصحابه وان حکم اصحابه مرتبط بحکمه فاخبر عن الولایات والواقعة بعدهم فکانه اشار بذالک الیٰ عدد الخلفاء من بنی امیة....الخ

یعنی یہ بارہ خلفاء بنوامیہ میں ہی پورے ہو جائیں گے۔

۲- فقال ابو الحسین بن المنادی فی الجزء الذی جمعه فی المهدی یحتمل فی معنی حدیث ''یکون اثناعشر خلیفة'' ان یکون هذا بعد المهدی الذی یخرج فی آخر الزمان ...الخ

یعنی بارہ خلفاء آخری زمانہ کے امام مہدی کے بعد آئیں گے۔

۳- ان المراد وجود اثنی عشر خلیفة فی جمیع مدة الاسلام

(۱) تفسیر ابن کثیر لابی الفداء اسماعیل بن محمد بن کثیر (م۷۷۴ھ)- تحت قوله تعالیٰ: وعد الله الذین امنوا منکم ...... الایة، سورة النور ۵۵ -۳/ ۳۹۹- ط: قدیمی کتب خانه.

الى يوم القيامة يعملون بالحق وان لم تتوالى ايامهم ويؤيده مااخرجه مسدد فى مسنده الكبير ....قال صاحب الفتح ارجحها الثالث من اوجه القاضى لتأييده بقوله فى بعض طرق الحديث الصحيحة كلهم يجتمع عليه الناس .وايضاح ذالک ان المراد بالاجتماع انقيادهم لبيعته والذى وقع أن الناس اجتمعو اعلى ابى بكر ثم عمر ثم عثمان ثم على الى ان وقع امر الحكمين...... ثم اجتمعوا على اولاده الاربعة الوليد ثم سليمان ثم يزيدثم هشام وتخلل بين سليمان ويزيد عمر بن عبد العزيز فهولاء سبعة بعد الخلفاء الراشدين والثانى عشر هو الوليد بن يزيد بن عبد الملک اجتمع الناس عليه لما مات عمه هشام .(۱)

تیسرا قول یہ ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے بعد سے لیکر قیامت تک بارہ خلیفہ ایسے آئیں گے جو حق پر عمل کریں گے اگر چہ وہ پے در پے نہیں آئیں گے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو مسدد نے اپنی کبیر میں ذکر کیا ہے کہ یہ امت اس وقت تک ہلاک نہیں ہوگی جب تک اس امت میں ایسے بارہ خلیفہ نہ آئیں جو راہ راست پر چلتے ہوں اور دین حق پر عمل کرتے ہوں۔

پھر ابن حجر نے تیسرے قول کو ترجیح دی ہے اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ بعض صحیح احادیث میں ان پر امت کے اجماع کا ذکر ہے (جیسا کہ تمہید نمبر ۲ میں ابوداؤد شریف کی حدیث میں گزر چکا ہے)

اس کے بعد انہوں نے ایسے بارہ خلفاء کا ذکر کیا ہے جن پر سب لوگوں کا اجماع تھا، اور وہ یہ ہیں:

(۱) ۱: حضرت ابوبکر صدیقؓ، ۲: حضرت عمرؓ، ۳: حضرت عثمانؓ، ۴: حضرت علیؓ، ۵: حضرت معاویہؓ، ۶: یزید، ۷: ولید، ۸: سلیمان، ۹: عمر بن عبدالعزیز، ۱۰: یزید، ۱۱: ھشام، ۱۲: الولید بن یزید بن عبدالملک۔

(۲) الکواکب الدراری میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ ایک زمانہ میں بارہ آدمی خلافت کا دعوی کریں گے یا اس سے مراد یہ ہے کہ بارہ آدمی ایسے ہوں گے

---

(۱) فتح البارى لابن حجر العسقلانى (المتوفى: ۸۵۲ھ) - كتاب الاحكام - باب الاستخلاف - ۲۱۳/۱۳، ۲۱۴ - رقم الحديث: ۷۲۲۳ - ط: رئاسة ادارات البحوث العلمية السعودية.

جوخلافت کے مستحق ہوں گے۔(۱)

(۳) اسی طرح مسلم شریف کی شرح ''اکمال اکمال المعلم''(۲) اور ''مکمل اکمال المعلم''(۳) میں اس حدیث کے تحت مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد آخر میں یہی فرمایا کہ:

وقد يحتمل وجوها آخر والله سبحانه اعلم بمراد نبيه ﷺ فيها ۔

(۴) لامع الدراری میں علامہ رشید احمد گنگوہیؒ نے اس حدیث کے تحت کل گیارہ اقوال نقل کئے ہیں جن میں سے دس اقوال اہل سنت والجماعت کے اور ایک قول اہل تشیع کا۔ یہاں بھی حضرت گنگوہیؒ نے یقین کے ساتھ کسی ایک قول کی تعیین نہیں کی کہ اس حدیث کا یہی مفہوم ہے۔(۴)

(۵) علامہ ابن کثیرؒ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ جن ائمہ پر امت کا اجماع ہوا ہے ان میں سے چار پے در پے ہیں، یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ۔ اس کے بعد فرمایا:

ثم كانت بعدهم فترة ثم وجد منهم من شاء الله ثم قد يوجد منهم من بقي في وقت يعلمه الله تعالى ومنهم المهدي الذي يطابق اسمه اسم رسول الله صلى الله عليه وسلم وكنيته كنيته يملأ الأرض

---

(۱) الكواكب الدراري شرح البخاري للكرماني -كتاب الأحكام -رقم الحديث: ۶۷۸۱- ۲۴/ ۲۵۱ - ط: المطبعة البهية المصرية .

(۲) اكمال اكمال المعلم للإمام أبي عبدالله الأبي المالكي (المتوفى:۸۲۷ھ)-احاديث قوله صلى الله عليه وسلم ان هذا الأمر لاينقضي حتى يمضي اثنا عشر خليفة -۵/ ۱۶۲ -ط: دار الكتب العلمية بيروت.

(۳) مكمل اكمال المعلم شرح اكمال اكمال المعلم للإمام أبي عبدالله محمد بن محمد السنوسي الحسيني (المتوفى: ۸۹۵ھ)-۵/ ۱۶۲ .

(۴) لامع الداراري على جامع البخاري -كتاب الاحكام -۳/ ۴۱۹-ط: المكتبة اليحيوية الهند. مانصه : قلت اختلفوا في معناه على أقوال عديدة منها .... فهذه أحد عشر قولا عثرت عليها من أقاويل اهل السنة والجماعة والثاني عشر ما هو المعروف عند اهل الروافض والفرقة الإمامة الاثنا عشرية ۔

عدلا وقسطا کما ملئت جورا وظلما .(۱)

یعنی خلفائے راشدینؓ کے بعد انہوں نے بھی اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے علم پر چھوڑ دیا یعنی اللہ ہی جانتا ہے کہ چار خلفاء کے بعد کون سے خلیفہ اس حدیث کے مصداق کے مطابق گزر چکے ہیں اور کون آگے آئیں گے۔

(۶) اسی طرح اس حدیث کے بارے میں ''ابن الجوزی'' نے بھی یہی فرمایا ہے کہ میں نے اس کے معنی اور مقصود کو حاصل کرنے کے لئے بہت زیادہ کوشش کی اور لوگوں سے پوچھا لیکن طویل تفتیش اور بحث کے باوجود مجھے اس حدیث کا معنی اور مفہوم حاصل نہ ہوسکا۔(۲)

مذکورہ بالا تبحر اور مستند علماء کرام کے اقوال اور آراء سے بھی یہی معلوم ہوا کہ بارہ خلفاء سے کون مراد ہیں؟ یقینی اور حتمی طور پر بتانا مشکل ہے البتہ بعض علماء کرام نے مختلف قرائن سے جن خلفاء کو منتخب کیا ہے ان لوگوں پر غور کرنے سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے دو شرطوں کو سامنے رکھ کر ایسا کیا ہے، اور وہ دو شرطیں یہ ہیں:

۱: وہ خلیفہ یعنی بادشاہ ہو۔ ۲: ان کی بادشاہت پر امت اجتماعی طور پر راضی ہو۔ یعنی جن کو ہم بارہ خلیفہ شمار کریں گے ان کے لئے خلیفہ وقت اور امت کا ان کی خلافت پر اجتماع ہونا ضروری ہے۔

یہ تو تھی سلف صالحین کی تشریح۔

اب ہم ان احادیث کے بارے میں بحث کرتے ہیں جن سے سائل نے اپنے مرشد ''عتیق'' کو سلسلۂ خلافت کی آٹھویں کڑی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

آپ نے ''عتیق'' کو آٹھواں امام ثابت کرنے کے لئے جن دو احادیث سے استدلال کیا ہے وہ احادیث علامہ سیوطیؒ کی کتاب ''الحاوی للفتاوی'' میں موجود ہیں جن کا راوی نعیم ہے۔ (۱) چونکہ حدیث

---

(۱) تفسیر القرآن العظیم للحافظ ابن کثیر –سورۃ النور : ۵۵–۴/ ۵۶۹–ط: المکتبۃ الفاروقیۃ بشاور.

(۲) بحوالہ لامع الدراری –کتاب الاحکام –۳/ ۴۲۹–مانصہ : قال ابن الجوزی : قد اطلت البحث عن معنی ھذا الحدیث وطلبت مظانہ وسألت عنہ فلم أقع علی المقصود بہ .

(۳) الحاوی للفتاوی –العرف الوردی فی أخبار المھدی– ۲/ ۷۹–ط: المکتبۃ الرشیدیۃ .

وکذا فی الفتن للحافظ نعیم بن حمادالخزاعی(المتوفی: ۲۲۹ ھ) کتاب الفتن –باب مایکون بعد المھدی– ۲۷۴–رقم الحدیث : ۱۰۸۱ –ط: دار الکتب العلمیۃ .

کے متن کی صحت اور عدم صحت راوی پر موقوف ہوتی ہے اس وجہ سے اب ہم نعیم راوی کے بارے میں ائمہ رجال کی تحقیق پیش کرتے ہیں تاکہ حدیث کی صحت وضعف کے بارے میں صحیح علم ہو سکے۔

(۱) علامہ ابن حجر عسقلانیؒ ''تھذیب التھذیب'' میں نعیم راوی کے بارے میں فرماتے ہیں:

وکان نعیم یحدث من حفظه وعنده منا کیر کثیرة لایتابع علیها قال وسمعت یحیی بن معین سئل عنه فقال لیس فی الحدیث بشیئٍ ولکنه صاحب السنة .وقال الآجری عن ابی داؤد عند نعیم نحو عشرین حدیثاً عن النبی ﷺ لیس لها اصل ،وقال النسائی نعیم ضعیفٌ وقال فی موضع آخر لیس بثقة.....وقال غیره کان یضع الحدیث فی تقویة السنة وحکایات فی ثلب ابی حنیفة کلها کذب......واما نعیم فقد ثبتت عدا لته وصدقه ولکن فی حدیثه اوهام معروفة وقد قال فیه الدار قطنی امام فی السنة کثیرا لوهم وقال ابو احمد الحاکم ربما یخالف فی بعض حدیثه وقد مضیٰ ان ابن عدی یتتبع ماوهم فیه فهذا فصل القول فیه .(۱)

(۲) اسی طرح میزان الاعتدال میں نعیم کے بارے میں وہی اقوال نقل کئے گئے ہیں جن کا تھذیب میں تذکرہ کیا گیا ہے۔(۲)

سیر اعلام النبلاء میں علامہ ذہبیؒ نے نعیم کے بارے میں تفصیل سے مختلف اقوال نقل کئے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

سمعت احمد بن حنبل ویحیی بن معین یقولان نعیم بن حماد معروف بالطلب ثم ذمه یحیی وقال یروی عن غیر الثقات .(۳)

---

(۱) کتاب تهذیب التهذیب —من اسمه نعیم —۱۰/ ۴۱۱—رقم الترجمة : ۸۳۲—ط: دار الفکر بیروت.

(۲) میزان الاعتدال فی نقد الرجال للحافظ ابی عبدالله الذهبی(المتوفی : ۷۴۸ھ)—حرف النون —نعیم — ۲۶۷/۴—رقم الترجمة: ۹۱۰۲— ط: دار المعرفة بیروت .

(۳) سیر اعلام النبلاء للحافظ الذهبی —نعیم بن حماد —۵۹۷/۱۰—رقم الترجمة : ۲۰۹—ط: مؤسسة الرسالة

وقال ابن حماد: یعنی الدولابی ،نعیم ضعیف قاله احمد بن شعیب ثم قال ابن حماد وقال غیره کان یضع الحدیث فی تقویة السنة ......الخ وذکره ابن حبان فی الثقات وقال ربما اخطأ ووهم.(۱)

مذکورہ تینوں کتابوں کے مختلف اقوال کا خلاصہ یہی ہے کہ یحییٰ بن معین نے ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر چہ وہ خود صاحب السنہ ہے،مگر حدیث میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

امام نسائی نے ان کو ایک جگہ ضعیف کہا ہے اور دوسری جگہ غیر ثقہ قرار دیا ہے اور ابن حماد نے کہا یہ ضعیف ہے اور بعض دوسرے علماء نے یہ کہا کہ یہ حدیث گھڑتے تھے۔

ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد امام الجرح والتعدیل علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ:

قلت لایجوز لاحدان یحتج به قد صنف کتاب الفتن فاتی فیه بعجائب ومناکیر(۲)

یعنی کسی شخص کے لیے نعیم کی روایت کردہ حدیث سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے اور انہوں نے کتاب الفتن کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ہے اس میں عجیب وغریب منکر احادیث ذکر کی ہیں اور مذکورہ بالا دو احادیث بھی اسی کتاب الفتن سے تعلق رکھتی ہیں،لہٰذا ان احادیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ جس مصنف کی کتاب سے آپ نے مذکورہ دونوں احادیث کو نقل کیا ہے اور ان سے استدلال کیا ہے وہ مصنف خود اس راوی کے بارے میں دوسری کتاب میں فرماتے ہیں کہ وہ (نعیم) بے کار قسم کی حدیث لاتے ہی رہتے ہیں۔ہم کب تک اس کا دفاع کرتے رہیں گے؟ جیسا کہ ذیل اللآلی المصنوعة المتعقبات علی الموضوعات للسیوطی میں ہے۔وہ فرماتے ہیں:

اتعبنا نعیم بن حماد من کثرة مایأتی بهذه الطامات وکم ندرأ عنه(۳)

---

(۱) المرجع السابق –۱۰/۲۰۸،۲۰۹.

(۲)المرجع السابق –۱۰/۲۰۹.

(۳) ذیل اللآلی المصنوعة المتعقبات علی الموضوعات –کتاب التوحید –ص۳–ط: المکتبة الأثریة .

نعیم بن حماد نے ہمیں تھکا دیا ہے، ایسے مصائب کو کثرت سے لانے سے اور
ہم کب تک اس کا دفاع کرتے رہیں گے۔

اس پوری تفصیل کے بعد ایک عقل سلیم رکھنے والے شخص کے سامنے یہ بات کسی طرح بھی مخفی نہیں ہوسکتی کہ مذکورہ احادیث سے ''عتیق'' کو آٹھواں امام ثابت کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

آپ کے آخری استدلال پر سب سے زیادہ تعجب ہوتا ہے کہ آپ نے مولانا یوسف لدھیانوی صاحب کی کتاب ''عصر حاضر احادیث کی روشنی میں'' کے صفحہ ۹۳ (۱) سے سنن دارمی کی حدیث جس کے آخر میں لفظ عتیق آیا ہے اس سے آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ آٹھواں امام عتیق ہوگا۔ بھلا اس حدیث کا خلافت سے کیا تعلق ہے؟

اس حدیث سے خلافت اور امامت کا دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے، ہاں یہ بات بالکل درست ہے کہ اس حدیث کا آپ کی اصطلاح کے ساتھ بہت ہی قرب کا تعلق ہے کیونکہ جس جملہ سے آپ نے استدلال کیا ہے، وہ جملہ اور دو جملے اس سے پہلے کے، آپ جیسے لوگوں کی اصلاح کی طرف ہی اشارہ کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اس میں فرمایا کہ:

وایاکم والتبدع وایاکم والتعمق وعلیکم بالعتیق.

یعنی نئی اپج' بے سود کی موشگافی اور لایعنی غور وخوض سے بچو اور (سلف صالحین کے) پرانے راستے پر قائم رہو۔ (۲)

حدیث میں عتیق سے مراد سلف صالحین کا پرانا راستہ ہے۔ آپ کا مرشد ''عتیق'' ہرگز نہیں ہے۔
مذکورہ تمام تحقیقات سے صرف نظر کرتے ہوئے بھی یہ کہنا غلط ہے کہ عتیق آٹھواں امام ہے۔

کیونکہ عتیق ان بارہ خلفاء میں سے ایک بھی نہیں بن سکتا، اس لئے کہ نہ اس کے پاس خلافت ہے اور نہ امت کا اس کی خلافت پر اجماع؟ جب کہ خلیفہ کے لئے یہ دو شرطیں ضروری ہیں۔

---

(۱) عصر حاضر احادیث کی روشنی میں از مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ - رقم الحدیث: ۸۵ - ص ۹۳ - ط: مکتبہ لدھیانوی.

(۲) حوالا بالا.

اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان کے مریدین ہیں جن پر ان کی خلافت چلتی ہے اور ہمارا اجماع ہے ان کی خلافت پر۔

اگر خلافت کا یہی معنی اور مفہوم مراد ہے تو یہ کہنا کیا مشکل ہے کہ وہ مادرزاد ننگے فقراء جو راستے میں پھرتے رہتے ہیں، ان کے بھی بہت سے مریدین ہوتے ہیں اور ان کا امر بھی ان مریدین پر چلتا ہے تو وہ بھی یہ دعویٰ کرسکیں گے کہ وہ بھی امام مہدی ہیں۔

غرض کہ آپ کی تحقیق کو درست اور اس کے ساتھ اتفاق کرنا تو دور کی بات ہے بلکہ ہم اس کو تحقیق کے الفاظ سے تعبیر کرنا بھی صحیح نہیں سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائیں اور حدیث کے معانی میں تحریف کرکے لوگوں کو دھوکا دینے سے محفوظ رکھیں۔ آمین واللہ اعلم

الجواب صحیح	کتبہ
محمد عبدالسلام	محمد ابراہیم

بینات - جمادی الثانیہ، رجب ۱۴۱۶ھ

کفریات پرویز

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اخوف ما اخاف علی امتی کل منافق علیم اللسان (مجھے سب سے زیادہ ڈر اپنی امت پر ہر اس منافق سے ہے جو زبان داں ہو) مسٹر پرویز بھی ان ہی منافقین میں داخل ہیں جن کو کچھ اردو لکھنے کا سلیقہ آ گیا ہے اور انہوں نے اپنے اس سلیقہ سے بجائے اس کے کہ ادب اردو کی کچھ خدمت کرتے، مذہب کو تختۂ مشق بنا رکھا ہے اور اس طرح جو قلم کہ لیلیٰ مجنوں کے خطوط یا کسی ادبی افسانے کے لئے وقف ہوتا وہ اب دین و مذہب کی تحریف میں منہمک ہے۔ ہمارے ملک کی جو آبادی اردو پڑھی لکھی ہے ان میں سے جو لوگ مذہبی معلومات کے حامل ہیں وہ تو ان کی انشاء پردازی سے مسحور نہیں ہو سکتے، لیکن ہماری نئی پود جو دینی معلومات کے سلسلہ میں بالکل خالی الذہن ہے وہ ان کی ملمع کاری کے فریب میں آ جاتی ہے اور یہی نسل اصل میں ان کی شکارگاہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنے اس مقالہ میں مسٹر پرویز کی کفریات کو مختصر انداز میں اس طرح جمع کر دیا ہے کہ ان کو پڑھ کر ایک ادنیٰ مسلمان بھی ان شاء اللہ مسٹر پرویز کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوگا۔ یوں تو مسٹر پرویز کے کفر کے متعلق ''علماء کا متفقہ فتویٰ'' عرصہ ہوا کہ شائع ہو چکا ہے''۔　　(ادارہ)

اللہ و رسول:

۱:　''اللہ، رسول'' سے مراد ہی ''مرکزِ ملت'' (Central Athority) ہے'' اور ''اولی الامر'' سے مفہوم ''افسرانِ ماتحت'' (۱)

۲:　قرآن کریم میں جہاں اللہ اور رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ''مرکز نظام حکومت'' ہے۔ (۲)

۳:　بالکل واضح ہے کہ اللہ اور رسول سے مراد ''مرکز حکومت'' ہے۔ (۳)

۴:　اللہ اور رسول سے مراد ہی ''مرکز ملت'' ہے۔ (۴)

---

(۱) معارف القرآن از پرویز - ج ۴ ص ۶۲۶ - شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام کراچی

(۲) حوالہ بالا ج ۴ ص ۶۲۳۔　(۳) حوالہ سابقہ ج ۴ ص ۶۲۴　(۴) حوالہ سابقہ ج ۴ ص ۶۵۴۔

۵: اللہ اور رسول سے مراد ''مسلمانوں کا امام'' ہے۔(۱)

۶: بعض مقامات پر اللہ اور رسول کے الفاظ کی بجائے قرآن اور رسول کے الفاظ بھی آئے ہیں جن کا مفہوم بھی وہی ہے یعنی ''مرکز ملت'' جو قرآنی احکام کو نافذ کرے۔(۲)

۷: قرآن کریم میں ''مرکز ملت'' کو اللہ اور رسول کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔(۳)

اللہ اور رسول کی اطاعت:

۱: ''اللہ اور رسول کی اطاعت'' سے مراد مرکزی حکومت کی اطاعت ہے جو قرآنی احکام کو نافذ کرے گی۔(۴)

۲: اللہ اور رسول یعنی ''مرکز نظام ملت'' کی اطاعت کی تاکید کی گئی ہے۔(۵)

۳: رسول اللہ کے بعد ''خلیفۃ الرسول'' رسول اللہ کی جگہ لے لیتا ہے اور اب خدا اور رسول کی اطاعت سے مراد یہی جدید مرکز ملت کی اطاعت ہوتی ہے۔(۶)

۴: اس آیت مقدسہ میں عام طور پر ''اولی الامر'' سے مراد لئے جاتے ہیں ارباب حکومت (مرکزی اور ماتحت سب کے سب)

اور اس کی تشریح یوں کی جاتی ہے کہ اگر قوم کو حکومت سے اختلاف ہوجائے تو اس کے تصفیہ کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن (اللہ) اور حدیث (رسول) کو سامنے رکھ کر مناظرہ کیا جائے اور جو ہار جائے فیصلہ اس کے خلاف ہوجائے۔

ذرا غور فرمائیے کہ دنیا میں کوئی نظام حکومت اس طرح قائم بھی رہ سکتا ہے کہ جس میں حالت یہ ہو کہ حکومت ایک قانون نافذ کرے اور جس کا جی چاہے اس کی مخالفت میں کھڑا ہوجائے اور قرآن واحادیث کی کتابیں بغل میں داب کر مناظرہ کا چیلنج دے دے۔

---

(۱) معارف القرآن - پرویز - ج ۴ ص ۶۲۴ - شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام کراچی

(۲) حوالہ بالا ج ۴ ص ۶۳۰۔ (۳) حوالہ سابقہ ج ۴ ص ۶۳۱۔

(۴) اسلامی نظام از پرویز - ص ۸۶ - شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام کراچی

(۵) معارف القرآن از پرویز ج ۴ ص ۶۳۱ - (۶) حوالہ سابقہ ج ۴ ص ۶۸۶۔

اس آیت مقدسہ کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ اس میں اللہ اور رسول سے مراد ''مرکز ملت'' (Central Athority) اور اولی الامر سے مفہوم افسران ماتحت۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مقامی افسر سے کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو بجائے اس کے کہ وہیں مناقشہ شروع کر دو امر متنازع فیہ کو مرکزی حکومت کے سامنے پیش کر دو اسے حکومت کی طرف (Refer) کر دو، مرکز کا فیصلہ سب کے لئے واجب التسلیم ہوگا۔(۱)

رسول کو قطعاً یہ حق نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے:

''یہ تصور قرآن کی بنیادی تعلیم کے منافی ہے کہ اطاعت اللہ کے سوا کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے۔ حتی کہ خود رسول کے متعلق واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بتلا دیا گیا ہے کہ اسے بھی قطعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے، لہذا اللہ اور رسول سے مراد وہ مرکز نظام دین ہے جہاں سے قرآنی احکام نافذ ہوں''(۲)

رسول کی حیثیت:

۱: ''اور تو اور انسانوں میں سب سے زیادہ ممتاز ہستی (محمد) کی پوزیشن بھی اتنی ہی ہے کہ وہ اس قانون کا انسانوں تک پہچانے والا ہے، اسے بھی کوئی حق نہیں کہ کسی پر اپنا حکم چلائے، خدا اپنے قانون میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔''(۳)

۲: پھر اسے بھی سوچئے کہ ''محبت رسول'' سے مفہوم کیا ہے؟ یہ مفہوم قرآن نے خود متعین کر دیا ہے جب نبی اکرم خود موجود تھے تو ''بہ حیثیت مرکز ملت'' آپ کی اطاعت فرض اولین تھی۔(۴)

---

(۱) اسلامی نظام ص ۱۱۰ و ۱۱۱۔

(۲) معارف القرآن - پرویز - ج۴ ص ۶۱۶ - شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی

(۳) سلیم کے نام از پرویز اٹھارواں خط، ج۲ ص ۳۴، شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام لاہور۔

(۴) مقام حدیث از پرویز - بعنوان ''رسول پرستی'' ج۱ ص ۱۹ - شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی

رسول کی اطاعت اس لئے نہیں کہ وہ زندہ نہیں:

عربی زبان میں اطاعت کے معنی ہی کسی زندہ کے احکام کی تابع داری ہے۔ اسلامی نظام میں اطاعت، امام موجود کی ہوگی جو قائم مقام ہوگا "خدااور رسول" کا یعنی "مرکز نظام حکومت اسلامی"۔ (۱)

ختم نبوت کا مطلب:

۱: ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ تصورات کے ذریعہ رونما ہوا کرے گا اور انسانی معاشرہ کی باگ ڈور اشخاص کی بجائے نظام کے ہاتھ میں ہوا کرے گی۔ (۲)

۲: اب سلسلۂ نبوت ختم ہوگیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اب انسانوں کو اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرنے ہوں گے۔ صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ ان کا کوئی فیصلہ ان غیر متبدل اصولوں کے خلاف نہ ہو جائے جو وحی نے عطا کئے ہیں اور جو، اب قرآن کی دفتین میں محفوظ ہیں۔ (۳)

۳: تم نے دیکھ لیا سلیم! کہ ختم نبوت کا مفہوم یہ تھا کہ اب انسانوں کو صرف اصولی راہ نمائی کی ضرورت ہے، ان اصولوں کی روشنی میں تفصیلات وہ خود متعین کریں گے۔ لیکن ہمارے ہاں یہ عقیدہ پیدا ہوگیا (اور اسی عقیدے پر مسلمانوں کا عمل چلا آرہا ہے) کہ زندگی کے ہر معاملہ کی ہر تفصیل بھی پہلے سے متعین کردی گئی ہے اور ان تفاصیل میں اب کسی قسم کا ردوبدل نہیں ہوسکتا۔ یہ عقیدہ اس مقصد عظیم کے منافی ہے جس کے لئے ختم نبوت کا انقلاب عمل میں آیا تھا۔ (۴)

قرآن عبوری دور کے لئے:

۱: اب رہا یہ سوال کہ اگر اسلام میں ذاتی ملکیت نہیں تو پھر قرآن میں وراثت وغیرہ کے

---

(۱) اسلامی نظام ص ۱۱۲۔

(۲) سلیم کے نام، پندرھواں خط از پرویز، ص ۲۵ طبع اول، اگست ۱۹۵۳ء شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام کراچی۔

(۳) سلیم کے نام، اکیسواں خط بعنوان عید میلاد النبی ....ج ۲ ص ۱۲۰۔

(۴) سلیم کے نام، بیسواں خط بعنوان کائنات کے دو عظیم انقلاب ج ۲ ص ۱۰۳۔

احکام کس لئے دیئے گئے ہیں سو اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن انسانی معاشرہ کو اپنے متعین کردہ پروگرام کی آخری منزل تک آہستہ آہستہ بتدریج پہنچاتا ہے۔ اس لئے وہ جہاں اس پروگرام کی آخری منزل کے متعلق اصول اور احکام متعین کرتا ہے۔ عبوری دور کے لئے بھی ساتھ کے ساتھ راہنمائی دیتا چلا جاتا ہے وراثت، قرضہ، لین دین، صدقہ وخیرات سے متعلق احکام اس عبوری دور سے متعلق ہیں جس میں سے معاشرہ گزر کر انتہائی منزل تک پہنچتا ہے۔ (۱)

۲: قرآن میں صدقہ وخیرات وغیرہ کے لئے جس قدر ترغیبات وتحریصات یا احکام وضوابط آتے ہیں وہ سب اسی عبوری دور (Transitional Period) سے متعلق ہیں۔ (۲)

۳: اس نظام کے قیام کے بعد کوئی مفلس اور محتاج باقی نہیں رہ سکتا لہذا مفلسوں اور محتاجوں کے متعلق اس قسم کے احکام صرف عبوری دور سے متعلق ہیں۔ (۳)

شریعت محمدیہ منسوخ:

۱: ''طلوع اسلام'' بار بار متنبہ کرتا رہا ہے اور اب پھر، ملت کو متنبہ کرتا ہے کہ خدا کے لئے ان چور دروازوں کو بند کرو، دین کی بنیاد صحیح قرآن اور فقط قرآن ہے جو ابدالآباد تک کے لئے واجب العمل ہے، روایات اس عہد مبارک کی تاریخ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ والذین معه نے اپنے عہد میں قرآنی اصول کو کس طرح متشکل فرمایا تھا یہ اس عہد مبارک کی شریعت ہے قرآنی اصول کی روشنی میں کسی فرد واحد کو جزئیات مستنبط کر کے اپنے عہد کے لئے شریعت بنادینے کا حق نہیں ہے (۴) خواہ وہ کتنا ہی اتباع محمدی (بقول مرزا) یا کتنا ہی مزاج شناسی رسول (بقول مودودی) کا دعوے دار کیوں نہ ہو بلکہ یہ حق صرف صحیح قرآنی خطوط پر قائم شدہ مرکز ملت اور اس کی مجلس شوریٰ کا ہے کہ وہ قرآنی اصول کی روشنی میں صرف ان جزئیات کو مرتب ومدون کر سکے جن کی قرآن نے کوئی تصریح نہیں کی۔ پھر یہ جزئیات ہر زمانے میں ضرورت پڑنے پر

---

(۱) نظام ربوبیت از پرویز تعارف-ص ۲۴، ۲۵-شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی (۲) حوالہ بالا ص ۱۶۷۔

(۳) سلیم کے نام، دوسرا خط، بعنوان ہمارے مذہبی اجتماعات۔ ج ا ص ۲۴-شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام لاہور۔

(۴) جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی داخل ہیں۔ اسی لئے پرویز نے قرآنی نصوص کو متشکل کرنے کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ "والذین معه" کا بھی اضافہ کر دیا۔

تبدیل کی جاسکتی ہیں یہی اپنے زمانے کے لئے شریعت ہیں۔(۱)

۲: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعین فرمودہ جزئیات کو قرآنی جزئیات کی طرح قیامت تک واجب الاتباع (یعنی ناقابل تغیر وتبدل) رہنا تھا تو قرآن نے ان جزئیات کو بھی خود ہی کیوں نہ متعین کردیا؟ یہ سب جزئیات ایک ہی جگہ مذکور اور محفوظ ہوجائیں ......اگر خدا کا منشاء یہ ہوتا کہ زکوۃ کی شرح قیامت تک کے لئے اڑھائی فی صدی ہونی چاہئے تو وہ اسے قرآن میں خود نہ بیان کردیتا؟ اس سے ہم ایک نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ منشاءِ خداوندی تھا ہی نہیں کہ زکوۃ کی شرح ہر زمانے میں ایک ہی رہے۔(۲)

ساری شریعت میں ردوبدل:

۱: قرآن کے ساتھ انسان کو بصیرت عطا ہوئی ہے اس لئے جن امور کی تفصیل قرآن نے خود بیان نہیں کی ان کی تفصیل قرآنی اصولوں کی روشنی میں از روئے بصیرت متعین کی جائے گی۔یہی رسول اللہ نے کیا اور ہمارے لئے بھی ایسا کرنا منشائے قرآنی اور سنت رسول اللہ کے عین مطابق ہے۔اس باب میں اخلاق ،معاملات اور عبادات میں کوئی تفریق وتخصیص نہیں۔اگر تفریق مقصود ہوتی تو عبادات کی جزئیات قرآن خود ہی متعین کردیتا۔(۳)

۲: جس اصول کا میں نے اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے وہ قانون اور عبادات دونوں پر منطبق ہوگا،یعنی اگر جانشین رسول اللہ (قرآنی حکومت) نماز کی کسی جزئی شکل میں جس کا تعین قرآن نے نہیں کیا اپنے زمانے کے کسی تقاضے کے ماتحت کچھ ردوبدل ناگزیر سمجھے تو وہ ایسا کرنے کی اصولاً مجاز ہوگی۔(۴)

انکارحدیث:

۱: مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لئے جو سازش کی گئی اس کی پہلی کڑی یہ عقیدہ

---

(۱)مقام حدیث-بعنوان مزاج شناسی-ج۱ص۳۹۱-شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام کراچی۔

(۲)مقام حدیث-بعنوان ایک خط"خدا نے خود ہی ایسا کیوں کردیا؟"-ج۲ص۲۹۲،۲۹۳-شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام

(۳)مقام حدیث-بعنوان"عبادت کا مفہوم"(اولیاء کا الہام) ج۱ص۴۲۴۔

(۴)قرآنی فیصلے از پرویز-بعنوان"نماز"-ص۱۴،۱۵-شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام کراچی۔

پیدا کرنا تھا کہ رسول اللہ کو اس وحی کے علاوہ جو قرآن میں محفوظ ہے ایک اور وحی بھی دی گئی تھی جو قرآن کے ساتھ بالکل قرآن کے ہم پایہ (مثلہ معه) ہے یہ وحی روایات میں ملتی ہے، اس لئے روایات عین دین ہیں ، یہ عقیدہ پیدا کیا اور اس کے ساتھ ہی روایات سازی کا سلسلہ شروع کیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے روایات کا ایک انبار جمع ہوگیا......اس طرح اس دین کے مقابل جو اللہ نے دیا تھا ایک اور ''دین'' مدون کرکے رکھدیا اور اسے ''اتباع سنت رسول اللہ'' قرار دے کر امت کو اس میں الجھا دیا۔(۱)

مسلمانوں کا مذہب حدیث یعنی جھوٹ ہے:

۲: بہرحال جھوٹ پہلی سازش کے ماتحت بولا گیا یا بعد میں ''ابلہانِ مسجد'' نے ''نیک کاموں'' کے لئے اس جھوٹ کی حمایت کی، نتیجہ دونوں کا ایک ہے یعنی یہ جھوٹ مسلمانوں کا مذہب بن گیا وحی غیر متلو اس کا نام رکھ کر اسے قرآن کے ساتھ قرآن کی مثل ٹھہرا دیا گیا۔(۲)

احادیث کا مذاق اڑانا:

آیئے ہم آپ کو چند ایک نمونے دکھائیں ان ''احادیث مقدسہ'' کے جو حدیث کی صحیح ترین کتابوں میں محفوظ ہیں اور جو ''ملا'' کی غلط نگہی اور کوتاہ اندیشی سے ہمارے دین کا جزو بن رہی ہیں دیکھئے کہ ان احادیث کی رو سے وہی جنت جس کے حصول کا قرآنی طریقہ اوپر مذکور ہے کتنے سستے داموں ہاتھ آجاتی ہے لیجئے اب روایات کی رو سے جنت کے ٹکڑے خریدیئے۔ دیکھئے کتنی سستی جاری ہے۔

مصافحہ: سب سے پہلے سلام علیکم کیجئے اور ہاتھ ملایئے لیجئے! جنت مل گئی۔ ابو داؤد کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے جدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ انہیں بخش دیتا ہے، اب مسجد میں چلئے اور وضو کیجئے جنت حاضر ہے۔

وضو سے جنت: مسلم کی حدیث ہے کہ وضو کرنے والے کے تمام گناہ پانی کے ساتھ ٹپک جاتے ہیں یہاں تک کہ پانی کا آخری قطرہ ہر عضو کے آخری گناہ کو ساتھ لے کر ٹپکتا ہے...... کہئے؟ کس قدر

(۱) مقام حدیث - بعنوان اولیاء کا الہام ج۱ ص۴۲۱ - شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام کراچی۔

(۲) مقام حدیث - بعنوان ملا کا بہشت (جھوٹ بولنا گناہ نہیں) ج۲ ص۱۲۲۔

سستی رہی جنت! وضو کیا تو تمام گناہ اس کے پانی میں بہہ گئے اور اگر ساتھ دو رکعتیں نفل بھی پڑھ لئے تو خود رسول اللہ سے بھی آگے آگے جنت میں پہنچ گئے۔

اس سے بھی آسان: مسلم کی حدیث ہے کہ جو شخص مؤذن کے جواب میں اذان کے الفاظ دہراتا ہے تو یہ شخص جنت میں جائے گا۔

گناہ کئے جاؤ: جسے قانون کی اصطلاح میں جرم کہا جاتا ہے اسے مذہب کی زبان میں گناہ کہتے ہیں جرم ایک مرتبہ کا بھی کم نہیں ہوتا لیکن عادی مجرم کے لئے تو سوسائٹی میں کوئی جگہ ہی نہیں ہوتی اس کے برعکس ملا کے مذہب نے جرائم کے لئے ایسا لائسنس دے رکھا ہے کہ صبح سے شام تک جرم پر جرم کئے جاؤ لیکن ساتھ نمازیں بھی پڑھتے جاؤ سب جرم معاف ہوتے جائیں گے۔

باجماعت نماز: ترمذی کی حدیث ہے کہ چالیس دن تک تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرنے والا دوزخ اور نفاق دونوں سے بری کر دیا جاتا ہے۔ لیجئے ایک چلہ پورا کر لیجئے اور عمر بھر کے لئے جو جی میں آئے کیجئے دوزخ میں آپ کبھی نہیں جا سکتے۔(۱)

(احادیث نبوی کے ساتھ تمسخر و استہزاء کا یہ سلسلہ اس کتاب کے ص ۱۲۵ تک چلا گیا ہے)

آج اسلام دنیا میں کہیں نہیں:

اس تیرہ سو سال کے عرصہ میں مسلمانوں کا سارا زور اسی میں صرف ہوتا رہا کہ کسی نہ کسی طرح اسلام کو قرآن سے پہلے زمانے کے مذہب میں تبدیل کر دیا جائے چنانچہ وہ اس کوشش میں کامیاب ہو گئے اور آج جو اسلام میں مروج ہے وہ زمانہ قبل از قرآن کا مذہب ہو تو ہو قرآنی دین سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔(۲)

ذات باری تعالیٰ:

اور چونکہ ''خدا'' عبارت ہے ان صفات عالیہ سے جنہیں انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے اس لئے قوانین خداوندی کی اطاعت درحقیقت انسان کی اپنی فطرت عالیہ کے نوامیس کی اطاعت ہے۔(۳)

---

(۱) مقام حدیث۔ بعنوان، ملا کا بہشت۔ ج ۲ ص ۹۶ تا ۱۰۰۔ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی۔
(۲) سلیم کے نام، پندرہواں خط۔ ص ۲۵۱، ۲۵۲۔ طبع اول، اگست ۱۹۵۳ء۔ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی۔
(۳) معارف القرآن ج ۴ ص ۴۲۰۔

آخرت سے مراد مستقبل:

قرآن ماضی کی طرف نگاہ رکھنے کی بجائے ہمیشہ مستقبل کو سامنے رکھنے کی تاکید کرتا ہے اسی کا نام ''ایمان بالآخرت'' ہے اور یہ بجائے خویش بہت بڑا انقلاب ہے جسے رسالت محمد یہ ﷺ نے انسانی نگاہ میں پیدا کیا ہے۔ یعنی ہمیشہ نگاہ مستقبل پر رکھنی، وبالاٰخرۃ ھم یوقنون، اس زندگی میں بھی مستقبل پر اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی۔(۱)

جنت وجہنم:

بہر حال مرنے کے بعد کی ''جنت اور جہنم'' مقامات نہیں ہیں انسانی ذات کی کیفیات ہیں۔(۲)

ملائکہ:

۱: اس سے ظاہر ہے کہ ان مقامات میں ''ملائکہ'' سے مراد وہ نفسیاتی محرکات ہیں جو انسانی قلوب میں اثرات مرتب کرتے ہیں۔(۳)

۲: قرآن کریم نے ''ملائکہ'' پر ایمان کو ''اجزائے ایمان'' میں سے قرار دیا ہے (مثلاً ۲/۲۸۵) یعنی ایک شخص کے مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ۔ کتب۔ رسل۔ آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ ملائکہ پر بھی ایمان لائے۔

سوال یہ ہے کہ ملائکہ پر ایمان کے معنی کیا ہیں؟

اس کے معنی یہ ہیں کہ ملائکہ کے متعلق وہ تصور رکھا جائے جو قرآن نے پیش کیا ہے اور انہیں وہی پوزیشن دی جائے جو قرآن نے ان کے لئے متعین کی ہے۔ ''ملائکہ'' کے متعلق قرآن میں ہے کہ انھوں نے آدم کو سجدہ کیا (۳/۴۳) یعنی وہ آدم کے سامنے جھک گئے۔ جیسا کہ آدم کے عنوان میں بتایا جا چکا ہے، آدم سے مراد خود آدمی (یا نوع انسان) ہے۔ لہذا ملائکہ کے آدم کے سامنے جھکنے سے مراد یہ ہے کہ یہ قوتیں وہ

---

(۱) سلیم کے نام، اکیسواں خط۔ بعنوان عید میلاد النبی۔ ج ۲ ص ۱۲۴۔

(۲) لغات القرآن از پرویز۔ بعنوان ج، ن، ن۔ ج ۱ ص ۴۴۹۔ شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام لاہور۔

(۳) ابلیس و آدم از پرویز۔ بعنوان ملائکہ مدبرات الامر (تسکین وطمانینت کی بارش) ص ۱۹۵۔ شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام۔

ہیں جنھیں انسان مسخر کرسکتا ہے انھیں انسان کے سامنے جھکا ہوا رہنا چاہیے۔ کائنات کی جو قوتیں ابھی تک ہمارے علم میں نہیں آئیں انہیں چھوڑیئے جو قوتیں ہمارے علم میں آچکی ہیں ان کے متعلق صحیح ایمان یہ ہوگا کہ ان سب کو انسان کے سامنے جھکنا چاہئے۔

اب ظاہر ہے کہ جس قوم کے سامنے کائناتی قوتیں نہیں جھکتیں وہ قوم (قرآن کی رو سے) صف آدمیت میں شمار ہونے کے بھی قابل نہیں، چہ جائیکہ اسے ''جماعت مومنین'' کہا جائے (کیونکہ مومن کا مقام عام آدمیوں کے مقام سے کہیں اونچا ہے)(۱)

جبریل:

انکشاف حقیقت کی ''روشنی'' (ذریعہ یا واسطہ) کو جبریل سے تعبیر کیا گیا ہے۔(۲)

قرآن پاک کے مفہوم میں الحاد:

(نمونہ کے طور پر صرف ''سورۃ فاتحہ'' کا مفہوم پیش کیا جاتا ہے جو اس کی سات آیتوں کی نمبروار تشریح ہے۔)

(۱) زندگی کا ہر حسین نقشہ اور کائنات کا ہر تعمیری گوشہ، خالق کائنات کے عظیم القدر نظام ربوبیت کی ایسی زندہ شہادت ہے جو ہر چشم بصیرت سے بے ساختہ داد تحسین لے لیتی ہے۔

(۲) وہ نظام جو تمام اشیائے کائنات اور عالمگیر انسانیت کو، ان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما سے تکمیل تک کے لئے جارہا ہے عام حالات میں بتدریج، اور ہنگامی صورتوں میں انقلابی تغیر کے ذریعے۔

(۳) انسان کو یہ تمام سامان نشوونما بلا مزدومعاوضہ ملتا ہے۔ لیکن اس کی ذات کی نشوونما اور اس کے مدارج کا تعین اس کے اعمال کے مطابق ہوتا ہے جن کے نتائج خدا کے اس قانونِ مکافات کی رو سے مرتب ہوتے ہیں جس پر اسے کامل اقتدار حاصل ہے۔

(۴) اے عالمگیر انسانیت کے نشوونما دینے والے! ہم تیرے اسی قانون عدل و ربوبیت کو اپنا ضابطۂ حیات بناتے اور اسی کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ تو ہمیں اس کی توفیق عطا فرما کہ ہم تیرے تجویز کردہ پروگرام کے مطابق اپنی صلاحیتوں کی بھرپور اور متناسب نشوونما کرسکیں اور پھر انہیں تیرے ہی

(۱) لغات القرآن از پرویز- ج ا ص ۲۴۴ -شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام لاہور۔

(۲) ابلیس و آدم- باب دوم- وحی کی خارجیت- حاشیہ نمبر ا پر ص ۲۸۳۔

بتائے ہوئے طریق کے مطابق صرف کریں۔

(۵) ہماری آرزو یہ ہے کہ یہ پروگرام اور طریق، جو انسانی زندگی کو اس کی منزل مقصود تک لے جانے کی سیدھی اور متوازن راہ ہے، نکھر اور ابھر کر ہمارے سامنے آجائے۔

(۶) یہی وہ راہ ہے جس پر چل کر، پچھلی تاریخ میں سعادت مند جماعتیں زندگی کی شادابی و خوشگواری، سرفرازی و سربلندی اور سامانِ زیست کی کشادگی وفراوانی سے بہرہ یاب ہوئی تھیں۔

(۷) اور ان کا انجام ان سوختہ بخت اقوام جیسا نہیں ہوا تھا جو اپنے انسانیت سوز جرائم کی وجہ سے یکسر تباہ وبرباد ہوگئیں، یا جو زندگی کے صحیح راستہ سے بھٹک کر، اپنی کوششوں کو نتائج بدوش نہ بنا سکیں اور اسطرح ان کا کاروان حیات، ان قیاس آرائیوں کے سراب اور توہم پرستیوں کے پیچ وخم میں کھوکر رہ گیا۔(۱)

(پرویز کی پوری کتاب مفہوم القرآن اسی تحریف والحاد سے بھرپور ہے جس کا نمونہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ابتک اس کتاب کے چار پارے شائع ہوچکے ہیں۔)

آدم علیہ السلام:

ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ "آدم" جس کے جنت سے نکلنے کا قصہ قرآن کریم کے مختلف مقامات میں آیا ہے (مثلاً ۲/۳۰) نبی تھے۔ قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر قصۂ آدم کی جو تفاصیل بیان کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سے نکلنے والا آدم کوئی خاص فرد نہیں تھا بلکہ انسانیت کا تمثیلی نمائندہ تھا۔ بالفاظ دیگر، قصۂ آدم کسی خاص فرد (یا جوڑے) کا قصہ نہیں بلکہ خود "آدمی" کی داستان ہے جسے قرآن نے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے اس داستان کا آغاز انسان کی اس حالت سے ہوتا ہے جب اس نے قدیم (Primitire) انفرادی زندگی کی جگہ پہلے پہل تمدنی زندگی (Social Life) شروع کی۔(۲)

حضور کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا:

۱:　رسول اکرم کو قرآن کے سوا کوئی معجزہ نہیں دیا گیا۔(۳)

---

(۱) مفہوم القرآن از پرویز۔ پارہ اول ص ا، شائع کردہ میزان پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور۔
(۲) لغات القرآن از پرویز۔ حرف "الف"۔ آدم۔ ج ا ص ۲۱۴۔ شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام کراچی۔
(۳) سلیم کے نام اکتیسواں خط۔ (تصوف) ج ۳ ص ۳۶۔

۲:	مخالفین بار بار نبی اکرم سے معجزات کا تقاضا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر بار ان کے مطالبہ کو یہ کہہ کر رد کر دیتا ہے کہ ہم نے رسول کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا، اس کے معجزات صرف دو ہیں:

ا: یہ کتاب جس کی مثل ونظیر کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ (۲۹/۵۱)

۲: خود اس رسول کی اپنی زندگی جو سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز ہے۔ (۱۰/۱۶) ان کے علاوہ اگر تم معجزات دیکھنا چاہتے ہو تو، **قل انظروا ماذا فی السموات والارض** (۱۰/۱۰۱)، ارض وسماوات پر غور کرو قدم قدم پر معجزات دکھائی دینگے۔ غور کرو سلیم! نبی اکرم کو تو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا جاتا۔ (۱)

۳:	نبی اکرم کو قرآن کے سوا (جو عقلی معجزہ) ہے کوئی اور معجزہ نہیں دیا گیا۔ (۲)

انکار معراج:

سورہ بنی اسرائیل کی آیت اسریٰ میں کہا گیا ہے کہ خدا اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا تا کہ وہاں اسے اپنی آیات دکھائے ...... خیال ہے کہ اگر یہ واقعہ خواب کا نہیں تو یہ حضور ﷺ کی شب ہجرت کا بیان ہے اس طرح مسجد اقصیٰ سے مراد مدینہ کی مسجد نبوی ہوگی جسے آپ نے وہاں جا کر تعمیر فرمایا۔ (۳)

عقیدۂ تقدیر کا انکار:

مجوسی اساورہ نے یہ سب کچھ اس خاموشی سے کیا کہ کوئی بھانپ ہی نہ سکا کہ اسلام کی گاڑی کس طرح دوسری پٹڑی پر جا پڑی، انہوں نے تقدیر کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دی کہ اسے مسلمانوں میں جز وایمان بنا دیا چنانچہ ہمارے ایمان میں "**والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالی**" کا چھٹا جز وانہی کا داخل کیا ہوا ہے۔ (۴)

وزن اعمال کی افیون:

اس پیشوائیت نے جس کا ہمارے یہاں ملائیت نام ہے آہستہ آہستہ مسلمانوں کو یہ افیون پلائی

---

(۱) سلیم کے نام تینتیسواں خط۔تصوف قرآن کی روشنی میں۔ ج۳ ص۹۱، ۹۲۔

(۲) معارف القرآن ج۴ ص۷۳۱۔

(۳) معارف القرآن۔ ج۴۔ ۷۳۶۔

(۴) قرآنی فیصلے۔ بعنوان شب بارات۔ تقدیر کا مسئلہ۔ ص۱۹۰۔

شروع کی کہ دنیا کے معاملات دنیا داروں کا حصہ ہیں جو اس مردار کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، مذہب انسان عاقبت سنوارنے کے لئے ہے، اس نے جس قدر حکم دے رکھے ہیں ان کے متعلق یہ کبھی نہ پوچھو کہ ان کی غایت کیا ہے، یہ خدا کی باتیں ہیں، جو خدا ہی جان سکتا ہے، مذھب میں عقل کا کوئی کام نہیں تم صرف یہ سمجھ لو کہ فلاں بات کا حکم ہے اس لئے اسے کرنا ہے اور اس کا ثواب تمہارے نامہ اعمال میں لکھا جائیگا اور یہ تمام پُرزیاں قیامت کے دن ترازو میں رکھ کر تولی جائیں گی اور جنت میں لے جانے کا ذریعہ بن جائیں گی۔(۱)

نظریۂ ارتقاء:

یہ سوال کہ دنیا میں ''سب سے پہلا انسان'' کس طرح وجود میں آ گیا۔ ذہن انسانی کے لئے وجہ ہزار حیرت واستعجاب رہا ہے چنانچہ ان مذاہب میں جن میں توہم پرستی نے حقائق کی جگہ لے رکھی ہے اس عقیدے کے حل میں عجیب وغریب افسانہ طرازیوں سے کام لیا گیا ہے لیکن قرآن کریم نے اس کے متعلق جو کچھ بتایا ہے وہ ٹھیک ٹھیک وہی ہے جس کی طرف علم وبصیرت کے انکشافات راہ نمائی کئے جارہے ہیں۔ سائنس کے انکشافات کی رو سے خاک کے ذرے مختلف ارتقائی منازل طے کر کے قرنہا قرن کے بعد انسانی صورت میں متشکل ہوگئے۔ یعنی سب سے پہلے کوئی ایک فرد صورت انسانی میں جلوہ گر نہیں ہوا، بلکہ ایک نوع وجود پذیر ہوئی۔ ان متنوع مراحل کی تفصیل قرآن کریم کی آیات جلیلہ میں عجیب انداز میں سمٹی ہوئی ہے۔(۲)

ارکان اسلام:

اسلامی نظام زندگی میں تبدیلی اس دن سے ہوگئی جب دین مذہب سے بدل گیا۔ اب ہماری صلوۃ وہی ہے جو مذہب میں پوجا پاٹ یا ایشور بھگتی کہلاتی ہے۔ ہمارے روزے وہی ہیں جنہیں مذہب میں ''برت'' کہتے ہیں ہماری زکوۃ وہی شئ ہے جسے مذہب دان یا خیرات کہہ کر پکارتا ہے۔ ہمارا حج، مذہب کی یاترا ہے۔ ہمارے ہاں یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ اس سے ''ثواب'' ہوتا ہے مذہب کے ہاں اسی کو پن کہتے ہیں اور ثواب سے نجات (مکتی یا Salvation) ملتی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ کس طرح دین (نظام زندگی) یکسر مذہب بن کر رہ

(۱) قرآنی فیصلے۔ بعنوان قربانی۔ ص ۶۷

(۲) ابلیس وآدم از پرویز۔ بعنوان انسان (شجر ارتقا کا گل سرسبد خلاصۂ بحث) ص ۶۳، ۶۴۔ شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام

گیا۔اب یہ تمام عبادات اس لئے سرانجام دی جاتی ہیں کہ یہ خدا کا حکم ہے،ان امور کو نہ افادیت سے کچھ تعلق ہے نہ عقل وبصیرت سے کچھ واسطہ۔آج ہم بھی اسی مقام پر ہیں جہاں اسلام سے پہلے دنیا تھی۔(۱)

نماز:

۱: عجم میں مجوسیوں (پارسیوں) کے ہاں پرستش کی رسم کو نماز کہا جاتا تھا۔(یہ لفظ ہی ان کے ہاں کا ہے اوران کی کتابوں میں موجود ہے) لہٰذا صلوۃ کی جگہ نماز نے لے لی۔اور قرآن کی اصطلاح "اقیموا الصلوۃ" کا ترجمہ ہوگیا،نماز پڑھو۔جب گاڑی نے اس طرح پٹڑی بدلی تو اس کے پہیئے کا ہر چکر اسے منزل سے دور لے جاتا گیا۔چنانچہ اب حالت یہ ہوچکی ہے کہ اقیموا الصلوۃ سے ذہن نماز پڑھنے کے علاوہ کسی اور طرف منتقل ہی نہیں ہوتا اور نماز پڑھنے سے مراد ہے خدا کی پرستش کرنا۔(۲)

۲: قرآن کریم نے ''نماز پڑھنے'' کے لئے نہیں کہا۔قیام صلوۃ یعنی نماز کے نظام (Institution) کے قیام کا حکم دیا ہے۔مسلمان نمازیں پڑھتے ضرور ہیں لیکن انہوں نے نظام صلوٰۃ کو قائم نہیں کیا۔ان کی نماز،ایک وقت معینہ کے لئے،ایک عمارت (مسجد) کی چار دیواری کے (اندر) ایک عارضی عمل بن کر رہ جاتی ہے۔(۳)

(پرویز کے نزدیک ''اقام الصلوۃ'' سے مراد ہے۔)

۳: معاشرہ کو ان بنیادوں پر قائم کرنا جن پر ربوبیت نوع انسانی (ربّ العالمینی) کی عمارت استوار ہوتی جائے قلب ونظر کا وہ انقلاب جو اس معاشرہ کی روح ہے۔(۴)

کم از کم دو وقت کی نماز:

سورہ نور میں صلوۃ الفجر اور صلوۃ العشاء کا ذکر (ضمناً) آیا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ تمہارے گھر کے

---

(۱) قرآنی فیصلے از پرویز۔بعنوان ملی تقاریب،ہمارا حج ص ۳۰۱،۳۰۲۔شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام کراچی۔

(۲) قرآنی فیصلے۔بعنوان نظام ''صلوۃ اور نماز''۔''مجوسیوں کی نماز'' ص ۲۶،۲۷۔

(۳) معارف القرآن۔ج ۴ ص ۳۲۸۔

(۴) نظام ربوبیت،باب چہارم'' قرآنی نظریۂ حیات''،نظام ربوبیت کے ضمن میں قرآن کی چند بنیادی اصطلاحیں۔ص ۸۷۔

ملازمین کو چاہئے کہ وہ تمہاری (Privacy) کے اوقات میں اجازت لیکر کمرے کے اندر آیا کریں یعنی من قبل صلوة الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظهيرة ومن بعد صلوة العشآء ،(۲۴/۵۸)

''صلوۃ الفجر سے پہلے اور جب تم دوپہر کو کپڑے اتار دیتے ہو اور صلوۃ العشاء کے بعد'' اس سے واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اجتماعات صلوۃ کے لئے (کم از کم) یہ دو اوقات متعین تھے جبھی تو قرآن کریم نے ان کا ذکر نام لے کر کیا ہے۔(۱)

نماز میں ردو بدل:

جس اصول کا میں نے اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے وہ قانون اور عبادات دونوں پر منطبق ہوگا یعنی اگر جانشین رسول اللہ (یعنی قرآنی حکومت) نماز کی کسی جزئی شکل میں جس کا تعین قرآن نے نہیں کیا۔ اپنے زمانے کے کسی تقاضے کے ماتحت کچھ ردوبدل ناگزیر سمجھے تو وہ ایسا کرنے کی اصولاً مجاز ہوگی۔(۲)

زکوۃ:

۱: زکوۃ اس ٹیکس کے علاوہ اور کچھ نہیں جو اسلامی حکومت مسلمانوں پر عائد کرے۔ اس ٹیکس کی کوئی شرح متعین نہیں کی گئی، اس لئے کہ شرح ٹیکس کا انحصار ضروریات ملی پر ہے۔ حتی کہ ہنگامی صورتوں میں حکومت وہ سب کچھ وصول کرسکتی ہے جو کسی کی ضرورت سے زائد ہو، لہذا جب کسی جگہ اسلامی حکومت نہ ہو تو پھر زکوۃ بھی باقی نہیں رہتی۔(۳)

۲: ظاہر ہے کہ ہماری حکومت ہنوز اسلامی حکومت نہیں ہے۔ اس لئے جیسا کہ اوپر لکھا جاچکا ہے آج کل زکوۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حکومت ٹیکس وصول کررہی ہے اگر یہ حکومت اسلامی ہوگئی، تو یہی ٹیکس زکوٰۃ ہوجائے گا۔ ایک طرف ٹیکس اور اس کے ساتھ دوسری طرف زکوٰۃ، قیصر اور خدا کی غیر اسلامی تفریق ہے۔(۴)

---

(۱) لغات القرآن از پرویز- بعنوان ''ص''، ص، ل، و(ی) ج ۳ ص ۱۰۴۳، ۱۰۴۴۔

(۲) قرآنی فیصلے- بعنوان ''نماز''- ص ۱۴، ۱۵۔

(۳) قرآنی فیصلے- بعنوان زکوٰۃ- ص ۳۵۔

(۴) قرآنی فیصلے- بعنوان زکوۃ- ص ۳۷۔

۳: اگر خلافت راشدہ نے اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق اڑھائی فیصدی مناسب سمجھا تھا تو اس وقت یہی شرح شرعی تھی۔ اگر آج کوئی اسلامی حکومت کہے کہ اس کی ضروریات کا تقاضا بیس فیصدی ہے تو یہی بیس فیصدی شرعی شرح قرار پاجائے گی اور جب قرآنی نظام ربوبیت اپنی آخری شکل میں قائم ہوگا تو اس کی نوعیت کچھ اور ہی ہوجائیگی۔(۱)

۴: زکوٰۃ (یعنی حکومت کے ٹیکس) کی شرح میں تغیر وتبدل کی ضرورت ایک ایسی حقیقت ہے جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نظر نہیں آتی۔(۲)

۵: زکوٰۃ سے مراد اڑھائی فیصدی ٹیکس نہیں بلکہ یہ ایک پروگرام ہے جس کی سرانجام دہی مومنین کے ذمہ ہے۔(۳)

۶: ایتاء زکوٰۃ نوع انسانی کی نشوونما کا سامان بہم پہنچانا (تزکیہ کے معنی ہیں نشوونما۔ بالیدگی)(۴)

صدقات اور صدقۂ فطر:

۱: صدقات ان ٹیکسوں کا نام ہے جو حکومت اسلامیہ کی طرف سے ہنگامی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے عائد کئے جاتے ہیں انہی میں صدقۂ فطر ہے۔(۵)

۲: اب سنت رسول اللہ کا صرف اتنا حصہ پیش کیا جاتا ہے کہ نماز سے پہلے صدقۂ فطر نکال کر اپنے اپنے طور پر غریبوں میں تقسیم کردیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو روزے معلق رہ جائیں گے۔ خدا تک نہیں پہنچیں گے۔ گویا صدقۂ فطر ملت کے اجتماعی مصالح کے لئے نہیں بلکہ ڈاک کے ٹکٹ ہیں، جنہیں روزوں

---

(۱) سلیم کے نام پانچواں خط-اسلامی نظام کے بنیادی اصول-ج۱ص ۷۷،۸۷۔

(یعنی جب اشتراکی نظام، مکمل طور پر ملک میں رائج ہوجائے گا تو زکوٰۃ کی ضرورت سرے سے ختم ہوجائیگی کیونکہ زکوٰۃ کا حکم تو پرویز کے نزدیک عبوری دور سے متعلق ہے۔ حاشیہ بینات)

(۲) قرآنی فیصلے-بعنوان نماز-ص۱۲۔

(۳) نظام ربوبیت-باب ہشتم، عملی پروگرام، ....ص۱۶۴۔

(۴) نظام ربوبیت-باب چہارم-قرآنی نظریۂ حیات-نظام ربوبیت کے ضمن کی چند بنیادی اصطلاحیں-ص۸۷۔

(۵) قرآنی فیصلے-بعنوان صدقہ وخیرات-ص۵۰۔

پر چسپاں کر کے لیٹر بکس میں ڈال دیا جاتا ہے تاکہ روزِ مکتوب الیہ (اللہ تعالی) تک پہنچ جائیں۔غور فرمایا آپ نے کہ بات کیا تھی اور کیا بن گئی۔لیکن جب تک دین کی باگ مولوی کے ہاتھ میں ہے صدقات نکلتے رہیں گے۔زکوۃ دی جاتی رہے گی۔قربانیاں ہوتی رہیں گی۔لوگ حج بھی کرتے رہیں گے۔اور قوم بدستور بے گھر، بے در، بھوکی، ننگی اسلام کے ماتھے پر کلنک کے ٹیکے کا موجب بنی رہے گی۔کتنا بڑا ہے یہ انتقام جو ہزار برس سے اسلام سے لیا جارہا ہے اور غور کیجئے اس انتقام کے لئے آلہ کار کن لوگوں کو بنایا جاتا ہے۔(۱)

حج:

۱: نماز ان کی پوجا پاٹ، حج ان کی یاترا، رسوم باقی۔خود فنا...... حج کرنے جاتے ہیں تاکہ عمر بھر کے گناہوں کا کفارہ ادا کر آئیں اور آتے وقت زمزم کا پانی ٹین کی ڈبیوں میں بند کر کے لیتے آئیں تاکہ اسے مردوں کے کفن پر چھڑکا جائے۔نتیجہ اس کا وہ سکراتِ موت کی ہچکیاں جن میں پوری کی پوری امت آج گرفتار ہے۔(۲)

۲: اول تو حج ہی اپنے مقصد کو چھوڑ کر محض ''یاترا'' بن کر رہ گیا ہے۔حاجی وہاں جاتے ہیں تاکہ اپنے تمام سابقہ گناہ آبِ زمزم سے دھو کر اس طرح واپس آجائیں جس طرح بچہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔(۳)

۳: حج عالم اسلامی کا وہ عالمگیر اجتماع ہے جو اس امت کے مرکز محسوس (کعبہ) میں اس غرض کے لئے منعقد ہوتا ہے کہ ملت کے تمام اجتماعی امور کا حل قرآنی دلائل و حجت کی رو سے تلاش کیا جائے اور اس طرح یہ امت اپنے فائدے کی باتوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لے۔(۴)

قربانی:

۱: حج عالم اسلامی کی بین الملی کانفرنس کا نام ہے۔اس کانفرنس میں شرکت کرنے والوں

---

(۱) قرآنی فیصلے-بعنوان صدقہ خیرات-ص۵۱،۵۲۔

(۲) معارف القرآن ج۴ص۳۹۲۔

(۳) قرآنی فیصلے-بعنوان ''قربانی''ص۶۳-

(۴) لغات القرآن-حرف ''ح''-ح،ج،ج-ج۲ص۴۷۔

کے خورد ونوش کے لئے جانور ذبح کرنے کا ذکر قرآن میں آیا ہے، بس یہ تھی قربانی کی حقیقت جو آج کیا سے کیا بن کر رہ گئی ہے۔(۱)

۲: قرآن کریم میں جانور ذبح کرنے کا ذکر حج کے ضمن میں آیا ہے۔ عرفات کے میدان میں جب یہ تمام نمائندگان ملت ایک لائحہ عمل طے کرلیں گے تو اس کے بعد منیٰ کے مقام پر دو تین دن تک ان کا اجتماع رہے گا۔ جہاں یہ باہمی بحث وتمحیص سے اس پروگرام کی تفصیلات طے کریں گے۔ ان مذاکرات کے ساتھ باہمی ضیافتیں بھی ہوں گی، آج صبح پاکستان والوں کے ہاں، شام کو اہل افغانستان کے ہاں، اگلی صبح اہل شام کی طرف، وقس علی ذالک۔ ان دعوتوں میں مقامی لوگ بھی شامل کر لئے جائیں گے۔ امیر بھی، غریب بھی، اس مقصد کے لئے جو جانور ذبح کئے جائیں گے، قربانی کے جانور کہلائیں گے۔(۲)

۳: مقام حج کے علاوہ کسی دوسری جگہ (یعنی اپنے اپنے شہروں میں) قربانی کے لئے کوئی حکم نہیں، اس لئے یہ ساری دنیا میں اپنے اپنے طور پر قربانیاں ایک رسم ہے۔ ذرا حساب لگائیے کہ اس رسم کو پورا کرنے میں اس غریب قوم کا کس قدر روپے ہر سال ضائع ہو جاتا ہے۔ اگر آپ ایک کراچی شہر کو لے لیں تو اس آٹھ دس لاکھ کی آبادی میں سے اگر پچاس ہزار نے بھی قربانی دی ہو اور ایک جانور کی قیمت تیس روپے بھی سمجھ لی جائے تو پندرہ لاکھ روپیہ ایک دن میں صرف ایک شہر سے ضائع ہو گیا۔ اب اس حساب کو پورے پاکستان پر پھیلائیے اور اس سے آگے ساری دنیا کے مسلمانوں پر اور پھر سوچئے کہ ہم کدھر جا رہے ہیں۔ لیکن اگر ہمیں سوچنا آجائے تو پھر ہماری بربادی کیوں ہو؟(۳)

۴: مذہبی رسومات کی ان دیمک خوردہ لکڑیوں کو قائم رکھنے کے لئے طرح طرح کے سہارے دئے جاتے ہیں کہیں قربانی کو سنت ابراہیمی قرار دیا جاتا ہے، کہیں اسے صاحب نصاب پر واجب ٹھہرایا جاتا ہے، کہیں اسے تقرب الٰہی کا ذریعہ بتایا جاتا ہے، کہیں دوزخ سے محفوظ گزر جانے کی سواری

---

(۱) رسالہ قربانی از پرویز ص ۳۔

(۲) قرآنی فیصلے۔ بعنوان ''قربانی''۔ ص ۵۵۔

(۳) حوالہ سابقہ۔

بنا کر دکھایا جاتا ہے۔(۱)

۵: قربانی تو وہاں کھانے پینے کا سامان مہیا کرنے کا ذریعہ تھی۔اب جس طرح وہاں جانور ذبح کر کے دبائے جاتے ہیں نہ ہی وہ مقصود خداوندی ہے اور نہ ہی ان کی ہم آہنگی میں ہر جگہ جانوروں کا ذبح کرنا بغیر کسی مقصد و غایت کو اپنے ساتھ لئے ہوئے، وہاں بھی سب کچھ ضائع کر دیا جاتا ہے اور یہاں بھی وذلک خسران المبین۔(۲)

تلاوت قرآن کریم:

یہ عقیدہ کہ بلا سمجھے قرآن کے الفاظ دہرانے سے ''ثواب'' ہوتا ہے یکسر غیر قرآنی عقیدہ ہے، یہ عقیدہ در حقیقت عہد سحر کی یادگار ہے(۳)

ایصال ثواب:

اس سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ ''ایصال ثواب'' کا عقیدہ کس طرح ''مکافات عمل'' کے اس عقیدہ کے خلاف ہے جو اسلام کا بنیادی قانون ہے، خدا جانے اس قوم نے کہاں کہاں سے ان عقائد کو پھر سے لے لیا جنہیں مٹانے کے لئے قرآن آیا تھا۔اور اس صورت میں جبکہ خود قرآن اپنی اصل شکل میں ان کے پاس موجود ہے، اس سے بڑا تغیر بھی آسمان کی آنکھ نے کم ہی دیکھا ہوگا۔(۴)

دین کے ہر گوشہ میں تحریف ہو چکی ہے:

وہ دین جو محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا تک پہنچایا تھا اس کا کونسا گوشہ اور کونسا شعبہ ہے جس میں تحریف نہیں ہو چکی۔(۵)

---

(۱) قرآنی فیصلے۔بعنوان قربانی ص ۶۴

(۲) حوالہ بالا ص ۶۵

(۳) قرآنی فیصلے۔بعنوان تلاوت قرآن پاک۔ص ۱۰۴۔

(۴) قرآنی فیصلے۔بعنوان ایصال ثواب۔ص ۹۸۔

(۵) قرآنی فیصلے۔بعنوان قربانی ص ۶۶

برہموسماجی مسلمان:

یہ ہر رنگ کی ''خداپرستی'' میں ''نیک عملی'' کی راہیں بتانے والے ''برہموسماجی مسلمان'' کیا جانیں کہ قرآن کی رو سے ''خداپرستی'' کسے کہتے ہیں اور ''نیک عملی'' کیا ہوتی ہے۔(۱)

قرآن کی رو سے سارے مسلمان کافر ہوگئے:

اسی حقیقت کو قرآن نے سورۂ آل عمران میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے، اس میں پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کی راہ کونسی ہے اور اسے حضرات انبیاء کرام نے کس طرح اختیار کیا۔ اس کے بعد اس حقیقت کا اعلان ہے کہ فوز وفلاح اور سعادات و برکات کی یہی ایک راہ ہے۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الآخرة من الخاسرین، (۳/۸۵)

جوقوم اس راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرلے گی تو اس کی یہ راہ قابل قبول نہیں ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ آخرالامر تباہ وبرباد ہوجائے گی۔

اس کے بعد مسلمانوں کی تاریخ سامنے لائی گئی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ **کیف یهدی الله قوماً کفروا بعد ایمانهم**، بھلا سوچو کہ خدا اس قوم پر زندگی کی راہیں کس طرح کشادہ کردے گا جس نے ایمان کے بعد کفر کی روش اختیار کرلی ہو **وشهدوا ان الرسول حق وجآء هم البینٰت** حالانکہ ان کی طرف خدا کا واضح ضابطۂ حیات آچکا تھا اور وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرچکے تھے کہ ان کے رسول نے اس ضابطۂ حیات پر عمل پیرا ہوکر کس طرح تعمیری نتائج پیدا کردکھائے تھے۔ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد اس قوم نے کفر کی راہ اختیار کرلی، **والله لایهدی القوم الظلمین**، سوایسی ظالم قوم کو خدا کس طرح سعادتوں کی راہ دکھائے! **اولئک جزاء هم ان علیهم لعنة الله والملٰئکة والناس اجمعین**، ان کی اس روش کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قوم ان تمام آسودگیوں سے محروم ہوگئی جو نظام خداوندی سے وابستگی سے حاصل ہوئی تھی اور ان تمام آسائشوں سے بھی محروم ہوگئی جو فطرت کی قوتوں کو مسخر کرنے سے ملتی تھیں۔ حتی کہ ان کی

---

(۱) سلیم کے نام اٹھارواں خط - خدا کا تصور - ج۲ص۱۵.

ذلت وپستی کی وجہ سے دوسری قومیں انہیں اپنے پاس نہیں آنے دیتیں اور دور دور رکھتی ہیں، **لا یخفف عنهم العذاب ولاهم ینظرون**، اس بناء پر کہ انہوں نے اپنا نام مسلمان رکھ چھوڑا ہے ان کی اس تباہی میں کسی طرح کمی واقع نہیں ہوسکتی، نہ ہی انہیں اس سے زیادہ مہلت مل سکتی تھی جتنی مہلت خدا کے قانونِ امہال وتدریج کی رو سے ملا کرتی ہے۔

دیکھو سلیم! قرآن نے واضح الفاظ میں بتادیا ہے کہ اس امت کو جو سرفرازیاں شروع میں نصیب ہوئی تھیں وہ ان بینات (قرآن کے واضح قوانین) پر چلنے کا نتیجہ تھیں جو انہیں خدا کی طرف سے ملے تھے۔ پھر جب انہوں نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تو یہ ان تمام برکات سے محروم ہوگئے۔(۱)

پرویزی شریعت میں صرف چار چیزیں حرام ہیں:

(محمد صبیح ایڈوکیٹ نے، دارالاشاعت قرآن ٹھٹہ سے ۹۶ صفحات کا ایک رسالہ شائع کیا تھا جس کا نام ہے ''حلال وحرام کی تحقیق'' ماہنامہ ''طلوع اسلام'' بابت مئی ۱۹۵۳ء میں اس رسالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے جو دادِ تحقیق دی گئی وہ درج ذیل ہے۔)

''سید محمد صبیح صاحب نے اس رسالہ میں بتایا ہے کہ قرآن کی رو سے صرف مردار، بہتا خون، لحم خنزیر اور غیر اللہ کے نام کی طرف منسوب چیزیں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ اور کچھ حرام نہیں''۔ یہ قرآن کا واضح فیصلہ ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ ہمارے مروجہ اسلام میں حرام وحلال کی جو طولانی فہرستیں ہیں وہ سب انسانوں کی خودساختہ ہیں اور کسی انسان کو حق نہیں کہ کسی شے کو حرام قرار دے دے۔ یہ حق صرف اللہ کو حاصل ہے۔(۲)

کتبہ: ولی حسن ٹونکی

بینات- جمادی الثانیہ ۱۳۸۲ھ

---

(۱) سلیم کے نام سینتیسواں خط- قوموں کے عروج وزوال کا ابدی قانون- ج ۳ ص ۱۹۷ تا ۱۹۹۔

(۲) طلوع اسلام- مئی ۱۹۵۲ء- ص ۶۹۔

کافر مرتد اور زندیق کا فرق

سوال: کافر، مرتد اور زندیق میں کیا فرق ہے؟ وضاحت فرمادیں۔

جواب: کافر اور مرتد کے درمیان فرق یہ ہے کہ کافر تو وہ ہے جو شروع ہی سے اسلام کو قبول نہ کرے اور مرتد وہ ہے جو دین میں داخل ہونے کے بعد کفر کی طرف لوٹ جائے۔ دین اسلام کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اسلام کی ان تمام باتوں کو تسلیم کرے، جن کا ثبوت قطعی تواتر کے ساتھ ہوا ہے اور جن کو ضروریات دین کہا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار پورے دین کے نہ ماننے کے ہم معنی ہے مثلاً قرآن کریم کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اول سے آخر تک پورے قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانے اور نہ ماننے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ پورے قرآن کا انکار کیا جائے، بلکہ نعوذ باللہ ایک آیت کا انکار بھی پورے قرآن کا انکار ہے۔

الغرض تمام ضروریات دین کا ماننے والا مسلمان ہے اور ان میں سے کسی ایک کا منکر کافر ہے۔ اور جو ماننے کے بعد منکر ہو جائے وہ مرتد ہے۔

۲: جو لوگ پہلے مسلمان تھے، پھر کسی جھوٹے مدعی نبوت کو ماننے لگے، وہ تو کھلے مرتد ہیں اور جو لوگ دعویٰ اسلام کے باوجود کسی جھوٹے مدعی نبوت کو مانتے ہیں، وہ زندیق ہیں کیونکہ جو لوگ اپنے مذہب کو اسلام کے نام سے پیش کرتے ہوں، وہ کافر بھی ہیں اور زندیق بھی۔

۳: مرتد کی سزا قتل ہے یعنی حکومت اس کو تین دن کی مہلت دے گی اور اس کے شبہات دور کرنے کی کوشش کرے گی۔ اگر وہ دوبارہ اسلام لے آئے تو ٹھیک، ورنہ بغاوت کے جرم میں اسے قتل کیا جائے گا اور اگر مرتد عورت ہو تو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک اس کا حکم بھی یہی ہے کہ اگر تین دن کی مہلت میں اسلام نہ لائے تو سزائے موت کی مستحق ہوگی البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

کے نزدیک اس کی سزا حبس دوام ہے یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئے یا قید میں مر جائے۔

زندیق جو اپنے عقائد کفریہ کو اسلام کے نام سے پیش کرتا ہو، اس کے بارے میں تمام اہل علم متفق ہیں کہ اس کا حکم مرتد کا ہے اور وہ واجب القتل ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر وہ توبہ کرنا چاہے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی یا نہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول نہیں، امام احمد اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر وہ توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور سزائے قتل ساقط ہو جائے گی، حنفیہ کا صحیح مسلک یہ ہے کہ اگر وہ از خود توبہ کر لے تو اس کی توبہ صحیح ہے اور سزا معاف ہو جائے گی اور اگر گرفتار کئے جانے کے بعد توبہ کرے تو اس کی توبہ نا قابل اعتبار ہے اس کے قتل کا حکم کیا جائے گا۔(۱)

خلاصہ یہ کہ زندیق واجب القتل ہونے میں تو مرتد کی طرح ہے، البتہ مرتد کی توبہ قبول کی جاتی ہے جبکہ زندیق کی توبہ بعض اہل علم کے نزدیک قبول نہیں، بعض کے نزدیک قبول ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

بینات - رجب ۱۴۰۸ھ

(۱) رد المحتار - كتاب الجهاد - مطلب الزنديق إذا أخذ قبل التوبة يقتل - ۱۹۹/۴

شعائرِ اسلام کا استخفاف کرنے والے کا حکم (۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ "محمد یونس شیخ" نامی ایک آدمی نے "شیطان مولوی" نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں مصنف نے شعائرِ اسلام کے خلاف انتہائی توہین آمیز لب ولہجہ استعمال کیا ہے، چنانچہ مصنف لکھتا ہے کہ:

"جن مولویوں کا یہ عقیدہ ہے کہ زنا کرنے والوں کو اللہ نے اور محمد رسول اللہ ﷺ نے قتل کرنے کا حکم دیا ہے، وہ سب کے سب مولوی کافر ہیں"۔ (ص:۱۴ شیطان مولوی)

اسی طرح لکھتا ہے کہ:

"امام بخاری نے اپنی کتاب کے ذریعے سے ۱۱ سو سال سے لاکھوں لوگوں کو قتل کروایا ہے اور مولوی بھی امام بخاری کی کتاب کی گندگی چاٹ رہے ہیں"۔ (ص:۱۹)

کتبِ حدیث کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہوئے مزید لکھتا ہے کہ:

"یہودی مولوی دینِ اسلام کے نام پر جن حدیثوں کی کتابیں لکھ کر مرگئے ان کتابوں میں کفر وشرک ذلالت اور غلاظت سے بھری ہوئی ہیں، یہودی مولوی اسلام کے نام پر جتنی حدیثوں کی کتابیں لکھ کر مرگئے ہیں ان کتابوں کی تفسیر اور تبصرہ تورات اور انجیل کے مطابق ہے، جن مولویوں نے دین واسلام کے نام پر کتابیں لکھیں، ان کی ذمہ داری تھی کہ حدیثوں کی کتابیں قرآن کے مطابق ہونی چاہیئے تھیں، حدیثوں کی کتابوں میں جن جھوٹے قصوں اور کہانیوں کو نبی ﷺ کا فرمان اور نبی کی سنت کہا جارہا ہے ان مولویوں کے پاس کیا ثبوت ہے

(۱) مذکورہ بالا فتوی بینات میں "یونس شیخ ملحد وزندیق" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔

کہ یہ نبی ﷺ کا فرمان ہے اور یہ نبی ﷺ کی سنت ہے؟۔'' (ص:۲۴)

امام بخاریؒ کے بارے میں مزید لکھتا ہے کہ:

''محمد رسول اللہ کی زندگی میں مدینہ میں اسلام کو نقصان پہنچانے کیلئے منافقوں نے ایک مسجد بنائی تھی، امام بخاری اسی نسل سے پیدا ہوا ہے اور اسی نسل کے لوگ بعد میں مولوی بنتے رہے جس کی نسل ابھی تک باقی ہے اور ان میں بھی قرآن کو چھوڑ کر یہ نبی ﷺ کی حدیثوں کے نام پر لوگوں کو کفر و شرک کی تعلیم دیئے جا رہے ہیں''۔ (ص:۲۷)

''امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے: کہ نبی ﷺ تورات کے مطابق لوگوں کے فیصلے کرتے تھے، امام بخاریؒ یہودی تھا، اس لئے تورات کا نام لکھا ہے''۔ (ص:۲۸)

پھر اس نے عنوان قائم کیا ہے ''امام بخاری یہودی تھا''۔ (ص:۴۸)

اسی طرح اس نے عنوان قائم کیا ہے ''ابوجہل مولوی امام مالک'' (ص:۱۰۶)

ایسے ہی مصنف نے لکھا ہے کہ:

''مگر سعودی عرب کے بادشاہ امریکا کے جاسوس ہیں، حج اور عمرہ کی کمائی کھانے کیلئے مسلمان بنے ہوئے ہیں، اندر سے وہ لوگ یہودی ہیں''۔ (ص:۱۱۱)

مذکورہ بالا عبارات سے مصنف کے طرزِ تحریر کا ہلکا سا منظر سامنے آ گیا ہوگا، جبکہ اصل کتاب جابجا گالیوں سے اٹی پڑی ہے۔ مصنف نے جابجا محدثین اور علماً کو جہنمی اور دوزخی لکھا ہے۔

کتاب ہمراہ ہے، ملاحظہ فرما کر جواب عنایت فرمائیں کہ مذکورہ کتاب کے مندرجات کا اعتقاد رکھنے والے کی اسلامی نقطۂ نظر سے کیا حیثیت ہے؟ اور ایسے آدمی کے بارے میں حاکمِ وقت کیلئے کیا حکم ہے؟

فقط والسلام مع الاکرام

محمد یونس خان، اسسٹنٹ سب انسپکٹر انوسٹی گیشن - کھارادر کراچی

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

صورتِ مسئولہ میں ''شیطان مولوی'' نامی کتاب پڑھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مصنف

احادیثِ نبویہ سے بیزار اور متواتر اسلامی عقیدوں کا منکر ہے، جیسا کہ اس نے محدثین اور علماءٔ کرام کو ہر جگہ کافر اور جہنمی قرار دیا ہے۔ مصنف کی تمام باتوں کی بنیاد انکارِ حدیث بلکہ انکارِ دین پر ہے، اس نے یہ کہہ کر سب کتبِ احادیث کو رد کر دیا ہے کہ:

الف: سب سے بڑے مجرم وہ مولوی لوگ ہیں جن لوگوں نے حدیثوں کی بڑی بڑی کتابیں لکھیں اور مر گئے، جن مولویوں نے حدیثوں کی بڑی بڑی کتابیں لکھیں ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ قرآن کے مطابق حدیثوں کو اپنی کتابوں میں جمع کرتے مگر ان مولویوں نے قرآن نہیں پڑھا ہوگا جس کی وجہ سے ان کتابوں میں کفر اور شرک کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔" (ص:۶۲)

ب: "یہودی، مولوی دین واسلام کے نام پر جن حدیثوں کی کتابیں لکھ کر مر گئے ان کتابوں میں کفر وشرک، ذلالت اور غلاظت بھری ہوئی ہیں۔" (ص:۲۴)

ج: "ایک یہودی کو امام بنا کر پیش کیا اور اس یہودی امام نے اسلام کے نام پر کتاب لکھی، کتاب کا نام بخاری شریف ہے، اس کتاب میں کفر وشرک بھر دیا گیا ہے۔" (ص:۱۱۳)

ان حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مصنف جدت پسندی کی راہ پر چلتے ہوئے احادیث نبویہ ہی نہیں بلکہ پورے دین کا انکار کر گیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

"واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من اٰیٰت الله والحکمة" (الاحزاب:۳۴)

ترجمہ: "اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں اللہ کی باتیں اور حکمت۔"

جبکہ امام شافعیؒ کتاب "الرسالہ" میں لکھتے ہیں:

"فلم یجز والله اعلم ان یقال ان الحکمة ههنا الا سنة رسول الله ﷺ وحتم علی الناس اتباع امره"۔(۱)

جب مصنف نے متواتر احادیثِ نبویہ کو رد کر دیا تو وہ متواترات بلکہ قرآن کریم کا منکر ہو گیا۔

---

(۱) کتاب الرسالة للإمام محمد بن ادریس الشافعي–باب بیان مافرض من کتابه من اتباع سنة نبیه ﷺ– ص ۲۴ – ط: مطبعة علمیة مصر ۱٤۱۲ھ.

چنانچہ وہ متواتر اسلامی عقیدہ حیات ونزول مسیح کا انکار کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''مولوی لوگ اپنی ناکامی کو چھپانے کیلئے اکثر جھوٹ اور فریب سے کام لیتے ہیں' کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ زمین پر آئیں گے' اس کے بعد سب ٹھیک ہوجائے گا۔ منافق مولوی جھوٹے ہیں' قرآن میں کسی آیت میں نہیں آیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے آسمان پر زندہ اٹھالیا ہے اور قیامت سے پہلے دوبارہ زمین پر آئیں گے... مولویوں کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہونی چاہیئے اللہ کے رسول عیسیٰ لعنت دینے کیلئے قیامت سے پہلے دوبارہ نہیں آئیں گے۔'' (ص:۹۹ تا ۱۰۰ شیطانی مولوی)

حالانکہ اس کے برعکس قرآن مجید میں صراحتاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کا ذکر موجود ہے' چنانچہ ارشاد ہے:

''وبکفرهم وقولهم علی مریم بهتانا عظیما وقولهم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول الله' وماقتلوه وماصلبوه ولکن شبه لهم' وان الذین اختلفوا فیه لفی شک منه ما لهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه یقینا بل رفعه الله الیه' وکان الله عزیزا حکیما''.(النساء: ۱۵۹)

ترجمہ: ''اور ان کے کفر پر اور مریم پر بڑا بہتان باندھنے پر اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا۔ اور انہوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ اس جگہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں' کچھ نہیں ان کو اس کی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اور اس کو قتل نہیں کیا بے شک، بلکہ اس کو اٹھالیا اللہ نے اپنی طرف اور اللہ ہے زبردست حکمت والا''۔

علامہ آلوسیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ولایقدح فی ذلک ما اجمعت الامة علیه واشتهرت فیه الاخبار ولعلها بلغت مبلغ التواتر المعنوی ونطق به الکتاب علی

قول ووجب الایمان به واکفر منکره کالفلاسفة''۔(۱)

معلوم ہوا کہ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام اور رفع ونزول کا عقیدہ متواتر ہے اور قرآن سے ثابت ہے اور اسکا منکر کافر ہے۔

اسی طرح علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

''واما نفی نزول عیسی علیه السلام او نفی النبوة عنه وکلاهما کفر''(۲)

ترجمہ: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول یا ان کی نبوت کا انکار کرنا دونوں کفر ہیں۔''

لہذا مصنف اپنے اس غلط عقیدے کی بنا پر کافر ومرتد ہے۔

اسی طرح مصنف نے کتاب میں ''رجم کی سزا'' کے غیر شرعی ہونے پر خوب زور لگایا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ یہ عقیدہ قرآن سے ثابت نہیں' چنانچہ لکھتا ہے:

''بدکاری کرنے والوں کو یا زنا کرنے والوں کو قتل کرنا کفر ہے۔(ص:۴)

جن مولویوں کا یہ عقیدہ ہے کہ زنا کرنے والوں کو اللہ نے اور محمد رسول اللہ نے قتل کرنے کا حکم دیا ہے وہ سب کے سب مولوی کافر ہیں''۔(ص:۱۴)

حالانکہ رجم کی سزا بھی متفقہ اور تواتر سے ثابت ہے اور جو شخص رجم کا انکار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے، چنانچہ خفاجی کی نسیم الریاض میں ہے:

''وکذلک وقع الاجماع علی تکفیر کل من دافع نص الکتاب او خص حدیثا مجمعا علی نقله متطوعا به مجمعا علی حمله علی ظاهره کتکفیر الخوارج بابطال الرجم''۔(۳)

---

(۱) تفسیر روح المعانی للعلامة الالوسی البغدادی–تفسیر قوله تعالی:ماکان محمد أبا احد......الایة– مبحث فی قوله تعالیٰ:''وخاتم النبیین''–۲۲/۳۴–ط: دار احیاء التراث العربی.

(۲) الحاوی للفتاوی –کتاب الأعلام بحکم عیسی علیه السلام –خاتمة فی أن ما اشتهر علی السنة الناس–۲/۱۵۷–ط: المکتبة الرشیدیة کوئته.

(۳) الشفاء مع نسیم الریاض للخفاجی– القسم الرابع فی تصرف وجوه الأحکام –الباب الثالث– فصل فی بان ماهو من المقالات کفر –۴/۵۴۵– ط: مطبعة عثمانیه مصر.

اسی طرح علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں لکھتے ہیں:

"وقد اجمع الصحابة ومن تقدم من السلف وعلماء الامة وائمة المسلمين على ان المحصن يرجم بالحجارة حتى يموت وانكار الخوارج ذلک باطل... لان ثبوت الرجم منه عليه الصلوة والسلام متواتر المعنى ... وهم كسائر المسلمين يوجبون العمل بالمتواتر معنى كالمتواتر لفظا" (۱)

ترجمہ: "صحابہ کرامؓ اور کل ائمہ متقدمین اور جملہ ائمہ وعلماً اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ شادی شدہ کے لئے سزا رجم ہے تا آنکہ اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے اور خارجیوں کا اس سے انکار باطل ہے ... کیونکہ رجم کا ثبوت آنحضرت ﷺ سے معناً متواتر ہے،.....اور عام مسلمانوں کی طرح خوارج بھی متواتر معنوی پر عمل کرنا اسی طرح ضروری سمجھتے ہیں جس طرح کہ متواتر لفظی کو واجب العمل سمجھتے ہیں...

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں.

فذلک هو الزنديق واتفق جماهير المتاخرين من الحنفية والشافعية على قتل من يجرى هذا المجرى". (۲)

......پس جو شخص ایسی تاویلیں کرے وہ زندیق ہے اور جمہور متاخرین حنفیہ وشافعیہ اس پر متفق ہیں کہ جو اس راہ پر چلے وہ واجب القتل ہے"۔

الغرض کسی شخص کا اس متفقہ مسئلہ سے منکر ہونا اس کے ملحد وزندیق ہونے کی دلیل ہے۔

اسی طرح مصنف نے اپنی کتاب میں نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا بھی انکار کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"ان لوگوں کو جہنم میں ڈال دے جن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن نبی لوگوں کو بخشوائیں گے۔" (ص:۳۲)

حالانکہ یہ عقیدہ بھی صحیح نہیں، بلکہ نبی کریم ﷺ کی قیامت کے دن شفاعت پر اجماع ہو چکا ہے۔

---

(۱) تفسير روح المعانى -تفسير قوله تعالىٰ: الزانية والزانى.....الاية-۱۸/۷۸،۷۹-ط: دار احياء

(۲) المسوى من احاديث المؤطا للإمام ولى الله الدهلوى (المتوفى:۱۱۷۶ھ)-كتاب احكام الخلافة- باب حكم الخوارج والقدرية -۲/۲۹۳-ط: الطبعة السلفية بمكة.

چنانچہ ''الکوکب الازہر'' میں ہے:

''اعلم هداك الله ان اجماع اهل الحق معقود على شفاعة رسول الله ﷺ وجاءت الآثار مثبتة لشفاعة المشفع'' (ص۱۲۹)

ایسے ہی مصنف نے اپنی کتاب میں نعوذ باللہ! امام مالکؒ کو ابوجہل مولوی کہا ہے۔(ص:۱۰۶)

جبکہ امام بخاریؒ کو معاذ اللہ! یہودی لکھا ہے۔ (ص:۴۸)

اسی طرح ایسے دیگر علماً کو جو ''رجم'' کے قائل ہیں، انہیں بھی یہودی اور جہنمی لکھا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

''امام بخاریؒ یہودی تھا''.....افسوس اس بات کا ہے کہ مولوی بھی یہودی بن گئے۔''(ص:۲۸)

مصنف کی کتاب پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے علماً سے ''رجم'' کے مسئلے پر ہی اختلاف نہیں ہی ہے، بلکہ اسے پورے دین سے ہی اختلاف ہے، اسی وجہ سے وہ انہیں کافر و یہودی کہتا ہے، جبکہ قرآن وسنت اور فقہ وفتاوی، اجماعِ امت اور تصریحاتِ اکابر علماامت کی رو سے دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

چنانچہ بحرالرائق میں ہے:

''ومن ابغض عالما من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر ولو صغر الفقيه او العلوى قاصدا الاستخفاف بالدين كفر لا ان لم يقصده''(۱)

''المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ''میں ہے:

''من انكر المتواتر فقد كفر'' (۲)

(جس نے متواتر کا انکار کیا وہ کافر ہوگیا)

''والفتوى فى جنس هذه المقالات ان كان اراد الشتم ولايعتقده كافرا

---

(۱) البحر الرائق -كتاب السير -باب احكام المرتدين -۵/۱۲۴ -ط: ايچ ايم سعيد

(۲) المتانة في مرمة الخزانة للعلامة المخدوم محمد جعفر البوبكانى -كتاب الحدود-باب فى الارتداد-الفاظ الكفر-من انكر المتواتر فقد كفر-ص۵۹۶-ط: لجنة احياء الادب السندى.

لایکفر وان کان یعتقده کافرا فخاطبه بناء علی اعتقاده انه کافر یکفر."(۱)

اسی طرح طلاق کے بارے میں بھی مصنف نے پوری امت سے ہٹ کر عجیب وغریب اور ملحدانہ عقیدے کا اظہار کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"اللہ نے قانون بنایا ہے کہ کسی عورت کی ۳ مہینے سے پہلے طلاق نہیں ہوگی، مولوی لوگ اگر روزانہ اپنی بیوی کے پاس بیٹھ کر طلاق کی تسبیح بھی پڑھتے رہیں اس سے طلاق نہیں ہوگی۔ طلاق کا لفظ ایک بار بولیں یا دس بار بولیں یا لفظ طلاق کی تسبیح پڑھتے رہیں، ۳ ماہ سے پہلے طلاق نہیں ہوگی۔ (ص:۷۶)

حیض کے حساب سے ۳ مہینے ختم ہوگئے تو میاں اور بیوی کے درمیان رشتہ ختم ہوجائے گا، اگر ایک مہینہ شروع ہوا ہے اور شوہر اور بیوی کے درمیان دوستی ہوگئی تو طلاق نہیں ہوگی۔" (ص:۸۰)

یہ عجیب وغریب نظریہ تمام امت سے ہٹ کر گھڑا گیا۔ مزید یہ کہ جمہور امت کو ان کے شرعی نظریے کی بنا پر کافر قرار دیتا ہے، جیسا کہ اس نے لکھا ہے:

"وہ سب کے سب مولوی کافر ہیں جن مولویوں کا عقیدہ ہے کہ ایک ہی وقت میں طلاق کے تین لفظ بولنے سے خاوند اور بیوی کے درمیان رشتہ ختم ہوجاتا ہے۔" (ص:۷۳)

حالانکہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یہ جمہور کا مسلک ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"فالراجح فی الموضعین تحریم المتعة وایقاع الثلاث للاجماع الذی انعقد فی عهد عمر علی ذلک ... والجمهور علی عدم الاعتبار من احدث الاختلاف بعد الاتفاق. (۲)

---

(۱) المرجع السابق –من أبغض عالما أو فقيها من غير سبب ظاهر– ص ۲۰۳.

(۲) فتح الباری شرح صحیح البخاری –کتاب الطلاق –باب من أجاز الطلاق الثلاث– ۹/۳۶۵– ط: رئاسة ادارات البحوث العلمية السعودية.

جبکہ علماً نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ امت کو گمراہ کہنے والا کافر ہے، جیسا کہ نسیم الریاض میں ہے:

وکذلک یقطع بتکفیر کل من قال قولا یتوصل به الی تضلیل الامة .(۱)

بہر حال گذشتہ تفصیلی بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عقیدہ حیات ورفع ونزول عیسیٰ علیہ السلام کا منکر کافر ہے اسی طرح ''رجم'' کی سزا کا منکر بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے ایسے ہی احادیثِ متواترہ کا انکار اور محدثین کرام اور علماً کی گستاخی وتوہین کی وجہ سے ''شیطان مولوی'' کے مصنف شیطان کا ایمان سلامت نہیں رہا لہذا یہ شخص مرتد وملحد اور زندیق ہے، اور مرتد کی سزا یہ ہے کہ اسے قید کرلیا جائے، اسے دوبارہ اسلام قبول کرنیکی دعوت دی جائے اور جن کفریہ عقائد کو اس نے علی الاعلان اختیار کیا ہے ان سے توبہ کروائی جائے، اگر وہ اسلام قبول نہ کرے اور مہلت طلب کرے تو حاکم اسے تین دن تک کی مہلت دے اگر اس دوران وہ مسلمان ہوجائے اور عقائد کفریہ سے توبہ کرلے تو فبھا، ورنہ اسے قتل کردیا جائے، اگر اسلام بھی قبول نہ کرے اور مہلت بھی نہ مانگے تو اسی وقت اسے قتل کردیا جائے۔

جیسا کہ تنویر الابصار میں ہے:

''ومن ارتد عرض علیه الاسلام استحبابا وتکشف شبهته ویحبس ثلاثة ایام ان استمهل فان اسلم والا قتل ''.(۲)

ترجمہ: ''اور جو شخص مرتد ہوگیا اس پر استحباباً اسلام پیش کیا جائے، اور اس کے شبہات کو دور کیا جائے اور اگر مہلت مانگے تو تین دن قید میں رکھ کر اس کو مہلت دی جائے، اگر تو مسلمان ہوگیا تو فبہا ورنہ اسے قتل کردیا جائے''۔

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبه
محمد عبدالمجید دین پوری	محمد شفیق عارف	عبدالمنعم

بینات - جمادی الاولی ۱۴۲۶ھ

---

(۱) الشفاء مع نسیم الریاض للخفاجی – القسم الرابع فی تصرف وجوه الأحکام – الباب الثالث – فصل فی بان ماهو من المقالات کفر – ۴/۵۴۵ – ط: مطبعة عثمانیه مصر.

(۲) تنویر الأبصار – کتاب الحدود – ۴/۲۲۵.

سنت کا مذاق اڑانا کفر ہے

سوال: ایک سوال کے جواب میں آپ نے لکھا ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کا مذاق اڑانا یا اس کے بارے میں کوئی نا شائستہ بات کہنا کفر وارتداد ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے بچائے ایسے شخص کو فوراً توبہ کرنی چاہیئے اور اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کرنی چاہیئے، اگر توبہ نہ کرے تو مسلمانوں کو اس سے قطع تعلق کر لینا چاہیئے"۔

آپ سے گزارش ہے کہ اس سلسلہ میں کتب معتبرہ مثلاً فتاوی عالمگیری یا فتاوی شامی اور دیگر کتب کے حوالہ جات مع عبارت تحریر فرما دیں جس سے واضح ہوتا ہو کہ ایسے شخص کو اپنے نکاح اور ایمان کی تجدید کرنی چاہیئے۔

الجواب باسمہ تعالیٰ

۱: فتاوی بزازیہ برحاشیہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

"والحاصل انہ اذا استخف بسنۃاو حدیث من احادیثہ علیہ السلام کفر وتحت ھذاالاصل فروع کثیرۃ ذکرنا ھا فی الفتاوی" (۱)

۲: فتاوی عالمگیری میں ہے:

"من لم یقر ببعض الانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام اولم یرض بسنۃ من سنن المرسلین فقد کفر". (۲)

۳: نیز فتاوی عالمگیری میں ہے:

اذا قال "چہ نغز رسمی ست دہقان را کہ طعام خوردند ودست نشویند" قال ان

(۱)الفتاوی الھندیۃ –کتاب السیر –الباب التاسع فی أحکام المرتدین –۳۲۸/۶.

(۲) الفتاوی الھندیۃ – ۲/ ۲۶۳.

کان تها وناً بالسنة یکفر .(۱)

۴: درمختار (مع حاشیہ شامی) میں ہے:

"من هزل بلفظ کفر ارتد وان لم یعتقد ہ للاستخفاف ،فهو ککفر العناد ".(۲)

علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس کے تحت طویل کلام فرمایا ہے۔

البحرالرائق میں ہے:

"وباستخفافه بسنة من السنن."(۳)

اس قسم کی عبارتیں حضرات فقہاء کی بے شمار ہیں جن میں تصریح کی گئی ہے کہ کسی سنت کا مذاق اڑانا کفر وارتداد ہے بلکہ یہ مسئلہ خود قرآن کریم میں مصرح ہے:

قل اباللہ وآیاته ورسوله کنتم تستهزؤن لاتعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم (التوبة :۶۵،۶۶)

واللہ اعلم

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

بینات- ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ

---

(۱) الفتاوی الهندیة -۲/ ۲۶۵.

(۲) الدر المختار مع رد المحتار -کتاب الجهاد -باب المرتد -۴/ ۲۲۲.

(۳) البحر الرائق -باب احکام المرتدین- کتاب السیر -۵/ ۱۲۱.

سنت کا استخفاف

سوال: ایک شخص نے سنت کے مطابق اپنی لبیں تراش لیں، اس کی بیوی نے دیکھ کر کہا یہ کیا جھروسوں والی (منحوسوں) شکل بنالی ہے اور دوسرے موقع پر کہا کہ کیا یہ آدمیوں والی شکل ہے؟

اس شخص کو کسی نے بتایا کہ یہ کلمۂ کفر ہے اور اس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا اس کو شبہ ہوگیا ہے کہ اس کا نکاح باقی ہے یا نہیں۔ از روئے شرع شریف اس کا حکم بیان فرمایا جائے کہ اس شخص کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

اس سوال میں چند امور قابل غور ہیں:

اول: لبیں تراشنا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس کا تاکیدی حکم فرمایا ہے۔ مونچھیں بڑھانے کو مجوس اور مشرکین کا شعار قرار دیا ہے۔ اور جو شخص مونچھیں بڑھائے اور لبیں نہ تراشے اس کو اپنی امت سے خارج قرار دیا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل روایات سے واضح ہے:

۱ – "عن عائشة رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحیة......الخ".(۱) "وفی روایة عشر من السنة......الخ".(۲)

---

(۱) صحیح مسلم – کتاب الطهارة – باب خصال الفطرة – ۱/۱۲۹.

سنن أبی داؤد – کتاب الطهارة – باب السواک من الفطرة – ۱/۸.

جامع الترمذی – ابواب الآداب – باب ماجاء فی تقلیم الاظفار – ۲/۱۰۴.

سنن النسائی – کتاب الزینة من السنن الفطرة – ۲/۲۷۳.

(۲) سنن النسائی – کتاب الزینة من سنن الفطرة – ۲/۲۷۴.

"قال الخطابی: فسر اکثر العلماء الفطرة فی هذا الحدیث بالسنة (قلت کما فی روایة النسائی المذکورة)وتاویله. ان هذه الخصال من سنن الانبیاء الذین امرنا ان نقتدی بهم"(۱)

"وفی المرقاة: قوله عشر من الفطرة ای عشر خصال من سنة الانبیاء الذین امرنا ان نقتدی بهم فکأنا فطرنا علیها". (۲)

"وفی مجمع بحار الانوار نقلاً عن الکرمانی ای من السنة القدیمة التی اختارها الانبیاء علیهم السلام و اتفقت علیها الشرائع. فکأنها امر جبلی فطروا علیه فسبحانه ماأسخف عقول قوم طولوا الشوارب و أحفوا اللحی عکس ماعلیه فطرة جمیع الامم قد بدّلوا فطرتهم، نعوذ بالله". (۳)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دس چیزیں فطرت میں داخل ہیں۔ مونچھیں تراشنا اور داڑھی بڑھانا......" اور ایک روایت میں ہے کہ دس چیزیں سنت میں سے ہیں مسواک کرنا، لبیں تراشنا، داڑھی بڑھانا......الخ۔

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء نے اس حدیث میں فطرت کی تفسیر سنت سے کی ہے (اور یہ نسائی کی روایت میں مصرح ہے) جس کے مطلب یہ

---

(۱) معالم السنن مع مختصر سنن أبی داؤد للخطابی-کتاب الطهارة-باب السواک من الفطرة-رقم الحدیث ۴۸ ط: انصار السنة المحمدیه ۱۳۶۷ھ.

(۲) حاشیة مشکوة-کتاب الطهارة-باب السواک-الفصل الاول-۱/۴۴-رقم الحاشیة ۱۰-ط: قدیمی، کراچی.

(۳) مجمع بحار الأنوار فی غرائب التنزیل ولطائف الأخبار للشیخ محمد طاهر الفتنی الگجراتی (م۹۸۶ھ)-باب الفاء مع الطاء ۴/۱۵۸ مکتبه دار الایمان مدینه.

ہے کہ یہ باتیں انبیاء کرام علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہیں۔ جن کی اقتداء کا ہمیں حکم دیا گیا ہے''۔

''(اور حاشیہ مشکوٰۃ میں) مرقات سے نقل کیا ہے کہ دس امور فطرت میں داخل ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ امور انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہیں جن کی اقتداء کا ہمیں حکم دیا گیا ہے پس یہ امور گویا ہماری فطرت میں داخل ہیں''۔

''اور مجمع البحار میں کرمانی سے نقل کیا ہے کہ ان امور کے فطرت میں داخل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ یہ امور اس قدیم سنت میں داخل ہیں جس کو انبیاء کرام علیہم السلام نے اختیار کیا اور تمام شریعتیں ان پر متفق ہیں پس گویا یہ فطری امور ہیں جو انسانوں کی فطرت میں داخل ہیں سبحان اللہ! وہ لوگ کس قدر کم عقل ہیں جو تمام امتوں کی فطرت کے برعکس مونچھیں تو بڑھاتے ہیں اور داڑھی کا صفایا کرتے ہیں ان لوگوں نے اپنی فطرت کو مسخ کرلیا ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں''۔

۲- ''عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: كان النبی صلی الله علیه وسلم یقص اویاخذ من شاربه وكان ابراهیم خلیل الرحمن صلوات الرحمن علیه یفعله''. (۱)

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لبیں تراشا کرتے تھے اور حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا وعلیہ السلام بھی یہی کرتے تھے''۔

۳- ''عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خالفوا المشركین او فروا اللحی واحفوا الشوارب''. (۲)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مشرکوں کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ۔ اور مونچھیں صاف کراؤ''۔

---

(۱) مشكوة المصابیح - كتاب اللباس - باب الترجل - الفصل الثانی - ۲/ ۳۸۱.

(۲) المرجع السابق - الفصل الاول . ۲/ ۳۸۰.

۴- "عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: جزوا الشوارب وارخوا اللحی خالفوا المجوس". (۱)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مونچھیں کٹاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ، مجوسیوں کی مخالفت کرو"۔

۵- "عن زید بن ارقم رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: من لم یاخذمن شاربه فلیس منا". (۲)

"حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی لبیں نہ تراشے وہ ہم میں سے نہیں"۔

دوم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا مذاق اُڑانا یا اس کی تحقیر کرنا کفر ہے۔

"ففی الشامیة نقلاً عن المسایرة: کفر الحنفیة بالفاظ کثیرة (الی) او استقباحها کمن استقبح من آخر جعل بعض العمامة تحت حلقه او احفاء شاربه". (۳)

"وفی البحر: وباستخفافه بسنة من السنن". (۴)

"وفی شرح الفقه الاکبر وفی الظهیریة: من قال لفقیه اخذ شاربه ما اعجب قبحاً او اشد قبحاً قص الشارب ولف طرف العمامة تحت الذقن یکفر لأنه استخفاف بالعلماء یعنی وهو مستلزم لاستخفاف الانبیاء علیهم السلام لأن العلماء ورثة الانبیاء علیهم السلام وقص الشارب من

---

(۱) صحیح مسلم-کتاب الطهارة -باب خصال الفطرة - ۱/ ۱۲۹.

(۲)جامع الاصول فی احادیث الرسول لابن الاثیر الجزری- ۴/ ۷۶۵-ط: ادارة البحوث العلمیة

(۳) ردالمحتار علی الدرالمختار لابن عابدین-کتاب الجهاد-باب المرتد-۴/ ۲۲۲.

(۴) البحر الرائق شرح کنز الدقائق -کتاب السیر -باب احکام المرتدین-۵/ ۱۲۱.

سنن الأنبياء عليهم السلام فتقبيحه كفر بلا اختلاف بين العلماء". (۱)

ترجمہ: ''چنانچہ فتاویٰ شامی میں ''مسایرہ'' سے نقل کیا ہے کہ حنفیہ نے بہت سے الفاظ کو کفر قرار دیا ہے، مثلاً کسی سنت کو بُرا کہنا جیسے کسی شخص نے عمامہ کا کچھ حصہ حلق کے نیچے کرلیا ہو۔ کوئی شخص اس کو برا سمجھے یا مونچھیں تراشنے کو برا کہے تو یہ کفر ہے''۔

''اور ''البحر الرائق'' میں ہے: اور کسی سنت کی تحقیر کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے''۔

''اور شرح ''فقہ اکبر'' میں ''فتاویٰ ظہیریہ'' سے نقل کیا ہے کہ کسی فقیہ نے لبیں تراش لیں اس کو دیکھ کر کسی نے کہا کہ لبیں تراشنا اور ٹھوڑی کے نیچے عمامہ لپیٹنا کتنا برا لگتا ہے تو کہنے والا کافر ہوجائے گا۔ کیونکہ یہ علماء کی تحقیر ہے اور یہ مستلزم ہے انبیاء کرام علیہم السلام کی تحقیر کو۔ کیونکہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں (پس ان کی تحقیر انبیاء کی تحقیر ہے اور انبیاء کی تحقیر کفر ہے) نیز لبیں تراشنا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہے پس اس کو برا کہنا بغیر کسی اختلاف کے کفر ہے''۔

سوم: جو مسلمان کلمۂ کفر بکے وہ مرتد ہوجاتا ہے، میاں بیوی میں سے کسی ایک نے کلمہ کفر کہا ہو تو نکاح فسخ ہوجاتا ہے اس پر ایمان کی تجدید لازم ہے اور توبہ کے بعد نکاح دوبارہ کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ ''درمختار'' میں ہے:

"وفي شرح الوهبانية للشرنبلالي: مايكون كفرا اتفاقا يبطل العمل والنكاح واولاده اولاد زنا. ومافيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح". (۲)

اور ''شرح وھبانیہ للشرنبلالی'' میں ہے کہ جو چیز کہ بالاتفاق کفر ہو اس سے

(۱) شرح كتاب الفقه الاكبر للامام الاعظم ابى حنيفة النعمان بن الثابت الكوفى (م ۱۵۰ھ) - فصل فى العلم والعلماء - ص ۲۲۰ - ط: دار الباز مكة المكرمة.

(۲) الدر المختار مع رد المحتار - كتاب الجهاد - باب المرتد - ۴/۲۴۶، ۲۴۷.

تمام اعمال باطل ہوجاتے ہیں اور نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور (اگر اسی حالت میں صحبت کرتے رہے تو) اس کی اولاد ناجائز ہوگی۔ اور جس چیز کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس سے توبہ واستغفار اور دوبارہ نکاح کرنے کا حکم دیا جائے گا"۔

"فتاویٰ عالمگیری" میں ہے:

"ولو اجرت كلمة الكفر على لسانها مغايظةً لزوجها (الىٰ قوله) تحرم على زوجها فتجبر على الاسلام، ولكل قاض ان يجدد النكاح بادنىٰ شئى ولو بدينار، سخطت او رضيت وليس لها ان تتزوج الا بزوجها". (۱)

ترجمہ: "اور اگر عورت نے اپنے شوہر سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے زبان سے کلمہ کفر بک دیا تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہوجائے گی اس کو تجدید ایمان (اور تجدید نکاح) پر مجبور کیا جائیگا اور ہر قاضی کو حق ہوگا کہ (اس کو توبہ کرانے کے بعد) مہر پر دوبارہ نکاح کردے، خواہ مہر ایک ہی دینار ہو۔ خواہ عورت راضی ہو یا نہ ہو اور اس عورت کو اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور سے شادی کرنے کا حق نہیں"۔

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں یہ عورت، سنت نبوی اور سنت انبیاء کا مذاق اُڑانے اور اس کی تحقیر کرنے کی وجہ سے مرتد ہوگئی، اس کو توبہ کی تلقین کی جائے اور توبہ کے بعد نکاح کی تجدید کی جائے، جب تک عورت اپنی غلطی کا احساس کرکے سچے دل سے تائب نہ ہو اور دوبارہ نکاح نہ ہوجائے اس وقت تک شوہر اس سے ازدواجی تعلق نہ رکھے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

بینات-صفر ۱۴۰۸ھ

---

(۱) الفتاوى الهنديه - كتاب النكاح - الباب العاشر فى نكاح الكفار - ۱/ ۳۳۹ - ط: رشيديه كوئٹه

ڈارون کا نظریۂ ارتقاء

''گذشتہ دنوں یہاں کے ایک ڈاکٹر صاحب نے امریکہ جاکر اپنے خطبات میں یہ فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا (اور جو احادیث صحیحہ میں محفوظ ہے) وہ صحیح نہیں کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میدان نہیں تھا اس لئے اس مسئلہ میں امت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لائق التفات نہیں بلکہ فلاسفہ طبیعیین (ڈارون واتباعہ) نے جو نظریۂ ارتقاء پیش کیا ہے وہ صحیح ہے اس سلسلے میں متعدد حضرات نے ہمیں خطوط بھیجے ان میں سے ایک کا جواب مع اصل خط کے ''بصائر وعبر'' میں قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے''۔ سعید احمد جلال پوری

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام روح ڈالے جانے سے پہلے بھی زندہ تھے مگر حیوان کی شکل میں، اور اس حیوانی شکل میں بھی وہ جمادات ونباتات کے مراحل سے گزر کر پہنچے تھے **واللہ انبتکم من الارض نباتا ،الایۃ۔** اس آیت کریمہ سے وہ شخص اپنے اسی عقیدہ پر استدلال لیتا ہے حضرت آدم علیہ السلام کی روح ڈالے جانے سے پہلے کی کیفیت کو وہ شخص ''حیوان آدم'' قرار دیتا ہے۔

یہ شخص حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق کے بابت انہی مراحل سے گزر کر حیوان کی شکل تک پہنچنے کا عقیدہ رکھتا ہے جن مراحل کا تذکرہ ڈارون نے اپنے ''نظریۂ ارتقاء'' میں کیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق سے متعلق جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح صحیح اور واضح احادیث مبارکہ کو یہ شخص درخور اعتناء نہیں سمجھتا چونکہ اس کے نزدیک صرف وہ احادیث قابل اتباع ہیں جو علم الاحکام یا حلال وحرام سے متعلق ہوں علم الحقائق اور حکمت سے متعلق احادیث کی بات ان کے نزدیک دوسری ہے۔

یہ شخص کہتا ہے کہ جو کوئی یہ سمجھتا ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام کا مٹی کا پتلا بنایا گیا تھا اور پھر اس بے جان پتلے میں روح پھونکی گئی تھی تو یہ کفر تو نہیں البتہ نا سمجھی ضرور ہے۔

یہ شخص حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق سے متعلق تفصیل و تحقیق کو ''امور دنیا'' میں سے قرار دیتا ہے پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کھجوروں کی پیوند کاری کے بابت، ''انتم اعلم بامور دنیا کم'' والی حدیث کو اپنے لئے دلیل کے طور پر پیش کرتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق سے متعلق اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی واضح موقف اختیار نہیں فرمایا تو کوئی بات نہیں کہ یہ معاملہ امور دنیا میں سے ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میدان کار نہیں۔

یہ شخص مذکورہ تمام باتیں برسر منبر جمعہ کے خطبہ میں لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے اس شخص کی متذکرہ بالا باتوں کی روشنی میں دریافت طلب امور یہ ہیں:

۱- کیا اس شخص کے مذکورہ بالا عقائد کو اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کہا جا سکتا ہے؟

۲- حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق سے متعلق احادیث کے بارے میں اس شخص کا رویہ گستاخی اور گمراہی نہیں ہے؟

۳- حضرت آدم علیہ السلام کو ''حیوان آدم'' کہنا گستاخی نہیں ہے؟

۴- کیا یہ شخص ''تفسیر بالرائے'' کا مرتکب نہیں ہوا؟

۵- آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلاف امت کا عقیدہ حضرت آدمؑ کے مٹی کے پتلے سے بنائے جانے کا ہے یا نہیں؟

۶:- اس شخص کی بیعت یا کسی قسم کا تعلق اس کے ساتھ آپ کے نزدیک کیسا ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں تفصیلات سے آگاہ فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

منتظر جواب

اطہر

پوسٹ بکس نمبر ۱۴۹۰۷ از ابوظہبی

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

آنجناب نے ان صاحب کے جوافکار وخیالات نقل کئے ہیں مناسب ہوگا کہ پہلے ان کا تنقیدی جائزہ لیا جائے، بعدازاں آپ کے سوالوں کا جواب عرض کیا جائے۔

آنجناب کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ان صاحب کے علم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق کے بارے میں کچھ تصریحات فرمائی ہیں جن کو یہ صاحب ''امور دنیا'' قرار دیتے ہوئے لائق توجہ اور درخور اعتناء نہیں سمجھتے اس لئے یہاں دو باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

اول یہ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق کے بارے میں امت کو کیا بتایا ہے؟

دوم یہ کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات امت کے لئے لائق توجہ نہیں؟

امر اول: تخلیق آدم علیہ السلام کے بارے میں تصریحات نبوی ﷺ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جسمانی کی کیفیت اور اس تخلیق کے مدارج کے سلسلہ میں جو تصریحات فرمائی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو تمام روئے زمین سے مٹی کا خلاصہ لیا پھر اس میں پانی ملا کر اس کا گارا بنایا گیا پھر اسے ایک مدت تک پڑا رہنے دیا گیا یہاں تک کہ وہ گارا سیاہ ہوگیا اس سے بو آنے لگی اور اس میں چپکاہٹ کی کیفیت پیدا ہوگئی پھر اس گارے سے حضرت آدم علیہ السلام کا ساٹھ ہاتھ لمبا قالب بنایا گیا پھر یہ قالب کچھ عرصہ پڑا رہا یہاں تک کہ خشک ہوکر اس میں کھنکھناہٹ پیدا ہوگئی اور وہ ٹھیکری کی طرح بجنے لگا اس دوران شیطان اس قالب کے گرد گھومتا تھا اسے بجا بجا کر دیکھتا تھا اور کہتا تھا کہ اس مخلوق کے پیٹ میں خلا ہے اس لئے اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکے گی۔

پھر اس بے جان قالب میں روح پھونکی گئی اور وہ جیتے جاگتے انسان بن گئے، جب ان کے نصف اعلیٰ میں روح داخل ہوئی تو انہیں چھینک آئی اور ان کی زبان مبارک سے پہلا کلمہ جو نکلا وہ ''الحمد للہ'' تھا جس پر حق تعالیٰ شانہ نے ان کو جواب میں فرمایا یرحمک ربک (تیرا رب تجھ پر رحمت فرمائے)

حضرت آدم علیہ السلام جس وقت پیدا کئے گئے اس وقت ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا اور ان کے تمام جسمانی اعضاء اور ظاہری و باطنی قویٰ کامل و مکمل تھے ان کو نشو و نماء کے مراحل سے گزرنا نہیں پڑا جن سے اولادِ آدمؑ گزر کر اپنے نشو و نماء کے آخری مدارج تک پہنچتی ہے۔

یہ خلاصہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان بہت سے ارشادات کا جو حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق کے بارے میں مروی ہیں۔ میں ان میں سے بہت سی احادیث میں سے یہاں صرف چار احادیث کے ذکر کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

حدیث اول: عن ابی هريرة رضی الله‌عنه قال: قال رسول الله ﷺ: خلق الله عزوجل آدم على صورته طوله ستون ذراعاًفلماخلقه قال اذهب فسلم على اولئک النفروهم النفر،من الملائكة جلوس فاستمع مايحيونک به فانها تحيتک وتحية ذريتک قال: فذهب فقال: السلام عليكم، فقالوا: السلام عليک ورحمة الله قال: فزادوه"ورحمة الله" قال فكل من يدخل الجنة على صورة آدم وطوله ستون ذراعا فلم يزل الخلق ينقص بعده حتى الآن .(۱)

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا تھا۔ ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا جب ان کو پیدا کیا تو ان سے فرمایا کہ جاؤ! اس جماعت کو جا کر سلام کہو۔ یہ فرشتوں کی ایک جماعت بیٹھی تھی۔ پس سنو کہ یہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں، کیونکہ یہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا آپس کا سلام ہوگا، چنانچہ آدم علیہ السلام نے جا کر ان فرشتوں کو "السلام علیکم" کہا انہوں نے جواب میں کہا "وعلیک السلام ورحمۃ اللہ"۔ فرشتوں نے جواب

(۱) صحيح البخاری - كتاب الاستيذان -باب بدء السلام - ۲/ ۹۱۹.
صحيح مسلم - كتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها- ۲/ ۳۸۰.
مسند احمد -مسند ابی هريرة - ۲/ ۲۴۴ -ط: المكتب الاسلامی .

میں ''ورحمۃ اللہ'' کے لفظ کا اضافہ کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جتنے لوگ جنت میں داخل ہوں گے وہ آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوں گے اور ان کا قد ساٹھ ہاتھ کا ہوگا بعد میں انسانوں کے قد چھوٹے ہوتے رہے جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔''

حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی آنحضرت ﷺ کے ارشاد'' اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اُن کی صورت پر پیدا کیا تھا'' کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والمعنى ان الله تعالى او جده على الهيئة التى خلقه عليها لم ينتقل فى النشأة احوالاً ولاتردد فى الارحام اطواراً كذريته ،بل خلقه الله رجلا كاملا سويا من اول مانفخ فيه الروح ثم عقب ذلك بقوله ، وطوله ستون ذراعا. (۱)

ترجمہ: ''اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جس شکل و ہیئت میں پیدا فرمایا ان کو اسی ہیئت و شکل میں وجود بخشا وہ اپنی ذریت کی طرح پیدائش کے مختلف حالات سے نہیں گزرے نہ شکم مادر میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوئے ، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق اس طرح فرمائی کہ نفخ روح کے وقت ہی سے وہ مرد کامل تھے اور ان کی تمام جسمانی قوتیں بدرجہ کمال تھیں اسی بناء پر اس کے بعد فرمایا کہ اس وقت ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا''۔

اس حدیث کی یہی تشریح اور بہت سے اکابر نے فرمائی ہے:

حدیث دوم: **عن ابى موسى الاشعرى رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله تعالى خلق آدمؑ من قبضة قبضها من جميع الارض فجاء بنو آدم على قدر الارض منهم الابيض والاحمر**

---

(۱) فتح البارى لابن حجر العسقلانى - كتاب الانبياء - باب خلق آدم وذريته - ۳۶۶/۶ - ط: رئاسة البحوث العلمية .

والاسود وبین ذالک والسهل والحزن والخبیث والطیب (۱)

ترجمہ: ''حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا مٹی کی مٹھی سے جس کو تمام زمین سے لیا تھا چنانچہ اولاد آدمؑ زمین کے اندازے کے مطابق ظاہر ہوئی ان میں کوئی سفید ہے کوئی سرخ، کوئی کالا، اور کوئی ان رنگوں کے درمیان درمیان کوئی نرم، کوئی سخت، کوئی خبیث، کوئی پاکیزہ''۔

حدیث سوم: عن انس رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لما صور اللّٰہ آدم فی الجنۃ ترکہ ماشاء اللّٰہ ان یترکہ، فجعل ابلیس یطیف بہ ینظر ماھو، فلما راٰہ اجوف عرف انہ خلق خلقا لایتمالک (۲)

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱)جامع الترمذی –کتاب التفسیر –سورۃ البقرۃ – ۱۲۳/۲ .

سنن أبی داؤد –کتاب السنۃ. باب فی القدر – ۲/ ۲۴۴ .

المسند للإمام احمد –مسند ابی موسی الاشعری –رقم الحدیث: ۱۹۴۷۳. ۱,۹۵۳۲ – ۱۴/ ۵۱۹، ۵۳۶. ط:دارالحدیث قاھرہ

المستدرک علی الصحیحین للحاکم –باب خلق اللّٰہ آدم من ادیم الارض –سورۃ البقرۃ رقم الحدیث ۳۰۹۱، ۲/ ۲۵۰ ط:دارالمعرفۃ بیروت

صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان للامام علاؤ الدین علی بن بلبان الفارسی(م ۷۳۹ ھ) کتاب التاریخ باب بدء الخلق. ذکر البیان بان قولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: خلق اللّٰہ آدم من ادیم الارض کلھاارادبہ من قبضۃ واحدۃ منھا. رقم الحدیث: ۶۱۶۰ ، ۱۴/ ۱۹ ط:مؤسسۃ الرسالۃ بیروت

(۲) صحیح مسلم –کتاب البر والصلۃ – باب خلق الانسان خلقاً لایتمالک – ۲/ ۳۲۷–

مسند احمد –مسند انس– رقم الحدیث: ۱۳۳۲۴ – ۱۱/ ۱۶۸ –ط: دار الحدیث القاھرۃ

مسند ابی داؤد الطیالسی –حرف الثاء –ثابت البنانی عن انس –رقم الحدیث: ۲۰۲۴ – ۲۷۰/۸ – ط: دار المعرفۃ بیروت لبنان .

نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت میں آدم علیہ السلام کا ڈھانچہ بنایا تو اس کو اسی حالت میں رہنے دیا جتنی مدت کہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھی تو شیطان اس کے گرد گھومنے لگا یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ کیا چیز ہے، پس جب اس نے دیکھا کہ اس کے پیٹ میں خلا ہے تو اس نے پہچانا کہ اس کی تخلیق ایسی کی گئی ہے کہ یہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکے گا۔

حدیث چہارم: عن ابی هريرة رضی اللہ عنه عن النبی ﷺ قال: ان اللہ خلق آدم من تراب ،ثم جعله طيناً ثم تركه حتى اذاكان حمأً مسنوناً خلقه وصوره ثم تركه حتى اذاكان صلصالاً كالفخار قال فكان ابليس يمر به فيقول لقد خلقت لامر عظيم ثم نفخ الله فيه من روحه فكان اول شئی جرى فيه الروح بصره وخياشيمه فعطس فلقاه اللہ حمد ربه فقال الرب: يرحمک ربک (الحديث).(۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے بنایا آدم علیہ السلام کو مٹی سے پھر اس مٹی میں پانی ڈال کر اس کو گوندھ دیا پھر اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ سیاہ گارا بن گیا تو اس کا قالب بنایا پھر اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ آگ میں پکی ہوئی چیز کی طرح کھنکھنانے لگا ابلیس اس کے پاس سے گزرتا تو کہتا کہ تجھے کسی بڑے کام کے لئے بنایا گیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس قالب میں اپنی روح ڈالی پس سب سے پہلی چیز جس میں روح جاری ہوئی وہ حضرت

(۱) فتح الباری -کتاب الانبياء - باب خلق آدم وذريته -۶/ ۳۶۴-ط: رئاسة البحوث العلمية
مسند أبي يعلى الموصلي للإمام احمد بن علي التميمي (المتوفى:۳۰۷ھ)-مسندابی ھريرةؓ - رقم الحديث: ۶۵۸۰-۱۱/ ۴۵۳- ط:دارالمامون للتراث.دمشق.

مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للحافظ نورالدين علي بن ابی بكر الهيثمي(المتوفى:۸۱۷ھ) كتاب فيه ذكر الانبياء صلوات اللہ عليهم -باب ذكر نبينا آدم ابی البشر صلی اللہ عليه وسلم-۸/ ۱۹۷ - ط:دارالكتاب بيروت.

آدم علیہ السلام کی آنکھیں اور نتھنے تھے پس ان کو چھینک آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو "الحمد للہ" کہنے کا الہام فرمایا انہوں نے "الحمدللہ" کہا تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا "یرحمک ربک"، تیرا رب تجھ پر رحمت فرمائے۔

ان احادیث شریفہ کا خلاصۂ مضمون پہلے ذکر کر چکا ہوں اب اس پر غور فرمائیے کہ ان احادیث مقدسہ میں تخلیق آدم علیہ السلام کے جو مدارج ذکر فرمائے گئے اور اس تخلیق کی جو کیفیت بیان فرمائی گئی ہے قرآن کریم کی بہت سی آیات میں اس کی تصدیق وتصویب فرمائی گئی ہے۔

اول: یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق بلاواسطہ مٹی سے ہوئی اور یہ ان کی تخلیق کا نقطۂ آغاز اور مبدأ اول ہے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے،

"ان مثل عیسی عنداللہ کمثل آدم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون" (ال عمران: ۵۹)

ترجمہ: "بے شک حالت عجیبہ (حضرت) عیسیٰؑ کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشابہ حالت عجیبہ (حضرت) آدمؑ کے ہے کہ ان (کے قالب) کو مٹی سے بنایا پھر ان کو حکم دیا کہ (جان دار) ہو جا پس وہ (جان دار) ہو گئے"۔ (ترجمۂ بیان القرآن حضرت تھانویؒ)

دوم: یہ کہ اس مٹی کو پانی سے گوندھا گیا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اذقال ربک للملائکة انی خالق بشراً من طین" (ص: ۷۱)

ترجمہ: جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں گارے سے ایک انسان (یعنی اس کے پتلے کو) بنانے والا ہوں۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

سوم: یہ کہ یہ گارا ایک عرصہ تک پڑا رہا یہاں تک کہ سیاہ ہو گیا اور اس میں سے بو آنے لگی، چنانچہ ارشاد ہے:

"ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حماء مسنون" (الحجر: ۲۶)

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے، جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی تھی، پیدا کیا۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

چہارم: یہ کہ مزید پڑا رہنے سے اس گارے میں چپکنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی، ارشاد ہے:

''انا خلقنهم من طين لازب''. (الصافات:۱۱)

ترجمہ: ہم نے ان لوگوں کو چپکتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

پنجم: یہ کہ اس گارے سے قالب بنایا جو خشک ہوکر بجنے لگا، ارشاد ہے:

''واذقال ربک للملئكة انى خالق بشراً من صلصال من حما مسنون'' (الحجر:۲۸)

ترجمہ: اور جب آپ کے رب نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں ایک بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے سے بنی ہوگی، پیدا کرنے والا ہوں۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

''خلق الانسان من صلصال كالفخار وخلق الجآن من مارج من نار'' (الرحمن:۱۴،۱۵)

ترجمہ: اسی نے انسان کو ایسی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی پیدا کیا اور جنات کو خالص آگ سے پیدا کیا۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

ششم: یہ کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا قالب مندرجہ بالا مدارج سے گزر چکا تو اس میں روح پھونکی گئی اور یہ ان کی تخلیق کی تکمیل تھی، ارشاد ہے:

''اذقال ربک للملٰئكة انى خالق بشرا من طين فاذا سويته ونفخت فيه من روحى فقعوا له سجدين'' (ص:۷۱،۷۲)

ترجمہ: جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں گارے سے ایک انسان (یعنی اس کے پتلے کو) بنانے والا ہوں میں جب اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی جان ڈال دوں تو تم سب اس کے روبرو سجدے میں گر پڑنا۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا:

قرآن کریم میں یہ بھی صراحت فرمائی گئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے فرمائی، چنانچہ ارشاد ہے:

"قال یابلیس مامنعک ان تسجد لما خلقت بیدی" (ص :۷۵)

ترجمہ: حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کوسجدہ کرنے سے تجھ کو کون سی چیز مانع ہوئی؟ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

یہ تو ظاہر ہے کہ ساری کائنات حق تعالیٰ شانہ ہی کی پیدا کردہ ہے مگر حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں جو ارشاد فرمایا کہ "میں نے اس کو اپنے ہاتھوں سے بنایا" اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت وشرف کا اظہار مقصود ہے یعنی ان کی تخلیق توالد وتناسل کے معروف طریقہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بدست خود مٹی سے بنایا اور ان میں روح پھونکی چنانچہ امام ابوالسعودؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ای خلقته بالذات من غیر توسط اب وام (۱)

ترجمہ: یعنی میں نے ان کو ماں باپ کے واسطے کے بغیر بذات خود پیدا فرمایا۔

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں "خلقت بیدی" (بنایا میں نے اس کو اپنے ہاتھوں سے) فرمانا اس حقیقت کبریٰ کا اظہار ہے کہ ان کی تخلیق تولید وتناسل کے معروف ذرائع سے نہیں ہوئی، یہیں سے اہل عقل کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ جس شخصیت کی تخلیق میں ماں اور باپ کا واسطہ بھی قدرت کو منظور نہ ہوا اس کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ جمادات، نباتات، حیوانات اور بندروں کی "جون" تبدیل کرتے ہوئے انسانی شکل میں آیا کتنی بڑی ستم ظریفی ہوگی؟

الغرض "خلقت بیدی" کے قرآنی الفاظ سے جہاں حضرت آدم علیہ السلام کے توالد وتناسل کے ذریعہ پیدا ہونے کی نفی ہوتی ہے وہاں ان کے جمادات ونباتات اور حیوانوں اور بندروں سے ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے انسان بننے کی بدرجہ اولیٰ نفی ہوتی ہے اس لئے اہل ایمان کے نزدیک حق وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور جس کی تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں۔

---

(۱) تفسیر ابی السعود للقاضی أبی السعود محمد بن محمد بن مصطفی الحنفی (المتوفی: ۹۸۲ھ) – تحت قوله تعالیٰ: ﴿قال یا ابلیس ما منعک ان تسجد لماخلقت بیدی﴾ – ۵/۳۷۳–ط: دار الکتب العلمیة بیروت.

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا عقیدہ

قرآن کریم کے ارشاد "خلقت بیدی" (بنایا میں نے اس کو اپنے ہاتھوں سے) کے مفہوم کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے بعد اب اس پر بھی غور فرمائیے کہ اس بارے میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا عقیدہ کیا تھا؟

حدیث کی قریباً تمام معروف کتابوں (صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، موطا امام مالک اور مسند احمد وغیرہ) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کا مباحثہ مذکور ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا:

"انت آدم الذی خلقک اللہ بیدہ ونفخ فیک من روحہ واسجدلک ملائکتہٗ واسکنک فی جنتہ" (۱)

ترجمہ: "آپ وہی آدم (علیہ السلام) ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس میں اپنی طرف سے روح ڈالی اور آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو اپنی جنت میں ٹھہرایا"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں ٹھیک وہی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو مذکورۃ الصدر آیت شریفہ میں وارد ہوئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنانا اور ان کے قالب میں اپنی جانب سے روح ڈالنا اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قالب اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اس میں روح ڈالی وہ توالد وتناسل کے معروف مراحل سے گزر کر انسان نہیں بنے، نہ جمادات ونباتات اور حیوانوں اور بندروں سے شکل تبدیل کرتے ہوئے آدمی بنے۔

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح – کتاب الایمان – باب الایمان بالقدر – الفصل الاول – ۱/۱۹۔

محشر کے دن اہل ایمان بھی اسی عقیدہ کا اظہار کریں گے:

حدیث شفاعت میں آتا ہے کہ اہل ایمان قیامت کے دن شفاعت کبریٰ کے لئے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اوران سے عرض کریں گے:

انت آدم ابو الناس خلقک الله بیده و اسکنک جنته و اسجد لک ملائکة و علمک اسماء کل شئی .(۱)

ترجمہ: ''آپ آدم علیہ السلام ہیں تمام انسانوں کے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور آپ کو اپنی جنت میں ٹھہرایا اور اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور آپ کو تمام اشیاء کے ناموں کی تعلیم فرمائی''۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اہل ایمان بھی اسی عقیدہ کا اظہار کریں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق حق تعالیٰ شانہ نے براہ راست اپنے دست قدرت سے فرمائی، مٹی سے ان کا قالب بنا کر اس میں روح پھونکی اوران کو جیتا جاگتا انسان بنایا ان کی تخلیق میں نہ توالد وتناسل کا واسطہ تھا اور نہ وہ جمادات سے بندرتک ارتقائی مراحل سے گزر کر ''انسان آدم'' بنے۔

قرآن کریم کی آیات بینات، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات طیبات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمودات اور میدان محشر میں اہل ایمان کی تصریحات آپ کے سامنے ہیں جو شخص ان تمام امور پر بشرط فہم وانصاف غور کرے گا اس پر آفتاب نصف النہار کی طرح یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق کے بارے میں حقیقت واقعیہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اوران صاحب کا فلاسفہ طبیعیین کی تقلید میں تخلیق آدم علیہ السلام کو کرشمۂ ارتقاء قرار دینا صریح طور پر غلط اور نصوص قطعیہ سے انحراف ہے۔ **والله یقول الحق وهو یهدی السبیل.**

---

(۱) مشکوة المصابیح -کتاب الفتن -باب الحوض والشفاعة الفصل الاول، ۲/ ۴۸۸.

امر دوم:

احادیث نبویہ ﷺ کے بارے میں اس شخص کے خیالات کا جائزہ

اس شخص کا یہ کہنا کہ اس مسئلہ میں احادیث نبویہؐ لائق توجہ اور درخور اعتناء نہیں چند وجوہ سے جہل مرکب کا شاہکار ہے:

اولاً: اوپر قرآن کریم کی جو آیات بینات ذکر کی گئی ہیں انہیں ارشادات نبویہ کے ساتھ ملا کر پڑھئے تو واضح ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تخلیق آدم علیہ السلام کے سلسلہ میں جو کچھ فرمایا ہے وہ ان آیات بینات ہی کی شرح وتفصیل ہے اور جس مسئلہ میں قرآن وحدیث دونوں متفق ہوں کسی مومن کے لئے اس سے انحراف کی گنجائش نہیں رہتی اور جو شخص فرمان الٰہی اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تسلیم کرنے سے ہچکچاتا ہے انصاف فرمائیے کہ ایمان واسلام میں اس کا کتنا حصہ ہے؟

ثانیاً: بالفرض قرآن کریم سے ان احادیث کی تائید نہ ہوتی تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد کو سن کر یہ کہنا کہ یہ لائق توجہ اور درخور اعتناء نہیں بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں نہایت جسارت اور حددرجہ کی گستاخی ہے جس کے سننے کی بھی کسی من کو تاب نہیں ہوسکتی کہ اس کے سنتے ہی روح ایمان لرز جاتی ہے کجا کہ کوئی مسلمان ایسے موذی الفاظ زبان پر لانے کی جرأت کرے ذرا سوچئے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تخلیق آدم علیہ السلام کے بارے میں ان حقائق کو بیان فرما رہے تھے کوئی شخص (بالفرض یہی صاحب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کہہ دیتا کہ نعوذ باللہ ''یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا میدان کار نہیں بلکہ یہ ''ڈارون'' کا میدان تحقیق ہے'' تو فرمائیے کہ ایسا شخص کس صف میں شمار کیا جاتا؟

حافظ ابن حزم لکھتے ہیں:

''وکل من کفر بما بلغه وصح عندہٗ عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم او اجمع علیه المؤمنون مما جاء به النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فهو کافر کما قال اللّٰہ تعالٰی: ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له

الهدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ماتولی ونصله جهنم“ (۱)

ترجمہ: اور ہر وہ شخص جس نے کسی ایسی بات کا انکار کیا جو اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی اور اس کے نزدیک اس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح تھا یا اس نے ایسی بات کا انکار کیا جس پر اہل ایمان کا اجماع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے تو ایسا شخص کافر ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ ”اور جس نے مخالفت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد اس کے کہ اس پر صحیح بات کھل گئی اور وہ چلا اہل ایمان کا راستہ چھوڑ کر تو ہم اسے پھیر دیں گے جدھر پھرتا ہے اور ہم اسے جھونک دیں گے جہنم میں۔“

ثالثاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی جو تفصیلات بیان فرمائی ہیں ان کے بارے میں قابل غور بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا علم کس ذریعہ سے ہوا؟ ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس وحی الٰہی کے سوا کوئی اور ذریعہ نہیں لہذا دلیل عقل سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں جو کچھ بیان فرمایا اس کا سرچشمہ وحی الٰہی ہی ہوسکتا ہے اور اس کو رد کرنا گویا وحی خداوندی کو رد کرنا ہے ظاہر ہے کہ یہ شیوہ کسی کافر و منافق کا ہوسکتا ہے کسی مسلمان کا نہیں۔ خصوصاً جب یہاں اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ اس دور کا ہے جس کو مورخین ”دور قبل از تاریخ“ سے تعبیر کرتے ہیں جب اس وقت کوئی انسانی وجود ہی نہیں تھا تو اس دور کی تاریخ اور اس واقعہ کی تفصیلات کون قلم بند کرتا؟ ہاں اللہ تعالیٰ جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرما رہے تھے یہ پورا واقعہ اس کے سامنے تھا اور اس کی ضروری تفصیلات سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تفصیلات سے امت کو آگاہی بخشی اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات صحیحہ کو رد کر دینا اور فلاسفہ کی ہفوات کی تقلید کرنا کیا کسی صاحب ایمان کی شان ہوسکتی ہے؟

---

(۱) المحلی شرح المجلی -التوحید ومسائله - الکفر بالاسلام- مسئله : ۲۰ - ۱/۹۵ - ط: دار احیاء التراث العربی بیروت

رابعاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اس اس طرح ہوئی یہ ایک خبر ہے اور خبر یا تو واقعہ کے مطابق ہوگی یا واقعہ کے خلاف ہوگی جو خبر واقعہ کے مطابق ہو وہ سچی کہلاتی ہے اور خبر دینے والا سچا سمجھا جاتا ہے اور جو خبر واقعہ کے خلاف ہو وہ جھوٹی کہلاتی ہے اور خبر دینے والا جھوٹا قرار پاتا ہے اب یہ صاحب جو کہہ رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں جو خبریں دی ہیں وہ واقعہ کے خلاف ہیں اہل عقل غور فرمائیں کہ اس کا مطلب کیا ہوسکتا ہے؟ کیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح تکذیب نہیں؟ اور کیا یہ بات عقلاً ممکن ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر کو غلط بھی سمجھتا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بھی رکھتا ہو؟ ہرگز نہیں" ضدان لایجتمعان "(یہ دونوں ضدین ہیں جو کبھی جمع نہیں ہوسکتیں)۔

خامساً: ان صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ امور دنیا میں سے ہے اس لئے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لائق التفات نہیں ان کی دلیل کا صغریٰ و کبریٰ دونوں غلط ہیں اس لئے کہ گفتگو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ تخلیق اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور خالقیت اس کی صفت ہے اب ان صاحب سے دریافت کیا جائے کہ حق تعالیٰ شانہ کی صفات وافعال کو بیان کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے یا...... نعوذ باللہ...... ڈارون کا میدان کار؟ اور یہ کہ اگر صفات الٰہیہ کے بیان میں بھی...... بقول اس کے...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ لائق التفات نہیں تو پھر اور کس چیز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات لائق اعتماد ہوگی نعوذ باللہ من سوء الفهم و فتنة الصدر۔

حق تعالیٰ شانہ کے صفات وافعال وہ میدان ہے جہاں دانش وخرد کے پاؤں شل ہیں یہ وہ فضا ہے جہاں عقل وفکر کے پر جلتے ہیں اور عقل انسانی ان حقائق الٰہیہ کا ٹھیک ادراک کرنے سے عاجز ودرماندہ ہے جہاں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ فرمائے پر مجبور ہوں:

اللهم لااحصي ثناء عليک انت كما اثنيت على نفسک

ترجمہ: ''یا اللہ میں تیری تعریف کا حق ادا کرنے سے قاصر ہوں آپ بس ویسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے خود اپنی ثنا فرمائی ہے''۔

وہاں کسی دوسرے کی عقل نارسا کے عجز و درماندگی کا کیا پوچھنا؟ یہی وجہ ہے کہ جن فلاسفہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کا دامن چھوڑ کر محض اپنی عقل نارسا کے گھوڑے پر سوار ہو کر اس میدان میں تر کتازیاں کیں حیرت و گمراہی کے سوا ان کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ یہ حق تعالیٰ شانہ کا انعام و احسان ہے کہ اس نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ ان حقائق الٰہیہ سے اتنے حصہ کو بیان فرمادیا جس کا انسانوں کی عقل تحمل کرسکتی تھی کیسی عجیب بات ہے کہ ایک مسلمانی کا دعوے دار اس انعام الٰہی کا یہ شکر ادا کر رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو نالائق التفات قرار دے کر فلاسفہ ملحدین کی دُم پکڑنے کی تلقین کر رہا ہے۔

سادساً: ان صاحب کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں کوئی واضح موقف اختیار نہیں فرمایا، خالص جھوٹ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء ہے کیونکہ گزشتہ سطور میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری وضاحت و تفصیل اور کامل تصریح کے ساتھ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کی مٹی لے کر اس کو پانی سے گوندھا پھر اس گارے سے آدم علیہ السلام کا ساٹھ ہاتھ کا قالب بنایا پھر اس قالب میں روح ڈالی وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام صراحتوں اور وضاحتوں کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی واضح موقف اختیار نہیں فرمایا اور اگر اتنی صراحت وضاحت اور تاکید و اصرار کے ساتھ بیان فرمائے ہوئے مسئلہ کے بارے میں بھی یہ کہا جائے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی واضح موقف اختیار نہیں فرمایا'' تو بتایا جائے کہ اس سے زیادہ ''واضح موقف'' کن الفاظ میں بیان کیا جاتا؟

''انتم اعلم بامر دنیاکم'' کی تشریح:

ان صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''انتم اعلم بامر دنیاکم'' سے یہ کلیہ کشیدہ کرلیا کہ دنیا کے کسی کام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لائق التفات نہیں۔ اس سلسلہ میں بھی چند گزارشات گوش گزار کرتا ہوں:

اول: ان صاحب نے اس حدیث کو دیکھنے اور اسے غلط معنی پہنانے سے پہلے اگر قرآن

مبین کو اٹھا کر دیکھنے کی زحمت کی ہوتی تو اسے اس حدیث کو غلط معنی پہنانے کی جرأت نہ ہوتی۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وماکان لمؤمن ولامؤمنة اذاقضی الله ورسوله امراً ان یکون لهم الخیرة من امرهم ومن یعص الله ورسوله فقد ضل ضللاًمبیناً" .(الاحزاب:۳۶)

ترجمہ: "اور کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو گنجائش نہیں جب کہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں کہ (پھر) ان (مومنین) کو ان کے اس کام میں کوئی اختیار ہے اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا"۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

یہ آیت شریفہ ایک دنیوی معاملہ کے بارے میں نازل ہوئی جس کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا عقد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کرنا چاہا، چونکہ حضرت زیدؓ غلام رہ چکے تھے ادھر حضرت زینب بنت جحشؓ قریش کے اعلیٰ ترین خاندان کی چشم و چراغ تھیں اس لئے ان کے خاندان والوں کو خاندانی وقار کے لحاظ سے یہ رشتہ بے جوڑ محسوس ہوا اور حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے اس رشتہ کی منظوری سے عذر کر دیا اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو دونوں بجان و دل سمع و طاعت بجالائے۔

یہاں دو باتیں بطور خاص لائق غور ہیں ایک یہ کہ کسی لڑکی کا رشتہ کہاں کیا جائے اور کہاں نہ کیا جائے؟ ایک خالص ذاتی اور نجی قسم کا دنیوی معاملہ ہے لیکن کسی شخص کے خالص ذاتی اور نجی معاملے میں دخل دیتے ہوئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ رشتہ منظور فرمادیا تو قرآن کریم کی اس نص قطعی کی رو سے اس خاندان کو اپنے ذاتی دنیوی معاملے میں بھی اختیار باقی نہیں رہا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز کو بہ دل و جان منظور کر لینا شرط ایمان قرار پایا۔

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رشتہ کی جو تجویز فرمائی تھی کسی روایت میں نہیں آتا کہ یہ تجویز وحی الٰہی سے تھی لیکن قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ذاتی تجویز کو "اللہ و رسول کا فیصلہ" قرار دے کر تمام لوگوں کو آگاہ کر دیا کہ کسی دنیوی معاملہ میں آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کی ذاتی تجویز بھی فیصلۂ خداوندی ہے جس سے انحراف کرنا کسی مسلمان کے لئے روانہیں۔

قرآن کریم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے کو بھی اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ قرار دیتا ہے مگر اس بدمذاقی کی داد دیجئے کہ کہنے والے یہ کہہ رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کسی دنیوی کام میں معتبر نہیں۔ پھر قرآن امت کو تلقین کرتا ہے:

وماآتکم الرسول فخذوه ومانهکم عنه فانتهوا (الحشر:۷)

ترجمہ: ''اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو''۔ (بیان القرآن)

لیکن آج بتایا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جو خبر دیں اسے قبول نہ کرو بلکہ ڈاروِن کی تقلید میں انسان کو بندر کی اولاد قرار دو۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔

دوم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کے بے شمار پہلوؤں میں انسانیت کی رہنمائی کی اور امور دنیا کی ہزار ہا ہزار گتھیوں کو سلجھایا جس کو علماءِ امت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شمار کیا ہے۔ قاضی عیاضؒ ''الشفاء'' میں لکھتے ہیں:

ومن معجزاته الباهرة ما جمعه الله له من المعارف والعلوم وخص به من الاطلاع علىٰ جميع مصالح الدنيا والدين...الخ (۱)

ترجمہ: اور منجملہ آپ کے روشن معجزات کے ایک وہ علوم ومعارف ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمع فرمائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (انسانی ضرورت کے) تمام مصالح دنیا و دین کی اطلاع کے ساتھ مخصوص فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں جو ہمہ گیر تعلیمات فرمائی ہیں بلا شبہ اسے معجزۂ نبوت اور تعلیم الٰہی ہی کہا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر طب ومعالجات کا باب لیجئے۔ ظاہر ہے کہ علاج معالجہ ایک خالص بدنی وجسمانی اور دنیوی چیز ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طب کے

(۱) کتاب الشفاء للإمام قاضی عیاض الیحصبی -الباب الرابع فیما اظهره الله تعالی علی یدیه من المعجزات والخصائص (معارفه وعلومه) - ۱/۲۹۵ -ط: دار البشائر الاسلامی.

ایسے اصول وکلیات اور فروع وجزئیات بیان فرمائے ہیں کہ عقل حیران ہے۔ حافظ شیرازیؒ کے بقول:

نگار من کہ بمکتب نرفت وخط ننوشت،

بغمزہ مسئلہ آموزِ صد مدرس شد

اہل علم نے طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ضخیم کتابیں لکھی ہیں اور حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں اس کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع کردیا ہے یہاں بے ساختہ اس واقعہ کا ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے جو صحیح بخاری، ترمذی اور حدیث کی بہت سی کتابوں میں مروی ہے کہ:

ایک صاحب آئے اور عرض کیا کہ میرے بھائی کو اسہال کی تکلیف ہے فرمایا اسے شہد پلاؤ اس نے شہد پلایا اور آکر عرض کیا کہ میں نے شہد پلایا تھا مگر اس سے اسہال اور بڑھ گئے فرمایا اس کو شہد پلاؤ چار بار یہی قصہ پیش آیا کہ اس کے اسہال میں اضافہ ہوگیا آپ نے چوتھی مرتبہ فرمایا کہ: **صدق اللہ و کذب بطن اخیک**، ترجمہ: اللہ کا کلام سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، اس نے پھر شہد پلایا تو اسہال بند ہوگئے (۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا جو واقعہ ارشاد فرمایا اس کے مقابلہ میں ان صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اس طرح نہیں ہوئی اس کے بارے میں بھی یہی کہا جاسکتا ہے کہ:

"صدق اللہ ورسولہ و کذب داروین والدکتور"

ترجمہ: "اللہ اور رسول کا فرمان برحق ہے اور ڈارون اور ڈاکٹر جھوٹ بولتے ہیں"۔

اور ایک طب ومعالجہ ہی پر کیا منحصر ہے زندگی کے ایک شعبہ کا تو نام لیجئے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی نہ فرمائی ہو اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات سے محروم رہا ہو چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، بیوی بچوں، عزیز واقارب اور دوست احباب سے ملنا جلنا، صلح وامن، حرب وضرب،

---

(۱) جامع الاصول فی احادیث الرسول لابن الاثیر الجزری- تکملة کتاب الاطعمة فی الطب - فی جواز التداوی -الفصل الثالث فیما وصفه النبی واصحابه من الادویة (العسل) رقم الحدیث: ۵۶۳۵-۲۱۸/۷- ط: دار الکتب العلمیة بیروت.

نکاح وطلاق، بیع وشراء، سیاست وادب الغرض دنیوی امور میں سے کون سا امر ایسا ہے جس میں معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات وتعلیمات کے نقوش ثبت نہ ہوں صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ یہود اور مشرکین نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا۔

قد علمکم نبیکم کل شئی حتی الخراءة. قال: اجل،(۱)

ترجمہ: تمہیں تو تمہارا نبی ہر چیز سکھاتا ہے یہاں تک کہ ہگنا موتنا بھی؟ فرمایا ہاں (ہمیں آنحضرت ﷺ نے بول وبراز کے یہ یہ آداب سکھائے ہیں)

اس اعتراض سے یہودی کا مقصود (واللہ اعلم) یا تو مسلمانوں پر نکتہ چینی کرنا تھا کہ تم ایسے نادان اور کودن ہو کہ تمہیں ہگنا موتنا بھی نہیں آتا تم اس کے لئے بھی نبی کی تعلیم کے محتاج ہو؟ یا اس لعین کا مقصد ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنا تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام علوم عالیہ سکھانے کے لئے آتے ہیں یہ کیسا نبی ہے کہ لوگوں کو ہگنے موتنے کے طریقوں کی تعلیم دیتا ہے؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اس کے اس بے ہودہ اعتراض سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ یہ فرمایا کہ ہاں! ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ﷺ بول وبراز کا طریقہ بھی سکھاتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضمن میں فلاں فلاں آداب کی تعلیم دی ہے۔

اگر اس کا مقصود مسلمانوں پر اعتراض کرنا تھا تو جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت الخلاء میں جانے کا طریقہ سیکھ لیا تم اپنی فکر کرو کہ تم جانوروں کی طرح یہ طبعی حوائج پوری کرتے ہو مگر تم انسانوں کے طریقہ سے ابھی تک محروم ہو، اور اگر اس کا مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی کرنا تھا تو جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال یہ ہے کہ ان طبعی انسانی ضرورتوں کی ایسی تعلیم فرماتے ہیں کہ انسان کی یہ طبعی حاجات بھی تقرب الی اللہ کا ذریعہ بن جائیں اور یہ چیزیں بھی عبادات کے زمرے میں شمار ہونے لگیں بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی رعایت کرتے ہوئے استنجاء خانے میں جانا بھی عبادت کے زمرے میں آتا ہے چنانچہ ہمارے شیخ المشائخ شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی مہاجر مدنیؒ حاشیہ ابن ماجہ میں لکھتے ہیں:

---

(۱) جامع الاصول فی احادیث الرسولؐ – الکتاب العاشر فی الصفات – الفرع الثالث فی کیفیة الاستنجاء – رقم الحدیث: ۵۱۱۶ – ۷/۱۴۱ – ط: دار الکتب العلمیة بیروت.

قال علمائنا ان اتیان السنة ولو کان امراً یسیراً کادخال الرجل الایسر فی الخلاء ابتداءً اولی من البدعة الحسنة وان کان امراً فخیماً کبناء المدارس (۱)

ترجمہ: ''ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ سنت کا بجالانا اگر چہ وہ معمولی بات ہو مثلاً بیت الخلاء میں جاتے ہوئے بایاں پاؤں پہلے رکھنا، بدعت حسنہ سے بہتر ہے اگر چہ وہ عظیم الشان کام ہو جیسے مدارس کا بنانا''۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی رہنمائی نہ فرمائی ہو اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

''انما انا لکم بمنزلة الوالد اعلمکم'' (۲)

ترجمہ: میں تو تمہارے لئے بمنزلہ والد کے ہوں میں تم کو تعلیم دیتا ہوں۔

اس لئے ان صاحب کا یہ کہنا کہ امور دنیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میدان نہیں تھا اس لئے امور دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ...... نعوذ باللہ ...... لائق التفات نہیں قطعاً غلط در غلط ہے۔

سوم: یہ صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''انتم اعلم بامر دنیاکم'' کا مدعا ہی نہیں سمجھے، اس لئے اس سے یہ کشید کرلیا کہ دنیوی معاملات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لائق التفات نہیں خوب سمجھ لیا جائے کہ اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا وہ بطور مشورہ کے تھا۔ شیخ المشائخ شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ حاشیہ ابن ماجہ میں اس سلسلہ کی روایات کو جمع کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

فعلم ان ھذا الامر منه صلی اللّٰه علیه وسلم کان بطریق

---

(۱) حاشیة ابن ماجه - باب اتباع سنة رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلم - قوله مالیس منه ...... الخ - رقم الحاشیه: ۹ - ص ۳.

(۲) سنن أبی داؤد - کتاب الطهارة - باب کراهیة استقبال القبلة عند قضاء الحاجة - ۱ / ۳.

الاجتهاد والمشورة فما کان واجب الاتباع .(۱)

ترجمہ: پس معلوم ہوا کہ اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ بطورِ رائے اور مشورہ کے تھا اس لئے واجب الاتباع نہیں تھا.

مشورہ اور حکم کے درمیان فرق حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے قصّہ سے واضح ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہؓ کو آزاد کردیا. یہ شادی شدہ تھیں. آزادی کے بعد انہوں نے اپنے شوہر مغیثؓ کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارش فرمائی کہ بریرہ تم مغیث کو قبول کر لو. انہوں نے عرض کیا. یارسول اللہ! یہ حکم ہے یا مشورہ! فرمایا حکم تو نہیں، مشورہ ہے عرض کیا کہ اگر مشورہ ہے تو میں قبول نہیں کرتی.

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم خواہ کسی دنیوی امر میں ہو واجب التعمیل ہے. البتہ اگر بطور مشورہ کچھ فرمائیں تو اس کا معاملہ دوسرا ہے۔

آیت سے غلط استدلال:

اس شخص کا آیت شریفہ ''واللہ انبتکم من الارض نباتاً'' سے ڈارون کے نظریۂ ارتقاء پر استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا کہ حضرت آدم علیہ السلام بھی جمادات ونباتات اور حیوانات کے مراحل سے گزر کر ''انسان آدم'' بنے تھے سراسر مہمل اور لایعنی ہے کیونکہ:

اولاً: یہ شخص خود تسلیم کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جسمانی کی ایک کیفیت بیان فرمائی ہے جو ان صاحب کے ذکر کردہ نظریہ سے متضاد ہے۔ اب ان صاحب کو دو باتوں میں سے ایک بات تسلیم کرنی ہوگی. یا تو یہ کہ خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ قرآن کریم کی اس آیت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھے. کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اگر آیت کا وہ مفہوم منکشف ہو گیا ہوتا جو ان صاحب کو القاء ہوا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جسمانی

(۱) حاشیة ابن ماجه - كتاب ابواب الرهون - باب تلقيح النخل - قوله فتركوه فنزلوا عنها......الخ ص ۱۷۸ - رقم الحاشية : ۲ .

کے بارے میں اس سے متضاد اور مختلف کیفیت بیان نہ فرماتے، یا ان صاحب کو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ اپنے ذہن سے تراش کر جو معنی قرآن کریم کو پہنانا چاہتے ہیں وہ سراسر لغو ولایعنی ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ شخص بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ وہ قرآن کے حقائق ومعارف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر بیان کرسکتا ہے۔

چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے:

"پس یہ خیال کہ گویا جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے بارے میں بیان فرمایا اس سے بڑھ کر ممکن نہیں، بدیہی البطلان ہے"۔(۱)

الغرض کسی آیت شریفہ سے کسی ایسے نظریہ کا استنباط کرنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات کے خلاف ہو اس سے دو باتوں میں سے ایک بات لازم آتی ہے، یا تو اس سے نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیل لازم آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کا مطلب نہیں سمجھے یا اپنی خام خیالیوں کو قرآن کریم میں ٹھونسنا لازم آتا ہے جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار (۲)

ترجمہ: جس شخص نے اپنی رائے سے کوئی مفہوم قرآن میں ٹھونسا اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے۔

ثانیاً: یہ آیت شریفہ جس سے ان صاحب نے نظریہ ارتقاء کو حضرت آدمؑ کی جسمانی تخلیق پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے، سورۃ نوح کی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) کا وہ خطاب نقل کیا ہے جو انہوں نے اپنی قوم کے کافروں سے فرمایا تھا جو شخص معمولی غور وفکر سے بھی کام لے گا اس سے یہ بات مخفی نہیں رہے گی کہ حضرت نوح (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) اپنی قوم کے کافر افراد کو ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کی تعلیم وتلقین نہیں فرمارہے بلکہ ان لوگوں میں سے ایک ایک فرد کی تخلیق میں حق تعالیٰ شانہ نے اپنی قدرت کے جن عجائبات کا اظہار فرمایا ہے اس کو ذکر فرمارہے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے

---

(۱) کرامات الصادقین ص ۱۹ مندرجہ روحانی خزائن ص ۶۱ ج ۷۔

(۲) مشکوۃ المصابیح – کتاب العلم – الفصل الثانی – ۱/۳۵.

زمین کی مٹی سے غذائیں پیدا فرمائیں ان غذاؤں سے اس قطرۂ آب کی تخلیق ہوئی جس سے تم پیدا ہوئے ہو، پھر اس قطرۂ آب کو شکم مادر میں مختلف شکلوں میں تبدیل کر کے اس میں روح ڈالی اور تم زندہ انسان بن گئے پھر نفخ روح کے بعد بھی شکم مادر میں زمین سے پیدا شدہ غذاؤں کے ذریعہ تمہارے نشوونما کا عمل جاری رہا یہاں تک کہ شکم مادر سے تمہاری پیدائش ہوئی اور پھر پیدائش کے بعد بھی تمہارے نشوونما کا سلسلہ جاری رہا اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے زمین کی مٹی اور اس سے پیدا شدہ غذاؤں کے ذریعہ کیا۔

الغرض ''واللہ انبتکم من الارض نباتا'' میں انسانی افراد کے اس طویل سلسلۂ نشوونما کی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے جس سے گزرتے ہوئے ہر انسان نشوونما کے مدارج طے کرتا ہے اس سلسلہ کی ابتداء مٹی سے ہوتی ہے اور اس کی انتہاء نشوونما کی تکمیل پر، چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ''معارف القرآن'' میں ''خلاصہ تفسیر'' کے عنوان سے اس آیت شریفہ کی حسب ذیل تفسیر فرمائی ہے جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی بیان القرآن سے ماخوذ ہے:

''اور اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے ایک خاص طور پر پیدا کیا (یا تو اس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے اور یا اس طرح کہ انسان نطفہ سے بنا اور نطفہ غذا سے اور غذا عناصر سے بنی اور عناصر میں غالب اجزاء مٹی کے ہیں'' (۱)

لہذا اس آیت شریفہ سے (یا دوسری آیات کریمہ سے) ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کو کشید کرنا اپنی عقل وفہم سے بھی زیادتی ہے اور قرآن کریم کے ساتھ بھی بے انصافی ہے۔

ان صاحب کے جو دلائل آپ نے ذکر کئے ہیں ان کی علمی حیثیت واضح کرنے کے بعد اب میں آپ کے سوالات کا جواب عرض کرتا ہوں، چونکہ بحث طویل ہوگئی اس لئے نمبروار آپ کا سوال نقل کر کے اس کے ساتھ مختصر سا جواب لکھوں گا۔

سوال (۱): کیا اس شخص کے مذکورہ بالا عقائد کو اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کہا جا سکتا ہے؟

جواب: اس شخص کے یہ عقائد اہل سنت کے عقائد نہیں، ائمہ اہل سنت بالاجماع اسی کے

---

(۱) تفسیر معارف القرآن-سورۃ النوح: آیت نمبر ۱۷-۸/۵۶۲-ط: ادارۃ المعارف کراچی۔

قائل ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جسمانی کے بارے میں احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کیا گیا ہے۔اس لئے اس شخص کا یہ نظریہ بدترین بدعت ہے۔

سوال (۲): حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق سے متعلق احادیث کے بارے میں اس شخص کا رویہ گستاخی اور گمراہی ہے؟

جواب: حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق سے متعلق واردشدہ احادیث کے بارے میں اس شخص کا رویہ بلاشبہ گستاخانہ ہے جس کی تفصیل اوپر عرض کر چکا ہوں اور یہ رویہ بلاشبہ گمراہی و کجروی کا ہے۔

سوال (۳): حضرت آدم علیہ السلام کو ''حیوان آدم'' کہنا گستاخی نہیں ہے؟

جواب: حضرت آدم علیہ السلام کو نصوص قطعیہ اور اجماع سلف کے علی الرغم ''حیوان آدم'' کہنا اور ان کا سلسلۂ نسب بندروں کے ساتھ ملانا ''اشرف المخلوقات'' حضرت انسان کی توہین ہے اور یہ نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں گستاخی ہے بلکہ ان کی نسل سے پیدا ہونیوالے تمام انبیاء علیہم السلام کی بھی توہین وتنقیص ہے، ظاہر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے باپ ہیں اب اگر کسی کے باپ کو ''جانور'' یا ''بندر'' کہا جائے تو سوچنا چاہئے کہ یہ گالی ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر کسی کو (مثلاً انہی صاحب کو) ''جانور کی اولاد'' یا ''بندر کی اولاد'' کہا جائے تو یہ صاحب اس کو گالی سمجھیں گے یا نہیں؟ اور اس کو اپنی توہین تصور کریں گے یا نہیں؟

سوال (۴): کیا یہ شخص تفسیر بالرائے کا مرتکب نہیں؟

جواب: اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ اپنے مزعومہ نظریہ پر قرآن کریم کی آیات شریفہ کا ڈھالنا تفسیر بالرائے ہے اور یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "فليتبوأ مقعده من النار" کا مستحق ہے۔یعنی اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے۔

سوال (۵): آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلاف امت کا عقیدہ حضرت آدم علیہ السلام کے مٹی کے پتلے بنائے جانے کا ہے یا نہیں؟

جواب: اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام سلف

صالحین کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قالب مٹی سے بنایا گیا پھراس قالب میں روح ڈالی گئی تو وہ جیتے جاگتے انسان بن گئے۔فلاسفہ طبیعیین نے اس بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ محض اٹکل پچو مفروضے ہیں جن کی حیثیت اوہام وظنون کے سوا کچھ نہیں،اورظن وتخمین کی حق وتحقیق کے بازار میں کوئی قیمت نہیں۔حق تعالیٰ کاارشاد ہے:

”ومالھم بہ من علم ان یتبعون الا الظن وان الظن لایغنی من الحق شیئا“ (النجم:۲۸)

ترجمہ: حالانکہ ان کے پاس اس پرکوئی دلیل نہیں صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور یقیناً بے اصل خیالات امرحق میں ذرابھی مفید نہیں ہوتے (بیان القرآن)

جوقومیں نورنبوت سے محروم ہیں وہ اگرقبل ازتاریخ کی تاریک وادیوں میں بھٹکتی ہیں تو بھٹکا کریں اورظن وتخمین کے گھوڑے دوڑاتی ہیں تو دوڑایا کریں،اہل ایمان کوان کاپس خوردہ کھانے اوران کی قے چاٹنے کی ضرورت نہیں،ان کے سامنے آفتاب نبوت طلوع ہے،وہ جوکچھ کہتے ہیں دن کی روشنی میں کہتے ہیں ان کوقرآن وسنت کی روشنی نے ظن وتخمین سے بے نیاز کردیا ہے۔

سوال(۶): اس شخص کی بیعت یاکسی قسم کاتعلق اس کے ساتھ آپ کے نزدیک کیسا ہے؟

جواب: اوپر کی تفصیل سے واضح ہوچکا ہے کہ جوکچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہی برحق ہے اوراس شخص کا فلاسفہ کی تقلید میں ارشادات نبویہؐ سے انحراف اس کی کج روی وگمراہی کی دلیل ہے اس لئے اس شخص کولازم ہے کہ اپنے عقائد ونظریات سے توبہ کرکے رجوع الی الحق کرے اورندامت کے ساتھ تجدید ایمان کرے اورکسی شخص کے لئے جواللہ تعالیٰ پراوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پرایمان رکھتا ہواس شخص کی ہمنوائی جائزنہیں اگرکوئی مسلمان اس کی بیعت میں داخل ہے تواس کے خیالات ونظریات کاعلم ہوجانے کے بعداس کی بیعت کافسخ کردینالازم ہے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم.

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

بینات-شعبان ۱۴۱۳ھ

''آف گاڈ اینڈ گاڈیز''

نامی کتاب پڑھانے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اسلام آباد میں واقع ''فروبلز انٹرنیشنل اسکول'' میں ''آف گاڈ اینڈ گاڈیز'' نامی کتاب پڑھائی جاتی ہے اس کتاب کے مندرجہ ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

۱: مذکورہ کتاب میں تین خداؤں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوا اور اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کی علامتی تصاویر ہیں۔

۲: کتاب کے پہلے باب بنام ''خدا سے بغاوت'' میں ایک کے بجائے تین خداؤں کا ذکر ہے اور ان کے نام زیم (Nzame) میبیر (Mebere) اور کوا (Nkwa) تحریر کئے گئے ہیں۔

نیز اس باب میں تخلیق کائنات کا ایک ایسا تصور پیش کیا گیا ہے جو قرآنی نظریئے سے متصادم ہے۔ اس نظریہ کے مطابق سب سے پہلے ''فیم'' کو تخلیق کیا گیا لیکن اس کی نافرمانی کے بعد ''تمام آدمیوں کا باپ'' دوسرا آدمی ''سیکومی'' تخلیق کیا گیا اس کے بعد ''سیکومی'' نے اپنے لئے ایک عورت بنائی جس کا نام ''بونگوی'' رکھا گیا۔

۳: کتاب کے دوسرے باب ''روشنی'' اور ''روحیں'' میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق روح کا ذکر ہے اور ساتھ ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شکم مادر میں علامتی تصویر دی گئی ہے۔

اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے تخت اور پھر قالین، لوح محفوظ، قلم، صور، اسرافیل، خوشیوں کا باغ، آگ اور فرشتوں کو خلق کیا گیا۔ فرشتوں کے بارے میں تحریر ہے کہ ایک فرشتہ ہزار سروں والا ہے اور ہر سر کے ہزار منہ ہیں اور ہر منہ خدا کی تعریف ایک مختلف زبان میں بیان کرتا ہے۔ اس باب میں لکھا گیا ہے کہ:

''حضورﷺ نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران جبرئیلؑ سے کہا کہ مجھے اپنی اصل شکل دکھاؤ، جبرئیلؑ نے انہیں تنبیہ کی کہ یہ خطرناک ہوسکتا ہے لیکن حضورﷺ نے اصرار کیا اور پھر جبرئیلؑ نے اپنے آپ کو دکھایا، وہ پورے آسمان پر چھا گئے اور ان کے بہت سارے پر مشرق سے مغرب تک پھڑ پھڑا رہے تھے۔ رسول دہشت سے بے ہوش ہوکر گر گئے، جبرئیلؑ نے انہیں اٹھایا اور کہا کہ خوف مت کھائیں میں آپ کا بھائی جبرئیلؑ ہوں''۔

اس پورے واقعے کی کیفیت کو علامتی طور پر ایک تصویر میں دکھایا گیا ہے جس کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو خوف زدہ دکھایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس باب میں حضرت اسرافیل کو صور پھونکتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ علامتی تصویروں میں حضرت عزرائیل کا بھی تصوراتی خاکہ دکھایا گیا ہے۔

۴: کتاب کا تیسرا باب ''آسمان اور زمین'' کے عنوان سے ہے۔ اور اسمیں مادی دنیا کی تخلیق کا ذکر ہے اور لکھا ہے کہ ''اس نے کائنات کو سات آسمانوں میں تخلیق کیا، ساتواں جنت کا سب سے نچلا حصہ ہے...... ان جنتوں کے نگہبان آٹھ پیغمبروں کی روحیں ہیں، پہلی جنت پہ حضرت آدمؑ، دوسری میں عیسیٰؑ اور ان کے کزن یحییٰؑ ہیں، تیسری میں یوسفؑ، چوتھی میں ادریسؑ، پانچویں میں ہارونؑ اور چھٹی میں موسیٰؑ اور ساتویں کے نگہبان ابراہیمؑ ہیں''۔

ازراہ عنایت، از روئے شریعت مذکورہ بالا نکات، نیز منسلکہ کتاب کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ:

(۱) ''فرابلز انٹرنیشنل اسکول'' کی انتظامیہ پر، خدا کے بارے میں کفریہ کلمات، کہنے ایک کے بجائے تین خداؤں کی تعلیمات دینے، مقرب فرشتوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خیالی تصاویر والی کتاب پڑھانے سے متعلق کیا شرعی حکم عائد ہوگا؟

(۲) کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو تصاویر اور ان کے متعلق حضرت جبریلؑ کے واقعے کے بعد یہ معاملہ توہین رسالت کے زمرے میں آتا ہے؟

(۳) مذکورہ کتاب کئی سال سے احتجاج کے باوجود پڑھائی جارہی ہے۔ اسکول کی پرنسپل ''صبیحہ ضمیر'' نے دانستہ اس کتاب کو شامل رکھنے اور پڑھائے جانے پر اصرار کیا۔ کیا اس صورت میں

اسکول کی پرنسپل ''صبیحہ ضمیر'' توہین رسالت کے زمرے میں آتی ہے؟ نیز اس کتاب کے پبلشر اور ڈسٹری بیوٹر کے بارے میں کیا شرعی حکم ہے؟

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

دارالافتاء میں ''فرابلز انٹرنیشنل اسکول'' میں پڑھائی جانے والی ایک کتاب '' آف گاڈ اینڈ گاڈ سیز'' چند قابل اعتراض مقامات کے اردو ترجمہ کے ساتھ پیش کی گئی۔

کتاب کے پہلے باب بنام ''خدا سے بغاوت'' میں عنوان کے مطابق واقعی خدا سے بغاوت کی گئی ہے۔قرآن ''تثلیث'' کے عقیدہ کی سختی سے تردید کرتا ہے اسی عقیدۂ تثلیث کی وجہ سے نصاریٰ کو اسلام میں کافر اور جہنم کا ایندھن قرار دیا گیا۔عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کے ارکان ثلاثہ کے ناموں کو تبدیل کر کے اس کی جگہ ''زیم''، ''میپیر'' اور ''کوا'' نام رکھ دیئے گئے ہیں۔

غالبًا اس کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ عام طور پر مسلمان عیسائیوں کے تین خداؤں سے واقف ہیں اگر براہ راست اسی کی تعلیم دی جاتی تو اس میں اندرونی راز جلد ظاہر ہوکر ان کے منصوبہ کی ناکامی کا سبب بن سکتا تھا اس لئے انہوں نے نام تبدیل کر کے غیر مانوس نام رکھ لئے تاکہ ذہن فی الحال عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کی طرف منتقل نہ ہو۔آگے چل کر جب تین خداؤں کا تصور خام ذہنوں میں پختہ ہو جاتا تو عیسائیوں کے ''اقانیم ثلاثہ'' کی طرف ذہن منتقل کر دیا جاتا اور کہا جاتا کہ زیم کو ''اقنیم اول'' کہا جاتا ہے اور میپیر کو ''اقنیم ثانی'' اور کوا کو ''اقنیم ثالث'' قرار دے کر اصل عقیدۂ تثلیث راسخ کر دیا جاتا۔

اس طرح ماڈرن نام نہاد مسلمانوں کی اولاد غیر شعوری طور پر عقیدۂ تثلیث کی قائل ہو کر جہنم رسید ہو جاتی یا کم از کم ذہنوں سے عقیدۂ توحید کو کمزور کر کے عقیدۂ تثلیث کے بارے میں ان کے ذہنوں میں نرم گوشہ پیدا کر کے غیرت ایمانی کو ختم کر دیا جائے تاکہ وہ صرف نام کے مسلمان ہوں اور جب جی چاہے ان کو اپنے مذموم مقاصد میں شطرنج کے مہرہ کی طرح استعمال کیا جا سکے۔

کتاب کے اسی باب میں بیان کردہ ''تخلیق کائنات کا تصور'' بالکل قرآن کے منافی ہے۔اس کی تعلیم دینا قرآن سے بغاوت ہے اور اس کا عقیدہ رکھنا کافرانہ عقیدہ ہے۔اس عقیدہ ونظریہ کو تسلیم کرنے

کا مطلب یہ ہوگا کہ معاذ اللہ قرآن میں بیان کردہ نظریہ غلط ہے۔ قرآن تخلیق انسانی میں اول ''آدم'' کو قرار دیتا ہے اس کے بعد ان کے پہلو سے ان کی اہلیہ محترمہ کی تخلیق کا تذکرہ کرتا ہے لیکن کتاب میں سب سے پہلے ''فیم'' کی تخلیق قرار دیا گیا پھر ''سیکومی'' کو بنایا گیا اور اس نے اپنے لئے ایک عورت ''بونگوی'' نام کی بنائی۔ اس میں عورت کی تخلیق ''سیکومی'' کا کارنامہ قرار دیا گیا ہے جب کہ قرآن کے مطابق عورت کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوئی۔ یہ بھی بچوں کے خام ذہنوں کو شرک سے زہر آلود کرنے کی ناروا حرکت ہے۔

کتاب کے دوسرے باب ''روشنی اور روحیں'' کے عنوان سے کائنات کی اشیاء کی تخلیق کا ذکر ہے، کچھ حد تک صحیح ذکر کیا گیا لیکن پھر وہی خبث باطن کا اظہار کرتے ہوئے شکم مادر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علامتی تصویر بنا کر توہین رسالت کے جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ اسی باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جبرئیل کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنے کی خواہش کا اظہار اور پھر اس کو اپنی اصلی شکل میں دیکھنے سے دہشت زدہ ہوکر بے ہوش ہوجانا تو احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن جبرئیل کی علامتی تصویر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوف زدہ حالت کی تصویر بنانا انتہائی گستاخی، بے ادبی اور توہین رسالت ہے۔

اسی طرح اسرافیل علیہ السلام کا تصوراتی خاکہ یہ دراصل بچوں کے ذہن سے روز قیامت کی ہولناکی کے تصور کو مٹانے کی کوشش ہے جیسے دنیا کے ''دیو'' اور ''بھوت'' ہوتے ہیں اسرافیل بھی اسی طرح کا ایک ''دیو'' اور ''بھوت'' ہے۔ (العیاذ باللہ)

ملائکہ، اللہ تعالیٰ کی ایسی مخلوق ہے جس کا دنیا میں دیکھنا انسان کے لئے ان کی اصلی حالت میں ممکن نہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی محترم مخلوق ہے جو کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی نہیں کرتی۔ اس طرح تصوراتی خاکے بنا کر بچوں کے سامنے پیش کر کے ان کی عزت وتوقیر کو کم کرنے کی بھونڈی کوشش ہے۔

کتاب کے تیسرے باب میں ''آسمان اور زمین'' کے عنوان سے ذکر کردہ خامہ فرسائی بھی قرآن وحدیث کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہے۔ احادیث میں جنت کو آسمانوں سے علیحدہ قرار دیا گیا ہے نیز قرآن پاک میں روز محشر آسمانوں کی تحلیل وانشقاق کا ذکر ہے۔ کتاب میں ساتویں آسمان کو جنت کا نچلا حصہ قرار دیا گیا اور ہر آسمان کو جنت قرار دے کر ہر ایک جنت کے لئے ایک پیغمبر کو اس کا نگران ظاہر کیا گیا ہے۔ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ صور اسرافیل سے آسمانوں کی تحلیل کے ساتھ جنت بھی ختم ہوجائے گی۔ یہ

نظریہ کا فرانہ ہے جب کہ جنت موجود ہے، آسمانوں سے علیحدہ ہے اور صور اسرافیل کے باوجود برقرار رہے گی۔ کتاب میں ذکر کردہ جن انبیاء علیہم السلام کو ایک ایک جنت کا نگران ظاہر کیا ہے، حدیث معراج میں ان انبیاء علیہم السلام کو اسی ترتیب سے آسمانوں میں موجود ہونے اور ان سے حضور ﷺ کی ملاقات کا ذکر ہے۔ واقعہ کا اس طرح ذکر کرنا حدیث کو جھٹلانا ہے اور بچوں کے ذہنوں میں حدیث کو مشکوک اور ناقابل اعتبار قرار دینے کی کوشش ہے:

اس تفصیل کے بعد سوالات کے جوابات اجمالاً ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱: ''فرابلز انٹرنیشنل اسکول'' کی انتظامیہ کتاب میں درج عقائد کی قائل ہے اور اس کو درست سمجھتی ہے تو اس عقیدہ ونظریہ کے تمام افراد دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں اور مرتد ہو چکے ہیں۔ مرنے کے بعد نہ تو ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور نہ ہی ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے، اور اگر انتظامیہ کا یہ نظریہ نہ ہو تو بھی تعلیم کفر، کفر ہے۔ انتظامیہ کے افراد فی الفور اس کتاب کی تعلیم ختم کر کے تجدید ایمان وتجدید نکاح کریں ورنہ ان کا حکم مرتدین کا ہوگا۔ حکومت اسلامیہ میں مرتد کی سزا قتل ہے، اگر حکومت اس فریضہ سے غفلت برتے تو عام مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ اس اسکول اور اس کی انتظامیہ کا بائیکاٹ کریں۔ وہ مسلمان جو بحیثیت معلم اس اسکول میں فرائض سرانجام دے رہے ہیں ان پر بھی لازم ہے کہ وہ غیرت ایمانی کا ثبوت دیتے ہوئے اس اسکول سے مستعفی ہو جائیں، دنیا کے چند ٹکوں کی خاطر اپنی آخرت کو برباد اور قبر کو تاریک نہ کریں۔

۲: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو تصاویر کا خاکہ بنانا، یہ توہین رسالت کے زمرہ میں آتا ہے، کتاب کا مصنف اور اس کے لئے خاکہ بنانے والے دونوں توہین رسالت کے مرتکب ہیں اور سخت تعزیری سزا کے مستحق ہیں۔

۳: جیسا کہ نمبر ''۱'' کے ضمن میں مذکور ہے کہ انتظامیہ کفر کی مرتکب ہو چکی ہے اس کے ساتھ تمام انتظامیہ بمع پرنسپل توہین رسالت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ باوجود توجہ دلانے اور احتجاج کرنے کے اس سلسلہ کو جاری رکھنا جرم کی نوعیت کو شدید تر بنا دیتا ہے۔ حکومت وقت کا فرض ہے کہ اسکول کی انتظامیہ، اگر اپنے اس شنیع فعل سے باز نہ آئے اور اپنے ایمان ونکاح کی تجدید نہ کرے تو اس پر بھی مرتد کی

شرعی سزا جاری کرے اور مزید ان پر توہین رسالت کے جرم کے ارتکاب پر جلد از جلد مقدمہ چلا کر عبرت ناک سزا دی جائے۔مزید یہ بھی کہ مذکورہ کتاب کو ضبط کر کے اس کی تمام کاپیوں کو سرِ عام نذر آتش کر دیا جائے۔

مزید برآں شعائرِ اسلام اور مقدساتِ شرعیہ کے خلاف ہرزہ رسائی کرنے والوں نے کروڑوں انسانوں (مسلمانوں) کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی اور انہیں دلی دکھ اور ذہنی کرب سے دوچار کیا ہے، اس بناء پر انسانی حقوق کے علمبرداروں پر بھی لازم ہوتا ہے کہ وہ ایسے سازشی اور موذی افراد کے خلاف حقوق انسانی کی خلاف ورزی اور پامالی کا دعویٰ کر کے اپنے حقوق انسانی کے دعویٰ میں سچے ہونے کا ثبوت پیش کریں۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ انسانیت کے دوست نما دشمن ہمارے اس مطالبہ پر چیں بجبیں ہوں اور اس کو حقوق انسانی کے خلاف قرار دیں۔لیکن یہ کیسے حقوق انسانی ہیں کہ اگر ایک فرد لاکھوں نہیں کروڑوں انسانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائے اور ان کو ذہنی کرب واذیت میں مبتلاء کرے، کروڑوں افراد کے جذبات کا احساس نہ کیا جائے، ان کو ذہنی کرب واذیت میں مبتلاء رہنے دیا جائے اور ایک آدمی کو کچھ نہ کہا جائے۔ یہ کیسے حقوق انسانی ہیں جو کروڑوں انسانوں کو مبتلاء اذیت دیکھ سکتے ہیں لیکن ان کی تسکین اور اذیت سے بچانے کے لئے ایک فرد نامعقول کو سزا نہیں دے سکتے۔

بریں عقل ودانش بباید گریست۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح
محمد عبدالسلام عفااللہ عنہ

الجواب صحیح
نظام الدین

کتبہ
محمد عبدالمجید دین پوری

بینات - رجب ۱۴۱۷ھ

اسلام کے دشمن عیسائی اور یہودی

دجال کا ہراول دستہ ہیں

از عالم ربانی فاضل اجل شیخ حسن بن مشاط (استاذ حرم، مکہ مکرمہ)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''صحیح بخاری'' میں حدیث روایت کی ہے:

عن انس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لیس من بلد إلا سیطؤہ الدجال إلا مکة والمدینة لیس من أنقابھما نقب الا علیہ الملائکة صافین یحرسونھما ثم ترجف المدینة بأھلھا ثلاث رجفات فیخرج الیہ کل کافر ومنافق.(۱)

''انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر شہر میں دجال داخل ہوگا سوائے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے کہ ان دونوں حرم کے راستے پر ملائکہ صف باندھے کھڑے رہتے ہیں اور ان کی نگرانی کرتے ہیں پھر (آخر زمانہ میں) مدینہ کے رہنے والوں میں تین زلزلے آئیں گے جن کی وجہ سے ہر کافر اور منافق مدینہ سے بھاگ نکلے گا''۔

یہ تو وہ خاص دجال ہوگا جس کا ظہور قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور قیامت سے پہلے وہ ضرور نمودار ہوگا اور اس کا مقصد صرف یہ ہوگا کہ وہ لوگوں کو دجالی فتنہ کے ذریعہ دین سے منحرف کردے، اور اپنے اوپر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ سے بغاوت وکفر اختیار کرنے کی دعوت دے۔ اور اس وقت اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دین وایمان کی آزمائش کے لئے، اس دجال کو بعض ایسے خوارق عادات

(۱) الصحیح للبخاری –فضائل المدینة –باب لایدخل الدجال المدینة– ۱/ ۲۵۳.

(خلاف عادت امور) کی قدرت بھی دے دیں گے، جو اس دجال اور اس کے متبعین کو آپس میں مزید قریب کر دینے کا سبب بنیں گے اور جاہل و بے دین لوگ اس کو خدا سمجھنے لگیں گے، چنانچہ جو شخص اس کا اتباع اور پیروی کرے گا وہ تو ہلاک ہوگا اور جو اس کی عبادت وطاعت سے انکار کر دے گا وہ نجات پائے گا۔(۱)

اس حدیث سے اگر چہ ہر دو مقدس شہروں "مکہ مکرمہ" اور "مدینہ منورہ" کی یہ فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ دجال جب دین خداوندی کے خلاف فتنہ وفساد برپا کرنے کے لئے ان متبرک شہروں میں داخل ہونا چاہے گا تو وہ فرشتے اس کو وہاں جانے سے روک دیں گے جو ان دونوں شہروں کی تمام راستوں سے حفاظت کرتے ہوں گے۔

لیکن اے مرد مومن تم حرمین شریفین کی اس فضیلت سے۔اس دھوکہ میں مت پڑ جانا کہ ان شہروں میں جو شخص بھی آباد ہوگا وہ مقدس اور پاکباز ہی ہوگا کیونکہ کوئی بھی پاک سرزمین کسی بھی شخص کو پاکباز نہیں بناتی بلکہ انسان کو پاکباز صرف اس کا نیک عمل ہی بناتا ہے اسی بات کو کسی نے کہا ہے۔

اطلب لنفسک مایقدسها من حسن علم وعمل فان الامر والله خطیر.

"تم اپنی فلاح کے لئے بہتر علم اور بہتر عمل حاصل کرو جس سے زہد وتقدس پیدا ہو اس لئے کہ خدا کی قسم فلاح ونجات کا معاملہ بہت ہی اہم ہے"۔

کیونکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ تمہاری آفرینش کا مقصد ہی عبادت ہے۔ارشاد ہے: ﴿وماخلقت الجن والإنس الا لیعبدون﴾ (۲) (میں نے تمام انسانوں اور جنوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں) اور اسی عبادت الٰہی پر موت آنی چاہئے۔ارشاد ہے: ﴿واعبد ربک حتی یأتیک الیقین﴾ (۳) (تم مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت کرو)

امام العارفین سید ابو محمد عبداللہ بن ابی جمرۃ اس "حدیث دجال" کی شرح میں لکھتے ہیں:

"اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخری زمانے میں منافقت عام ہو جائے گی جو اس امر کی دلیل ہے کہ سارے عالم میں اس وقت فساد عام ہو جائے گا اور قوت پکڑ جائے

(۱) مشکوۃ المصابیح –باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال – ۲/ ۴۷۳.

(۲) الذاریات: ۵۶. (۳) الحجر: ۹۹.

گا بلکہ روایات میں یہاں تک آتا ہے کہ بعض وہ لوگ جن کو دجال کے کافر ہونے کا پورا یقین ہوگا وہ کہیں گے کہ: ذرا اس لعین کذاب کے پاس تو چلو ذرا سیر کریں اس جھوٹے ملعون کی شکل تو دیکھیں کیسی ہے، مگر جونہی ان کی نظر دجال پر پڑے گی وہ فوراً اس کے متبع بن جائیں گے، اس روایت کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس فتنے کے زمانے سے بہت زیادہ ڈرنا اور ان فتنوں سے جتنا ممکن ہو دور بھاگنا چاہئے، اندیشہ ہے کہ انسان ان فتنوں میں پھنس نہ جائے، چنانچہ مذکورہ بالا روایت میں جن لوگوں کا ذکر ہے وہ مومن مسلمان ہوں گے مگر وہ اللہ تعالیٰ کی اس آزمائش کی نشانی دجال سے ڈرنے اور دور رہنے کے بجائے سیر وتفریح کی غرض سے اسے دیکھنے جائیں گے اسی لئے بلا میں پھنس جائیں گے اور ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ اس لئے کہ یہ لوگ اللہ کی نشانیوں کو کھیل کود اور سیر وتفریح کا سامان بنالیں گے ان لوگوں کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول پر حقیقی اور واقعی ایمان ہوتا تو اس خطرناک فتنہ کی سیر وتفریح کو نہ جاتے اس لئے کہ دجال کا خروج تو قرب قیامت کی عظیم علامات میں سے ایک ہے پھر اس کو کھیل سمجھ لینا سراسر فتنہ اور گمراہی ہے۔ اس روایت کے واقعہ سے یہ حکم شرعی نکل آیا کہ اللہ کی نشانیوں اور اس کی قدرت کے کرشموں کو کھیل سمجھنا ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے اور ایسا کرنے والے مسلمان کا دین خطرہ میں ہے، چنانچہ اسی استہزاء سے متعلق اللہ پاک کا ارشاد ہے:

﴿قل أبالله وآياته ورسوله كنتم تستهزؤن، لاتعتذروا قد كفرتم بعد إيمانكم﴾ (التوبة: ٦٥، ٦٦)

”(اے نبی) کہہ دو! کیا تم اللہ کے ساتھ، اس کی نشانیوں کے ساتھ، اس کے رسول کے ساتھ استہزاء کررہے تھے؟ کوئی معذرت مت کرو، بے شک تم ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے“۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کا مذاق اڑانا موجب کفر ہے، اس مذکورہ بالا روایت میں دراصل اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ

ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں اپنا جائزہ لیتا رہے کیونکہ اس قسم کے دجالوں (مفسدوں) سے کوئی زمانہ خالی نہیں ہوتا، ایسا نہ ہو کہ وہ کسی دجال کے فتنہ میں پھنس جائے اور اس کو خبر بھی نہ ہو، وہ خود یہ بھی سمجھتا رہے کہ میں دجال کے فتنہ سے بچ گیا ہوں، حالانکہ وہ اس کا پیرو بن چکا ہو یا خود ان دجالوں میں سے ایک دجال ہو اور اس کو پتہ بھی نہ ہو۔

یہ حقیقت اس وقت تک منکشف نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو کتاب وسنت کی ترازو میں اس طریقہ پر نہ تول لے جو سلف صالحین کا طریقہ ہے، وہ خود ایسا مجرم اور نافرمان لوگوں میں سے ہو جن کو خدا نے ڈھیل دے رکھی ہے اور اس کو علم بھی نہ ہو اور پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے تحت آجائے: ﴿سنستدرجهم من حيث لايعلمون﴾ (ہم ان کافروں کو اس طرح ڈھیل دیتے رہتے ہیں کہ ان کو خبر بھی نہیں ہوتی (کہ ہم مجرم اور سزا کے مستحق ہیں)

اسی احتیاطی تدبیر کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "حاسبوا انفسكم قبل ان تحاسبوا" (۱) (اس سے پہلے کہ تمہارا حساب وکتاب ہو اپنے اعمال کا محاسبہ کرلو اور جائزہ لے لو)۔

ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کا ادب واحترام اور خوف ہر گھڑی ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کیونکہ بخدا معاملہ بہت نازک اور بہت اہم ہے اور ہم اس وقت ایسے زمانہ سے گزر رہے ہیں، جس میں نیکی اور خیر کے امتیازات بدل چکے ہیں اور راستے پیچیدہ ہوگئے ہیں اور خیر کے راستوں پر چلنے والوں کا قحط ہے اور خیر کی طرف دعوت دینے

---

(۲) أخرجه الترمذي قولاً لعمر بن الخطاب رضي الله عنه وهو لم يرفعه الىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم، مانصه: ويروى عن عمر بن الخطاب قال: حاسبوا انفسكم قبل ان تحاسبوا تزينوا للعرض الأكبر وانما يخف الحساب يوم القيٰمة علىٰ من حاسب نفسه في الدنيا۔

(جامع الترمذي – ابواب صفة القيامة – ۲/۷۲).

والے ناپید ہوچکے ہیں۔ اللہ ہی سے دعا ہے کہ وہ محض اپنے فضل وکرم سے غیب سے کوئی تدارک کا راستہ پیدا کردے۔'' (یہاں تک امام مذکور کا بیان ختم ہوا۔)

امام موصوف کے اس بیان کی، کہ ہر زمانہ میں دجال پیدا ہوں گے۔ تائید اس حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے، ''لاتقوم الساعة حتى يخرج سبعون كذاباً''، جب تک ستر دجال پیدا نہ ہوں جائیں گے قیامت نہیں آئے گی۔(۱)

دوسری روایت میں ہے:

''آخرهم الأعور الدجال ممسوح العين اليسرى كانها عنبة (رواه الطبرانی عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما)(۲)

''سب سے آخر میں کانے دجال کا ظہور ہوگا اس کی بائیں آنکھ ایسی بے نور اور ابھری ہوئی ہوگی جیسے انگور کا دانہ۔ (طبرانی نے حضرت عبد اللہ بن عمروؓ بن عاص سے اس حدیث کو روایت کیا ہے)''۔

اس سے قبل کی حدیث میں جو ستّر کا عدد مذکور ہے اس پر مدار نہیں، اس سے مقصود صرف دجالوں کی کثرت کو بیان کرنا ہے چنانچہ اس زمانہ میں تو اس بڑے دجال کے بہت سے ہراول دستے (چھوٹے دجال) موجود ہیں اور مسلمانوں کو بے دین بنانے میں مصروف ہیں تاکہ وہ اس بڑے دجال کے لئے راستہ

---

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، للحافظ نور الدين الهيثمي (م۸۰۷ھ) –كتاب الفتن –باب ماجاء في الكذابين الذين بين يدى الساعة–۷/۳۳۳– ط: دار الكتاب العربي، بيروت.

فتح الباري شرح صحيح البخاري للحافظ ابن حجر العسقلاني (م۸۵۲ھ)– كتاب الفتن –رقم الحديث: ۷۱۲۱–۱۳/۸۷–ط: رئاسة ادارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والارشاد مكة المكرمة.

(۲) لم اطلع على المصدر المذكور، الا ان الامام البخاري رحمه الله أخرجه مع يسير من الاختلاف مانصه: عن ابن عمر قال: قال ابوعبدالله اراه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: اعور العين اليمنى كأنها عنبةٌ طافيةٌ۔ صحيح البخاري –باب ذكر الدجال –۲/۱۰۵۵،

ہموار کریں تاکہ جب وہ نمودار ہو تو اس کے لئے مسلمانوں کو خدا اور سول سے منحرف کرنے کا راستہ ہموار ملے اور یہ صورت حال بھی قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ہے جس کی اطلاع ہمارے صادق مصدوق حضرت محمد ﷺ نے دی ہے۔ اس پر ایمان رکھنا ضروری ہے آپ نے علامات قیامت کو بیان فرما کر اللہ کے بندوں کو متنبہ فرمایا ہے تاکہ وہ غفلت کی نیند سے بیدار ہو جائیں اور اپنی خواب غفلت سے اٹھ بیٹھیں اور قیامت کے دن کے لئے تیاری کرلیں۔

ایک صحیح حدیث میں مروی ہے:

لاتقوم الساعة حتى يبعث دجالون كذابون يحدثونكم بمالم تسمعوا أنتم ولاآبائكم ،وأيّاكم أن يفتنوكم ويضلوكم .(۱)

''اس وقت تک قیامت نہیں آئیگی جب تک ایسے جھوٹے دجالوں کا ظہور نہ ہوگا جو تمہیں ایسی باتیں سنائیں گے جو نہ کبھی تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے۔ خبردار! دیکھو وہ تمہیں فتنوں میں نہ پھنسا دیں گمراہ نہ کردیں''۔

ایک دوسری حدیث پاک میں رحمۃ للعالمین ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"ياتى فى آخر الزمان أقوام حدثاء الأسنان سفهاء الأحلام يقولون من قول خير البرية، يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية "(۲)

''آخر زمانہ میں کچھ ایسے نوعمر اور کم عقل لوگ پیدا ہوں گے جن کی زبانوں پر بہترین مخلوق (خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم) کے اقوال واحادیث ہوں گی مگر وہ دین سے اس طرح صاف نکل چکے ہوں گے جیسے تیر شکار کے جسم میں سے نکل جاتا ہے''

ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث مروی ہیں جن میں آخر زمانہ کے فتنوں کا، قیامت کی نشانیوں کا اوران سے ڈرنے اور بچنے کا ذکر موجود ہے، ان احادیث سے آپ اندازہ کیجئے کہ رحمۃ للعالمین جناب نبی کریم ﷺ اپنی امت پر کتنے مہربان اور شفیق تھے ان شفقت آمیز احادیث کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے گویا

---

(۱) مشكوة - كتاب الايمان - باب الاعتصام بالكتاب والسنة - الفصل الاول - ۱/ ۲۸.

(۲) الجامع الصحيح للبخارى - كتاب فضائل القرآن - باب من رايا بقراءة القرآن - ۲/ ۷۵۶.

آپ ہر زمانہ میں اپنی امت میں موجود ہیں اور ان کو نصیحت فرمارہے ہیں اور خوشخبریاں سنارہے ہیں اور عذاب آخرت سے ڈرارہے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور تمام امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

احادیث نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی کتابیں اس قسم کی احادیث سے بھری ہوئی ہیں جو بھی ان کو دیکھتا ہے متعجب ہوجاتا ہے اور اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ وہ اس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان فتنوں اور واقعات کے بارے میں پیشین گوئیوں کو بالکل صحیح پاتا ہے۔

ہمارے محترم بزرگ شیخ عبداللہ بن ابی جمرۃ رحمہ اللہ نے تو اپنے زمانہ کو ہی بُرا کہا ہے کہ اس زمانہ میں نیکی اور خیر کی علامتیں بدل گئی ہیں اور راستے پیچیدہ اور جدا جدا ہوگئے ہیں حالانکہ وہ ساتویں صدی کے شیخ ہیں لیکن اگر ہمارے چودھویں صدی کے زمانہ کو دیکھ لیتے، جس میں نیکی اور خیر کی تمام باتیں بالکل دگرگوں اور یکسر ختم ہوچکی ہیں اور حالات بالکل بدل چکے ہیں حتیٰ کہ چیزوں کے نام تک بدل دیئے جاچکے ہیں۔ چنانچہ دین اسلام پر قائم رہنے کو "جمود" کہا جاتا ہے، اور دین سے دور ہوجانے اور پھر جانے کو تہذیب وتمدن اور ترقی وتجدد پسندی سے موسوم کیا جاتا ہے اور تمام امور خیر منکر بن گئے ہیں، اور بری وناروا باتیں نیکی وبھلائی بن گئی ہیں اور بعض لوگ تو اپنے دین سے اتنے ناواقف اور جاہل ہیں کہ وہ اس کی تصدیق تک نہیں کرتے اور حتیٰ کہ دین کے ان بدیہی اور یقینی امور، جن سے واقف ہونا ہر مسلمان کا فرض ہے انکار کردیتے ہیں اور وہ موروثی علم دین جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کو ورثہ میں ملا ہے اس کے حاصل کرنے سے بہت دور جاپڑے ہیں حالانکہ وہی علم دین ان کی ابدی سعادت اور اقبال مندی کا اصلی سبب ہے، اور یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ صرف اس لئے کہ ہر چیز نے اپنا رخ یورپ اور اس کی نام نہاد تہذیب کی طرف موڑلیا ہے جس کو اسلام مطلق گوارا نہیں ہوتا۔

اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ اس زمانہ کی بہت سی یورپین قومیں جیسا کہ خود ان کے گذشتہ بیانات سے ثابت ہوتا ہے۔ دجال کا ہراول دستہ ہیں انہی میں وہ یہودی اور عیسائی بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنا نام مبلغین اور مصلحین (رفارمر) رکھ چھوڑا ہے حالانکہ قرآن کی آیت کریمہ: ﴿ألا انهم هم المفسدون ولكن لايشعرون﴾(۱) (آگاہ ہوجاؤ کہ اصل فساد پھیلانے والے وہی ہیں لیکن ان کو اس

(۱) البقرۃ: ۱۲

کا شعور نہیں) کا مصداق اور پکے فتنہ وفساد برپا کرنے والے ہیں دین اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کے دلوں میں شدید کینہ اور بغض بھرا ہوا ہے، وہ اسلام پر طعن وتشنیع کرنے اور اس میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، اپنے تعلیمی اداروں (اسکولوں، کالجوں) میں عبادت گاہوں میں، اپنی کتابوں، تقریروں اور گفتگو میں اسلام کے خلاف فتنہ وفساد کی تخم ریزی کرنے سے ذرا نہیں تھکتے۔

چنانچہ تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنے دین کے بارے میں غیرت وحمیت کا ثبوت دیں اور ان لوگوں سے چوکنے رہیں اور دوسروں کو بھی ان کے فتنوں سے ڈرائیں تا کہ ہم خود اس وبال میں نہ پھنس جائیں۔ نیز ہمارا فرض ہے کہ ہم ان یورپین اقوام کی دوستی، رفاقت، میل جول اور اختلاط وارتباط سے بھی احتراز کریں اور اپنے بچوں کو ان کے مدارس میں تعلیم دلانے سے محفوظ رکھیں۔ اور ان کی مذہبی کتابیں بھی نہ پڑھیں، ان کے اجتماعات اور جلسوں میں بھی جانے سے پرہیز کریں۔

''بینات''۔ محرم الحرام ۱۳۸۷ھ

دیلمی کارنامہ

سوال: محرم میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے سلسلہ میں جلوس اور تعزیہ نکالنے کی ابتداء کب سے ہوئی ہے؟

جواب: محرم کے ماتمی جلوسوں کی بدعت چوتھی صدی کے وسط میں معز الدولہ دیلمی نے ایجاد کی۔ شیعوں کی مستند کتاب ''منتہی الآمال'' (ص۴۵۳ ج۱) میں ہے۔

''جملہ (ای مؤرخین) نقل کردہ اند کہ ۳۵۲ھ (سی صد وپنجاہ ودو) روز عاشورا معز الدولہ دیلمی امر کرد اہل بغداد را بہ نوحہ ولطمہ وماتم برامام حسین وآنکہ زنہا مویہا را پریشان وصورتہا را سیاہ کنند وبازارہا بہ بندند، وبردکانہا پلاس آویزاں نمائند، وطباخین طبخ نہ کنند وزنہائے شیعہ بیروں آمدند درحالیکہ صورتہا را بہ سیاہی دیگ وغیرہ سیاہ کردہ بودند، وسینہ می زدند، ونوحہ می کردند، سالہا چنیں بود۔ اہل سنت عاجز شدند از منع آن۔ لکون السلطان مع الشیعۃ'' (۱)

ترجمہ: سب مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ ۳۵۲ھ میں عاشورہ کے دن معز الدولہ دیلمی نے اہل بغداد کو امام حسینؓ پر نوحہ کرنے، چہرہ پیٹنے اور ماتم کرنے حکم دیا اور یہ کہ عورتیں سر کے بال کھول کر اور مُنہ کالے کر کے نکلیں، بازار بند رکھے جائیں، دکانوں پر ٹاٹ لٹکائے جائیں اور طبّاخ کھانا نہ پکائیں، چنانچہ شیعہ خواتین نے اس شان سے جلوس نکالا کہ دیگ وغیرہ کی سیاہی سے منہ کالے کئے ہوئے تھے۔ اور سینہ کوبی ونوحہ کرتی جارہی تھیں۔ سالہا سال تک یہی رواج رہا۔ اور اہل سنت اس (بدعت) کو روکنے سے عاجز رہے، کیونکہ بادشاہ شیعوں کا طرفدار تھا۔''

---

(۱) بحوالہ تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین: از مولانا اللہ یار چکڑالوی مرحوم۔

حافظ ابن کثیرؒ نے ''البدایہ والنہایہ'' میں ۳۵۲ھ کے ذیل میں یہی واقعہ اس طرح نقل کیا ہے:

"فی عاشر المحرم من هذه السنة امر معز الدولة بن بويه...... قبحه الله...... ان تغلق الاسواق، وان يلبس النساء المسرح من الشعر، وان يخرجن في الأسواق حاسرات عن وجوههن ناشرات شعورهن يلطمن وجوههن ينحن على الحسين بن على بن ابى طالب . ولم يمكن اهل السنة منع ذلك لكثرة الشيعة وظهورهم وكون السلطان معهم." (۱)

ترجمہ: اس سال (۳۵۲ھ) کی محرم، دسویں تاریخ کو معز الدولہ بن بویہ دیلمی نے حکم دیا کہ بازار بند رکھے جائیں، عورتیں بالوں کے ٹاٹ پہنیں، اور ننگے سر، ننگے منہ، بالوں کو کھولے ہوئے، چہرے پیٹتی ہوئی اور حضرت حسینؓ پر نوحہ کرتی بازاروں میں نکلیں۔ اہل سنت کو اس سے روکنا ممکن نہ ہوا، شیعوں کی کثرت وغلبہ کی وجہ سے، اور اس بناء پر کہ حکمران اُن کے ساتھ تھا۔''

اس سے واضح ہے کہ چوتھی صدی کے وسط تک امت ان ماتمی جلوسوں سے یکسر نا آشنا تھی۔ اس طویل عرصہ میں کسی سنّی امام نے تو درکنار، کسی شیعہ مقتداء نے بھی اس بدعت کو روانہیں رکھا، ظاہر ہے کہ ان ماتمی جلوسوں میں اگر ذرا بھی خیر کا پہلو ہوتا تو خیر القرون کے حضرات اس سے محروم نہ رہتے، حافظ ابن کثیرؒ کے بقول:

وهذا تكلف لاحاجة اليه في الاسلام ،ولو كان هذا امراً محمودا لفعله خير القرون وصدر هذه الامة وخير تها. وهم اولى به ولو كان خير ما سبقونا اليه واهل السنة يقتدون ولايبتدعون (۲)

ترجمہ: اور یہ ایک ایسا تکلّف ہے جس کی اسلام میں کوئی حاجت وگنجائش نہیں۔ ورنہ اگر یہ امر۔ لائقِ تعریف ہوتا تو خیر القرون اور صدر اول کے حضرات جو بعد کی امت سے بہتر وافضل تھے وہ اس کو ضرور کرتے کہ وہ خیر وصلاح کے زیادہ مستحق تھے پس اگر یہ خیر

(۱) البداية والنهاية –سنة اثنتين وخمسين وثلاثمائة – ۱۱ / ۲۴۳ –ط: دار الفكر بيروت.

(۲) البداية والنهاية –سنة اربع وخسمين وثلثمائة – ۱۱ / ۲۵۴ –ط:دار الفكر بيروت .

کی بات ہوتی تو وہ یقیناً اس میں سبقت لے جاتے اور اہل سنت، سلف صالحین کی اقتداء کرتے ہیں، ان کے طریقہ کے خلاف نئی بدعتیں اختراع نہیں کیا کرتے۔“

الغرض جب ایک خودغرض حکمران نے اس بدعت کو حکومت واقتدار کے زور سے جاری کیا اور شیعوں نے اس کو جزوِایمان بنالیا تو اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ اگلے ہی سال یہ ماتمی جلوس سنی شیعہ فساد کا اکھاڑہ بن گیا۔ اور قاتلینِ حسین نے ہر سال ماتمی جلوسوں کی شکل میں معرکۂ کربلاء برپا کرنا شروع کردیا۔ حافظ ابن کثیرؒ ۳۵۳ھ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

ثم دخلت سنة ثلاث وخمسين وثلاث مائة . في عاشر المحرم منها عملت الرافضة عزأ الحسين كما تقدم في السنة الماضية .فاقتتل الروافض واهل السنة في هذا اليوم قتالاً شديداً وانتهبت الأموال (۱)

ترجمہ: ”پھر ۳۵۳ھ شروع ہوا تو رافضیوں نے دس محرم کو گزشتہ سال کے مطابق ماتمی جلوس نکالا، پس اس دن روافض اور اہل سنت کے درمیان شدید جنگ ہوئی۔ اور مال لوٹے گئے۔“

چونکہ فتنہ فساد ان ماتمی جلوسوں کا لازمہ ہے۔ اس لئے اکثر وبیشتر اسلامی ممالک میں اس بدعتِ سیئہ کا کوئی وجود نہیں، حتی کہ خود شیعی ایران میں بھی اس بدعت کا یہ رنگ نہیں جو ہمارے ہاں کربلائی ماتمیوں نے اختیار کر رکھا ہے، حال ہی میں ایران کے صدر کا بیان اخبارات میں شائع ہوا، جس میں کہا گیا ہے:

”علم اور تعزیہ غیر اسلامی ہے، عاشورہ کی مروجہ رسوم غلط ہیں“

”ایران کے صدر خامنہ ای کی تنقید“

تہران (خصوصی رپورٹ) ایران کے صدر خامنہ ای نے کہا ہے کہ یومِ عاشورہ پر امام حسینؓ کی یاد تازہ کرنے کے مروجہ طریقہ یکسر غلط اور غیر اسلامی ہیں۔ اسلام آباد کے

(۱) البداية والنهاية –سنة ثلاث وخمسين وثلاثمائة – ۱۱/ ۲۵۳ –ط: دار الفكر بيروت.

انگریزی اخبار ''مسلم'' کی رپورٹ کے مطابق ایرانی سربراہ مملکت نے نمازِ جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مزید کہا کہ یہ طریقہ نمود ونمائش پر مبنی اور اسلامی اصولوں کے منافی ہے، فضول خرچی اور اسراف ہمیں امام حسینؓ کے راستے سے دور کر دیتا ہے۔ انہوں نے علم اور تعزیہ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ خواہ یہ محراب وگنبد کی شکل میں ہی کیوں نہ ہوں۔ یادتازہ کرنے کی اسلامی شکل نہیں۔ ان نمائشی چیزوں پر رقم خرچ کرنا حرام ہے اور عاشورہ کی روح کے منافی ہے، کیوں کہ یوم عاشورہ تفریح کا دن نہیں ہے۔

امام خمینی کے فتویٰ کا حوالہ دیتے ہوئے صدر خامنہ ای نے کہا کہ مذہبی تقریبات کے دوران لاؤڈ اسپیکر کو بہت اونچی آواز میں استعمال نہیں کرنا چاہئے اور عزاداری کے مقام پر بھی پڑوسیوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچانا چاہئے، لوگوں کو ماتم کرنے پر مجبور نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی اس رسم کو لوگوں کے لئے تکلیف دہ ہونا چاہئے۔

(روزنامہ جنگ، کراچی پیر ۱۹ محرم الحرام ۱۴۰۵ھ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۸۴ء)

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

بینات، محرم الحرام۔ ۱۴۰۷ھ

لا مذہبیت کا فتنہ لادینیت پر جا کر ختم ہوتا ہے

حامداً ومصلیاً ومسلماً

امابعد: دین کی کچھ باتیں تو ایسی سادہ اور آسان ہوتی ہیں جن کے جاننے میں سب خاص وعام برابر ہیں۔ جیسے وہ تمام چیزیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے یا مثلاً وہ احکام جن کی فرضیت کو سب جانتے ہیں۔ چنانچہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ نماز، روزہ اور حج ارکان اسلام میں داخل ہیں لیکن بہت سے مسائل ایسے ہیں جو عوام کی سمجھ میں نہیں آتے۔ اس لئے ان کو علماء سے پوچھنا ضروری ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کو اہل علم قرآن وحدیث میں غور کرنے کے بعد سمجھتے ہیں اور علماء کو بھی ان مسائل کے سمجھنے کے لئے شرعی طور پر ایک خاص علمی استعداد کی ضرورت ہے۔ جس کا بیان اصول فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہے، بغیر اس استعداد کے حاصل ہوئے کسی عالم کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی مشکل آیت کی تفسیر کرے، یا کوئی مسئلہ قرآن وحدیث سے نکالے۔ جس عالم میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور پھر وہ اپنی پوری کوشش صرف کر کے قرآن وحدیث سے مسئلہ نکالتا ہے اس کو مجتہد کہا جاتا ہے اور جس شخص میں یہ استعداد نہ ہو وہ عامی ہے۔ عامی کو یہ حکم ہے کہ ہر مسئلہ میں مجتہد کی طرف رجوع کرے اور مجتہد کا یہ فرض ہے کہ وہ جو مسئلہ بھی بیان کرے کتاب وسنت میں خوب غور کر کے اور اپنی پوری کوشش صرف کر کے اولاً اس مسئلہ کو سمجھے اور پھر اس پر فتویٰ دے۔

اجتہاد وفتویٰ کا یہ سلسلہ عہدِ نبوی سے لے کر آج تک امت میں رائج چلا آرہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی بہت سے ایسے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے خود مدینہ شریف میں اور تمام ملک عرب میں جہاں اسلام پھیل چکا تھا، فتویٰ دیا کرتے تھے اور سب لوگ ان کے فتویٰ پر عمل کیا کرتے تھے۔ صحابہؓ کے بعد تابعینؒ کے دور میں بھی یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہا بلکہ ہر شہر کے مفتی اور مجتہد جو مسائل بیان کرتے تھے اس شہر کے رہنے والے انہی کے فتاویٰ کے مطابق تمام احکام دین پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

پھر تبع تابعین کے دور میں ائمہ مجتہدین نے کتاب وسنت اور گزشتہ مجتہدین صحابہؓ وتابعینؒ کے فتاویٰ کو سامنے رکھ کر زندگی کے ہر باب میں تفصیل سے احکام مرتب کردیئے ان ائمہ میں اولیت کا شرف امام اعظم ابوحنیفہ کو حاصل ہے پھر امام مالک اور ان کے بعد امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین ہیں۔

چونکہ ان ائمہ اربعہ نے زندگی میں پیش آنے والے اکثر وبیشتر مسائل کو جمع کردیا تھا اور ساتھ ہی وہ اصول بھی بیان کردیئے تھے کہ جن کی روشنی میں یہ احکام مرتب کئے گئے تھے اس لئے تمام اسلامی دنیا میں قاضیوں اور مفتیوں نے انہی کے مسائل کے مطابق فیصلہ کرنا اور ان پر فتویٰ دینا شروع کردیا اس طرح تمام عالم اسلامی میں ان حضرات کے مذاہب مقبول ومعتمد ہوگئے۔ چنانچہ یہ سلسلہ دوسری صدی سے لے کر آج تک اسی طرح قائم ودائم ہے۔

ہندوستان میں جب انگریز کی عمل داری شروع ہوئی تو اس زمانہ میں کچھ لوگوں کے سر میں یہ سودا سمایا کہ ہمیں اگلوں کے فتاویٰ پر چلنے اور ان کی تقلید کرنے کی کیا ضرورت ہے، ہمیں تو خود قرآن وحدیث سے مسائل نکالنے چاہئیں، یہ لوگ اپنے آپ کو "اہلحدیث یا غیر مقلد" کہتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ بھی مقلد ہی ہیں۔ ان کے عوام تو مسجد کے مولوی ملاؤں سے مسئلے پوچھ پوچھ کر ان پر عمل کرتے ہیں اور یہ خود حدیث کی کچھ کتابوں کو سامنے رکھ کر علماء شوافع نے جو ان کا مطلب بیان کیا ہے اس پر چلتے ہیں۔ حدیث کی تصحیح وتضعیف اور راویان حدیث کی جرح وتعدیل میں بھی یہ محدثین ہی کے مقلد ہیں۔ چنانچہ بطور مثال ان کے نزدیک امام بخاریؒ یا امام ترمذیؒ کا کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنا اس حدیث پر عمل کرنے یا نہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ حالانکہ انہیں پتہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ حدیث کیوں صحیح ہے؟ یا کیوں ضعیف ہے؟ غرض اس بارے میں یہ بخاریؒ وترمذیؒ کی تقلید کو کافی سمجھتے ہیں او اس باب میں اجتہاد نہیں کرتے۔

اس عدم تقلید کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہندوستان میں دین ومذہب کے اندر فتنوں کے دروازے کھل گئے، ہر شخص مجتہد بن بیٹھا، چنانچہ سب سے پہلے سرسید احمد خان نے اس راہ میں قدم رکھا، پہلے حنفی مذہب کو خیر باد کہا، تقلید سے منہ موڑا، غیر مقلد ہوئے پھر ترقی کرتے کرتے "نیچریت" پر معاملہ جا پہنچا۔ اور ظاہر ہے کہ جب فقہاء کی تقلید حرام ٹھہری تو تصحیح وتضعیف میں کسی محدث کی کیوں سنی جائے اور بغیر دلیل سمجھے اس کو کیوں صحیح مان لیا جائے؟ یہی حال غلام احمد قادیانی کا ہوا۔ وہ مذہبِ حنفی سے نکلا اور غیر مقلدیت میں بڑھتے

بڑھتے معاملہ یہاں آکرٹھہرا، کہ مہدی سے بھی آگے بڑھ کر مسیح موعود کے منصب پر اپنے کو پہنچادیا۔ دوسری طرف اس انکارتقلید نے انکارحدیث کی راہ دکھلائی، چنانچہ اسلم جیراج پوری کے دادا حنفی تھے، ان کے باپ مولوی سلامت اللہ غیر مقلد بنے، اسلم جیراج پوری نے باپ دادا سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا تو انکار حدیث کے داعی بن گئے اور ان کے نام لیوامسٹر پرویز کا مشغلہ ہی حدیث وسنت کا مذاق اڑانا رہ گیا۔ اسی طرح ملک میں جتنے دوسرے دینی فتنے ہیں، وہ سب انکارتقلید کے شاخسانے ہیں، پہلے آدمی تقلید سے منکر ہوتا ہے، غیر مقلد بنتا ہے اور پھر اس کی خودرائی اسے گمراہی کے گڑھے میں ڈالے بغیر نہیں رہ سکتی۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب سے مذاہب اربعہ کا رواج ہوا مسلمانوں میں نئے نئے فرقے پیدا ہونے بند ہو گئے تھے۔ اور جب سے تقلید کا بند ٹوٹا ہے اور لامذہبی کا دور دورہ ہوا ہے۔ ہر طرف نئے نئے فتنے سر اٹھانے لگے ہیں۔ آج کل خود کراچی شہر میں ہی دو نئے فتنے زور سے سر اٹھارہے ہیں۔ ایک فتنہ کراچی کے ساحل سے توحید کے نام پر اٹھ رہا ہے۔ چنانچہ وہاں سے جو کتابچے "توحید خالص" کے نام سے شائع ہورہے ہیں ان میں یہی بتایا جارہا ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ سے لے کر آج تک کوئی توحید کا حامل ہی نہیں رہا اور خاص کر ہندوستان کو تو تصوف نے ایسا تباہ کیا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے لے کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تک ایک بھی مسلمان کہلانے کے لائق نہیں، اس فتنہ کا سر براہ ایک نامسعود شخص تھا جو حال میں فوت ہو گیا۔

دوسرا فتنہ کراچی شہر کی دوسری سمت سے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نام سے برپا کیا گیا ہے۔ جس کا مقصد ناصبیت کو زندہ کرنا ہے۔ اس فتنے کا سربراہ یزید اور مروان کا فدائی ہے۔ اور ان کی پوری کوشش یہ ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرات حسنینؓ اور ائمہ اہل بیت کو کوسا جائے اور ان کی عظمت کو پامال کیا جائے، اس فتنہ کا سربراہ نامحمود عباسی تھا، وہ تو مر گیا، اب اس کے چیلے چانٹے اس فتنہ کو ہوا دے رہے ہیں، ان دونوں فتنوں کی خرابی اور نقصان کا اندازہ لگانا ہو تو ان کے یہاں سے اس سلسلہ میں جو کتابچے شائع کئے جاتے ہیں ان کو دیکھ لیا جائے کہ کس قدر گمراہی پھیلا رہے ہیں۔

کتبہ: عبدالرشید نعمانی

بینات - جمادی الاولی ۱۴۱۱ھ

''تبلیغ اسلام کے روپ میں کفریات کا پرچار''

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جس کا نام ''محمد شیخ'' جو کہ I.I.P.C کا چیئرمین بھی ہے۔ زرکثیر خرچ کر کے تحریر وتقریر کے ذریعے لکھتا اور کہتا ہے کہ:

''(۱) مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں اور وہ قبلہ اول کبھی نہیں رہا، اسے قبلہ اول کہنا ظلم وزیادتی ہے۔

(۲) تورات وانجیل دراصل قرآن ہی کے وصفی نام ہیں اور قرآن میں ''الکتاب'' سے مراد صرف قرآن ہے، حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام پر تورات وانجیل نازل نہیں ہوئیں جہاں بھی قرآن میں کتاب وسنت کا لفظ ہے اس سے مراد صرف قرآن ہی ہے کوئی اور کتاب اور صحیفہ مراد نہیں۔

(۳) قرآن پاک کو بغیر وضو کے چھو سکتے ہیں۔

(۴) دین میں کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں۔

(۵) قرآن کے لفظی معنی ہی کو درست سمجھنا اور ہر کسی کو یہ بات کہنا کہ آپ بھی لغت دیکھ کر خود سے کسی حدیث اور تفسیر کے بغیر ترجمہ کر سکتے ہیں۔

(۶) معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) نہیں گئے بلکہ المدینۃ المنورۃ مسجد نبوی گئے''۔

یہ شخص قرآن کے ترجمہ کے حوالے سے اپنی ذہانت اور رائے کو بنیاد بناتا ہے اور امت مسلمہ کے اجماعی عقائد کے سراسر خلاف باتیں کرتا ہے وہ شخص احادیث کی نہیں صرف قرآن کی دلیل مانگتا ہے اور قرآن کی صرف وہ تفسیر وترجمہ تسلیم کرتا ہے جو وہ پسند کرے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یہود کا آلہ کار ہے اور کسی یہودی

مشن پر اسلام دشمن عناصر کے تعاون سے مشغول ہے۔ لہذا اس شخص کی شرعی حیثیت کے بارے میں اسلامی مسلمہ اصولوں کے مطابق وضاحت فرمائی جائے تا کہ اس شخص کے فتنے سے عوام الناس کو بچایا جا سکے۔

سائل عبداللہ میمن - میٹھادر کراچی

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

واضح رہے کہ ایمان کے لئے جس طرح توحید باری تعالیٰ اور رسالت کی تصدیق ضروری ہے اسی طرح قرآن کریم اور احادیث رسول جو کہ قرآن کی تشریح ہے اور انبیاءِ سابقین اور دیگر آسمانی کتابوں اور ضروریات دین پر ایمان رکھنا بھی ضروری ہے جو شخص قرآن کی کسی آیت یا کسی آیت کے مفہوم کا انکار کرے یا دیگر آسمانی کتابوں کا انکار کرے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے علاوہ اور کوئی آسمانی کتاب نازل نہیں فرمائی یا معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کا معراج نہیں ہوا چونکہ یہ چیزیں قرآن کریم اور نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں اس لئے ان میں سے کسی ایک کا انکار کرنا کفر ہے ایسا عقیدہ رکھنے والا دین کا داعی تو کجا مسلمان بھی نہیں بلکہ کافر اور دین کا دشمن ہے۔

استفتاء میں مذکورہ شخص کے جن عقائد کی نشاندہی کی گئی ہے اگر یہ شخص واقعۃً اس قسم کے عقائد کا پیرو کار ہے اور یہ کہتا ہے کہ تورات وانجیل کوئی الگ کتاب نہیں اور نا ہی یہ کتابیں حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئیں بلکہ قرآن کے وصفی نام ہیں اور قرآن پاک کو بغیر وضو کے چھونے کو جائز سمجھتا ہے یا معراج رسول کا انکار کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کا معراج نہیں ہوا تو اس قسم کے عقائد رکھنے والا شخص قرآن کی نصوص صریحہ اور احادیث متواترہ وصحیحہ کا منکر ہے اور یہ شخص کافر وملحد اور اسلام کا دشمن ہے اگر یہ شخص خود کو اسلام کا داعی بتلاتا ہے اور اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اس قسم کی کفریات کی تعلیم دیتا ہے تو مسلمانوں کی غیرت ایمانی کا تقاضہ ہے کہ اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے صدا بلند کریں اور غیرت ایمانی کا ثبوت دیں مسلم حکمرانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس فتنہ کا قلع قمع کریں اور اسلام کا لیبل لگا کر کفر والحاد کی تعلیم دینے والے اور گمراہی کی تبلیغ کرنے والے کو عبرت ناک سزا دیں۔

مذکورہ بالا عقائد کے بطلان پر قرآن واحادیث کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

۱- سائل نے استفتاء میں جن عقائد کی نشاندہی کی ہے ان میں سے پہلا عقیدہ قبلہ اول بیت المقدس کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے:

قد نری تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلۃ ترضھا فول وجھک شطر المسجد الحرام (البقرۃ: ۱۴۴)

''ہم آپ کے منہ کا (یہ) بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں اس لئے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کریں گے جس کے لئے آپ کی مرضی ہے پھر اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کیا کیجئے''۔

مذکورہ آیت کے شان نزول پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے:

عن ابن عباسؓ قال: کان النبی ﷺ اذا سلم من صلاته الی بیت المقدس رفع راسه الی السماء فانزل اللّٰہ فلنولینک ....الخ(۱)

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرتے ہوئے سلام پھیرتے تو آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت فلنولینک نازل فرمائی''۔

دوسری روایت میں ہے:

عن البراء ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم صلّی قِبَلَ بیت المقدس ستة عشر شهراً أو سبعة عشر شهراً وکان یعجبه قبلته قبل البیت وانه صلی صلاۃ العصر وصلی معه القوم فخرج رجل ممن کان یصلی معه فمر علی اھل المسجد وھم راکعون فقال اشھد باللّٰہ لقد صلیت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قبل مکة فداروا کما ھم قبل البیت .(۲)

''حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ یا سترہ ماہ تک

(۱) تفسیر ابن کثیر للحافظ عماد الدین (المتوفی: ۷۷۴ھ) -البقرۃ: ۱۴۴ - ۱/ ۲۵۳ -ط: قدیمی کراچی

(۲) تفسیر ابن کثیر - ۱/ ۲۵۴.

بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی اور آپ کو بطور قبلہ بیت اللہ شریف پسند تھا آپ نے عصر کی نماز ادا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھی نماز میں شریک تھے تو ان (صحابہ) میں سے ایک (صحابی) جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی اہل مسجد کے قریب سے گزرے وہ سب رکوع کی حالت میں تھے اور فرمایا میں اللہ تعالی کی شہادت دے کر (قسم کھا کر) کہتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابھی بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی تو تمام نمازی حضرات نے بیت اللہ کی طرف رخ کر لیا"۔

اسی طرح حضرت سعید بن المعلی، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت نویلہ بنت مسلم، عمارہ بنت اوس رضی اللہ عنہم وغیرہم کی روایات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ بیت المقدس اسلام کا اور اہل اسلام کا قبلہ تھا پھر بعد میں حکم خداوندی سے بیت اللہ کو قبلہ قرار دیا گیا۔

لہذا اگر کوئی شخص بیت المقدس کو قبلہ اول نہیں مانتا اور یہ کہتا ہے کہ بیت المقدس مسلمانوں کا کبھی قبلہ نہیں رہا ہے تو ایسا شخص قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور احادیث کا منکر ہے۔

(۲) تورات اور انجیل آسمانی کتابوں میں سے ہیں اسی طرح اور بھی آسمانی کتابیں جو اللہ تعالی نے اپنے پیغمبروں پر نازل فرمائی ان پر یقین کرنا جزء ایمان ہے جس کا تذکرہ ایمان مفصل میں بھی ہے نیز تورات وانجیل وغیرہ کا آسمانی کتاب ہونا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ ومتواترہ سے بھی ثابت ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہے:

ویعلمه الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل (ال عمران :۴۸)

"اور اللہ تعالی ان کو تعلیم فرمائیں گے کتاب اور سمجھ کی باتیں اور توارت وانجیل کی"۔

"سورہ الصّف" میں ہے۔

واذقال عیسی ابن مریم یٰبنی اسرائیل انی رسول اللّٰه الیکم مصدقاً لما بین یدی من التوراة ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمه احمد. (الصف : ۶)

"جب عیسی بن مریمؑ نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ

کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو تورات ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا میں ان کی بشارت دینے والا ہوں"۔

اہل یہود کے متعلق باری تعالی کا ارشاد ہے:

وکیف یحکمونک وعندھم التوراۃ فیھا حکم اللہ ثم یتولون من بعد ذلک وما اولئک بالمومنین (المائدۃ: ۴۳)

"اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے پھر اس کے بعد پھر جاتے ہیں اور یہ لوگ ہرگز اعتقاد رکھنے والے نہیں"۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق باری تعالی نے قرآن میں فرمایا:

واتینا داود زبورا (النساء: ۲۱۴)

"اور ہم نے داؤد کو زبور دی تھی"۔

یہ چند حوالہ جات جو قرآن سے نقل کئے گئے وگرنہ آیات واحادیث اتنی کثرت سے ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے اب اگر کوئی شخص قرآن واحادیث سے ثابت شدہ واضح عقیدہ کو غلط قرار دے تو اس کے کفر میں کسی قسم کا تردد نہیں۔

(۳) قرآن کریم اللہ تعالی کا پاک کلام ہے ناپاکی کی حالت میں (خواہ بے وضو کی حالت میں ہو یا جنابت اور ناپاکی کی حالت میں) ہاتھ لگانا جائز نہیں، باری تعالی کا ارشاد ہے،

لایمسه الاالمطھرون (الواقعۃ: ۷۸)

"اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے"۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ **مطھرون** سے مراد حدث اور جنابت سے پاک لوگ ہیں جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے:

وقال آخرون (لایمسه الاالمطھرون) ای من الجنابة والحدث (۱)

---

(۱) تفسیر ابن کثیر —الواقعۃ: ۷۹—۴/ ۳۸۰—ط: قدیمی کراچی

اسی طرح امام ابوداؤد نے اپنے ''مراسیل'' میں یہ روایت ذکر کی ہے،

ان رسول الله ﷺ قال لایمس القرآن الا طاهر (۱)

''حضور ﷺ نے فرمایا پاک آدمی کے علاوہ قرآن کو کوئی ہاتھ نہ لگائے''۔

یہ چاروں ائمہ کا فیصلہ ہے کہ بغیر وضو کے قرآن کو چھونا جائز نہیں ملاحظہ ہو، ''**الفقه علی المذاهب الاربعة**''۔(۲)

(۴) جس شخص کی یہ سوچ ہو کہ دین میں کسی قسم کی تقلید اور پیروی کی ضرورت نہیں اور وہ شخص اہل اجتہاد میں سے نہ ہو اور مجتہدین کی شرائط اس میں موجود نہ ہوں اور وہ اپنی ناقص و بے لگام عقل کو قرآن اور دین سمجھنے کا مدار قرار دے تو ایسے شخص کے گمراہ ہونے کے لئے یہی سوچ کافی ہے۔

(۵) جو شخص یہ دعوی کرتا ہے کہ قرآن سمجھنے کے لئے حدیث یا تفسیر کی ضرورت نہیں بلکہ لغت کی کتاب کو دیکھ کر قرآن کا مفہوم سمجھا جا سکتا ہے اور اس پر عمل کیا جا سکتا ہے تو یہ پرلے درجے کا گمراہ شخص ہوگا کیونکہ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی قرآن کے مفہوم و معنی کو اپنے مبارک الفاظ میں بیان فرمایا جس کو حدیث رسول کہتے ہیں اسی طرح صحابہ کرامؓ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل اور ہر کیفیت کا مشاہدہ فرمایا انہوں نے قرآن وسنت کو جس طرح سمجھا اس طرح دوسرا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

قرآن کریم میں باری تعالی نے ارشاد فرمایا:

ومانزلنا علیک الکتاب الالتبین لهم الذی اختلفوا فیه (النحل: ۶۴)

''اور ہم نے اتاری تجھ پر کتاب اسی واسطے کہ کھول کر سنا دے تو ان لوگوں کو وہ چیز جس

---

(۱) مراسیل ابی داؤد عن ابی بکر بن عمرو بن حزم قال کان فی کتاب رسول الله یعنی هذا " انه لا یمس القران الا طاهر" ص۸-ط: ایچ ایم سعید.

وکذا فی مشکوٰة المصابیح -باب مخالطة الجنب وما یباح له .ص،۵۰.

(۲) الفقه علی مذاهب الاربعة لعبدالرحمن الحریری- کتاب الطهارة-مباحث الوضوء-المبحث الثانی فی حکم الوضوء ......الخ - ۱/۴۷-ط: مکتبة حقیقة ترکیا.

میں جھگڑ رہے ہیں''۔

اسی طرح دیگر آیات سے واضح ہے کہ باری تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کا مفہوم ومعانی بیان کرنے والا قرار دیا اگر لغت کی کتاب دیکھ کر قرآن کا سمجھنا ممکن ہوسکتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کرنے کا حکم صادر نہ ہوتا اور صحابہ کرام تو اہل زبان تھے ان کو تو لغت دیکھنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔

مگر صورتحال تو یہ بھی دیکھنے میں آئی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی آیات کا مفہوم بیان نہ فرماتے تو بعض دفعہ صحابہ کرام کو بھی اس کا مفہوم سمجھنے میں مغالطہ ہوجاتا۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب روزہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی اللیل (البقرة:۱۸۷)

''اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آئے تم کو سفید دھاری سیاہ دھاری سے پھر پورا کرلو روزہ کو رات تک''۔

تو ایک صحابی نے اس ایت کے الفاظ،الخیط الابیض ،اور الخیط الاسود ،کا لفظی مفہوم سمجھ کر رات کو اپنے تکیہ کے نیچے سیاہ اور سفید دو دھاگے رکھ دئے اور جب صبح ہوئی تو دیکھنے لگے کہ دونوں دھاگے ایک دوسرے سے ممتاز نظر آتے ہیں یا نہیں؟

یعنی انہوں نے اس قدر روشنی کو سحری کا آخری وقت سمجھ لیا تھا پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے ان کو سمجھایا کہ دراصل آیت کا یہ مفہوم نہیں جو تم نے سمجھا بلکہ اس میں ''حیط ابیض'' سے مراد دن کی روشنی اور ''حیط اسود'' سے مراد رات کی تاریکی ہے۔

یہ تو ایک مثال تھی بلکہ اگر قرآن سمجھنے کا مدار کتب لغت کو قرار دیا جائے تو اس کے لئے دین سمجھنا تو دور کی بات اس کے ایمان اور اعمال کا جنازہ نکل جائے گا مثلاً نماز کے لئے قرآن میں لفظ صلوۃ استعمال ہوا اور روزہ کے لئے صوم،حج کے لئے حج اور زکوۃ کے لئے زکوۃ،اب اگر کوئی صلاۃ کا معنی لغت میں تلاش کرے گا تو اس کو متعدد معانی نظر آئیں گے دعا،درود،رحمت وغیرہ (داخل ہونا تحریک صلوین) اسی طرح صوم کا معنی لغت میں روکنا ملے گا۔

اب اگر کوئی حدیث وتفسیرِ صحابہ کونظر انداز کر کے لغت کا معنی لیتا ہے اور نماز کے بجائے تھوڑی سی دعا کر لیتا ہے یا روزہ کے حکم پر تھوڑا سا اپنے نفس کو روک لیتا ہے تو پھر نہ اس کی نماز رہی اور نہ ہی روزہ، یہی حال حج وزکوۃ اور دیگر ارکان اسلام کا ہوگا، اس قسم کی سوچ رکھنے والا دین پر عمل کرنا تو کجا دین کو بگاڑنے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

(۲) اسی طرح معراج کے بارے میں باری تعالی کا ارشاد ہے:

سبحٰن الذی اسری بعبده لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی (الاسراء: ۱)

''وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گیا''۔

مذکورہ آیت میں واضح الفاظ میں موجود ہے کہ اللہ تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام یعنی بیت اللہ سے مسجد اقصی یعنی بیت المقدس (جو کہ معراج کے سفر کا آغاز ہے) کی سیر کرائی جب کہ معراج کی پوری تفصیلات کتب احادیث (بخاری، مسلم، نسائی، مسند احمد، بیہقی، اور دیگر کتب احادیث) میں موجود ہیں اور اجلہ صحابہ ان احادیث کے راوی ہیں۔(۱)

جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب حضرت ابوھریرۃ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، جابر بن عبد اللہ حذیفہ بن الیمان سعید بن مالک شداد بن اوس رضی اللہ عنہم اجمعین شامل ہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری -کتاب الصلوة -باب کیف فرضت الصلوة- ۱/ ۵۰ -ط: قدیمی.

صحیح مسلم -کتاب الایمان -باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم - ۱/ ۹۱ -ط: قدیمی.

سنن نسائی -کتاب الصلوة -باب فرض الصلوة - ۱/ ۷۶.

مسند احمد للإمام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ ھ) -مسند عبداللہ بن عباس -رقم الحدیث: ۲۳۲۴ - ۲/ ۲۲ - رقم الحدیث: ۲۸۲۰ ص ۲۵۱. -۲۸۲۲ ص ۲۵۳ - ۳۱۷۹ ص ۳۶۸ -ط: دار الحدیث القاهرة مصر.

شعب الایمان للبیهقی -فصل فی إدامة ذکر الله -رقم الحدیث: ۶۵۷ - ۱/ ۴۴۳ -ط: دار الکتب العلمية بيروت.

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد حرام سے بیت المقدس کی سیر کرنا یہ نص قطعی سے ثابت ہے اس کا انکار صریح کفر ہے۔

لہٰذا جو شخص مذکورہ بالا عقائد کا پیروکار ہے تو ایسا شخص مسلمان نہیں بلکہ کافر اور ملحد ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس قسم کے عقائد کا پرچار کرنے والے شخص کے خلاف صدائے حق بلند کریں اور حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر کفر کی تعلیم دینے والے اور گمراہی پھیلانے والے کو لگام دیں اور اس فتنہ کا قلع قمع کریں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	کتبہ
محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہ	محمد عبدالقادر

بینات- ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

تنظیم فکر ولی اللّٰہی کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس تنظیم کے بارے میں جو مسمّٰی بہ تنظیم ''فکر ولی اللّٰہی'' ہے یہ تنظیم مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا نام لے کر عوام کے اندر چند مخصوص نظریات وعقائد کا پرچار کر رہی ہے، ان عقائد کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱- کفار کے متعلق عقیدہ:

''روسی ان معنوں میں لادینی نہیں جن معنوں میں ہم لادینی کو لیتے ہیں، ہم لادینی سے بالعموم یہ مراد لیتے ہیں کہ جس کے سامنے کوئی نصب العین نہ ہو، جو کسی مثبت اخلاقی قدر کو نہ مانتا ہو، جس کی زندگی محض اپنی سادی اور سفلی خواہشات ہوں، روسی ان معنوں میں ہرگز ہرگز لادینی نہیں، اس لئے کہ ان کے اپنے انسانی نصب العین اور اپنی اخلاقی قدریں ہیں''۔(۱)

دوسری جگہ فکر ولی اللّٰہی کے سرپرست اعلیٰ جناب شاہ سعید احمد رائے پوری صاحب خطاب فرماتے ہیں:

''کہ اسلام کا حملہ ظلم پر ہوتا ہے، مذہب پر نہیں، اگر انسانیت کی بھلائی کی تڑپ کافر ومشرک میں ہے تو اللہ اس سے خوش ہوتا ہے۔''(۲)

۲:- مسلمانوں کے بارے میں عقیدہ:

''کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ وہ دین جو صحیح معنوں میں ساری انسانیت کا دین تھا، اور وہ کتاب جو کل نوعِ انسانی کی ہدایت کی علمبردار تھی، اور وہ ملت جس نے

(۱) افادات وملفوظات-ص:۲۰۳۔	(۲) فکری رسالہ ''عزم''-ص:۱۴-سیریز:۱۷۰۔

سب قوموں کوایک بنایا، اور جس کا تمدن ساری انسانیت کی ''باقیات صالحات'' کا مرقع تھا، وہ دین، وہ کتاب، وہ ملت اور اس کا تمدن ایک فرقے کی جاگیر بن گیا ہے''۔(۱)

یعنی فکریوں کے نزدیک مقصد اس کلام سے یہ ہے کہ اس وسعت پذیر دور میں جبکہ ملک ملٹی کلچر سوسائٹی میں تبدیل ہورہا ہے، اسلام صرف مسلمانوں کے طبقہ کی جاگیر بنا ہوا ہے یہ ایک بہت بڑا ظلم ہے، اسلام کو مسلمانوں کے اس ظلم سے آزادی دلانے کی ضرورت ہے۔

۳:-وحی کے بارے میں ان کی رائے:

''جس قوم کا یہ عقیدہ ہو کہ علم کا آخری قطعی ویقینی ذریعہ صرف وحی ہے اور وحی میں عقل کو کوئی دخل نہیں ہے، اس قوم کا کیا بنے گا؟ میں اس کے مستقبل سے خائف ہوں۔''(۲)

اس پیراگراف میں بڑے دوٹوک پیرائے میں واضح کردیا گیا ہے کہ نبوت یا وحی آخری وقطعی ذریعہ نہیں ہے، جواقوام اس پر انحصار کریں ان کی تباہی یقینی ہے۔

یہ تو وحی کے بارے میں عقیدہ سے متعلق نظریہ تھا، لیکن ان کے ہاں تو وحی کی حقیقت وکیفیت ہی کچھ اور ہے، ملاحظہ ہو:

''وحی میں بھی بعض بلکہ اکثر مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے وحی کو بالکل الگ مانتے ہیں، اور ان کے ہاں وحی کے الفاظ ومعانی نبی کی ذات سے ماوراء تھے اور حکماء کا گروہ اس بارے میں از دل خیزد بر دل ایزد (دل سے اٹھتی اور دل پر نازل ہوتی ہے) کا قائل ہے۔''(۳)

۴:......ملائکہ کے بارے میں:

اولاً سب سے پہلے ملائکہ کے سردار جبرئیل کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے کہ وہ کوئی حقیقت نہیں، بلکہ وہ اپنی نفسیاتی چیز ہے، یعنی یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول (نعوذ باللہ) من جانب اللہ

---

(۱) فکریوں کی نصابی کتاب ''شعور وآگہی''-ص:۲۱ (۲) افادات وملفوظات-ص ۸۷ (۳) حوالہ سابقہ ص ۲۷۹

نہ تھا بلکہ اپنا اختراع تھا، ملاحظہ ہو:

''جبرئیل جو انبیاء کو نظر آتے ہیں اور خدا کی طرف سے وحی لاتے ہیں، وہ حقیقت جبرئیلیہ ہے جو انبیاء کی قوتوں میں سے ایک قوت کا نام ہے، یہی قوت صورت بن کر عالم مثال میں انبیاء کو محسوس ہوتی ہے، اور خدا کی طرف سے قاصد بن کر پیغام لاتی ہے، تو انبیاء اپنے آپ سے ہی مستفید ہوتے ہیں نہ کسی اور سے، جو کچھ ان کو نظر آتا ہے وہی ہے، جو ان کے خزانہ میں مخزون تھا۔''(۱)

اور عام ملائکہ کے بارے میں بھی ان کی رائے مختلف ہے۔اس کے لئے ملاحظہ ہو:

''والملائکہ: یعنی اللہ کی نیک طاقتیں خواہ آسمان پر ہوں، خواہ زمین پر، یعنی فرشتہ منش اور فرشتہ سیرت لوگ اس بات کو مانتے ہیں کہ اس کے سوا اور کوئی مذہب بین الاقوامی قانون نہیں بن سکتا''

(اور اسی کے حاشیہ میں ہے)

''کہ ملائکہ کے مصداق نیک سیرت لوگ ہیں''(۲)

۵:-قرآن کے بارے میں عقیدہ کہ بے سوچے سمجھے قرآن پڑھنا شرک و بت پرستی ہے:

''میں یہ بات برملا طور پر نہیں کہا کرتا، لیکن میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص قرآن کو سمجھے بغیر پڑھتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ اس طرح پڑھنے سے اسے ثواب حاصل ہوگا، وہ بت پرستوں سے کم نہیں، ایک نے بت کو خدا بنالیا اور ایک نے کتاب کو خدا مانا، بت بھی ساکت اور جامد ہے، اسی طرح یہ کتاب بھی۔اس کے لئے ایک بت ہی ہے، کیونکہ وہ اسے سمجھتا نہیں اور بغیر سمجھے اس کو پڑھتا ہے، اب تم ہندوؤں کو تو بت پرست کہتے ہو، اور اپنی طرف دیکھتے نہیں، حالانکہ بت پرستی میں تم اور وہ یکساں ہو، قرآن تفکر و تدبر کے لئے اُترا ہے''۔(۳)

(۱) افادات وملفوظات-ص:۲۲۸

(۲) تفسیر ''مقام محمود''-ص:۶۵۳

(۳) افادات وملفوظات-ص:۳۰۲،۳۰۳

۶:- جنت ودوزخ کے بارے میں عقیدہ کہ یہ نفسیاتی کیفیت کا نام ہے:

''یہ جہنم جس میں یہ سرمایہ پرست ڈالا جائے گا، عجیب مقام ہے، اس کی حقیقت سے انسان ابھی اچھی طرح واقف نہیں ہے، اس میں جس آگ سے واسطہ پڑے گا وہ انسان اپنے ساتھ اس دنیا سے لے جاتا ہے، جس طرح بدن انسانی کے اندر صفرأ، سودأ، بلغم وخون چار خلطیں ہیں اور ان کی خرابی (سرانڈ) سے بدن کے اندر حرارت پیدا ہوجاتی ہے، جس سے انسان کا جسم جھلس جاتا ہے، ایسے ہی انسان کے نسمی جسم (Nicmic Body) میں جو اس مادی جسم کے اندر پرورش پارہا ہے انسان کے برے اخلاق اور برے اعمال کے نتائج جمع ہورہے ہیں، وہ مختلف قسم کے زہریلے مادے جو انسان میں اکٹھے ہورہے ہیں، جب یہ انسان جہنم میں جائے گا وہاں وہ خاص قسم کے آگ کے ذخیروں کے پاس سے گزرے گا تو جس قسم کی آگ سے متاثر ہوسکتا ہے، اس قسم کی آگ سے متاثر ہوکر اندر ہی اندر بھڑک اُٹھے گا، اور اس کی سوزش درونی کا اثر نسمۃ انسانی پر ظاہر ہوگا، چنانچہ سورت الہمزہ میں اس آگ کی طرف ان لفظوں میں ارشاد کیا گیا ہے: **نار الله الموقدة. التی تطلع علی الافئدة. انها علیهم مؤصدة. فی عمد ممدة. (الایة لسورة الهمزة)**''۔(۱)

۷:- جنت ودوزخ دائمی نہیں ہے:

''مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال راسخ کیا گیا کہ جنت میں جنتی اور دوزخ میں دوزخی ہمیشہ رہیں گے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی حکیم اس بات کو برداشت نہیں کرسکتا۔''(۲)

۸:......حوض کوثر کے بارے میں انکا عقیدہ:

''حوض کوثر سے مراد یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس

---

(۱) قرآنی شعور وانقلاب-ص:۳۸۲،۳۸۳۔

(۲) تفسیر ''مقام محمود''-سورۂ بقرۃ-ص۲۳۲۔

مبارک پر تجلی اعظم سے جو ہدایت نازل ہوئی اور آپ کے قوی کے ذریعہ سے دنیا میں پھیلی وہ حوض کوثر کی مثالی شکل میں ظاہر ہوگی اور اس حوض میں جو پانی پینے کے برتن ہوں گے، وہ تمام مسلمانوں کی قبول کردہ ہدایت ہوگی، جو برتنوں کی شکل میں ظاہر ہوگی، اس عالم میں خدا کے خاص مقرب بندوں کو چشمہ تسنیم سے پانی پلایا جائے گا، یہ پانی کیا ہوگا؟ یہ مجردات، ادراک سے حاصل شدہ عقلی لذات ہوں گی جو پانی کی شکل میں انہیں پلائی جائیں گی، ظاہر ہے کہ یہ تشبہات ہر قوم کے لئے مختلف ہوں گی، یعنی ایک ہی نیک عمل ایک قوم کے لئے ایک شکل اختیار کرے گا اور دوسری کے لئے دوسری۔'' (۱)

''تسنیم کیا ہے؟ عطیہ مقربین آب چشمہ تسنیم باشد کہ تمثال لذات عقلیہ است کہ از ادراک مجردات آید۔'' (۲)

۹:- سجدۂ آدم سے انکار:

جمہور علماء کرام کا عقیدہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا تھا، مگر جیسے کہ قرآن میں بھی ہے: ''فسجد الملئكة كلهم اجمعون'' لیکن فکری لوگوں کا عقیدہ ہے کہ صرف زمینی فرشتے سجدہ گزار ہوئے تھے، ملاحظہ ہو:

''**وليس المراد بالملئكة هنا جميع الملئكة كما يتبادر الى الذهن وانما المراد هم الملأ السافل فقط**''.(۳)

مفہوم یہ ہے کہ آیت میں فرشتوں سے تمام فرشتے مراد نہیں جیسے کہ یہ ظاہر سے سمجھ میں آتا ہے، بلکہ صرف زمینی فرشتے مراد ہیں۔

''الجنة التى كان يسكنها آدم و زوجه كانت جنة ارضية''

''یعنی آدم وحوا زمینی جنت میں رہائش پذیر تھے''۔ (۴)

(۱) قرآنی شعور وانقلاب - ص: ۲۵۳ (۲) حوالہ سابقہ - ۳۱۴

(۳) الہام الرحمٰن - ۱/۹۱ (۴) حوالہ سابقہ

۱۰:......شفاعت کے بارے میں عقیدہ:

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اگر چہ ہم گنہگار ہیں لیکن کلمہ طیبہ پڑھنے کی وجہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری شفاعت فرمائیں گے، لیکن فکری احباب نے سرے سے ایسی شفاعت کا ہی انکار کیا ہے، ملاحظہ ہو:

"فقوله لا يقبل منا شفاعة: عندنا الشفاعة بالاذن انما هى نتيجة اعمال الانسان فنفى الشفاعة يكون على ظاهره". (۱)

مفہوم یہ ہے کہ شفاعت بالاذن صرف اور صرف انسان کے اعمال کا نتیجہ ہے، پس آیت: "**لايقبل منها شفاعة**" میں شفاعت کی نفی ظاہر وعموم پر مبنی ہے۔

مزید برآں فکری احباب کے نزدیک عقیدۂ شفاعت وعقیدۂ کفارہ اخلاق کو برباد کردیتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

"وتحريف معنى الشفاعة يفسد اخلاق الانسان لان المسئولية الشخصية هى اساس الاخلاق كل ماجاء به المتشرعون من الكفارة والشفاعة وغيرها مردود بنص هذه الاية". (۲)

ان کا ایک اور عقیدہ اسی کے تحت ہے کہ شفاعت کے ضمن میں حدیث کو بھی تسلیم نہ کیا جائے، چنانچہ "الہام الرحمٰن" میں لکھتے ہیں:

"ولا يسأم الرجل الحصيف الفطين من تاويل الروايات الصحيحة الواردة على خلاف مفهوم الأية الى مفهومها وتطبيقها وانى احب ان يكون طالب العلم متثبتاً فى ذلك فان لم يكنه تاويل تلك الروايات فليتوقف من قبولها ولا يجوز له ان يبطل مفهوم هذه الأية بوجه من الوجوه فانها من المحكمات التى لا تتبدل ما دامت

---

(۱) حوالہ سابقہ-۱/۱۰۶ (۲) حوالہ سابقہ

السمٰوات والارض". (۱)

''مفہوم یہ ہے کہ وہ تمام صحیح روایات جو اس آیت کے مفہوم کے خلاف وارد ہیں، سنجیدہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ آیت کے مفہوم کے تحت لائیں اور میری دلی خواہش ہے کہ طلبہ اس بابت ثابت قدم رہیں، اگر وہ ان روایات کو تطبیق نہ دے سکیں تو رد کردیں، مگر نظریہ شفاعت کو نہ مانیں''۔

۱۱:- داڑھی اور سوشلزم کے بارے میں عقیدہ:

فکریوں کے ہاں داڑھی یہ ایک قدیم رسم ہے، کوٹ، پتلون اور ہیٹ نیشلزم اور سوشلزم، وقت کے تقاضے ہیں، فکریوں کے سرخیل پروفیسر محمد سرور، مولانا سندھی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''سیاست میں یورپی طرز کی قومیت اور اقتصادیات میں سوشلزم کو اپناؤ، عالمگیر انقلاب آیا چاہتا ہے، سیاسی اور اقتصادی انقلابات کے ساتھ ساتھ اس کے لئے ہمیں اپنی معاشرت میں انقلاب کی ضرورت ہوگی، مولانا سندھی نے اپنے اسی خطبہ میں کوٹ پتلون اور ہیٹ پہننے کو سراہا، داڑھی اور خاص وضع قطع کو ہم نے جو مقدم بنالیا ہے اسے غلط ٹھہرایا ہے''۔ (۲)

۱۲:- شہادت کو استحصال اور تباہی کا ذریعہ قرار دینا:

''افغانستان کے سوشلسٹ انقلاب کے بعد تو جیسے پاکستان کے آلہ کار مذہبی حلقوں کو سیدھے سادے اور مخلص نوجوانوں کو ''جنت'' بھیجنے کے نام پر استحصال کا ایک سنہری موقع ہاتھ آگیا'' اگر چہ خود اس جنت کے حصول کی تمنا ان جماعتوں کے لیڈروں کے دل میں کم ہی پیدا ہوئی۔'' (۳)

۱۳:- نماز، روزوں کے باوجود مسلمان مرتد ہیں:

''وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو سمجھا اور اس میں یہ بات پائی تو ان میں سے

---

(۱) الہام الرحمٰن-۱/۱۰۶ (۲) افادات وملفوظات-ص ۱۲۱

(۳) فکری رسالہ ''عزم''-ص ۷-سیریز: ۱۷۳

اکثر پیچھے ہٹ کر فقط نماز وروزہ وغیرہ اچھے اخلاق کی تلقین پر قناعت کرکے بیٹھ گئے، انہیں چاہئے تھا کہ وہ قرآن حکیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر غور کرتے اور آگے بڑھنے کا راستہ نکالتے، مگر یہ لوگ لڑائی کا نام تک نہیں سن سکتے، اگر یہ لوگ اس بات پر اڑے رہیں اور ظلم کو دور کرنے کے لئے جنگ نہ کریں، یا کم سے کم اس کی تیاری نہ کریں، اور اس کا راستہ صاف نہ کریں، تو قرآن حکیم کی زبان میں وہ مرتد ہیں گویا وہ اپنے نماز، روزے کے باوجود اسلام کو چھوڑے ہوئے ہیں"۔(۱)

۱۴:- افغان جہاد ایک ڈرامہ کھیلا گیا اور طالبان غیر ملکی ایجنٹ ہیں:

"افغانستان روسی تسلط سے نجات حاصل کرنے کے نام پر چھ لاکھ افغانیوں کی شہادت پیش کرچکا ہے، روس کو بھگانے کے بعد افغانی برسر اقتدار گروپ اور حزب اختلاف گروپ کی باہمی کشمکش میں کتنے مسلمان ہلاک ہوگئے ہیں؟ صرف کرسی اقتدار کو بچانے اور حاصل کرنے کے لئے یہ ڈرامہ کھیلا گیا"۔

نیز آگے چل کر لکھتے ہیں:

"طالبان کے پس پردہ کئی ملکوں کی پشت پناہی، ان کے پاس چالیس لاکھ روپے کی پجاروگاڑیاں، ٹینک، میزائل اور بمبارمنٹ کے لئے طیارے کہاں سے آگئے ہیں؟ خود پاکستان' طالبان کی مدد کررہا ہے۔ سابق وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر کا رابطہ رہا، کیا پاکستان اسلام کے لئے طالبان کی مدد کررہا ہے؟ بہر حال طالبان کا خواب ابھی ادھورا ہے"۔(۲)

۱۵:- پاکستان کے دینی مدارس کے لوگ جاہل ہیں:

"ہمارے دینی مدارس پرانا نصاب پڑھا رہے ہیں، ہمارے اکثر فارغ التحصیل علماء اسلامی معیشت سے بالکل کورے ہیں، صرف اسلام کی شرعی سزاؤں کو غلط

---

(۱) قرآنی شعور وانقلاب-ص۴۷۰

(۲) فکری رسالہ "عزم"-ص:۹-سیریز:۱۵۴

رنگ میں پیش کرکے عوام الناس کو دین سے دور کیا جارہا ہے''۔ (۱)

۱۶:-آج کی مساجد ''مسجد ضرار'' کی شاخیں ہیں:

''آج کوئی مسجد ہے جو سچا معاشرہ پیدا کرنے کی کوشش کررہی ہے؟ کوئی مسجد ہے جو دیانتداری پیدا کرنے اور کفر وظلم کا معاشرہ ختم کرنے کی کوشش کررہی ہے؟ کوئی مسجد ہے جو حقوق انسانی کی محافظ ہو؟ عمارت، سنگ مرمر کے فرش اور بڑے میناروں کا نام مسجد نہیں ہے، آج کی مسجد غلام اور یتیم ہے، جو جہنم کی آگ نہیں بجھا سکتی، یہ مسجد کیا ہے؟ اس مسجد کو تو برے اخلاق نے مغلوب کرلیا''۔ (۲)

اسی مذکورہ مضمون کے تحت آگے چل کر کہا:

''مسجدیں گونگی ہوگئیں، شعور سے خالی ہیں، ان پڑھ لوگ دو رکعت کے امام بنے بیٹھے ہیں''۔ (۳)

پھر آگے چل کر کہا:

''میرے بھائی! اس طرح جھوٹے پیروں اور مولویوں کے دھوکوں کی وجہ سے تو تباہی آئی، کیونکہ ہماری مساجد کے اندر نظریہ نام کی کوئی شئے نہیں، اس لئے طاقت نہیں اور فروعی مسائل میں الجھ رہے ہیں، فرقے فرقے بن گئے اور سمجھتے ہیں کہ دین کا کام کررہے ہیں، معاشرہ تباہ ہورہا ہے، قتل وغارت کی فضاء قائم ہے، ڈاکے اور رشوت عام ہے اور تم مسائل میں اُلجھے ہوئے ہو، اور ہر جگہ ''مسجد ضرار'' کی شاخ بنا رکھی ہے''۔ (۴)

۱۷:-مقصد کے ذرائع پر زور دینا خود مقصد کو فوت کردیتا ہے:

''اب صرف ظاہری چیزوں یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج پر زور دیا جارہا ہے، گویا یہ بھی فرائض ہیں، مگر اصلی غرض (انقلاب اور سپر پاور کا خاتمہ) جو تھی وہ فوت

(۱) حوالہ سابقہ-ص ۷ (۲) فکری رسالہ ''عزم''-ص ۱۲-سیریز: ۱۶۶

(۳) حوالہ سابقہ-ص: ۱۳ (۴) حوالہ سابقہ-ص: ۱۵

ہورہی ہے،غرض اب ذرائع پرتو زور دیا جارہا ہے اور مقصد کا نام نہیں لیا جاتا،اسی کا نام ہے سچ میں جھوٹ ملادینا،یعنی قرآن کی آیت: **ولا تلبسو الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون.** الایۃ کا یہی مطلب ہے“۔(۱)

۱۸:-حیات عیسیٰ، یہودی اور صابی من گھڑت کہانی ہے:

”یہ جو حیات عیسیٰ لوگوں میں مشہور ہے، یہ یہودی کہانی، نیز صابی من گھڑت کہانی ہے، مسلمانوں میں فتنہ عثمان کے بعد بواسطۂ انصار بنی ہاشم یہ بات پھیلی اور یہ یہودی اور صابی تھے“۔(۲)

۱۹:-امام مہدی کا ظہور اور عیسیٰ کے نزول کا عقیدہ اسلامی نہیں:

مہدی کے ورود اور عیسیٰ کے نزول کا عقیدہ نہ تو اسلامی ہے اور نہ محققین کا، مثلاً صاحب مواقف وغیرہ کی کتب میں انکا تذکرہ ہوا ہے۔ملاحظہ ہو:

”و......علی ھذا ان المحققین من الاشاعرة لم یعدوا نزول المسیح واتیان المھدی من جملة ما یجب اعتقادھا علی اھل السنة ولم یذکرھما صاحب المواقف“. (۳)

۲۰:-مہدی اور عیسیٰ کے متعلق واضح موقف کے باوجود انکار:

امام مہدی وحضرت عیسی علیہ السلام کے متعلق فکریت کا موقف بالکل واضح ہے، ان کی درجنوں کتابوں میں اس طرح کے خیالات موجود ہیں، مگر جب وہ عوامی حلقوں میں آجاتے ہیں تو سخت قسم کا تقیہ کرتے ہیں، جبکہ حقائق کی تفصیل خود ان کی کتابوں میں مذکور ہے، ملاحظہ ہو:

”شاہ ولی اللہ دراصل مہدی کے آنے کے عقیدے کو ختم کرنا چاہتے تھے، اور بالواسطہ انہوں نے ایسا کیا تھا“۔(۴)

---

(۱) المقام المحمود-۱/۳۳۷ (۲) الہام الرحمٰن-۱/۱۴۰

(۳) حوالہ سابقہ-۲/۵۴ (۳) افادات وملفوظات-ص:۳۵۱

۲۱:-موجودہ جہاد ایک وحشیانہ، جارح اور متشدد عمل ہے۔

عالم کفر کو چیلنج کرنے والے سرفروش مجاہدین کے جہادی عمل کو فکریوں کی نظر میں ملاحظہ فرمایئے:

''فریضہ جہاد کے موضوع پر ناصر عبدالعزیز ناظم نشریات صوبہ پنجاب نے کہا کہ آج کے رسمی مذہب کی وجہ سے جہاد کو انتہائی متشدد نظریئے کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے، جس کی وجہ سے امت مسلمہ کو جارح اور تشدد پسند امت کہا جارہا ہے..... قتال ایک حکمت عملی ہے جو وقت اور حالات کے پیش نظر تبدیل ہوتی رہی ہے، قتال مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے، جو نظام کے بعد اس کے تحفظ کے لئے ہوتا ہے''۔ (۱)

۲۲:-حدیث کا انکار:

حدیث وحی مستقل نہیں ہے بلکہ پیغمبر کی ذہنی اختراع اور اجتہاد ہے، حدیث کو وحی بناکر قرآن کی تحقیر کی گئی ہے، ملاحظہ ہو:

''واسس قانون السیاسیة الاجتماعیة فی الامور تدبیر المنزل علی اکمل قانون واو فراتقان ولکن البلاء الذی وقع فیه المسلمون فی تدبرهم وانهم ما حصروا الوحی فی القرآن وما جعلوا اتباع هذا الکتاب فرضا علی النبی وما فهموا ان کلما عمل به النبی علیه الصلوة والسلام انما کان مستنبطا من القرآن و مستخرجا فحدث فی علمهم الفرضیة فانهم کلما رأو روایة ثابتة او ضعیفة جعلوها آخر مستنداتهم فی امورهم''. (۲)

قرآن میں اجتماعی سیاست کے تناظر میں تدبیر منزل کے اساسِ قوانین بدرجہ اتم واوفر دیئے تھے، مسلمان اپنی فہم وفراست کے لحاظ سے ایک مصیبت میں پڑ گئے، اور وہ یہ کہ انہوں نے وحی کو قرآن میں منحصر نہیں سمجھا، قرآن کی متابعت، رسول پر لازمی وضروری نہیں گردانی، اور وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ پیغمبر جس چیز پر عمل کرے وہ

(۱) فکری رسالہ ''عزم''-ص۱۰-سیریز:۱۷۴ (۲) الہام الرحمٰن-۱/۲۶۶

قرآن سے مستنبط اور مستخرج تھی (یعنی وہ قرآن سے استخراج کرتے) اسی وجہ سے کہ مسلمانوں نے وحی کو قرآن میں منحصر نہیں سمجھا ان کے افکار و خیالات اور علوم میں انتشار اور لامرکزیت پیدا ہوگئی، جب بھی وہ کوئی روایت دیکھتے ہیں تو اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں، اوراس کو اپنی آخری سرحد سمجھ لیتے ہیں۔

۲۳:۔ حدیث کوقرآن جیسے ماننے والے تحریف میں مبتلا ہیں:

''حدیث قرآن کے حواشی ہیں، جولوگ حدیث کوقرآن کی طرح مانتے ہیں، وہ تحریف میں مبتلا ہیں، تمام مسلمانوں کے نزدیک اصل دین صرف قرآن ہے، احادیث قرآن کے لئے حواشی اور شرح کے درجہ میں ہے، اسی طرح منطق، صرف، علم معانی، بیان اور اصول فقہ اور حدیث سب کے سب وسائل اور ذرائع قرآن ہیں، مگر مسلمانوں نے ان چیزوں کومقصد بنالیا ہے، اورقرآن چھوڑ دیا ہے، البتہ ایک گروہ جوتعداد میں بہت کم اور شاہ ولی اللہ کے متبعین (فکری) ہیں۔ صرف وہ اس مرض سے مستثنیٰ ہیں، اور مرض کتمان حق اور تلبس حق بالباطل ہے''۔(۱)

یہ مندرجہ بالا عقائد تنظیم فکر ولی اللّٰہی کی مستند کتابوں سے ماخوذ ہیں، جنکا تذکرہ ان کی تنظیمی کتاب ''نکات وارشادات'' میں موجود ہے، جس میں اس تنظیم کے نصاب کی تفصیل مع مآخذ کے بیان کی گئی ہے، اور جن کتابوں کا تذکرہ ''نکات وارشادات'' میں نہیں ہے وہ کتابیں بھی ان کے خاص مرکزی حضرات کی تصانیف ہیں اوران کتابوں پران کے مذہبی رہنماؤں نے تقریظات بھی لکھی ہیں۔

نیز ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے جواس تنظیم سے وابستہ ہو، اوران کو اپنا بزرگ سمجھتا ہو، اوراس تنظیم کی طرف لوگوں کودعوت دیتا ہو؟

ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

اور ایسا شخص اگر مسجد میں امام ہے تو اس کوفوراً مسجد سے نکالا جائے یا نہیں؟

سائل: منتظمہ کمیٹی جامع مسجد دیوان عمر فاروق-ایف سی ایریا کراچی

---

(۱) الہام الرحمٰن-ص:۱۰۲

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

واضح رہے کہ اتحاد و یگانگت اسلام کی اولین ترجیحات میں شامل ہے، اسلام جماعتی بندھن اور اجتماعیت کو مضبوط سے مضبوط ترین دیکھنا چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو خودروی کی بجائے اجتماعیت کا درس دیتا ہے، اور خیر و برکت کا باعث اسی کو قرار دیتا ہے کہ مسلمان اپنے ہمنواؤں کی جمعیت سے وابستہ رہے، کسی پروگرام میں نصرت خداوندی کا ذریعہ و باعث بھی یہی ہے اور اسی کو راہِ راست پر ہونے اور گمراہی سے محفوظ ہونے کی نشانی و دلیل قرار دیا ہے، اور امت مسلمہ کے جم غفیر کو اتباع، تابعداری اور معیت کا مدار و معیار ٹھہرایا گیا ہے، چنانچہ کتب حدیث میں اس مضمون کی بے شمار احادیث موجود ہیں، منجملہ ان کے مشکوٰۃ شریف کی یہ چند احادیث ہیں:

"ان اللہ لا یجمع امتی او قال امة محمد علی ضلالة، و ید اللہ علی الجماعة ومن شذ شذ فی النار (رواہ الترمذی)". (۱)

"اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار. رواہ ابن ماجة". (۲)

اس کے ساتھ ساتھ حالات و زمانے کے تغیرات کے ساتھ امت مسلمہ کے جماعتی و نظریاتی انتشار و افتراق کی صورت میں اس انتشار و افتراق کے حل اور دین کی تفہیم و تشریح کے لئے اسلاف کو معیار قرار دیا ہے:

"من کان مستناً فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تومن علیه الفتنه......الحدیث". (۳)

ان اسلاف میں اولین درجہ صحابہ کرام کا، پھر طبقہ وار جن ہستیوں سے ہمیں دین پہنچا ہے، وہ شامل ہیں، دین کی تفہیم و تشریح میں مدار و معیار ان ہی واسطوں اور طبقوں کو بنانا چاہئے نہ کہ اپنی ناقص فہم وادراک

(۱) مشکوۃ المصابیح -باب الاعتصام بالکتاب والسنة -الفصل الثانی - ۱/ ۳۰.

(۲) حوالہ بالا - ۱/ ۳۲.

(۳) حوالہ بالا -الفصل الثالث -ص: ۳۲

کی تراشیدہ تعبیرات واصلاحات کو، کیونکہ اس میں صحت سے زیادہ غلطی کا احتمال وامکان بلکہ یقین ہے، اور ہمارے اسلاف یعنی علماء حق علماء دیوبند کا مذاق، ومزاج بھی یہی ہے۔

ماضی کے حالات ومشاہدات سے ثابت ہے کہ دین داری اور بے دینی کو پرکھنے کے لئے یہی کسوٹی استعمال ہوتی رہی ہے، آج تک دین داری کے بھیس میں جوافکار ونظریات سامنے آتے رہے ہیں، ان کی جانچ پرکھ کے لئے امت مسلمہ کے جم غفیر کی معیت اور اسلاف کی اتباع جیسے زریں اصول کوملحوظ رکھا جاتا رہا ہے، اوراسی کی بنیاد پر کسی نظریہ وفکر پرحکم لگایا جاتا رہا ہے۔

اسی نوعیت کا مسئلہ ''تنظیم فکرولی اللہی'' کے بارے میں کچھ عرصہ سے زیربحث ہے۔عوام وخواص کے درمیان مختلف سوالات وجوابات کا ایک سلسلہ چل رہا ہے، بعض اہل علم کی طرف سے تنظیم کے بارے میں مثبت ومنفی جوابات بھی سامنے آتے رہے مگر ''تنظیم'' چونکہ حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ جیسے دنیاء علم کے سلاطین کے علاوہ رائے پور کی عظیم انقلابی خانقاہ کوبطور ڈھال استعمال کرتی رہی ہے، یا چند مرحوم بزرگ ہستیوں کے نام ہائے گرامی کی آڑ میں نظریاتی پناہ حاصل کرنے کی کوشش کرتی چلی آرہی ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ تنظیم سے متعلق قابل اعتراض باتوں کی جب بھی تنظیم کی طرف نسبت کی گئی تو ''تنظیم'' سے وابستہ حضرات نے تحریری یا زبانی طور پر انکار وتردید کی راہ اختیار کی، جس کے باعث ''تنظیم فکرولی اللہی'' کے بارے میں فتویٰ کے طور پر ٹھوس مؤقف اختیار کرنے میں اصولی پیچیدگیاں پیدا ہوتی رہیں۔

لیکن اب بعض احباب کی تگ ودو سے ''تنظیم'' کے نظریہ وفکر پر مشتمل کچھ ایسا مواد سامنے آیا ہے جس سے بظاہر انکار یا تردید کرنا مشکل ہے۔

جیسا کہ استفتاء میں موجود ہے کہ جومواد یکجا کیا گیا ہے یہ ان مستند کتابوں کے اقتباسات ہیں جو کتابیں تنظیم کے پروگرام پر مشتمل فکری ونظریاتی تربیت کے لئے بطور نصاب تجویز کی گئی ہیں، ان میں سے بعض قابل اعتراض کتابیں وہ بھی ہیں جن پر تنظیم کے اکابر وذمہ داران کی تصدیقات وتوثیقات ثبت ہیں۔ اس بناء پر استفتاء میں ذکر کردہ حوالہ جات کو بنیاد بنا کر تنظیم کے بارے میں رائے قائم کی جاسکتی ہے۔

تاہم استفتاء میں مذکور حوالوں میں سے بعض قابل تاویل بھی ہیں، اور بعض کو بہتر یا صحیح محمل پر حمل کیا جاسکتا ہے، لیکن بعض وہ ہیں جن کی تاویل مشکل ہے، مثلاً نمبر ۵ میں بلا سمجھے قرآن کریم پڑھنے اور اس پر

ثواب کی اُمید کو ہندوانہ بت پرستی کی مانند قرار دیا ہے، جو کہ حدیث شریف سے متصادم ہے، حدیث شریف میں بلا سمجھے پڑھنے کو بھی باعث اجر و ثواب قرار دیا گیا ہے۔(۱)

''نمبر ۶'' میں جنت و دوزخ کو نفسیاتی کیفیت سے تعبیر کرنا بھی شریعت کے مطابق نہیں، بلکہ اہل سنت والجماعت، جنت و دوزخ کے وجود کو حق و لازم مانتے ہیں، اس کی صراحت عقائد کی تمام کتابوں میں موجود ہے۔(۲)

''نمبر ۷'' پر نصابی تفسیر ''المقام المحمود'' کے حوالے سے جنت و دوزخ کی ہمیشگی و خلد کا صریح انکار ہے، جو قرآن کریم کی کئی آیات کے خلاف ہے۔(۳) (یہ تفسیر ذمہ داران کی تقریظ کی حامل ہے)۔

''نمبر ۸'' میں آبِ کوثر کو مجردات ادراک سے حاصل شدہ عقلی لذات قرار دینا حدیث و آثار سے ثابت شدہ عقیدہ سے انحراف ہے۔(۴)

''نمبر ۱۰'' میں شفاعت کو عقیدہ کفارہ کی مانند ظاہر کرتے ہوئے اخلاق کی بربادی کا باعث قرار دیا حالانکہ یہ قرآن وسنت سے ثابت شدہ حقیقت کے انکار کو مستلزم ہے جو کہ بہت بڑی جسارت ہے۔(۵)

''نمبر ۱۶'' میں عصر حاضر کی مساجد کو مسجد ضرار قرار دینا، شعائر اسلام کی اہانت کو مستلزم ہے، جو

---

(۱) الصحيح لمسلم- باب فضيلة حافظ القرآن -۱/۲۶۹- ط: قديمی .

(۲) شرح العقائدالنسفية للعلامة سعد الدين التفتازانی -ص ۱۵۵- ط: قديمی كراتشی .

كتاب شرح الفقه الاكبر للإمام الأعظم -بحث في الجنة والنار وانهما مخلوقتان اليوم خلافا للمعتزلة -ص ۱۶۵- ط: دار الكتب العلمية بيروت.

(۳) قوله تعالىٰ: ﴿وعد الله المنافقين والمنافقات والكفار نار جهنم خالدين فيها﴾ (التوبة: ۶۸)

وقوله تعالىٰ: ﴿وعد الله المؤمنين والمومنت جنات تجرى من تحتها الانهر خالدين فيها﴾ (التوبة ۷۲)

(۴) صحيح البخاری- كتاب الحوض -باب قول الله انا اعطيناك الكوثر -۲/۹۷۴ .

كتاب شرح الفقه الأكبر -بحث أن حوض النبي حق -ص: ۱۶۴- ط: دار الكتب العلمية بيروت.

(۵) كتاب شرح الفقه الأكبر -بحث في ان الشفاعة من الأنبياء والصالحين حق -ص ۱۵۹ .

عقیدۃ کے طور پر ہوتو موجب کفر ہے۔(۱)

''نمبر ۱۸'' میں حیات عیسیٰ جیسے مسلّم عقیدہ کو یہودی وصابی من گھڑت کہانی کہنا قرآنی نظریہ سے بغاوت ہے۔(۲)

''نمبر ۱۹'' میں ظہور مہدی اور نزول عیسیٰ کے عقیدہ کو غیر اسلامی کہنا اہل سنت کے عقائد سے کھلم کھلا انحراف ہے۔(۳)

''نمبر ۲۲'' میں حدیث کو مستقل وحی نہ ماننا جبکہ قرآن کریم نے نبی (علیہ الصلوۃ والسلام) کے ہر قول کو وحی قرار دیا ہے اور فرمایا ہے: ''وما ینطق عن الھوی. ان ھو الا وحی یوحی.'' (النجم: ۳،۴)

غرضیکہ جو باتیں مذکورہ بالا حوالہ جات کی رو سے تنظیم کی طرف منسوب کی گئی ہیں، ان میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں، یہ نظریات اہل سنت والجماعت کے عقائد ونظریات کے برخلاف ہیں، اور ''تنظیم'' کے لئے ان کی تردید یا انکار بھی مشکل ہے، کیونکہ یہ ساری کتابیں تقریباً وہی ہیں جو ان کے نصاب میں شامل ہیں، یا نصاب کے لئے مآخذ ومرجع کی حیثیت رکھتی ہیں، اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض قابل اعتراض حوالہ جات والی کتابیں جن پر تنظیم کے اکابر کی تقاریظ بھی موجود ہیں، جو بطور ثبوت کے، زبانی کلامی باتوں یا دستی تحریروں کی بجائے زیادہ معتبر وموثوق ہیں۔ اگر ان کتابوں کی تغلیط کی جائے تو پھر شامل نصاب کرنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ نصاب میں ایسی غلط کتابیں کیسے شامل کی گئیں؟ پھر جن فکری اکابر نے ان کتابوں پر تقاریظ تحریر فرمائی ہیں، ان کتابوں سے لاتعلقی یا انکار کیسے ممکن ہے؟

---

(۱) شرح کتاب الفقه الأكبر –فصل فی القراءة والصلوة– ص ۲۷۸ –ط: دار الكتب العلمية.

(۲) كما ورد فی قوله تعالىٰ: ﴿وقولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله وماقتلوه وماصلبوه ولكن شبه لهم﴾ (النساء: ۱۵۷)

(۳) كتاب لوائح الأنوار البهية وسواطع الاسرار الاثرية لشرح الدرة المضية فی عقد الفرقة المرضية للعلامة محمد بن احمد السفارينی –حرف الميم –المهدی المنتظر– ۲/ ۷۹،۸۰– ط: المجلة المنار الاسلامية مصر.

و ايضا –حرف العين –نزول المسيح – ۲/ ۸۹.

بنا بریں ''فکری تنظیم'' اپنے مذکورہ خیالات و نظریات اور مخصوص تعبیرات و اصلاحات میں سواداعظم (امت مسلمہ کے جم غفیر) اور علماء حق سے جداگانہ روش اختیار کئے ہوئے ہے، ان کے کئی نظریات و خیالات اہل سنت والجماعت سے جدا ہیں، اس لئے یہ لوگ اہل سنت والجماعت سے عملاً واعتقاداً لاتعلق ہیں، کیونکہ جس طرح مؤمن ہونے کے لئے یہ تو ضروری ہوتا ہے کہ جملہ ایمانیات پر ایمان لائے، جبکہ ایمان سے تہی دامن ہونے کے لئے ضروریات دین میں سے کسی ایک چیز کا انکار بھی کافی ہوتا ہے۔(۱)

بعینہ اسی طرح اہل سنت والجماعت میں داخل ہونے کے لئے لازم تمام اعتقادات کا ماننا ضروری ہے اور اہل سنت والجماعت سے خارج ہونے کے لئے اہل سنت والجماعت کے مسلّمہ عقائد میں سے ایک کا انکار بھی سنی مسلمان کو اہل سنت سے الگ کر دیتا ہے۔

اس لئے ''تنظیم فکرولی اللٰہی'' سے وابستگان اپنے افکار و نظریات کی رو سے اہل سنت والجماعت کی بجائے ایک نوخیز ونوایجاد گروہ ہے، ان کا طرز عمل علماء حق علماءِ دیوبند کے طریقہ کار سے میل نہیں کھاتا، اس لئے علماء دیوبند کے پیروکاروں کے لئے اس تنظیم میں شامل ہونا ناجائز ہے، اس تنظیم کے بزرگوں کو اپنا بزرگ سمجھنا ان کی بھول ہے، اس تنظیم کی طرف دعوت دینا علماء دیوبند اور اہل سنت سے بغاوت ہے، اس نو ایجاد (مبتدع) گروہ سے تعلق رکھنے والے شخص کی اقتدا میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے، ایسا شخص اگر مذکورہ تنظیم سے برأت و بیزاری کا اظہار نہ کرے تو منصب امامت کے اعزاز کا مستحق نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	کتبہ
محمد عبدالمجید دین پوری	رفیق احمد بالاکوٹی

بینات- ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ

(۱) فتاوی شامی -مطلب مایشک فی انه ردة لایحکم بها...... ۴/ ۲۲۴. ط: ایچ ایم سعید.

شہادت حسین میں یزید کا کردار

سوال: امام حسین کی شہادت میں یزید کا ہاتھ تھا یا نہیں؟

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

یہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یزید کا ہاتھ تھا یا نہیں؟ تھا تو کتنا تھا؟ مگر یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے گورنر کی فوج نے شہید کیا۔ اور یزید نے اس کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی۔ بلکہ اس گورنر کو مقرر ہی کیا گیا تھا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے، اب یہ فیصلہ خود کر لیجئے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی کوئی ذمہ داری یزید پر آتی ہے یا نہیں۔

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

بینات - ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ

نماز کے بعد صلوٰۃ وسلام

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ: آج کل عموماً مساجد میں نماز جمعہ کے بعد اور اس کے علاوہ اور اوقات میں صلوۃ وسلام پڑھنے کا رواج ہے۔ کیا اس کا ثبوت کتاب اللہ یا احادیث رسول ﷺ یا خیر القرون سے ہے؟ واضح رہے کہ صلوۃ وسلام نہ پڑھنے والوں کو مورد اعتراض ٹھہرایا جاتا ہے۔ فقط

المستفتی، حاجی معشوق الٰہی صاحب، کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

اس امت مرحومہ پر خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات بے حد و بے حساب ہیں۔ آپ نے کفر وشرک کی نجاست وغلاظت سے پاک کیا، اللہ تک پہنچنے کا صحیح راستہ امت کو بتلایا۔ انسان کی فلاح وکامیابی کا نسخۂ کیمیا بلاکم وکاست اس تک پہنچایا، ہدایت وضلالت کا فرق واضح کیا، اور ایک ایسا ابدی نظام حیات عطا فرمایا جس پر چل کر امت دنیا کی کامیابی اور آخرت کی فلاح وکامرانی حاصل کرسکتی ہے۔ وغیر ذلک۔

ایسے محسن کے احسانات کا بدلہ نہ دینا بہت بڑی ناشکری اور ناسپاسی تھی۔ لیکن امت کس طرح بدلہ دے سکتی ہے؟ اور کس طرح اس سے عہدہ برآ ہوسکتی ہے؟ اس مقصد کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود وسلام بھیجنے کا حکم فرمایا، درود شریف حقیقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات عظیمہ کا اقرار اور آپ کی ذات اقدس سے اپنے تعلق کا اظہار اور آپ کے احسانات کا بدلہ نہ دے سکنے کا اعتراف ہے اسی لئے قرآن کریم میں اس کا حکم دیا گیا ہے،(۱) احادیث نبویہ (علی صاحبها الصلاۃ

(۱) ان اللہ وملئکته یصلون علی النبی یا ایها الذین اٰمنوا صلوا علیه ......الایة(الاحزاب: ۵۶)

والسلام) میں اس کے فضائل وبرکات بیان کئے گئے (۱) اور درود نہ بھیجنے والوں کی مذمت کی گئی ہے (۲) احادیث، اس باب میں کثیر ہیں، فقہاء امت نے اس کے مستقل احکام بیان کئے ہیں۔

فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ جب بھی آپ کا نام نامی زبان پر آئے درود شریف پڑھنا واجب ہے۔

قال الطحاوی: تجب کلما ذکر، وجعل فی التحفة قول الطحاوی اصح، وهو المختار (۳)

والمعتمد من المذهب قول الطحاوی کذا ذکره الباقلانی. (۴)

اس کے علاوہ عمر میں ایک مرتبہ صلوٰۃ وسلام پڑھنا فرض ہے، نماز میں سنت اور عام اوقات میں بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو، مستحب ہے۔ (۵)

الغرض درود شریف پڑھنا بڑی نیکی کا کام اور بہت فضیلت وبرکت کی چیز ہے، البتہ اعمال حسنہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اسی وقت قبول ہوں گے جب کہ ان کو اس طریقہ پر انجام دیا جائے جو طریقہ جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور ائمہ مجتہدین (رحمہم اللہ تعالیٰ) سے ثابت ہے، اگر اس طریقہ سے تجاوز کیا گیا اور خود ساختہ طریقے ایجاد کئے گئے، اسی طرح اعمال کے درجات، ایجادِ بندہ کے طور پر مرتب کئے گئے تو بجائے اجر وثواب کے حبط اعمال وگناہ کا اندیشہ ہے۔ دیکھئے نماز کس قدر اہم عبادت ہے جس کی فرضیت دین کا ایک رکن ہے لیکن اگر کوئی شخص نماز کو ان اوقات میں پڑھے جن

---

(۱) مشکوة المصابیح –باب الصلوة علی النبی صلی الله علیه وسلم– ۸۶/۱ –ونصه: "من صلی علی واحدا صلی الله علیه عشرا".

(۲) حواله سابقه –ونصه: "رغم انف رجل ذکرت عنده فلم یصل علیّ".

(۳) صغیری شرح منیة المصلی لإبراهیم بن محمد الحلبیؒ –صفة الصلوة –ص ۱۷۶ –ط: میر محمد

(۴) رد المحتار علی الدر المختار –آداب الصلوة–مطلب هل نفع الصلوة عائد للمصلی الخ – ۵۱۷/۱.

(۵) الدر المختار شرح تنویر الأبصار لعلاء الدین محمد الحصکفیؒ (م ۱۰۸۸ھ)، – ۵۱۸/۱–

وعبارته: "فتکون فرضاً فی العمر وواجباً کلماذکر علی الصحیح...... وسنة فی الصلوٰة ومستحبة فی کل اوقات الامکان".

کی ممانعت حدیث میں بیان کی گئی ہے یا بجائے پانچ نمازوں کے چھ نمازیں قرار دے لے بتلایئے ایسے شخص کو کیا کہا جائے گا؟۔

''اتباع سنت''، اعمال حسنہ کی روح ہے اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک اتباع سنت سب سے زیادہ محبوب چیز تھی اور اس میں تھوڑی سی بھی تبدیلی کو یہ حضرات بہت بڑی معصیت اور سنگین جرم شمار کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ رکھے۔ یعنی یہ امر ضروری نہ سمجھے کہ امام کے لئے سلام کے بعد داہنی طرف بیٹھنا ضروری ہے۔ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو بائیں طرف بیٹھتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ حدیث اس طرح ہے:

عن عبد الله بن مسعود رضی اللّٰہعنه قال: لایجعلنّ احدکم للشیطان شیئاً من صلا ته یری حقاً.......الخ(۱)

اس کے ذیل میں علامہ طیبیؒ شارح مشکوٰۃ المصابیح لکھتے ہیں:

وفیه ان من اصر علی امر مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعة و منکر؟ (۲)

اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کسی امر مستحب کو ضروری سمجھے اور رخصت پر عمل نہ کرے تو شیطان کا داؤ اس پر چل گیا (کہ شیطان نے اسے گمراہ کردیا) جب کسی مستحب کو ضروری سمجھنے کا یہ حکم ہے تو اندازہ لگاؤ کہ کسی بدعت یا منکر کو ضروری سمجھنے والے کا کیا حال ہوگا۔

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ: اگر کوئی حکم سنت یا بدعت ہونے کے درمیان دائر ہو تو ترک سنت راجح ہوگا فعل بدعت کے مقابلے میں۔ چنانچہ ''درمختار'' میں ''**باب مکروهات الصلاۃ**'' میں لکھا ہے:

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح -باب الدعاء فی التشهد-الفصل الاول- ۱/ ۸۷.

(۲) شرح الطیبی -باب الدعاء فی التشهد- ۲/ ۳۷۴-ط: ادارۃ القرآن کراتشی.

مرقاۃ المفاتیح - ۲/ ۳۵۳ -مکتبه امدادیه ملتان.

وقلب الحصا للنهی الّا لسجوده التام فیرخص مرةً وترکها اولی ،قال الشامی قوله وترکها اولی: لانه اذاتردد الحکم بین سنةٍ وبدعةٍ کان ترک السنة راجحاًعلی فعل البدعة .(۱)

فقہاء کرامؒ نے اس امر پر بار بار تنبیہ کی ہے کہ عوام کسی غیر فرض کو فرض نہ بنالیں،

قال فی الفتح: وقیده فی التحفة بکونه علی وجه لایعلم العوام ذلک کی لایعتاد واصومه فیظنه الجهال زیادة علی رمضان.(۲)

واضح رہے کہ کسی غیر فرض کو فرض سمجھنا اوراس کے نہ کرنے والے پرنکیر واعتراض کرنا بدعت ہے اور بدعت کاارتکاب کرنا اسلام میں بدترین معصیت ہے۔اعاذنا الله منها

جمعہ کی نماز کے بعداس طرح صلاۃ وسلام پڑھنا جس کا آج کل بعض مساجد میں رواج ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اورتابعین اورائمہ کرامؒ کسی سے ثابت نہیں،حضرت عبداللہ بن مسعودرضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کومسجد میں بلند آواز سے درود پڑھتے ہوئے دیکھاتو آپ نے ان کومسجد سے نکال دیااورفرمایا میں تم کوبدعتی سمجھتاہوں،حدیث اس طرح ہے:

عن ابن مسعودرضی الله تعالیٰ عنه انه أخرج جماعةً من المسجد یهلّلون ویصلّون علی النبی صلی اللّٰهعلیه وسلم جهراً وقال لهم ماأراکم الامبتدعین (۱)واخرجه الدارمی فی مسنده(۴) .فقط واللّٰهاعلم

کتبہ:ولی حسن ٹونکی

بینات-ربیع الآخر۱۳۸۶ھ

---

(۱) الدرالمختارمع ردالمحتار -کتاب الصلوة -باب مکروهات الصلوة-مطلب اذا تردد الحکم بین سنّةوبدعة......الخ - ۱/ ۶۴۲.

(۲)ردالمحتارعلی الدرالمختار-کتاب الصوم -مبحث فی صوم یوم الشک-۲/ ۳۸۳.

(۳)رد المحتار علی الدر المختار -کتاب الحظر والاباحة-فصل فی البیع -۶/ ۳۹۸.

(۴) سنن الدارمی - للإمام عبدالله بن عبدالرحمن الدارمی (متوفی ۲۲۵ھ)- باب فی کراهیة أخذ الرأی- ۱/ ۶۸ - ط: دار احیاء السنة النبویة .

''فرمان مصطفوی'' کے نام سے شائع شدہ اشتہار کا حکم

مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی کے دارالافتاء میں پاکستان اور بیرونی ممالک سے استفتاء موصول ہوتے رہتے ہیں جن میں مسلمانوں کے معاشرتی مسائل میں شریعت اسلامی کی رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ان فتاویٰ اور فقہی احکام کی افادیت کو عام کرنے کی غرض سے ''بینات'' میں ان کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے تاکہ قارئین بہ سہولت ان احکام سے واقفیت اور رہنمائی حاصل کرسکیں۔اس سلسلہ کا پہلا استفتاء ایک ایسے فتنہ سے متعلق ہے جو ایک عرصہ سے مسلمانوں میں پھیلایا جارہا ہے اور ہر شہر وقصبہ میں تقریباً ہر پڑھے لکھے مسلمان کو اس سے سابقہ پڑتا رہا ہے۔''مدیر'' (۱)

خلاصۂ استفتاء:

وصیت نامہ ''فرمان مصطفوی'' کے عنوان سے ایک اشتہار مدینہ منورہ کے کسی شیخ احمد کی طرف سے اس کے حلفیہ بیان کے ساتھ وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں شیخ احمد کو ہدایت فرمائی ہے:

(۱) میری اُمت کو نیک اعمال کی تلقین کرو (وصیت نامہ میں کچھ نیک اعمال کا ذکر کیا گیا ہے)۔

(۲) آثار قیامت کے تذکرہ اور ان سے خوف دلانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ جو کوئی اس وصیت نامہ پر ایمان لائے گا اور نقل کرکے یا چھپوا کر اس کو پھیلائے گا اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت، جنت اور دنیا میں مال ودولت کی فراوانی، مرادوں میں کامیابی اور قرض ادا ہونے کی نعمتیں حاصل ہوں گی اور حضور، ان باتوں کے ذمہ دار ہوں گے۔اور جو اس پر ایمان نہیں لائے گا وہ آخرت میں شفاعت رسول اور رحمت الٰہی سے محروم رہے گا اور دنیا میں بھی وبال وعذاب میں گرفتار ہوگا۔

---

(۱) مذکورہ فتوی ماہنامہ بینات میں شائع شدہ فتاوی میں سب سے پہلے فتوی ہے۔(مرتب)

دریافت طلب یہ ہے کہ اس وصیت نامہ کے متعلق شرعی نقطۂ نظر کیا ہے؟

(۱) کیا اس وصیت نامہ پر ایمان لانا ضروری ہے؟ اور اس کو فرمان مصطفوی کی اہمیت دی جاسکتی ہے؟

(۲) کیا اس پر ایمان موجب شفاعت اور باعث رحمت الٰہی ہے اور اس کو نہ ماننا وبال وآفات کا سبب ہوسکتا ہے؟

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

یہ وصیت نامہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر سراسر بہتان اور افتراء ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی ایسی بات کو منسوب کرنا جس کو آپ نے نہ کہا ہو سخت گناہ ہے۔ اس پر شدید وعید بیان کی گی ہے۔ ارشاد ہے:

من كذب عليّ متعمداً فليتبوأ مقعده من النار

''جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔

اس حدیث کو تقریباً تیس صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے بیان فرمایا ہے۔ اس لئے علماء امت نے اسکو اسناداً (باعتبار سند) متواتر کہا ہے۔(۱)

یہ وصیت نامہ عرصہ پچاس سال سے مختلف عنوانوں کے ساتھ شہروں قصبوں اور گاؤں میں تقسیم ہوتا رہا ہے اور علماء حق نے ہمیشہ اس کے خلاف فتویٰ دیا اور اس کو دجل وتلبیس اور افتراء کا نمونہ قرار دیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی دار العلوم دیوبند مولانا عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ موجود ہیں۔(۲)

---

(۱) عمدة القاری – کتاب العلم – باب من کذب علی النبی ﷺ – ۲/۲۳۷ – ط: دار الکتب العلمية بيروت – ونصه: اعلم أن حديث " من كذب علی " في غاية الصحة ونهاية القوة، حتى أطلق عليه جماعة انه متواتر ...... فحكى الإمام أبوبكر الصيرافي في شرحه "لرسالة الشافعي" انه روى عن أكثر من ستين صحابيا مرفوعا وقال بعض الحفاظ انه روى عن اثنين وستين صحابيا وفيهم العشرة المبشرة وقال لايعرف حديث اجتمع على روايته العشرة المبشرة إلا هذا ......الخ.

(۲) کفایت المفتی از مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ – پندرھواں باب متفرقات – ۱/۳۶۸ – ط: دارالاشاعت کراچی

وجہ اس کی یہ ہے کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اکثر وبیشتر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں غلط ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ توبہ کا دروازہ بند ہونے والا ہے۔ جو شخص اس وصیت نامہ کو ایک شہر سے دوسرے شہر بھیجے گا وہ دولت سے مالا مال ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ مسلمانوں کے پاس بحمد اللہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایات موجود ہیں اور دین بصورت قرآن وحدیث موجود اور محفوظ ہے۔ پھر ان کو کیا پڑی ہے کہ اس قسم کے مجہول وصیت ناموں پر عمل کریں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح وصیت نامہ آپ کی احادیث مبارکہ ہیں۔ انہی پر عمل کرنے میں دین ودنیا کی سعادتیں مضمر ہیں۔

علاوہ ازیں یہ وصیت نامہ شیخ احمد خادم کے نام سے چھپوایا جاتا ہے۔ حضرات علماء کرام کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ پچاس سال کے عرصہ میں اس نام کا کوئی خادم مسجد نبوی میں نہیں رہا۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں عیسائی مشینریز کی شرارت ہے۔ عیسائی مشینریز اسلام کی شدید ترین دشمن ہیں۔ مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے میں انہوں نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اُمراء وحکام اور تعلیم یافتہ حضرات کو دوسرے راستوں سے گمراہ کرتے ہیں اور عوام اور ناخواندہ طبقہ کو فرقہ وارانہ آویزش اور اس قسم کے نام نہاد وصیت ناموں سے گمراہ کرتے ہیں۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان دین اسلام سے مایوس ہوجائیں اور سمجھ لیں کہ اب تو توبہ کا دروازہ بھی بند ہونے والا ہے لہٰذا اب ہمارے لئے (العیاذ باللہ) اسلام میں کیا رکھا ہے۔ اس کے بعد عیسائیوں کو موقع مل جائے گا کہ عیسائیت میں نجات ہے ہمارے یہاں توبہ کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ ہمارے یہاں گناہ معاف کرانے کا سستا نسخہ موجود ہے۔ وہ یہ ہے کہ مرتے وقت پادری کے کان میں اپنے سب گناہ کہہ دیئے جائیں۔ سب گناہ معاف ہوجائیں گے۔

اسی طرح اس وصیت نامہ میں جو کہا گیا ہے کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ساٹھ ہزار آدمی مرے جن میں سے کوئی ایمان دار نہ تھا۔ یہ بھی سراسر جھوٹ ہے۔ اس میں بھی مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ (العیاذ باللہ) اسلام اب ایمان دار ہونے کا ضامن نہیں ہے۔ اگر تم ایمان دار ہونا چاہتے ہو تو عیسائیت کے تثلیثی دامن میں پناہ لو۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ مسلمانوں میں بدعملی عام ہے اور اس کے اسباب ظاہر و

باہر ہیں لیکن بایں بدعملی اب بھی مسلمان ہیں۔دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی بنسبت بہت زیادہ مذہب پرست ہیں۔ان میں آج بھی عقائد صحیحہ اور عمل صالح سے آراستہ لوگ بڑی کثرت سے موجود ہیں۔ ایسے نفوس قدسیہ اب بھی موجود ہیں جو اسوۂ رسول پر ٹھیک ٹھیک عمل پیرا ہیں۔عیسائیوں میں ایک بھی ایسا شخص نہیں ہے جو صحیح معنی میں عیسائی ہو۔مسخ شدہ عقائد۔شراب وخنزیر و بدکاری کی کثرت ان کی خصوصیات ہیں بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ مسلمان قوم کا وجود باعث بقائے عالم ہے تو وہ اسلامی تعلیمات کے پیش نظر غلط نہ ہوگا۔کیونکہ احادیث میں بتلایا گیا ہے کہ اس شخص اکبر یعنی دنیا کی روح ذکر الٰہی ہے۔ظاہر ہے کہ صحیح معنی میں ذکر الٰہی کرنے والے مسلمان اور صرف مسلمان ہیں۔

باقی رہا یہ امر کہ اس وصیت نامہ میں کچھ اچھی باتیں شامل کردی گئی ہیں۔مثلاً نماز پڑھو، عورتیں بے پردہ ہوگئی ہیں وغیرہ تو ان باتوں کو مسلمان اس وصیت نامہ کے بغیر بھی جانتے ہیں۔ان (عیسائی مشینریز) کا مقصد یہ ہے کہ کچھ صحیح باتیں بھی اس میں شامل کی جائیں تاکہ دجل وفریب میں آسانی ہو۔

الغرض یہ وصیت نامہ سراسر جھوٹ لغو اور بے اصل ہے۔اس کی اشاعت ہرگز نہ کرنا چاہئے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: ولی حسن ٹونکی

بینات-رجب ۱۳۸۵ھ

امام ابوحنیفہؒ اور عقیدۂ ارجاء

قطب حقیقت، ولی کامل، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں تہتر فرقوں کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے مرجئہ کا بھی ذکر کیا ہے، اوران (مرجئہ) میں اصحاب ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کو بھی شمار کیا ہے، جس سے بعض متعصب اور جذبات سے مغلوب غیر مقلدوں نے فائدہ اُٹھاتے ہوئے امام صاحبؒ کو مرجئہ کہا اور لکھا ہے جن میں ''حقیقت الفقہ'' کے مؤلف غیر مقلد عالم مولانا محمد یوسف جے پوری بھی شامل ہیں۔ آئندہ اوراق میں ہم انہی کی غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا صحیح مطلب بیان کریں گے۔ وباللہ التوفیق۔

نوٹ: آئندہ صفحات میں مؤلف ''حقیقت الفقہ'' کی عبارت ''م'' کے عنوان سے پیش کرکے ''الجواب'' سے اس کا جواب دیا جائے گا۔

موصوف، مقدمۂ ''حقیقۃ الفقہ'' ص۲۶ (۱) پر ''غنیۃ الطالبین'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

م: ''چوتھا گروہ مرجئہ کا جس کے بارہ فرقے حسب ذیل ہیں:

''عموماً یہ گروہ قائل ہے کہ جب کسی نے ایک بار کلمہ پڑھ لیا پھر اگرچہ سارے ہی گناہ کرے ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا۔ ایمان صرف قول کا نام ہے، اعمال ایمان سے خارج ہیں۔ وہ صرف احکام شریعت ہیں۔ لوگوں کا ایمان کم زیادہ نہیں ہوتا (عام لوگ نیک ہوں یا بد، فاسق ہوں یا فاجر) ان کا ایمان اور نبیوں اور فرشتوں کا ایمان ایک ہی ہے کم زیادہ نہیں، اگرچہ عمل نہ کرے''۔(۲)

---

(۱)حقیقة الفقه ص،۲۶

(۲)غنیة الطالبین للشیخ عبدالقادر جیلانیؒ - مترجم اردو، محمد صدیق ہزاروی - بعنوان، گمراہ فرقے (مرجئہ) ص۲۸۹ - ط: فرید بک اسٹال اردو بازار لاہور، سن طباعت ۱۹۸۸ء

مزید صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں:

"۶۱ فرقہ کا نام: الحنفیہ۔

پیشوا کا نام: ابوحنیفہ،نعمان بن ثابت۔

عقائد: ایمان صرف معرفت الٰہی اور اقرار کرنا ہے خدا اور رسول کا اور جو کچھ وہ خدا کے پاس سے لائے ہیں۔

اجمالی طور پر اسی طرح ذکر کیا، برہوتی نے"۔(۱)

الجواب: مولف کا مقصد تہتر فرقوں کی تفصیل ذکر کرنے سے صرف اس قدر ہے کہ وہ یہ ثابت کریں کہ حنفیہ بھی دیگر فرق ضالّہ کی طرح ایک گمراہ فرقہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی غرض سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا کہ حنفیہ فرقہ جو امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کے پیرو ہیں ان کا یہ عقیدہ ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

چونکہ حنفیہ کا ذکر مرجیہ فرقوں کے تحت کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ بھی مذہب ارجاء کے قائل تھے۔لیکن قبل اس کے کہ ہم امام صاحبؒ پر وارد شدہ اس اعتراض کا جواب دیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کی چابک دستی کی طرف اشارہ کردیں کہ وہ کس قدر ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے عبارت کا صحیح مطلب تک سامنے نہیں لاتے۔

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے "الملل والنحل" اور "غنیۃ الطالبین" کی اصل عبارتیں پیش کرنے کے بجائے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا ہے،اور وہ بھی اپنی فہم اور مرضی کے مطابق۔"غنیۃ" کی اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

"امـا الحنفية فهم بعض اصحاب ابى حنيفة النعمان بن ثابت زعـمـوا ان الايـمـان هـو المعرفة والاقرار بالله ورسوله وبما جاء من عنده جملة على ماذكره البرهوتى فى كتاب الشجرة".(۲)

(۱)غنية الطالبين (اردو)–بعنوان گمراہ فرقے(حنفیہ)–ص ۲۹۱–ط: فريدبک اسٹال لاهور.

(۲)غنية الطالبين ،ص ۲۳۰ ط:لاهور

''لیکن حنفیہ وہ بعض اصحاب ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ ہیں جنکا عقیدہ یہ ہے
کہ ایمان صرف معرفت (دل سے پہچاننے) اور (زبانی) اللہ اور اس کے رسول کا اور
جو کچھ وہ اس کے پاس سے لے کر آئے ہیں، اجمالی طور پر اقرار کا نام ہے۔ جیسا کہ
برہوتی نے ''کتاب الشجرۃ'' میں ذکر کیا ہے۔

لیکن مؤلف نے ترجمہ کرتے وقت ''کتاب الشجرۃ'' کا نام حذف کر دیا جو ''غنیۃ'' کا ماٰخذ ہے لہٰذا سب سے پہلے یہ بتایا جائے کہ ''برہوتی'' کون ہیں اور ان کی ''کتاب الشجرۃ'' معتمد بھی ہے یا نہیں؟ پھر ایک مجہول مصنف کی غیر معروف تصنیف کے حوالہ سے کوئی بات کیونکر ثابت ہوسکتی ہے۔

اس لئے کہ ''برہوتی'' اور اس کی ''کتاب الشجرۃ'' دونوں (ہماری معلومات کے مطابق) مجہول ہیں۔ اس کے علاوہ جب مؤلف ہر بات کی صحت کے لئے سند کا مطالبہ کرتے ہیں تو آخر امام اعظم رحمہ اللہ جیسی عظیم شخصیت پر ایک غلط الزام لگاتے وقت انہوں نے اس اصول کو کیوں نظر انداز کیا؟

اگر واقعی ''کتاب الشجرۃ'' اور اس کا مصنف معتمد علیہ تھا تو ان کا مفصل تذکرہ کر کے بقید صفحہ اس کا حوالہ دیکر......اصل کتاب کی عبارت مع سند پیش کر دی جاتی۔

جب ایسا نہیں کیا گیا تو واضح ہوگیا کہ یہ درحقیقت تعصب کے شکار کم ظرف حضرات کی طرف سے حقائق پوشی کی ناکام کوشش ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ''غنیۃ'' میں تو ''بعض اصحاب ابی حنیفۃ'' تحریر تھا، جس کا مطلب یہ ہے: کہ کچھ حنفی اس عقیدے کے حامل تھے''۔ ''مؤلف نے کمال دیانت داری سے ''بعض'' کا لفظ اُڑا کر تمام احناف کو اس میں شامل کر دیا اور اسکو امام صاحبؒ کا مذہب بنا دیا۔ ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

م: ابوحنیفہ نعمانؒ بن ثابت کوفی مقتدا ہیں۔ فرقہ حنفیہ کے اکثر اہل علم نے ان کو مرجئہ فرقہ میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ ایمان کی تعریف اور اس کی کمی و زیادتی کے بارے میں جو عقیدہ مرجئہ کا ہے انہوں نے بھی بعینہٖ وہی اپنا عقیدہ اپنی تصنیف فقہ اکبر میں درج فرمایا ہے۔ علامہ شہرستانی نے ''کتاب الملل والنحل'' میں بھی رجال المرجئہ میں حماد بن ابی سلیمان اور ابوحنیفہ اور ابو یوسف اور محمد بن حسن وغیرہم کو

درج کیا ہے۔(۱)اسی طرح ''غسان'' بھی جو فرقہ غسانیہ کا پیشوا ہے ابو حنیفہ کو فرقہ مرجئہ میں شمار کرتا ہے۔(۲) حاشیہ حقیقۃ الفقہ۔ص ۲۷

الجواب: مؤلف کا یہ قول کہ ''اکثر اہل علم نے انکو مرجئہ فرقہ میں شمار کیا ہے'' محض دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

اولاً: تو ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ اکثر اہل علم نے انکو مرجئہ کہا ہو اگر ایسی بات ہوتی تو مؤلف ایسے ''حلیم اور بردبار'' آدمی سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ان اکثر اہل علم کا نام لئے بغیر آگے گذر جائیں کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کی عداوت تو مؤلف موصوف کے رگ وریشہ میں پیوست ہو چکی ہے، چنانچہ انہیں امام صاحبؒ کے بارے میں جو کچھ بھی رطب ویابس، صحیح یا غلط ملا سب کو (بغیر جانچ پڑتال اور ردّ وقدح کے) اپنی تالیف میں درج کرتے جاتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ص۹۲ پر اسّی علماء کی نام بنام فہرست پیش کی ہے (جو اپنے وقت کے امام علامہ حافظ اور مجتہد پیشوا تھے) جنہوں نے امام صاحبؒ کو ناقص الحافظہ، حدیث کا کم جاننے والا، اس کی جانچ پرکھ میں ناقص نیز عربی زبان میں ناقص بتلایا اور ان کے عقائد اور مسائل پر اعتراضات کئے ہیں۔ اس لئے ہمیں یہاں تعجب ہے کہ انہوں (مؤلف حقیقۃ الفقہ) نے اس جگہ ان اکثر اہل علم کی فہرست کیوں پیش نہیں کی؟

ثانیاً: جن لوگوں نے امام صاحبؒ کو مرجئہ کہا ہے یا تو حسد اور بغض کی بناء پر ان پر یہ الزام لگایا ہے یا ان کو امام صاحبؒ کے بارے میں رائے قائم کرنے میں خطا واقع ہوئی ہے، چنانچہ علامہ حافظ ابن عبدالبرؒ مالکی تحریر فرماتے ہیں:

"ونقموا ایضاً علی ابی حنیفة الارجاء ومن اهل العلم من ینسب الی الارجاء کثیر لم یعن احد بنقل قبیح ما قیل فیه، کما عنوا بذالک فی ابی حنیفة لامامته وکان ایضاً مع هذا یحسد وینسب الیه

---

(۱)الملل والنحل للعلامة عبدالکریم شهرستانیؒ(م۵۴۸ھ)- الفصل الخامس- الصالحیة- ۱/۱۶۹- ط: دارالمعرفة، بیروت.

(۲)الملل والنحل الفصل الخامس -الغسانیة - ۱/۱۶۴ - ط: دار المعرفة، بیروت.

مـالیـس فیـه ویـختـلـق عـلیـه مـالا یلیق به، وقد اثنیٰ علیه جماعة من العلماء وفضلوه". (۱)

"بعض محدثین نے امام ابوحنیفہؒ پر ارجاء کا بھی الزام لگایا ہے، حالانکہ اہل علم میں تو ایسے لوگ بڑی کثرت سے موجود ہیں جن کو مرجئہ کہا گیا ہے لیکن جس طرح امام ابوحنیفہؒ کی امامت کی وجہ سے اس میں بُرا پہلو نمایاں کیا گیا ہے دوسروں کے بارے میں ایسا نہیں کیا گیا، اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض حضرات ان سے بہت جلتے تھے اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے تھے جن سے ان کا دامن بالکل پاک تھا۔ اور ان کے بارے میں نامناسب باتیں گھڑی جاتی تھیں، حالانکہ علماء کی ایک بڑی جماعت نے ان کی تعریف کی ہے اور ان کی فضیلت کا اقرار کیا ہے"۔

ثالثاً: جس معنی میں امام صاحبؒ کو مرجئہ کہا گیا ہے وہ "ارجاء" اہلسنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف نہیں۔ اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے ارجاء کا معنیٰ مرجئہ کا حال اور ان کے عقائد ذرا وضاحت سے ہدیۂ ناظرین کردیں تاکہ امام صاحبؒ کی طرف منسوب "ارجاء" کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔

ارجاء کے معنی:

ارجاء کا اصلی معنیٰ ہے تاخیر اور مہلت دینا، چنانچہ علامہ عبدالکریم شہرستانی (۵۴۸ھ) اس کی تفصیلات بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الارجـاء علی معنیین. احدهما التاخیر، کما فی قوله تعالیٰ: ارجه واخـاه ای امهله و اخره. والثانی اعطاء الرجاء......وقیل الارجاء تاخیر حکم صـاحـب الـکبیـرة الی القیامة. فلا یقضیٰ علیه بحکم ما فی الدنیا، من کونه من اهل الجنة، اومن اهل النار......وقیل الارجاء تاخیر علیّ رضی الله عنه

(۱) جامع بیان العلم وفضله لابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) –باب ماجاء فی ذاک القول فی دین الله بالرأی والظن ص ۴۳۱. رقم ۱۱۷۲. ط: درا الکتب العلمیة بیروت

عن الدرجة الاولی الی الرابعة". (۱)

"ارجاء کے دو معنی ہیں (۱) تاخیر کرنا (قرآن پاک میں ہے) قالوا ارجه واخاه (انہوں نے کہا کہ موسیٰ اور ان کے بھائی کو مہلت دے) یعنی ان کے بارے میں فیصلہ کرنے میں تاخیر سے کام لینا چاہئے، اور ان کو مہلت دینا چاہئے۔ اور دوسرا اُمید دلانا ہے (یعنی محض ایمان پر نجات کلی کی امید دلانا اور یہ کہنا کہ ایمان کے ہوتے ہوئے معاصی کچھ ضرر نہیں دیتے)۔ (۳) بعض کے نزدیک ارجاء یہ بھی ہے کہ مرتکب کبیرہ کا فیصلہ قیامت پر چھوڑ دیا جائے اور دنیا میں اس پر جنتی یا جہنّمی ہونے کا حکم نہ لگایا جائے۔ (۴) اور بعض کے نزدیک ارجاء یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہلے خلیفہ کے بجائے چوتھا خلیفہ قرار دیا جائے۔

اب چونکہ "ارجاء" کے مفہوم میں تاخیر شامل ہے اس لئے جو حضرات گناہ گار کے بارے میں توقف سے کام لیتے ہیں اور اس دنیا میں اس کے جنتی یا جہنمی ہونے کا کوئی فیصلہ نہیں کرتے بلکہ اس کے معاملہ کو آخرت پر چھوڑ دیتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے خواہ اُسے معاف کر کے جنت میں داخل کردے یا سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں ڈال دے، وہ سب مرجئہ ہیں اور اسی معنیٰ کے اعتبار سے امام صاحبؒ اور دیگر حضرات محدثینؒ کو مرجئہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ ملاعلی قاری "شرح فقہ اکبر" میں فرماتے ہیں:

"ثم اعلم ان القونوی ذکر ان ابا حنیفة کان یسمی مرجئاً لتاخیره امر صاحب الکبیرة الی مشیئة الله، والارجاء التاخیر". (۲)

"پھر معلوم رہے قونوی نے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو بھی مرجئہ کہا جاتا تھا کیونکہ وہ مرتکب کبیرہ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف رکھتے تھے۔ اور ارجاء کے معنیٰ ہی موخر کرنے کے ہیں"۔

---

(۱) الملل والنحل لأبی الفتح محمد بن عبدالکریم الشهرستانی – الفصل الخامس – المرجئة – ۱/ ۱۲۱، ۱۲۲ – ط: دارالمعرفة بیروت.

(۲) شرح الفقه الاکبر لملاعلی القاریؒ – ۱۰۴ – ط: دار الکتب العلمیة بیروت.

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ امام صاحبؒ کا یہ عقیدہ قرآن وحدیث کی تصریحات کے خلاف ہے، یا صریح نصوص۔آیات اور احادیث سے امام صاحب کے اس عقیدے کی تائید ہوتی ہے اور تمام اہلسنت کا یہی مذہب ہے، البتہ اگر غیر مقلدین کا عقیدہ اس کے خلاف ہو اور وہ گنہ گار کو قطعی جنتی یا قطعی جہنمی قرار دیتے ہوں تو اس کی وضاحت ضروری ہے۔ملاحظہ ہو امام صاحب خود اپنے اس عقیدے کی وضاحت فرماتے ہیں:

عن ابی مقاتل سمعت ابا حنیفة یقول: الناس عندنا علی ثلثة منازل. الانبیاء انهم من اهل الجنة ومن قالت له الانبیاء انه من اهل الجنة فهو من اهل الجنة...... والمنزلة الاخریٰ المشرکون، نشهد علیهم انهم من اهل النار، والمنزلة الثالثة الموحدون نقف عنهم، ولانشهد علیهم انهم من اهل النار ولا من اهل الجنة ولکنا نرجو لهم ونخاف علیهم ونقول کما قال الله تعالیٰ: "خلطوا عملاً صالحاً واٰخر سیئاً عسی الله ان یتوب علیهم." فنرجو لهم لان الله عزوجل یقول: "ان الله لا یغفر ان یشرک به ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء" ونخاف علیهم بذنوبهم وخطایاهم......................"(۱)

"ابومقاتل کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ہمارے نزدیک لوگ تین طرح کے ہیں (۱) انبیاء، جو جنتی ہیں اور وہ لوگ، جنہیں انبیاء نے جنتی کہا ہو وہ بھی جنتی ہیں (۲) مشرکین، ان کے متعلق ہماری شہادت جہنمی ہونے کی ہے (۳) مومن، جن کے متعلق ہم توقف اختیار کرتے ہیں اور ان میں سے نہ تو کسی کے جنتی ہونے کی شہادت دیتے ہیں اور نہ کسی کے جہنمی ہونے کی۔ہاں ان کے بارے میں (جنت کی) امید اور دوزخ کا خوف رکھتے ہیں۔اور وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے

(۱) کتاب العالم والمتعلم للإمام ابی حنیفة رحمه الله (م ۱۵۰ھ) –ص ۲۰، ۲۱ –ط: المطبعة الچشتیة حیدر آباد (دکن)

نوٹ: نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے عبارت میں کچھ تغیر کر کے عبارت دستیاب نسخہ کے مطابق بنائی گئی ہے۔مرتب

قرآن کریم میں ان کے بارے میں فرمایا ہے: ''ملایا انہوں نے ایک کام نیک اور دوسرا بد، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کرے انکو'' (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں کوئی فیصلہ فرمادیں) اور ہم ان کے لئے امید عفو، اس لئے رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (تحقیق اللہ اس کو تو ہرگز معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانا جائے اور اس (کفروشرک) سے کمتر گناہ جس کے چاہے معاف کردے) اور ان کے بارے میں گناہوں اور غلطیوں کے سبب عذاب کا خوف بھی رکھتے ہیں اور کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس نے اپنے لئے جنت کو واجب کرلیا ہو اگر چہ وہ کتنا ہی روزہ رکھنے والا اور عبادت کرنے والا ہو، بجز انبیاءؑ...... اور ان حضرات کے کہ جنکو انبیاء نے جنتی کہا ہو۔

حضرت امامؒ کی عبارت بالا سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے:

(۱) مرتکب کبیرہ امام صاحب کے نزدیک کافر نہیں۔

(۲) اس کا معاملہ اللہ کی مشیئت پر موقوف ہے۔ چاہے تو از راہِ عدل اس کو سزا دے یا از راہِ فضل اس کی مغفرت فرمادے۔

(۳) اور یہ فیصلہ اس مسئلہ پر متفرع ہے کہ عمل ایمان کا جزء ہے یا نہیں؟ اس میں دیگر ائمہ اور محدثین بظاہر امام ابوحنیفہؒ کے خلاف معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ اختلاف صرف لفظی ہے۔ فریقین کے نزدیک عمل ضروری ہے، امام صاحب کی مراد نفیٔ جزء سے یہ نہیں کہ عمل کی ضرورت نہیں، حاشا و کلاّ امام صاحب اس کے ہرگز قائل نہیں بلکہ امام صاحب عمل کو ضروری قرار دیتے ہیں اور ان کے نزدیک اگر اللہ تعالیٰ نے (بے عمل مؤمن کی) مغفرت نہ فرمائی تو تارک عمل اپنے ترک عمل کی سزا بھگت کر جنت میں جائے گا۔

چنانچہ علامہ صدرالدین علی بن محمد الحنفیؒ المتوفی ۷۹۲ھ فرماتے ہیں:

''والاختلاف الذی بین ابی حنیفة والائمة الباقین من اهل السنة اختلاف صوری، فان کون اعمال الجوارح لازمة لإیمان القلب او جزء من الإیمان مع الاتفاق علی ان مرتکب الکبیرة لایخرج من الإیمان بل هو فی مشیئة الله ان شاء عذبه وان شاء عفا

عنه......نزاع لفظی لا یترتب علیه فساد اعتقاد ".(۱)

''اور ایمان کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ اہل سنت کے درمیان جو اختلاف ہے وہ محض صوری ہے۔ یعنی لفظی اختلاف ہے۔ حقیقی نہیں اس لئے کہ اعمالِ جوارح یا تو لازمِ ایمان ہیں یا ایمان کا جزء ہیں۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مرتکب کبیرہ ایمان سے نہیں نکلتا بلکہ وہ اللہ کی مشیت کے تحت ہے، چاہے تو وہ اس کو عذاب دے اور چاہے تو معاف کر دے......غرضیکہ یہ صرف لفظی اختلاف ہے جس سے عقیدے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی''۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"ولیس النزاع الا راجعاً الی اللفظ"۔(۲) ''لیکن یہ نزاع صرف لفظی ہے''۔

جس سے معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ کے نزدیک عمل اگرچہ جزء ایمان نہیں تاہم ایمان کے لوازمات میں سے ہے اور اس پر ثواب وعقاب کا ترتب ہوگا برخلاف مرجئہ کے کہ ان کے نزدیک ایمان کے بعد عمل کی حیثیت ترتبِ ثواب وعقاب کے درجہ میں بھی نہیں ہے۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ کی تصریح ہے:

"ثم المرجئة المذمومة من المبتدعة لیسوا من القدریة بل هو طائفة قالوا: لا یضر مع الایمان ذنب کما لا ینفع مع الکفر طاعة فزعموا ان احدا من المسلمین لا یعاقب علیٰ شئ من الکبائر فأین هذا الارجاء عن ذلک الارجاء". (۳)

''پھر مرجئہ مذمومہ، بدعتی فرقہ ''قدریہ'' سے الگ ایک فرقہ ہے جن کا

---

(۱)شرح الطحاویة فی العقیدة السلفیة لصدر الدین علی بن علی الحنفیؒ(۷۹۲ ھ) –ص ۲۷۹ – ط: مکتبة الریاض الحدیثیة بالریاض.

(۲)التفهیمات الالٰهیة لشاه ولی الله المحدث الدهلوی(م۱۱۷۶ ھ)–معنی قول الشیخ عبدالقادر ان الحنفیة من المرجئة– ۱/۲۸ – ط: مدینه برقی پریس انڈیا

(۳)شرح کتاب الفقه الاکبر لملاعلی القاریؒ–ص ۱۰۴ – دار الکتب العلمیة بیروت.

عقیدہ یہ ہے کہ ایمان لے آنے کے بعد انسان کے لئے کوئی گناہ مضر نہیں جیسا کہ کفر کے بعد کوئی نیکی مفید نہیں اور ان کا نظریہ یہ ہے کہ مسلمان جیسا بھی ہو کسی کبیرہ گناہ پر اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ پس اس ارجاء (یعنی اہل بدعت کا ارجاء) اور اس ارجاء (امام صاحبؒ کا ارجاء) میں کیا نسبت؟

نیز مؤلف کا یہ قول کہ ''امام صاحبؒ نے ''فقہ اکبر'' میں وہی عقیدہ ذکر کیا ہے جو مرجیہ کا ہے۔'' بالکل غلط ہے ''فقہ اکبر'' کا وہ نسخہ جو امام صاحبؒ کی طرف منسوب ہے، جس کا مؤلف نے بھی ذکر کیا ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے:

''والإيمان هو الاقرار والتصديق وإيمان اهل السماء والأرض لا يزيد ولاينقص والمؤمنون مستوون في الإيمان والتوحيد، متفاضلون في الأعمال''.(۱)

''اور ایمان نام ہے زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کا، اہل آسمان اور اہل زمین کا ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں، ایمان و توحید میں سارے مومن برابر ہیں اور اعمال کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں''۔

اور دوسرے مقام پر یہ تحریر فرماتے ہیں:

''ولا نقول ان المؤمن لا يضره الذنوب ولا نقول انه لايدخل النارفيهاولانقول انه يخلد فيها وان كان فاسقاً بعد ان يخرج من الدنيا مؤمناً ولا نقول حسناتنا مقبولة وسيأتنا مغفورة كقول المرجئة''. (۲)

''اور ہم یہ نہیں کہتے کہ مومن کے لئے گناہ مضر نہیں، اور نہ ہم اس کے قائل ہیں کہ مومن جہنم میں بالکل داخل ہی نہیں ہوگا اور نہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اگر چہ فاسق ہو جب کہ وہ دنیا سے ایمان کی حالت میں نکلا۔ اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ

(۱)شرح كتاب الفقه الأكبر ص ۱۰۸ تا ۱۱۰. ط: دارالكتب العلمية، بيروت.

(۲) حواله سابقه ص ۱۰۸تا ۱۱۰.

ہماری تمام نیکیاں مقبول ہیں۔ اور تمام گناہ معاف ہیں جیسا کہ مرجیہ کا عقیدہ ہے''۔

نیز مؤلف کا یہ کہنا '' کہ غسان (جو فرقہ غسانیہ کا پیشوا ہے) بھی امام صاحبؒ کو مرجیہ میں شمار کرتا ہے''۔ یہ ان کے کتمان حقائق کی صریح دلیل ہے یا پھر ممکن ہے کہ انہوں نے ''الملل والنحل'' کی پوری عبارت نہیں پڑھی جس سے انکو غلط فہمی ہوگئی ہے۔

اب ذرا ملاحظہ فرمایئے کہ غسان کس وجہ سے امام صاحبؒ کو مرجیہ میں شمار کرتا ہے۔ چنانچہ علامہ شہرستانیؒ فرماتے ہیں:

''ومن العجیب ان غسان کان یحکی عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ مثل مذهبه ویعده من المرجئة ولعله کذب کذالک علیه ولعمری! کان یقال لأبی حنیفة واصحابه مرجئة السنة''. (۱)

''تعجب کی بات ہے کہ غسان بھی اپنے مذہب کو امام صاحبؒ کا سا مذہب ظاہر کرتا تھا اور امام صاحبؒ کو بھی مرجیہ میں شمار کرتا تھا غالباً یہ جھوٹ ہے۔ مجھے زندگی عطا کرنے والے کی قسم کہ ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کو تو ''مرجئة السنة'' کہا جاتا تھا''۔

اب ناظرین غور فرمائیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ ''غسان'' کا امام صاحبؒ کو مرجیہ کہنے کا مقصد صرف اپنے مذہب کی ترویج وتشہیر تھا۔ ورنہ درحقیقت غسان اور امام صاحب کے عقیدے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ نیز کیا غسان کے کہنے سے امام صاحبؒ مرجیہ بن جائیں گے؟ غسان جیسے بدعتی کے کہنے سے امام صاحبؒ کو مرجیہ کہنا اہل بدعت کا شیوہ ہوسکتا ہے، اہل سنت کا نہیں۔ اور جب خود علامہ شہرستانی، امام صاحبؒ کو اہل سنت میں شمار کرتے ہیں اور غسان کے اپنے عقیدے کو امام صاحبؒ کی طرف منسوب کرنے کی بناء پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں تو پھر مؤلف کا علامہ شہرستانی کے حوالہ سے غسان کے قول کو نقل کرنا اور اس کو حجت کے طور پر پیش کرنا اور اس بناء پر امام صاحبؒ پر طعن کرنا، صریح بددیانتی نہیں تو اور کیا ہے؟ أعاذنا الله منها

---

(۱) الملل والنحل لأبی الفتح محمدبن عبدالکریم الشهرستانی (المتوفی: ۵۴۸ھ) – الفصل الخامس الغسانیة – رقم: ۳-۱/۱۴۲ – ط: دار المعرفة بیروت.

غنیۃ الطالبین کی عبارت کا حل:

پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ مؤلف کا مقصد تہتر فرقوں کی تفصیل ذکر کرنے سے صرف یہ ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام صاحبؒ کو مرجئہ (ضالہ) میں شمار کیا ہے لیکن ہم ان شاء اللہ شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے ثابت کریں گے کہ انہوں نے امام صاحبؒ کو مرجئہ ضالہ میں شمار نہیں کیا۔

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ قابل غور ہے کہ ''غنیۃ'' کا جو نسخہ ہمارے سامنے ہے وہ لاہور کا طبع شدہ ہے اور اس کے ساتھ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ کا فارسی ترجمہ بھی ہے۔ جس میں اس عبارت میں ''بعض'' کا لفظ موجود ہے۔ اسی طرح ''غنیۃ'' کے مصری نسخہ میں بھی ''بعض'' کا لفظ موجود ہے۔ جس کی عبارت یہ ہے۔

اما الحنفيةفهم بعض اصحاب ابى حنيفة النعمان بن ثابت زعموا ......الخ .(۱)

''لیکن حنفیہ وہ بعض اصحاب ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے'' الخ

اور یہی بات مولانا محمود حسن خان صاحب ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

واما اصحاب الإمام فنسخة كتاب الغنية التى رجعت اليها ونقلت منها هى التى ذكر فيها: اماالحنفيةفبعض اصحاب ابى حنيفة (۲)

''رہا امام صاحب کے مقلدین کے بارے میں ایسا لکھنا تو ''غنیۃ'' کا وہ نسخہ جس کو دیکھ کر ہم نے یہ عبارت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: اما الحنفية فبعض اصحاب ابى حنيفة ۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے مراد وہ بعض حنفی ہیں جو امام صاحب کے بعض فروع فقہیہ میں تو

---

(۱)الغنية لطالب طريق الحق للشيخ الجيلانى -فصل أما الجهمية- ۱/ ۱ ۹ -ط: خاور لاهور.

(۲)معجم المصنفين -ترجمة الإمام الأعظم أبى حنيفة -ذكر ماقيل فى ارجاء الإمام -۲/ ۱۵۸- ط: وزنكو غراف بيروت .

مقلد تھے مگر عقائد میں مرجئہ تھے۔ چونکہ یہ لوگ فروع میں امام صاحب کے مقلد تھے، اس لئے وہ بھی حنفی کہلائے اور غسان بھی انہیں میں داخل ہے کہ وہ اپنے مذہب کو امام صاحب کی طرف منسوب کرتا تھا، چنانچہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ اسی اشکال کا جواب ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان مراد الشیخ من الحنفیة فرقة منهم وهم المرجئة. وتوضیحه ان الحنفیة عبارة عن فرقة تقلد الامام اباحنیفة فی المسائل الفرعیة وتسلک مسلکه فی الاعمال الشرعیة سواء وافقته فی اصول العقائد أم خالفته. فان وافقته یقال لها (الحنفیة الکاملة) وان لم توافقه یقال لها (الحنفیة) مع قید یوضح مسلکه فی العقائد الکلامیة فکم من حنفی، حنفی فی الفروع معتزلی عقیدة، کالزمخشری جارالله ...... وکمؤلف القنیة نجم الدین الزاهدی وکعبدالجبار وابی هاشم والجبائی وغیرهم. وکم من حنفی حنفی فرعا مرجئی او زیدی اصلاً(۱)

''حضرت شیخ کی مراد حنفیہ سے وہ فرقہ ہے جو مرجئہ تھے۔ وضاحت اس کی یہ ہے کہ حنفیہ تو اس جماعت کو کہتے ہیں جو مسائل فرعیہ میں امام ابوحنیفہؒ کی مقلد ہو اور اعمال شرع میں آپ کے مسلک پر چلے۔ چاہے اصول عقائد میں آپ کے موافق ہو یا مخالف۔ اب جو حضرات عقائد اور فروع دونوں میں امام صاحب کے موافق ہوں تو ان کو ''حنفیہ کاملہ'' کہا جائے گا۔ اور اگر عقائد میں مخالف ہوں تو ان کو حنفی کہنے کے ساتھ ایسی قید بھی لگائی جائے گی جو ان کے مسلک کی وضاحت کرے۔ چنانچہ ایسے بہت سے حنفی ہیں کہ جو فروع میں تو حنفی ہیں مگر عقیدہ میں معتزلی ہیں جیسے جار اللہ زمخشری، نجم الدین زاہدی صاحب القنیہ عبدالجبار، ابو ہاشم اور جبائی وغیرہ ہیں۔ اور بہت سے حنفی ایسے ہیں جو فروع میں تو حنفی ہیں، لیکن عقیدہ کے لحاظ سے مرجئہ ہیں یا زیدیہ ہیں۔''

---

(۱) الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل لعبدالحی اللکنوی (م ۱۳۰۴ھ) – تحقیق ماجاء فی الغنیة للإمام الجیلانی أن أبا حنیفة ..... الخ ۱۷۸، ۱۷۹ – ط: مکتب المطبوعات الاسلامیة، حلب.

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخؒ کی عبارت میں حنفیہ سے مراد مطلق حنفیہ نہیں کہ جو عقائد اور فروع دونوں میں امام صاحب کے مقلد ہوں بلکہ وہ بعض حنفی مراد ہیں جو فروع میں امام صاحب کے مقلد تھے۔ لہٰذا ان بعض کے مرجئہ ہونے سے امام صاحبؒ کا مرجئہ ہونا لازم نہیں آتا۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ مؤلف نے کس طرح عوام کو دھوکہ دیا کہ ''غنیۃ'' کی عبارت کا ترجمہ کرتے وقت لفظ ''بعض'' کا ترجمہ حذف کردیا اور اس طرح ان کو غلط فہمی کا شکار بنایا اور پھر حضرت شیخؒ حضرت امام صاحبؒ کو کیسے مرجئہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ تو امام صاحبؒ کو ''امام'' کے لقب سے یاد فرماتے ہیں۔ چنانچہ وقت فجر کے بارے میں امام احمدؒ کا مذہب نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **وقال الامام ابو حنیفة** ، اور تارک صلوٰۃ کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقال الامام ابو حنیفة: لایقتل.

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اس کو قتل نہ کیا جائے۔

اگر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام صاحبؒ، مرجئہ ضالہ میں سے ہوتے تو پھر ان کو امام کے لقب سے کیوں یاد فرماتے اور امور شرعیہ میں دیگر ائمہ کے اقوال کے ساتھ ان کے قول کو کیوں ذکر کرتے؟۔

اس جواب کا حاصل یہ ہوا کہ امام صاحبؒ پر تو سرے سے اعتراض ہی وارد نہیں ہوتا جو اس کا جواب دیا جائے۔ افسوس ہے کہ مؤلف نے اپنے مقتدا حضرات کی کتابوں کا مطالعہ بھی نہیں کیا، ورنہ ان کو معلوم ہوجاتا کہ ان کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ چنانچہ ''دلیل الطالب علی ارجح المطالب'' میں نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں:

سوال: در ''غنیۃ الطالبین'' مرجئہ را، در اصحاب ابی حنیفۃ نعمانؒ ذکر کردہ وکذا غیرہ فی غیرہ وجہ آں چیست؟

جواب: شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ در ''تفہیمات'' نوشتہ اند کہ ارجاء دوگونہ است۔ یکے ارجاء است کہ قائل را از سنت بیرون میکند۔ دیگر آنست کہ از سنت بیرون نمیکند۔ اول آنست کہ معتقد آن باشد کہ ہر کہ اقرار بلسان وتصدیق بجنان کرد، ہیچ معصیت اورا

مضر نیست اصلاً، دیگر آنکہ اعتقاد کند کہ عمل از ایمان نیست ولیکن ثواب وعتاب براں مرتب است۔ وسبب فرق میان ہردو آنست کہ صحابہؓ وتابعینؒ اجماع کردہ اند کہ بر تخطئہ مرجئہ وگفتہ اند کہ برعمل ثواب وعذاب مترتب میشود پس مخالف ایشاں ضال ومبتدع است۔ ودر مسئلہ ثانیہ اجماع سلف ظاہر نشدہ بلکہ دلائل متعارض است۔ بعض آیات وحدیث واثر دلالت میکنند برآنکہ ایمان غیرِ عمل است۔ وبسیارے از دلیل دال است برآنکہ اطلاق ایمان برمجموعۂ قول وعمل است، وایں نزاع راجع میشود بسوئے لفظ بجہت اتفاق ہمہ برآنکہ عاصی از ایمان خارج نمی شود اگرچہ مستحق عذاب ست۔ وصرف دلائل دالہ برآنکہ ایمان عبارت از مجموع ایں چیز ہا است از ظواہرش بادنیٰ عنایت ممکن ست۔ انتہی۔

وازینجا معلوم شد کہ مراد حضرت شیخ از مرجئہ بودن اصحاب ابی حنیفہ شق ثانی است، ولاغبار علیہ اگرچہ ارجح از روئے نظر در دلائل ہماں مذہب اہل حدیث است کہ ایمان عبارت ست از مجموع اقرار وتصدیق وعمل وبہ قال القاضی ثناء اللہ فی "مالا بد منہ" فاندفع الاشکال وصفی مطلع الھلال وباللہ التوفیق۔(۱)

ترجمہ: سوال: ''غنیۃ الطالبین'' میں اصحاب ابی حنیفہ کو مرجئہ میں ذکر کیا گیا ہے اسی طرح اور لوگوں نے بھی اپنی تصنیفات میں بیان کیا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''تفہیمات'' میں لکھا ہے کہ ''ارجاء'' کی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم تو وہ ہے کہ اس کا قائل اہل سنت سے خارج ہو جاتا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے کہ اس کا قائل اہل سنت سے خارج نہیں ہوتا۔

(۱) پہلی قسم یہ ہے کہ یوں اعتقاد رکھے کہ جس شخص نے ایمان کا زبان سے اقرار کرلیا اور دل سے تصدیق کر دی تو پھر چاہے کوئی گناہ کرے اس کو قطعاً کوئی مضر نہیں

(۱) دلیل الطالب – ص ۱۶۵، ۱۶۶ – ط: مطبع شاهجانی بهوپال ۱۲۹۵ھ.

(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ یوں اعتقاد رکھے کہ عمل ایمان میں داخل نہیں ہے لیکن ثواب اور عقاب اس پر مرتب ہوتا ہے۔ اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ کا مرجئہ کے گمراہ ہونے پر اتفاق ہے۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ عمل پر ثواب اور عذاب مرتب ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والا گمراہ اور مبتدع ہے۔ لیکن دوسرے مسئلہ میں سلف کا اجماع نہیں ہوا بلکہ دلائل متعارض ہیں۔ بعض آیات، احادیث، آثار اس پر دال ہیں کہ ایمان کا اطلاق قول وعمل دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے لیکن یہ نزاع صرف لفظی ہے اس لئے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عاصی (عصیان کی وجہ سے) ایمان سے خارج نہیں ہوجاتا اگر چہ مستحق عذاب ہوتا ہے۔ اور جو دلائل کہ ایمان کے مجموعہ (اقرار وتصدیق وعمل) پر دلالت کرتے ہیں ان کو ادنیٰ تأمل سے ان کے ظاہر سے پھیرا جا سکتا ہے (انتہیٰ)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی مراد اصحاب ابی حنیفہ کے مرجئہ ہونے سے دوسری شق ہے اور اس پر کوئی غبار نہیں۔ (کیونکہ یہ اعتقاد سنت کے خلاف نہیں) اگر چہ دلائل کے اعتبار سے اہل حدیث کا مذہب راجح ہے کہ ایمان مجموعۂ اقرار وتصدیق وعمل کا نام ہے اور یہی بات قاضی ثناء اللہؒ نے اپنی کتاب ''مالا بد منہ'' میں کہی ہے لہٰذا اشکال ختم ہوگیا اور ہلال کا مطلع صاف ہوگیا۔ اور اللہ ہی سے توفیق ہے۔

غیر مقلدین حضرات کے مقتدا تو ''غنیۃ الطالبین'' کی اس عبارت کا حل پیش کر رہے ہیں جس سے مؤلف جیسے بالغ نظر حضرات کو غلط فہمی ہوئی۔ لیکن مؤلف ہیں کہ ان کو اپنے حضرات کی کتابیں دیکھنے کی توفیق نہیں۔

نواب صدیق حسن خانصاحب مرحوم کا ماخذ اس بحث میں ''تفہیمات الٰہیہ'' ہے، ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اصل کتاب سے ان کی پوری عبارت پیش کردیں تا کہ یہ مسئلہ کھل کر پوری وضاحت سے قارئین کے سامنے آجائے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سید المرسلین

وبارک وسلم وعلیٰ اله وصحبه اجمعين . اما بعد:

فقد سألنى سائل عن قول إمام الطريقة وقطب الحقيقة، الشيخ عبدالقادر الجيلانى رضى اللّٰه عنه وارضاه عند ذكر الفرق الغير الناجئة فى "الغنية" حيث قسم المرجئة إلى اثنى عشرة فرقة، منهم الحنفية. ثم قال بعد التفصيل وأما الحنفية فهم اصحاب أبى حنيفة النعمان زعم أن الإيمان هو الاقرار والمعرفة والاقرار بالله ورسله وبما جاء به عنده جملة على ماذكره البرهوتى فى كتاب الشجرة.

فقال: قوله هذا قدس سره يرد عليه وجهان من الاعتراض: احدهما: ان الحنفية من اهل السنة باتفاق من يعتد به. فلايصح عدها من فرق المرجئة و تضليلها والحكم بأنها غير ناج.

وثانيهما: أنه بيّن العقائد التى سميت لأجلها المرجئة مرجئة، وجعل الحنفية منهم فكان مقتضى كلامه أن الحنفية قائلون بها، معتقدون إيّاها، وليس الأمر كذلک. قال: وإنما سموا المرجئة لأنها زعمت أن الواحد من المكلفين إذا قال لا الٰه الا الله محمد رسول الله وفعل بعدذلک سائر المعاصى، لم يدخل النار اصلاً وممالاشک فيه أن الحنفية برآء من هذا الاعتقاد. فقلت: الارجاء"ارجاء ان"ارجاء يخرج القائل به عن السنة، وارجاء لايخرج.

أما الأول فهو أن يعتقد، أن من أقرباللسان وصدق بالجنان، لايضره معصية اصلاً .وأما الثانى فهو أن يعتقد، أن العمل ليس من الايمان ولٰكن الثواب والعقاب مترتب عليه. وسبب الفرق بينهما أن الصحابة والتابعين أجمعوا على تخطئة المرجئة فقالوا: إن العمل يترتب عليه الثواب والعذاب. فكان مخالفهم ضالاً ومتبدعاً

وأما المسئلة الثانية: فليست مماظهر فيهاإجماع من السلف بل الدلائل متعارضة. فكم من حديث وآية واثر يدل على أن الإيمان غير العمل .وكم من دليل يدل على اطلاق الإيمان على مجموع القول والعمل ، وليس النزاع إلا راجعاً إلى اللفظ لإتفاقهم جميعاً على أن العاصي لايخرج عن الإيمان وأنه يستحق العقاب. ثم الدلائل الدالة على أنه المجموع ، يمكن صرفها عن ظواهرها بأدنىٰ عناية. والإمام ابوحنيفة من القائلين لهذه الثانية، وهو من كبار اهل السنة وأئمتهم. نعم ،نشأ في أهل مذهبه والتابعين له في الفروع آراء مختلفة. فمنهم المعتزلة، كالجبائي وأبي هاشم والزمخشري .ومنهم المرجئة ومنهم غير ذلک، فهٰؤلاء كانوا يتبعون أبا حنيفة في الفروع الفقهية ولايتبعونه في الأصول الإعتقادية وكانوا ينسبون عقائدهم الباطلة إلىٰ أبي حنيفة رضي اللّٰه عنه ترويجاً لمذهبهم ويتعلقون ببعض أقوال أبي حنيفة رضي الله عنه فانتهض لذلک أهل الحق من الحنفية كالطحاوي وغيره. فبينوا مذهب أبي حنيفة رضي اللّٰه عنه وذبوا عنه مانسبوا اليه، يشهد بذلک نقول كثيرة

لاتخفى علىٰ من راجع الكتب. فبين الحنفية وأهل السنة عموم وخصوص من وجه. إذا علمت هذا فاعلم أن الشيخ رضي اللّٰه عنه ذكر في الفرق الضالة المرجئة، أهل الإرجاء الخارج عن السنة ولذلک قال إنما سموا مرجئة......الخ. وذكر منهم الحنفية يعني قوماً يتبعون في الفروع الإمام أباحنيفة ويدعون أنه رضي الله عنه كان موافقاً لهم في هذا المذهب. ثم ذكرماتعلقوا به من أقواله رضي الله عنه فقال: زعم أن الإيمان هو الاقرار......الخ

فلما قررنا هكذا، اضمحل الإعتراضان معاً وظهر أن الشيخ رضى الله عنه ما اِتَّهَم الإمام أباحنيفة ولا الماتريدية من الحنفية أعاذه الله من ذلک، وإنما نسب مانسب إلیٰ قوم من المرجئة منتسبين إلیٰ الإمام أبى حنيفة فى الفروع يتعلقون بظاهر قوله ويحملون كلامه على غير محمله .(۱)

ترجمہ: ایک سائل نے مجھ سے امام طریقت وقطب حقیقت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ وارضاہ کے اس قول کی بابت سوال کیا کہ انہوں نے اپنی کتاب ''غنیۃ'' میں غیر ناجی فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے مرجئہ کو بارہ فرقوں میں تقسیم کیا ہے جن میں سے ایک حنفیہ بھی ہیں۔ اور پھر تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: کہ حنفیہ وہ فرقہ ہے جو مقلد ہے امام ابوحنیفہ نعمان کا، اوران کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان صرف (زبانی) اقرار اور معرفت (دل سے پہچاننے) اور اللہ اور اس کے رسولوں کا اقرار اور جو کچھ وہ اس کے پاس سے لے کر آئے، اس کے اجمالی طور پر اقرار کا نام ہے۔ جیسا کہ ''برہوتی'' نے اپنی ''کتاب الشجرۃ'' میں ذکر کیا ہے۔ سوال کرنے والے نے دریافت کیا کہ حضرت شیخ قدس سرہ کی اس عبارت پر دو اعتراض وارد ہوئے ہیں۔(۱) پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ تمام قابل اعتماد حضرات کا اتفاق ہے کہ حنفیہ اہل سنت میں داخل ہیں۔ لہٰذا ان کو فرقہ مرجئہ میں شمار کرنا اور گمراہ کہنا اور ان پر غیر ناجی ہونے کا حکم لگانا صحیح نہیں۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت شیخ نے مرجئہ کے ان عقائد کو ذکر کردیا ہے جن کی وجہ سے مرجئہ کو مرجئہ کہا جاتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ حنفیہ بھی یہی عقائد رکھتے ہوں اور وہ ان باتوں کے قائل ہوں۔ حالانکہ واقع میں ایسا نہیں، چنانچہ حضرت

---

(۱) التفهيمات الالٰهية لشاه ولى الله المحدث الدهلوى (المتوفى: ۱۱۷۶ھ) - معنى قول الشيخ عبدالقادر الجيلانیؒ ان الحنفية من المرجئة - ص ۲۷، ۲۸، ۲۹ - ط: مدينه برقى پريس بجنور، يوپى. انڈيا ۱۳۵۵ھ ۱۹۳۶ء.

شیخؒ نے مرجئہ کی وجۂ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جس مکلّف نے بھی زبان سے **لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ** کہہ لیا اب اس کے بعد چاہے سارے گناہ کرتا رہے جہنم میں بالکل نہیں جائے گا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حنفیہ اس عقیدہ سے بَری ہیں (کیونکہ حنفیہ کے نزدیک عمل پر ثواب وعقاب ضرور مرتب ہوگا) (حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں) کہ میں یہ کہتا ہوں: ارجاء کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایک وہ ارجاء جس کا قائل اہل سنت سے خارج ہوجاتا ہے (۲) دوسرا وہ ارجاء جس کا قائل اہل سنت سے خارج نہیں ہوتا۔

پہلی قسم تو یہ ہے کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ جس نے بھی زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کردی تو پھر چاہے جو گناہ کرے اس کو قطعاً مضر نہیں، دوسری قسم یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھے کہ عمل اگرچہ ایمان میں داخل نہیں ہے لیکن ثواب وعقاب اس پر مرتب ہوتا ہے۔ اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ کا مرجئہ کے برسرِ خطا ہونے پر اتفاق ہے اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ عمل پر ثواب اور عقاب مرتب ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والا گمراہ اور بدعتی ہے۔

لیکن دوسرے مسئلہ میں سلف کا اجماع منعقد نہیں ہوا بلکہ دلائل متعارض ہیں، بعض آیات، احادیث، آثار اس پر دال ہیں کہ ایمان اور عمل جدا گانہ ہیں اور بہت سی دلیلیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ ایمان کا اطلاق قول وعمل دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے، لیکن نزاع صرف لفظی ہے اس لیے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عاصی (عصیان کی وجہ سے) ایمان سے خارج نہیں ہوجاتا اگرچہ مستحق عذاب ہوتا ہے۔ اور جو دلائل کہ ایمان کے مجموعہ (اقرار وتصدیق وعمل) پر دلالت کرتے ہیں ان کو ادنیٰ تأمل سے ظاہر سے پھیرا جاسکتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ اس دوسرے مسلک کے قائل ہیں، اور وہ کبار اہل سنت میں

ہیں بلکہ ان کے امام ہیں۔ ہاں امام صاحب کے اہل مذہب اور فروع میں ان کے متبعین میں مختلف قسم کے لوگ پیدا ہوئے۔ بعض ان میں سے (عقیدۃً) معتزلہ تھے جیسے جبائی، ابو ہاشم اور زمخشری ہیں، اور بعض ان میں مرجئہ بھی تھے، بعض دوسرے فرقوں کے بھی اور یہ سب لوگ فروع فقہیہ میں آپ کے متبع اور مقلد تھے لیکن اصول اعتقادیہ میں آپ کے متبع نہ تھے اور اپنے باطل عقائد کو بغرض اپنے مذہب کی ترویج، امام صاحب کی طرف منسوب کرتے تھے، اور امام صاحب کے بعض اقوال سے اپنے آپ کو متعلق کرتے تھے۔ ان دھوکہ بازیوں کو دور کرنے کے لیے اہل حق حنفی علماء جیسے امام طحاویؒ ہیں، اٹھے اور انہوں نے امام صاحب کا صحیح مذہب بیان کیا اور ان غلط عقائد کی نشاندہی کی جو آپ کی طرف غلط منسوب کئے جاتے تھے، اس بات کی شہادت بکثرت نقول سے ملتی ہے۔ اور جس نے بھی اصول کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی جانتا ہے۔ غرضیکہ حنفیہ اور اہل سنت کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت موجود ہے۔

جب یہ تفصیل معلوم ہوچکی تو اب معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرقۂ ضالہ میں ان مرجئہ کو شمار کیا ہے جن کا ارجاء خارج من السنۃ ہے، اسی لیے آپ نے ان کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: **انما سموا مرجئة** اور ان میں ان حنفیہ کا ذکر کیا جو فروع میں امام کی اتباع کرتے ہیں۔ اور ان کا دعویٰ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ بھی اس عقیدہ میں اس کے موافق ہیں (جب کہ واقع میں ایسا نہیں) پھر حضرت شیخ نے امام صاحب کے ان اقوال کا تذکرہ کیا جن سے وہ لوگ اپنا تعلق جتلاتے ہیں۔ **فقال زعم ان الایمان هو الاقرار** ......**الخ**۔ (حالانکہ ان کا یہ بیان صحیح نہیں) اب ہماری اس تقریر سے سائل کے دونوں اعتراض ختم ہوگئے اور معلوم ہوگیا کہ حضرت نے نہ تو امام ابوحنیفہ کو اور نہ ہی حنفیہ ماتریدیہ کو ''ارجاء'' سے متہم کیا ہے بلکہ یہ عقیدہ ان مرجئہ کا ذکر کیا ہے جو اپنے آپ کو فروع میں امام صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں اور آپ کے کلام کو غلط محمل پر محمول کرتے ہیں''۔

شاہ صاحب کی مذکورہ بالا عبارت سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے۔

(۱) حنفیہ اہل سنت ہیں (بلکہ امام صاحب تو کبار اہل سنت میں داخل اور ان کے امام ہیں) اور فرقہ ناجیہ میں داخل ہیں۔

(۲) مرجۂ ضالہ اور حنفیہ کے عقائد مختلف ہیں اور جن عقائد کی وجہ سے مرجۂ کو مرجۂ کہا جاتا ہے حنفیہ ان عقائد کے حامل نہیں۔

(۳) عمل کے جزوِ ایمان ہونے اور نہ ہونے میں امام ابوحنیفہؒ اور دیگر حضرات محدثین کے درمیان جو اختلاف ہے وہ صرف لفظی ہے حقیقی نہیں اور شاہ ولی اللہؒ بھی اس سلسلہ میں امام صاحب کے ساتھ ہیں جیسے کہ "**ثم الدلائل الدالة على انه المجموع يمكن صرفها عن ظواهر ها بادنیٰ عناية**" (پھر وہ دلیلیں جو ایمان و عمل دونوں کے ایک ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان کو ادنیٰ تأمل ظاہر سے پھیرا جاسکتا ہے) کے الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے۔

(۴) حنفیہ اور اہل سنت میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے اس اعتبار سے حنفیہ کی تین قسمیں بنیں گی:

الف: خالص حنفی، جو اصولاً اور فروعاً امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں جیسے امام طحاویؒ امام ابویوسفؒ وغیرہ۔

ب: حنفیہ معتزلہ۔ یعنی جو اصولاً معتزلی ہیں اور فروع میں امام صاحب کے مقلد ہونے کی وجہ سے حنفی ہوئے ہیں جیسے جبائی، ہاشم وغیرہ۔

ج: حنفیہ مرجۂ جو اصول میں مرجۂ ہیں اور فروع میں حنفی ہیں۔

(۵) حضرت شیخؒ نے حنفیہ خالصہ کو مرجۂ میں شامل نہیں کیا (بلکہ اس میں مذکورہ بالا تین اقسام میں سے تیسری قسم مراد ہے) لہذا اس سے امام صاحبؒ پر کیا زد پڑ سکتی ہے؟ غرضیکہ امام صاحبؒ پر اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا۔ اور جس معنی میں امام صاحب کو مرجۂ کہا گیا ہے وہ "ارجاء" اہل سنت کے مسلک کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سارے محدثین ایسے گزرے ہیں کہ جن کو اس عقیدہ کی بنا پر مرجۂ کہا گیا، چنانچہ محدث ابن قتیبہؒ اپنی مشہور اور مستند کتاب "معارف" میں مرجۂ کے عنوان سے بہت سارے فقہاء اور محدثین کے نام گنواتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کو مرجۂ کہا گیا:

إبراهيم التيمي، عمرو بن مرة، ذر الهمداني، طلق بن حبيب،

حماد بن أبی سلیمان، أبو حنیفة صاحب الرأی ، عبدالعزیز بن أبی رواد، وابنه عبدالحمید ، خارجة بن مصعب ، عمرو بن قیس الماصر ،ابو معاویة الضریر، یحییٰ بن زکریا بن أبی زائدة ، أبویوسف صاحب الرأی ،محمد بن الحسن ، محمد بن السائب ،مسعر بن کدام .(۱)

علامہ شہرستانی فرماتے ہیں:

رجال المرجئة کما نقل الحسن بن محمد بن علی بن ابی طالب وسعید بن جبیر وطلق بن حبیب وعمرو بن مرة ومحارب بن دثار ومقاتل بن سلیمان وذر وعمرو بن ذر وحماد بن أبی سلیمان وأبو حنیفة وأبویوسف ومحمد بن الحسن وقدید بن جعفر وهؤلاء کلهم أئمة الحدیث لم یکفروا أصحاب الکبائر بالکبیرة ولم یحکموا بتخلیدهم فی النار خلافاً للخوارج والقدریة (۲)

"جیسا کہ منقول ہے ان حضرات کو مرجئہ کہا گیا جس میں حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب، سعید بن جبیر، طلق بن حبیب، عمرو بن مرہ، محارب بن دثار، مقاتل بن سلیمان، ذر، عمرو بن ذر، حماد بن ابی سلیمان، (امام) ابوحنیفہ، ابویوسف، محمد بن الحسن، اور قدید بن جعفر، حالانکہ یہ سب کے سب حدیث کے امام ہیں اور مرتکب کبیرہ کی (گناہ کی وجہ سے) تکفیر کے قائل نہیں اور اس کے ابدی جہنمی ہونے کا حکم نہیں لگاتے۔ برخلاف خوارج اور قدریہ کے"۔

کتبِ اسماء رجال کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اکابر، امت میں کس جلالت شان کے حامل تھے۔ سعید بن جبیر مشہور تابعی ہیں اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ جب کوفہ کے لوگ حج کو

---

(۱) المعارف لإبن قتیبة أبی محمد عبدالله بن مسلم(م۲۷۶ھ، ۸۸۹ء)-الفرق -اسماء الغالیة من الرافضة" المرجئة"-ص۶۲۵-ط: مطبعه دار الکتب

(۲) الملل والنحل -لمحمد بن عبدالکریم الشهرستانی(م۵۴۸ھ) الفصل الخامس ،الصالحیة ...... ۱/۱۶۸، ۱۶۹-ط: دار المعرفة بیروت.

آتے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ دریافت کرتے تو آپ جواب میں فرماتے: "کیا تم میں سعید بن جبیر نہیں ہے۔" لیکن ان کو بھی لکھنے والوں نے مرجئہ لکھ دیا۔

پس ثابت ہوا کہ اس مذموم معنی میں (جو اہل بدعت کا عقیدہ ہے) ان حضرات کی طرف "ارجاء" کی نسبت کرنا درست اور صحیح نہیں اور (ان حضرات کا جو عقیدہ ہے) ایسا عقیدہ رکھنا اہل سنت کے مسلک کے خلاف بھی نہیں۔

اسی لیے "امام ذہبی" نے "میزان الاعتدال" میں "امام مسعر بن کدام" کے ترجمہ میں امام ابوحنیفہ اور بعض دیگر حضرات کا نام لے کر یہ تصریح کی ہے کہ ان حضرات کو مرجئہ کہنا ناقابل اعتبار ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ولاعبرة بقول السليمانی كان من المرجئة مسعر وحماد بن أبی سليمان والنعمان وعمرو بن مرة وعبد العزيز بن أبی رواد وأبومعاوية وعمرو بن ذر......وسرد جماعة .

قلت :الإرجاء مذهب لعدة من أجلة العلماء لاينبغی التحامل على قائله .(۱)

ترجمہ: "مسعر، حماد بن ابی سلیمان، نعمان (بن ثابت الامام) عمرو بن مرۃ، عبدالعزیز بن ابی رواد، ابو معاویہ، عمر بن ذر، ان کے علاوہ علماء کی ایک جماعت کو نام بنام ذکر کر کے کہا کہ یہ سب "مرجئہ" تھے سو سلیمان کا یہ کہنا قابل اعتبار نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ "ارجاء" تو بڑے بڑے علماء کی ایک جماعت کا مذہب ہے اور اس مذہب کے قائل پر مؤاخذہ نہ کرنا چاہیئے"۔

صرف یہی حضرات نہیں بلکہ اسی طرح بخاری و مسلم اور کتب صحاح کے سینکڑوں راوی ایسے ہیں جن کی عدالت وثقاہت مسلّم ہے مگر اس عقیدہ کی وجہ سے (کہ ایمان اور عمل جداگانہ چیزیں ہیں) ان پر بھی

(۱) ميزان الاعتدال فی نقد الرجال للذهبی(م۷۴۸ھ)-مسعر بن كدام -رقم الناقدين: ۸۴۷۰-۲۲۴/۵-ط: دار الفكر العربی.

''ارجاء'' کی تہمت جڑ دی گئی ہے۔

علامہ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے ''تدریب الراوی'' میں بخاری و مسلم کے ان راویانِ حدیث کی نام بنام فہرست پیش کی ہے جن کو مرجئہ کہا گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

فائدة : أردت أن أسرد ههنا من رمی ببدعة ممن أخرج لهم البخاری ومسلم أو أحدهما، وهم إبراهیم بن طهمان ،أیوب بن عائذ الطائی ، ذر بن عبدالله المرهبی، شبابةبن سوار ، عبدالحمید بن عبدالرحمٰن ، ابویحییٰ الحمانی،عبدالحمید بن عبدالعزیزابن أبی رواد، عثمان بن الغیاث البصری، عمر بن ذر، عمرو بن مرة، محمد بن حازم ، ابومعاویة الضریر ، ورقاء بن عمر الیشکری ،یحییٰ بن صالح الوحاضی ، یونس بن بکیر.

هؤلاء رموا بالإرجاء وهو تاخیر القول فی الحکم علیٰ مرتکب الکبائر بالنار. (۱)

ترجمہ: فائدہ: ہمارا ارادہ ہے کہ یہاں ان حضرات کا ذکر کریں جن کو بدعتی کہا گیا اور ان سے امام بخاری اور امام مسلم ہر دو حضرات نے یا کسی ایک نے روایت لی ہے اور وہ حضرات یہ ہیں۔ ابراہیم بن طہمان' ایوب بن عائذ طائی' ذر بن عبداللہ مرہبی' شبابہ بن سوار، عبدالحمید بن عبدالرحمٰن' ابویحییٰ الحمانی' عبدالمجید بن عبدالعزیز ابن ابی رواد' عثمان بن غیاث بصری' عمر بن ذر' عمرو بن مرۃ' محمد بن حازم' ابومعاویہ ضریر' ورقاء بن عمر یشکری یحییٰ بن صالح وحاظی' یونس بن بکیر' ان سب پر ارجاء کا الزام عائد کیا گیا یعنی یہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب کے بارے میں اس کے دوزخی ہونے کا فیصلہ آخرت پر

---

(۱) تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی للحافظ جلال الدین عبدالرحمن السیوطی (المتوفی:۹۱۱ھ) -النوع الثالث والعشرون-صفة من تقبل روایته ومایتعلق به ص،۲۸۷- ط:قدیمی.

چھوڑتے ہیں (یعنی دنیا ہی میں معتزلہ کی طرح اس کے ناری ہونے کے قائل نہیں بلکہ اس کا معاملہ آخرت پر چھوڑتے ہیں کہ وہاں معلوم ہوگا ان میں سے کون دوزخ میں جاتا ہے، اور کون اس سے رہائی پاتا ہے۔)

امام صاحب کو مرجئہ کہنے کے اسباب وعوامل پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں:

تنبیہ: قد عد جماعة الإمام أباحنیفه من المرجئة ولیس هذا الكلام علی حقیقة.

ترجمہ: ایک جماعت نے امام صاحب کو مرجئہ میں شمار کیا ہے، لیکن یہ بات واقع کے خلاف ہے۔

اور پھر اس کی وجوہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أما أولاً: فقال شارح المواقف: كان غسان ......الخ

وأما ثانیاً: فقد قال الآمدی......إن المعتزلة كانوا فی الصدر الأول یلقبون من خالفهم فی القدر مرجئاً.

أولأنه لما قال: الإیمان لایزید ولاینقص، ظن به الارجاء بتاخیر العمل من الإیمان. (۱)

ترجمہ: (۱) پہلا سبب تو یہ ہے کہ غسان اپنے مذہب کی ترویج کے لیے ایسا کرتا تھا (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے)

(۲) دوسرا سبب یہ ہے، آمدی نے کہا کہ صدر اول میں معتزلہ کا یہ رویہ تھا کہ تقدیر کے مسئلہ میں جو ان سے اختلاف کرتا وہ ان کو مرجئہ کہا کرتے تھے۔

(۳) یا یہ کہ امام صاحب چونکہ ایمان میں کمی زیادتی کے قائل نہیں تھے اس لیے ان پر

---

(۱) الخیرات الحسان فی مناقب الإمام أبی حنیفة النعمان للحافظ شهاب الدین احمد بن الحجر العسقلانی –الفصل السابع والثلاثون فی الرد علی من قدح أبی حنیفةبتقدیمه القیاس عل السنة – ص ۱۵۶ –ط: ایچ ایم سعید.

مرجئہ ہونے کا الزام لگایا گیا کہ وہ عمل کو ایمان سے مؤخر رکھتے ہیں۔

غرض امام صاحب پر "ارجاء" کا الزام اہل بدعت یا ان سادہ لوح ارباب روایت کا لگایا ہوا ہے جو علم کلام کے دقیقہ شناس نہیں تھے، اور یہ مذموم حرکت سب سے پہلے معتزلہ اور مرجئہ ضالہ سے سرزد ہوئی، اور انہی بدعتیوں کی پیروی میں مؤلف نے بھی امام صاحب کو مرجئہ کہہ دیا اور نہ جو حقیقت اور واقع کے مطابق ہے وہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔

آخر میں اس بارے میں مولانا ابراہیم میرؒ سیالکوٹی کی رائے معلوم کرلیں کیونکہ وہ علماء اہل حدیث میں بڑی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

> "اس موقعہ پر اس شبہ کا حل بھی نہایت ضروری ہے کہ بعض مصنفین نے سیدنا امام ابوحنیفہؒ کو بھی رجال مرجئہ میں شمار کیا ہے حالانکہ آپ اہل سنت کے بزرگ امام ہیں اور آپ کی زندگی اعلیٰ تقویٰ اور تورع پر گزری جس سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ بے شک بعض مصنفین نے (خدا ان پر رحم کرے) امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر اور امام حسن بن زیادؒ کو رجال مرجئہ میں شمار کیا ہے جس کی حقیقت کو نہ سمجھ کر اور حضرت امام صاحب ممدوح کی طرز زندگی پر نظر نہ رکھتے ہوئے بعض لوگوں نے اسے خوب اچھالا ہے لیکن حقیقت رس علماء نے اس کا جواب کئی طریق پر دیا ہے۔" (۱)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

> "بعض لوگوں کو حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے حوالے سے بھی ٹھوکر لگی ہے آپ نے حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مرجئوں میں شمار کیا ہے۔ سو اس کا جواب ہم اپنے الفاظ میں نہیں بلکہ اپنے شیخ الشیخ حضرت سید نواب صاحب مرحوم کے حوالے سے دیتے ہیں۔" (۲)

---

(۱) تاریخ اہل حدیث – مولانا محمد ابراھیم میر سیالکوٹی – ارجاء اور امام ابوحنیفہ۔ ص ۷۷ – ط: مکتبہ قدوسیہ لاھور دسمبر ۲۰۰۰ء

(۲) المرجع السابق – ص ۹۳.

اور اس کے بعد میر صاحب نے ''دلیل الطالب'' کی وہی عبارت ذکر کی ہے جس کو ہم ذکر کر آئے ہیں۔ اور ایک اور مقام پر اس ساری بحث کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حاصل کلام یہ کہ لوگوں کے لکھنے سے آپ کس کس کو ائمہ اہل سنت کی فہرست سے خارج کریں گے۔''

نہ تنہا من دریں مے خانہ مستم جنید و شبلی و عطار شد مست

کتبہ: سردار احمد

بینات-شعبان و رمضان و شوال ۱۴۰۴ھ

(۱) الغنية لطالبى طريق الحق -فصل أما المرجئة بالجهمية- ۱/ ۹۰، ۹۱ -ط: مكتبه خاور لاهور.

جواب: یہاں ''حنیفہ'' سے مراد فرقہ غسانیہ ہے جو غسان بن ابان کوفی کے متبع ہیں اس شخص کے کئی عقائد ایسے ہیں جو عقائد اہل سنت کے بالکل متضاد ہیں .... یہ شخص اپنے مذہب کو رواج دینے کے لیے لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ امام ابوحنیفہ کی رائے بھی یہی ہے، حالانکہ یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر افترا تھا، اس طرح وہ لوگ اپنے آپ کو ''حنیفہ'' کہلاتے تھے اور اتباع امام کا دعوی کرتے تھے چنانچہ وہ اسی نام سے مشہور ہو گئے، جس کی بناء پر شیخ عبدالقادر جیلانی نے ان کے اصولی عقائد کے پیش نظر ان کو مرجۃ میں شمار کیا اور ''حنیفہ'' کے نام سے مشہور ہونے کی وجہ سے ''حنیفہ'' لکھا، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آیا حضرت شیخ کی مراد امام ابوحنیفہ یا آپ کے مقلدین ہیں تو یہ قطعاً غلط ہے اور کوئی بھی ذی شعور اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا، عام مسلمان بھی جانتا ہے کہ احناف (اہل سنت) کے عقائد اور مرجۃ کے عقائد میں کتنا تضاد ہے، تو یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت شیخ اس سے واقف نہ تھے، یقیناً آپ امام اعظم کے عقائد اور غسانیہ فرقے کے عقائد میں فرق سمجھتے تھے اس لیے یہاں مراد فرقہ غسانیہ ہے، چونکہ وہ ''حنیفہ'' نام سے مشہور ہو چکے تھے اس لیے ''حنیفہ'' لکھا گیا۔ تفصیل کے لیے مذاہب الاسلام از مولانا نجم الغنی رام پوری ص ۵۲۰ تا ۵۲۳ دیکھا جائے۔

(غنیۃ الطالبین اردو مترجم محمد صدیق ہزاروی-۱/۲۹۱-ط: فرید بک اسٹال)

امام الائمہ پر الزامات کی حقیقت

ایک تحقیقی جائزہ

سوال: کیا کہتے ہیں علماء کرام اس بارہ میں کہ اگر کوئی شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ کو کافر وشیعہ کہے (معاذ اللہ) جیسا کہ علامہ سعید بن عزیز یوسف زئی اہلحدیث نیو کراچی نے کہا۔ موصوف اپنی تصنیف ''بدعات اور ان کا تعارف'' میں اور بعد میں ایک خط کے ذریعہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ پکے شیعہ تھے، علویوں کی حمایت میں عباسیوں نے قید کردیا، سزا دی اور وہیں جیل میں وفات پائی۔

سائل: ہومیوڈاکٹر محمد زاھد

الجواب باسمہ تعالیٰ

بصورتِ مسئولہ جس شخص نے امام ابوحنیفہؒ پر کفر اور شیعیت کا بے بنیاد الزام عائد کیا ہے یہ محض اپنے خبث باطن اور مذموم خیالات کا اظہار کیا ہے، ایسے لوگ اپنی دکان چمکانے اور سستی شہرت حاصل کرنے کی خاطر آئے دن علماء حق اور ائمہ مجتہدین پر طعن وتشنیع اور بے بنیاد الزامات لگاتے رہتے ہیں اور بلاوجہ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ بغض وعناد رکھتے ہیں اور بلادلیل فتویٰ بازی کرکے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ایسی ہستی جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے، جس کو قرآن وسنت کے سمجھنے اور عمل کرنے میں کمال حاصل تھا، جس کی تعریف میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اشارہ ملتا ہو جس کو ''شیخان'' یعنی بخاری ومسلم جن کو خود اہلحدیث مسمی علامہ سعید بن عزیز یوسف زئی نیو کراچی والے بھی مسلم ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں، اسی طرح طبرانی نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے اس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

وفی الدر المختار: منها قوله صلى الله عليه وسلم فيما رواه الشيخان عن أبي هريرة والطبراني عن ابن مسعود ان النبي صلى

اللہ علیہ وسلم قال: "لو کان الإیمان عند الثریا لتناوله رجال من أبناء فارس. وفی روایة الطبرانی عن لفظ آخر "لوکان العلم معلقا عند الثریا لتناوله رجال من ابناء فارس......وقد کان جد ابی حنیفة من فارس علی ماعلیه الاکثر قال الحافظ السیوطی :ھذا الحدیث الذی رواه الشیخان اصل صحیح یعتمد علیه فی الاشارة لابی حنیفةؒ وھو متفق علی صحته وبه یستغنی عماذکره اصحاب المناقب .(۱)

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوتا تو ابنائے فارس اسے حاصل کر لیتے اگر علم ثریا کے پاس ہوتا تب بھی ابنائے فارس میں کا ایک جوان اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا۔ مسلم کے الفاظ یہ ہیں:

لوکان الدین عند الثریا لذھب به رجل من فارس او قال من ابناء فارس حتی یتناوله .(۲)

اگر دین ثریا کے پاس بھی ہوتو لامحالہ فارسی نسل کا ایک آدمی اس کو حاصل کرلے گا۔

امام سیوطی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا مصداق امام ابوحنیفہؒ ہی ہیں جیسے کہ گزر چکا ہے علامہ محمد معین السندی (المتوفی ۱۱۶۱ھ) باوجود قیاس وتقلید کے منکر ہونے کے فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں متعصبین کی کوئی جرح قابل قبول نہیں ہے کیونکہ وہ تو اس عظیم منقبت کے مالک ہیں جس سے انہوں نے ثریا سے علم حاصل کیا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا قول اس کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر علم ثریا میں بھی ہوتو اس کو ضرور فارسی نسل کے کچھ لوگ حاصل کرلیں گے ان کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

وعظیم منقبته الذی قال بھا: "العلم فی الثریا" علی مایشیر الیه

---

(۱) الصحیح للبخاری –کتاب التفسیر –باب قوله واخرین منھم لمایلحقوا بھم–۲/۷۲۷.

رد المحتار علی الدر المختار–۱/۵۳.

(۲) الصحیح لمسلم –کتاب الفضائل –باب فضل فارس –۲/۳۱۲.

المعجم الاوسط للطبرانی(م۳۶۰ھ)رقم الحدیث.۸۸۳۳.ص ۹/۳۸۷.ط:مکتبة المعارف .ریاض

قوله صلی اللہ علیہ وسلم لو کان العلم فی الثریا لنا له رجال من فارس .(۱)

ایک دوسری حدیث امام ابوحنیفہؒ کی مدح کی طرف مشیر ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

قال :ومما یصلح للاستدلال به علی عظیم شان ابی حنیفة ماروی عنه علیه الصلاة والسلام انه قال :"ترفع زینة الدنیا سنة خمسین ومائة"، ومن ثم قال شمس الائمه الکردی :ان هذا الحدیث محمول علی ابی حنیفة لانه مات تلک السنة .(۲)

فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کی عظمت شان کے استدلال میں آنحضرت ﷺ سے مروی وہ حدیث بھی پیش کی جاسکتی ہے جس میں یہ ہے کہ ۱۵۰ھ تک دنیا کی زینت میں اضافہ ہوگا اسی لئے امام شمس الائمہ کردیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہؒ کی عظمت شان پر ایک بھاری استدلال ہے کہ آپ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے۔

لہذا اسعید بن عزیز غیر مقلد نے اپنی کتاب میں یہ الفاظ لکھ کر ایک ایسی ہستی جو کہ امام الائمہ ہے کے متعلق ایسے نازیبا الفاظ استعمال کر کے اپنے فسق کا اظہار کیا ہے اور مخالفت برائے مخالفت کی ہے حالانکہ امام ابوحنیفہؒ کی ذات عالی کو تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے آپ نے صحابہ کرامؓ کی زیارت کی ہے بعض علماء نے آٹھ صحابہ کرام اور بعض نے اٹھارہ صحابہ کرام کا نام ذکر کیا ہے اور "تنویر الصحیفة" نامی کتاب میں ان سے بھی زائد نام ذکر کئے ہیں شامی میں ان کے نام لکھے ہیں ملاحظہ ہوں اور ان سے روایت بھی کی ہے۔

وفی الدرالمختار :وقد ذکر العلامةشمس الدین محمد ابو النصر بن عرب شاه الانصاری الحنفی فی منظومته الالفیة المسماة بجواهر العقائد ودررالقلائد ثمانیة من الصحابة ممن روی عنهم الامام الاعظم ابوحنیفة الی ان قال ناظما :

وقد روی عن انسؓ وجابرؓ وابن ابی اوفی کذا عن عامر

---

(۱) ص ۸۶ .مقام ابی حنیفة عن دراسات اللبیب. ص، ۲۸۹

(۱) رد المحتار علی الدر المختار – ۱ / ۵۳.

اعنی اباالطفیل ذاابن واثلة وابن انیس الفتی وواثلة

عن ابن جزء قدوری الامام وبنت عجز وهی التمام (۱)

ردالمحتار میں ان کے علاوہ بھی نام ہیں:

عتبة، والمقداد، وابن یسر ،وابن ثعلبة،سهل بن سعد، عبدالرحمن بن یزید، ومحمود بن لبید،ومحمود بن الربیع، وابو امامة وابو الطفیل وعمروبن حریث، عمر وبن سلمه وابن عباس وسهل بن حنیف ثم قال وغیرهولاء من اماثل الصحابة رضی الله تعالی عنهم ،ابن عبدالرزاق (۲)

دوسری جگہ تحریر ہے:

وصح ان ابا حنیفة سمع الحدیث من سبعة من الصحابة کما بسط فی أواخر منیة المفتی، وفی الشامیة فامارؤیته لانسؓ وادراکه لجماعة من الصحابة بالسن فصحیحان لاشک فیهما (۳)

مذکورہ بالاحوالہ جات سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ صرف مسلمان نہیں بلکہ ایک اعلی پائے کے عالم باعمل اور تابعی ہیں جو شخص ایسے آدمی کے متعلق کفر وشیعیت کا نظریہ رکھتا ہوا ایسا شخص بقول فقہاء کرام کافر نہ سہی مگر سخت قسم کا گناہگار ضرور ہے، گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہے اور وہ فاسق ہے۔

علامہ علاء الدین الحصکفیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے مخالفین کے متعلق فرمایا کہ جو شخص امام ابوحنیفہؒ کی مخالفت کرے گا وہ مردود اور مبتدع ہے۔ جیسا کہ درمختار میں ہے:

وکل ماخالف مااعتمده مردود ومبتدع (۴)

مشکوۃ میں بخاری اور مسلم کی روایت منقول ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کو کافر کہتا ہے (بھائی سے مراد حقیقی بھائی بھی ہوسکتا ہے اور مسلمان بھائی بھی) تو ان دونوں میں سے ایک کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے حاشیہ میں امام

---

(۱)المرجع السابق–۱/۶۴. (۲)المرجع السابق۱–۱/۶۴ (۳) المرجع السابق۱–۱/۶۳

(۴) مقدمة الدر المختار مع رد المحتار – ۱/۶۱.

نوویؒ نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ جوشخص کافر کہنا حلال سمجھتا ہوتو ایسا شخص کافر ہو جاتا ہے اور جوشخص حلال تو نہیں سمجھتا مگر اس کی تنقیص مقصود ہو اور استہزاء کے طور پر کہتا ہے تو ایسے شخص پر کفر کہنے کا گناہ ہوگا، وہ حدیث ملاحظہ ہو:

عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ایما رجل قال لاخیه کافر فقد باء بها احدهما متفق علیه (۱)

دوسری حدیث وہ ہے جس کو صرف بخاری نے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے:

وعن ابی ذر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لایرمی رجل رجلا بالفسوق ولایرمیه بالکفر الاارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذلک رواہ البخاری (۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جوشخص کسی کو فاسق اور کافر کہتا ہے اور وہ فی الواقع ایسا نہیں تو وہ خود اس کا مصداق بن جاتا ہے۔

امام نوویؒ مندرجہ بالا حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفی حاشیة علی المشکوة ،قال النووی: هذا الحدیث مما عده بعض الفضلاء من المشکلات من حیث ان ظاهره غیر مراد وذلک ان مذهب اهل الحق انه لایکفر المسلم بالمعاصی کالقتل والزنا وقوله لاخیه کافر من غیر اعتقاد بطلان دین الاسلام وإذا تقرر ماذکرناه فقیل فی تأویل الحدیث اوجه:

احدها انه محمول علی المستحل لذلک فعلی هذا معنی باء بها ای بکلمة الکفر ای رجع علیه الکفر.

وثانیها معناه رجعت علیه نقیصته ومعصیة تکفیره...الخ (۳)

---

(۱)مشکوة المصابیح –کتاب الاداب–باب حفظ اللسان والغیبة والشتم –الفصل الاول– ۲/ ۴۱۱.

(۲)المرجع السابق ۲/ ۴۱۱. (۳)المرجع السابق

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اس حدیث کو مشکلات میں شمار کیا ہے کیونکہ ظاہر حدیث کا مفہوم مراد نہیں لیا جاسکتا اس لئے کہ اہل حق اس کے قائل نہیں کہ کوئی مسلمان محض معاصی یعنی قتل زنا وغیرہ اور دین اسلام کے بطلان کا عقیدہ رکھے بغیر کسی کو کافر کہنے سے کافر نہیں ہوجاتا جب یہ بات طے ہوگئی تو اب سنئے حدیث کا مفہوم: ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اس کہنے کو حلال جانتا ہے تو اس پر کفر لوٹ جاتا ہے یعنی وہ کافر ہوجاتا ہے اور اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس کی تکفیر کا گناہ اور نقصان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔

اس کے علاوہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی شان میں مختلف ائمہ و مجتہدین کے اقوال موجود ہیں جنہوں نے امام اعظمؒ کی تعریف کی ہے مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ نامی کتاب میں ابن البز از الکردریؒ نے ان کو نقل کیا ہے، ان میں سے بعض بطور نمونہ پیشِ خدمت ہیں:

(۱) امام شافعیؒ سے مندرجہ ذیل الفاظ میں امام ابوحنیفہؒ کی تعریف منقول ہے:

الشافعي يقول: من اراد ان يعرف الفقه فليلزم ابا حنيفة واصحابه فان الناس كلهم عيال عليه في الفقه. (۱)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو فقہ حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ امام ابوحنفیہؒ اور ان کے تلامذہ کی صحبت اختیار کرے کیونکہ فقہ میں سب لوگ ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔

دوسری روایت ہارون بن سعید کی امام شافعی سے ان الفاظ میں منقول ہے:

قال: قال هارون بن سعيد: سمعت الشافعي يقول: مارايت احداً أفقه من أبي حنيفة .قال الحافظ الخطيب أراد بقوله مارأيت أي ماعلمت لأنه مارآه ......الخ (۲)

---

(۱) مناقب الامام الاعظم أبي حنيفة للموفق بن احمد المكي (م۵۶۸ھ) –اقوال الامام الشافعي في فقه الامام وكون الفقهاء عيالا له –۲/۳۱– ط: مكتبه اسلاميه ميزان ماركيٹ كوئٹه.

(۲) المرجع السابق.

امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا حافظ خطیب فرماتے ہیں کہ مـا رایت کا معنی ہے کہ میرے علم میں نہیں کہ امام ابوحنیفہ سے کوئی بڑا عالم بھی ہے۔ اس لئے کہ امام شافعی نے امام ابوحنیفہ کو (حقیقۃ) نہیں دیکھا۔

(۲) عبدالعزیز بن ابی رواڈ فرماتے ہیں جو شخص امام ابوحنیفہؒ سے محبت رکھتا ہے تو وہ اہل سنت میں سے ہے اور جو شخص امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ بغض وعناد رکھتا ہے وہ اہل بدعۃ میں سے ہے حوالہ ملاحظہ فرمائیں

قـال: قـال عبـدالـعـزيز بن ابی رواد: بيننا وبين الناس ابو حنيفة فمن احبه وتولاه علمنا انه من اهل السنة ومن ابغضه علمنانانه من اهل البدعة قلت: عبد العزيز هذا من شيوخ ابی حنيفة المكيين قد اكثر عنه فی مسنده.(۱)

ہمارے اور لوگوں کے درمیان امام ابوحنیفہؒ کسوٹی ہیں جو ان سے محبت اور دوستی رکھتا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اہل سنت میں سے ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے ہم سمجھ جاتے ہیں کہ وہ اہل بدعت میں سے ہے اور شیخ عبدالعزیز بن ابی رواڈ امام ابوحنیفہ کے ان مکی شیوخ میں سے ہیں جن سے انہوں نے اپنی مسند میں اکثر حدیثیں لی ہیں۔

(۳) امام مالکؒ اکثر اوقات وہ بات کرتے تھے جو امام ابوحنیفہؒ کرتے تھے یا کہتے تھے

يقول :كان مالک بن انس كثيرا ماكان يقول بقول ابی حنيفة ويتفقده وان لم يكن يظهره .(۲)

اور بسا اوقات مسائل میں ابوحنیفہؒ کے قول کا اعتبار کرتے تھے جیسا کہ مناقب میں ہے:

مالک ربما اعتبر قول ابی حنيفة فی المسائل (۳)

(۴) ابن ابی لیلیؒ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے فقہ اور علم میں ان سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا:

(۱) المرجع السابق –قال عبدالعزيز بن أبی رواد من احب أباحنيفة ......الخ –۲/۳۲–مكتبه اسلاميه

(۲) المرجع السابق –كان الإمام مالک يعتبر بقول الامام الاعظم ۲/۳۳

(۳) المرجع السابق –۲/۳۳

فلقيني ابن ابي ليلى فقال يايعقوب كيف صاحبك فقلت صالح فقال لي الزمه فانك لم ترمثله فقها وعلما (۱)

(۵) مسعر ابن کدام بھی امام ابوحنیفہؒ کی تکریم کرتے تھے جب امام ابوحنیفہؒ کو دیکھتے تو اٹھ جاتے تھے حالانکہ وہ ان کے استاد تھے امام ابوحنیفہؒ شاگرد ہیں جیسا کہ مناقب میں ہے:

عن ابن المبارك قال كان مسعرا ذارای اباحنيفة قام له واذا جلس معه جلس بين يديه وكان مجلاله مائلا اليه مثنيا عليه قلت وكان مسعرا بن كدام احد مفاخراالكوفة في حفظه وزهده وكان من شيوخ أبي حنيفة روى عنه في مسنده (۲)

(۶) یحیی ابن آدم کے اقوال:

يحيى ابن آدم قال اتفق اهل الفقه والبصر انه لم يكن احد افقه من ابي حنيفة: ويحيى بن آدم يقول كان كلام ابي حنيفة في الفقه لله ولو كان ليشوبه شئى من امر الدنيا. (۳)

یحیی ابن آدم کہتے ہیں کہ اہل فقہ اور بصیرت کا اتفاق ہے کہ ابوحنیفہؒ جیسا بڑا کوئی فقیہ نہیں ہے آپ کا کلام محض اللہ کے لئے ہوتا۔

(۷) على ابن مديني يقول كان يحيى بن آدم عالما بالناس وباقاويلهم كثيرا لحديث والفقه وكان يميل إلى أبي حنيفة ميلاشديدا (۴)

باقی امام ابوحنیفہؒ پر شیعت کا الزام ان کے مذہب اہل السنۃ میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی ناکام سعی بلاشبہ غلط اور بلا دلیل ہے کیونکہ کسی کا مذہب کیسا ہے؟ اس کا ثبوت قرآن وحدیث میں تو نہیں ہوگا کیونکہ یہ اس کا شخصی اور نجی معاملہ ہے لہذا اس کے ثبوت کیلئے اقرار یا شہادت تاریخی کا ہونا ضروری ہے مگر مدعی کے پاس

---

(۱) المرجع السابق - ۲/۳۵ (۲) المرجع السابق - ۲/۳۷

(۳) المرجع السابق - اقوال يحيى بن آدم في جلالة شان الإمام ۲/۴۱

(۴) المرجع السابق - ۲/۴۱

ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہے۔

امام صاحب کا مسلمان ہونا جس تواتر سے امت میں مسلم ہے، اسی تواتر سے ان کا اہل سنت ہونا بھی مسلم ہے، اگر متواترات کا انکار ہونے لگے تو صدیقؓ، فاروقؓ اور عثمانؓ کی صحابیت بھی ثابت نہ ہو سکے گی جیسا کہ بد بخت شیعوں کا وطیرہ ہے۔

امام صاحب کی عقائد کی کتاب فقہ اکبر موجود ہے اور پھر عقیدۃ الطحاویہ میں سب عقائد اہل سنت والجماعۃ کے ہیں اور شیعہ کے عقائد کی مخالفت ہے اعمال میں وضوء نماز سے لے کر میراث تک اور زکوۃ وغیرہ کے مسائل میں شیعہ کے خلاف ہے۔

پھر انہوں نے اپنی کتاب الوصیۃ میں اپنے بیٹے کو (۱۷) نمبر وصیت میں یوں فرمایا:

ان تتمسک بمذهب اهل السنة والجماعة (۱)

ترجمہ: اہل سنت کے مذہب کو مظبوطی سے تھامے رکھنا۔

امام صاحب سے منقول متواتر عقائد اور اعمال میں شیعوں کی مخالفت ہے صرف ابو الفضل سلیمانی نے ہی بعض محدثین کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ سے افضل جانتے تھے چنانچہ میزان الاعتدال میں ہے:

وذكر اسامی الشيعة من المحدثين الذين يقدمون عليا على عثمان الاعمش النعمان بن ثابت ،شعبة بن الحجاج ،عبدالرزاق ، عبدالله بن موسى ،عبد الرحمن بن ابی حاتم (۲).

لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ یہ بات نہ تو فقہ اکبر میں ہے اور نہ ہی احناف کی کسی مستند کتاب میں ہے بلکہ ابو الفضل سلیمانی نے محض بے سند لکھا ہے پھر متواترات کے خلاف تو صحیح سند بھی شاذ کہلاتی ہے اور مردود ہے چہ جائیکہ بے سند بات کو متواترات کے خلاف کہا جائے۔

---

(۱) مجموعه وصايا الامام الأعظم –السابع عشر –وصية الإمام لابنه حماد –ص ۶۲ –ط: ادارة المعارف

(۲) ميزان الاعتدال فی نقد الرجال –حرف العين –ترجمة عبدالرحمن بن أبی حاتم – ۲/۵۸۸ – رقم الترجمة : ۴۹۶۵ – ط: دار المعرفة بيروت.

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ صحابہ کے منکرین کو اصل میں ''رافضی'' کہا جاتا ہے، رافضیوں نے عوام میں اپنے آپ کو ''شیعہ'' کہنا شروع کردیا اور اس کا پروپیگنڈہ خوب کیا تاکہ ایسے حوالوں سے لوگوں کو دھوکہ دیا جاسکے۔

امام ابوحنیفہؒ سے جب اہل سنت والجماعۃ کے مذہب کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے مندرجہ ذیل الفاظ میں جواب دیا:

وسئل ابو حنيفة عن مذهب أهل السنة والجماعة فقال هو أن يفضل الشيخين يعنى أبابكر وعمر على سائر الصحابة، وأن يحب الختنين يعنى عثمان وعلى، وأن يرى المسح على الخفين (۱)

''امام ابوحنیفہؒ سے مذہب اہل سنت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ (اس کی خاص علامت) یہ ہے کہ شیخین کو یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو تمام صحابہ پر فوقیت اور فضیلت دے اور آنحضرت ﷺ کے دامادوں یعنی حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے محبت رکھے اور موزوں پر مسح کرے۔''

''الفقہ الاکبر'' میں امام ابوحنیفہؒ نے تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور حضور ﷺ کے بعد افضل الناس حضرت ابوبکر صدیقؓ کو قرار دیا اور خلیفۂ اول بلافصل بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرار دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ تسلیم کیا ہے اور یہی عقیدہ تمام اہل سنت والجماعت کا ہے جبکہ شیعوں کا عقیدہ اس کے برعکس ہے کیونکہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ اول بلافصل مانتے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ اہل سنت والجماعت کے عقائد رکھتے ہیں نہ کہ شیعیت کے چنانچہ حضرت الامامؒ اپنے رسالہ فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:

وافضل الناس بعد النبيين عليهم الصلاة والسلام أبوبكر الصديقؓ ،ثم عمرؓ بن الخطاب ،ثم عثمانؓ بن عفان ذو النورين ،ثم

(۱) حاشية الهداية لعبد الحى اللكنوى (المتوفى: ۱۳۰۴ھ) عن النهاية -باب المسح على الخفين - ۱/۵۷ - ط: مكتبه شركة علمية.

علیؓ بن ابی طالب المرتضی رضوان الله علیهم اجمعین (۱)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیقؓ اس کے بعد حضرت عمرؓ اس کے بعد حضرت عثمانؓ اور اس کے بعد حضرت علیؓ ہیں۔

ملاعلی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں:

واما الخليفة فليس لهم ان يولوا الخلافة الا افضلهم وهذا فى الخلفاء خاصة وعليه اجماع الامة انتهى (۲)

البتہ خلافت کا معاملہ یہ ہے کہ خلیفہ اسے بنایا جاتا ہے جو ان سب میں سے افضل ہو اور یہ صرف خلفاء کے ساتھ مخصوص ہے اور اس پر اجماع ہے۔

وتفضيل أبى بكر وعمر رضى الله عنهم متفق عليه بين اهل السنة وهذا الترتيب بين عثمان وعلى رضى الله عنهما هو ماعليه أكثر اهل السنة (۳)

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی افضلیت اہل سنت کے مابین متفق علیہ ہے اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان بھی یہی ترتیب ہے اور جمہور اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے۔

روافض اور اکثر معتزلہ حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ پر فضیلت دیتے ہیں جو اہل سنت والجماعۃ کے عقائد کے خلاف ہے جیسا کہ شرح فقہ اکبر میں ہے:

ثم اعلم ان جميع الروافض واكثر المعتزلة يفضلون عليا على ابى بكرؓ والصحيح ماعليه جمهور اهل السنة وهو الظاهر من

---

(۱) شرح كتاب الفقه الاكبر للامام الاعظم ابى حنيفة النعمان بن ثابت الكوفیؒ (المتوفى: ۱۵۰ھ)-بحث فى أن افضل الناس بعده عليه الصلوة والسلام الخلفاء الاربعة -ص ۱۰۸ تا ۱۱۳-ط: دار الكتب العلمية.

(۲) شرح كتاب الفقه الاكبر-ص ۶۳-ط: قديمى.

(۳) الفقه الاكبر مع شرحه لملاعلى القارى -ص ۱۱۳-ط: دار الكتب العلمية.

قول ابی حنیفة (۱)

واضح ہوا کہ اکثر معتزلہ اور تمام روافض حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ پر فضیلت دیتے ہیں جبکہ صحیح وہ ہے جس پر جمہور اہل سنت ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

الفقہ الاکبر کے دوسرے نسخہ میں جو کہ مکۃ المکرّمۃ کا مطبوعہ ہے اس کے صفحہ ۹۶ پر بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ''النبیین علیهم الصلاة و السلام'' کے الفاظ منقول ہیں۔(۲)

العقیدۃ الطحاویہ میں جمہور المذاہب الاربعۃ کا یہ عقیدہ تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت بلافصل تھی ان کے بعد حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ اور چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ تھے اور محمد ناصر الدین الالبانی نے وہ احادیث بھی نقل کی ہیں جن سے خلافت کی طرف اشارہ تھا جس کی مکمل تفصیل اور شرح العقیدۃ الطحاویہ میں دیکھی جاسکتی ہے وہ عبارت ملاحظہ ہو جس کو علامہ ابن ابی العز الحنفی نے تحریر فرمایا:

قوله ونثبت الخلافة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم أولاً لابى بكر الصديقؓ تفضيلا له وتقديماً على جميع الامة، ثم لعمر بن الخطابؓ، ثم لعثمانؓ، ثم لعلىؓ بن ابى طالب ،وهم الخلفاء الراشدون والائمة المهديون (۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے خلافت ثابت کرتے ہیں کہ وہ تمام امت سے مقدم اور افضل ہیں اس کے بعد عمر بن خطابؓ اور پھر حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد حضرت علیؓ کے لئے اور یہی خلفاءِ راشدین اور ائمہ مھدیین ہیں۔

---

(۱) المرجع السابق –بحث فى أن افضل الناس بعده عليه الصلوة والسلام ......الخ–ص ۱۱۳.

(۲) شرح كتاب الفقه الاكبر–ص ۹۶

(۳) شرح العقيدة الطحاوية للقاضى على بن على بن ابى العز الدمشقى –ثبوت الخلافة لأبى بكر بالنص ...... الخ–ص ۶۹۸، ۷۰۱، ۷۱۲، ۷۲۱، ۷۲۶، ط: دارعالم الكتب(رياض)

مذکورہ عبارت کے ذیل میں محمد ناصر الدین الالبانی نے حذیفہ بن الیمان کی حدیث نقل کی ہے جس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں۔

قال رسو ل اللہ ﷺ اقتدوا بالّذین من بعدی ،ابی بکر وعمر (۱)

..................میرے بعد ابوبکر وعمر کی اقتداء کرو۔

عن عائشةؓ وعن ابیھا قالت ....دخل علی حتی اکتب لابی بکر کتابا (۲)

باقی جہاں تک حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کی وفات کا تعلق ہے تو حقائق سے آگاہ ہونے کے لئے معلوم ہونا چاہئے کہ امام صاحب کی وفات کے محرکات کچھ اور تھے موصوف کا یہ کہنا کہ امام صاحب کوعلویوں کی حمایت میں عباسیوں نے قید کر کے سزادی اور وہیں جیل میں وفات پائی یہ سراسر غلط اور جہالت پر مبنی ہے اور امام صاحبؒ پر ایک طرح کا الزام ہے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کی وفات کا ایک عجیب وغریب واقعہ ہے جس کو مختصرا تاریخ کے حوالہ جات کی مدد سے نقل کیا جاتا ہے امید ہے ارباب عقل ودانش کے لئے کافی وافی ہوگا ، رہے معاندین تو ان کے لئے اگر دلائل کے انبار بھی اکٹھے کر کے پیش کر دیئے جائیں تو وہ بھی کم رہیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقل وفہم اور بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

امام ابوحنیفہؒ کی وفات کا واقعہ کچھ یوں پیش آیا کہ امام ابوحنیفہ کو بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان بن محمد الحمار (المتوفی ۱۳۲ھ) کے عہد میں حکومت عراق کے جابر گورنر یزید بن عمرو بن ہبیرہ نے سیاسی طور پر اپنے اقتدار کو مستحکم بنانے اور عوام کا تعاون حاصل کرنے کے لئے عہدۂ قضاء پیش کرنا چاہا، مگر امام صاحب نے حکومت وقت کے ظلم وجور اور بے اعتدالیوں وبدعنوانیوں کے باعث یہ عہدہ قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا، جس کی پاداش میں ابن ہبیرہ نے ان کے لیے روزانہ دس کوڑوں کی سزا تجویز کی۔

---

(۱)سنن ابن ماجه للامام ابی عبدالله محمد بن یزید بن ماجه(المتوفی: ۲۷۳ ھ)—المقدمة —فضل أبی بکر الصدیق—ص ۱۰—ط: قدیمی.

جامع الترمذی —باب فضائل اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم —مناقب ابی بکر الصدیق —۲/۲۰۷.

(۲)شرح العقیدة الطحاویة —ثبوت الخلافة لأبی بکر بالنص—ص ۲۹۹ — ط. دار عالم الکتب ریاض

پہلے تو صرف کوفہ کی قضاء کا عہدہ پیش کیا مگر بعد میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ پیش کیا گیا اور تاریخ بتلاتی ہے کہ کئی ایک دفعہ تو قاضی القضاۃ، وزیر خزانہ اور وزیر مالیات کے عہدے بھی ایک ہی شخصیت کے حوالے کئے جاتے تھے، چنانچہ جب امام صاحب کو مذکورہ بالا عہدے پیش کئے گئے تو بادشاہ نے ان کو اختیار دیا کہ یا تو اپنی پشت اور پیٹ پر سزا کے کوڑے برداشت کریں یا پھر یہ عہدہ سنبھالیں امام موصوفؒ نے آخرت کی سزا پر ان کی سزا کو ترجیح دی اور یہ عہدہ قبول نہ کیا حتی کہ ان کی والدہ صاحبہ نے بھی یہ کہا کہ بیٹے یہ عہدہ قبول کرلے، انہوں نے فرمایا کہ اماں جان جس بات کو میں جانتا ہوں آپ نہیں جانتیں

اس کے علاوہ حضرت الامامؒ کے ہمدرد اور خیر خواہ رفقاء نے بھی کچھ اسی طرح کا مشورہ دیا اور اس سے بھی آگاہ کردیا تھا کہ عہدہ قبول نہ کرنے کی شکل میں مشکلات و مصائب جھیلنا ہوں گی، چنانچہ امام ابو حنیفہ کو روزانہ سزا ملتی اور اعلانیہ سزا دی جاتی، بارہ دن تک روزانہ ان کو باہر نکالا جاتا اور منادی کرائی جاتی جب لوگ جمع ہوجاتے تو ان کے سامنے روزانہ دس کوڑے مارے جاتے پھر ان کو گھمایا جاتا اس طرح بارہ دنوں میں ایک سو بیس کوڑے پورے کئے گئے لیکن یہ سلسلہ چلتا رہا۔

جب بنو امیہ کا دور ختم ہوا اور عباسی دور کا آغاز ہوا اور عباسی خلیفہ سفاح (المتوفی ۱۳۶ھ) کے بعد ابو جعفر منصور (المتوفی ۱۵۸ھ) کا عہد شروع ہوا تو اس کو بھی اپنی حکومت و سلطنت کے استحکام اور عوام و خواص کو اپنی طرف مائل کرنے کی غرض سے امام موصوف کی علمی اور عملی شہرت کو اپنے لئے آلہ کار بنانے کی ضرورت پیش آئی اس نے بھی امام صاحب کو عہدۂ قضاء پیش کرنا ضروری سمجھا اس نے بھی یہی پیش کش کی مگر امام صاحب نے اس سے انکار کردیا، چنانچہ امام صاحب کو اس نے بھی قید کردیا اور ان کو تیس کوڑوں کی سزا دی یہاں تک کہ ان کے بدن سے خون نکل کر ان کی ایڑیوں سے بہتا رہا۔

مناقب صدر الائمہ ص ۲۱۵ ج ۲ پر لکھا ہے کہ امام صاحب کے عہدہ قضاء کے انکار پر ان کے جسم کو ننگا کرکے تیس کوڑوں کی سزا دی یہاں تک کہ ان کی پیٹھ سے خون نکل کر ان کی ایڑیوں سے بہتا رہا ظالموں نے ظلم کی انتہاء کردی مگر امام ابو حنیفہؒ کے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہیں آئی، چنانچہ ابو جعفر منصور نے یہ حربہ استعمال کیا کہ امام صاحب کو جیل میں زہر دلوایا، ثم سقاہ سما فمات، (تاریخ بغداد ص ۳۳۳ ج ۱۲) جس سے ان کی وفات ہوگئی، امام صاحبؒ نے جب زہر کا اثر محسوس کیا تو سجدے میں گر گئے اور

اسی حالت میں روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔مندرجہ بالا واقعات کے حوالہ کے لئے ملاحظہ ہوں:
تاریخ بغداد کے صفحہ ۳۲۸ ج ۱۳ میں ہے:

حکم ابن هبيرة اباحنيفة ان يلي له قضاء الكوفة فابى عليه فضر به مائة سوط وعشرة اسواط،في كل يوم عشرة اسواط وهو على الامتناع .(۱)

ابن ہبیرہ نے امام ابوحنیفہؒ سے کہا کہ وہ کوفہ کی قضاء کا عہدہ قبول کرلیں مگر آپ نے انکار فرمادیا جس پراس نے آپ کو ایک سودس کوڑے مارے جانے کا حکم دیا روزانہ دس کوڑے لگتے تھے مگر آپ مسلسل انکار کرتے رہتے۔

مناقب موفق میں ہے:

حبس ابو حنيفة في السجن اياماً يطلب منه ان يكون قاضي القضاة فامتنع(۲)

امام صاحب کو مقید کیا گیا اور عہدہ قضاء قبول کرنے پر اصرار کیا مگر انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔
اسی کتاب کے دوسرے صفحہ پر ہے:

......سمعت أبا يوسف يقول علق أبو حنيفة بين العقابين وضرب عشرة اسواط على ان يلي القضاء فابى (۳)

ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کو الٹا لٹکا کر روزانہ دس کوڑے مارے جاتے اور عہدہ قضاء پیش کیا جاتا مگر آپ مسلسل انکار کرتے جاتے۔

مناقب موفق میں ہے:

طلب منه ان يتولى القضاء ويخرج القضاة من تحت يده الى

---

(۱)تاريخ بغداد للحافظ أبي بكر احمد بن علي الخطيب البغدادي(المتوفى: ۴۶۳ھ)—ذكر من اسمه النعمان—ذكر قدوم أبي حنيفة بغداد وموته بها—۱۳/ ۳۳۱—ط:دار الكتب العلمية بيروت .
(۲)مناقب الامام الاعظم أبي حنيفة للموفق(م۵٦٨ھ)— ۲/ ۱۷۳—ط: مكتبه اسلاميه كوئٹه
(۳) المرجع السابق —۲/ ۱۷۴

جمیع کور الاسلام واعتل علیه بعلل ولم یقبل .(۱)

ان سے کہا گیا کہ قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کریں تاکہ باقی تمام اسلامی شہروں میں قاضی آپ کے حکم اور نگرانی میں مقرر کئے جائیں۔

مناقب موفق میں ہے کہ امام صاحب کو وزیر خزانہ کا عہدہ پیش کیا گیا مگر آپ نے اس کے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ چنانچہ مناقب موفق میں ہے:

وخیّره السلطان علی ان یوجع ظهره وبطنه او یجعل مفاتیح خزائن الاموال بیده فاختار عذابهم علی عذاب الأخرة .(۲)

بادشاہ نے آپ کو اختیار دیا کہ یا تو اپنی پیٹھ کو اذیت کے لئے تیار رکھیں یا پھر وزارت خزانہ کی چابیاں سنبھال لیں مگر آپ نے ان کی دنیاوی تکلیف کو آخرت کے مواخذہ پر ترجیح دی۔

''الخیرات الحسان'' میں لکھا ہے:

قال الربیع ارسلنی لاحضاره یزید بن عمر وبن هبیرة متولی العراق لمروان بن محمد آخر ملوک بنی امیة فاراده علی بیت المال فابی فضربه اسواطا وبسط هذه القصة......الخ .(۳)

عہدۂ قضاء کو قبول نہ کرنے کی وجہ یہ فرمائی کہ:

فکیف وهو یرید ان یکتب بضرب عنق رجل مسلم (۴)

یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کیا وہ چاہتا ہے کہ وہ کسی انسان کے قتل کا پروانہ لکھے اور

---

(۱)مناقب الامام الاعظم للکردری– الباب الثامن والعشرون فی ذکر انکار القضاء وسبب وفاته– ۱۷۲/۲.

(۲)المرجع السابق –وفاة الإمام رضی اللّٰه عنه – ۲/ ۱۷۷

(۳)الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم أبی حنیفة النعمان لابن حجر الهیثمی المکی–الفصل الثامن والعشرون فی محنته ......الخ –ص ۱۳۷ –ط: ایچ ایم سعید

(۴) المرجع السابق .

وہ میرے نام لکھا جائے؟

اور عقود الجمان میں یوں لکھا ہے:

وهو يريد ان يكتب بضرب عنق رجل واختم اناعلى ذلك الكتاب فوالله لاادخل فى ذلك ابداً.(۱)

کیا وہ چاہتا ہے کہ وہ کسی انسان کے قتل کا پروانہ لکھے اور میں اس پر مہر تصدیق لگاؤں واللہ میں کبھی بھی اس (ہلاکت کی وادی) میں داخل نہیں ہوں گا۔

جب ابن ہبیرہ نے مذکورہ بالا جواب سنا تو سخت غصے سے اس کا چہرہ لال سرخ ہوگیا اور ابن صیاد کی طرح غصے میں کہنے لگا بخدا میں اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا کر رہوں گا اور ابوحنیفہ کو سخت سزا دوں گا۔

مگر اس پر حضرت امام ابوحنیفہؒ ذرہ بھر متاثر نہ ہوئے بلکہ فرمایا:

فقال ضربه لى فى الدنيا اسهل على من مقامع الحديد فى الأخرة والله لافعلت ولو قتلنى(۲)

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ ان کی دنیا کی مار میرے لئے آخرت کے گرزوں سے زیادہ بہتر ہے بخدا میں کبھی بھی ایسا نہیں کروں گا چاہے وہ مجھے قتل کردے۔

مناقب کردری ص ۲۶ ج ۲ کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

فقال ضربه لى فى الدنيا اهون من معالجة مقامع الحديد فى الأخرة والله لاافعل وان قتلنى ....الخ (۳)

فرمایا اس کی دنیا کی مار میرے لئے آخرت کے لوہے کے گرزوں سے زیادہ آسان ہے واللہ میں ایسا نہ کروں گا چاہے وہ مجھے قتل بھی کردیں۔

---

(۱) مناقب الامام الاعظم -الباب الثامن فى ذكر اخباره مع ابن هبيرة ۲/۲۴.

(۲) المرجع السابق -۲/۲۲.

(۳) مناقب الامام الاعظم للكردى للامام حافظ الدين محمد بن محمد بن شهاب المعروف بابن البزازالكردى الحنفى صاحب الفتاوىٰ البزازيه(المتوفى:۸۲۷ھ)-۲/۲۶-ط: مكتبه اسلاميه كوئٹه.

قاضی ابن ابی لیلی، ابن شبرمہ اور داؤد بن ابی ہند وغیرہ کا ایک وفد ابوحنیفہ سے ملا اور سب نے حکومت کے عزائم اور ارادوں سے ان کو آگاہ کیا اور حالات کی انتہائی نزاکت سے باخبر کیا اور سب نے یک زبان ہوکر مخلصانہ اور ناصحانہ انداز میں کہا:

انا ننشدک الله ان تهلک نفسک فانا اخوانک و کلنا کاره لهذا الامر ولم نجد بدا من ذلک فقال ابو حنیفه لو ارادنی ان اعدله ابواب مسجد واسط لم ادخل فی ذلک (۱)

بلاشبہ ہم سب آپ کو اللہ کا واسطہ دیتے ہیں اور ہم آپ کے بھائی ہیں اور ہم بھی اس عہدۂ قضاء کو ناپسند کرتے ہیں مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں اس لئے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں اور یہ عہدہ قبول فرمالیں مگر امام صاحب نے فرمایا اگر وہ مجھ سے یہ چاہیں کہ مسجد واسط کا فیصلہ کروں تو اس کے لئے بھی تیار نہیں۔

امام ابوحنیفہ کو روزانہ منادی کر کے علی الاعلان سزا دی جاتی تھی جیسا کہ مناقب موفق میں ہے:

کان یخرج کل یوم ینادی علیه حتی یجتمع الناس فیضرب عشرة اسواط ثم یطاف به حتی ضرب مائة وعشرین سوطا فی اثنی عشر یوما فیضرب کل یوم عشرة اسواط ویطاف به فی الاسواق (۲)

انہیں ہر روز نکالا جاتا اور منادی کی جاتی یہاں تک کہ لوگ جمع ہوجاتے تو انہیں دس کوڑے مارے جاتے پھر انہیں بازار میں پھیرایا جاتا یہاں تک کہ بارہ دنوں میں ایک سو بیس کوڑے پورے ہوئے۔

ابوجعفر نے امام ابوحنیفہ کو عہدۂ قضاء قبول کرنے کی دعوت دی مگر وہ نہ مانے تو اس نے ان کو قید کردیا

---

(۱) مناقب الامام الاعظم للموفق - ۲/۲۴.

مناقب الامام الاعظم للکردری - ۲/۲۷.

الخیرات الحسان - الفصل الثامن والعشرون - ص ۱۳۷ - ط: ایچ ایم سعید.

(۲) مناقب الامام الاعظم للموفق - وفاة الإمام فی رجب سنة ۱۵۰ھ - ۲/۱۷۵، ۱۷۶.

تاریخ بغداد میں ہے:

دعا ابو جعفر اباحنیفة الی القضاء فابی علیه فحبسه (۱)

ابوجعفر نے قاضی کا عہدہ پیش کیا مگر امام ابوحنیفہؒ نے انکار کردیا تو اس نے بھی قید کردیا۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ان المنصور لما عرض علیه القضاء وامتنع ضربه ثلاثین سوطا حتی سال الدم علی عقبیه (۲)

بے شک منصور نے جب حضرت امام کو عہدۂ قضاء قبول کرنے کی پیش کش کی اور آپ نے انکار کیا تو اس نے آپ کو تیس کوڑے لگوائے یہاں تک کہ آپ کا خون نکل کر ایڑیوں کی جانب سے بہنے لگا۔

امام ابوحنیفہ کو ننگا کر کے یہ سزا دی گئی تھی چنانچہ امام موفق الدینؒ لکھتے ہیں:

لما ضرب المنصور اباحنیفةؒ ثلاثین سوطا علی القضاء بعد ما جرد من ثیابه فسال الدم علی عقبیه (۳)

جب منصور نے حضرت الامام کو عہدہ قضاء قبول نہ کرنے پر ننگی پیٹھ پر تیس درے لگوائے تو آپ کے جسم سے خون نکل کر ایڑیوں کی جانب بہنے لگا،

امام ابوحنیفہؒ پر کھانے پینے اور قید میں انتہائی تنگی کی گئی۔

ضیقوا علیه الامر فی الطعام والشراب والحبس (۴)

حضرت الامام پر حالت قید میں کھانے اور پینے کے معاملہ میں نہایت سختی کی گئی

---

(۱) تاریخ بغداد - ذکر عداوة بن هبیرة أباحنیفة علی ولایة القضاء - ۱۳/ ۳۲۹.

(۲) ذیل الجواهر المضیئة للإمام ملاعلی القاری (متوفی ۱۰۴۱ھ) امتناع الإمام عن القضاء - ۴۹۲/۲ - ط: میر محمد.

(۳) مناقب الامام الاعظم للموفق المکی - جواب الامام عن ثلاث مسائل ......الخ - ۱/ ۲۱۵ - ط: کوئٹه

(۴) المرجع السابق - باب وفاة الإمام - ۲/ ۱۷۴.

امام ابوحنیفہ کوجیل میں زہر دیا گیا اوراسی حالت میں ان کو پیٹا بھی گیا تا کہ زہر بدن میں جلدی سرایت کر جائے چنانچہ علامہ کردریؒ لکھتے ہیں کہ:

ثم امر المنصور ان یضرب مصلوبا حتی یتفرق السم علی اعضائه ففعل به ذلک (۱)

پھر منصور نے حکم دیا کہ انہیں الٹا لٹکا کر مارا جائے تا کہ زہر جسم کے تمام اجزاء میں پھیل جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

امام صاحب کو جوزہر دیا گیا تھا عام مورخین اس واقعہ کوامام صاحب کی لاعلمی پر محمول کرتے ہیں لیکن محققین کی خاصی جماعت اس رائے سے اختلاف رکھتی ہے۔

وروی جماعة انه رفع الیه قدح فیه سم یشرب فامتنع وقال انی لااعلم مافیه ولا اعین علی قتل نفسی فطرح فصب فی فیه قهرا فمات (۲)

اور محققین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے کہ حضرت امام نے جب زہر والے پیالے کو ہاتھ میں لے کر پینا چاہا تو ایک دم رک گئے اور فرمایا کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس میں کیا ہے؟ لہذا میں اپنے قتل میں ان کی معاونت نہیں کرنا چاہتا یہ کہہ کر انہوں نے پیالہ رکھ دیا مگر انہیں لٹا کر جبراً زہر پلایا گیا جس سے ان کی وفات ہوگئی۔

اور امام صدر الائمہ لکھتے ہیں کہ جب ان کے سامنے زہر آلود پیالہ پیش کیا گیا اور بار باران کونوش کرنے کے لئے کہا گیا تو امام صاحب نے فرمایا کہ:

لااشرب انی اعلم مافیه لااعین علی نفسی فطرح ثم صب فی فیه(۳)

امام صاحب نے جب پینے سے انکار کیا تو لٹا کر ان کے منہ میں زبردستی انڈیل دیا گیا۔

---

(۱)مناقب الامام الاعظم للکردری–۲/۲۵.

(۲)الخیرات الحسان –الفصل الحادی والثلاثون فی سبب وفاته–ص ۱۴۵.

(۳) مناقب الامام الاعظم للموفق –الباب التاسع عشر...... ۲/۲۴.

اسی صفحہ پر لکھتے ہیں کہ:

فلما حضر بین یدی المنصور دعا له بسویق و امر ان یشربه فابی فاکرهه علی شربه ثم قام مبادرا فقال منصورا الی این فقال حیث وجهتنی فمضی به الی السجن فمات فیه (۱)

جب آپ کو منصور کے سامنے لایا گیا تو منصور نے آپ کے لئے ستو منگوایا اور آپ سے کہنے لگا اسے پیجئے آپ نے جب پینے سے انکار کیا تو جبراً آپ کو پلا دیا گیا اس پر آپ جلدی میں اٹھ کر جانے لگے تو منصور نے کہا کہاں؟ حضرت امام نے فرمایا جس طرف تم بھیجنا چاہتے تھے جیل تشریف لے گئے اور وہیں انتقال فرما گئے۔

اسی صفحہ پر یہ بھی لکھا ہے: ثم سقاه السم فمات .

مناقب موفق میں راشد الواسطی یہ فرماتے ہیں:

قال کنت شاهدا فی الایام التی کان أبو حنیفة یعذب لیلی القضاء فکان یخرج کل یوم فیضرب عشرة اسواط ضرباً وجیعاً یوثر فی سرته اثرا ظاهرا ثم یعاد الی موضعه حتی ضرب مائة سوط وعشرة اسواط یقال له کل یوم اقبل فیقول لااصلح وجعل یبکی حین تتابع علیه الضرب وسمعته یقول خفیا اللهم ادفع عنی شرهم بقدرتک فلما أبی علیهم ضیقوا علیه الامر فی الطعام والشراب والحبس فلما أبی علیهم دسوا الیه فسموه وقتلوه (۲)

فرماتے ہیں میں ان دنوں وہاں موجود تھا جب امام ابوحنیفہ کو عہدۂ قضاء قبول نہ کرنے کے سلسلہ میں سزا دی جارہی تھی چنانچہ روزانہ انہیں نکال کر لایا جاتا اور انہیں اس شدت سے دس کوڑے مارے جاتے کہ ان سے ان کی ناف کی جگہ زخم

(۱) مناقب الامام الاعظم للکردری - ۲/ ۲۴ .

(۲) مناقب الامام الاعظم للموفق - ۲/ ۱۷۴ .

ہو گئے پھر واپس جیل لے جایا جاتا یہاں تک کہ ایک سو دس کوڑے پورے کئے گئے انہیں ہر روز کہا جاتا دیکھو یہ عہدۂ قضاء قبول کرلو آپ فرماتے مجھ میں اس کی صلاحیت نہیں اور مسلسل کوڑے لگنے کی وجہ سے روتے اور نہایت عاجزی سے اپنے اللہ سے دعا کرتے کہ اے اللہ! اپنی قدرت سے ان کے شر کو مجھ سے دفع فرما پھر جب امام صاحبؒ نے انکار کیا تو ان پر کھانے پینے اور حبس وغیرہ کی سختی برتی جاتی بالآخر آپ کو زہر پلا کر شہید کر دیا گیا۔"

مذکورہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول نہ کرنے کی وجہ سے ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا مجموعی طور پر ڈیڑھ سو کوڑے بھی اپنے جسم پر برداشت کئے قید و بند کی زندگی بھی برداشت کی، ننگے بدن پر تازیانے بھی کھائے، بازاروں اور شاہراہوں میں آپ کی تشہیر کی گئی بالآخر زبردستی زمین پر لٹا کر ظلماً زہر کا پیالہ ان کے منہ میں انڈیل دیا گیا جس کی وجہ سے روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کرگئی، مگر آج کے ظالم امام ابوحنیفہؒ پر طرح طرح کے بے بنیاد الزامات لگا کر اور واقعات کو توڑ مروڑ کر محض سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے اپنے خبث باطن کا اظہار کررہے ہیں صاحب عقل وبصیرت کے لئے اتنا کافی وافی ہے، معاندین کے لئے دفتروں کے دفتر بھی ناکافی ہیں۔ واللہ اعلم وھوالموفق والمعین

کتبہ: عارف حسین شاہ

بینات - رمضان، شوال المکرّم ۱۴۱۱ھ

المهند علی المفند

سے متعلق غلط فہمی کا ازالہ

سوال: ایک صاحب کا دعویٰ ہے کہ" المهند علی المفند" مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمہ اللہ علیہ علماءِ دیوبند کے اجماعی عقائد کے خلاف ہے کیونکہ اس کتاب میں مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسئلہ توسل واستشفاع اور شدّ رحال الی زیارت النبی صلی الله علیه سلم کا ذکر ہے لہٰذا یہ کتاب عقائد دیوبند کے مطابق نہیں ہے، لیکن میرا نظریہ ہے کہ یہ کتاب بالکل صحیح ہے اور علماءِ دیوبند کے عین مطابق ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ میرا دعویٰ صحیح ہے یا کہ میرے بھائی کا دعویٰ صحیح ہے، اور کیا "المھند" علماءِ دیوبند کے عقائد کے مخالف ہے یا موافق؟

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

اکابر دیوبند کے کئی دور ہوئے ہیں۔

پہلا دور: حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی (رحمہم اللہ) اور ان کے ہم عصر اکابر کا تھا۔

دوسرا دور: ان اکابر کے شاگردوں کا: جن میں شیخ الہند، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت حکیم الامت تھانوی (رحمہم اللہ) وغیرہ اکابر شامل ہیں۔

تیسرا دور ان کے شاگردوں کا جن میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی (رحمہم اللہ) وغیرہ شامل ہیں۔

چوتھا دور ان کے شاگردوں کا: جن میں مولانا محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا محمد شفیع صاحب (رحمہم اللہ) اور ان کے ہم عصر اکابر شامل ہیں۔

اوراب پانچواں دوران کے شاگردوں کا چل رہا ہے۔

"المہند علی المفند" پر دورِثانی کے تمام اکابر کے دستخط ہیں، یہی عقائد دورِاول کے اکابر کے تھے، اور انہی پر دورِثالث اور دورِرابع کے اکابر متفق چلے آئے ہیں۔

اس لئے "المہند" میں درج شدہ عقائد پر تمام اکابرِ دیوبند کا اجماع ہے۔ کسی دیوبندی کو ان سے انحراف کی گنجائش نہیں، اور جو ان سے انحراف کرے وہ دیوبندی کہلانے کا مستحق نہیں۔

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

مدار نجات-ملاہی-آزادی ارواح

سوال (۱) صدق دل کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد کوئی شخص زندگی بھر بےعمل رہا اور قصداً نمازیں ترک کیں تو مرنے کے بعد یہ شخص اپنے گناہوں کی سزا پاکر جنت میں داخل ہو جائیگا۔

سوال (۲) کسی مجلس میں مزامیر و موسیقی کے ساتھ اشعار گائے جا رہے ہوں تو موسیقی پر دھیان دیئے بغیر اشعار سن لینا چاہئیں یا نہیں۔

سوال (۳) کیا مومن کی روح کو علیین میں جانے کے بعد پھر دنیا میں آنے کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔

جواب (۱) جس مسلمان کے عمل میں قصور ہو نماز اور دیگر اسلامی احکام زندگی میں قصداً ترک کیا ہو لیکن زندگی میں صدق دل سے کلمہ طیبہ پڑھا ہو تو حید و رسالت پر قائم ہو ضروریات دین کو مانتا ہو ایسا شخص قیامت کے دن اپنی بداعمالیوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہو جائیگا البتہ کافر اور مشرک کبھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اس کو بخشش اور مغفرت بھی نصیب نہیں ہوگی وہ ابدالاباد تک جہنم کا ایندھن بنا رہے گا۔

جواب (۲) جس مجلس میں مزامیر، موسیقی اور دیگر ملاہی اور محرمات کا ارتکاب ہو رہا ہو ایسی مجلس میں بیٹھنا بھی جائز نہیں اگرچہ اس کی جانب توجہ اور دھیان نہ کیا جائے۔ لقولہ علیہ السلام

استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق

لہو میں ڈالنے والی چیزوں کا سننا معصیت ہے اور ان میں بیٹھنا فسق ہے۔

جواب (۳) مومن کی روح کا دنیا میں آزادی سے آنا جانا ثابت نہیں ہے روایات صحیحہ و آثار صحابہ اقوال میں تصریحات فقہا کہیں سے ثابت نہیں البتہ بعض صحابہ حضرت سلیمان وغیرہ رضی اللہ اتنا ثابت ہے کہ مومن کی روح کو برزخ میں آزادی حاصل ہے جہاں چاہے جا سکتی ہے۔

فی كتاب الروح لابن قتيبة:

وأما قول من قال إن أرواح المؤمنين في برزخ من الارض تذهب حيث شاء ت فهذا مروى عن سلمان الفارسي(۱)

وفيه أيضا :قال سلمان الفارسي ارواح المومنين في برزخ تذهب حيث شاء ت وارواح الكفار في سجين .(۲)

ابن قیم کی کتاب الروح میں ہے: رہا ان لوگوں کا قول جو اس بات کے قائل ہیں کہ مومنین کی ارواح زمین کے ایک برزخ میں ہیں وہ جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں تو یہ حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے۔

اسی کتاب میں ہے سلمان فارسی وغیرہ صحابہ سے ثابت ہے کہ مومنین کی ارواح برزخ میں ہوتے ہوئے جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں اور کافروں کی ارواح سجین میں رہتی ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد یوسف لدھیانوی

بینات-شعبان ۱۳۸۵ھ

(۱) کتاب الروح لمحمد بن ابی بکر الجوزی (م ۶۱۵ھ)-۱۰۸-ط: دار الکتب العلمیة بیروت.

(۲) المرجع السابق.

جہنمی کلب اور شیطانی ڈنر

یہ معلوم ہوکر انتہائی صدمہ ہوا کہ کراچی کے کسی ہوٹل میں کوئی کلب قائم ہوا ہے جس کا نام ''جہنمی کلب'' رکھا گیا ہے، اور کلب کے ممبروں نے شب کو جو دعوت دی ہے اس دعوت کا نام ''شیطانی ڈنر'' رکھا گیا۔

یہ افسوسناک خبر روزنامہ حریت کراچی ۶ ستمبر ۱۹۶۷ء کے پرچہ میں شائع ہوئی، انا للہ، یہ تو واقعہ ہے کہ یہ کلب واقعی ''جہنمی'' ہے اور اس کے ممبران واقعی ''شیطان'' ہیں اور اس حیثیت سے یہ اسم بامسمی اور ''زبان خلق نقارہ خدا'' کا مصداق ہے لیکن اس واقعہ میں، جو ہماری معاشرتی زندگی کا بھی جلی عنوان ہے سوچنے کی بات یہ ہے کہ انسانوں کے قلوب خوف خدا سے کس قدر خالی ہو چکے ہیں اور معاصی پر جرأت، بے حیائی اور قلبی قساوت کہاں تک پہنچ گئی ہے، یہ صحیح ہے کہ معصوم صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی ہستیاں ہیں عصمت ان کا خاصہ ہے ان کے سوا کون ہے جو معصومیت کا دعویٰ کرے؟ اور سراپا تقصیر انسان سے کیوں کر یہ ممکن ہے کہ ہر معصیت سے دامن بچائے؟ کوتاہی اور لغزش، خطاو تقصیر لوازم بشریت سے ہے لیکن انسانیت ہی کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ فرماں بردار اور اطاعت شعار انسان گناہوں کو گناہ سمجھے اور اپنی تقصیر کا اعتراف کرے حضرت سعدیؒ کے دو شعر جو درحقیقت تصوف کا نچوڑ ہے اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں ۔

بندہ ہماں بہ کہ زتقصیر خویش عذر بدر گاہ خدا آورد
ورنہ سزا وار خداوند یش کس نتواند کہ بجا آورد

انسان باکمال کا یہ کمال ہے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو قصور وار سمجھے گناہوں سے استغفار کرے، گناہوں پر ندامت اور شرم محسوس کرے گناہ پر اصرار سے بچے اس کے دل میں حق تعالیٰ کا خوف موجود ہو، مغفرت کی امید رکھتا ہو اور معاصی کے برے انجام سے بے خوف نہ ہو یہی ایمان کی خاصیت ہے

کہ خوف ورجاء (امید وبیم) دونوں ساتھ ساتھ ہوں۔

انسان کی بدنصیبی اس وقت شروع ہوتی ہے جبکہ اسے گناہوں پر اصرار ہو عاقبت کی فکر سے بے نیازی ہو، اوراس سے بڑھ کر شقاوت یہ ہوتی ہے کہ گناہوں کو کمال سمجھا جائے ان پر فخر کیا جائے شرم وحیا اور خجالت وندامت کا نام ونشان نہ ہو، اوراس سے بھی آگے بدنصیبی کی آخری منزل یہ ہوتی ہے کہ گناہوں سے استہزاء کرے اور شرعی اسلامی حقائق کے ساتھ تمسخر کرے جب نوبت یہاں تک پہنچتی ہے تو انسانی شقاوت اوراس کی قلبی قساوت کی انتہا ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جنت، جہنم، ملائکہ، شیاطین وغیرہ وہ کلمات ہیں کہ اللہ تعالیٰ اوراس کے انبیاء ورسل نے شرائع الٰہیہ وکتب سماویہ میں ان کا ذکر فرمایا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی زبانی ان کے حقائق بتلائے گئے ہیں کون مسلمان ہے جو ان حقائق سے بے خبر ہوگا؟ اب اگر کوئی مسخرہ افسانوں، ڈراموں، سینماؤں اور کلبوں میں ان حقائق کو مسخ کر کے ان سے ٹھٹھا کرے تو انتہائی شقاوت بھی ہوگی اور پورے دین اسلام کی توہین بھی، قرآن کریم کا استخفاف بھی ہوگا اور تعلیمات نبویہ کا استہزاء بھی، اور جب کسی اسلامی مملکت میں اس جرم شنیع کا ارتکاب کیا جائے اور پھر اس کی خبریں اور تصویریں اخبارات میں چھاپی جائیں تو اس اسلامی مملکت کی بے حرمتی ہوگی، اور اگر اس حکومت کا مذہب واقعی دین اسلام اور کتاب وسنت ہے تو گویا بیک وقت اسلام اور حکومت دونوں کی توہین ہوگی۔

اس صورت میں سب سے پہلے ایک اسلامی حکومت کا فرض ہوگا کہ ان بدلگاموں کو روکے اور سخت سزا دے اور اگر اس پر سکوت کیا جائے تو مجرمانہ غفلت ہوگی جس کے نتیجہ میں تمام معاشرہ خدا کے قہر کی زد میں آکر برباد ہوسکتا ہے۔

الغرض اگر مدعی اسلام قوم اور معاشرہ میں یہ وباء سرایت کر جائے تو حالات انتہائی خطرناک ہوجاتے ہیں اور عذاب الٰہی کے آنے کا خطرہ قریب تر ہوجاتا ہے افسوس اس کا ہے کہ ملک میں فواحش ومنکرات کے روزافزوں سیلاب نے نوبت یہاں تک پہنچادی ہے کہ اسلامی اخلاق واقدار کو بری طرح ذبح کیا جارہا ہے اندرونی طور پر دلوں سے خوف خدا نکل گیا اور خارج میں حکومت کے نظام سے فواحش ومنکرات اور بے حیائیوں پر احتساب ختم ہوگیا، جس کے نتیجہ میں پورا معاشرہ ذوق معصیت سے چور، بے

تمیزیوں میں غرق اور تباہی و بربادی کے آخری کنارے پر کھڑا ہے۔

جب معاشرے میں یہ خرابیاں اس حد تک پہنچ جاتی ہیں تو چند صالح افراد کا صلاح وتقوی قوم کو تباہی و بربادی سے نہیں بچاسکتا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

واتقو افتنة لاتصيبن الذين ظلموا منكم خاصة واعلموا ان الله شديد العقاب (الأنفال: ۲۵)

اللہ تعالی کے اس عذاب سے بچو جو صرف ظالموں پر نہیں پڑے گا اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔

متعدد احادیث میں یہ مضمون ہے کہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا امت پر صالحین کے ہوتے ہوئے عذاب آسکتا ہے، فرمایا ہاں! اگر برائی اور خباثت کی کثرت ہو البتہ صالحین شہادت کی موت مریں گے۔

اگر بالفرض آخرت کی بھلائی اور جنت کی نعمتوں سے استغناء ہے اگر چہ یہ بھی انتہائی بدنصیبی ہے تو دنیا کی خیر منانے کے لئے بھی اس خدا فراموش ناپاک زندگی سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

افسوس کہ عقلیں مسخ ہوگئیں خیر وشر کی تمیز ہی ختم ہوگئی پاکیزہ زندگی کی برکات سے جہاں آخرت کی نعمتیں ملتی ہیں آخرت سے پہلے دنیا میں بھی راحت وسکونِ قلب نصیب ہوتا ہے اور عذاب الٰہی سے نجات نصیب ہوتی ہے شہوات کی زندگی میں انہماک کبھی مسلمان قوم کو راس نہیں آیا، جب کبھی مسلمان قوم اس قسم کی حیوانی زندگی میں مبتلاء ہوئی اس کے دردناک اور عبرت ناک نتائج سامنے آئے تاریخ کے صفحات اس پر شاہد ہیں اور عرب کی حالیہ تباہی اس کی تازہ ترین عبرتناک مثال ہے۔(۱)

ہم اس ملک کے تمام دانشوروں، صحافیوں اور ارباب اقتدار سے نہایت اخلاص، درد اور دلسوزی سے صاف صاف کہنا چاہتے ہیں کہ اگر چند دن اور جینے کی خواہش ہے تو عقل ودانش کا تقاضا یہ ہے کہ خدا

---

(۱) اس وقت سونامی طوفان کی تباہی ہمارے سامنے ہے اس کے ظاہری اسباب میں فحاشی، عریانی، شراب اور کباب کا گہرا دخل معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے چند لمحوں میں کئی میلوں تک کی آبادی کو نمونہ عبرت بنا کر رکھ دیا۔ اعاذ نا اللہ من عذابہ

کی زمین کو مزید ناپاک ہونے سے بچاؤ خدا کے حلم اور عفو و درگزر کو چیلنج نہ کرو یہ وقت عیش و عشرت فسق و فجور اور خرمستیوں کا نہیں عذاب الٰہی کے بادل سروں پر منڈلا رہے ہیں اور ہماری بدعملی اور بدعقلی نے پہلی امتوں کا وہی نقشہ پیدا کر دیا ہے جو بالآخران کی تباہی و بربادی پر منتج ہوا ارشاد خداوندی ہے۔

"واذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا" (الأسراء: ١٦)

جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو (اس کی علامت یہ ہوتی ہے) کہ وہاں کے اہل ثروت فسق و فجور میں مبتلاء ہو جاتے ہیں پس ہمارا فیصلہ اس پر نافذ ہوتا ہے اور ہم اسے پوری طرح تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

اللهم انا نسئلك العفو والعافية في الدنيا والاخرة .

کتبہ: محمد یوسف بنوری

بینات - رجب ۱۳۸۷ھ

جادو کی اقسام اور ان کا حکم

سوال: اخلاقی انحطاط، شاطرانہ چال بازی، بغض وحسد اور عداوت ونفرت، عامة الناس کو آمادہ کرتی ہے کہ اپنے مخالف اور دشمن کو بذریعہ جادو ٹونہ، نہ صرف زیر کیا جائے بلکہ عداوت ودشمنی کا دم بھر لیا جائے۔ مستفتی کے ازدواجی حالات جب خرابیٔ بسیار کی بھینٹ چڑھ گئے تو مجبوراً طلاق وتباعد کی نوبت آئی، مطلقہ کے ازروئے شرع اسلامی جو حقوق ووصولیات تھیں، "تسریح بالاحسان"، کے جذبہ سے سرشار ہوکر ادا کردیئے۔ شومیٔ قسمت ہے کہ لواحقینِ مطلقہ ناجائز حقوق اور اکل بالباطل کا مطالبہ کرتے رہے اور مزید پریشانی کو قریب تر کرنے کے لئے مقدمات، کالا جادو اور مختلف قسم کے جادو کا سہارا لیا۔ اور جب ان کے جادو کا توڑ کروایا گیا تو پھر دوبارہ سہ بارہ سفلی اور غلیظ جادو کروانا شروع کردیا۔ عرصہ چھ سال سے جادو کی تکلیف ووحشت میں مبتلاء ہوں، بارہا گناہ کبیرہ سے باز آنے منع کرنے اور مصالحت کرنے پر بھی وہ اس گندی حرکت سے باز نہیں آتے۔

مفتیان کرام سے التماس ہے کہ فتویٰ صادر فرمادیں کہ آیا بندہ کے لئے اب جائز ہے کہ بطور بدلہ ان لوگوں پر بھی جادو کروایا جائے۔ پتہ درج نہیں کیا جارہا کیونکہ ہمارے معاشرے میں اس طرح دستور چل نکلا ہے۔

سائل: ریاض الدین

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

سحر کی مختلف اقسام ہیں، بعض تو کفرِ محض ہیں اور بعض نہیں، جو اقسام، کفر ہیں ان کا استعمال کرنا یا سیکھنا سکھانا ہر حال میں حرام ہے۔ خواہ دفع ضرر کے لئے ہو یا کسی اور غرض کے لئے البتہ جو قسم سحر کی کسی عقیدہ کفر پر مشتمل نہیں اس کو اگر دوسروں کو بلا وجہ نقصان پہنچانے کے لئے استعمال کیا جائے تو وہ بھی حرام ہے اور اگر ردّ سحر یا دفع ضرر کے لئے کیا جاوے تو یہ قسم جائز ہے۔

تفصیل ان دونوں قسموں کی یہ ہے کہ جس سحر میں شیاطین و جنات وغیرہ سے استعانت وامداد طلب کی جائے اوران کومتصرف وموثر مانا جائے یا جن میں قرآن شریف یا دوسرے اسلامی شعائر کی توہین کیگئی ہووہ بھی کفر ہے۔

اورجس میں یہ امور نہ ہوں بلکہ خاص ادویہ وغیرہ سے یا کسی اورخفی طریق سے اثر ڈالا جاتا ہے وہ کفر تو نہیں مگر اس کا استعمال بھی بقصد اضرار (ضرررسانی) حرام ہے اور بقصد دفع ضرر جائز ہے لہذا دفع ضرر کے لئے قسم دوم کے سحر کا استعمال جائز ہے اگر جان بچنے کی کوئی دوسری صورت نہ ہوتو (ناجائز سمجھتے ہوئے) قسم اول کے استعمال کی گنجائش بھی ہوسکتی ہے مگر خلاف اولی ہے اس کے باوجود یہ ضروری ہوگا کہ دل میں عقیدہ اسلامیہ کے خلاف کوئی عقیدہ نہ رکھے صرف زبان سے کلمات کہے۔

قال الشافعی :وفی الذخیرة الناظر تعلمه فرض لرد ساحر اهل الحرب وحرام لیفرق به بین المرأة وزوجها وجائز لیوفق بینهما ثم قال ،فهذه انواع السحر الثلاثة قد تقع بما هو کفر من لفظ او اعتقاد،او فعل وقد تقع بغیره کوضع الاحجار.

وللسحر فصول کثیرة فی کتبهم فلیس کل ما یسمی سحرا کفرا اذلیس التکفیر به لما یترتب علیه من الضرر بل لما یقع به مما هو کفر کاعتقاد انفرادا لکواکب بالربوبیة او اهانة قرآن او کلام مکفرونحو ذلک (۱).واللہ اعلم

الجواب صحیح		کتبه
ولی حسن ٹونکی		محمد شفیق عارف

بینات-ذوالحجہ ۱۴۰۶ھ

(۱) فتای شامی -مقدمة -مطلب فی التنجیم والرمل ومطلب السحر انواع - ۱ / ۴۴، ۴۵.

محفل میلاد اور اجلاس سیرت النبی ﷺ

حقیقت یہ ہے کہ جب قوم کی اصلی روح نکل جاتی ہے تو وہ اسی قسم کی طفل تسلیوں سے دنیا کو فریب دینے کی کوشش کرتی ہے چنانچہ پورے سال تو حضرت محمد ﷺ کی شریعت وسنت کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو ایک شقی دشمن کرتا ہے اور ایک رات سیرت ومیلاد کی محفل قائم کر کے محبت رسول کا دعویٰ کیا جائے۔ اس سے بڑھ کر نفاق کیا ہوگا؟

اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ جب تک قوم شریعت پر چلنے کی توفیق سے بانصیب تھی تمام امت سراپا شریعت تھی اور ہر شخص اپنی سیرت وصورت اور عمل وکردار سے شریعت اسلامی، محبت رسول اور اتباع سنت کا پیکر تھا اس وقت نہ سیرت کی ان رسمی محفلوں کی حاجت تھی نہ میلاد النبی ﷺ کے جلسوں کی ضرورت۔

چنانچہ عہد صدیقی، عہد فاروقی، عہد عثمانی میں آپ کو کہیں نظر نہیں آئے گا کہ میلاد النبی کے لئے کوئی اجتماع ہوا ہو، کیا خیر القرون کی نسل محبت رسول سے بے بہرہ تھی؟ کیا قرون مشہود لھا بالخیر کے مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی محبت نہ تھی؟ کیا ان میں اتباع سنت کا جذبہ نہ تھا؟

یہ مبارک ادوار تو محبت رسول واتباع سنت، ایمانی حرارت وقوت ایمانی کے بے نظیر قرون ہیں بلکہ تمام صحابہ اور تمام تابعین وائمہ مجتہدین، فقہاء امت اور محدثین کرام، ارباب قلوب ومکاشفات، اصحاب ریاضات ومجاہدات کے کسی حلقے میں آپ کو نہ سیرت کے اجلاس ملیں گے نہ میلاد کی محفل کا پتہ چلے گا۔

تاریخ اسلام کی مکمل چھ صدیاں ایسی گزریں جن میں سیرۃ الرسول اور بارہ وفات یا میلاد النبی کی محفلوں کا کوئی نام ونشان نہیں، چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں ''اربل'' جو موصل کے حکمران تھے ان کے دور میں سیرت کی یادگار منائی جانے لگی، فقراء ومساکین پر ہزاروں اشرفیاں خرچ کی جاتی تھیں، کپڑے تقسیم ہوتے، کھانا کھلایا جاتا، اس طرح حضرت رسول اللہ ﷺ کی روح مقدس کے لئے ایصال ثواب کا سلسلہ جاری کیا گیا۔

مگر بعد کے ادوار میں تو یہ بات بھی ختم ہوگئی صرف میلاد کی محفلیں قائم ہونے لگیں، پھر بھی یہ صورت حال خال خال کہیں کہیں نظر آتی تھی لیکن جب شر القرون کی نوبت آئی تو قوم میں اسلام اور دین کا نام نہیں بلکہ قومیت کا نام بن کر رہ گیا اور منافقانہ طور پر ظہور اسلام کا دور شروع ہوگیا، عقیدہ برباد ہوگیا، عملی زندگی تباہ، محبت رسول سے سینے خالی ہوگئے، دماغوں میں اتباع شریعت کا تصور نکل گیا، دلوں میں ایمانی جذبہ سرد پڑ گیا، تو سال میں ایک مرتبہ دعوائے اسلام کیلئے صرف ایک آدھ جشن منانا ہی کافی ہوگیا ٹھیک یہی معاملہ ''قرآن کریم کی یادگار'' کا ہے کہ بس اب عمل کرنے کی حاجت تو ہے نہیں صرف ظاہری رسموں کے ذریعہ چراغاں کیا جائے، مکانات اور مسجدیں آراستہ کی جائیں، لاکھوں روپیہ اسراف وتبذیر پر خرچ کیا جائے خدارا یہ بتایئے یہ کہاں کا انصاف ہے؟

اگر یہ یادگار اس لئے منائی جاتی ہے کہ حق تعالی سے عہد کرنا ہے کہ ہمیں قرآن کریم پر اب عمل کرنا اور اسکو قانون زندگی بنانا ہے، عملی زندگی میں قرآن کریم جاری کرنا ہے، دلوں میں محبت وتعظیم کے ساتھ اپنی معاشرت ونظام زندگی میں اس کو جگہ دینی ہے، گزشتہ بے عملی کی زندگی سے تائب ہونا اور آئندہ کے لئے عزم عمل کا عہد کرنا ہے، تو چلئے بہت اچھا! جشن منانے کے لئے کچھ معنی تو نکل آتے، لیکن یہاں جس طرح کے ارادے ہیں اور جو کچھ کیا جائے گا اس کے اعتبار سے یہ ''جشن قرآن'' اسلام وقرآن کی توہین، عیسائی قوموں کی مضحکہ خیز نقل اور قومی دولت کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے ان لا حاصل وبے معنی تقریبات نے قوم کی کمر توڑ ڈالی، ان کی قوت برداشت کو ختم، ان کے تصورات کو مسخ، ان کے جذبۂ عمل کو تباہ اور ان کے اعصاب کو مفلوج کر دیا۔

بہر حال ادارہ تحقیقات اسلام کی نگرانی میں لاکھوں روپیہ کے مصارف سے یہ جشن منایا جائیگا اور جہاں تک اندازہ ہے یہ کوشش ہوگی کہ قرآن کریم کے جسم پر کچھ نئے نشتر لگانے کے لئے راستہ نکالا جائے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالی اپنے دین کی حفاظت فرمائے اور مسلمانوں کو صحیح سمجھ نصیب فرمائے۔

کتبہ: محمد یوسف بنوری

بینات - رمضان ۱۳۸۷ھ

سایۂ رسول ﷺ کی تحقیق

سوال: سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا یا نہیں، بعض واعظ جو یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

اگر نقل صحیح سے یہ ثابت ہو جائے کہ بطور معجزہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا تو کوئی مسلمان اس کے تسلیم کرنے میں تامل نہیں کر سکتا، لیکن نقل صحیح اس باب میں کوئی موجود نہیں حدیث کی کتب متداولہ صحاح ستہ وغیرہ میں اس مضمون کی کوئی حدیث وارد نہیں البتہ ''خصائص کبریٰ'' میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس مضمون کی ایک حدیث مرسلاً روایت کی ہے:

باب المعجزة فی بوله وغائطه صلی اللّٰه علیه وسلم اخرج الحکیم الترمذی من طریق عبد الرحمٰن بن قیس الزعفرانی عن عبد الملک بن عبد اللّٰه بن الولید عن ذکوان ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لم یکن یری له ظل فی شمس ولا قمر ولا اثر قضاء حاجة. (۱)

وقال فی باب الایة فی انه صلی اللّٰه علیه وسلم لم یکن یری له ظل اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان بمثله ثم قال ای السیوطیؒ قال ابن سبع من خصائصه ان ظله کان لایقع علی الارض وانه کان نورا فکان اذا مشی فی الشمس او القمر لاینظر له ظل، قال بعضهم ویشهد له حدیث قوله صلی اللّٰه علیه وسلم فی دعائه واجعلنی نورا ، (۲)

(۱) الخصائص الکبری للسیوطی (م۹۱۱ھ) –باب المعجزة فی بوله ......الخ–۱۲۲/۱–ط: المکتبة الحقانیة.

(۲) الخصائص الکبری للسیوطی–باب الایة فی انه ﷺ لم یکن یری له ظل– ۱۱٦/۱

وبمثله ذکره فی المواهب نقلا عن الفخر الرازی (۱)

لیکن یہ روایت بہ چند وجوہ ثابت ومعتبر نہیں۔

(۱) اول اس لئے کہ دھوپ اور چاندنی میں چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے کے واقعات جو سفر وحضر میں مجامع صحابہ کرامؓ کے سامنے تمام عمر نبوی میں پیش آئے ہیں ظاہر ہے کہ غیر محصور اور نہایت کثیر التعداد ہیں، پھر دیکھنے والے صحابہ کرامؓ ہزاراں ہزار ہیں پھر صحابہ کرامؓ کی عادت سے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرا ذرا سی بات اور نقل وحرکت اور آثار وحالات کے بیان کرنے کا انتہائی اہتمام فرماتے تھے ان امور کا مقتضیٰ یقینی طور پر یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ معجزہ ثابت ہوتا تو اس کی روایات صحابہ کرام کی ایک جم غفیر سے منقول ہوتی اور یقیناً حد تواتر کو پہنچتی لیکن جب ذخیرہ حدیث پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس بارہ میں صرف ایک حدیث اور وہ بھی مرسل اور وہ بھی سنداً بالکل ضعیف وواہی نکلتی ہے جو قرینہ قویہ اس امر کا ہے کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔

(۲) یہ حدیث مرسل ہے اور محدثین کی ایک عظیم الشان جماعت مرسل کو حجت نہیں سمجھتی۔

(۳) اس حدیث کا پہلا راوی عبدالرحمٰن بن قیس زعفرانی بالکل ضعیف ومجروح اور کاذب ناقابل اعتبار ہے بلکہ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ جھوٹی حدیثیں وضع کرتا تھا، ملاحظہ ہوں اقوال ذیل:۔

قال فی المیزان کذبه ابن مهدی وابو ذرعه وقال البخاری ذهب حدیثه وقال احمد لم یکن بشئی وخرج له الحاکم حدیثا منکراً وصححه (۲) ومثله فی التقریب (۳)

---

(۱) المواهب اللدنية للشيخ احمد بن محمد القسطلانی (المتوفی:۹۲۳ھ)-المقصد الرابع-الفصل الثانی-فیما خصه الله تعالیٰ به من المعجزات وشرفه به علی سائر الانبیاء الخ-۲/۲۷۵-ط: دار الکتب العلمیة بیروت.

(۲) میزان الاعتدال للذهبی (المتوفی:۷۴۸ھ)-حرف العین-(عبدالرحمن)-۲۹۷/۳-ط: دار الفکر العربی بیروت.

(۳) تقریب التهذیب لابن حجر العسقلانی (المتوفی:۸۵۲ھ)-حرف العین-ذکر من اسمه عبدالرحمن-رقم الترجمة:۴۰۰۳-۱/۵۸۸-ط: قدیمی کتب خانه.

وقال فی تهذیب التهذیب کان ابن مهدی یکذبه وقال احمد حدیثه ضعیف ولم یکن بشئی متروک الحدیث وقال النسائی متروک الحدیث وقال زکریا الساجی ضعیف کتبت عن حوثرة المنقری عنه وقال صالح بن محمد کان یضع الحدیث وقال ابن عدی عامة ما یرویه لایتابعه علیه الثقات قلت قال الحاکم روی عن محمد بن عمرة حماد بن سلمة احادیث منکرة منها حدیث من کرامة المومن علی الله ان یغفر لمشیعیه قال وهذا عندی موضوع ولیس الحمل فیه الاعلیه وقال الحاکم ابو احمد ذاهب الحدیث وقال ابو نعیم الاصبهانی لاشئی .(۱)

اور دوسرا راوی عبد الملک بن عبد اللہ بن عبد الولید بھی مجہول الحال ہے کتب متداولہ میں اس کا حال مذکور نہیں۔

الحاصل اول تو ایک ایسے عامۃ الورود واقعہ میں تمام صحابہ کرامؓ کا سکوت اور صرف ایک حدیث مرسل کا اس میں مذکور ہونا ہی علامت قویہ روایت کے غیر ثابت وغیر معتبر ہونے کی ہے۔

ثانیاً: روایت مرسل ہے۔

ثالثاً: اس کا راوی بالکل کاذب واضع حدیث ہے جس سے اگر حدیث کو موضوع کہہ دیا جائے تو بعید نہیں۔

اور بعض حضرات نے جو سایہ نہ ہونے پر اس سے استدلال کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے قرآن میں نور فرمایا ہے(۲) یا آپ اپنی دعاؤں میں اجعلنی نورا (۳) فرمایا کرتے تھے سو یہ استدلال بالکل ناقابل التفات ہے۔

---

(۱) تهذیب التهذیب لابن حجر العسقلانی –العین –(عبدالرحمن)–۲۵۸/۶–ط: مجلس دائرة المعارف

(۲) قدجاء کم من الله نور و کتب مبین ......الاية–سورة المائدة:۱۵ .

(۳) الجامع الصغیر للسیوطی –رقم الحدیث : ۱۴۷۷–۱/۹۱–ط:دار الکتب العلمیة بیروت.

ولفظه اللّٰهم اجعل لی نوراً فی قلبی......واجعل لی نوراً......الخ

ظاہر ہے کہ آیت میں نیز حدیث ودعا میں نور ہونے سے یہ کسی کے نزدیک مراد نہیں کہ عالم عناصر کی کیفیات وآثار آپ میں نہ تھے یا آپ کی دعا وخواہش یہ تھی کہ عالم عناصر کے آثار مخصوصہ سے علیحدہ ہوکر معاذ اللہ ہوا کی طرح غیر مرئی ہوجائیں بلکہ باتفاق عقلاء وعلماء مراد یہ ہے کہ جس طرح نور ذریعہ ہدایت وبصیرت ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذریعہ ہدایت ہیں اور چونکہ نبی کا انتہائی کمال اسی میں ہے کہ شان نبوت وہدایت درجہ کمال میں ہو اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں اس کا کمال طلب فرماتے تھے اور اسی معنی کی بناء پر قرآن کو اور تورات کو بنص قرآن نور کہا گیا ہے اسی معنی سے صحابہ کرامؓ کو نجوم ہدایت فرمایا گیا ہے۔

علاوہ بریں یہ دعا ''اجعلنی نورا'' تو تمام امت کو تلقین فرمائی گئی ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بھی باقی نہیں رہتی۔

بعض حضرات نے سایہ نہ ہونے کی یہ توجیہ کی ہے کہ جس طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے سر مبارک پر فرشتے یا ابر رحمت سایہ فگن رہتا تھا اگر یہ ثابت بھی ہو تو دوسری صحیح وصریح روایات اس کے معارض موجود ہیں مثلاً صحیح بخاریؒ کی حدیث دربارہ ہجرت بروایت عائشہؓ مذکور ہے:

ان ابابکرؓ قام للناس وجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صامتا فطفق من جاء من الانصار ممن لم یر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحیی ابابکر حتی اصابت الشمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل ابوبکرؓ حتی ظلل علیہ بردائہ فعرف الناس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند ذلک (۱) کذا فی المواھب (۲)

وقال الزرقانی فی شرح المواھب وعند ابن عقبۃ عن الزھری فطفق من جاء من الانصار ممن لم یکن راٰہ یحسبہ ایاہ حتی

(۱) صحیح البخاری – باب بنیان الکعبۃ – باب ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... الخ – ۱/۵۵۵

(۲) المواھب اللدنیۃ للشیخ احمد بن محمد القسطلانی (المتوفی: ۹۲۳ھ) – المقصد الاول – ھجرتہ صلی اللہ علیہ وسلم – ۱/۱۵۵ – ط: دار الکتب العلمیۃ

اصابته الشمس اقبل ابوبکر بشئی اظله به(۱)

ومثلــه یـروی تـظـلیـلـه علیـه السلام فی حجة الوداع وهو مشهور ومذکور فی عامة الکتب .

اس لئے یا تو سایہ نہ ہونے کی حدیث کو بمقابلہ ان روایات کے غیر ثابت قرار دیا جائے یا یہ کہا جائے کہ پہلے ایسا ہوگا، بعد میں یہ صورت نہ رہی، قسطلانی نے مواہب میں اسی صورت کو اختیار کیا ہے چنانچہ حدیث ہجرت مذکورالصدر کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے:

فـظـاهـر هذا انه علیه الصلوة والسلام کانت الشمس تصیبه ومـاتقدم من تظلیل الغمام والملائکة له کان قبل بعثته کما هو صریح فی موضعه. (۲) واللہ اعلم

کتبہ: محمد شفیع دیوبندی

بینات - محرم ۱۴۰۲ھ

(۱) شرح العلامة الزرقانی علی المواهب اللدنیة -باب هجرة المصطفی- ۲/ ۱۵۰ -ط: دار الکتب العلمیة .

(۲) المرجع السابق - ۲/ ۱۵۱ - ط: دار الکتب العلمیة بیروت .

زمین وآسمان بنانے میں چھ دن کیوں لگے؟

سوال: اللہ نے دو دن میں زمین بنائی۔ دو دن میں اس کے اندر قوتیں اور برکت رکھی اور دو دن میں آسمان بنائے۔(۱)

''اللہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس سے کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا پس وہ چیز ہو جاتی ہے''۔(آل عمران۔آیت ۴۷)(حوالہ: تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی)

ان آیات کے بارے میں ایک ''شیطانی خیال'' مجھے اک عرصے سے پریشان کر رہا ہے۔زمین وآسمان کے وجود میں آنے میں ۶ دن کیوں لگے۔جبکہ ہمارا ایمان ہے کہ زمین وآسمان کو پیدا کرنے کے لئے اللہ کا ایک اشارہ کافی ہوتا اور وہ آناً فاناً وجود میں آجاتا۔مہربانی فرما کر اس اشکال کو دور کرنے میں میری مدد کیجئے تاکہ میں اس شیطانی خیال سے چھٹکارا پا سکوں۔

الجواب باسمہ تعالیٰ

کسی چیز کا تدریجاً (آہستہ آہستہ) وجود میں آنا اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ایک یہ کہ فاعل اسکو دفعتہً وجود میں لانے پر قادر نہ ہو۔اس لئے وہ مجبور ہے کہ وہ اس چیز کو آہستہ آہستہ وجود میں لائے۔اور دوسری صورت یہ کہ فاعل تو اس چیز کو دفعتہً وجود میں لانے پر قادر ہے۔مگر کسی حکمت کی بناء پر وہ اسکو آناً فاناً وجود میں نہیں لاتا۔بلکہ آہستہ آہستہ اک خاص معین مدت کے اندر اسے وجود میں لاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو آسمان وزمین کو دو دو دن میں پیدا فرمایا اس کی وجہ پہلی نہیں تھی بلکہ دوسری تھی۔اس لئے آپ کا اشکال تو ختم ہو جاتا ہے۔

البتہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ وہ کیا حکمت تھی جسکی بناء پر آسمان وزمین کی تخلیق تدریجاً ہوئی۔سو اس کا

(۱) حم السجدۃ: ۹۔۔بحوالہ تفسیر عثمانی ص ۶۱۹-ط: عالمین پبلشرز لاہور۔

(۲) ال عمران: ۴۷۔۔بحوالہ مکمل بیان القرآن-المجلد الاول-۲/۲۵-ط: اشرف المطابع تھانہ بھون۔

جواب یہ ہے کہ افعال الٰہیہ کی حکمتوں کا احاطہ کون کرسکتا ہے؟ اس میں جو حکمتیں بھی ملحوظ ہوں، وہ سراپا خیر ہوں گی، مثلاً ایک حکمت بندوں کو آہستگی اور تدریج کی تعلیم ہوسکتی ہے کہ جب ہم نے قادر مطلق ہونے کے باوجود اپنی تخلیق میں تدریج ملحوظ فرمائی ہے تو تمہیں تو کوئی کام کرتے ہوئے بدرجۂ اولیٰ تدریج سے کام لینا چاہئے یا مثلاً یہ حکمت ہوسکتی ہے کہ اس دنیا کا نظام اسباب ومسببات کے تدریجی سلسلہ کے تحت چلے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ قادر ہیں کہ انسان کو ایک لمحہ میں پیدا فرما کر جیتا جاگتا کھڑا کردے مگر نہیں ان کی حکمت ایک خاص نظام کے تحت تدریجاً اس کی نشوونما کرتی ہے۔ یہی حال نباتات وغیرہ کا بھی اور اگر غور کیا جائے تو اس عالم کی تمام ترقیات تدریج ہی کے تحت چل رہی ہیں کیا عجب ہے کہ آسمان وزمین کی تدریجی تخلیق میں یہ حکمت بھی ملحوظ ہو۔(۱)

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

بینات- جمادی الاولی ۱۴۰۲ھ

---

(۱) وقدذكر محمد طاهر ابن عاشور فى تفسيره التحرير والتوير حكمة خلق السموات والأرض فى أيام ما نصه: قد اقتضت حكمة الله تعالىٰ أن يكون خلق السموات والارض مدرجا وأن لايكون دفعة لأنه جعل العوالم متولدا بعضها من بعض لتكون أتقن صنعا مما لوخلق دفعة، وليكون هذا الخلق مظهراً لصنعتى علم الله تعالىٰ وقدرته، فالقدرة صالحة لخلقها دفعة ،لكن العلم والحكمة اقتضايا هذا التدريج ،وكانت تلك المدة أقل زمنا يحصل فيه المراد من التولد لعظيم القدرة ....وظاهر الايات أن الأيام المعروفة للناس التى هى جمع "اليوم" الذى هو مدة تقدر من مبدأ ظهور الشمس فى المشرق إلى ظهورها فى تلك المكان ثانية، وعلى هذا التفسير فالتقدير فيما يماثل تلك المدة ست مرات ، لأن حقيقة اليوم لهذا المعنى لم تتحقق إلا بعد تمام خلق السماء والأرض ليمكن ظهور نور الشمس على نصف كرة الأرضية وظهور ظلمة على تلك النصف إلى ظهور الشمس مرة ثانية .

(التحرير والتنوير للشيخ محمد طاهر بن عاشور– سورة الاعراف:۵۴–تحت قوله تعالىٰ ﴿ان ربكم الذى خلق السموات والأرض فى ستة أيام﴾– ۸/ ۱۲۱، ۱۲۲–ط: بيروت لبنان .)

کلمہ طیبہ والی فٹ بال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عصر حاضر میں جہاں کفر اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ہر طریقے کے پروپیگنڈے کرتا پھر رہا ہے اور مسلمانوں کے معصوم ذہنوں کو نت نئے طریقوں اور مختلف قسم کے کھیلوں کے ذریعہ کفر کی طرف راغب کر کے لحہ بہ لحہ دین اسلام سے دور کرتا جارہا ہے یہ بات مسلمانوں کے لئے لحہ فکریہ ہے۔

اسی پروپیگنڈہ کی ایک کڑی ۳۱ مئی ۲۰۰۲ء سے شروع ہونے والا فٹ بال کا ورلڈ کپ ٹورنامنٹ ہے جس کی تشہیر کیلئے چائنا کی ایک کمپنی نے مکڈونلڈ (جو کہ ایک خالص اسرائیلی ریسٹورنٹ ہے) کے اشتراک سے چھوٹے سائز کا ایک فٹ بال بنایا ہے جس میں میکڈونلڈ کے مونوگرام کے ساتھ ان بتیس (۳۲) ممالک کے جھنڈے بھی ہیں جو اس ورلڈ کپ میں حصہ لے رہے ہیں ان ممالک میں سعودی عرب بھی شامل ہے اور یہ بات واضح رہے کہ سعودی عرب کے قومی پرچم پر کلمہ طیبہ کندہ ہوتا ہے اور اس فٹبال میں دیگر ممالک کے جھنڈوں کی طرح سعودی عرب کا قومی جھنڈا بھی موجود ہے جس پر واضح طور پر کلمہ طیبہ کندہ ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی سننے میں آئی ہے کہ مذکورہ بالا فٹبال سے موجودہ ورلڈ کپ ٹورنامنٹ کا فائنل کھیلا جائے گا اور ایک پاکستانی کمپنی بھی اس کی تشہیر کے لئے یہ فٹ بال چائنا سے منگوارہی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ایسے فٹ بال کی خرید و فروخت اور اس کا استعمال از روئے شریعت کیا حکم رکھتا ہے؟ اور اس کے بنانے والے کا کیا حکم ہے؟ اس فٹ بال کی تصویر سوال نامہ کے ساتھ ملحق ہے جس میں ''کلمہ طیبہ'' میکڈونلڈ کے مونوگرام کے ساتھ واضح طور پر نظر آرہا ہے۔

براہ کرام قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمادیں تاکہ امت مسلمہ کو کفار کے اس پروپیگنڈہ کے بارے میں خبردار کیا جاسکے اور روکا جاسکے۔

عبداللہ جان

ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی، کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

واضح رہے کہ غیر مسلم دنیا ہمیشہ سے دین اسلام کی بدترین دشمن چلی آرہی ہے جس کا اظہار وہ ہر محسوس وغیر محسوس انداز میں ہمیشہ کرتی رہتی ہے، شریعت اسلامیہ نے ابتداء ہی سے باخبر رکھا ہے کہ مسلمان اپنے ازلی دشمنوں سے ہوشیار رہیں اوران کے دوستانہ مراسم کو کبھی صداقت و نیک نیتی کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔

مگر افسوس کہ اس تنبیہ سے بہت کم مسلمان ہوشیاری حاصل کرتے ہیں اکثریت اپنی سادگی یا پھر ایمانی کمزوری کی بناء پر دشمنان اسلام کی مکاری کا پوری طرح ادراک نہیں کرسکتی اوران کے دام تزویر میں اس طرح پھنس کررہ جاتی ہے کہ اپنی دولت ایمان سے بھی ہاتھ دھوبیٹھتی ہے اوریہی دشمنان اسلام کی تمام تر مساعی اور دوستیوں کا آخری ہدف اور مقصد بھی ہے۔

اس وقت عالمی سطح پر فٹ بال ٹورنامنٹ کھیلا جارہا ہے، اس کا پس منظر بھی دشمنان اسلام کی گمراہ کن کوششوں سے خالی نہیں، ہمسایہ ملک چائنا نے مکڈونلڈ جیسے یہودی ادارے کی ملی بھگت سے انتہائی عیاری کے ساتھ ورلڈ کپ ٹورنامنٹ کے فائنل میں استعمال ہونے کے لئے جوفٹ بال تیار کی ہے اس پر بظاہر تو ٹورنامنٹ میں شریک ممالک کے قومی پرچموں کی تصویریں بنائی گئی ہیں اور سعودی عرب بھی اس کھیل کا رکن ایک ملک ہے، اس حیثیت سے اس کے قومی پرچم کی تصویر فٹبال پر چھاپی گئی ہے، مگر حقیقت میں معاملہ صرف یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ معاملہ بہت دور تک جا پہنچتا ہے وہ یہ کہ سعودی پرچم پر کلمۂ اسلام کلمہ طیبہ۔ ''لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا ہے یہ وہ کلمہ ہے جس کو پڑھنے سے انسان کفر کی اندھیری سے اسلام کے اجالے میں آجاتا ہے اوراس کے اقرار پر اسلام کا اورانکار پر کفر کا ترتب ومدار ہے ،یعنی جس کے پڑھنے سے صد سالہ کافر مسلمان ہوسکتا ہے اور جھٹلانے سے سو سالہ مسلمان کافر ہوکر دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔

افسوس کہ اس کا اندازہ عیار ومکار دشمن کو تو ہے مگر لاپرواہ اور سادہ لوح مسلمان کو نہیں ہے چنانچہ سادہ لوح مسلمان دشمن کی اس طرح مکاریوں کو معمولی سمجھتا ہے، حالانکہ اگر مسلمانوں نے دشمن کی ان مکاریوں کو معمولی سمجھا اور کلمہ طیبہ جیسے مقدس کلمات کو پاؤں سے لڑھکائی جانے والی اور لاتوں سے ماری

جانے والی چیزوں پر لکھنے اور چھاپنے کو معمولی جانا اور اس کی توہین وتحقیر اور تذلیل وبے حرمتی کو برداشت کرلیا، اس کا کوئی نوٹس نہ لیا، اس پر کسی قسم کا احتجاج نہ کیا یا اس فٹ بال کی تشہیر وترویج میں حصہ دار بنے یا اس کی خرید فروخت کی یا اس کو استعمال کیا یعنی اس کے ذریعہ فٹ بال کھیلے تو ایسے مسلمان، مسلمان نہیں رہیں گے بلکہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوکر بہ چندوجوہ کفار کے دام تکفیر کا شکار بن جائیں گے:

۱: شریعت کی توہین کرنے والے مسلمان کا ایمان باقی نہیں رہتا کلمہ طیبہ تو اصل شریعت ہے اگر کوئی اسے فٹبال جیسی بے حرمتی والی چیز پر لکھتے ہوئے توہین کا مرتکب ہوجائے یا اس کی بے حرمتی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس فٹبال کی خرید وفروخت کرنے لگے تو ایسا شخص بھی اصل شریعت کی توہین کی بناء پر کافر ہوجائے گا چنانچہ شرح الفقہ الاکبر میں ہے:

وفی التتمة:من اهان الشريعة او المسائل التی لابد منها كفر......الخ(۱)

۲: کلمہ اسلام مقدسات شرعیہ میں سے اول درجہ کا مقدس کلمہ ہے اگر کوئی شقی بدبخت مقدسات شرعیہ کو موضع اہانت میں ڈالنے کی جسارت کرے، اسے معمولی جانے اور اس کا ایمان اس شنیع حرکت پر بھی اسے نہ ٹوکتا ہو تو ایسا شخص ایمان کے دعوی کے باوجود بھی مسلمان نہیں رہ سکتا۔

جیسا کہ فتاوی شامی میں ہے:

قوله من هزل بلفظ كفر ...وان كان (الايمان)موجودا حقيقة لكنه زائل حكما لان الشارع جعل بعض المعاصی امارة علی عدم وجوده كالهزل المذكور،وكمالو سجد لصنم او وضع مصحفا فی قاذورة فانه يكفر وان كان مصدقا لان ذلک فی حكم التكذيب ...وقتل نبی والاستخفاف به وبالمصحف والكعبة....الخ(۲)

۳: مقدسات شرعیہ اور دینیات کا استخفاف (ہلکا جاننا قصداً وعمداً) چونکہ کفر صریح ہے اس لئے کسی

(۱)شرح كتاب الفقه الاكبر للامام الاعظم ابی حنيفة النعمان بن الثابت الكوفی (المتوفی: ۱۵۰ھ)–فصل من ذلک فی العلم والعلماء–ص ۲۶۲.

(۲)ردالمحتار علی الدرالمختار –كتاب الجهاد–باب المرتد–فصل فی الجزية–۴/ ۲۲۲.

مسلمان کے قول وعمل سے کسی درجہ میں اس کا صدور ہوجائے یعنی وہ ان کی تعظیم کی بجائے توہین کا مرتکب ہوجائے خواہ بلا ارادہ ہی کیوں نہ ہوتو ایسا شخص بھی دولت ایمان سے محروم ہوجاتا ہے:

كما في الشامية: ثم قال ولا عتبار التعظيم المنافي للاستخفاف كفر الحنفية بالفاظ كثيرة وافعال تصدر من المنهتكين لدلالتها على الاستخفاف بالدين كالصلوة بلا وضوء عمدا... قلت ويظهر من هذا ان ما كان دليل الاستخفاف يكفر به وان لم يقصد الاستخفاف ... الخ(۱).

بناء بریں صورت مذکورہ میں جس فٹبال پر کلمہ اسلام کا نقش چھاپا گیا ہے اس فٹبال کی خرید و فروخت، تشہیر وترویج اور استعمال مسلمانوں کے لئے حرام، بلکہ ایمان کا ضیاع ہے اس سے بچنا تمام مسلمانوں پر لازم ہے۔ اگر کوئی مسلمان غفلت ولا پرواہی کی بناء پر بھی اس عمل میں شریک ہوگا تو اس کا ایمان ضائع ہوجائے گا اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس قسم کے شیطانی حربوں سے ہوشیار رہیں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی باخبر کریں اور اس کافرانہ سازش کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں اور اس طرح کی کفار کی حرکتوں کے خلاف اپنی نفرت کا خوب اظہار کرتے ہوئے اپنے ایمانی جذبہ کا ثبوت دیں بلکہ پوری مسلم دنیا کے حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ عالمی سطح پر اس معاملہ کو اٹھا کر اسلام کے ساتھ اپنے رشتہ وتعلق کا عملی مظاہرہ کریں اور اسلام کے خلاف اس طرح کی حرکتوں کی جسارت کرنے والے ممالک سے اپنے دوستانہ وبرادرانہ تعلقات ختم کرلیں اس لئے کہ قرآن کریم کا واضح اعلان ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے دین کو کھیل، تماشہ کی چیز سمجھیں، اس کا مذاق اڑائیں ،ایسے لوگوں کے ساتھ مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات ناجائز وحرام ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا الذين اتخذوا دينكم هزواً ولعباً من الذين اوتوا الكتاب من قبلكم والكفار اولياء واتقوا الله ان كنتم مؤمنين (المائدة:۵۷)

---

(۱) المرجع السابق.

(۲) المائدة:۵۷

ترجمہ: اے ایمان والو! آپ سے پہلے کتاب دیئے گئے لوگوں (یہودی ونصاری) اور کافروں کو اپنے دوست مت بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل (کا ذریعہ) بناتے ہیں اور اللہ سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔

اللہ تعالی مسلمانوں کو اپنا خوف نصیب فرمائے، انہیں کفار کی چالوں کو سمجھنے کی استعداد عنایت فرمائے اور صحیح معنوں میں دین کی قدر کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین وما ذلک علی اللہ بعزیز

الجواب صحیح
محمد عبدالمجید دین پوری

کتبہ
رفیق احمد بالاکوٹی

بینات- جمادی الاولی ۱۴۲۳ھ

''پیری مریدی''

سوال: خاندان میں ایک خاتون ہیں جو ایک پیر صاحب کی مریدہ ہیں ان پیر صاحب کو میں نے دیکھا ہے انتہائی شریف اور قابل آدمی ہیں۔ بہر حال اس خاتون سے کسی بات پر بحث ہوگئی۔ جس میں وہ فرمانے لگیں کہ پیری مریدی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آرہی ہے۔ اور لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تعویذ وغیرہ لیا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ جو شخص اولیاء اللہ اور پیروں فقیروں کی صحبت سے بھاگے گا وہ انتہائی گنہگار ہوگا اور جو نذر و نیاز کا کھانا نہ کھائیں اور درود و سلام نہ پڑھیں وہ کافروں سے بدتر ہیں۔ اور قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کو بخشوالیں گے۔

یہ میں نے ان کی ۲۰، ۲۵ منٹ کی باتوں کا نچوڑ بتایا ہے میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی بخشش کی دعا فرما رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بات سے منع فرمایا، تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کو نہ بخشوا سکے تو ان گنہگار مسلمانوں کی سفارش کیوں کریں گے؟ میں نے خاتون سے کہہ تو دیا لیکن مجھے یہ یاد نہیں آیا کہ یہ بات میں نے کسی حدیث میں پڑھی ہے۔ یا کسی قرآنی آیت کا ترجمہ ہے۔

بہر حال اگر ایسا ہے تو آپ اوپر دی ہوئی تمام باتوں کی تفصیل اگر قرآن سے دیں تو سپارہ نمبر اور آیت کا نام لکھ دیں، اور اگر حدیث میں ہو تو کتاب کا نام اور صفحہ نمبر مہربانی فرما کر لکھ دیں۔

سائل: مسرور حسین

ایس۔ون، ۲۶۴ سعود آباد کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

یہ مسائل بہت تفصیل طلب ہیں بہتر ہوگا کہ آپ کچھ فرصت نکال کر میرے پاس تشریف لائیں تا کہ ان مسائل کے بارے میں اسلام کا صحیح نقطہ نظر عرض کرسکوں۔ مختصراً یہ ہے کہ:

۱: شیخ کامل جو شریعت کا پابند، سنت نبوی کا پیرو، اور بدعات ورسوم سے آزاد ہو اس سے تعلق قائم کرنا ضروری ہے۔

۲: مشائخ سے جو بیعت کرتے ہیں یہ بیعتِ توبہ'' کہلاتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے۔

۳: تعویذات جائز ہیں مگر ان کی حیثیت صرف علاج کی ہے۔صرف تعویذات کے لئے پیری مریدی غلط ہے۔

۴: اولیاء اللہ سے نفرت غلط ہے پیر فقیر اگر شریعت کے پابند ہوں تو ان کی خدمت میں حاضری اکسیر ہے ورنہ زہر قاتل۔

۵: نذر ونیاز کا کھانا غریبوں کو کھانا چاہیئے، مال دار لوگوں کو نہیں۔اور نذر ونیاز صرف اللہ تعالیٰ کی جائز ہے۔غیر اللہ کی نہیں۔

۶: درود وسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عمر میں ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے جس مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آئے اس میں ایک بار درود شریف پڑھنا واجب ہے، اور جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آئے درود پڑھنا مستحب ہے، درود شریف کا کثرت سے ورد کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اور درود وسلام کی لاؤڈ اسپیکروں پر اذان دینا بدعت ہے، جو لوگ درود وسلام نہیں پڑھتے ان کو محروم کہنا درست ہے مگر کافروں سے بدتر کہنا زیادتی ہے۔

۷: آپ کا یہ فقرہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کو نہ بخشوا سکے تو گنہگار مسلمانوں کی سفارش کیوں کریں گے، نہایت گستاخی کے الفاظ ہیں ان سے توبہ کیجئے۔

۸: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین کے بارے میں زبان بند رکھنا ضروری ہے۔

۹: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قیامت کے دن گنہگار مسلمانوں کے لئے برحق ہے اور اس کا انکار غلط ہے۔

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

شب برأت

فضائل و برکات، اعمال وعبادات، رسوم و بدعات

افادات: حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

فضائل و برکات:

"حم والکتاب المبین –الی قوله: انا کنا مرسلین": حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل کیا ہے۔ ایک قول پر لیلۃ مبارکہ کی تفسیر شعبان کی پندرہویں شب سے کی گئی ہے لیکن اگر یہ تفسیر ثابت بھی نہ ہو تب بھی اس رات کی فضیلت کچھ اس آیت پر موقوف نہیں احادیث سے اس کی فضیلت ثابت ہے۔ (۱)

سو اس تفسیرِ محتمل پر حق تعالیٰ نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے کہ: ہم نے کتاب مبین (قرآن) کو اس برکت والی رات میں نازل کیا۔ اس واسطے کہ ہم منذر یعنی ڈرانے والے تھے" اسی انذار کے لئے قرآن نازل فرمایا۔ آگے اس رات کے بابرکت ہونے کی علت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اس رات کی شان یہ ہے کہ: "اس میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر امر حکمت والے کا کہ وہ ہمارے پاس سے ہوتا ہے، اور حکیم کی قید واقعی ہے احترازی نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے تمام امور باحکمت ہی ہیں ان میں کوئی بے حکمت نہیں۔

مطلب یہ کہ تمام امور کا فیصلہ اس رات میں ہوتا ہے، یہ بھی ایک برکت کی رات ہے، کہ اس شب میں تمام امور کا فیصلہ ہوجاتا ہے۔ تمام امور میں سب چیزیں آگئیں، صرف نماز روزہ ہی نہیں بلکہ دنیوی امور بھی اس میں داخل ہیں، مثلاً اس کھیت میں اتنا پیدا ہوگا، جنگ ہوگی، فتح ہوگی، اتنا پانی برسے گا، یہ سب اس برکت میں داخل ہوگیا، سو ایک فرد تو یہ ہے برکت کا۔ دوسری برکت دینی ہے جو احادیث میں مذکور ہے کہ جب شعبان میں پندرہویں رات ہوتی ہے تو حق تعالیٰ اول شب سے ہی آسمان دنیا پر نزول فرماتے

---

(۱) تفسیر روح المعانی –سورۃ الدخان: ۳-۹/۱۱۰-ط: دار الفکر بیروت

ہیں، یہ خصوصیت اس رات میں بڑھی ہوئی ہے یعنی اور راتوں میں تو پچھلے اوقات میں نزول ہوتا ہے، اور اس شب میں شروع ہی سے نزول فرماتے ہیں۔(۱)

یہ بھی وجوہ برکت میں سے ایک وجہ ہے برکت کی، اس کی قدر وہ کرے گا جس میں اس کو ایک لحہ غنیمت معلوم ہوگا، وہ تو محبوب کی طرف سے پانچ منٹ بڑھادینے کو بھی بہت غنیمت سمجھے گا، یہاں تو دو ثلث شب کے بڑھ گئے، یہاں اضافہ اصل سے بھی زیادہ ہوگیا، مجموعہ سے بھی بڑھ گیا۔ چنانچہ یہ رات جو آنے والی ہے بہت قابل قدر ہے اس سے محروم نہ رہنا چاہئے۔ بلکہ اگر باعتبار معنی لغوی لیا جائے تو ہر رات لیلۃ القدر ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے:۔

اے خواجہ چہ پرسی زشبِ قدر نشانی ہر شب، شب قدر است اگر قدر بدانی

صاحبو! ہر روز نعمت اور ہر رات دولت ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ہر روز نصف شب کے بعد خدا تعالیٰ آسمانِ دنیا پر تجلی فرما کر بندوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، دنیا ہمارا گھر ہے اور زمین فرش ہے اور آسمان اول گویا دنیا کی چھت ہے، اور سقفِ بیت جز حجیت کہلاتی ہے۔ تو گویا حق سبحانہ تعالیٰ ہمارے گھر تشریف لاتے ہیں اور ہم کو یہ شرف نصیب ہوتا ہے کہ:۔

امروز شاہ شاہان مہمان شدہ است مارا جبریل باملائک درباں شدہ است مارا

اب بات قابل غور یہ ہے کہ کون سے حصہ شب میں جاگنا افضل ہے؟ اس کا فیصلہ قرآن سے بھی ہوتا ہے، اور حدیث سے بھی۔ کیونکہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آخیر شب میں جاگنا اشد ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں: "اناناشئة الليل هي اشد وطا (۲) (بیشک رات کے جاگنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے) اور ناشئۃ اللیل سونے کے بعد متحقق ہوتا ہے (کذا فی الجلالین)(۳)۔

القيام بعد النوم: جب ہی وہ اَشد ہوا کیونکہ اس کے اختیار کرنے سے نفس پر مشقت کا اثر زیادہ ہوتا ہے تو وہی افضل ہوگا، آخر سورۃ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اَشد ہے چنانچہ فرماتے ہیں: علم ان

---

(۱) سنن ابن ماجه – كتاب الصلوة – باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان – ص ۹۹ – ط: قديمي

(۲) سورة المزمل: ٦

(۳) تفسير الجلالين – سورة المزمل: ۲۹، ص ۴۷۸، ولفظه: "القيام بعد النوم" ط: قديمي

لــن تــحــصــو ہ“ ۔اس کو معلوم ہے کہ تم ضبط نہیں کر سکتے ، یہ عدم احصاء آخر شب میں ہو سکتا ہے ،قرآن سے معلوم ہوا۔(۱)

حدیث سے بھی اس کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ آخر شب کی فضیلت میں کثرت احادیث وارد ہیں، اور قواعد عقلیہ بھی اس پر شاہد ہیں، کیونکہ وہ وقت سونے کا ہے اور عمل کرنا مشکل ہے، اور ایک حدیث میں ہے کہ ”جو شخص رات کو اُٹھ کر التجا کرتا ہے تو (حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) میں اس سے بہت خوش ہوتا ہوں اس لئے کہ میری وجہ سے اس نے اپنی بیوی اور گرم بستر چھوڑ دیا۔(۲)

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آخیر حصہ رات کا افضل ہے۔لیکن اگر کسی کو اس حصہ میں جاگنا دُشوار ہو وہ اول حصہ میں ہی کچھ کر لے کیونکہ اور راتوں میں تو خدا تعالیٰ کا نزول آخر شب میں ہوتا ہے اور اس رات میں اول شب سے ہی نزول ہو جاتا ہے اس لئے جن لوگوں کو آخیر شب میں عبادت کرنا دُشوار ہے، اول شب میں ہی عبادت کر کے فضیلت حاصل کر لیں ،جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ عشاء سے ہی عبادت میں مشغول رہیں۔

عبادات:

رہی یہ بات کہ اس شب میں کونسی عبادت کرنا چاہئے تو اس کی بابت حدیث میں کوئی عبادت خاص معین نہیں کہ نوافل ہی پڑھے، یا قرآن شریف ہی تلاوت کرے، وغیرہ وغیرہ جونسی عبادت میں سہولت معلوم ہو اختیار کر لے۔

مستحب اس شب کے متعلق تین حکم ہیں جو حدیث میں وارد ہیں دو قولی حدیث میں ”**صــومــوا نهارها وقوموا ليلها**“(۳) اس کے لئے دن میں روزہ رکھو اور رات میں شب بیداری کرو۔

---

(۱) تـفسير الجلالين -سورة المزمل : ۲۹-ص۴۷۹- ولفظه :”أى الليل لتقوموا فيمايحب القيام فيه الابقيام جميعه وذلک يشق عليكم“-ط:قديمى .

(۲) مشكوة المصابيح -باب القصة فى العمل - الفصل الثانى -ص ۱۱۰-ط: قديمى كراچى.

(۳) سنن ابن ماجه -باب ماجاء فى ليلة النصف من شعبان- ص ۹۹ -ط: قديمى كراچى.

وكذا فى البيهقى فى شعب الايمان ۳/۳۷۸:رقم الحديث ۳۸۲۲-ط: دار الكتب العلمية بيروت.

اور ایک فعلی حدیث میں وہ یہ کہ آپ بعد عشاء بقیع الغرقد میں (جو مدینہ منورہ میں ایک قبرستان ہے) تشریف لے گئے اور وہاں مُردوں کے لئے دعائے مغفرت فرمائی، حضرت عائشہؓ کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیلؑ آئے تھے انہوں نے کہا کہ وہاں جاکر مردوں کے لئے دعاء مغفرت کریں۔ (۱)

ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ میاں اس رات میں آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں (جس قسم کا نزول ان کی شان کے موافق ہو ہمارے جیسا نزول مراد نہیں) اور فرماتے ہیں: "هل من داعٍ فاستجيب له هل من مستغفر فاغفر له"۔ صبح تک یہی کیفیت رہتی ہے۔ (۲)

غرض صبح کو روزہ رکھو رات کو عبادت کرو مُردوں کو نفع پہنچاؤ، اور بہتر یہ ہے کہ اسی طریق پر نفع پہنچاؤ جس طور پر جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ یعنی بعد عشاء کے قبرستان میں جاکر مُردوں کیلئے دعا کرو، پڑھ کر بخشو، مگر فرداً فرداً جاؤ، جمع ہوکر مت جاؤ، اور اس کو تہوار مت بناؤ، عجیب لطفِ حق ہے کہ پندرہویں شب میں ہمیشہ چاندنی ہوتی ہے قبرستان جانے میں وحشت بھی نہ ہوگی۔

رسوم وبدعات:

غرض عبدیت تو یہ ہے کہ جیسے حکم ہو ویسے کرے، مگر لوگوں نے اس شب میں برکات چھوڑ کر بیہودہ حرکات اختیار کر رکھی ہیں، چنانچہ آتش بازی ایسی منکر حرکت ہے نام ہی میں اس کے متکبر ہونے کا اقرار ہے، کہ نام بھی ایسا ایجاد کیا گیا جس میں آتش بھی ہے، اور بازی بھی۔ نام ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ خطرہ کی چیز ہے اور لہو ولعب ہے، بھلا آتش سے تلبّس ہونا بھی کوئی اچھی بات ہے۔

حدیث شریف میں تو یہاں تک ارشاد ہے کہ سوتے وقت چراغ کو گل کردو۔ (۳) جو کہ عادۃً دور ہی رکھا جاتا ہے، پھر تلبّسِ قریب سے تو ممانعت کیوں نہ ہوگی؟ واقعی بڑی خطرہ کی چیز ہے، چنانچہ بہت سے

---

(۱) شعب الايمان للبيهقي - باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان - رقم الحديث: ۳۸۲۵ - ۳/۳۷۹ - ط: دار الكتب العلمية بيروت.

(۲) سنن ابن ماجه - كتاب الصلوة - ص ۹۹ - ط: قديمي.

(۳) مشكوة المصابيح - كتاب الاطعمة - باب تغطية الأواني - ص ۳۷۲.

واقعات اس کی بدولت ہر سال پیش آتے ہیں، کسی کا ہاتھ جل گیا، کسی کی جان جاتی رہی، کسی کا مکان سیاہ ہوگیا، اور اگر فرضاً کچھ بھی نہ ہوا تو اتلاف مال تو ضرور ہی ہے، جس کی وہی مثل ہے کہ ''گھر پھونک تماشہ دیکھ'' یہاں پر ایک صاحبزادے کا ہاتھ جل گیا ہم کو اُمید تھی کہ اب یہ حرکت چھوٹ جائے گی، اللہ ورسول کی مخالفت بھی ہے، اور دنیا کا مالی وجانی نقصان بھی ہوتا ہے، لیکن بہادر لوگ نہیں باز آئے۔

زیادہ تر پیرانِ نابالغ پر تعجب ہے جن کے دل میں تو یہ ہوتا ہے کہ ہم خود تماشہ دیکھیں مگر چونکہ وقار کے خلاف ہے اس لئے بچوں کو آڑ بناتے، اور یہ عذر کرتے ہیں کہ بچے نہیں مانتے، تماشوں میں بچوں کو ساتھ لے جاتے ہیں۔

صاحبو! ان بچوں کو کیوں بدنام کرتے ہو، بلکہ تمہاری ہی گود میں ایک بچہ ہے جس کو نفس کہتے ہیں۔ وہ تم کو لے جاتا ہے، اگر سچ مچ وہی ضد کرتے ہیں، تب بھی یہ عذر قابل قبول ہے دیکھو! اگر تمہارا بچہ باغیوں میں شامل ہوکر گولہ چھوڑنے لگے تو تم اس کو روکے گے یا نہیں؟ ضرور روکے گے اگر نہ مانے گا تو جبراً روکو گے، اسی طرح یہاں کیوں نہیں روکا جاتا؟ بس یوں کہو کہ گناہ اس کو نہیں سمجھتے، اگر تم خود معصیت کو بُرا سمجھتے تو بچوں کو اس کی عادت کیوں ڈالتے۔ بھلا اگر بچے تم سے سانپ مانگنے لگیں تو کیا دے دو گے؟ پھر جس کو خدا اور رسول نے مضر کہا ہے کیا وجہ ہے کہ اس کی عادت ڈالی جاتی ہے؟

معلوم ہوا کہ خدا اور رسول کے فرمانے کی وقعت نہیں، پھر یہ کہ یہ مال تمہارا کہاں ہے؟ سب خدا ہی کی ملک ہے، تم محض خزانچی ہو چنانچہ ارشاد ہے ''وللّٰہ خزائن السموات والارض'' (۱) ہمیں یہ اجازت نہیں کہ جیسے چاہیں خرچ کریں، خدا کا مال ہے اس کی مرضی کے بغیر قیامت میں سوال ہوگا کہ تم نے کہاں سے کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا؟ پس جب بچوں کو آتش بازی کے لئے پیسے دینا شرعاً حرام ہے تو تم دینے والے کون ہو؟ ہرگز مت دو، اور ضد کرنے دو، اور کھیل تماشہ میں بھی ان کو مت کھڑے ہونے دو۔ (ملخص از وعظ ''شعبان'')

شب برأت کی اتنی اصل ہے کہ پندرہویں رات اور پندرہواں دن اس مہینے کا بہت بزرگی اور

---

(۱) سورۃ المنافقون: ۷

برکت کا ہے، ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کو جاگنے کی اور اس دن روزہ رکھنے کی عادت دلائی ہے، اور اس رات میں ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قبرستان میں تشریف لے گئے مردوں کے لئے بخشش کی دعا مانگی ہے، تو اگر اس تاریخ میں مردوں کو کچھ بخش دیا کرے، چاہے درود شریف پڑھ کر، چاہے نقد دے کر، چاہے ویسے ہی دُعا بخشش کی کر دے، تو یہ طریقہ سنت کے موافق ہے، اس سے زیادہ جتنے بکھیڑے لوگ کر رہے ہیں اس میں حلوے کی قید لگا رکھی ہے اور اس طریقہ سے فاتحہ دلاتے ہیں اور خوب پابندیٔ سے یہ کام کرتے ہیں یہ سب واہیات ہیں۔

شب برأت میں یا شادی میں انار پٹاخے اور آتش بازی چھڑانے میں کئی گناہ ہیں:

اول: مال فضول برباد جاتا ہے قرآن شریف میں مال کے فضول اُڑانے والوں کو شیطان کا بھائی فرمایا ہے (۱) اور ایک آیت میں فرمایا ہے کہ مال فضول اُڑانے والوں کو اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے، یعنی ان سے بیزار ہیں۔(۲)

دوسرے: ہاتھ پاؤں جلنے کا اندیشہ یا مکان میں آگ لگ جانے کا خوف۔ اول جان یا مال کو ایسی ہلاکت اور خطرے میں ڈالنا خود شرع میں بُرا ہے۔

تیسرے: لکھے ہوئے کاغذ آتش بازی کے کام میں لاتے ہیں، خود حروف بھی ادب کی چیز ہیں، اس طرح کے کاموں میں ان کو لانا منع ہے۔ بلکہ بعض بعض کاغذوں پر قرآن کی آیتیں یا حدیثیں یا نبیوں کے نام لکھے ہوتے ہیں بتلاؤ تو سہی ان کے ساتھ بے ادبی کرنے کا کتنا بڑا وبال ہے؟ تم اپنے بچوں کو ان کاموں کے واسطے کبھی پیسے مت دو۔(۳)

(۱) بہشتی زیور - حصہ ششم - آتش بازی کا بیان - ص ۵ - ط: مکتبۃ الایمان اردو بازار کراچی

(۲) سورۃ بنی اسرائیل: ۲۷

(۳) سورۃ الاعراف: ۳۱.

ماہ صفر کا آخری بدھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ صفر الخیر کے آخری بدھ کے متعلق مشہور ہے کہ اس روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض سے صحت پائی تھی، لوگ اس خوشی میں کھانا اور شیرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں، سیر کو جاتے ہیں، شریعت کے نزدیک آخری بدھ کے بارے میں کیا تصور ہے؟

عبدالناصر خان -شاہراہ فیصل کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

ماہ صفر کے آخری بدھ کے بارے میں لوگوں کا یہ عقیدہ کہ اس روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرض سے صحت یاب ہوگئے تھے اس لئے عید کی طرح خوشیاں مناتے ہیں، خصوصاً مزدور طبقہ مالکان سے چھٹی مانگتا ہے مٹھائی کے پیسے اور عیدی طلب کرتا ہے یہ محض بے اصل اور بدعت ہے کھانے پینے کی غرض سے لوگوں نے اسکو ایجاد کیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ صفر کے آخری بدھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کی ابتداء ہوئی تھی، (دیکھئے تاریخ ابن اثیر، تاریخ طبری، البدایہ والنہایہ،)(۱)

لہٰذا جن لوگوں میں یہ رواج جاری ہے ان کو چاہئے کہ اس بدعت کو چھوڑ دیں، شریعت اسلامیہ کے احکام کی پیروی کریں۔

---

(۱)الکامل لابن الاثیر الجزری -ذکر مرض رسول الله ﷺ ووفاته-۲/ ۱۲۱ ط؟؟؟؟

تاریخ الطبری -۳/ ۱۸۴ -ط: دار المعارف مصر. ولفظه: "قال الواقدی ،بدی رسول الله صلی الله علیه وسلم وجعه للیلتین بَقِیَتا مِنْ صفر".

البداية والنهاية لابن کثیر -فصل فی الأیات وکیف ابتدئ رسول الله صلی الله علیه وسلم بمرضه الذی مات فیه-۳/ ۱۹۷ -ط: دار الریان للتراث مصر، ۱۴۰۴ھ

شریعت اسلامیہ کے نزدیک ماہ صفر بھی دوسرے مہینوں کی طرح ایک مہینہ ہے، ایام جاہلیت میں اس ماہ صفر کے بارے میں جو تصور تھا کہ یہ نحوست کا مہینہ ہے، اسلام نے اس کو رد کیا ہے، جیسا کہ بخاری و مسلم اور دوسری کتب میں واضح الفاظ میں "لا صفر ولا طیرة" وغیرہ سے ایام جاہلیت کے عقائد فاسدہ کی سختی کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔ اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ اس بدعت قبیحہ کو ترک کر دیں اور ایسے عقائد فاسدہ سے توبہ کریں۔

الجواب صحیح کتبہ

ولی حسن ٹونکی محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہ

بینات-صفر ۱۴۰۸ھ

دار العلوم امجدیہ کا فتوی

جواب: یہ واقعہ غلط ہے آخر صفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی۔ واللہ اعلم

وقار الدین غفرلہ

دار العلوم نعیمیہ کا فتوی

جواب: آخری چہار شنبہ کی شرعاً کوئی اصلیت نہیں، اس دن سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت یابی کا بھی شرعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ جس مرض میں نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی وفات ہوئی، اس کی ابتداء اس دن سے بتائی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

محمد اطہر نعیمی ۲۱/۱۱/۸۳ء

فقط واللہ اعلم

قبروں کے پھول

روزنامہ جنگ ۱۲/دسمبر ۱۹۸۰ء کے جمعہ ایڈیشن میں راقم الحروف نے ایک سوال کے ضمن میں قبروں پر پھول چڑھانے کو خلاف سنت لکھا تھا۔ توقع نہ تھی کہ کوئی صاحب علم، جو سنت کے مفہوم سے واقف ہوں، اس کی تردید و تغلیط کی زحمت فرمائیں گے۔ مگر مجھے افسوس ہوا کہ ہمارے مخدوم جناب تراب الحق صاحب قادری زید مجدہم نے اس کو اپنے معتقدات کے خلاف سمجھا۔ اور ۱۹/دسمبر ۱۹۸۰ء کے جمعہ ایڈیشن میں اس کی نہ صرف پُر جوش تردید فرمائی بلکہ ایسا لکھنے والے پر ''علم دین کی کتب احادیث وفقہ سے نابلد اور سخت جہالت میں مبتلا'' کا فتویٰ بھی صادر فرمایا۔ اس لئے ضروری ہوا کہ نہ صرف اس مسئلہ پر دلائل کی روشنی میں غور کیا جائے۔ بلکہ خود سنت کے مفہوم کو بھی واضح کر دیا جائے۔

چنانچہ راقم الحروف نے ۲/جنوری کے جمعہ ایڈیشن میں ''مسئلہ کی تحقیق'' کے عنوان سے اس مسئلہ پر طرفین کے دلائل کا جائزہ پیش کیا تھا۔ اور جناب شاہ صاحب نے جس حدیث سے اس کا استنباط فرمایا تھا اس کے بارے میں دلائل سے عرض کیا تھا کہ اس سے قبروں پر پھول چڑھانے کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ محترم شاہ صاحب نے ۱۶/جنوری کی اشاعت میں ''مسئلہ کی تحقیق کا جواب'' پھر زیب رقم فرمایا ہے۔ نفس مسئلہ کی تحقیق کے لئے تو بحمد اللہ سابق تحریر ہی کافی وشافی ہے۔ اہل فہم دونوں تحریروں کا مطالعہ کر کے خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ قبروں پر پھول چڑھانے کا ثبوت حدیث نبوی سے کہاں تک ہوتا ہے۔ البتہ جناب شاہ صاحب نے جو نئے نکات اُٹھائے ہیں ان کی مختصر سی وضاحت کر کے بحث کو ختم کرتا ہوں۔

۱- کسی عمل کو ''سنت'' قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور یہ نسبت اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً یا عملاً امت کو اس عمل کی ترغیب دی ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ترغیب کے نتیجے میں وہ عمل صحابہ وتابعین کے درمیان معمول بہ رہا ہو۔ کسی ایسی چیز کو ''سنت'' کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا

جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب نہیں دی۔ اور نہ صحابہ وتابعین نے...... جو اتباع سنت کے سب سے زیادہ حریص تھے...... اس پر عمل کیا، بہت بڑی سنگین بات ہے۔ ہمارے زیر بحث مسئلہ میں خود شاہ صاحب بھی جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قبروں پر پھول نہیں چڑھائے۔ نہ کبھی قولاً اس کی ترغیب دی۔ نہ صحابہ وتابعین نے اس پر عمل کیا۔ نہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے قیاس واجتہاد سے اس کے استحسان کا فتویٰ دیا...... لے دے کر یہ بعض متأخرین شافعیہ کا استنباط ہے، جو نہ مجتہد تھے اور نہ ان کے استنباط سے دین کی کوئی سنت ثابت ہوسکتی ہے۔ اور پھر محققین شافعیہ وحنفیہ اور مالکیہ نے شد ومد سے ان کے استنباط کی تردید بھی کردی ہے۔ اور اسکو بے اصل، بدعت اور غیر معتبر عند اہل العلم قرار دیا ہے، اندریں صورت قبروں پر پھول چڑھانے کو سنت کہنا اور اس پر اصرار کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک غلط بات کو منسوب کرنے کے مترادف ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایک ایسے محدث فعل کو سنت کہنے پر شاہ صاحب کیوں اصرار فرماتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک غلط بات منسوب کرنے پر کیوں ضد کرتے ہیں۔

۲- اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ محترم شاہ صاحب نے اس مسئلہ کو عملی وفروعی مسائل سے نکال کر عقائد میں شامل فرمالیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

> ''حقیقت حال یہ ہے کہ اخبارات ورسائل میں ایسے استفسارات ومسائل کے جواب دیئے جائیں جس سے دوسروں کے جذبات مجروح نہ ہوں اور ان کے معتقدات کو ٹھیس نہ پہنچے''۔

گویا شاہ صاحب کے نزدیک قبروں پر پھول چڑھانا بھی دین حنفی کے معتقدات میں شامل ہے۔ اور اس ناکارہ نے اس کو خلافِ سنت کہہ کر گویا اسلامی عقائد کی نفی کرڈالی۔

راقم الحروف نے اسلامی عقائد اور ملل ونحل کی جن کتابوں کا مطالعہ کیا ہے ان میں کہیں یہ نظر سے نہیں گزرا کہ قبروں پر پھول چڑھانا بھی ''اہل سنت والجماعت'' کے معتقدات میں شامل ہے۔ کیا میں جناب شاہ صاحب سے بہ ادب دریافت کرسکتا ہوں کہ ''قبروں کے پھول'' دین اسلام کے معتقدات میں کب سے شامل ہوئے ہیں۔ اور پھر عقائد کا ثبوت تو نص قطعی سے ہوا کرتا ہے، قبروں پر پھول چڑھانے کا عقیدہ آخر کس نص قطعی سے ثابت ہے؟ اور جب ایسی بدعات کو دینی عقائد میں شامل کرلیا جائے جن کو اکابر

امت لا طائل، غیر معتبر، بے اصل اور ''درصدر اول نہ بودہ'' فرمائیں تو اس دین کا خدا ہی حافظ ہے۔

۳- جناب شاہ صاحب نے اصل موضوع پر روشنی ڈالنے کے علاوہ اس ناکارہ کی ''کتاب فہمی'' کا جائزہ لینا بھی ضروری سمجھا ہے۔ اور بطور نمونہ عمدۃ القاری کی ایک عبارت کا ترجمہ جو راقم الحروف نے کیا تھا۔ اسکو نقل کر کے ارشاد فرمایا ہے:

> ''راقم الحروف (شاہ صاحب) اہل علم کے سامنے اصل عربی عبارت پیش کر رہا ہے اور انصاف کا طالب ہے کہ لدھیانوی صاحب نے اس عبارت کا مفہوم صحیح پیش کیا ہے، بلکہ ترجمہ بھی درست کیا ہے یا نہیں؟''۔

غالباً قبلہ شاہ صاحب اپنے قارئین کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ ایک ایسا اناڑی شخص جو عربی کی معمولی عبارت کا مفہوم تک نہیں سمجھتا۔ بلکہ ایک سطری عبارت کا ترجمہ بھی صحیح نہیں کر سکتا، اس نے بڑے بڑے اکابر کی عبارتیں جو قبروں پر پھول ڈالنے کے خلاف سنت ہونے پر نقل کی ہیں ان کا کیا اعتبار ہے۔ اس ناکارہ کو نہ علم کا دعویٰ ہے، نہ کتاب فہمی کا، اپنی ہیچمدانی کا اعتراف پہلے ہی کر چکا ہے۔ اور طالب علموں کی صفِ نعال میں جگہ مل جانے کو فخر وسعادت سمجھتا ہے۔

گر چہ از نیکاں نیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام   درریاض آفرینش رشتہ گلدستہ ام

جناب شاہ صاحب کو اس ناکارہ طالب علم کی کتاب فہمی میں کوئی سقم نظر آیا تھا تو ان کے شاہانہ اخلاق سے توقع تھی کہ خود ہی اس کی نشاندہی کر کے اصلاح فرما دیتے، اور یہ ناکارہ ان کی اصلاح پر ان کا سو سو شکر بجالاتا۔ اہل علم کو منصفانہ فیصلہ کی زحمت دینے کی ضرورت نہ تھی۔ اگر چہ اپنی صفائی خود کرتے ہوئے غیرت آتی ہے تاہم اس کا تعلق چونکہ اصل مسئلہ سے بھی ہے، اس لئے اس سلسلہ میں بھی چند امور جناب شاہ صاحب کے گوش گزار کرتا ہوں۔

اوّل: ''عمدۃ القاری'' کی عبارت کا میں نے جو ترجمہ کیا تھا۔ اور اتنے حصے عبارت کا جو ترجمہ شاہ صاحب نے فرمایا ہے کہ ان دونوں کو بیک نظر دیکھ لیا جائے۔

شاہ صاحب کا ترجمہ:

''اور اسی طرح (اس کا بھی انکار کیا ہے) جو اکثر لوگ کرتے ہیں۔ یعنی تر

اشیاء مثلاً پھول اور سبزیاں وغیرہ قبروں پر ڈال دیتے ہیں۔ یہ کچھ نہیں۔ اور بے شک سنت گاڑنا ہے"۔

راقم الحروف کا ترجمہ:

"اسی طرح جو فعل کہ اکثر لوگ کرتے ہیں یعنی پھول اور سبزہ وغیرہ رطوبت والی چیز قبروں پر ڈالنا، یہ کچھ نہیں، سنت اگر ہے تو صرف شاخ کا گاڑنا ہے"۔(۱)

اس امر سے قطع نظر کہ ان دونوں ترجموں میں سے کونسا سلیس ہے اور کس میں گنجلک ہے۔ کونسا اصل عربی عبارت کے قریب تر ہے اور کونسا نہیں۔ آخر دونوں کے مفہوم میں بنیادی فرق کیا ہے۔ دونوں سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ شاخ کا گاڑنا تو سنت ہے۔ مگر پھول اور سبزہ وغیرہ ڈالنا کوئی سنت نہیں۔ اس ہیچ مداں کے ترجمہ میں شاہ صاحب کو کیا سُقم نظر آیا جس کے لئے وہ اہل علم سے انصاف طلبی فرماتے ہیں۔

دوم: اس عبارت کے آخری جملہ "وانما السنة الغرز" کا ترجمہ موصوف نے یہ فرمایا "اور بے شک سنت گاڑنا ہے"۔ حالانکہ عربی کے طالب علم جانتے ہیں کہ "انما" کا لفظ حصر کے لئے ہے، جو بیک وقت ایک شیٔ کی نفی اور دوسری شیٔ کے اثبات کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی حصر کے اظہار کے لئے راقم الحروف نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ "سنت اگر ہے تو صرف شاخ کا گاڑنا ہے"۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پھول اور سبزہ وغیرہ تر اشیاء ڈالنا کوئی سنت نہیں۔ صرف شاخ کا گاڑنا سنت ہے۔ لیکن شاہ صاحب "انما" کا ترجمہ "بے شک" فرماتے ہیں۔

سوم: جس عبارت کا میں نے ترجمہ نقل کیا تھا شاہ صاحب نے اس کے ماقبل ومابعد کی عبارت بھی نقل فرمادی۔ حالانکہ اس کو "قبروں پر پھول" کے زیر بحث مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن ان سے افسوسناک تسامح یہ ہوا ہے کہ انہوں نے "وكذلك ما يفعله اكثر الناس" سے لیکر آخر عبارت

---

(۱)عمدة القاری –كتاب الوضوء –باب من الكبائر ان لايستتر فی بوله –۲/۲۰۲ –ط: دار الفكر

لفظها: وكذلك مايفعله اكثر الناس من وضع مافيه رطوبة من الرياحين والبقول ونحوهما على القبور ليس بشئ وإنما السنة الغرز

"فافهم" تک کوامام خطابی کی عبارت سمجھ لیا حالانکہ یہ امام خطابی کی عبارت نہیں بلکہ علامہ عینی کی عبارت ہے۔امام خطابیؒ کا حوالہ انہوں نے صرف "وضع الیابس الجرید" کے لئے دیا ہے۔

حدیث کے کسی طالب علم کے سامنے یہ عبارت رکھ دیجئے اس کا فیصلہ یہی ہوگا۔ کیونکہ اول تو ہر مصنف کا طرز نگارش ممتاز ہوتا ہے۔امام خطابیؒ جو چوتھی صدی کے شخص ہیں ان کا یہ طرز تحریر ہی نہیں۔ بلکہ صاف طور پر یہ علامہ عینیؒ کا انداز نگارش ہے۔ علاوہ ازیں امام خطابیؒ کی معالم السنن موجود ہے جن جن حضرات نے امام خطابی کا حوالہ دیا ہے وہ "معالم" ہی سے دیا ہے شاہ صاحب تھوری سی زحمت اس کے دیکھنے کی فرمالیتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ امام خطابی نے کیا لکھا ہے۔اور حافظ عینیؒ نے ان کا حوالہ کس حد تک دیا ہے۔ان تمام امور سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر "وکذلک ما یفعله اکثر الناس" کی عبارت کو "انکر الخطابی" کے تحت داخل کیا جائے (جیسا کہ شاہ صاحب کوخوش فہمی ہوئی ہے) تو عبارت قطعی بے جوڑ بن جاتی ہے۔شاہ صاحب ذرا مبتداء وخبر کی رعایت رکھ کر اس عبارت پر ایک بار پھر غور فرمالیں اور حدیث کے کسی طالب علم سے بھی استصواب فرمالیں۔

چہارم: یہ تو شاہ صاحب کے جائزہ کتاب فہمی کی بحث تھی۔اب ذرا ان کے "صحیح ترجمہ" پر بھی غور فرمالیا جائے۔حافظ عینیؒ کی عبارت ہے:

"ومنها انه قیل هل للجرید معنی یختصه فی الغرز علی القبر لتخفیف العذاب؟ والجواب انه معنی یختصه، بل المقصود ان یکون مافیه رطوبة من ای شجر کان ، ولهذا انکر الخطابی ومن تبعه وضع الیابس الجرید".(۱)

شاہ صاحب اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"اس حدیث سے متعلق مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ بعض حضرات یہ دریافت کرتے ہیں کہ تخفیف عذاب کے لئے قبر پر خصوصی طور پر شاخ ہی کا گاڑنا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ شاخ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ بلکہ ہر وہ چیز جس میں رطوبت ہو مقصود ہے۔ خطابی اوران کے متبعین نے خشک شاخ کے قبر پر رکھنے کا انکار کیا ہے.....الخ"۔

(۱)عمدة القاری -کتاب الوضوء -باب من الکبائر ان لایستتر فی بوله -۲/ ۲۰۲ -ط: دار الفکر

شاہ صاحب کا یہ ترجمہ کس قدر پرلطف ہے اس کا اصل ذائقہ عربی دان ہی اُٹھا سکتے ہیں۔ تاہم چند لطیفوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

الف: علامہ عینیؒ نے اس حدیث سے متعلقہ احکام ومسائل صفحہ نمبر ۸۷۴ سے ۸۷۷ تک "بیان استنباط الاحکام" کے عنوان سے بیان فرمائے ہیں۔ اور صفحہ نمبر ۸۷۷ سے ۸۷۹ تک "الاسئلة والاجوبة" کا عنوان قائم کرکے اس حدیث سے متعلق چند سوال وجواب ذکر کئے ہیں۔ انہی میں سے ایک سوال وجواب وہ ہے جو شاہ صاحب نے نقل کیا ہے۔ آپ "منہا" کا ترجمہ فرماتے ہیں "اس حدیث سے متعلقہ مسائل میں سے یہ بھی ہے"۔ شاہ صاحب غور فرمائیں کہ کیا یہاں "حدیث کے مسائل" ذکر کئے جارہے ہیں؟

ب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معذب قبروں پر "جرید" نصب فرمائی تھی اور "جرید" شاخ خُرما کو کہا جاتا ہے۔ علامہ عینیؒ نے جو سوال اُٹھایا وہ تو یہ تھا کہ کیا شاخ کھجور میں کوئی ایسی خصوصیت ہے جو دفع عذاب کے لئے مفید ہے۔ جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نصب فرمایا؟ یا یہ مقصود ہر درخت کی شاخ سے حاصل ہوسکتا تھا؟

علامہ عینیؒ جواب دیتے ہیں کہ نہیں! شاخ کھجور کی کوئی خصوصیت نہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ تر شاخ ہو، خواہ کسی درخت کی ہو، یہ تو تھا علامہ عینیؒ کا سوال وجواب۔ ہمارے شاہ صاحب نے سوال وجواب کا مدعا نہیں سمجھا۔ اس لئے شاہ صاحب سوال وجواب کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

> "بعض حضرات یہ دریافت کرتے ہیں کہ تخفیف عذاب کیلئے قبر پر خصوصی طور پر شاخ ہی کا گاڑنا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ شاخ میں کوئی خصوصیت نہیں۔ بلکہ ہر وہ چیز جس میں رطوبت ہو، مقصود ہے"۔

اگر شاہ صاحب نے مجمع البحار (۱) یا لغت حدیث کی کسی اور کتاب میں "جرید" کا ترجمہ دیکھ لیا ہوتا۔ یا شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شرح مشکوۃ (۲) سے اس حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمایا ہوتا تو ان کو علامہ عینیؒ

---

(۱) مجمع بحار الانوار – حرف الجیم – بابه مع الراء – ۱/ ۳۱ – مکتبة دار الایمان

(۲) اشعة اللمعات – کتاب الطهارة – باب آداب الخلاء – ۱/ ۲۰۰ – ط: کتب خانه مجیدیه

کے سوال وجواب کے سمجھنے میں اُلجھن پیش نہ آتی۔ اور وہ یہ ترجمہ نہ فرماتے۔ اور اگر شدت مصروفیت کی بناء پر انہیں کتابوں کی مراجعت کا موقعہ نہیں ملا تو کم از کم اتنی بات پر تو غور فرما لیتے کہ اگر علامہ عینیؒ کا مدعا یہ ہوتا کہ شاخ میں کوئی خصوصیت نہیں بلکہ ہر رطوبت والی چیز سے یہ مقصد حاصل ہوجاتا ہے تو اگلے ہی سانس میں وہ پھول وغیرہ ڈالنے کو لیس بشئی کہہ کر اس کی نفی کیوں کرتے؟ ترجمہ کرتے ہوئے یہ تو سوچنا چاہئے تھا کہ علامہ کے یہ دونوں جملے آپس میں ٹکرا کیوں رہے ہیں؟۔

ج: چونکہ شاہ صاحب کے خیال مبارک میں علامہ عینی شاخ کی خصوصیت کی نفی کرکے ہر رطوبت والی چیز کو مقصود قرار دے رہے ہیں اسلئے انہوں نے علامہ کی عبارت سے "من ای شی کان" کا ترجمہ ہی غائب کردیا۔

د: پھر علامہ عینی نے "ولهذا انكر الخطابی" کہہ کر اپنے سوال وجواب پر تفریع پیش کی تھی شاہ صاحب نے "لهذا" کا ترجمہ بھی حذف کردیا۔ جس سے اس جملہ کا ربط ہی ماقبل سے کٹ گیا۔

ہ: "وكذلك ما يفعله اكثر الناس" سے علامہ عینی نے اس سوال وجواب کی دوسری تفریع ذکر فرمائی تھی۔ ہمارے شاہ صاحب نے اسے امام خطابی کے انکار کے تحت درج کرکے ترجمہ یوں کردیا "اور اسی طرح اس کا بھی انکار کیا ہے جو اکثر لوگ کرتے ہیں"۔ اس ترجمہ میں "اس کا بھی انکار کیا ہے" کے الفاظ شاہ صاحب کا اضافہ ہے۔

و: علامہ عینیؒ نے قبروں پر پھول ڈالنے کو "ليس بشئی" (یہ کوئی چیز نہیں) کہہ کر فرمایا تھا "انما السنة الغرز" یعنی سنت صرف شاخ کا گاڑنا ہے" اس پر ایک اعتراض ہوسکتا تھا اس کا جواب دے کر اس کے آخر میں فرماتے ہیں "فافهم" جس میں اشارہ تھا کہ اس جواب پر مزید سوال وجواب کی گنجائش ہے۔

مگر ہمارے شاہ صاحب چونکہ یہ سب کچھ امام خطابی کے نام منسوب فرمارہے ہیں۔ اس لئے وہ بڑے جوش سے فرماتے ہیں:

> "پھر بے چارے خطابی نے بحث کے اختتام پر "فافهم" کے لفظ کا بھی اضافہ کیا مگر افسوس کہ مولانا صاحب موصوف نے اس طرف توجہ نہ فرمائی"۔

یہ ناکارہ جناب شاہ صاحب کے توجہ دلانے پر متشکر ہے۔ کاش! شاہ صاحب خود بھی توجہ کی زحمت

فرمائیں کہ وہ کیا سے کیا سمجھ اور لکھ رہے ہیں۔ شاید علامہ عینیؒ کا یہ "فافهم" بھی الہامی تھا۔ حق تعالیٰ شانہ کو معلوم تھا کہ علامہ عینیؒ کے ۵۴۵ سال بعد ہمارے شاہ صاحب علامہ کی اس عبارت کا ترجمہ فرمائیں گے۔ اس لئے ان سے "فافهم" کا لفظ لکھوا دیا۔ تا کہ شاہ صاحب علامہ کی اس وصیت کو پیش نظر رکھیں۔

پنجم: "کتاب فہمی" اور "صحیح ترجمہ" کے بعد اب شاہ صاحب کے طریق استدلال پر بھی نظر ڈال لی جائے۔ موصوف نے علامہ عینیؒ کی مندرجہ بالا عبارت سے چند فوائد اس تمہید کے ساتھ اخذ کئے ہیں:
"مذکورہ بالا ترجمہ سے لدھیانوی صاحب کی کتاب فہمی اور طریق استدلال کا اندازہ ہو جائے گا۔ لیکن ناظرین کیلئے چند امور درج ذیل ہیں"۔

۱- شاہ صاحب کے تحت لکھتے ہیں:

"شاخ لگانا ہی مسنون نہیں۔ اس چیز کو تر ہونا چاہئے۔ لہٰذا خشک شاخ کا لگانا مسنون نہیں۔ البتہ شاخیں سبز اور پھول تر ہونے کے باعث مسنون ہیں"۔

پھول ڈالنے کا مسنون ہونا علامہ عینی کی عبارت سے اخذ کیا جا رہا ہے۔ جب کہ ان کی عبارت کا ترجمہ خود شاہ صاحب نے یہ کیا ہے:

"اور اسی طرح اس کا بھی انکار کیا ہے جو اکثر لوگ کرتے ہیں یعنی تر اشیاء مثلاً پھول اور سبزیاں وغیرہ قبروں پر ڈال دیتے ہیں۔ یہ کچھ نہیں۔ اور بے شک سنت گاڑنا ہے"۔

پھول اور سبزہ وغیرہ تر اشیاء قبر پر ڈالنے کو علامہ عینی خلاف سنت اور لیس بشئی فرماتے ہیں، لیکن شاہ صاحب کا اچھوتا طریق استدلال اس عبارت سے پھول کا مسنون ہونا نکال لیتا ہے۔ شاہ صاحب کی اصطلاح میں "لیس بشئی" (کچھ نہیں۔ کوئی چیز نہیں) کے معنی ہیں مسنون چیز۔

۲- شاہ صاحب کا فائدہ نمبر۲ اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہے کہ:

"وضع یعنی ڈالنا مسنون نہیں۔ بلکہ غرز یعنی گاڑنا مسنون ہے۔ اور خطابی نے انکار پھولوں اور سبزیوں کے ڈالنے کا کیا ہے۔ نہ کہ گاڑنے کا۔ جیسا کہ اگلی عبارتوں سے ظاہر ہے۔ اس طرح دو بنیادی اشیاء مسنون ہیں۔ ایک تو رطب ہونا

دوسرے غرض"۔

شاہ صاحب کی پریشانی یہ ہے کہ علامہ عینیؒ (اور شاہ صاحب کے بقول امام خطابی) تو پھولوں کے ڈالنے کو لیــــس بشـئـی اور غیر مسنون فرمارہے ہیں۔ اور شاہ صاحب کو بہر حال پھولوں کا مسنون ہونا ثابت کرنا ہے۔ اس لئے اپنے مخصوص انداز استدلال سے ان کے قول کی کیا خوبصورت تاویل فرماتے ہیں کہ خطابی کے بقول پھولوں کا ڈالنا تو مسنون نہیں۔ ہاں ان کا گاڑنا ان کے نزدیک بھی مسنون ہے۔ اللہ الصمد۔

شاہ صاحب نے کرنے کو تو تاویل کردی۔ لیکن اول تو یہ نہیں سوچا کہ ہماری بحث بھی تو پھولوں کے ڈالنے ہی سے متعلق ہے، اور اس کا غیر مسنون ہونا جناب نے خود ہی رقم فرمادیا۔ اگر اس ناکارہ نے قبر پر پھول ڈالنے کو خلاف سنت کہا تھا تو کیا جرم کیا۔ پھر اس پر بھی غور نہیں فرمایا کہ جو حضرات اولیاء اللہ کے مزارات پر پھول ڈال کر آتے ہیں، وہ تو آپ کے ارشاد کے مطابق بھی خلاف سنت فعل ہی کرتے ہیں، کیونکہ سنت ہونے کے لئے آپ نے وہ بنیادی شرطیں تجویز فرمائی ہیں، ایک اس چیز کا رطب یعنی تر ہونا۔ اور دوسرے اس کا گاڑنا، نہ کہ ڈالنا۔ پھر اس پر بھی غور نہیں فرمایا کہ قبر پر گاڑی تو شاخ جاتی ہے۔ پھولوں اور سبزیوں کو قبر پر کون گاڑا کرتا ہے۔ انکو تو لوگ بس ڈالا ہی کرتے ہیں۔ پس جب پھولوں کا گاڑنا عادۃً ممکن ہی نہیں۔ اور نہ کوئی ان کو گاڑتا ہے۔ اور خود ہی شاہ صاحب بھی لکھ رہے ہیں کہ کسی چیز کا قبر پر گاڑنا سنت ہے۔ ڈالنا سنت نہیں۔ تو جناب کے اس فقرے کا آخر کیا مطلب ہوگا کہ:

"خطابی نے انکار پھولوں اور سبزیوں کے ڈالنے کا کیا ہے۔ نہ کہ گاڑنے کا"۔

کیا کسی ملک میں شاہ صاحب نے قبر پر پھولوں کے گاڑنے کا دستور دیکھا ہے؟ سُنا بھی ہے؟ اور کیا یہ ممکن بھی ہے؟ اگر نہیں تو بار بار غور فرمایئے کہ آخر آپ کا یہ فقرہ کوئی مفہوم محصّل رکھتا ہے؟ پھر جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا شاہ صاحب یہ ساری باتیں امام خطابی سے زبردستی منسوب کررہے ہیں۔ ورنہ امام خطابی کی عبارت میں پھولوں کے گاڑنے اور ڈالنے کی باریک منطق کا دور دور کہیں پتہ نہیں۔ مناسب ہے کہ یہاں امام خطابی کی اصل عبارت پیش خدمت کردوں۔ شاہ صاحب اس پر غور فرمالیں۔

حدیث "جرید" کی شرح میں امام خطابی لکھتے ہیں:

"واما غرسه شق العسيب على القبر وقوله لعله يخفف عنهما مالم ييبسا. فانه من ناحية التبرك باثر النبي صلى الله عليه وسلم ودعائه بالتخفيف عنهما. وكانه صلى الله عليه وسلم جعل مدة بقاء الند اوة فيهما حدا لما وقعت به المسئلة من تخفيف العذاب عنهما. وليس ذلك من اجل ان في الجريد الرطب معنى ليس في اليابس. والعامة في كثير من البلد ان تفرش الخوص في قبور موتاهم.واراهم ذهبوا الى هذا. وليس لما تعاطوه من ذلك وجه. والله اعلم.(معالم السنن)(۱)

ترجمہ: "رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شاخِ خرما کو چیر کر قبر پر گاڑنا اور یہ فرمانا کہ "شاید ان کے عذاب میں تخفیف ہو جب تک کہ یہ شاخیں خشک نہ ہوں" تو یہ تخفیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اثر اور آپ کی دعائے تخفیف کی برکت کی وجہ سے ہوئی، اور ایسا لگتا ہے کہ آپ نے جوان قبروں کے حق میں تخفیف عذاب کی دعاء کی تھی ان شاخوں میں تری باقی رہنے کی مدت کو اس تخفیف کے لئے حد مقرر کر دیا گیا تھا۔ اور اس تخفیف کی یہ وجہ نہیں تھی کہ کھجور کی تر شاخ میں کوئی ایسی خصوصیت پائی جاتی ہے جو خشک میں نہیں پائی جاتی۔ اور بہت علاقوں کے عوام اپنے مردوں کی قبروں میں کھجور کے پتے بچھا دیتے ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ وہ اسی کی طرف گئے ہیں (کہ تر چیز میں کوئی ایسی خصوصیت پائی جاتی ہے جو تخفیف عذاب کے لئے مفید ہے) حالانکہ جو عمل کہ یہ لوگ کرتے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں۔ واللہ اعلم۔"۔

شاہ صاحب نے تیسرا افادہ عینیؒ کی عبارت سے یہ اخذ کیا ہے کہ:

"قبروں پر پھول ڈالنے کا سلسلہ کوئی نیا نہیں۔ بلکہ خطابی کے زمانہ سے چلا

(۱) معالم السنن مع مختصر سنن أبي داؤد - باب الاستبراء من البول - رقم الحديث: ۱۹ - ۱/۲۷ - ط: انصار السنة المحمدية.

آتا ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہوں بلکہ خطابی کا بیان ہے کہ یہ فعل ''اکثر الناس'' کا ہے''۔

شاہ صاحب اس نکتہ آفرینی سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ خطابی کے زمانے سے قبروں پر پھول چڑھانے پر سوادِ اعظم کا اجماع ہے۔ اور اس ''اجماع'' کے خلاف لب کشائی کرنا گویا الحاد و زندقہ ہے۔ جس سے سوادِ اعظم کے معتقدات کو ٹھیس پہنچی ہے۔ مگر قبلہ شاہ صاحب اس نکتہ آفرینی سے پہلے مندرجہ ذیل امور پر غور فرمالیتے تو شاید انہیں اپنے طرز استدلال پر افسوس ہوتا۔

اوّلاً: وہ جس عبارت پر اپنے اس نکتہ کی بنیاد جمارہے ہیں، وہ امام خطابی کی نہیں بلکہ علامہ عینی کی ہے۔ اسلئے قبروں پر پھول چڑھانے کو امام خطابی کے زمانہ کے ''اکثر الناس'' کا فعل ثابت کرنا بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ ہاں یوں کہیے کہ امام خطابی کے زمانہ کے ''عوام'' کھجور کے تر پتے بچھایا کرتے تھے، علامہ عینی کے زمانے تک یہ سلسلہ کھجور کے پتوں سے گذر کر پھول چڑھانے تک پہنچ گیا۔

ثانیاً: جب سے یہ سلسلہ عوام میں شروع ہوا اسی وقت سے علماء امت نے اس پر نکیر کا سلسلہ بھی شروع کردیا۔ خطابی نے ''اس کی کوئی اصل نہیں'' کہہ کر اس کے بدعت ہونے کا اعلان فرمایا۔ اور علامہ عینی نے ''ولیس بشیٔ'' کہہ کر اسکو خلاف سنت قرار دیا کاش کہ جناب شاہ صاحب بھی حضرات علماءِ امت کے نقش قدم پر چلتے۔ اور عوام کے اس فعل کو بے اصل اور خلاف سنت فرماتے۔ بہرحال اگر جناب شاہ صاحب خطابی یا عینی کے زمانے کے عوام کی تقلید فرمارہے ہیں تو اس ناکارہ کو بحول اللہ وقوتہ اکابر علماء امت اور ائمہ دین کے نقش قدم پر چلنے کی سعادت حاصل ہے۔ اور وہ امام خطابی اور علامہ عینیؒ کی طرح اس عامیانہ فعل کے خلاف سنت ہونے کا اعلان کررہا ہے۔ جناب شاہ صاحب کو اگر تقلید عوام پر فخر ہے۔ تو یہ ہیچ مدان ائمہ دین کے اتباع پر نازاں ہے اور اس پر شکر بجالاتا ہے۔ یہ اپنا اپنا نصیب ہے کہ کسی کے حصے کیا آتا ہے۔

ع ''ہر کسے را بہر کارے ساختند''۔

ثالثاً: جناب شاہ صاحب نے علامہ عینیؒ کی عبارت خطابی کی طرف منسوب کرکے یہ سراغ تو نکال لیا کہ پھولوں کو چڑھانا خطابی کے زمانہ سے چلا آتا ہے۔ کاش وہ کہیں سے یہ بھی ڈھونڈ لاتے کہ چوتھی صدی (خطابی کے زمانہ) کے عوام نے جو بدعتیں ایجاد کی ہوں وہ چودہویں صدی میں نہ صرف سنت بن

جاتی ہیں۔ بلکہ اہل سنت کے عقائد وشعار میں بھی ان کو جگہ مل جاتی ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جناب شاہ صاحب نے اگر میرا پہلا مضمون پڑھا ہے تو امام شہیدؒ کا ارشاد بھی ان کی نظر سے گذرا ہوگا جو امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے ''فتاویٰ غیاثیہ'' سے نقل کیا ہے کہ:

''متاخرین (جن کا زمانہ چوتھی صدی سے ہوتا ہے) کے استحسان کو ہم نہیں لیتے''۔

غور فرمایئے جس دور کے اکابر اہل علم کے استحسان سے بھی کوئی سنت ثابت نہیں ہوتی شاہ صاحب اس زمانے کے عوام کی ایجاد کردہ بدعات کو''سنت'' فرمارہے ہیں۔ اور اصرار کیا جارہا ہے کہ ان بدعات کے بارے میں اس زمانے کے اکابر اہل علم نے خواہ کچھ ہی فرمایا ہو۔ ہمیں اس کے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ چونکہ صدیوں سے عوام اس بدعت میں ملوث ہیں' لہٰذا اس کو خلاف سنت کہنا روا نہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس لاجواب منطق سے شاہ صاحب نے اپنے ضمیر کو کیسے مطمئن کرلیا۔

رابعاً: ہمارے شاہ صاحب تو امام خطابی کے زمانے کے عوام کو بطور حجت ودلیل پیش فرمارہے ہیں اور علماء امت کی نکیر کے علی الرغم ان کے فعل سے سند پکڑ رہے ہیں۔ آیئے! میں آپ کو اس سے بھی دوصدی پہلے کے''عوام'' کے بارے میں اہل علم کی رائے بتاتا ہوں۔ صاحب درمختار نے باب الاعتکاف سے ذرا پہلے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اکثر عوام جو مردوں کے نام کی نذر ونیاز مانتے ہیں۔ اور اولیاء اللہ کی قبور پر روپے پیسے اور شمع، تیل وغیرہ کے چڑھاوے ان کے تقرب کی غرض سے چڑھاتے ہیں یہ بالاجماع باطل اور حرام ہے الا یہ کہ فقراء پر صَرف کرنے کا قصد کریں۔

اس ضمن میں انہوں نے ہمارے امام محمد بن الحسن الشیبانی مدون مذہب نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۸۹ھ) کا ارشاد نقل کیا ہے:

"ولقد قال الامام محمد: لو كانت العوام عبيدى لاعتقتهم واسقطت ولائى وذلك لانهم لايهتدون. فالكل بهم يتعيّرون". (۱)

''ترجمہ: اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر عوام میرے غلام ہوتے تو میں ان کو آزاد کردیتا اور

---

(۱) الدر المختار- كتاب الصوم-فصل فى العوارض المبيحة لعدم الصوم-۲/۴۴۰.

ان کو آزاد کرنے کی نسبت بھی اپنی طرف نہ کرتا۔ کیونکہ وہ ہدایت نہیں پاتے۔ اس لئے ہر شخص ان سے عار کرتا ہے''۔

علامہ شامیؒ اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''اہل فہم پر مخفی نہیں کہ امامؒ کی مراد اس کلام سے عوام کی مذمت کرنا اور اپنی طرف ان کی کسی قسم کی نسبت سے دوری اختیار کرنا ہے، خواہ ولاء (نسبت آزادی) کے ساقط کرنے سے ہو، جو ایک قطعی طور پر ثابت ہے۔ اور اس اظہار برأت کا سبب عوام کا جہل عام ہے۔ اور ان کا بہت سے احکام کو تبدیل کر دینا۔ اور باطل وحرام چیزوں کے ذریعہ تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ پس ان کی مثال انعام کی سی ہے کہ اعلام واکابر ان سے عار کرتے ہیں۔ اور ان عظیم شناعتوں سے برأت کا اظہار کرتے ہیں......''۔(۱)

یہ امام محمد کے زمانے کے عوام ہیں جن کے افعال وبدعات سے امام محمدؒ اور دیگر اعلام واکابر برأت کا اظہار فرماتے ہیں......لیکن اس کے دوصدی بعد کے عوام کی عادت ہمارے شاہ صاحب کے لئے عین دین بن جاتی ہیں۔ اور بڑے اطمینان کے ساتھ فرماتے ہیں کہ پھول چڑھانے کا سلسلہ تو امام خطابی کے دور سے چلا آتا ہے۔ اور یہ نہیں سوچتے کہ یہ وہی عوام ہیں جن کے جہل عام اور تغییر کی شکوہ سنجی ہمارے اعلام واکابر کرتے چلے آئے ہیں۔

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

بینات ۱۴۰۲ھ

---

(۱) رد المحتار - کتاب الصوم - مطلب فی النذر الذی یقع الاموات من اکثر العوام ......الخ ۲/ ۴۴۰ - ط: ایچ ایم سعید.

مروجہ حیلۂ اسقاط کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسائل کے بارے میں:

۱: مروجہ حیلۂ اسقاط جو کہ جنازہ کے بعد فوراً ایک آدمی قرآن مع کچھ نقد رقم ملا کر گئی باردائرے میں گھما کر آخر میں تقسیم کرتا ہے، کیا اس حیلہ اور فقہاء کرام نے حیلہ کا جو طریقہ لکھا ہے کے درمیان فرق ہے یا نہیں؟

۲: حیلۂ اسقاط کیلئے میت کی وصیت شرط ہے یا نہیں؟ نیز حیلۂ اسقاط کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہے یا نہیں؟

۳: کچھ لوگ آدمی کے مرنے کے بعد تیسرے دن اور سات ہفتے لگاتار ہر شبِ جمعہ کو خیرات کرتے ہیں، یعنی دیگیں پکاتے ہیں، اسی طرح چہلم اور سال مناتے ہیں۔ آیا اس کا ثبوت قرآن وحدیث میں ہے یا نہیں؟ اور اس کا حکم کیا ہے مدلل ذکر کریں۔

مستفتی۔ محمد ابراہیم۔ نارتھ ناظم آباد کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

۱۔ واضح رہے کہ مروجہ حیلۂ اسقاط مبتدعین کی ایجاد کردہ بدعت ہے، اس کا ثبوت نہ قرآن کریم میں ہے، اور نہ احادیث مبارکہ میں، اور نہ ہی فقہاء کرام میں سے کسی فقیہ سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ اس حیلہ میں اور فقہاء کرام کے لکھے ہوئے حیلہ میں بہت بڑا فرق ہے۔

فقہاء نے جو حیلہ کی صورت لکھی ہے، وہ صرف اس شخص کے لئے ہے کہ جس کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ اس کی فوت شدہ نمازوں اور روزوں وغیرہ کی ادائیگی کا متحمل نہ ہو اور ورثاء اس کی طرف سے فدیہ ادا کرنا چاہیں تو اس کے لئے حیلہ کی صورت لکھی ہے۔

چنانچہ مراقی الفلاح میں ہے:

"اراد احد التبرع بقليل لايكفي فحيلته لابراء ذمة الميت عن جميع ماعليه ان يدفع ذلک المقدار اليسير بعد تقديره لشئ من صيام او صلاة اونحوه ويعطيه للفقير بقصد اسقاط مايرد عن الميت فيسقط عن الميت بقدره ثم بعدقبضه يهبه الفقير للولي اوللاجنبي ويقبضه لتتم الهبة وتملک ثم يدفعه الموهوب له للفقير بجهة الاسقاط متبرعاً به عن الميت فيسقط عن الميت بقدره ايضاً ثم يهبه الفقير للولي اوللاجنبي ويقبضه ثم يدفعه الولي للفقير متبرعاً عن الميت وهكذا يفعل مراراً حتى يسقط ماكان يظنه على الميت من صلاة وصيام" (۱)

اورآج کل غریب تو غریب مال داروں کے لئے بھی حیلہ اسقاط کیا جاتا ہے، حالانکہ مرنے والے کے ترکہ سے اس کا فدیہ ادا کرنا آسانی سے ممکن ہے لہٰذا یہ حیلہ آج کل درست نہیں ہے۔

فقہاءِ کرام نے جوصورت لکھی ہے وہ بھی صرف مباح کی حدتک ہے، جبکہ آج کل اس کوایک مستقل عبادت سمجھ کرالتزام کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

نیزفقہاءِ کرام کے حیلے میں قرآن کریم گھمانے کی کوئی تصریح نہیں ہے، جبکہ آج کل سارامدار اسی پرہےاورقرآن مجید کے بغیر یہ حیلہ کرتے ہی نہیں۔فقہاءِ کرام کے ذکرکردہ حیلۂ اسقاط سے اکثر لوگ بلکہ بعض علماً بھی ناواقف ہیں نیزفقہاً کے عمل سے صرف مباح ہونا معلوم ہوتا ہے، نہ کہ واجب یا سنت وغیرہ، جبکہ آج کل لوگ اس کوضروری قراردے کر نہ کرنے والوں پرطعن وتشنیع اورانہیں ملامت کرتے رہتے ہیں اورکوئی مباح عمل جب اس حدتک پہنچ جائے تواس کا ترک کرنالازم ہوتا ہے۔جیسا کہ "مرقاۃ المفاتیح" میں ہے:

"من اصر على امر مندوب وجعله عزماًولم يعمل بالرخصة فقداصاب منه الشيطان من الاضلال فكيف من اصرعلى بدعة اومنكر" (۲)

---

(۱) حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح -فصل فى اسقاط الصلوة والصوم -ص ۲۳۹ -ط: قديمى .

(۲) مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح -باب الدعاء فى التشهد -الفصل الاول-الاصرار على المندوب وجعله عزما قبله فضلا عن الاصرار على بدعة- ۲/ ۳۵۳ -ط: مكتبه امداديه ملتان

۲- حیلۂ اسقاط کے لئے میت کا وصیت کرنا شرط نہیں۔ نیز مروجہ حیلۂ اسقاط کا ثبوت قرآن وحدیث میں نہیں ہے۔

۳- واضح رہے کہ جب کسی کی وفات ہوجائے تو اس کے گھر والے چونکہ صدمہ میں مبتلا ہوتے ہیں، اس لئے اہل محلّہ اور رشتہ داروں کو حکم ہے کہ اہل میت کے لئے ایک دن ایک رات کا کھانا تیار کریں۔ جیسا کہ فتاویٰ شامی میں ہے:

"(وباتخاذطعام لهم)قال فى الفتح : ويستحب لجيران اهل الميت والاقرباء الاباعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله صلى الله عليه وسلم "اصنعوا لاٰل جعفر طعاماً فقدجاء هم مايشغلهم" حسنه الترمذى، وصححه الحاكم ،ولانه بر ومعروف ، ويلح عليهم فى الاكل لان الحزن يمنعهم من ذٰلك فيضعفون ".(۱)

واضح رہے کہ میت کے رشتہ داروں کو میت کے لئے ایصال ثواب کرنا چاہئے۔ یہ ان پر ایک اخلاقی ذمہ داری ہے اور میت کو اس سے بہت زیادہ فائدہ ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ میت سمندر میں ڈوبنے والے کی مانند ہے اگر کوئی شخص ثواب پہنچاتا ہے تو اس کو سہارا مل جاتا ہے اور وہ غرق ہونے سے بچ جاتا ہے۔ جیسا کہ "شرح الصدور" میں ہے:

"عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ماللميت فى قبره الاشبه الغريق المتغوث ينتظر دعوة تلحقه من اب اوام اوولداوصديق ثقة فاذالحقته كانت احب اليه من الدنيا ومافيها وان الله تعالىٰ ليدخل على اهل القبورمن دعاء اهل الارض امثال الجبال وان هدية الاحياء الى الاموات الاستغفارلهم. قال البيهقى: قال ابوعلى الحسين بن على الحافظ: هٰذا حديث غريب من حديث عبدالله

(۱) رد المحتار –كتاب الصلوٰة –باب الجنائز –مطلب فى الثواب على المصيبة –۲۴۰/۲.

ابن المبارک ".(۱)

البتہ شریعت نے ایصال ثواب کے لئے کوئی دن یا کوئی خاص عمل مقرر نہیں کیا، بلکہ جس دن بھی ممکن ہوا ایصال ثواب کرنا جائز ہے اور اس کے لئے کوئی خاص عبادت بھی مخصوص نہیں ہے، کسی بھی نیک کام کا ایصال ثواب کرنا جائز ہے، لہٰذا ایصال ثواب کے لئے تیسرے دن یا ہفتے یا چہلم یا سال (برسی) منانا قرآن وسنت سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے بدعت ہیں۔ اس کو ترک کرنا لازم ہے۔ چنانچہ فتاویٰ شامی میں ہے:

"عن جرير بن عبدالله قال : كنانعدالاجتماع الى اهل الميت وصنعة الطعام من النياحة ".(۲)

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

"ويكره اتخاذالطعام في اليوم الاول والثالث وبعدالاسبوع والاعياد"(۳)

فتح القدیر میں ہے:

"ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع في السرورلافي الشرور وهي بدعة مستقبحة "(۴)

---

(۱) شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ والقبور للإمام جلال الدين السيوطي –باب ماينفع الميت في قبره – ص ۱۳۲ –ط: مطابع الرشيد بالمدينة المنورة .

(۲) رد المحتار –كتاب الصلوٰة –باب الجنائز –مطلب في كراهة من اهل الميت–۲/ ۲۴۰ .

وفي سنن ابن ماجة –كتاب الصلوٰة–ابواب ماجاء في الجنائز–باب ماجاء في النهي عن الاجتماع إلى اهل الميت وصنعة الطعام – ص ۱۱۶ –ط: قديمي كتب خانه.

(۳)البزازية على هامش الهندية –كتاب الصلوٰة –الخامس والعشرون في الجنائز وفيه الشهيد– نوع آداب .... إلى المصلي قبل الجنازة ينتظرنها ......الخ –۴/ ۸۱–ط: مكتبه رشيديه كوئٹه .

(۴)فتح القدير –كتاب الجنائز –۲/ ۱۰۲ –ط: المكتبة الرشيدية كوئٹه .

وايضاً في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح–ص ۳۳۹–ط: قديمي كراچی .

ابن حجر ہیثمی شافعیؒ سے سوال کیا گیا کہ:

"سئل عمايعمل يوم ثالث من موته من تهيئة اكل واطعامه للفقراء وغيرهم وعمايعمل يوم السابع"

تو اس نے جواب میں تحریر فرمایا:

"جميع مايفعل مماذكرفى السؤال من البدع المذمومة يعنى السوال ".(۱)

مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج للنووی الشافعی میں ہے:

"اما اصلاح اهل الميت طعاماوجمع الناس عليه فبدعة غيرمستحب روى احمدوابن ماجة باسنادصحيح عن جريربن عبدالله قال: كنانعدالاجتماع على اهل الميت وصنعهم الطعام النياحة "(۲)

ابن امیر الحاج المالکی رحمہ اللہ "المدخل" میں تحریر فرماتے ہیں:

وأما اصلاح اهل الميت طعاماً وجمع الناس عليه فلم ينقل فيه شئ وهوبدعة غيرمستحب.

وقال ايضاً: (وكذلك) يحذرمما احدثه بعضهم من فعل الثالث للميت وعملهم الاطعمة فيه صارعندهم كانه امرمعمول به." (۳)

ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ نے "المغنی" میں لکھا ہے:

"فماصنع اهل الميت طعاماًللناس فمكروه لان فيه زيادة

---

(۱) الفتاوى الكبرى الفقهية للعلامة ابن حجر المكى - كتاب الصلوة - باب الجنائز - ۲/۷ - ط: عبدالحميد حنفى مصر.

(۲) مغنى المحتاج إلى معرفة معانى الفاظ المنهاج للعلامة يحى بن شرف النووى - كتاب الجنائز - مسائل منثورة - ۲/۲۶۸ - ط: دار احياء التراث العربى بيروت لبنان.

(۳) المدخل لابن الحاج - فصل فى استحباب اطعام اهل الميت - ۳/۲۸۸ - ۲۹۲ - ط: مصر.

علی مصیبتهم وشغلاًلهم الی شغلهم وتشبهابصنع اهل الجاهلیة"(۱)

لہٰذاصورتِ مسئولہ میں مذکورہ تمام امور بدعت ہیں، ان کوترک کرناواجب اورضروری ہے۔

الجواب صحیح	**الجواب صحیح**	**کتبه**
محمدعبدالمجیددین پوری	محمدانعام الحق	عبداللہ حسن زئی

بینات-ذوالحجہ۱۴۲۴ھ

(۱) **المغنی للإمام موفق الدین وشمس الدین ابنی قدامة-مسئلة استحباب صنع الطعام لأهل المیت-۴۱۳/۲-ط: دار الفکر بیروت.**

حیاۃ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

از حضرت مولانا سید یوسف بنوری

''مسئلہ حیاتِ انبیاء اور اس کے متعلقات پر حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب شیخ الحدیث نصرۃ العلوم کی تازہ تالیف ''تسکین الصدور فی تحقیق أحوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور'' شائع ہوئی ہے، ذیل کا مضمون اس کی تائید وتقریظ میں لکھا گیا''۔ مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علی سیدنا محمد المصطفیٰ والہ وصحبہ ماکفیٰ وشفیٰ أمابعد!

انبیاء کرام علیہم الصلوات والسلام کی حیات بعد الممات کا مسئلہ صاف اور متفقہ مسئلہ تھا۔ شہداء کی حیات بنص قرآن ثابت تھی اور دلالۃ النص سے انبیاء کرام کی حیات قرآن سے ثابت تھی۔ اور احادیث نبویہ سے عبارۃ النص کے ذریعہ ثابت تھی، لیکن بُرا ہو اختلافات اور فتنوں کا کہ ایک مسلمہ حقیقت زیر بحث آکر مشتبہ ہوگئی۔ کتنی ہی تاریخی بدیہیات کو کج بحثوں نے نظری بنالیا، کتنے ہی حقائق شرعیہ کو کج فہمی نے مسخ کر کے رکھ دیا۔

یہ دُنیا ہے اور دُنیا کے مزاج میں داخل ہے کہ یہاں ہر دور میں کج فہم، کج رو اور کج بحث موجود ہوتے ہیں۔ زبان بند کرنا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے، ملاحدہ وزنادقہ کی زبان کب بند ہوسکی؟ کیا اس دور میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو افسانہ نہیں بتایا گیا اور کہا گیا کہ یہ واقعہ ہے ہی نہیں؟

اور کیا امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی اور واجب القتل اور یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین اور خلیفہ برحق ثابت نہیں کیا گیا؟

کسی صحیح حدیث کو ضعیف بنانے کے لئے کسی راوی کے بارے میں کتب رجال میں جرح کا کوئی کلمہ دیکھ لینا بس کافی ہے کہ اس پر بنیاد قائم کی جائے؟

اگر عقل سلیم سے کام نہ لیا جائے اور صرف کسی کتاب میں جرح کو دیکھا جائے تو امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام مالکؒ تمام کے تمام ائمہ مجروح ہوکر دین کا سرمایہ ختم ہوجائے گا۔

الغرض حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا مسئلہ بھی تقریباً اسی قسم کی کج بحثیوں میں اُلجھ کر اچھا خاصہ فتنہ بن گیا۔ عصمت تو انبیاء کا خاصہ ہے، (۱) علماء معصوم تو ہیں نہیں، کچھ حضرات نے دانستہ یا نادانستہ حدیثی وکلامی بحثیں پیدا کردیں اور سمجھا یہ گیا۔ یا سمجھایا گیا کہ اس طرح توسل بالاموات اور استعانت بغیر اللہ وغیرہ وغیرہ بہت سی بدعات کا خاتمہ ہوجائے گا۔ گویا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ حیات انبیاءؑ سے انکار کرنے ہی سے یہ مفاسد ختم ہوسکتے ہیں، اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ بارش سے بچنے کے لئے پرنالے کے نیچے جاکر بیٹھ گئے۔

بہرحال ان تفصیلات میں جانے کی حاجت نہیں، خلفشار کو ختم کرنے کے لئے اربابِ فکر وخلوص نے چند حضرات کے نام تجویز کئے کہ اس اختلاف کو، جس نے فتنہ کی شکل اختیار کرلی ہے، ختم کرنے کی کوشش کریں، راقم الحروف کا نام بھی انہیں میں شامل تھا، تجویز یہ ہوئی کہ موضوع پر ایک محققانہ کتاب موثر انداز میں لکھی جائے اور تشکیک پیدا کرنے والے حضرات کے شبہات کا جواب بھی دیا جائے اور مسئلہ کے تمام گوشوں پر سیر حاصل تبصرہ بھی کیا جائے۔

باتفاق رائے اس کام کی انجام دہی کے لئے جناب برادر گرامی مآثر مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز صاحب منتخب ہوگئے، جن کے دماغ میں بحث وتمحیص کی صلاحیت ہے اور قلم میں پختگی بھی، علوم دینیہ اور

---

(۱) یہاں یہ تنبیہ ضروری ہے کہ بدلائل شرعیہ امت من حیث المجموع خطا سے محفوظ ہے یعنی شرعاً یہ ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ سب کی سب کسی مسئلہ میں ۔معاذ اللہ۔ غلطی پر متفق ہوجائے ہمارے یہاں کے ملاحدہ نے ''عصمت انبیاء کرام کا خاصہ ہے'' کے نعرہ کو کلمة حق ارید به الباطل کے طور پر دین کے قطعی متواتر اور اجماعی مسائل کے ابطال بلکہ پورے دین ہی کو ''عجمی سازش'' قرار دینے کیلئے ڈھال بنالیا۔ ۱۲ مدیر (حاشیہ بینات)

حدیث ورجال سے اچھی اور قابل قدر مناسبت بلکہ عمدہ بصیرت بھی ہے مختلف مظان سے غرر نقول جمع کرنے کی پوری قدرت بھی ہے اور حسن ترتیب کی پوری اہلیت بھی۔

الحمدللہ کہ برادر موصوف نے توقع سے زیادہ مواد جمع کرکے تمام گوشوں کو خوب واضح کردیا اور تحقیق کا حق ادا کردیا ہے۔ میرے ناقص خیال میں اب یہ تالیف اس مسئلہ میں جامع ترین تصنیف ہے اور اس دور میں جتنی تصانیف اس مسئلہ پر لکھی گئی ہیں ان میں جامع، واضح، عالمانہ بلکہ محققانہ ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کی اس خدمت کو قبول کرے اور اس قسم کی مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

عرصہ ہوا کہ میرے رفیق محترم، جناب مولانا سید احمد رضا بجنوری، جن کو حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ سے نہ صرف تلمذ حاصل ہے، بلکہ فرزند نسبتی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، جن کے قلم سے صحیح بخاری کی محققانہ اُردو شرح ''انوار الباری'' وجود میں آرہی ہے، اور اب سے اکتیس بتیس سال قبل مصر واستنبول کے علمی سفر میں میرے رفیق طریق رہے ہیں، ان کے ایک خط کے جواب میں ۱۳۷۹ھ میں، میں نے اس موضوع پر قلم برداشتہ نہایت عجلت میں جو کچھ لکھا تھا نامناسب نہ ہوگا کہ یہاں اس خط کا کچھ اقتباس نقل کردیا جائے، تاکہ اس مسئلہ میں میری قدیم ذاتی رائے بھی معلوم ہوجائے، اگرچہ وہ مجمل اشارات ہیں اور مخاطب ایک عالم تھے، تفصیل کی حاجت نہیں تھی، لیکن اس موضوع پر ایک جامع اور منقح فیصلہ کی حیثیت سے ایک متن ہے، تشریح جتنی چاہے کرلیجئے۔ واللہ المستعان

محولہ بالا طویل مکتوب کے چند اقتباسات

(۱) شہداء کے لئے بنص قرآن ''حیات'' حاصل ہے اور مزید دفع تجویز کے لئے ''یـرزقون'' کا ذکر بھی کیا گیا ہے جیسے آج کل محاورہ بھی ہے ''فـلان حـی یـرزق'' عام اہل برزخ سے ان کی حیات ممتاز ہے۔

(۲) جب انبیاء کا درجہ شہداء سے اعلیٰ وارفع ہے تو بـدلالة النص یا بـالاولیٰ خود قرآن کریم سے ان کی حیات ثابت ہوئی ''علیهم الصلوات والتسلیمات اور جب مرتبہ اعلیٰ وارفع ہے تو حیات بھی اقویٰ واکمل ہوگی۔

(۳) اس حیات کی اکملیت کے بارے میں دو حدیثیں آئی ہیں:

''ان الله حرم علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء (۱)

اورحدیث ''الأنبیاء أحیاء فی قبورهم یصلون (۲)

اوراس کے علاوہ بھی روایات ہیں اوران احادیث کے شواہد کے طور پر دیگر احادیث صحیحہ موجود ہیں، مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا تلبیۂ حج۔

(۴) روح کے تعلقات، اجساد سے پانچ قسم کے ہیں:

۱-فی حالة الجنین.

۲-بعد الولادة فی الدنیا اوراس کی دوصورتیں ہیں حالت نوم میں اورحالت یقظہ میں۔

۴-بعد الموت فی البرزخ

۵-بعد البعث فی المحشر

ضعیف ترین اول ورابع ہے قوی ترین خامس اورمتوسط دنیوی ہے کما حققه المتکلمون وابن القیم فی کتاب الروح (۳) والقاری فی شرح الفقه الاکبر (۴).

(۵) انبیاء کرام علیہم السلام کی نوم جیسے ممتاز ہے عام نوم سے ''ان عینای تنامان ولاینام

---

(۱) سنن أبی داؤد -کتاب الصلوة -باب تفریع ابواب الجمعة -۱/۱۵۰ -ط: میر محمد کتب خانه.

(۲) فیض الباری للعلامة انور شاه (المتوفی ۱۳۵۲ھ) -کتاب الصلوٰة -باب رفع الصوت- ۲/۶۴- ط: مطبعه حجازی. قاهرة.

(۳) کتاب الروح لابن القیم (المتوفی: ۷۵۱ھ) - المسألة السادسة -ص. ۴۳، ۴۴ - ط: مکتبة ومطبعة محمد علی صبیح بمیدان الأزهر مصر. وعبارته: '' وسرذلک ان الروح لها بالبدن خمسة أنواع من التعلق متغایرة الأحکام: (أحدها) تعلقها به فی بطن الأم جنینا ......، (الثانی) تعلقها به بعد خروجه إلی وجه الأرض......، (الثالث) تعلقها به فی حال النوم ......، (الرابع) تعلقها به فی البرزخ ...... (الخامس) تعلقها به یوم بعث الأجساد ......الخ ''.

(۴) شرح الفقه الأکبر لملا علی القاری -تعلق الروح بالبدن علی خمسة أنواع -ص ۱۵۰-ط: محمد سعید اینڈ سنز.

قلبی"(۱) اسی طرح ان کی موت کی حالت بھی عام اموات جیسی نہیں، النوم أخو الموتِ (۲) اور عام موتیٰ میں تحقیق موت کے لئے۔ انقطاع الروح عن الجسد بالكليه ہوتا ہے۔اور یہاں بالکلیہ نہیں ہوتا اور پھر علو مرتبہ جتنا ہوتا ہے اتنا ہی تعلق قوی ہوگا۔

(۶) مفارقت الروح عن الجسد سے مفارقت تعلق الروح عن الجسد لازم نہیں آتا۔

(۷) اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کو "تروّح" کی کیفیت حاصل ہو جیسے معراج میں جسد پر روح کی کیفیت طاری ہوئی "تجسد ارواح" اور "تروح اجساد" دونوں کی نظیریں عالم شہادت میں ہیں تو عالم ارواح میں کیوں استبعاد کیا جائے جبکہ اس کا تعلق عالم غیب سے ہے۔

(۸) دنیا میں صوفیاء کرام کے یہاں ابدان مثالیہ کے تعدد وقت واحد میں، متعدد امکنہ میں ظہور اور آثار کے ثبوت پر مشہور واقعات ہیں انبیاء کرام کی نقل وحرکت بالاجساد المتروحة اس کی نظیر ہوگی۔

(۹) الغرض انبیاء کرام کے لئے حیاۃ، بقائے اجساد، نقل وحرکت، ادراک وعلم سب چیزیں حاصل ہیں۔

(۱۰) یہ حیات دُنیوی حیات کے مماثل بلکہ اس سے اقویٰ ہے دُنیا میں ہمیشہ جسد کو روح کی خاصیت حاصل نہیں ہوتی اور برزخ میں ہوتی ہے اب اگر اس کو حیات دُنیوی سے بعض حضرات نے تعبیر کیا ہے۔تو اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کیا ہے، بہر حال وہ حیات دنیوی بھی ہے اور حیات برزخی بھی۔ صرف حیات برزخی نہیں، جس میں عام شہداء یا اموات بھی شریک ہوں بلکہ اقویٰ واکمل ہے، اس لئے حیات دنیوی کے مماثل ہے بلکہ اس سے بھی اقویٰ ہے۔

اختلاف تعبیرات میں نزاع لفظی ہے اس دُنیا سے رسمی تعلق منقطع ہونے کے بعد برزخی دور شروع ہوتا ہے اب جو چاہے اطلاق کیا جائے۔

---

(۱) شمائل الترمذی لمحمد بن عیسی –باب ماجاء فی عبادة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم –ص ۱۸ – ط: ایچ ایم سعید وعبارته: "عن أبی سلمة ...... قال یا عائشة عینی تنامان ولاینام قلبی".

(۲) شعب الإیمان للبیهقی –الباب الثالث والثلاثون –فصل فی ذم کثرة النوم –۴/۱۸۳ – ط: دار الكتب العلمية بیروت، وعبارته: "سأل رجل رسول اللہ أینام أهل الجنة ؟ قال النوم أخو الموت ولایموت أهل الجنة".

(۱۱) اگر احادیث ونصوص میں حیات کا ثبوت ہے اور پھر عدم نکاح بالازواج المطہرات اور عدم توریث وغیرہ کی علت اصل حیات کو کہا جائے تو دُرست ہے بہرحال حکم شرعی کی کوئی علت ہوتی ہی ہے۔ اور یہاں تو علت از قبیل العلل المعتبر ۃ کے ہوگی نہ کہ علل مرسلہ کی قسم سے اور اس علت کی تنقیح، اُصولی ''تنقیح المناط'' اور ''تحقیق المناط'' سے زیادہ قطعی ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب

بینات-شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

جناب محترم مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب!

السلام علیکم!

گزارش ہے کہ چند روز قبل مجھے بھینس کالونی کمرشل ایریا کی گول مسجد میں درس قرآن سننے کا اتفاق ہوا۔ اپنے درس کے دوران مسجد کے پیش امام صاحب نے عذاب قبر پر درس دیتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں بقید حیات ہیں اور دلائل دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ''جو شخص میرے روضہ اقدس پر حاضری دے گا تو میں قیامت کے دن اس کے لیے شفاعت کروں گا''۔ (مولانا موصوف کا تعلق دیوبند مسلک سے ہے) جب کہ میں نے خود شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب سے سنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں اور اس پر حضرت صاحب نے ایک کتاب ''وفات النبیؐ'' بھی لکھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کا کوئی علم نہیں ہے۔

جناب والا سے قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیلاً معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ:

۱۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں؟

۲۔ کیا دنیاوی معاملات کا آپ کو علم ہے؟

کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضری دینا ضروری ہے جبکہ حج کے تمام ارکان مکہ معظّمہ میں تکمیل کو پہنچتے ہیں۔

سائل زمرد خان

شیریں جناح کالونی، کلفٹن کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

آپ کے سوال میں چند مسائل قابل تحقیق ہیں:

پہلا مسئلہ: ''مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' اس ضمن میں چند امور کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

اوّل: یہ کہ محل نزاع کیا ہے؟ یہ بات تو ہر عامی سے عامی بھی جانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں؟ اور یہ کہ آپ اپنے روضہ مطہرہ ومقدسہ میں مدفون ہیں۔ اس لیے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں ہوتی اور نہ ہونی چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی حیات زیر بحث ہے۔

نہیں! بلکہ گفتگو اس میں ہے کہ دنیا سے رخصت ہونے کے بعد برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حیات حاصل ہے اس کا تعلق جسد اطہر سے ہے یا نہیں؟ اس تنقیح سے معلوم ہوا ہوگا کہ یہاں تین چیزیں ہیں:

۱۔ دنیا کی حیات کا نہ ہونا۔

۲۔ برزخ کی حیات کا حاصل ہونا۔

۳۔ اور اس برزخی حیات کا جسد اطہر سے تعلق ہونا یا نہ ہونا۔

پہلے دو نکتوں میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اختلاف صرف تیسرے نکتے میں ہے۔ ہمارے اکابر جسد اطہر کو ایک خاص نوع حیات کے ساتھ متصف مانتے ہیں۔

دوم: اہل حق کا عقیدہ ہے کہ قبر کا عذاب وثواب برحق ہے۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی میں ہے:

''وعذاب القبر للكافرين ولبعض عصاة المومنين وتنعيم اهل الطاعة في القبر وسوال منكر ونكير ثابت بالدلائل السمعية.'' (۱)

''کافروں اور بعض گناہ گار اہل ایمان کو قبر میں عذاب ہونا اور قبر میں اہل طاعت کو نعمت وثواب کا ملنا اور منکر نکیر کا سوال کرنا یہ تمام امور برحق ہیں دلائل سمعیہ

(۱) شرح العقائد النسفية - مبحث عذاب القبر - ص ۹۹، ۱۰۰ - ط: قديمی کراچی۔

سے ثابت ہیں۔"

عقیدہ طحاویہ میں ہے:

"ونؤمن ...... بعذاب القبر من کان له اهل وسوال منکرو نکیر للمیت فی قبره عن ربه ودینه علی ما جاء ت به اثار عن النبی صلی الله علیه وسلم وعن اصحابه. والقبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النار"(۱)

"اور ہم ایمان رکھتے ہیں کہ قبر میں اس شخص کو عذاب ہوگا جو اس کا مستحق ہو اور منکر نکیر قبر میں میت سے سوال کرتے ہیں، اس کے رب، اس کے دین اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس پر احادیث وارد ہیں اور قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔"

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے رسالہ فقہ اکبر میں ہے:

وسوال منکر ونکیر فی القبر حق کائن .... واعادة الروح الی جسد العبد فی قبره حق وضغطة القبر وعذابه حق کائن للکفار کلهم ولبعض عصاة المسلمین (۲)

"اور قبر میں منکر ونکیر کا سوال کرنا برحق ہے اور قبر میں روح کا لوٹایا جانا اور میت کو قبر کا بھینچنا اور تمام کافروں کو اور بعض مسلمانوں کو قبر میں عذاب ہونا برحق ہے ضرور ہوگا۔"

قبر کے عذاب پر قرآن کریم کی آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ وارد ہیں اور سلف صالحین صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع ہے۔ چنانچہ شرح عقائد میں چند

---

(۱) العقیدة الطحاویه للامام ابی جعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی (م ۳۲۱) ص، ۱۲. ط: قدیمی.

(۲) شرح فقه الاکبر -بحث فی أن عذاب القبر حق - ۱۴۷، ۱۴۹ - ط: دار الکتب.

آیات واحادیث کا حوالہ دینے کے بعد لکھا ہے:

"وبالجملة الاحاديث فی هذا المعنی وفی کثیر من احوال الآخرة متواترة المعنیٰ وان لم يبلغ آحادها حد التواتر." (۱)

"حاصل یہ ہے کہ عذاب وثواب قبراور بہت سے احوالِ آخرت میں احادیث معنیً متواتر ہیں اگر چہ فرداً فرداً آحاد ہیں۔"

شرح عقائد کی شرح "نبراس" میں ہے:

ثم قد روی احاديث عذاب القبر وسواله عن جمع عظيم من الصحابة فمنهم عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان وانس بن مالک والبراء وتميم الداری ،وثوبان، وجابر بن عبدالله ، وحذيفة ، وعبادة بن الصامت ، وعبدالله بن رواحة، وعبدالله بن عباس، وعبدالله بن عمر، وعبدالله بن مسعود، وعمرو بن العاص، ومعاذ بن جبل ، وابو امامة ، وابو الدرداء، وابوهريرة، وعائشة رضی الله عنهم ثم روی عنهم اقوام لايحصی عددهم .(۲)

"قبر کے عذاب وثواب اورسوال کی احادیث صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہیں جن میں مندرجہ ذیل حضرات بھی شامل ہیں: حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت انسؓ حضرت براءؓ حضرت تمیم داریؓ حضرت ثوبانؓ حضرت جابرؓ حضرت حذیفہؓ حضرت عبادہؓ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عمرو بن عاصؓ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت ابو امامہؓ حضرت ابوالدرداءؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم۔ پھر ان سے اتنی قوموں نے روایت کی ہے جن کی تعداد کا شمار نہیں

(۱)شرح العقائد النسفية –ص ۱۰۱.

(۲) النبراس شرح شرح العقائد –ص ۲۰۸–ط: مکتبه حقانيه ملتان.

کیا جاسکتا۔''

امام بخاریؒ نے عذاب قبر کے باب میں قرآن کریم کی تین آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ احادیث ذکر کی ہیں جو مندرجہ ذیل پانچ صحابہؓ سے مروی ہیں۔ حضرت براء بن عازب، حضرت عمرؓ حضرت عائشہ، حضرت اسماء اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم۔(۱)

اس کے ذیل میں حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وقد جاء فی عذاب القبر هذه الاحاديث منها عن أبی هريرة وابن عباس وأبی ايوب وسعد وزيد بن ارقم وأم خالد فی الصحيحين او احدهما ، وعن جابر عند ابن ماجة ،وابی سعيد عند ابن مردويه ، وعمر ،وعبدالرحمن بن حسنة وعبدالله بن عمرو عند أبی داؤد، وابن مسعود عند الطحاوی، وأبی بكرة واسماء بنت يزيد عند نسائی، وام مبشر عند أبی شيبة وعن غيرهم (۲)

''اور عذاب قبر میں ان مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ اور احادیث بھی وارد ہیں چنانچہ ان میں حضرت ابوہریرہ، ابن عباس، ابوایوب، سعد، زید بن اُرقم اور ام خالد کی احادیث تو صحیحین میں یا ان میں سے ایک میں موجود ہیں۔

حضرت جابر کی حدیث ابن ماجہ میں ہے، حضرت ابوسعید کی حدیث ابن مردویہ نے روایت کی ہے اور حضرت عمر، عبدالرحمٰن بن حسنہ اور عبداللہ بن عمرو کی ابوداؤد میں ہیں۔ حضرت ابن مسعود کی حدیث طحاوی میں ہے، حضرت ابوبکرہ اور اسماء بنت یزید کی احادیث نسائی میں ہیں اور حضرت ام مبشر کی حدیث مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ سے بھی احادیث مروی ہیں۔

یہ قریباً تیس صحابہ کرامؓ کے اسماء گرامی کی فہرست ہے جو میں نے عجلت میں مرتب کی ہے اور جن

---

(۱) صحيح البخاری - كتاب الجنائز - باب ماجاء فی عذاب القبر - ۱/ ۱۸۳ - ط: قديمی كراچی.

(۲) فتح الباری شرح صحيح البخاری - كتاب الجنائز - باب ماجاء فی عذاب القبر - ۳/ ۲۴۰.

سے عذاب قبر کی احادیث مروی ہیں، اس لیے قبر کے عذاب وثواب کے متواتر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

سوم: جب یہ ثابت ہوا کہ قبر کا عذاب وثواب برحق ہے اور یہ اہل حق کا اجماعی عقیدہ ہے تو اب اس سوال پر غور کرنا باقی رہا کہ قبر کا یہ عذاب وثواب صرف روح سے متعلق ہے یا میت کے جسم عنصری کی بھی اس میں مشارکت ہے؟ اور یہ کہ اس عذاب وثواب کا محل آیا یہی حسّی گڑھا ہے جسکو عرف عام میں "قبر" سے موسوم کیا جاتا ہے یا برزخ میں کوئی جگہ ہے جہاں میت کو عذاب وثواب ہوتا ہے اور اسی کو عذاب قبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے تتبع سے بالبداہت معلوم ہوتا ہے کہ قبر کا عذاب وثواب صرف روح کو نہیں ہوتا بلکہ میت کا جسم بھی اس میں شریک ہے اور یہ کہ عذاب وثواب کا محل یہی حسّی قبر ہے جس میں مردہ کو دفن کیا جاتا ہے۔ مگر چونکہ یہ عذاب وثواب دوسرے عالم کی چیز ہے اسلئے میت پر جو حالات قبر میں گذرتے ہیں، زندوں کو انکا ادراک وشعور عموماً نہیں ہوتا (عموماً اسلئے کہ کہ بعض اوقات بعض اُمور کا انکشاف بھی ہوجاتا ہے) جس طرح نزع کے وقت مرنے والا فرشتوں کو دیکھتا ہے اور دوسرے عالم کا مشاہدہ کرتا ہے مگر پاس بیٹھنے والوں کو ان معاملات کا ادراک وشعور نہیں ہوتا جو نزع کی حالت میں مرنے والے پر گزرتے ہیں۔ ہمارے اس دعویٰ پر کہ عذاب وثواب اسی حسی قبر میں ہوتا ہے اور یہ کہ میت کا بدن بھی عذاب وثواب سے متاثر ہوتا ہے، احادیث نبویہ سے بہت سے شواہد پیش کئے جاسکتے ہیں، مگر چونکہ ان شواہد کا استیعاب نہ تو ممکن ہے اور نہ ضروری ہے۔ اسلئے چند عنوانات کے تحت ان شواہد کا نمونہ پیش کرتا ہوں۔

۱- حدیث جرید

"عن ابن عباس رضی الله عنه قال: مرّ النبی صلی الله علیه وسلم بحائط من حیطان المدینة اومکة فسمع صوت انسانین یعذبان فی قبورهما فقال: انهما لیعذبانِ وما یعذبان فی کبیر ثم قال: بلی، کان أحدهما لایستتر من بوله وکان الآخر یمشی بالنمیمة ثم

دعا بجريدة فكسرها كسرتين فوضع على كل قبر منهما كسرة فقيل له يا رسول الله لم فعلت هذا قال لعله ان يخفف عنهما ما لم تيبسا". (۱)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ نے دو آدمیوں کی آواز سنی، جنکو قبر میں عذاب ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ''ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب بھی کسی بڑی بات پر نہیں ہو رہا ہے (کہ جس سے بچنا مشکل ہو) پھر فرمایا۔ ہاں (وہ بڑا گناہ ہی ہے) ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ اور دوسرا چغل خور تھا'' پھر آپ نے (کھجور کی) ایک شاخ لی اور اسکو بیچ سے آدھوں آدھ چیرا انہیں ایک ایک کر کے دونوں قبروں پر رکھ دیا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا شاید (اس عمل سے) ان کے عذاب میں (اس وقت تک کے لئے) تخفیف ہو جائے جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں''۔

یہی مضمون حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ کرامؓ سے بھی مروی ہے:

۱-حضرت ابوبکرۃ (۲) ۲-حضرت ابوہریرۃ (۳) ۳-حضرت انس (۴)

---

(۱) صحيح البخاري-كتاب الوضوء-باب من الكبائر أن لايستتر من بوله - ۱/۳۵، ط: قديمي كراچي
سنن ابن ماجه -ابواب الطهارة-باب التشديد في البول-۲۹-ط: قديمي.
مجمع الزوائد ومنبع الفوائد -كتاب الجنائز-باب في عذاب القبر-۳/۵۷-ط: دار الكتب العلمية
فتح الباري -كتاب الوضوء -باب من الكبائر ان لايستتر من بوله - ۱/۳۲۱-ط: رئاسة ادارات البحوث
(۲) مصنف ابن ابي شيبة -كتاب الجنائز-باب فيمايخفف به عذاب القبر، ۳/۳۷۶-ط: ادارة القرآن.
موارد الظمآن إلى زوائد بن حبان -كتاب الجنائز-باب الراحة في القبر وعذاب القبر......
(۳) مجمع الزوائد -باب في عذاب القبر - ۱/۵۷-ط: دار الكتاب، بيروت، لبنان.
(۴) مجمع الزوائد -كتاب الطهارة-باب في العذاب في القبر-۱/۵۶-ط: دار الكتاب، بيروت، لبنان.

۴-حضرت جابر(۱) ۵-حضرت ابورافع (۲) ۶-حضرت ابوامامہ (۳)

۷-حضرت عائشہ(۴) ۸-حضرت ابن عمر(۵) ۹-یعلی بن شیابہ (۶)

۱۰۔اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں منقول ہے۔(۷)

۱۱۔اور اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ حضرت ابوھریرہؓ سے مسند احمد میں بسند صحیح منقول ہے۔(۸)

۱۲۔اور اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند میں حضرت یعلی بن شیابہ سے منقول ہے۔(۹)

ان احادیث میں ہمارے دعویٰ پر درج ذیل شواہد ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں قبروں کے پاس سے گذرتے ہوئے عذاب قبر کو محسوس فرمانا اور جن دو شخصوں کو عذاب قبر ہو رہا تھا ان کی آواز سننا، دونوں قبروں پر شاخ خرما کا گاڑنا اور دریافت کرنے پر یہ فرمانا کہ شاید ان کے عذاب میں کچھ تخفیف ہو جائے جب تک کہ یہ شاخیں خشک نہ ہوں۔

اگر یہ گڑھا، جسکو قبر کہا جاتا ہے۔ عذاب قبر کا محل نہ ہوتا تو ان شاخوں کو قبروں پر نصب نہ فرمایا جاتا اور اگر میت کے بدن کو عذاب نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو شخصوں کی آواز سنتے، اور نہ قبر...... کے پاس سے گذرتے ہوئے عذاب قبر کا احساس ہوتا۔

---

(۱) فتح الباری بحوالہ سنن ابن ماجہ-کتاب الوضوء-باب من الکبائر ان لایستتر من بوله-۳/۲۴۰. ومجمع الزوائد ۳/۵۵.

(۲) فتح الباری بحواله نسائی-حواله بالا-۳/۲۴۰.

(۳) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد-باب فی العذاب فی القبر-۳/۵۶.

فتح الباری -کتاب الوضوء-باب من الکبائر ان لایستتر من بوله-۳/۲۴۰.

(۴) مجمع الزوائد-باب الاستنزاه من البول-۱/۲۰۷.

(۵) مجمع الزوائد -باب فی العذاب فی القبر-۳/۵۷.

(۶) مصنف ابن ابی شیبة- باب فیمایخفف به عذاب القبر-۳/۳۷۶.

مجمع الزوائد-باب فی العذاب فی القبر-۳/۵۷.

(۷) صحیح مسلم -کتاب الزهد-باب حدیث جابر الطویل وقصة أبی الیسر-۲/۴۱۸-ط: قدیمی

(۸) مجمع الزوائد -باب فی العذاب فی القبر-۳/۵۷.

(۹) مجمع الزوائد -باب فی العذاب فی القبر-۳/۵۷.

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عذاب قبر کو سننا

اوپر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے۔

"فسمع صوت انسانين يعذبان في قبورهما". (۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی آواز سنی جن کو قبر میں عذاب ہو رہا تھا"۔

یہ مضمون بھی متعدد احادیث میں آیا ہے۔

۱- "عن ابی ايوب رضی الله عنه قال خرج رسول الله صلی الله عليه وسلم وقد وجبت الشمس فسمع صوتا، فقال: يهود تعذب في قبورها". (۲)

"حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غروب آفتاب کے بعد باہر نکلے تو آواز سنی، فرمایا، یہود کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے"۔

۲- "عن انس رضی الله عنه قال بينما رسول الله صلی الله عليه وسلم في نخل لابی طلحة يبرز لحاجته. قال وبلال وراءه، يكرم نبي الله صلی الله عليه وسلم ان يمشي الى جنبه، فمر نبي الله صلی الله عليه وسلم بقبر فقام حتى تم اليه بلال. قال ويحك يا بلال! هل تسمع ما اسمع، قال ما اسمع شيئا. قال: صاحب القبر يعذب فسأل عنه فوجد يهوديا". (۳)

---

(۱) صحيح البخاری - كتاب الوضوء - باب من الكبائر ان لايستتر من بوله - ۱/۳۴.

(۲) صحيح البخاری - كتاب الجنائز - باب التعوذ من عذاب القبر - ۱/۱۸۴.

صحيح مسلم - كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها ...... الخ - باب عرض مقعد الميت من الجنة والنار عليه - ۲/۳۸۶.

(۳) مجمع الزوائد - باب في العذاب في القبر - ۳/۵۵،۵۶.

المستدرک على الصحيحين - كتاب الايمان - باب مجيء ملائكة الموت ...... عند قبض الروح - رقم الحديث: ۱۲۵. ۱/۲۰۳ واللفظ للهيثمي ط: دار المعرفة بيروت.

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوطلحہؓ کے کھجوروں کے باغ میں قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جارہے تھے، حضرت بلالؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل رہے تھے۔ ادب کی بناء پر برابر نہیں چل رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزرے تو کھڑے ہوگئے، یہاں تک کہ حضرت بلالؓ بھی آپہنچے، فرمایا بلال! کیا تم بھی سن رہے ہو جو میں سن رہا ہوں؟ عرض کیا' میں تو کچھ نہیں سن رہا۔ فرمایا صاحب قبر کو عذاب ہورہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبر کے بارے میں دریافت فرمایا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ تو معلوم ہوا کہ یہودی کی قبر ہے''۔

۳- ''عن انس رضی الله عنه قال اخبرنی من لا اتّهم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم قال: بینما رسول الله صلی الله علیه وسلم وبلال یمشیان بالبقیع، اذقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: یا بلال هل تسمع ما اسمع، قال والله یا رسول الله ما اسمع، قال الا تسمع اهل هذه القبور یعذبون فی قبورهم. یعنی قبور اهل الجاهلیة''. (۱)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے کسی صاحب نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بقیع میں چل رہے تھے اچانک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال! جو کچھ میں سن رہا ہوں کیا تم بھی سن رہے ہو؟ عرض کیا، اللہ کی قسم، یا رسول اللہ! میں اسکو نہیں سن رہا۔ فرمایا کہ تم اہل قبور کو سنتے نہیں ہو؟ ان کو قبروں میں عذاب ہورہا ہے''۔

۴- ''عن جابر بن عبدالله رضی الله عنه قال دخل رسول الله صلی الله علیه وسلم محلا لبنی النجار، فسمع اصوات رجال من

(۱) مجمع الزوائد - باب فی العذاب فی القبر - ۳/۵۶.

النجار ماتوا فی الجاهلیة یعذبون فی قبورهم، فخرج رسول الله صلی الله علیه وسلم فزعاً فامر اصحابه ان یتعوذوا من عذاب القبر". (۱)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنونجار کی ایک جگہ میں داخل ہوئے تو بنو نجار کے چند مردوں کی آواز سنی جو جاہلیت کے زمانے میں مرے تھے اور انکو قبروں میں عذاب ہورہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گھبرا کر نکلے اور اپنے صحابہؓ کو حکم فرمایا کہ عذاب قبر سے پناہ مانگیں''۔

ان احادیث میں قبروں کے پاس جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عذاب قبر کو سننا مذکور ہے۔ اگر یہ گڑھے (جنکو قبریں کہا جاتا ہے) عذاب کا محل نہ ہوتے اور قبروں میں مدفون ابدان کو عذاب نہ ہوتا تو اس عذاب قبر کا قبروں کے پاس سننا نہ ہوتا۔

(۳) آنحضرت ﷺ کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی عذاب قبر کا سننا ممکن ہے۔

متعدد احادیث میں یہ مضمون بھی وارد ہوا ہے کہ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنے کی ہمت نہیں کرسکو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ قبر کا جو عذاب میں سنتا ہوں وہ تم کو بھی سنادیتے۔

۱- "عن زید بن ثابت قال: بینما النبی صلی الله علیه وسلم فی حائط لبنی النجار علی بغلة له ونحن معه اذحادت به فکادت تلقیه واذا اقبر ستة او خمسة او اربعة قال: کذا کان یقول الجریری فقال: من یعرف اصحاب هذه الا قبر فقال رجل: انا. قال: فمتی مات هولاء قال: ماتوا فی الا شراک فقال: ان هذه الامة تبتلی فی قبورها: فلولاان لاتدافنوا لدعوت الله ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منه" (الحدیث). (۲)

---

(۱) مجمع الزوائد —حواله بالا—۳/۵۵، کشف الاستار عن زوائد البزار علی الکتب الستة —کتاب الجنائز—باب السوال فی القبر—رقم الحدیث ۸۷۱، ۱/۱۲ ط:موسسة الرسالة.

(۲) صحیح مسلم —کتاب صفة المنافقین واحکامهم —باب عرض مقعد المیت من الجنة —۲/۳۸۶ ط:قدیمی

''حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار ہوکر بنونجار کے ایک باغ میں تشریف لے گئے، ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ اچانک خچر بدک گیا قریب تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گر جاتے، وہاں کوئی چار، پانچ یا چھ قبریں تھیں۔ آپ نے فرمایا ان قبروں کو کوئی پہچانتا ہے؟ ایک آدمی نے عرض کیا جی ہاں! میں جانتا ہوں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کب مرے تھے؟ اس نے عرض کیا حالت شرک میں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ لوگ اپنی قبروں میں عذاب دیئے جاتے ہیں اور اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم اپنے مردے دفن کرنا چھوڑ دوگے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں بھی عذاب قبر سنا دیتے جس طرح میں سنتا ہوں''۔

۲- یہی حدیث صحیح ابن حبان میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔(۱)

۳- "عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمع صوتا من قبر، فقال: متی مات ھذا قالوا: مات فی الجاھلیة، فسّر بذلک وقال: لو لا ان لا تدا فنو الدعوت اللہ ان یسمعکم عذاب القبر". (۲)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر سے آواز سنی تو فرمایا یہ کب مرا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا کہ زمانہ جاہلیت میں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور فرمایا اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم اپنے مردے دفن کرنا چھوڑ دوگے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں بھی عذاب قبر ہوتا ہوا سنائی دیتا''۔

۴- "عن انس رضی اللہ عنہ قال: دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(۱) موارد الظمان الی زوائد ابن حبان ص ۱۹۹، ج ۱ رقم الحدیث ۷۸۵.

(۲) سنن النسائی - کتاب الجنائز - باب عذاب القبر - ۱/ ۲۹۰.

الصحیح لمسلم - کتاب الجنة وصفة نعیمھا - باب عرض مقعد المیت - ۲/ ۳۸۶.

وسلم خر بالبنی النجار کانه یقضی حاجته' فخرج وهو مذعور، فقال: لو لا ان لا تدافنوا لدعوت الله ان یسمعکم من عذاب القبر ما اسمعنی". (۱)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو نجار کے ویرانے میں قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو گھبرا کر نکلے اور فرمایا اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں بھی وہ عذاب قبر سنا دے جو میں سنتا ہوں''۔

مندرجہ بالا احادیث ہمارے مدعا پر تین وجہ سے شاہد ہیں:

۱: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عذاب قبر کو خود سننا۔

۲: اور یہ فرمانا کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں بھی عذاب قبر سنا دیں۔ جو میں سن رہا ہوں۔ جس سے معلوم ہوا کہ عذاب قبر کا سننا ہمارے حق میں بھی ممکن ہے، اگر عذاب کا تعلق قبر کے گڑھے سے نہ ہوتا تو قبروں کے اس عذاب کے سننے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

۳: اور یہ فرمانا کہ اندیشہ یہ ہے کہ خوف کی وجہ سے تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے۔ اگر عذاب کا تعلق قبر کے گڑھے سے نہ ہوتا تو اس اندیشہ کی کوئی وجہ نہ تھی۔

بہائم کا عذاب قبر کو سننا

اوپر حضرت زید بن ثابت اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کی احادیث میں عذاب قبر کے سننے سے جانور کا بدکنا مذکور ہے۔ یہ مضمون بھی متعدد احادیث میں آیا ہے کہ مردے کو قبر میں جو عذاب ہوتا ہے اس کو جن وانس کے علاوہ قریب کے سب حیوانات سنتے ہیں۔ اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

۱ — حدیث انس رضی الله عنه: ثم یضرب بطرقة من حدید

---

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال – الکتاب الرابع من حرف المیم من قسم الاقوال – کتاب الموت واحوال تقع بعده – باب سوال القبر وعذابه – رقم الحدیث: ۴۲۹۴۳ – ۱۵/۶۴۰، ط: موسسة الرسالة بیروت

ضربةبين اذنيه فيصيح صيحةً يسمعها من يليه الا الثقلين". (۱)

''پھر اس (مردے) کو لوہے کے ہتھوڑے سے اس کے کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے۔ جس سے مردہ ایسی چیخ مارتا ہے، جسے جن وانس کے علاوہ قریب کے تمام حیوانات سنتے ہیں''۔

۲- حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

"فيفتح له باب من جهنم ثم يضرب ضربة تسمع كل دابة الا الثقلين". (۲)

''پھر اس کے لئے جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر اس کو ماری جاتی ہے ایسی مار کہ اس کو سنتے ہیں تمام جانور سوائے جن وانس کے''۔

۳- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ:

ثم يفتح له باب إلى النار ثم يقمعه قمعة بالمطراق يسمعها خلق الله كلهم غير الثقلين. (۳)

''پھر اس (کافر مردے) کے لئے دوزخ کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے پھر فرشتہ اسکو ایسا گرز مارتا ہے جس کو جن وانس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی

---

(۱)صحيح البخاری ، كتاب الجنائز ، باب الميت يسمع خفق النعال، ۱/۱۷۸ ، ط:قديمی كراچی.
وسنن ابی داؤد ،كتاب السنة ، باب فی المسألة فی القبروعذاب القبر ۲/۶۵۳ ، ط:ميرمحمد.
وسنن النسائی ، كتاب الجنائز ، باب مسئلة الكافر ۱/۲۸۸ ، ط:قديمی كراچی.
ومسنداحمد ، حديث انس بن مالک رضی اللّٰه عنه ، رقم الحديث ۱۲۲۱۱ ، ۱/۶۰۴ ،ورقم ، ۱۳۳۸۱ ، ۱۱/۱۸۳ ، دارالحديث القاهرة.

(۲)مجمع الزوائد –باب السوال فی القبر –۳/۵۳–ط: دار الكتاب العربی.
كشف الاستار عن زوائد البزار– ۱/۴۱۴ –رقم الحديث: ۸۷۴–

(۳) المسند للإمام احمد بن حنبل –مسند ابی سعيدالخدری رضی الله عنه– ۱۰/۱۰ –رقم الحديث : ۱۰۹۴۲ .
كشف الاستار رقم الحديث ۸۷۲ ، ۱/۴۱۳.
مجمع الزوائد –كتاب الجنائز–باب السوال فی القبر ۳/۴۸

ساری مخلوق سنتی ہے"۔

۴- حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ

"فیضربه ضربة یسمعها ما بین المشرق والمغرب إلا الثقلین فیصیر ترابا قال ثم تعاد فیه الروح".(۱)

"پس فرشتہ اسکو ایسی ضرب لگاتا ہے، جس کو جن وانس کے سوا مشرق و مغرب کے درمیان کی ساری مخلوق سنتی ہے وہ اس ضرب سے مٹی ہوجاتا ہے۔ فرمایا پھر اس میں دوبارہ روح لوٹائی جاتی ہے"۔

۵- حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا:

"انهم یعذبون عذاباً تسمعه البهائم کلها".(۲)

"مردوں کو قبروں میں ایسا عذاب دیا جاتا ہے جسکو سب چوپائے سنتے ہیں"۔

۶- حدیث ام میسر رضی اللہ عنہا:

"عن ام میسر قالت: دخل علی رسول الله صلی الله علیه وسلم وانا فی حائط من حوائط بنی النجار فیه قبور منهم، وهو یقول: استعیذوا بالله من عذاب القبر فقلت: یارسول الله وللقبر عذاب؟ قال: نعم، انهم لیعذبون فی قبورهم تسمعه البهائم".(۳)

"حضرت ام میسر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک دن بنونجار کے باغ میں تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، وہاں بنونجار کی کچھ قبریں تھیں (انہیں

(۱) سنن أبی داؤد -المرجع السابق- ۲/۶۵۴.

(۲) صحیح البخاری -کتاب الدعوات-باب التعوذ من عذاب القبر-۲/۹۴۲.

الصحیح لمسلم -کتاب المساجد-باب استحباب التعوذ من عذاب القبر-۱/۲۱۷.

(۳) مجمع الزوائد -باب فی العذاب فی القبر-۳/۵۶.

موارد الظمان -ص ۲۰۰ -رقم الحدیث:۷۸۷.

دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے عذاب قبر سے پناہ مانگو، میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا قبر میں عذاب دیا جاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں بے شک انہیں اپنی قبروں میں عذاب دیا جارہا ہے۔ جسے تمام جانور سنتے ہیں"۔

۷- حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

"ان الموتی لیعذ بون فی قبورھم حتی ان البھائم تسمع اصواتھم". (۱)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے، یہاں تک کہ چوپائے ان کی آواز سنتے ہیں"۔

۸- حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ:

"کنت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر وھو یسیر علی راحلتہ فنفرت، قلت: یارسول اللہ، ماشان راحلتک، نفرت؟ قال انھا سمعت صوت رجل یعذب فی قبرہ فنفرت لذالک". (۲)

"ایک سفر میں، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ (اونٹنی) پرتشریف لے جارہے تھے کہ اچانک سواری بدک گئی، میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کی سواری کو کیا ہوا یہ بدک گئی۔ فرمایا، اس نے ایک ایسے شخص کی آواز سنی جس کو قبر میں عذاب دیا جارہا ہے۔ اس وجہ سے بدک گئی۔

ان احادیث میں جن وانس کے علاوہ باقی حیوانات کا عذاب قبر کو سننا مذکور ہے ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عذاب قبر ایک حسی چیز ہے جس کو نہ صرف اس عالم میں محسوس کیا جاسکتا ہے بلکہ جن وانس کو جو ادراک نہیں ہوتا اس میں حکمت یہ ہے کہ ان کا ایمان، ایمان بالغیب رہے دوسری حکمت وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے کہ اگر عذاب قبر کا انکشاف انسانوں کو عام طور پر ہوجایا کرتا تو کوئی شخص مُردوں کو قبرستان میں

---

(۱)مجمع الزوائد، باب فی العذاب فی القبر –۳/ ۵۳.

(۲)مجمع الزوائد –المرجع السابق.

دفن کرنے کی ہمت نہ کرتا۔ بہر حال اس عذاب کا محسوس ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ عذاب قبر اسی گڑھے میں ہوتا ہے اور یہ کہ میت کے بدن کو بھی ہوتا ہے۔

عذاب قبر کے مشاہدہ کے واقعات

عذاب قبر انسانوں اور جنات کی نظر سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ لیکن بعض اوقات خرق عادت کے طور پر عذاب قبر کے کچھ آثار کا مشاہدہ بھی کرا دیا جاتا ہے، اس نوعیت کے بے شمار واقعات میں سے چند واقعات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

۱- "عن قبيصة بن ذويب (رضي الله عنه) قال: اغار رجل من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم على سرية من المشركين فانهزمت فغشى رجل من المسلمين رجلاً من المشركين وهو منهزم فلما اراد ان يعلوه بالسيف قال الرجل: لااله الاالله فلم ينزع عنه حتى قتله ثم وجد في نفسه من قتله فذكر حديثه لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فهلا نقبت عن قلبه...... فلم يلبثوا الا قليلا حتى توفي ذلك الرجل القاتل فدفن، فاصبح على وجه الارض فجاء اهله فحدثوا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ادفنوه فدفنوه فاصبح على وجه الارض ثلاثا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الارض قد ابت ان تقبله فاطرحوه في غار من الغيران". (۱)

(۱) دلائل النبوة ومعرفة احوال صاحب الشريعة -تكملة ابواب جماع الغزوات-باب ذكر الرجل الذى قتل بعد ما شهد بالحق-۴/ ۳۰۹-ط:دار الكتب العلمية بيروت.

الخصائص الكبرى للسيوطي-باب معجزته فيمن مات ولم تقبله الارض -۲/ ۱۳۰-ط:حقانية پشاور.

المصنف لعبدالرزاق-كتاب اللقطة- باب في الكفر بعد الايمان-۱۰/ ۱۷۳-رقم الحديث: ۱۸۷۲۰، المكتب الاسلامي بيروت.

كنز العمال -كتاب القصاص والقتل والديات......الخ-فصل في ترهيب القتل -رقم ۴۰۴۵۴-۱۵/ ۱۴۸، ۱۴۷ ط:مؤسسة الرسالة .بيروت.

''حضرت قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ایک صاحب نے مشرکین کے ایک دستہ پر حملہ کیا۔ اس دستہ کو شکست ہوئی، پھر ایک مسلمان نے مشرکوں کے ایک آدمی کو بھاگتے ہوئے جالیا۔ جب اس پر تلوار اُٹھانے کا ارادہ کیا تو اس شخص نے ''لا الٰہ اللہ'' پڑھا، لیکن مسلمان کلمہ سن کر بھی ہٹا نہیں۔ یہاں تک کہ اسے قتل کردیا۔ پھر اس کے ضمیر نے اس کے قتل پر ملامت کی، چنانچہ اس نے اپنا قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا ''تو نے اس کا دل کرید کر کیوں نہ دیکھ لیا؟'' تھوڑی مدت گذری تھی کہ اس قاتل کا انتقال ہوگیا، اسے دفن کیا گیا مگر اگلے دن دیکھا گیا کہ وہ کھلی زمین پر پڑا ہے۔ اس کے گھر کے لوگوں نے یہ قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسکو دفن کردو''۔ دوبارہ دفن کیا گیا تو پھر دیکھا گیا کہ زمین پر پڑا ہے۔ تین بار یہی ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''زمین نے اسکو قبول کرنے سے انکار کردیا ہے۔ اسے کسی غار میں ڈال دو''۔

۲- **''عن انس بن مالک رضی الله عنه قال: كان منا رجل من بنی النجار قد قرأ البقرة وآل عمران وكان يكتب لرسول الله صلى الله عليه وسلم فانطلق هارباً حتى لحق باهل الكتاب قال: فرفعوه قالوا: هذا قد كان يكتب لمحمد فاعجبوا به فمالبث ان قصم الله عنقه فيهم فحفروا له فواروه فاصبحت الارض قد نبذته على وجهها ثم عاد وافحفروا له فواروه فاصبحت الارض قد نبذته على وجهها ثم عادوا فحفروا له فواروه فاصبحت الارض قد نبذته على وجهها فتركوه منبوذا''.** (۱)

---

(۱)صحيح البخاری –كتاب المناقب–باب علامات النبوة فی الاسلام– ۱/۱ ۵۱.
الصحيح لمسلم –كتاب صفة المنافقين واحكامهم – ۲/ ۳۷۰.
المسند للإمام احمد –مسند انس بن مالک – ۱۱/ ۱۴۸ –رقم الحديث: ۱۳۲۵۷ .
موارد الظمان– كتاب الحدود–باب فيمن ارتد عن الاسلام– ۱/ ۳۶۵......رقم الحديث: ۱۵۲۱
الخصائص الكبرى للسيوطی–باب معجزته فيمن مات ولم تقبله الارض – ۲/ ۱۳۰ .

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص ہم سے یعنی بنو النجار سے تھا۔ اس نے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران پڑھی ہوئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی لکھا کرتا تھا۔ پھر وہ بھاگ کر اہل کتاب سے جاملا، انہوں نے اس کو خوب اچھالا، اور کہا یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی لکھا کرتا تھا، وہ لوگ اس پر بہت خوش ہوئے۔ کچھ ہی دنوں بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی گردن توڑ دی، (یعنی مرگیا) انہوں نے گڑھا کھود کر اسے دفن کر دیا، صبح ہوئی تو زمین نے اسکو باہر پھینک دیا۔ انہوں نے اسے پھر دفن کیا، زمین نے اسے پھر باہر پھینک دیا، انہوں نے سہ بارہ دفن کیا زمین نے اسے پھر اگل دیا، عاجز ہو کر انہوں نے اسے بغیر دفن کے پڑا رہنے دیا"۔

۳- "عن اسامة بن زيد ...... قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلاً فكذب عليه فدعا عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم فوجد ميتاً قد انشق بطنه ولم تقبله الارض". (۱)

"حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ایک شخص کو (کسی کام سے) بھیجا، اس نے آپ سے منسوب کر کے ایک جھوٹ بولا، آنحضرت نے اس کے حق میں بددعا کی، اس کے نتیجہ میں وہ مردہ حالت میں پایا گیا۔ اس کا پیٹ پھٹا ہوا تھا، اور زمین نے اسے قبول نہیں کیا"۔

۴- "عن عمران ...... شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد بعث جيشا من المسلمين الى المشركين ...... الى قوله ...... فلم يلبث الايسيراً حتى مات فدفناه، فاصبح على ظهر الارض، فقالوا لعل عدواً نبشه فدفناه ثم امرنا غلماننا يحرسونه، فاصبح على ظهر

---

(۱) دلائل النبوة - جماع ابواب دعوات نبينا ﷺ المستجابة - باب ماروى فى دعائه ﷺ على من كذب عليه - ۶/۲۴۵ - ط/ دار الكتب العلمية.

الخصائص الكبرى للسيوطى - باب معجزته فيمن مات ولم تقبله الارض - ۲/۱۳۰.

الارض فقلنا لعل الغلمان نعسوا، فدفناه ثم حرسناه بانفسنا فاصبح علی ظهر الارض، فالقیناه فی بعض تلک الشعاب. وفی روایة فنبذته الارض فاخبر النبی صلی الله علیه وسلم قال: ان الارض لتقبل من هو اشر منه ولکن الله احب ان یریکم تعظیم حرمة لااله الا الله". (۱)

"حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا ایک لشکر کافروں سے جہاد کے لئے بھیجا (اس کے بعد ایک شخص کے قتل کا واقعہ ذکر کیا) پھر وہ قاتل چند ہی دنوں کے بعد مر گیا۔ ہم نے اس کو دفن کیا تو صبح کو کھلی زمین پر پڑا تھا، ہم نے سوچا شاید کسی دشمن نے اسکو اکھاڑ پھینکا ہے۔ ہم نے دوبارہ دفن کر دیا اور اس پر اپنے غلاموں (لڑکوں) کا پہرہ لگا دیا، اگلے دن پھر زمین کی سطح پر پڑا تھا، ہم نے سوچا شاید غلام (لڑکے) سو گئے ہوں گے، ہم نے تیسری بار دفن کیا اور خود پہرہ دیا۔ لیکن اگلے دن پھر زمین پر پڑا تھا۔ بالآخر ہم نے اسے ایک غار میں ڈال دیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ زمین نے اسے باہر پھینک دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر کی گئی تو فرمایا زمین اس سے بھی برے لوگوں کو قبول کر لیتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ تمہیں یہ دکھائیں کہ لا الہ الا اللہ کی حرمت کس قدر بڑی ہے"۔

۵- عن الحسن البصری ان محلمالما جلس بین یدیه علیه الصلوة والسلام قال: امنته ثم قتلته؟ ثم دعا علیه، قال الحسن: فو الله ما مکث محلمٌ الا سبعاً حتی مات فلفظته الارض ثم دفنوه فلفظته الارض ثم دفنوه فلفظته الارض، فرضموا علیه من الحجارة حتی

---

(۱) سنن ابن ماجه، ابواب الفتن، باب الکف عمن قال لا اله الا الله، ص ۲۸۱، ط: قدیمی کراچی.

دلائل النبوة -جماع ابواب نزول الوحی علی رسول الله ﷺ-باب ماظهر علی من ارتد عن الاسلام فی وقت النبی ﷺ-۱۲۸/۷.

واروه ، فبلغ رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال ان الارض لتطابق علی من هو شر منه ولکن الله اراد ان یعظکم فی حرم ما بینکم لما اراکم منه". (۱)

''حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ محلم (ایک مسلمان کو قتل کرکے) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے سامنے بیٹھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تو نے اسے امن دینے کے بعد قتل کردیا؟'' پھر اس کے حق میں بد دعا فرمائی۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ محلم اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد مرگیا تو زمین نے اس کو اُگل دیا۔ لوگوں نے اسے پھر دفن کیا تو زمین نے اسے پھر اُگل دیا۔ بالآخر لوگوں نے اس کے گرد پتھر جمع کرکے اسے چُھپا دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا کہ زمین تو اس سے بھی برے لوگوں کو چھپا لیتی ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ منظر تم کو دکھا کر یہ چاہا کہ تمہاری آپس کی حرمتوں کے بارے میں تم کو نصیحت وعبرت دلائیں''۔

۶ـــ عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: بينما اسير بجنبات بدراذ خرج رجل من حفرة فی عنقه سلسلة فنادانی یا عبد الله، اسقنی فلا ادری اعرف اسمی او دعانی بدعاية العرب وخرج رجل فی ذلک الحفير فی يده سوط فناد انی لا تسقه فانه كافر ثم ضربه بالسوط حتی عاد الی حفرة فاتيت النبی صلی الله علیه وسلم مسرعا فاخبرته فقال لی او قد رایته، قلت: نعم قال ذاک عدوا لله ابوجهل بن هشام وذاک عذابه الی یوم القیامة". (۲)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دریں اثناء کہ میں بدر کے

(۱)البداية والنهاية–السرية التی قتل فيها محلم بن جثامة –۲۲۵/۴–ط: دار الريان للتراث. مصر.
مجمع الزوائد –كتاب الفتن –باب حرمة دماء المسلمين واحوالهم–۲۹۴/۷–ط:دار الكتاب، العربی
(۲)مجمع الزوائد –باب فی العذاب فی القبر–۵۷/۳.

قریب سے گزر رہا تھا اتنے میں ایک گڑھے سے ایک شخص نکلا جسکے گلے میں زنجیر تھی، اس نے مجھے پکار کر کہا ''اے عبداللہ! مجھے پانی پلاؤ''۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا اسے میرا نام معلوم تھا، یا عرب کے دستور کے مطابق اس نے ''عبداللہ'' (اللہ کا بندہ) کہہ کر پکارا، اس گڑھے سے ایک اور آدمی نکلا جسکے ہاتھ میں کوڑا تھا۔ اس نے مجھے پکار کر کہا کہ ''اسکو پانی نہ پلانا، یہ کافر ہے''۔ پس اس نے پہلے شخص کو کوڑا مارا اور مار مار کر گڑھے کی طرف واپس لے گیا۔ میں جلدی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سارا قصہ عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تو نے واقعی اسکو دیکھا ہے؟'' عرض کیا' جی ہاں! فرمایا' ''یہ اللہ کا دشمن ابوجہل تھا۔ اور قیامت تک اس کی یہی سزا ہے''۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

۷- (وقال) ابن ابی الدنیا: حدثنا ابی، حدثنی موسی بن داؤد، حدثنا حماد بن سلمة، عن هشام بن عروة، عن ابیه، قال: بینما راکب یسیر بین مکة والمدینة اذ مر بمقبرة فاذا برجل قد خرج من قبر یلتهب نارا مصفداً فی الحدید فقال: یا عبد الله، انضح، یا عبد الله انضح، قال: وخرج آخر یتلوه فقال: یا عبد الله لا تنضح، یا عبد الله لا تنضح، قال: وغشی علی الراکب، وعدلت به راحلته الی العرج، قال: واصبح قد ابیض شعره، فاخبر عثمان بذلک، فنهی ان یسافر الرجل وحده:''. (۱)

''ابن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا میرے والد نے وہ کہتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا حماد بن سلمہ نے وہ روایت کرتے ہیں ہشام بن عروہ سے، وہ اپنے والد سے کہ دریں اثناء کہ ایک سوار مکہ ومدینہ کے درمیان جارہا تھا کہ ایک قبرستان سے گزرا، اچانک ایک شخص قبر سے نمودار ہوا جو آگ سے بھڑک رہا تھا اور

---

(۱) کتاب الروح – فی الکلام علی أرواح الأموات والأحیاء –المسئلة السابعة –فصل ان النار أتی فی القبر والحفرة لیست من نار الدنیا –ص۸۸–ط: دار الکتب العلمیة بیروت.

لوہے کی بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا اے بندہ خدا! مجھے پانی دو، اے بندہ خدا! مجھے پانی دو۔ اور ایک اور شخص اس کے پیچھے نکلا، اس نے پکار کر کہا اے بندہ خدا! اسے پانی نہ دینا، اے بندہ خدا! اسے پانی نہ دینا۔ اس منظر سے سوار پر غشی طاری ہوگئی اور اس کی سواری اس کو موضع ''عرج'' لے گئی، اور اس صدمہ سے اس شخص کے بال سفید ہوگئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع کی گئی تو آپؓ نے آدمی کے تنہا سفر کرنے سے منع فرمادیا''۔

۸- ''وقد ذكر ابن ابى الدنيا فى ''كتاب القبور'': عن الشعبى انه ذكر رجلاً قال للنبى صلى الله عليه وسلم: مررت ببدر فرايت رجلاً يخرج من الارض فيضربه رجل بقمعة حتى يغيب فى الارض ثم يخرج فيفعل به ذلك، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ذلك ابوجهل بن هشام يعذب الى يوم القيامة''. (۱)

''ابن ابی الدنیا نے ''کتاب القبور'' میں امام شعبی سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں بدر سے گزر رہا تھا، میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ زمین سے نکلتا ہے تو دوسرا آدمی اسکو ہتھوڑے سے مارتا ہے، یہاں تک کہ وہ زمین میں غائب ہوجاتا ہے۔ وہ پھر نکلتا ہے تو وہ دوسرا اس کے ساتھ یہی کرتا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ ابوجہل بن ہشام ہے اسے قیامت تک یہی عذاب ہوتا رہے گا''۔

۹- ''(وذكر) من حديث حماد بن سلمة، عن عمرو بن دينار، عن سالم بن عبد الله، عن ابيه، قال: بينا انا اسير بين مكة والمدينة على راحلة وانا محقب اداوة اذ مررت بمقبرة فاذا رجل خارج من قبره يلتهب ناراً وفى عنقه سلسلة يجرها فقال: يا عبد الله انضح، ياعبدالله

(۱) كتاب الروح فى الكلام على ارواح الاموات والاحياء—المسئلة السابعة فصل ان النار ......الخ ص ۸۸.

انضح ، فو الله ما ادری اعرفنی باسمی ام کما تدعوا الناس؟ قال: فخرج آخر فقال: یا عبد الله لا تنضح، یا عبد الله لا تنضح، ثم اجتذب السلسلة فاعاده فی قبره". (۱)

"اور ابن ابی الدنیا نے حماد بن سلمہ کی روایت سے انہوں نے عمرو بن دینار سے انہوں نے سالم بن عبداللہ سے انہوں نے اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ دریں اثنا کہ میں مکہ اور مدینہ کے درمیان اونٹنی پر سوار ہو کر جا رہا تھا۔ میری سواری پر پانی کا مشکیزہ بھی تھا۔ ایک قبرستان سے گزرا تو دیکھا کہ ایک شخص اپنی قبر سے نکل رہا ہے، جس پر آگ بھڑک رہی ہے اور اس کی گردن میں زنجیر ہے، جس کو وہ گھسیٹ رہا ہے۔ اس نے مجھے پکار کر کہا کہ "اے عبداللہ! مجھ پر پانی چھڑک دو۔ اے عبداللہ مجھ پر پانی چھڑک دو"۔ پس اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہیں کہ وہ میرے نام کو جانتا تھا یا جس طرح لوگ کسی کو بندۂ خدا کہہ کر پکارتے ہیں اسی طرح اس نے مجھے بھی پکارا، پھر اس کے پیچھے ایک اور شخص نکلا، اس نے مجھے پکار کر کہا کہ اے عبداللہ! اس پر پانی نہ چھڑکنا، اے عبداللہ! اس پر پانی نہ چھڑکنا، پھر وہ پہلے شخص کی زنجیر کھینچ کر اسے دوبارہ قبر میں لے گیا"۔

حافظ ابن قیمؒ نے "کتاب الروح" میں اس نوعیت کے مزید اٹھارہ واقعات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"وهذه الاخبار واضعافها واضعاف اضعافها مما لا يتسع لها الكتاب مما اراه الله سبحانه وتعالىٰ لبعض عباده من عذاب القبر ونعيمه عياناً. واما رؤية المنام فلو ذكرناها لجاءت عدة اسفار". (۲)

"یہ واقعات اور اس سے دوگنے چوگنے واقعات، جو اس کتاب میں نہیں سما سکتے ایسے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو قبر کے عذاب وثواب کا مشاہدہ

(۱) الروح —المرجع السابق —ص ۷۸.

(۲) المرجع السابق.

کرادیا۔ جہاں تک خواب کے واقعات کا تعلق ہے، اگر ہم انہیں ذکر کرنے بیٹھیں تو ان کے لئے کئی دفتر چاہییں“۔

قبر میں پیش آنے والے حالات واقعات

احادیث شریفہ میں ان حالات وواقعات کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے جو میت کو قبر میں پیش آتے ہیں، ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حالات اسی قبر میں پیش آتے ہیں اور یہ کہ ان حالات کا تعلق میت کے جسم سے بھی ہے۔ یہاں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں، ان کے بعد قبر میں پیش آنے والے حالات کا ایک خاکہ پیش کیا جائے گا۔

۱ - ”عن انس بن مالک رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: ان العبد اذا وضع فی قبره، وتولی عنه اصحابه، انه لیسمع قرع نعالهم، اذا انصرفوا: اتاه ملکان، فیقعد انه، فیقولان له: ماکنت تقول فی هذا الرجل،محمد؟فاماالمومن فیقول اشهد انه عبدالله ورسوله، فیقال له:انظر الی مقعدک من النار، ابدلک الله به مقعداً من الجنة، قال النبی صلی الله علیه وسلم: فیراهما جمیعاً، قال قتاده: وذکر لنا انه یفسح له فی قبره. ثم رجع الی حدیث انس. واما الکافر. اوالمنافق. وفی روایة: واما الکافر والمنافق. فیقول: لا ادری، کنت اقول ما یقول الناس فیه، فیقال: لادریت، ولا تلیت، ثم یضرب بطرقة من حدید ضربة بین اذنیه فیصیح صیحة یسمعها من یلیه الا الثقلین“.(۱)

(۱)صحیح البخاری - کتاب الجنائز - باب المیت یسمع .... ۱۷۸/۱.

الصحیح لمسلم - کتاب الجنة وصفة نعیمها - باب عرض مقعد المیت من الجنة والنار - ۳۸۶/۲

سنن أبی داؤد - کتاب السنة - باب فی المسئلة فی القبور وعذاب القبر - ۶۵۳/۲.

سنن النسائی - کتاب الجنائز - باب مسئلة الکافر ۲۸۸/۱.

شرح السنة - کتاب الجنائز - باب السوال فی القبر - ۴۱۵/۵.

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندے کو جب اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کو دفن کرنے والے اس کے دفن سے فارغ ہوکر لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔تب اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اس کو بٹھاتے ہیں پھر اس سے کہتے ہیں کہ تو اس شخص یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ پس اگر مردہ مومن ہو تو کہتا ہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ اپنے دوزخ کے ٹھکانے کی طرف دیکھ! اللہ تعالیٰ نے تجھے اس کے بدلے میں جنت کا ٹھکانہ عطا فرمایا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''پس وہ جنت اور دوزخ دونوں میں اپنے ٹھکانوں کو دیکھتا ہے''۔قتادہؒ کہتے ہیں کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا کہ پھر اس کی قبر کشادہ کردی جاتی ہے۔لیکن کافر اور منافق، وہ فرشتوں کے سوال کے جواب میں کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا (کہ یہ کون ہیں) میں تو ان کے بارے میں وہی بات کہتا تھا جو دوسرے (کافر) لوگ کہتے تھے، پس اس سے کہا جاتا ہے کہ نہ تو نے خود جانا اور نہ کسی جاننے والے کے پیچھے چلا، پھر لوہے کے ہتھوڑے سے اس کے کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے، جس سے وہ ایسا چلاتا ہے کہ جن وانس کے علاوہ قریب کی ساری مخلوق سنتی ہے''۔

۲- ''عن سمرة بن جندب رضی الله عنه انه قال: كان النبی صلی الله عليه وسلم اذا صلی صلوة اقبل علينا بوجهه فقال: من رای منكم الليلة رؤيا؟ قال فان رای احد قصها فيقول ما شاء الله، فسالنا يوماً فقال: هل رای منكم احد رؤيا؟ قلنا: لا، قال، لكنی رايت الليلة رجلين اتيانی فاخذا بيدی واخرجا نی الی ارض مقدسة، فاذا رجل جالس ورجل قائم بيده، قال بعض اصحابنا عن موسی بيده كلوب من حديد، يدخله فی شدقه حتی يبلغ قفاه، ثم يفعل بشدقه الاخر مثل ذلك ويلتئم شدقه هذا، فيعود فيصنع مثله، قلت: ما هذا؟ قالا:

انطلق، فانطلقنا حتی اتینا علی رجل مضطجع علی قفاه ورجل قائم علی راسه بفهر، او صخرة، فیشدخ بها راسه، فاذا ضربه، تدهده الحجر فانطلق الیه لیاخذه، فلا یرجع الی هذا حتی یلتئم راسه وعاد راسه کماهو، فعاد الیه فضربه، فقلت: ما هذا؟ قالا، انطلق فانطلقنا حتی اتینا الی نقب مثل التنور، اعلاه ضیق واسفله واسع تتوقد تحته نار، فاذا فتر ارتفعوا حتی کادوا یخرجون منها، فاذا خمدت رجعوا فیها، (وفیها) رجال ونساء عراة فقلت: ما هذا؟ قالا: انطلق فانطلقنا حتی اتینا علی نهر من دم فیه رجل قائم وعلی شط النهر رجل بین یدیه حجارة، فاقبل الرجل الذی فی النهر، فاذا اراد ان یخرج رمی الرجل بحجر فی فیه فرده حیث کان؛فجعل کلما جاء لیخرج، رمی فی فیه بحجر فیرجع کما کان، فقلت: ما هذا؟................ فقلت لهما: انکما قد طوفتمانی اللیلة فاخبرانی عما رایت؟ قالا: نعم، اما الرجل الذی رایته یشق شدقه، فکذاب یحدث بالکذبة فتحمل عنه حتی تبلغ الافاق، فیصنع به ماتری الی یوم القیامة، والذی رایته یشدخ راسه فرجل علمه الله القرآن فنام عنه باللیل ولم یعمل بما فیه بالنهار، یفعل به الی یوم القیامة، والذی رایته فی النقب فهم الزناة والذی رایته فی النهر اکل الربو". (۱)

---

(۱)صحیح البخاری –کتاب الجنائز–باب بعد باب ماقیل فی اولاد المشرکین –۱/۱۸۵.

صحیح البخاری –کتاب التعبیر–باب تعبیر الرؤیا بعد صلوة الصبح –۲/۱۰۴۳.

جامع الترمذی–ابواب الرؤیاعن رسول اللہ ﷺ باب بلاترجمه، قُبیل ابواب الشهادات ۲/۵۵.

موارد الظمان –کتاب التعبیر–باب فیماراه النبی، رقم الحدیث، ۱۸۰۰، ۱/۴۴۵.

کنز العمال –حرف القاف ذکر اهل النار وصفتهم ذیل اهل النار من الاکمال –۱۴/۵۳۷.

المستدرک علی الصحیحین –کتاب تعبیر الرؤیا –مثلة ومثل امته فی رؤیاه.....۵/۵۶۶–رقم الحدیث ۸۲۶۱

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ فجر کی نماز پڑھ کر اپنے یارو اصحاب کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے رات کو کسی نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا؟ اگر کوئی دیکھتا تو عرض کر دیا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ تعبیر ارشاد فرمادیا کرتے تھے۔ عادت کے موافق ایک بار سب سے پوچھا کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ سب نے عرض کیا کوئی نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے کہ دو شخص میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو ایک زمین مقدس کی طرف لے چلے۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں لوہے کی زنبور ہے۔ اس بیٹھے ہوئے کے کلّے کو اس سے چیر رہا ہے یہاں تک کہ گدی تک جا پہنچتا ہے۔ پھر دوسرے کلّے کے ساتھ یہی معاملہ کر رہا ہے اور پھر وہ کلا اس کا درست ہو جاتا ہے پھر اس کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ وہ دونوں شخص بولے آگے آگے چلو، ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک ایسے شخص پر گزر ہوا۔ جس کے سر پر ایک شخص ہاتھ میں بڑا بھاری پتھر لئے کھڑا ہے۔ اس سے اس کا سر نہایت زور سے پھوڑتا ہے۔ جب وہ پتھر اس کے سر پر دے مارتا ہے پتھر لڑھک کر دور جا گرتا ہے۔ جب وہ اُس کے اُٹھانے کے لئے جاتا ہے تو اب تک لوٹ کر اس کے پاس نہیں آنے پاتا کہ اس کا سر پھر اچھا خاصا جیسا تھا ویسا ہی ہو جاتا ہے اور وہ پھر اس کو اسی طرح پھوڑتا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ وہ دونوں بولے آگے چلو۔ ہم آگے چلے۔ یہاں تک کہ ہم ایک غار میں پہنچے جو مثل تنور کے تھا نیچے سے فراخ تھا اور اوپر سے تنگ۔ اس میں آگ جل رہی ہے اور اس میں بہت سے ننگے مرد اور عورت بھرے ہوئے ہیں جس وقت وہ آگ اوپر کو اُٹھتی ہے اس کے ساتھ وہ سب اٹھ آتے ہیں یہاں تک کہ قریب نکلنے کے ہو جاتے ہیں پھر جس وقت بیٹھتی ہے وہ بھی نیچے چلے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے وہ دونوں بولے آگے چلو۔ ہم آگے چلے۔ یہاں تک کہ ایک خون کی نہر پر پہنچے۔ اس کے بیچ میں

ایک شخص کھڑا ہے اور نہر کے کنارے پر ایک شخص کھڑا ہے اور اس کے سامنے بہت سے پتھر پڑے ہیں۔ وہ نہر کے اندر والا شخص نہر کے کنارہ کی طرف آتا ہے جس وقت نکلنا چاہتا ہے کنارہ والا اس شخص کے منہ پر ایک پتھر اس زور سے مارتا ہے کہ پھر اپنی جگہ جا پہنچتا ہے۔ پھر جب کبھی وہ نکلنا چاہتا ہے اسی طرح پتھر مار کر اس کو ہٹا دیتا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟...... میں نے ان دونوں شخصوں سے کہا کہ تم نے مجھ کو تمام رات پھرایا اب بتاؤ کہ یہ سب کیا اسرار تھے۔ انہوں نے کہا کہ وہ شخص جو تم نے دیکھا تھا کہ اس کے کلے چیرے جاتے تھے وہ شخص جھوٹا ہے کہ جھوٹی باتیں کہا کرتا تھا اور وہ باتیں تمام جہاں میں مشہور ہو جاتی تھیں اس کے ساتھ قیامت تک یوں ہی کرتے رہیں گے۔ اور جس کا سر پھوڑتے ہوئے دیکھا۔ وہ شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم قرآن دیا۔ رات کو اس سے غافل ہو کر سو رہا اور دن کو اس پر عمل نہ کیا۔ قیامت تک اس کے ساتھ یہی معاملہ ہوگا۔ اور جن کو تم نے آگ کے غار میں دیکھا وہ زنا کرنے والے لوگ ہیں اور جس کو خون کی نہر میں دیکھا وہ سود کھانے والا ہے"۔(۱)

۳- "عن البراء بن عازب رضی الله عنه قال: "خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى جنازة رجل من الانصار، فانتهينا الى القبر ولما يلحد بعد، فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم وجلسنا حوله كانما على رؤوسنا الطير، وبيده عود ينكت به فى الارض، فرفع راسه فقال: تعوذوا بالله من عذاب القبر. مرتين، اوثلاثاً. زاد فى رواية: وقال:"ان الميت ليسمع خفق نعالهم اذا ولوا مدبرين حين يقال له: يا هذا، من ربک؟ وما دينک؟ ومن نبيک؟". وفى رواية: "وياتيه ملكان، فيجلسانه، فيقولان له: من ربک؟فيقول ، ربى الله، فيقولان له: ما دينک؟ فيقول : دينى الاسلام، فيقولان له: ماهذا الرجل الذى بعث

(۱)بهشتى زيور -حصه اول -ص۴۸ -حكايت نمبر ۴- ط: المكتبة المدينه.

فیکم؟فیقول هورسول الله، فیقولان، وما یدریک؟ فیقول: قرات کتاب الله، وآمنت به، وصدقت". زاد فی روایة "فذلک قوله: یثبت الله الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیاة الدنیا وفی الاخرة، ثم اتفقا: فینادی مناد من السماء ان صدق عبدی، فافرشوه من الجنة، والبسوه من الجنة، وافتحوا له باباً الی الجنة، فیاتیه من روحها وطیبها، ویفسح له فی قبره مد بصره، وان الکافر......فذکر موته، قال: فتعاد روحه فی جسده، ویاتیه ملکان، فیجلسانه، فیقولان له: من ربک؟ فیقول: هاه هاه، لا ادری، فیقولان: مادینک؟ فیقول: هاه هاه، لاادری، فیقولان له: ما هذا الرجل الذی بعث فیکم؟فیقول: هاه هاه لاادری، فینادی مناد من السماء: ان کذب، فافرشوه من النار، والبسوه من النار، وافتحوا له باباً الی النار، فیاتیه من حرها وسمومها، ویضیق علیه قبره حتی تختلف فیه اضلاعه". زاد فی روایة: ثم یقیض له اعمی ابکم، معه مرزبة من حدید، لو ضرب بها جبل لصار تراباً، فیضربه بها ضربة یسمعها من بین المشرق والمغرب الا الثقلین، فیصیر تراباً ثم تعاد فیه الروح". (۱)

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک انصاری کے جنازے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، قبر پر پہنچے تو ابھی لحد تیار نہیں ہوئی تھی۔ اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے۔ اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ

(۱)جامع الاصول فی احادیث الرسول لابن اثیر الجزری –الباب الثالث فیمابعد الموت–الفصل الثانی–فی سوال منکر ونکیر–۱۱/۱۷۷ إلی ۱۷۹–رقم الحدیث:۸۰۰۸–ط: مکتبة دار البیان.

سنن أبی داؤد –کتاب السنة –باب فی المسئلة فی القبر وعذاب القبر–۲/۲۵۴.

مصنف عبدالرزاق–کتاب الجنائز–باب فتنة القبر–۳/۵۸۰، ۵۸۱–رقم الحدیث:۶۷۳۷.

المسند لاحمد بن حنبل –حدیث البراء بن عازب –۱۴/۲۲۵ رقم الحدیث ۱۸۵۲۱ –ط: القاهرة

وسلم کے گرد بیٹھ گئے۔ گویا ہمارے سروں پر پرندے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس کے ساتھ زمین کریدر ہے تھے جیسا کہ گہری سوچ میں آدمی ایسا کیا کرتا ہے۔ پھر سر مبارک اوپر اُٹھا کر فرمایا کہ عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔ دو مرتبہ یا تین مرتبہ فرمایا۔ پھر فرمایا کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ آدمی کون تھا جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، فرشتے کہتے ہیں کہ تجھے کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھی۔ میں اس پر ایمان لایا اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی حق تعالیٰ شانہٗ کے ارشاد "یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الاخرۃ". (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات (یعنی کلمہ طیبہ کی برکت) سے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے) (ترجمہ حضرت تھانویؒ)(۱) میں جس تثبیت کا ذکر ہے اس سے مردے کا منکرین کے سوال وجواب میں ثابت قدم رہنا مراد ہے۔ پھر ایک منادی آسمان سے آواز دیتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، اس کے لئے جنت سے فرش بچھاؤ، اس کو جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول دو چنانچہ (اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے) پس اس کو جنت کی ہوا اور خوشبو آتی ہے، اور حد نظر تک اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کی موت کا ذکر کرنے کے بعد اس کی قبر کے حالات کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی روح اس کے بدن میں لوٹا دی جاتی ہے۔ اور دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں، وہ اسکو بٹھاتے ہیں، پھر اس سے کہتے ہیں کہ تیرا رب

(۱) تفسیر بیان القرآن از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی - ۱/۵۱۷، ۵۱۸ - سورۂ ابراہیم: ۲۷ - ط: تاج کمپنی لمیٹڈ

کون ہے؟ وہ کہتا ہے، ہاہ ہاہ' میں نہیں جانتا۔ وہ کہتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ہاہ ہاہ' میں نہیں جانتا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کون آدمی تھا جو تم میں سے بھیجا گیا؟ وہ کہتا ہے ہاہ ہاہ' میں نہیں جانتا۔ پس آسمان سے ایک منادی آواز دیتا ہے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ اس کے لئے آگ کا فرش بچھاؤ، اس کو آگ کا لباس پہناؤ، اور اس کے لئے دوزخ کی طرف دروازہ کھول دو چنانچہ دوزخ کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ پس اس کو دوزخ کی گرمی اور اس کی لو پہنچتی ہے۔ اور اس کی قبر تنگ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ پسلیاں ایک دوسری میں نکل جاتی ہیں۔ (نعوذ باللہ)۔ پھر اس پر ایک اندھا بہرا فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ جسکے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہوتا ہے، اگر وہ گرز پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ مٹی ہو جائے۔ وہ کافر مردے کو اس گرز سے ایسی مار مارتا ہے جس کو جنوں اور انسانوں کے سوا مشرق و مغرب کے درمیان کے سارے حیوان سنتے ہیں، وہ گرز لگنے سے مٹی ہو جاتا ہے پھر اس میں دوبارہ روح لوٹائی جاتی ہے۔

۴- "عن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: ان الميت يسمع خفق نعالهم اذا ولوا مدبرين فان كان مؤمنا كانت الصلوة عند راسه وكان الصوم عن يمينه وكانت الزكوٰة عن يساره وكان فعل الخيرات من الصدقة الصلوة والصلة والمعروف والاحسان الى الناس عند رجليه فيؤتى من قبل رأسه فتقول الصلوة ما قبلى مدخل ويؤتى من عن يمينه فيقول الصوم ما قبلى مدخل ويؤتى من عن يساره فتقول الزكوٰة ما قبلى مدخل ويؤتى من قبل رجليه فيقول فعل الخيرات ماقبلى مدخل فيقال له اقعد فيقعد و تمثل له الشمس قد دنت للغروب فيقال له ما تقول فى هذا الرجل الذى كان فيكم وما تشهد به، فيقول دعونى اصلى، فيقولون انك ستفعل، ولكن اخبرنا عما نسألك عنه، قال وعم تسألونى عنه، فيقولون

اخبرنا عما نسالک عنه فيقول دعونی اصلی فيقولون انک ستفعل ولكن اخبرنا عما نسالک عنه قال وعم تسألونی فيقولون اخبرنا ما تقول. فی هذا الرجل الذی كان فيكم وما تشهد به عليه فيقول محمد(صلی الله عليه وسلم)، اشهد انه عبد الله وانه جاء بالحق من عند الله فيقال له علی ذلک حييت، وعلی ذلک مت، وعلی ذلک تبعث ان شاء الله، ثم يفتح له باب من قبل النار، فيقال له انظر الی منزلک والی ما اعد الله لک لو عصيت، فيزداد غبطة وسروراً ثم يفتح له باب من قبل الجنة، فيقال له انظر الی منزلک والی ما اعد الله لک، فيزداد غبطةً وسروراً وذلک قول الله تبارک وتعالیٰ "يثبت الله الذين امنوا بالقول الثابت فی الحيوة الدنيا وفی الاخرة ويضل الله الظالمين ويفعل الله ما يشاء". قال وقال ابوالحكم عن ابی هريرة فيقال له ارقد رقدة العروس الذی لا يوقظه الا اعزاهله اليه أو احب اهله اليه ثم رجع الی حديث ابی سلمة عن ابی هريرة قال وان كان كافرا اتی من قبل راسه، فلا يوجد شئی، ويؤتی عن يمينه، فلا يوجد شئی، ثم يوتی عن يساره، فلا يوجد شئی، ثم يوتی من قبل رجليه فلا يوجد شئی، فيقال له اقعد، فيقعد خائفاً مرعوباً، فيقال له ما تقول فی هذا الرجل الذی كان فيكم وما ذا تشهد به عليه؟ فيقول ای رجل؟ فيقولون الرجل الذی كان فيكم قال فلا يهتدی له، قال فيقولون: محمد، فيقول سمعت الناس قالوا فقلت كما قالوا، فيقولون علی ذلک حييت، وعلی ذلک مت، وعلی ذلک تبعث ان شاء الله، ثم يفتح له باب من قبل الجنة فيقال له انظر الی منزلک والی ما اعد الله لک لو كنت اطعته، فيزداد حسرة وثبوراً قال: ثم يضيق

علیہ قبرہ حتی تختلف اضلاعہ، قال وذلک قولہ تبارک وتعالیٰ "وان لہ معیشة ضنکا ونحشرہ یوم القیامة اعمیٰ". (۱)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب لوگ مردے کو دفنا کر واپس لوٹتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ پھر اگر مردہ مومن ہو تو اس کی نماز اس کے سر کی طرف ہوتی ہے، روزہ دائیں طرف ہوتا ہے۔ زکوٰۃ بائیں جانب ہوتی ہے اور دوسری نفلی عبادتیں مثلاً صدقہ، نماز، صلہ رحمی، لوگوں کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کرنا اس کی پائنتی کی طرف ہوتے ہیں، اگر کوئی اس کے سر کی طرف آنا چاہے تو نماز کہتی ہے کہ ادھر سے کوئی راستہ نہیں، اور اگر دائیں جانب سے آنا چاہے تو روزہ کہتا ہے کہ ادھر سے کوئی راستہ نہیں اور اگر بائیں جانب سے آنا چاہے تو زکوٰۃ کہتی ہے ادھر سے کوئی راستہ نہیں اور پاؤں کی طرف سے آنا چاہے تو نفلی عبادتیں کہتی ہیں کہ ادھر سے کوئی راستہ نہیں۔ پھر فرشتے (منکر نکیر) اسکو کہتے ہیں کہ اُٹھ کر بیٹھ، وہ بیٹھ جاتا ہے تو اسکو ایسا لگتا ہے گویا سورج غروب ہونے کے قریب ہے، فرشتے اس سے کہتے ہیں تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے جو تم میں تھا اور تو اس کے بارے میں کیا گواہی دیتا ہے؛ مردہ کہتا ہے، ٹھہرو! میں ذرا نماز پڑھ لوں، فرشتے کہتے ہیں کہ نماز خیر تم پڑھتے رہنا، ہم جو کچھ تجھ سے

---

(۱) المستدرک علی الصحیحین للامام ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری –کتاب الجنائز ۱۴ –باب المیت یسمع خفق نعالھم ۵۲۸ – ۱/ ۱۴۷۱، ۱۴۷۲ – رقم الحدیث: ۱۴۴۳ –ط: دار المعرفة بیروت.

ابن حبان –کتاب الجنائز –فصل فی احوال المیت فی قبرہ –ذکر الخبر المدخص......۵/ ۴۵ –رقم: ۳۱۰۳.

موارد الظمأن –کتاب الجنائز –باب فی المیت یسمع ویسأل ۳۳ –ص ۱۹۶، ۱۹۷. ج ۱......رقم الحدیث: ۷۷۷، دار الصمیعی.

ابن ماجہ –ابواب الزھد –ذکر القبر والبلی –ص ۳۱۵. ط: قدیمی.

جامع الترمذی –ابواب الجنائز –باب ماجاء فی عذاب القبر – ۱/ ۲۰۵ –ط: قدیمی.

پوچھتے ہیں اس کا جواب دے، وہ کہتا ہے تم مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ وہ کہتے ہیں یہی جو ہم نے سوال کیا ہے اس کا جواب دو، وہ کہتا ہے ذرا ٹھہرو! میں نماز پڑھ لوں، وہ کہتے ہیں یہ تو خیر تم کرتے رہو گے۔ ہم تجھ سے جو کچھ پوچھتے ہیں وہ ہمیں بتاؤ، وہ کہتا ہے، ''اور تم مجھ سے پوچھتے کیا ہو؟ وہ کہتے ہیں ہمیں یہ بتا کہ یہ شخص جو تم میں تھا اس کے بارے میں تو کیا کہتا ہے اور کیا شہادت دیتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ تمہاری مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے؟ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے پاس سے حق اور سچا دین لے کر آئے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اسی عقیدے پر جیا، اسی پر مرا، اور انشاء اللہ اسی پر اُٹھایا جائے گا۔ پھر اس کے لئے دوزخ کی طرف دروازہ کھول کر بتایا جاتا ہے کہ دیکھ اگر تو نافرمان ہوتا تو دوزخ میں تیرا ٹھکانا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے تیری سزا کے لئے یہ سامان تیار کر رکھا تھا۔ اس سے اس کی مسرت اور شادمانی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول کر بتایا جاتا ہے کہ دیکھ اب جنت میں یہ تیرا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ نے تیری راحت کا یہ سامان تیار کر رکھا ہے اور حق تعالیٰ شانہ کے مندرجہ ذیل ارشاد کا یہی مطلب ہے: ''یثبت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ'' (ابراھیم: ۲۷)۔ ''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات (یعنی کلمہ طیبہ کی برکت) سے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے''۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ) پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ سو جاؤ، جیسے دلہن سو جاتی ہے کہ اسکو اس کی محبوب ترین شخصیت کے سوا کوئی نہیں جگا سکتا۔ اگر مردہ کافر ہو تو اگر اس کے سر کی طرف آنا چاہیں تو کوئی روکنے والا نہیں دائیں طرف سے آنا چاہیں تو وہاں بھی کوئی چیز موجود نہیں۔ بائیں طرف سے آنا چاہیں تو ادھر بھی کوئی چیز موجود نہیں، اور اگر پائنتی کی طرف سے آنا چاہیں تو اس جانب بھی کوئی روکنے والی چیز موجود نہیں۔ چنانچہ فرشتے اسکو کہتے ہیں بیٹھ جاؤ، وہ خوفزدہ اور مرعوب ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں یہ شخص

کون تھا، جوتم میں موجود تھا، اور تو اس کے بارے میں کیا گواہی دیتا ہے، وہ کہتا ہے کون سا آدمی؟ فرشتے کہتے ہیں کہ یہی شخص جوتم میں تھا؟ لیکن وہ نہیں سمجھتا کہ کس آدمی کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، پھر فرشتے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی لے کر) کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ وہ کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو ان کے بارے میں ایک بات کہتے ہوئے سنا تو میں نے بھی وہی بات کی (کہ نعوذ باللہ، آپ سچے نہیں) فرشتے کہتے ہیں کہ تو اسی عقیدے پر جیا، اسی پر مرا اور انشاء اللہ اسی پر اُٹھایا جائے گا۔ پھر اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول کر اس سے کہا جاتا ہے کہ دیکھ! اگر تو فرمانبردار ہوتا تو تیری یہ جگہ تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے تری راحت کا یہ یہ سامان تیار کر رکھا تھا، پس اس کی حسرت وہلاکت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ پھر اس کی قبر تنگ کردی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں سے نکل جاتی ہیں اور یہی مطلب ہے حق تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد کا: **"وان له معيشة ضنكاً ونحشره يوم القيامة اعمى"** (طه:۱۲۴)۔ "اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے روز ہم اسکو اندھا کر کے (قبر) سے اُٹھائیں گے"۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

۵- **"عن ابی سعید قال دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم مصلاه فرای ناسا كانهم يكتشرون قال اما انكم لو اكثرتم ذكر هاذم اللذات لشغلكم عماارى الموت فاكثروا من ذكر هاذم اللذات الموت فانه لم يات على القبر يوم الا تكلم فيه فيقول انا بيت الغربة وانا بيت الوحدة وانا بيت التراب وانا بيت الدود فاذا دفن العبد المومن قال له القبر مرحبا واهلا اما ان كنت لاحب من يمشى على ظهرى الى فاذ وليتك اليوم وصرت الى فسترى صنيعى بك قال فيتسع له مد بصره ويفتح له باب الى الجنة واذا دفن العبد الفاجر او الكافراً قال له القبر لا**

مرحبا ولا اھلا اما ان کنت لا بغض من یمشی علی ظھری الی فاذولیتک الیوم وصرت الی فستریٰ صنیعی بک قال فیلتأم علیه حتی یلتقی علیه وتختلف اضلاعه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم باصابعه فادخل بعضها فی جوف بعض قال ویقیض الله له سبعین تنینالو ان واحدا منها نفخ فی الارض ما انبتت شیئا ما بقیت الدنیا فینهشنه ویَخدِشنه حتی یفضی به الیٰ الحساب قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انما القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النار قال ابو عیسیٰ هذا حدیث حسن غریب لانعرفه الا من هذا الوجه". (۱)

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مصلّٰی پر تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگ ہنس رہے ہیں، یہ دیکھ کر فرمایا کہ سنو! اگر تم لذتوں کو چور چور کرنے والی چیز کو کثرت سے یاد کیا کرتے تو وہ تم کو اس حالت سے مشغول کردیتی جو میں دیکھ رہا ہوں۔ پس لذتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ کیونکہ قبر پر کوئی دن نہیں گذرتا ہے۔ جس میں یہ بات نہ کہتی ہو کہ میں بے وطنی کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں۔ پھر جب بندۂ مومن اس میں دفن کیا جاتا ہے تو قبر اسکو خوش آمدید کے بعد کہتی ہے کہ میری پشت پر جتنے لوگ چلتے تھے تو ان میں مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا، آج جب کہ تو میرے سپرد کیا گیا ہے اور مجھ تک پہنچا ہے تو تو دیکھ لے گا کہ میں تجھ سے کیسا اچھا برتاؤ کرتی ہوں۔ چنانچہ وہ اس کے حد نظر تک کشادہ ہوجاتی ہے اور اس کے لئے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اور جب بدکار یا (فرمایا کہ) کافر دفن کیا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے کہ تیرا آنا نامبارک ہے۔ میری پشت پر جتنے لوگ چلتے پھرتے تھے تو ان میں مجھے سب سے زیادہ مبغوض تھا۔ آج جب کہ تو میرے حوالے کیا گیا ہے اور میرے پاس

(۱) جامع الترمذی-ابواب صفة القیامة- باب (بلاعنوان)-۲/۷۲-ط: قدیمی.

پہنچا ہے تو تو دیکھ لے گا کہ میں تجھ سے کیسا برا سلوک کرتی ہوں۔ پس قبر اس پر مل جاتی ہے یہاں تک کہ اسکو اس قدر بھینچ دیتی ہے کہ ادھر کی ہڈیاں ادھر نکل جاتی ہیں (اسکو سمجھانے کے لئے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈالیں فرمایا۔ اور اس پر ستر زہریلے سانپ مسلط کر دیئے جاتے ہیں (یہ سانپ اس قدر زہریلے ہیں کہ) اگر ان میں سے ایک زمین پر پھونک مارے تو رہتی دنیا تک زمین پر کوئی سبزہ نہ اُگے۔ پس وہ سانپ اسے ہمیشہ نوچتے اور کاٹتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اسے قیامت کے دن حساب کے لئے پیش کیا جائے گا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے''۔

مندرجہ بالا چند احادیث بطور نمونہ ذکر کی ہیں۔ ان میں جو مضامین ذکر فرمائے گئے ہیں، ان کا خلاصہ درج ذیل عنوانات کے تحت پیش کیا جاتا ہے۔

اول: میت کا دفن کرنے والے کے جوتوں کی آہٹ سننا:

یہ مضمون درج ذیل میں احادیث میں آیا ہے:

۱: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں:

''قال: العبد، اذا وضع فی قبرہ وتولی و ذهب أصحابه حتی أنه لیسمع قرع نعالهم''. (۱)

---

(۱) صحیح البخاری - کتاب الجنائز - باب المیت یسمع خفق النعال - ۱/۱۷۸ - واللفظ له.
الصحیح لمسلم - کتاب الجنة وصفة نعیمها - باب عرض مقعد ...... ۲/۳۸۶.
سنن أبی داؤد - کتاب السنة - باب فی المسئلة فی القبر وعذاب القبر - ۲/۶۵۴ - ط: میر محمد.
السنن المجتبیٰ - کتاب الجنائز - المسئلة فی القبر - ۱/۲۸۸ - ط: قدیمی.
الإحسان بترتیب ابن حبان - کتاب الجنائز - فصل فی أحوال المیت فی قبرہ - ذکر الاخبار عما یعمل المسلم والکافر - ص ۴۹ - رقم الحدیث ۳۱۱۰ - ط: دار الکتب العلمیة.
شرح السنة، کتاب الجنائز، باب السؤال فی القبر، ۵/۱۱۵، ط: المکتب الاسلامی بیروت.

ترجمہ: ''مردہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اسکو دفن کرنے والے واپس لوٹتے ہیں یہاں تک کہ وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے تو......

۲: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''قال: فيجلس قال ابوهريرة: فانه يسمع قرع نعالهم''. (۱)

''ترجمہ: اسے بٹھایا جاتا ہے، حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ پھر وہ (دفن کر کے لوٹنے والوں کے) قدموں کی آہٹ سنتا ہے''۔

مسند احمد کے الفاظ یہ ہیں:

''قال ان الميت ليسمع خفق نعالهم إذا ولوا مدبرين''. (۲)

''ترجمہ: جب لوگ مردہ کو دفن کر کے واپس لوٹتے ہیں تو وہ ان کے قدموں کی آہٹ سنتا ہے''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''ان الميت ليسمع خفق النعال إذا ولوا عنه الناس مدبرين''. (۳)

---

(۱) المصنف لعبدالرزاق-كتاب الجنائز-باب الصبر والبكاء والنياحة-۳/۵۶۷-رقم الحديث:۶۷۰۳.
ط:المكتب الاسلامی بيروت

(۲) المسند للإمام أحمد -مسند أبي هريرة -۹/۲۹۸-رقم الحديث:۹۷۰۳،۹/۲۹۸،ط:دار الحديث القاهرة

المستدرك على الصحيحين -كتاب الجنائز-باب الميت يسمع خفق نعالهم -۱/۵۱۷-ط:دار المعرفة بيروت

ابن حبان -كتاب الجنائز-فصل فی أحوال الميت فی قبره-......۵/۴۵

موارد الظمان-كتاب الجنائز-باب فی الميت يسمع ويسال -ص ۱۹۶-رقم الحديث ۷۷۷-

مجمع الزوائد-باب السوال فی القبر-۳/۵۴-ط: دارالكتاب بيروت.

اتحاف السادة المتقين -شرح احياء علوم الدين ، كتاب ذكر الموت ومابعده ، الباب السابع بيان سوال منكرونكيروصورتهما ۱۴/۳۶۴......ط: دارالكتب العلميه بيروت.

(۳) شرح السنة-كتاب الجنائز-باب السوال فی القبر-۵/۴۱۳-ط: المكتب الاسلامی.

ترجمہ: ''بے شک میت جوتوں کی آہٹ کو بھی سنتا ہے جب لوگ اسے دفن کر کے واپس لوٹتے ہیں''۔

۳: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''قال: وانه ليسمع خفق نعالهم إذا ولوا مدبرين''. (۱)

ترجمہ: ''اور بے شک وہ ان کے قدموں کی چاپ سنتا ہے، جب لوگ اسے دفن کر کے واپس لوٹتے ہیں''۔

۴: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''اذا دفن الميت سمع خفق نعالهم إذا ولوا مدبرين''. (۲)

ترجمہ: ''میت کو جب دفن کر کے لوٹتے ہیں تو وہ (میت) ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے''۔

۵: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''حتى يسمع صاحبكم خبط نعالكم''. (۳)

ترجمہ: ''یہاں تک کہ تمہارا ساتھی (میت) تمہارے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے''۔

---

(۱) المصنف لعبد الرزاق -كتاب الجنائز-باب فتنة القبر...... ۳/ ۵۸۱-رقم الحديث:۶۷۳۷.
ط:المكتب الاسلامي.

مسند أحمد بن حنبل -حديث البراء بن عازب-۱۴/ ۲۲۵-رقم الحديث: ۱۸۵۲۱-ط:دار الحديث القاهرة

سنن أبي داؤد -۲/ ۶۵۴-ط:مير محمد كراچي.

(۲)المرجع السابق-۳/ ۵۴.

كنز العمال-الكتاب الرابع من حرف الميم من قسم الاقوال كتاب الموت ......الخ -الفصل السادس في الدفن -۱۵/ ۶۰۰-رقم الحديث: ۴۲۳۷۹.

اتحاف السادة المتقين -بيان سوال منكر ونكير......الخ -۱۴/ ۳۶۵.

الدر المنثور في التفسير الماثور-تحت قوله:يثبت الله الذين امنوا......الاية-۵/ ۳۱.

(۳) المصنف لعبدالرزاق-كتاب الجنائز-باب فتنة القبر-۳/ ۵۸۳-رقم الحديث: ۶۷۳۹.

عبداللہ بن عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"قال: ان المیت یقعد وهو یسمع خطو مشیعیه". (۱)

ترجمہ: "میت کو بٹھایا جاتا ہے اور وہ اپنے رخصت کرنے والے کے قدموں کی چاپ کو سنتا ہے"۔

منکر نکیر کا آنا

یہ مضمون متواتر احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جب میت کو دفن کیا جاتا ہے تو دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں، اسکو بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال و جواب کرتے ہیں۔ان کے سوال و جواب کو "فتنة القبر" (قبر میں مردے کا امتحان) فرمایا گیا ہے۔

حافظ سیوطیؒ شرح صدور میں اور علامہ زبیدی شرح احیاء میں لکھتے ہیں:

"جاننا چاہئے کہ "فتنہ قبر" دوفرشتوں کے سوالوں کا نام ہے،اوراس بارے میں مندرجہ ذیل صحابہؓ سے متواتر احادیث مروی ہیں۔ ابوہریرہ ، براء، تمیم داری،عمر بن الخطاب،انس،بشیر بن الال،ثوبان،جابر بن عبداللہ،حذیفہ، عبادہ بن صامت، ابن عباس،ابن عمر،ابن عمرو،ابن مسعود،عثمان بن عفان،عمرو بن عاص،معاذ بن جبل،ابوامامہ، ابوالدرداء،ابورافع،ابوسعید خدری،ابوقتادہ،ابوموسیٰ،اسماء،عائشہ۔رضی اللہ عنہم"۔(۲)

اس کے بعد ان دونوں حضرات نے ان تمام روایات کی تخریج کی ہے، یہاں پہلے ان احادیث کے مآخذ کی طرف اشارہ کرتا ہوں جنکو ان دونوں حضرات نے ذکر فرمایا ہے،اس کے بعد مزید احادیث کا اضافہ کروں گا اور جن مآخذ تک ہماری رسائی نہیں وہاں شرح صدور اور شرح احیاء کے حوالہ سے ماخذ ذکر

---

(۱) اتحاف السادة المتقين –بيان كلام القبر للميت– ۱۴ / ۳۳۲.

(۲) شرح الصدور شرح حال الموتىٰ والقبور للامام جلال الدين السيوطى–ص ۴۹–ط:مطابع الرشيد بالمدينة المنورة.

اتحاف السادة المتقين –بيان سوال منكر ونكير– ۱۴ / ۳۵۹–حواله سابقه

کئے جائیں گے۔

۱: حدیث انس رضی اللہ عنہ پہلے گذر چکی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"اتاه ملكان فاقعداه فيقولان له". (۱)

"ترجمہ: اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھلاتے ہیں......

۲: حدیث عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"اذا مات عرض عليه مقعده بالغداة والعشی ان كان من اهل الجنة فمن اهل الجنة وان كان من اهل النار فمن اهل النار فيقال هذا مقعدک". (۲)

"ترجمہ: جب آدمی مرجاتا ہے (تو قبر میں سوال وجواب کے بعد) اس کے سامنے اس کا اصل ٹھکانہ صبح وشام پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اہل جنت میں سے ہو تو جنت میں اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے اور اگر دوزخی ہو تو دوزخ میں اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے۔ پھر اس کو بتایا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے"۔

---

(۱) صحيح البخاری-كتاب الجنائز-باب الميت يسمع خفق النعال-۱/۱۷۸-قديمی، وايضاً ۱/۱۸۴ كتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر.

صحيح مسلم-كتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها-باب عرض مقعد الميت-۲/۳۸۶.

سنن أبی داؤد-كتاب السنة باب ماجاء فی المسئلة فی القبر وعذاب القبر-۲/۶۵۴. ط: مير محمد كتب خانه كراچی.

سنن النسائی-كتاب الجنائز-باب المسئلة فی القبر-۱/۲۸۸-ط: قديمی كتب خانه كراچی.

(۲) صحيح البخاری-كتاب الجنائز-باب الميت يعرض عليه مقعده بالغداة والعشی-۱/۱۸۴-ط: قديمی كراچی.

جامع الترمذی-كتاب الجنائز-باب ماجاء فی عذاب القبر-۱/۲۰۵. -ط: قديمی كراچی.

سنن النسائی-كتاب الجنائز-باب وضع الجريدة علی القبر-۱/۲۹۲. -ط: قديمی كراچی.

سنن ابن ماجه-ابواب الزهد-باب ذكر القبر والبلی-ص ۳۱۵.

اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین میں دیلمی کی ''مسند الفردوس'' سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

"ألظلو ألسنتكم قول لا اله الا الله وان محمداً رسول الله، وان الله ربنا والاسلام ديننا ومحمداً نبينا فانكم تسئلون عنها فى قبوركم".(۱)

''ترجمہ: ''اپنی زبانوں کو کلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا عادی بناؤ......اور یہ بات بہ کثرت کہا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے، اسلام ہمارا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نبی ہیں، کیونکہ تم سے ان امور کے بارے میں قبروں میں سوال کیا جاتا ہے۔

۳: حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

"قال اذا اقعد المؤمن فى قبره اتى......".(۲)

''ترجمہ: فرمایا، جب مومن کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے تو اس کے پاس فرشتوں کی آمد ہوتی ہے''۔

۴: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"يقال ما علمك بهذا الرجل فاما المومن او الموقن لا ادرى ايهما قالت اسماء، فيقول هو محمد هو رسول الله جاء نا بالبينات والهدى فاجبناه واتبعناه هو محمد ثلاثاً".(۳)

---

(۱) اتحاف السادة المتقين -بيان سوال منكر ونكير- ۱۴/ ۳۶۲ -حواله سابقه -ط: دار الكتب العلميه

(۲) صحيح البخارى -كتاب الجنائز -باب ماجاء فى عذاب القبر- ۱/ ۱۸۳ -ط: قديمى كراچى.

الصحيح لمسلم -كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها -باب عرض المقعد- ۲/ ۳۸۶ -ط: قديمى.

السنن المجتبى للنسائى -كتاب الجنائز -باب المسئلة فى القبر- ۱/ ۲۹۰ -ط: قديمى.

سنن أبى داود -كتاب السنة -باب ماجاء فى المسئلة فى القبر وعذاب القبر- ۲/ ۶۵۴ .ط: مير محمد

مصنف لابن ابى شيبة -كتاب الجنائز -باب فى المسئلة فى القبر- ۳/ ۳۷۷ -ط: ادارة القرآن كراچى

(۳) صحيح البخارى -كتاب العلم -باب فضل العلم- ۱/ ۱۸ .

الصحيح لمسلم -كتاب الكسوف -باب فضل صلوة الكسوف - ۱/ ۲۹۸ .

موطا امام مالك للامام مالك بن انس (المتوفى: ۱۷۹ھ) -ماجاء فى صلوة الكسوف -ص ۱۷۷ .

''ترجمہ: میت سے کہا جاتا ہے کہ تم اس شخص (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ تو مومن جواب دیتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جو ہمارے پاس واضح احکام اور ہدایت لے کر آئے، ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قبول کیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کی۔ تین مرتبہ کہتا ہے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

۵: حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پہلے گذر چکی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"اذا اقبر المیت او قال احدکم اتاہ ملکان اسودان ازرقان یقال لاحدھما المنکر والآخر النکیر". (۱)

''ترجمہ: جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے، ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔

۶: حدیث عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

"فاذا دفنتمونی فسنوا علی التراب سناً ثم اقیموا حول قبری قدر ما تنحر الجزور ویقسم لحمھا حتی استانس بکم وانظر ماذا اراجع بہ رسل ربی". (۲)

---

(۱)جامع الترمذی -کتاب الجنائز -باب ماجاء فی عذاب القبر - ۱/ ۲۰۵.

سنن ابن ماجہ -ابواب الزھد -باب القبر والبلی -ص ۳۱۵. مستدرک حاکم ،کتاب الجنائز، باب المیت یسمع خفق نعالھم ۱/ ۵۱۷.

الاحسان بترتیب ابن حبان -کتاب الجنائز -فصل فی احوال المیت فی قبرہ- ذکر الاخبار عن اسم الملکین -۵/ ۴۷-رقم الحدیث: ۳۱۰۷.ط:دارالکتب.

(۲)الصحیح لمسلم -کتاب الایمان -باب کون الاسلام یھدم ماکان قبلہ......الخ- ۱/ ۷۶.ط:قدیمی

السنن الکبری للبیھقی للامام ابی بکر احمدبن الحسین بن علی البیھقی(المتوفی:۴۵۸ ھ)-کتاب الجنائز -باب مایقال بعدالدفن...... ۴/ ۵۶-ط:نشر السنۃ ملتان

''ترجمہ: جب مجھے دفن کر چکو تو مجھ پر مٹی ڈالنا، پھر میری قبر کے گرد اتنی دیر تک کھڑے رہنا کہ اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جائے، تاکہ مجھے تمہاری موجودگی سے اُنس ہو اور میں یہ دیکھوں کہ اپنے رب کے فرستادوں کو کیا جواب دیتا ہوں''۔

۷: حدیث عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کے الفاظ یہ ہیں:

"فقال استغفروا لاخیکم واسئالوا له بالتثبیت فانه الآن یسأل". (۱)

''ترجمہ: فرمایا، اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو، کیونکہ اب اس سے سوال و جواب ہو رہا ہے''۔

۸: حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

"اذا ادخل المومن قبره وتولی عنه اصحابه جاء ه ملک شدید الانتهار فیقول ما کنت تقول فی هذا الرجل". (۲)

---

(۱) سنن أبی داؤد - کتاب الجنائز - باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف - ۱/۴۵۹. ط: میر محمد کتب خانہ کراچی

المستدرک للحاکم............

مشکوة المصابیح - کتاب الایمان - باب اثبات عذاب القبر - الفصل الثانی - ۱/۲۶.

کنز العمال - الکتاب الثالث من حرف الشین الشمائل من قسم الاقوال - الباب الرابع فی شمائل تتعلق بالاخلاق والافعال دفن المیت - ۷/۱۵۸، رقم، ۱۸۵۱۴.

السنن الکبری للبیهقی - ۴/۵۶.

(۲) مجمع الزوائد - کتاب الجنائز - باب السوال فی القبر - ۳/۴۸.

مسند احمد - مسند جابر بن عبدالله الانصاری - ۱۱/۵۲۴، ۵۲۵ - رقم: ۱۴۶۵۷ - ط: دار الحدیث القاهرة.

مصنف عبدالرزاق - کتاب الجنائز - باب فتنة القبر - ۳/۵۸۵ - رقم الحدیث: ۶۷۴۴ ط: المکتبة الاسلامی بیروت.

الاحسان بترتیب ابن حبان - کتاب الجنائز - فصل فی احوال المیت فی قبره - ذکر الاخبار عن اسم الملکین اللذین یسألان الناس فی قبورهم (عن ابی هریرة) ۵/۴۷، ۴۸، رقم ۳۱۰۷، ط: دار الکتب العلمیه

ترجمہ: ''جب مومن کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے اور اسکو دفن کرنے والے لوٹتے ہیں تو اس کے پاس فرشتہ آتا ہے نہایت جھڑکنے والا، وہ کہتا ہے کہ تو اُس شخص کے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتا تھا؟

۹: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ یہ ہیں:

''فاما فتنة القبر ففِیَّ تفتنون وعنی تسألون. فاذا كان الرجل الصالح اجلس فی قبره غیر فزع ولا مشعوف ثم یقال له فیم كنت فیقول فی الاسلام''. (۱)

''ترجمہ: رہی قبر کی آزمائش! سوتم سے میرے بارے میں امتحان لیا جاتا ہے اور میرے بارے میں تم سے سوال کیا جاتا ہے، پس جب مردہ نیک آدمی ہوتو اسے قبر میں بٹھایا جاتا ہے، درآنحالیکہ نہ وہ گھبرایا ہوا ہوتا ہے اور نہ حواس باختہ ہوتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو کس دین میں تھا، وہ کہتا ہے، اسلام میں!

۱۰: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

إذا دخل الرجل قبره فان كان من اهل السعادة ثبته الله بالقول الثابت فیسأل ما أنت ؟فیقول أنا عبدالله حیاً ومیتاً(الحدیث). (۱)

ترجمہ: جب آدمی کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اگر اہل سعادت میں سے ہو تو اللہ تعالیٰ اسے قول ثابت کے ساتھ ثابت قدم رکھتے ہیں چنانچہ اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ تم کون ہو؟ تو

---

(۱) المسند للإمام احمد بن حنبل (المتوفی: ۲۴۱ھ)–حدیث السیدة عائشةؓ –۵۰۶/۱۷–رقم الحدیث: ۲۹۷۰. ط: دار الحدیث قاهرة.

مجمع الزوائد ومنبع الفوائد–باب السوال فی القبر–۴۸/۳–ط: دار الكتاب العربی بیروت.

(۲) مصنف ابن ابی شیبة–كتاب الجنائز–باب فی المسألة فی القبر–۳۷۷/۳– ط: ادارة القرآن كراچی

اتحاف السادة المتقین كتاب ذكر الموت ومابعده، بیان سوال منكرونكیر ۳۶۲/۱۴. حواله سابقه

مجمع الزوائد –باب السوال فی القبر –۵۴/۳–ط: دار الكتاب العربی بیروت

وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ تھا اور مرنے کے بعد بھی۔

۱۱: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ بھی یہی ہیں:

۱۲: حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

وذكر منكراً ونكيراً يخرجان في افواههما واعينهما النار ......فقالا من ربک ؟(۱)

ترجمہ: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منکر نکیر کا تذکرہ فرمایا کہ ان کے منہ سے اور آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں اور وہ کہتے ہیں "تیرا رب کون ہے؟"۔

۱۳: حدیث ابورافع رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا ولكني افففت من صاحب هذا القبر الذي سئل عني فشک فيَّ (۲)

ترجمہ: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں! (میں نے تم پر اف نہیں کی) بلکہ اس قبر والے پر اف کی ہے جس سے میرے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے میرے بارے میں شک کا اظہار کیا۔"

۱۴: حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ یہ ہیں:

إن الميت يسمع خفق نعالهم حين يولُّون قال ثم يجلس فيقال له من

---

(۱) المصنف لعبدالرزاق- كتاب الجنائز- باب فتنة القبر-۳/ ۵۹۰، ۵۹۱ - رقم الحديث ٦٧٥٨. ط: المكتب الاسلامي بيروت.

(۲) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، للشيخ نورالدين الهيثمي(المتوفى: ۸۰۷ھ)-كتاب الجنائز -باب السوال في القبر -۳/ ۵۳ - ط: دار الكتاب العربي.

كنز العمال -الكتاب الرابع من حرف الميم - كتاب الموت - الفصل الثاني في عذاب القبر(الاكمال)-۱۵/ ۶۴۱ - رقم الحديث ۴۲۵۳۲.

اتحاف السادة المتقين ۱۴/ ۳۶۸ -المرجع السابق.

ربک؟ فیقول اللہ (الحدیث) (۱)

ترجمہ: میت کو دفن کرنے والے جب واپس لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی چاپ سنتا ہے فرمایا، پھر اس کو بٹھلایا جاتا ہے پس اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے"۔

۱۵: حدیث ابودرداء رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

فجاء ک ملکان ازرقان جعدان یقال لهما منکر ونکیر فقالا من ربک ومادینک ومن نبیک ......الخ(۲)

ترجمہ: پھر تیرے پاس دو فرشتے آئیں گے جن کی آنکھیں نیلی اور بال مڑے ہوئے ہوں گے ان کو منکر نکیر کہا جاتا ہے وہ دونوں کہیں گے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟"۔

۱۶: حضرت بشیر بن اکّال المعوی کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

انی مررت بقبر وهو یسأل عنی فقال لاادری فقلت لادریت (۳)

ترجمہ: بے شک میں ایک قبر کے پاس سے گزرا تھا جس سے میرے بارے میں سوال کیا جارہا تھا اس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا اس پر میں نے کہا کہ تم نے نہ تو خود جانا (نہ کسی جاننے والی کی بات مانی)۔"

---

(۱) مجمع الزوائد کتاب الجنائز، باب السوال فی القبر ۴۸/۳. ط:دارالکتاب العربی

اتحاف السادة المتقین - ۳۶۷/۱۴-المرجع السابق.

(۲) اتحاف السادة المتقین -۳۶۶،۳۶۵/۱۴-المرجع السابق.

شرح الصدور -ص ۵۵-المرجع السابق.

(۳) کنز العمال -المرجع السابق-۶۴۲/۱۵ - رقم الحدیث: ۴۲۵۳۳.

مجمع الزوائد -المرجع السابق - ۴۸/۳.

شرح الصدور -المرجع السابق -ص ۵۰.

۱۷: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

إن المؤمن إذا مات اجلس فی قبره فيقال له من ربک فيقول الله تعالیٰ ......الحديث. (۱)

ترجمہ: ”جب مومن مرجاتا ہے تو اسے اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ۔“

۱۸: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

فإذا وضع فی قبره وسوی عليه وتفرق عنه اصحابه أتاه منكر ونكير فيجلسانه فی قبره (۲)

ترجمہ: جب مردے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس پر مٹی ڈال دی جاتی ہے اور اس کو دفن کرنے والے رخصت ہوتے ہیں تو اس کے پاس منکر اور نکیر آتے ہیں، پس اسے قبر میں بٹھاتے ہیں۔“

۱۹: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

كيف انت فی اربع اذرع فی ذراعين ورأيت منكراً ونكيراً ؟قلت يارسول الله ومامنكر ونكير قال فتانا القبر. (۳)

ترجمہ: چار ہاتھ لمبی اور دو ہاتھ چوڑی جگہ (قبر) میں تیری کیا حالت ہوگی؟ جب تم منکر اور نکیر کو دیکھو گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ منکر اور نکیر کون ہیں؟ فرمایا قبر میں

---

(۱) اتحاف السادة المتقين –۳۶۸/۱۴– المرجع السابق.
شرح الصدور –ص ۵۵.

(۲) اتحاف السادة المتقين– ۳۶۷/۱۴– المرجع السابق.
شرح الصدور –ص ۵۴.

(۳) اتحاف السادة المتقين– ۳۶۲/۱۴.
شرح الصدور–ص ۵۴.

امتحان لینے والے فرشتے۔“

۲۰۔حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”ثم سدوا علیک من اللبن واکثروا علیک من اتراب فجآک ملکان ازرقان جعدان یقال لهما منکرونکیر“....... (۱)

ترجمہ:......تیری اس وقت کیا حالت ہوگی جب تمہیں قبر میں رکھ کر تمہارے اوپر اینٹیں چُن دیں گے اور ڈھیر ساری مٹی ڈال دیں گے، پھر تیرے پاس کیری آنکھوں اور ڈراؤنی شکل کے دو فرشتے آئیں گے جنہیں منکر ونکیر کہا جاتا ہے۔

۲۱۔حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”فان منکراً ونکیراً یاخذ کل واحد منهما بید صاحبه ویقول انطلق بنا“.......... (۲)

ترجمہ:جب (مردہ سوالوں کے جواب صحیح دے دیتا ہے تو) منکر ونکیر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہتے ہیں کہ بس اب یہاں سے چلیئے۔

---

(۱)کتاب الزهد لابن المبارک(المتوفی ۱۸۱ھ)-الجزء الحادی عشر-ص ۵۵۴- الرقم:۱۵۹۰- ط: مجلس احیاء المعارف هند.

مصنف ابن ابی شیبة-کتاب الجنائز -باب فی المسئلة فی القبر-۳/۳۷۸،۳۷۹.

اتحاف السادة المتقین -۱۴-۳۶۷-المرجع السابق.

شرح الصدور ص ۵۵ -المرجع السابق.

(۲)مجمع الزوائد -کتاب الجنائز-باب تلقین المیت بعد دفنه -۳/۴۵.

کنز العمال -الکتاب الرابع من حرف المیم من قسم الاول -کتاب الموت واحوال تقع بعده ، الباب الاول ، الفصل السادس ، فی الدفن(التلقین من الاکمال)۱۵/۶۰۵ رقم الحدیث ۴۲۴۰۵

شرح الصدور-باب مایقال عند الدفن والتقلین -ص ۴۴.

اتحاف السادة المتقین -باب بیان زیارة القبور والدعاء للمیت ومایتعلق به -....../۲۸۰،۲۸۱

۲۲۔حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

"ان الملک لیمشی معه الی القبر فاذا سوی علیه سلک فیه فذالک حین یخاطب". (۱)

ترجمہ: بے شک فرشتہ جنازہ کے ہمراہ قبر کی طرف جاتا ہے پس جب میت کو قبر میں رکھ کر اس پر مٹی ڈال دی جاتی ہے تو فرشتہ اس قبر میں چلا جاتا ہے اور اس سے مخاطب ہوتا ہے"۔

۲۳۔حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"ویبعث الله الیه ملکین ابصارهما کالبرق الخاطف و اصواتهما کالرعد القاصف"........... (۲)

ترجمہ: (کافر) میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتے (منکیر ونکیر) بھیجتے ہیں جن کی آنکھیں چندھیا دینے والی بجلی کی طرح چمکتی ہوں گی اور آواز کڑکتی بجلی کی طرح ہوگی۔

۲۴۔۲۵۔حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث کے علاوہ اس مضمون پر حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ کی مرسل بھی ہے۔

فتنۃ القبر

قبر میں میت کے پاس منکیر ونکیر کے پاس کا آنا اور سوال و جواب کرنا، اس کو حدیث شریف میں "فتنة القبر" (یعنی قبر میں مُردے کا امتحان) فرمایا گیا ہے مندرجہ ذیل احادیث میں اس کا ذکر ہے۔

۱۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

انهم یعذبون عذاباً تسمعه البهائم کلها، فما رأیته بعد فی صلوٰة

---

(۱) شرح الصدور –باب معرفة المیت من یغسله ویجهز ......الخ ص ۴۰.

اتحاف السادة المتقین –الباب السابع–فصل فی فوائد منثورة –۱۴/۳۷۵.

(۲) اتحاف السادة المتقین –کتاب ذکر الموت ومابعده –الباب الثالث فی سکرات الموت......الخ ۱۴/۹۵،۹۶.

الاتعوذ من عذاب القبر". (۱)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ جس کو تمام چوپائے سنتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں عذاب قبر سے ضرور پناہ مانگتے تھے۔

صحیح مسلم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"كان يدعو بهٰولاء الدعوات اللهم فانی اعوذبک من فتنة النار وعذاب النار وفتنة القبر". (۲)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے "اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں دوزخ کے فتنہ اور عذاب سے اور قبر کے فتنہ سے۔

مسند حمیدی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"انکم تفتنون فی قبور کم"(۳)

---

(۱)صحیح البخاری-کتاب الدعوات-باب التعوذ من عذاب القبر-۲/۹۴۲،۹۴۳.
وایضا -کتاب الجنائز-باب ماجاء فی عذاب القبر-۱/۱۸۳.
سنن النسائی -کتاب الجنائز-باب التعوذ من عذاب القبر-۱/۲۹۱-ط: قدیمی
(۲)الصحیح لمسلم -کتاب الذکر -باب الدعوات والتعوذ-۲/۳۴۷-ط: قدیمی
جامع الترمذی -ابواب الدعوات -باب ماجاء فی جامع الدعوات -۲/۱۸۷.
سنن ابن ماجه -ابواب الدعاء -باب ماتعوذ منه رسول الله صلی الله علیه وسلم -۲۷۲-ط: قدیمی
المسند للإمام احمد بن حنبل -حدیث السیدة عائشة-۱۷/۲۸۷-رقم الحدیث: ۲۴۱۸۲
مصنف عبدالرزاق- کتاب الجنائز-باب فتنة القبر-۳/۵۸۹-رقم الحدیث: ۶۷۵۵-ط: المکتبة الاسلامیة بیروت
شرح السنة -کتاب الدعوات -باب الاستعاذة-۵/۱۵۷-
(۳)المسند للحمیدی للإمام ابی بکر عبدالله بن زبیر الحمیدی-کتاب الایمان -احادیث عائشة- ۱/۹۴-رقم الحدیث :۱۷۹-ط: دار الکتب العلمیة بیروت.
المسند للإمام احمد -حدیث السیدة عائشة -۱۷/۲۸۷-رقم الحدیث: ۲۴۱۴۹ط:دار الحدیث

ترجمہ: قبروں میں تمہارا امتحان (یعنی تم سے سوال وجواب) ہوتا ہے۔

۲۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اللهم انی اعوذبک من العجزوالكسل والجبن والهرم واعوذبک من عذاب القبرواعوذبک من فتنةالمحياوالممات". (۱)

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عجز وکسل سے، بزدلی اور انتہائی بڑھاپے سے، اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کے فتنوں سے۔

مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"قال تعوذوا بالله من عذاب القبروعذاب النار وفتنة الدجال قالواوماذاک یا رسول الله قال ان هذه الامةتبتلیٰ فی قبورها". (۲)

ترجمہ: فرمایا! اللہ کی پناہ مانگو عذاب قبر سے، اور دوزخ کے عذاب سے اور فتنہ دجال سے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! فتنہ قبر کیا چیز ہے، فرمایا قبر میں اس امت کا امتحان لیا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"فان مات اوقتل غفرت له ذنوبه كلها واجيرمن عذاب القبر". (۳)

---

(۱) صحیح البخاری – کتاب الدعوات – باب التعوذ من عذاب القبر – ۹۴۲/۲.
الصحیح لمسلم – کتاب الذکر – باب الدعوات والتعوذ – ۳۴۷/۲.
جامع الترمذی – ابواب الدعوات – باب جامع الدعوات – ۱۸۶/۲.
سنن النسائی – کتاب الاستعاذة – باب الاستعاذة من البخل – ۳۱۳/۲.
المسند للإمام احمد – مسند انس بن مالک – ۸۴/۶ – رقم الحدیث: ۱۳۰۱۰ – ط: دار الحدیث
مصنف ابن ابی شیبة – کتاب الجنائز – باب فی عذاب القبر – ۳۷۵/۳ – ط: ادارة القرآن کراچی
(۲) المسند للإمام احمد – مسند انس بن مالک – ۱۸۳/۱۱ – رقم الحدیث: ۱۳۳۸۱ – ط: دار الحدیث
(۳) مجمع الزوائد، کتاب الجهاد، باب ماجاء فی الشهادة وفضلها ۲۹۱/۵

ترجمہ: پس مرابط اگر مر جائے یا شہید ہو جائے تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اسے عذاب قبر سے بچالیا جاتا ہے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعو: اللهم انى اعوذبک من عذاب القبر ومن عذاب النار". (۱)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے، اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عذاب قبر سے اور عذاب دوزخ سے۔

ترمذی شریف کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"استعيذوا بالله من عذاب القبر" (۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو عذاب قبر سے۔

سنن ابن ماجہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"من مات مرابطا فی سبيل الله اجرى عليه اجر عمله الصالح الذى كان يعمل واجرى عليه رزقاً وامناً من الفتان. (۳)

---

(۱) صحيح البخارى - كتاب الجنائز - باب التعوذ من عذاب القبر - ۱/۱۸۴ - ط: قديمى.

سنن النسائى - كتاب الجنائز - باب التعوذ من عذاب القبر - ۱/۲۹۰. ط: قديمى.

المستدرك على الصحيحين - كتاب الامامة وصلاة الجماعة - الدعاء بعد الصلوة - ۱/۵۲۱ - رقم الحديث: ۱۰۴۹ ط: دارالمعرفة بيروت.

كنز العمال - الكتاب الثانى من حرف الهمزة من قسم الاقوال (كتاب الايمان والاسلام) الباب الثامن فى الدعاء -- الفصل السادس فى جوامع الادعية - ۲/۱۹۰ - رقم الحديث: ۳۶۹۵.

(۲) جامع الترمذى - ابواب الدعوات - باب جامع الدعوات - ۲/۲۰۰. ط: قديمى.

(۳) سنن ابن ماجه - ابواب الجهاد - باب فضل الرباط فى سبيل الله - ص ۱۹۸ - ط: قديمى.

كنز العمال - كتاب الجهاد - من قسم الاقوال - الباب الاول - ۴/۲۹۳، ۲۹۴ - رقم الحديث: ۱۰۵۵۹. ط: مؤسسة الرسالة.

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالی کے راستہ میں پہرہ دیتے ہوئے مر جائے، اس کے وہ تمام اعمال جاری رہتے ہیں جو وہ کیا کرتا تھا اور اس کا رزق جاری رکھا جاتا ہے، اور وہ قبر میں امتحان لینے والوں سے محفوظ رہتا ہے (اس سے سوال وجواب نہیں ہوتا)

۴۔حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث (جو پہلے گزر چکی ہے) کے الفاظ یہ ہیں:

"قام رسول الله صلى الله عليه وسلم خطيباً فذكر فتنه القبر" (۱)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، اس میں فتنہ قبر کا ذکر فرمایا۔

مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"انه قد اوحی الیّ انکم تفتنو ن فی القبور" (۲)

ترجمہ: مجھے وحی کی گئی ہے کہ تم سے قبروں میں امتحان ہوتا ہے۔

۵۔حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اللهم انی اعو ذبک من البخل واعو ذبک من الجبن واعو ذبک من ان أُردالٰی ارذل العمرواعو ذبک من فتنه الدنيا واعو ذبک من عذاب القبر". (۳)

---

(۱) صحیح البخاری - کتاب الجنائز - باب ماجاء فی عذاب القبر - ۱/۱۸۳ - ط: قدیمی.

سنن النسائی - کتاب الجنائز - باب التعوذ من عذاب القبر - ۱/۲۹۰. ط: قدیمی.

مشکوۃ المصابیح - کتاب الایمان - باب اثبات عذاب القبر - الفصل الثالث - ۱/۲۶.

(۲) المسند للإمام احمد (م ۲۴۱ ھ) - حدیث اسماء بنت ابی بکر الصدیق - ۱۸/۳۶۷، رقم الحدیث ۲۶۸۰۴.

(۳) صحیح البخاری - کتاب الدعوات - باب الاستعاذة من الجبن والکسل - ۲/۹۴۲، ۹۴۳.

ایضا - باب الاستعاذة من ارذل العمر - ۲/۹۴۲ - ط: قدیمی.

سنن النسائی - کتاب الاستعاذة - باب الاستعاذة من الجبن - ۲/۳۱۳ - ط: قدیمی.

مصنف ابن ابی شیبة - کتاب الجنائز - باب فی عذاب القبر - ۳/۳۷۵ - ط: ادارة القرآن.

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں بزدلی سے اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں نکمی عمر کی طرف اٹھایا جاؤں اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں دنیا کے فتنہ سے اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عذابِ قبر سے۔

۶۔ حضرت ام خالد بنت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"سمعت النبی صلی الله علیه وسلم وهو یتعوذ من عذاب القبر". (۱)

ترجمہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عذابِ قبر سے پناہ مانگتے ہوئے سُنا۔

مصنف ابن شیبہؒ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"قد اوحی الیّ انکم تفتنون فی القبور". (۲)

ترجمہ: مجھے وحی کی گئی ہے کہ قبروں میں تمہارا امتحان ہوتا ہے۔

کنز العمال بحوالہ طبرانی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"استجیروا بالله من عذاب القبر". (۳)

ترجمہ: عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ مانگو۔

۷۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

---

(۱) صحیح البخاری - ابواب الدعاء - باب التعوذ من عذاب القبر - ۲/ ۹۴۲، وایضاً کتاب الجنائز باب التعوذ من عذاب القبر. ۱/ ۱۸۴.

مصنف ابن ابی شیبة کتاب الدعاء ۱۰/ ۱۹۳.

المسند للامام احمد، حدیث ام خالد بنت خالد......الخ ۱۸/ ۴۰۹، رقم الحدیث ۲۶۹۳۵.

کنز العمال - کتاب الموت من قسم الافعال - سوال القبر وعذابه - ۱۵/ ۷۳۷ - رقم الحدیث: ۳۹۳۵.

(۲) مصنف ابن ابی شیبة - کتاب الجنائز - باب فی عذاب القبر - ۳/ ۳۷۵ - ط: ادارة القرآن

(۳) کنز العمال - الکتاب الرابع من حرف المیم من قسم الاول - کتاب الموت واحوال تقع بعده - الباب الثالث الفصل الثانی فی عذاب القبر ۱۵/ ۶۳۸، رقم الحدیث ۲۶۹۳۵.

"فقال: تعوذوا بالله من عذاب القبر فقالوا نعوذ بالله من عذاب القبر"(۱)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اللہ کی پناہ مانگو عذاب قبر سے، پس صحابہ کرامؓ کہنے لگے ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں عذاب قبر سے۔

۸۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اللهم انی اعوذبک من عذاب جهنم ومن عذاب القبر ".(۲)

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے پناہ چاہتا ہوں، جہنم کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے۔

۹۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"رباط يوم و ليلة خير من صيام شهر وقيامه وان مات جرى عليه عمله الذى كان يعمله واجرى عليه رزقه

---

(۱) الصحيح لمسلم - كتاب الجنة وصفة نعيمها - باب عرض مقعد الميت......الخ - ۳۸۶/۲.

شرح السنة - ابواب الدعوات باب الاستعاذة - ۵/۱۲۱، ۱۲۲.

مصنف ابن ابی شيبة - كتاب الجنائز - باب فی عذاب القبر - ۳۷۳/۳ - ط: ادارة القرآن.

كنز العمال - كتاب الاذكار من قسم الافعال - باب فی الاستغفار والتعوذ - ۲۶۳/۲ - رقم الحديث: ۳۹۷۵ - ط: مؤسسة الرسالة بيروت.

(۲) جامع الترمذی - ابواب الدعوات - باب جامع الدعوات - ۱۸۷/۲. ط: قديمی.

سنن النسائی - كتاب الجنائز - باب التعوذ من عذاب القبر - ۲۹۰/۱ - ط: قديمی.

ابن ماجه - ابواب الدعاء - باب ماتعوذ منه رسول الله ﷺ - ۲۷۲، ۲۷۳ - ط: قديمی.

مسند احمد - مسند عبدالله بن عباس رضی الله عنه - ۲۳۴/۳ - رقم الحديث: ۲۷۷۹. ط: دار الحديث القاهرة.

كنز العمال - كتاب الاذكار من قسم الافعال من الكتاب الثانی من حرف الهمزة - تحقيق لفظة دبر - ۲۶۳/۲ - رقم الحديث: نمبر ۳۹۷۶. ط: مؤسسة الرسالة بيروت.

وامن الفتان ".(۱)

ترجمہ: ایک دن رات اسلامی سرحد کا پہرہ دینا ایک مہینے کے قیام وصیام سے افضل ہے۔اور اگر وہ شخص مر جائے تو جو عمل وہ کیا کرتا تھا وہ اس کے لئے برابر جاری رکھا جائے گا اور اس کا رزق بھی جاری رکھا جائے گا اور یہ شخص قبر کے امتحان سے مامون رہے گا۔

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

" رباط یوم فی سبیل الله افضل وربماقال خیر من صیام شهر وقیامه ومن مات فیه وقی فتنة القبر ونمی له عمله الی یو م القیمه ".(۲)

ترجمہ: ایک دن اللہ کے راستے میں پہرہ دینا ایک مہینے کے قیام وصیام سے افضل ہے اور جو شخص اس حالت میں مر جائے اسے قبر کے سوال وجواب سے بچایا جائے گا اور اس کا عمل تا قیامت بڑھتا رہے گا۔

---

(۱) الصحیح لمسلم -کتاب الامارة-باب فضل الرباط فی سبیل الله عزوجل -۲/۱۴۲.

السنن الکبری للبیهقی -کتاب السیر-باب مایبدأ به من سد اطراف المسلمین بالرحال- ۹/۳۸.ط:نشر السنة

کنز العمال -کتاب الجهاد-الباب الاول -۴/۲۹۴-رقم الحدیث:۱۰۵۶۳

مسند احمد -حدیث سلمان الفارسی -۱۷/۹۲-رقم الحدیث:۲۳۶۱۷. ط:دار الحدیث

مشکوة المصابیح-کتاب الجهاد-الفصل الاول-۲/۳۶۹.ط:قدیمی

(۲)جامع الترمذی -ابواب فضائل الجهاد-باب ماجاء ای الناس افضل-۲/۲۹۶.ط:قدیمی

کنز العمال -کتاب الجهاد-الباب الاول -فصل الرباط من الإکمال -۴/۳۲۶،۳۲۷-رقم الحدیث:۱۰۷۳۳،۱۰۷۳۴،۱۰۷۳۷-ط: موسسة الرسالة

مجمع الزوائدومنبع الفوائد للحافظ نور الدین الهیثمی -کتاب الجهاد-باب فی الرباط-۵/۲۹۰-ط: دار الکتاب العربی بیروت لبنان.

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"من مات مر ابطاً اجير من فتنه القبر".(۱)

ترجمہ: جو راہ خدا میں پہرہ دیتے ہوئے مرے اسے فتنہ قبر سے پناہ میں رکھا جائے گا۔

۱۰۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"كان يقول: اللهم انى اعوذبک من العجزو الكسل و الجبن و البخل والهرم وعذاب القبر "(۲)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے، اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عاجز ہونے سے، کسلمندی، بزدلی سے، بخل سے، انتہائی بڑھاپے سے، اور قبر کے عذاب سے۔

ترمذی کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"انه كا ن يتعوذ من الهرم وعذاب القبر "(۳)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پناہ مانگتے تھے انتہائی بڑھاپے سے اور قبر کے عذاب سے۔

---

(۱) المستدرک على الصحيحين ، كتاب الجهاد ، (باب)من رابط يوماً وليلة فى سبيل الله......الخ ۲/ ۴۰۰ ط:دارالمعرفة بيروت لبنان.

مصنف ابن ابی شيبة -كتاب الجهاد-باب ماذكر فضل الجهاد والحث عليه-۵/ ۳۲۷ ط:ادارة القرآن كراچی.

اتحاف السادة المتقين -الباب السابع فى حقيقة الموت ومايلقاه الميت فى القبر. ۱۴/ ۳۰۵. ط:ادارة القرآن كراچی.

(۲) الصحيح لمسلم -كتاب الذكر -باب فى الادعية- ۲/ ۳۵۰.ط:قديمی.

سنن النسائی -كتاب الاستعاذة-باب الاستعاذة من العجز- ۲/ ۳۱۴.ط:قديمی.

مصنف ابن ابی شيبة-كتاب الجنائز-باب فى عذاب القبر-۳/ ۳۷۴.ط:ادارة القرآن كراچی

(۳) جامع الترمذی -ابواب الدعوات -باب ماجاء فى فضل التوبة والاستغفاروماذكر من رحمة الله لعباده- ۲/ ۱۹۷ -ط:قديمی.

۱۱۔حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اللهم انی اعوذبک من الهم والکسل وعذاب القبر" (۱)

ترجمہ: اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں دنیوی افکار سے، کسلمندی سے اور عذاب قبر سے۔

۱۲۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یتعوذ من الجبن والبخل وارذل العمر وعذاب القبر وفتنة الصدر". (۲)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پناہ مانگتے تھے بزدلی سے، بخل سے نکمی عمر، عذاب قبر سے اور سینے کے فتنے سے۔

---

(۱) جامع الترمذی –ابواب الدعوات –باب ماجاء فی جامع الدعوات عن رسول الله ﷺ ۲/۱۸۸.

سنن النسائی کتاب الاستفادة باب الاستعاذة من العجز ص،۳۱۴. ج،۲. ط:قدیمی.

مسند احمد –حدیث ابی بکرة –۵/۱۲۲ –رقم الحدیث: ۲۰۳۰۹ دارالحدیث القاهرة.

المستدرک علی الصحیحین –کتاب الدعاء والتکبیر ......الخ– ۲/۲۲۲ –رقم الحدیث: ۱۹۹۷. ط:دارالمعرفة

مصنف ابن ابی شیبه حواله سابقه

کنز العمال –الکتاب الثانی من حرف الهمزة –من قسم الاقوال(کتاب الایمان والاسلام) – الباب الثامن فی الدعاء –الفصل السادس فی جوامع الادعیة– ۲/۱۸۱ –رقم الحدیث: ۳۶۴۲.

(۲) سنن النسائی –کتاب الاستعاذة–باب الاستعاذة من فتنة الدنیا– ۲/۳۱۶. ط:قدیمی.

مسند احمد–مسند عمربن الخطاب – ۱/۲۲۸ –رقم الحدیث: ۱۴۵. وایضاً ص،۳۲۵. ج،۱. رقم الحدیث ۳۸۸. ط:دارالحدیث القاهرة.

سنن ابن ماجه –ابواب الدعا–باب ماتعوذ منه رسول الله ﷺ –ص ۲۷۳. ط:قدیمی.

المستدرک علی الصحیحین –کتاب الدعاء والتکبیر والتهلیل والتسبیح والذکر–التعوذ من الجبن وغیره...... ۲/۲۱۸ –رقم الحدیث: ۱۹۸۶ ط:دارالمعرفة.

مصنف ابن ابی شیبة –المرجع السابق.

۱۳۔حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"للشهيد عند الله ست خصال يغفر له في اول دفعة ويرىٰ مقعده من الجنة ويجار من عذاب القبر".(۱)

ترجمہ: شہید کو چھ انعام ملتے ہیں (۱) اول مرتبہ میں اس کی بخشش ہوجاتی ہے (۲) جنت میں اس کو اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے (۳) اور اسے عذاب قبر سے بچایا جاتا ہے۔

۱۴۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"لو سالت الله ان يعا فيک من عذابٍ في النار وعذابٍ في القبر لكان خيراً لک".(۲)

ترجمہ: اگر تم اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرتی کہ تمہیں دوزخ کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے عافیت میں رکھیں تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا۔

ترمذی شریف کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اللهم انی اعوذبک من فتنة النار و عذاب النار وعذاب القبر".(۳)

ترجمہ: اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں دوزخ کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے۔

---

(۱)جامع الترمذی-ابواب فضائل الجهاد -باب ماجاء ای الناس افضل-۱/۲۹۵-ط:قديمی.
سنن ابن ماجه -ابواب الجهاد-باب فضل الشهادة فی سبيل الله -ص ۲۰۱-ط:قديمی.
مسند احمد-حديث المقدام بن معديكرب-۱۳/۲۹۳-رقم الحديث:۱۷۱۱۶.-ط: دار الحديث
مشكوة -كتاب الجهاد-الفصل الثانی-۲/۳۳۳.-ط:قديمی.
كنز العمال-كتاب الجهاد-الباب الخامس-الفصل الاول فی الشهادة الحقيقية-۴/۴۰۵- رقم الحديث ۱۱۱۳۲.
(۲) الصحيح لمسلم -كتاب القدر-باب بيان أن الاجال والارزاق ......الخ-۲/۳۳۸.
مسند احمد -مسند عبدالله بن مسعود-۴/۱۴۹-رقم الحديث: ۴۱۱۹.-ط:دارالحديث
مصنف ابن ابی شيبة-كتاب الجنائز-باب فی عذاب القبر-۳/۳۷۳.-ط:ادارة القرآن
شرح السنة-ابواب الدعوات -باب الاستعاذة-۵/۱۶۲، ۱۶۳.-ط:المكتب الاسلامی
(۳)جامع الترمذی -ابوب الدعوات -باب ماجاء فی جامع الدعوات عن رسول الله -۲/۱۸۷.

حاکم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"اللهم انی اعوذبک ....من فتنة الدجال وعذاب القبر".(۱)

ترجمہ:اے اللہ!میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں........دجال کے فتنہ سے اور عذاب قبر سے۔

۱۵۔فضالہ ابن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"الـذی مات مرابطافی سبیل الله فانه ینمی له عمله الی یوم القیٰمة و یامن فتنة القبر".(۲)

ترجمہ:جو شخص راہ خدا میں پہرہ دیتے ہوئے مرجائے قیامت تک اس کا عمل بڑھتا رہتا ہے اور وہ قبر کے فتنہ سے مامون رہتا ہے۔

۱۶۔حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث جو پہلے گزر چکی ہے کے الفاظ یہ ہیں:

"قال ویاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک ...."(۳)

---

(۱) المستدرک علی الصحیحین للامام الحاکم نیسابوری(المتوفی:۴۰۵ھ)-کتاب الدعا والتکبیر الخ-۲/۲۲۳-رقم الحدیث:۲۰۰۰-ط:دارالمعرفة بیروت

(۲)جامع الترمذی-کتاب الجهاد-باب ماجاء فی فضل من مات مرابطا-۱/۲۹۱.-ط:قدیمی

سنن أبی داود-کتاب الجهاد-باب فی فضل الرباط-۱/۳۳۸.-ط:میرمحمدکراچی

مشکوة المصابیح-کتاب الجهاد-الفصل الثانی-۲/۳۳۲-ط:قدیمی

المستدرک للحاکم-کتاب قسم الفئ-باب الذی مات مرابطا فی سبیل الله......الخ-۲/۴۸۵-رقم الحدیث:۲۶۸۴-ط:دار المعرفة بیروت.

مسند احمد-حدیث فضالة بن عبید الانصاری-۱۷/۱۸۱-۲۳۸۳۴-ط: دار الحدیث القاهرة

موارد الظمان-کتاب الجهاد-باب ماجاء فی الرباط-ص ۳۹۱-رقم الحدیث:۱۶۲۴.

اتحاف السادة-الباب السابع فی حقیقة الموت-۱۴/۳۰۵-ط: مکتبة بیروت لبنان.

(۳) سنن أبی داؤد-کتاب السنة-باب ماجاء فی المسئلة فی القبرو فی عذاب القبر-۲/۶۵۴.

المصنف لعبدالرزاق الصنعانی(المتوفی:۲۱۱ھ)-کتاب الجنائز-باب فتنة القبر-۳/۵۸۱-رقم الحدیث:۶۷۳۷. ط:المکتب الاسلامی بیروت

مصنف ابن ابی شیبة-کتاب الجنائز-باب فی المسئلة فی القبر-۳/۳۷۷. ط:ادارة القرآن

ترجمہ: اور میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں پس اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟

(١٧) حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يتعوذ بهن دبر الصلوة أللهم إني أعوذ بك من الجبن واعوذ بك من البخل وأعوذ بك من أرذل العمر وأعوذ بك من فتنة الدنيا وعذاب القبر". (١)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد ان چیزوں سے پناہ مانگا کرتے اور فرماتے اے اللہ! میں آپ سے بزدلی، بخل، ارذل عمر، دنیا کی آزمائش اور عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں"۔

١٨: حضرت سلیمان بن صردؓ اور خالدؓ بن عرفطہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"من قتله بطنه لم يعذب في قبره". (٢)

ترجمہ: "جو شخص پیٹ کے مرض میں فوت ہوا اسے عذاب قبر نہیں ہوگا"۔

١٩: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

---

(١) جامع الترمذي-ابواب الدعوات-باب في دعاء النبي ﷺ وتعوذه ......الخ -١٩٧/٢.

سنن النسائي، كتاب الاستعاذة، باب الاستعاذة من فتنة الدنيا ٣١٥/٢، ٣١٦. -ط: قديمي

سنن ابن ماجه -ابواب الدعاء- باب ماتعوذ منه رسول الله ﷺ- ٢٧٢- -ط: قديمي

(٢) جامع الترمذي للامام الترمذي -ابواب الجنائز - باب ماجاء في الشهداء من هم -٢٠٤/١.

سنن النسائي -كتاب الجنائز-باب من قتله بطنه - ٢٨٨/١. -ط: قديمي

كنز العمال -كتاب الجهاد من قسم الاقوال-الباب الخامس-الفصل الثاني في الشهادة الحقيقية-٤٢٤/٤-رقم الحديث: ١١٢٣٠.

مسند احمد -حديث سليمان بن صرد-١٣٣/١٤، رقم الحديث ١٨٢٢٦ و ٣٣١١٦، رقم الحديث ٢٢٣٩٩ ط: دارالحديث القاهرة

موارد الظمان - زوائد ابن حبان للحافظ نورالدين علي بن ابي بكر الهيثمي كتاب الجنائز- باب في المبطون-ص ١٨٦ -ط: عباس احمدالباز

"اللهم انی اعوذ بک من عذاب القبر ووسوسة الصدر". (۱)

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے اور سینے کے وسواس سے"۔

۲۰: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اللهم انی اعوذ بک من الکسل......واعوذ بک من عذاب القبر واعوذ بک من النار".(۲)

ترجمہ: "اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں سستی سے، قبر کے عذاب اور آگ سے"۔

۲۱: حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"کان النبی صلی الله علیه وسلم یتعوذ من خمس من البخل والجبن وسوء العمر وفتنة الصدر وعذاب القبر". (۳)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ چیزوں سے پناہ مانگا کرتے بخل، بزدلی، بُری عمر، سینے کے فتنہ اور عذاب قبر سے"۔

۲۲: حضرت راشد بن سعد عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"قال یا رسول الله مابال المؤمنین یفتنون فی قبورهم الا الشهید".(۴)

ترجمہ: یارسول اللہ! کیا شہید کے علاوہ تمام مومنوں کو قبر میں آزمایا جائے گا؟۔

---

(۱) جامع الترمذی - ابواب الدعوات - باب ماجاء فی جامع الدعوات - ۲/۱۹۲ - ط: قدیمی.

کنز العمال - الکتاب الثانی من حرف الهمزة من قسم الاقوال (کتاب الایمان) - الباب الثامن فی الدعاء - الفصل السابع فی جوامع الادعیة - ۲/۱۸۰، ۱۸۱ - رقم الحدیث: ۳۶۳۷.

(۲) سنن النسائی - کتاب الاستعاذة - باب الاستعاذة من الهرم ۲/۳۱۲ - ط: قدیمی.

مسند احمد - مسند عبدالله بن عمرو بن العاص - ۲/۲۸۰ - رقم الحدیث: ۶۷۳۴ و ۲/۲۹۰ رقم ۶۷۴۹

(۳) سنن النسائی - کتاب الاستعاذة - باب الاستعاذة من البخل - ۲/۳۱۳ - ط: قدیمی

(۴) سنن النسائی - کتاب الجنائز - باب الشهید - ۱/۲۸۹ - ط: قدیمی

۲۳: حضرت عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اللھم انی اعوذ بک...... ومن فتنة المحيا والممات". (۱)

"ترجمہ: "اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں زندگی اور مرنے کے بعد کے فتنہ سے"۔

۲۴: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اعوذبک...... من عذاب القبر...... ومن فتنة الغنى ومن فتنة القبر". (۲)

ترجمہ: "اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے، دولت کے فتنہ سے اور قبر کی آزمائش سے"۔

۲۵: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"ان هذه الامة تبتلىٰ فى قبورها......". (۳)

ترجمہ: "بے شک یہ امت قبروں میں آزمائی جاتی ہے"۔

مصنف عبدالرزاق کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"فامر اصحابه ان يتعوذوا من عذاب القبر". (۴)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کو فرمایا کہ عذاب قبر سے پناہ مانگا کرو"۔

---

(۱) سنن النسائی - كتاب الاستعاذة - باب الاستعاذة من الهرم - ۲/۳۱۶ - ط: قديمی

(۲) المستدرك على الصحيحين للحاكم النيسابوری (م۴۰۵ھ) - كتاب الدعاء والتكبير...... الخ - باب دعاء ابی بكر الصديق - ۲/۲۰۹ - رقم الحديث: ۱۹۶۵ - ط: دار المعرفة

(۳) مسند احمد - مسند انس بن مالك - ۱۱/۱۸۳ - رقم الحديث: ۱۳۳۸۱. ط: دار الحديث

كنز العمال - الكتاب الرابع من حرف الميم - كتاب الموت - الباب الثالث - الفصل الاول - ۱۵/۶۳۶ - رقم الحديث: ۴۲۵۰۸.

مجمع الزوائد - كتاب الجنائز - باب السوال فی القبر - ۳/۴۸.

(۴) المصنف لعبدالرزاق الصنعانی - كتاب الجنائز - باب فتنة القبر - ۳/۵۸۴، ۵۸۵ رقم الحديث: ۶۷۴۲. ط: المكتب الاسلامی.

۲۶: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث جو گذر چکی ہے، کے الفاظ یہ ہیں:

"ان هذه الامة تبتلى فى قبورها". (۱)

ترجمہ: "بے شک یہ امت اپنی قبروں میں آزمائی جاتی ہے"۔

مجمع الزوائد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"من توفى مرابطا وقى فتنة القبر". (۲)

ترجمہ: "جو شخص اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے فوت ہوا وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا"۔

موارد الظمان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"لو لا ان تدافنوا لدعوت الله ان يسمعكم عذاب القبر الذى اسمع منه ان هذه الامة تبتلى فى قبورها". (۳)

ترجمہ: "اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دوگے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں بھی عذاب قبر سنا دے جو میں سنتا ہوں"۔

اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین کے الفاظ یہ ہیں:

"من توفى مرابطا وقى فتنة القبر". (۴)

ترجمہ: "جو شخص اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے فوت ہوا وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا"۔

---

(۱) المسند للامام احمد بن حنبل – حديث براء بن عازب رضى الله عنه –۱۱/۱۸۳–رقم الحديث ۱۳۳۸۱.
مصنف ابن ابى شيبة باب فى المسئلة فى القبر ۳/۳۷۷.

(۲) مجمع الزوائد –كتاب الجهاد–باب فى الرباط–۵/۲۸۹، ۲۹۰.

(۳) موارد الظمان –كتاب الجنائز–باب الراحة فى القبر وعذابه–ص ۱۹۹–رقم الحديث: ۷۸۵
كنز العمال–الكتاب الرابع من حرف الميم من قسم الاقوال–كتاب الموت–الباب الثالث، الفصل الثانى فى عذاب القبر (الاكمال) ۱۵/۶۴۴ رقم ۴۲۵۴۵.

(۴) اتحاف السادة المتقين –الباب السابع فى حقيقة الموت–۶/۳۰۶.

۲۷: حضرت ام مبشر رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"استعیذوا باللہ من عذاب القبر قلت یا رسول اللہ: وللقبر عذاب؟ قال انھم لیعذبون فی قبورھم عذاباً تسمعہ البھائم". (۱)

ترجمہ: "عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگا کرو۔ میں نے عرض کیا! یارسول اللہ کیا قبر میں عذاب ہوگا؟ فرمایا ہاں! ان (کفار) کو قبر میں ایسا عذاب دیا جارہا ہے جسے تمام جانور سُنتے ہیں"۔

۲۸: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"ویومن من فتان القبر". (۲)

ترجمہ: "جو شخص اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے فوت ہوا وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا"۔

۲۹: حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"الا ان فلان بن فلان فی ذمتک وحبل جوارک فقہ فتنة القبر وعذاب النار". (۳)

ترجمہ: "اے اللہ! فلاں بن فلاں آپ کی امان اور آپ کے جوار میں آیا ہے اسے قبر کی آزمائش سے بچالیجئے"۔

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبة – کتاب الجنائز – باب فی عذاب القبر – ۳ – ۳۷۴ ط: ادارة القرآن.
موارد الظمان کتاب الجنائز باب الراحة فی القبر وعذابه – ص ۲۰۰.
مجمع الزوائد – کتاب الجنائز – باب فی عذاب القبر – ۳/۵۶.

(۲) مسند احمد – حدیث عقبة بن عامر – ۱۳/ ۳۵۱ – رقم الحدیث: ۱۷۲۹۲.
مجمع الزوائد کتاب الجهاد باب فی الرباط ۵/ ۲۸۹.
اتحاف السادة المتقین – الباب السابع فی حقیقة الموت – ۱۴/ ۳۰۵.

(۳) مسند احمد – حدیث واثلة بن الاسقع – ۱۲/ ۴۱۷ – رقم ۱۵۹۶۰.

۳۰: جارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اللهم انی اعوذ بک من عذاب القبر وفتنة القبر". (۱)

ترجمہ: "اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عذاب قبر اور فتنہ قبر سے"۔

۳۱: حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"ویجار من عذاب القبر". (۲)

ترجمہ: "اور (شہید) عذاب قبر سے محفوظ رہے گا"۔

۳۲: حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"کیف بک یا عمر! بفتانی القبر". (۳)

ترجمہ: "اے عمر! اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب قبر میں تیرے پاس منکر ونکیر آئیں گے"۔

۳۳: حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"فقال او ماعلمتم ما اصاب صاحب بنی اسرائیل کان الرجل منهم اذا اصابه الشئی من البول قرضه بالمقراض فنهاهم عن ذالک فعذب فی قبره". (۴)

ترجمہ: "جانتے نہیں ہو کہ بنی اسرائیل کے اس آدمی کے ساتھ کیا ہوا؟ بنی اسرائیل میں سے کسی کو اگر کہیں پیشاب لگ جاتا تو اسے مقراض (قینچی) سے کاٹ لیتا مگر اس شخص نے انکو اس سے روکا جس کی وجہ سے اسے عذاب قبر دیا گیا"۔

(۱)مسند احمد –حدیث امرأة جارة النبی ﷺ –۲۷۳/۱۶–رقم ۲۲۲۲۸.

(۲)مسند احمد –حدیث مقدام بن معدیکرب –۲۹۳/۱۳، رقم ۱۷۱۱۶.

مجمع الزوائد –کتاب الجهاد– باب ماجاء فی الشهادة وفضلها–۲۹۳/۵.

(۳)المصنف لعبدالرزاق–کتاب الجنائز–باب فتنة القبر–۵۸۲/۳. ط:المکتب الاسلامی.

(۴)مصنف ابن ابی شیبة–کتاب الجنائز–باب فی عذاب القبر–۳۷۵/۳، ۳۷۶. ط:ادارة القرآن

۳۴:حضرت یعلی بن شبابہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"ان صاحب هذا القبر يعذب......". (۱)

ترجمہ:"بے شک اس قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے"۔

۳۵:حضرت حکم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اللهم انى اعوذ بک من غلبة العدو ومن غلبة الدين وفتنة الدجال وعذاب القبر". (۲)

ترجمہ:"اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں دشمن کے غلبہ سے، قرض کے غلبہ سے، فتنہ دجال اور عذاب قبر سے"۔

۳۶:حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے اثر کے الفاظ یہ ہیں:

"فان بها عذابا من عذاب القبر". (۳)

ترجمہ:"بے شک وہاں عذاب قبر کی طرح کا ایک عذاب ہے"۔

۳۷:حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"واعوذ بک من عذاب القبر واعوذ بک من عذاب النار". (۴)

ترجمہ:"اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے اور آگ کے عذاب سے"۔

۳۸:حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"حادت عن رجل يضرب فى قبره من اجل النميمة". (۵)

---

(۱)مصنف ابن ابی شيبة-كتاب الجنائز-باب فى عذاب القبر-۳/۳۷۶. ط:ادارة القرآن.

(۲)مصنف ابن ابی شيبة-كتاب الدعاء-۱۰/۱۹۵-رقم الحديث:۹۲۰۱.

(۳)مصنف ابن ابی شيبة-كتاب الجهاد-باب ماذكر فى فضل الجهاد والحث عليه-۵/۳۲۶.

(۴)كنز العمال-كتاب الاذكار-الباب الثامن فى الدعاء-الفصل السادس-۲/۲۱۰-رقم الحديث:۳۸۰۰.

(۵)كنز العمال-الكتاب الرابع من حرف الميم-كتاب الموت من قسم الافعال-باب فى اشياء قبل الدفن،سوال القبروعذابه، ۱۵/۷۳۹ رقم الحديث ۴۲۹۳۹ .

ترجمہ:''(میرا نچر اس لئے) بدکا ہے کہ ایک شخص کو قبر میں چغل خوری کرنے کی وجہ سے مارا جارہا ہے''۔

۳۹: حضرت میمونہؓ مولاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''یا میمونة تعوذی بالله من عذاب القبر''. (۱)

ترجمہ:''اے میمونہؓ! اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو عذاب قبر سے''۔

۴۰: حضرت ابوالحجاج ثمالیؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''یقول القبر للمیت......الم تعلم أنی بیت الظلمة وبیت الفتنة......''. (۲)

ترجمہ:''قبر میت سے کہتی ہے کہ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میں اندھیرے اور آزمائش کا گھر ہوں''۔

۴۱: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''من رابط فی سبیل الله أمنه الله من فتنة القبر''. (۳)

ترجمہ:''جس شخص نے اسلامی سرحد پر پہرہ دیا اُسے اللہ فتنہ قبر سے محفوظ فرمادیں گے''۔

---

(۱) کنز العمال –حواله سابقه–۱۵/۶۳۵–رقم الحدیث: ۴۹۹۳۵.

(۲) کنز العمال –الکتاب الرابع من حرف المیم–الباب الثانی فی عذاب القبر، رقم الحدیث: ۴۲۵۱۴.

حلیة الاولیاء لابی نعیم الاصبهانی–ابوبکر الغسانی– ۶/۹۰–رقم السلسلة: ۳۳۴–ط: مطبعة السادة مصر.

اتحاف السادة المتقین –کتاب آداب الاخوة والصحبة، الباب الثانی فی حقوق الاخوة والصحبة (حقوق المسلم) ۷/۲۶۱ ط: دار الکتب العلمیه.

(۳) مجمع الزوائد –کتاب الجهاد –باب فی الرباط –۵/۲۸۹.

کنز العمال –کتاب الجهاد –الباب الاول فی الترغیب فیه ۴/۲۸۲ رقم ۱۰۴۹۷.

۴۲: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"رباط يوم وليلة يعدل صيام شهر وقيامه......ويوقى الفتان". (۱)

ترجمہ: "ایک دن اللہ کے راستے میں پہرہ دینا ایک مہینے کے قیام وصیام سے افضل ہے......اور جو شخص اس حال میں مرجائے اُسے قبر کے سوال وجواب سے بچالیا جائے گا"۔

۴۳: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"من مات مرابطا في سبيل الله......امن من الفتان ويبعثه الله تعالىٰ آمنا من الفزع الاكبر". (۲)

ترجمہ: "جو شخص اللہ کے راستہ میں پہرہ دے......اللہ تعالیٰ اُسے منکر ونکیر کے سوال وجواب سے محفوظ رکھے گا اور قیامت کے دن گھبراہٹ سے بھی وہ مامون رہے گا"۔

۴۴: حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اذا وضع الميت في قبره احتوشته اعماله الصالحة وجاء ملك العذاب فيقول له بعض اعماله اليک عنه. فلو لم يكن الا انا لما وصلت اليه". (۳)

ترجمہ: "جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے اعمال صالحہ اسے گھیر لیتے ہیں اور جب فرشتۂ عذاب آنے لگتا ہے تو اس کے اعمال صالحہ میں سے ایک عمل کہتا ہے اس سے دور رہیے اگر میں اکیلا ہی ہوتا تب بھی آپ اس کے قریب نہیں آسکتے تھے"۔

---

(۱) كنز العمال -كتاب الجهاد -الباب الاول -(فصل في الرباط من الاكمال) ۴/۳۲۷- رقم: ۱۰۷۴۰.

مجمع الزوائد-كتاب الجهاد-باب في الرباط-۵/۲۹۰.

(۲) اتحاف السادة المتقين، الباب السابع في حقيقة الموت-۱۴/۳۰۶.

(۳) حلية الاولياء-سلام بن أبي مطيع-۶/۱۸۹-رقم السلسلة-۳۶۰.

۴۵: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اللهم اغفر لابی سلمة وارفع درجته......اللهم افسح له فی قبره ونور له فيه". (۱)

ترجمہ: "اے اللہ ابوسلمہ کی مغفرت فرما اور اس کے درجات بلند فرما......اے اللہ اس کی قبر کو کشادہ فرما اور اسکو منور فرما۔

۴۶: حضرت عوف ابن مالک کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اللهم اغفر له......واعذه من عذاب القبر". (۲)

ترجمہ: "اے اللہ اس کی مغفرت فرما اور اسے عذاب قبر سے نجات عطا فرما۔

منکر اور نکیر میت کو قبر میں بٹھاتے ہیں:

احادیث شریفہ میں جہاں میت کے پاس منکر نکیر کے آنے اور سوال وجواب کرنے کا ذکر آتا ہے وہاں یہ مضمون بھی متواتر احادیث میں وارد ہے کہ نکیرین میت کو بیٹھنے کا حکم دیتے ہیں اور وہ سوال وجواب

---

(۱) الصحيح لمسلم - كتاب الجنائز - فصل فى القول الخير عند المحتضر - ص ۱/ ۳۰۱.

جامع الاصول فى احاديث الرسول للامام محمدبن الاثير الجزرى (المتوفى: ۶۰۶ ھ) - الكتاب الخامس فى الموت ومايتعلق به - الباب الثانى - الفصل الاول - فى مقدمات الموت ونزوله - ۱۱/ ۸۴ - ط: مطبعة الملاح. بيروت

سنن أبى داؤد - كتاب الجنائز - باب تغميض الميت - ۱/ ۴۴۵ - ط: مير محمد.

مسند احمد - حديث ام سلمة زوج النبى ﷺ - ۱۸/ ۲۵۵، ۲۵۶ - رقم: ۲۶۴۲۲ - ط: دار الحديث

سنن الكبرى للامام البيهقى - ۳/ ۳۸۴.

شرح السنة - كتاب الجنائز - باب اغماض الميت - ۵/ ۳۰۰ - ط: المكتب الاسلامى.

اتحاف السادة - كتاب الاذكار والدعوات - الباب الخامس فى الادعية الماثورة - ۵/ ۳۶۸.

(۲) الصحيح لمسلم - كتاب الجنائز - فصل فى الدعاء للميت - ۱/ ۳۱۱ - ط: قديمى.

سنن النسائى - كتاب الجنائز - باب فى الدعاء - ۱/ ۲۸۱ - ط: قديمى.

مسند احمد - حديث عوف بن مالك الاشجعى - ۱۷/ ۱۸۹ - رقم: ۲۳۸۵۷.

کے لئے قبر میں اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث کا حوالہ دینا کافی ہوگا:

۱:حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"اتاه ملكان فاقعداه". (۱)

ترجمہ:"قبر میں میت کے پاس دوفرشتے آتے ہیں اوراسے بٹھلاتے ہیں۔

۲:حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"اذا اقعدالمومن فى قبره". (۲)

ترجمہ:"مومن کو جب قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔

(۱)صحيح البخارى -كتاب الجنائز-باب الميت يسمع خفق النعال-۱/۱۷۸-وايضاً. كتاب الجنائز . باب ماجاء فى عذاب القبر ۱/۱۸۴. ط:قديمى.

الصحيح لمسلم-كتاب التوبة -باب عرض مقعد الميت من الجنة والنار-۲/۳۸۶. ط:قديمى

سنن النسائى -كتاب الجنائز-باب المسئلة فى القبر-۱/۲۸۸

الاحسان بترتيب ابن حبان-كتاب الجنائز-فصل فى احوال الميت فى قبره ذكرالاخبار عمايعمل المسلم والكافر-۵/۴۹-رقم الحديث:۳۱۱۰.ط:دارالكتب العلمية

شرح السنة -كتاب الجنائز -باب السوال فى القبر -۵/۴۱۵.

كنز العمال -الكتاب الرابع من حرف الميم من قسم الاقوال -كتاب الموت-الباب الثالث فى امور بعد الدفن -الفصل الاول فى سوال القبر ۱۵/۶۳۴ ، رقم ۴۲۵۰۳.ط:مؤسسة الرسالة

مشكوة المصابيح-كتاب الايمان -باب اثبات عذاب القبر-الفصل الاول-۱/۲۴ .

(۲)صحيح البخارى -كتاب الجنائز-باب ماجاء فى عذاب القبر-۱-۱۸۳ -ط:قديمى

ابو داؤد -كتاب السنة باب فى المسئلة فى القبر وعذاب القبر -۲/۶۵۴ -ط:ميرمحمد

مصنف ابن ابى شيبة -كتاب الجنائز-باب فى نفس المومن كيف تخرج ونفس الكافر-۳/۳۸۱- -ط:ادارة القرآن

مشكوة المصابيح-كتاب الايمان -باب اثبات عذاب القبر-الفصل الثانى -۱/۲۵ - ط:قديمى

مسند احمد میں ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''فیاتیه ملکان فیجلسانه''. (۱)

ترجمہ: ''پس اس میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھلاتے ہیں:

۳: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''ان المیت یصیر الی القبر فیجلس الرجل الصالح فی قبره غیر فزع ولا مشغوف......الی قوله......ویجلس الرجل السوء فی قبره فزعا مشغوفا''. (۲)

ترجمہ: ''بلاشبہ میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو نیک صالح آدمی کو بٹھایا جاتا ہے، اس وقت نہ وہ گھبرایا ہوا ہوتا ہے اور نہ پریشان......اور بُرے آدمی کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے، اس وقت وہ نہایت گھبرایا ہوا پریشان ہوتا ہے۔

مستدرک حاکم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

''فیقال له اقعد فیقعد وتمثل له الشمس''. (۳)

---

(۱) المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث البراء بن عازب من قسم الاقوال، کتاب الموت الخ، الباب الثالث فی امور بعدالدفن الفصل الاول فی سوال القبر ۱۴/۲۰۲، رقم ۱۸۴۴۳.

کنز العمال الکتاب الرابع من حرف المیم-۱۵/۶۲۷-رقم الحدیث: ۴۲۴۹۴.

(۲) سنن ابن ماجه -ابواب الزهد-باب ذکر القبر والبلی -۳۱۵- ط: قدیمی.

موارد الظمان -کتاب الجنائز-باب فی المیت یسمع ویسئل -۱۹۷-رقم الحدیث: ۷۸۱

کنز العمال -۱۵/۲۳۰، ۲۳۱، رقم الحدیث: ۴۲۴۹۶

شرح الصدوربشرح حال الموتی والقبورللاما جلال الدین السیوطی(م ۹۱۱ ھ)، باب فتنة القبر وسوال الملکین ص۵۸، ط: مطابع الرشید بالمدینة المنوره

مشکوة المصابیح-کتاب الایمان -باب اثبات عذاب القبر-الفصل الثالث -۱/۲۶.

(۳) المستدرک للحاکم -کتاب الجنائز-باب المیت یسمع خفق نعالهم-۱/۵۱۷.

ترجمہ: ''میت کو کہا جاتا ہے کہ بیٹھ جا۔ پس وہ (اُٹھ کر) بیٹھ جاتا ہے اور اسے سورج (غروب ہوتا ہوا) نظر آتا ہے۔

مجمع الزوائد میں بروایت طبرانی ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''فيقال له اجلس فيجلس وقد مثلت له الشمس للغروب''. (۱)

ترجمہ: ''پس اسے (میت سے) کہا جاتا ہے کہ اٹھ کر بیٹھ جا پس وہ بیٹھ جاتا ہے اور اسے سورج غروب ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔

۴: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

''فاذا الانسان دفن فتفرق عنه اصحابه جاء ملك في يده مطراق فاقعده......''. (۲)

ترجمہ: ''پس جب کسی انسان کو دفن کر کے اس کے دفن کرنے والے وہاں سے منتشر ہوجاتے ہیں تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک گرز ہوتا ہے پس وہ اسکو بٹھلاتا ہے......

۵: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے:

''قال فينا ديه قال فيجلس فيقول له......''. (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد –كتاب الجنائز –باب السوال في القبر –۳/ ۵۱

(۲) مسند احمد –مسند ابى سعيد الخدرى –۱۰/۱۰۱۱–رقم الحديث: ۱۰۹۴۲. ط: دار الحديث.
مجمع الزوائد –كتاب الجنائز –باب السوال في القبر –۳/۴۷.
كنز العمال –۱۵/ ۶۳۷–رقم الحديث: ۴۲۵۰۹.
اتحاف السادة المتقين–۱۴–۳۶۹.
شرح الصدور –باب فتنة القبر وسوال الملكين–ص ۵۵.

(۳) مسند احمد –حديث اسماء بنت ابى بكر الصديق –۱۸/۳۸۳–رقم الحديث: ۲۶۸۵۵ط: دار الحديث
مجمع الزوائد –كتاب الجنائز –باب السوال في القبر –۳/ ۵۱.
كنز العمال –۱۵/ ۶۳۵–رقم الحديث: ۴۲۵۰۶.
اتحاف السادة المتقين –باب بيان سوال منكر ونكير–۱۴/ ۳۶۹.

ترجمہ:''فرمایا قبر میں میت کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور وہ اسے آواز دیتا ہے اور اسے بٹھلا دیتا ہے اور اسے کہتا ہے......

کنز العمال میں ایک دوسری روایت میں حضرت اسماء کی حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

''ان المومن یقعد فی قبرہ''. (۱)

ترجمہ:''بلاشبہ مومن کو قبر میں بٹھلایا جاتا ہے۔

۶:حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''فاذا کان الرجل الصالح اجلس فی قبرہ غیر فزع ولا مشغوف......''. (۲)

ترجمہ:''جب میت نیک صالح ہو تو اسکو قبر میں بٹھلایا جاتا ہے اور اس وقت اسے کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں ہوتی۔

۷:حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

''اما المنافق فیقعد اذا تولی عنہ اھلہ......''. (۳)

ترجمہ:''رہا منافق تو جب اس کے دفن کرنے والے چلے جاتے ہیں تو اسکو (قبر میں) بٹھلایا جاتا ہے۔

---

(۱)شرح الصدور –ص ۵۹

(۲)مجمع الزوائد –کتاب الجنائز –باب السوال فی القبر –۴۸/۳. ط:دار الکتب العلمیة بیروت

مسند احمد –حدیث السیدة عائشة–۵۰۶،۵۰۷/۱۷–رقم الحدیث: ۲۴۹۷۰ ط:دار الحدیث

اتحاف السادة –۳۶۹/۱۴.

شرح الصدور –باب فتنة القبر وسوال الملکین–ص ۵۹.

(۳)مسند احمد –مسند جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ –۵۲۵/۱۱ –رقم الحدیث:۱۴۶۵۷

ط:دار الحدیث القاهرة.

کنز العمال –۶۳۶/۱۵ –رقم الحدیث:۴۲۵۰۸.

اتحاف السادة المتقین –۳۶۵/۱۴.

شرح الصدور –ص ۵۰.

سنن ابن ماجہ میں ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"اذا ادخل الميت مثلت الشمس عند غروبها فيجلس يمسح عينيه......". (١)

ترجمہ:"جب میت کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اسے سورج غروب ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے پھر اسے بٹھلایا جاتا ہے اور وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔

۸: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"ان المومن اذا مات اجلس فی قبره فيقال من ربک". (٢)

ترجمہ:"مومن جب مرجاتا ہے تو اسے قبر میں بٹھلایا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟

۹: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث میں ہے:

"ثم جاءک ملكان اسود ان ازرقان جعدان اسمائهما منكر و نكير فاجلساک ثم سألاک......". (٣)

ترجمہ:"پھر تیرے پاس سیاہ رنگ کیری آنکھوں میں ڈراؤنی شکل والے دوفرشتے آئیں گے جنکے نام منکر اور نکیر ہیں پھر وہ تمہیں بٹھائیں گے اور تم سے سوال کریں گے۔

۱۰: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"ان الميت يسمع خفق نعالهم حين يولون قال ثم يجلس فيقال له......". (٤)

---

(١)سنن ابن ماجه-ابواب الزهد-باب ذكر القبر والبلى -٣١٥. ط:قديمي.

(٢)مجمع الزوائد -كتاب الجنائز -باب السوال فى القبر -٣/٥٤.

اتحاف السادة المتقين-١٤/٢٦٦.

شرح الصدور -ص ٥٣.

(٣)مصنف ابن ابى شيبة -كتاب الجنائز -باب فى المسئلة فى القبر -٣/٣٧٩،٣٧٨.ط: ادارة القرآن

(٤)اتحاف السادة المتقين -١٤/٢٦٥،٢٦٦.

شرح الصدور -ص ٥٢.

ترجمہ: ''بلاشبہ میت دفن کر کے واپس جانے والوں کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے فرمایا
پھر اسکو بٹھایا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے......''۔

۱۱: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"ان المؤمن اذا مات اجلس في قبره......". (۱)

ترجمہ: ''بلاشبہ جب کوئی مؤمن مرجاتا ہے تو اسے قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔

۱۲: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

اتاه منكر ونكير فيجلسانه في قبره ......(۲)

ترجمہ: ''میت کے پاس منکر اور نکیر آتے ہیں اور اسے قبر میں بٹھاتے ہیں''۔(۳)

میت کا جنازہ اٹھانے والوں کے کندھوں پر بولنا

جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے اور اس کی میت اٹھا کر قبرستان لے جائی جارہی ہو، میت اگر نیک صالح ہو تو کہتی ہے مجھے میرے ٹھکانے پر جلدی لے جاؤ، اور اگر وہ بدکار ہو تو کہتی ہے کہ ہائے افسوس مجھے کہاں لے جارہے ہو؟ مندرجہ ذیل احادیث میں اس کا ذکر ہے:

عن أبي سعيد رضي الله عنه يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا وضعت الجنازة فاحتملها الرجال على اعناقهم فإن كانت صالحة قالت قدموني قدموني وان كانت غير صالحة قالت ياويلها

---

(۱) اتحاف السادة المتقين-باب بيان سوال منكر نكير-۱۴/۳۶۸.
مجمع الزوائد -كتاب التفسير -سورة ابراهيم -۷/۴۴.
شرح الصدور -ص ۵۵،۵۶ (ابن ابي حاتم ، طبراني في الاوسط ،ابن منده)
(۲) اتحاف السادة المتقين-۱۴/۳۶۸.
شرح الصدور -ص ۵۴.
(۳) حیات الانبیاء علیہم السلام کے موضوع پر یہ تفصیلی مقالہ یہاں تک ''ماہنامہ بینات'' میں گیارہ قسطوں میں شائع ہوا تھا بقیہ قسطیں ماہنامہ کی بجائے ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' کی دسویں جلد میں شامل کی گئی تھیں۔ہم نے یہاں پورا مقالہ شامل کرنے کے لئے مقالہ کی بقیہ قسطیں ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' سے لی ہیں (مرتب)

این تذهبون بها یسمع صوتها کل شیٔ الا الانسان ولو سمعها الانسان لصعق (۱)

ترجمہ...... حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جنازہ رکھا جاتا ہے پس لوگ اس کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے ہیں تو اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ مجھے جلدی لے جاؤ مجھے جلدی لے جاؤ، اور اگر نیک نہیں ہوتا تو کہتا ہے کہ ہائے میری ہلاکت تم اس جنازہ کو کہاں لے جارہے ہو؟ اس کی آواز کو ہر چیز سنتی ہے سوائے انسان کے اور اگر اس کو انسان سن لیتا تو بے ہوش ہوجاتا۔“

”عن عبدالرحمن بن مهران أن أبا هريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا وضع الرجل الصالح على سريره قال قدموني قدموني وإذا وضع الرجل يعني السوء على سريره قال ياويلتي اين تذهبون بي.“(۲)

ترجمہ...... ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ ایک نیک آدمی کی میت کو جنازہ کی چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ

(۱)صحیح البخاری –کتاب الجنائز –باب حمل الرجال الجنازة دون النساء – ۱/۱۷۵،۱۷۶،
وایضاً باب کلام المیت علی الجنازة قدمونی. ۱/۱۸۴. ط:قدیمی.

مسند احمد– مسند ابی سعید الخدری –۱۰/۱۳۲ –رقم الحدیث: ۱۱۳۱۱ ط:دارالحدیث القاهرہ
سنن النسائی –کتاب الجنائز –باب السرعة بالجنازة– ۱/۲۷۰ ط:قدیمی کتب خانہ.

السنن الکبری للبیهقی–کتاب الجنائز–جماع ابواب المشی بالجنازة–باب الاسراع فی المشی بالجنازة–۴/۲۱ ط:نشر السنة ملتان پاکستان.

شرح السنة للبغوی–کتاب الجنائز–باب الاسراع بالجنازة–۵/۳۲۵ ط: المکتب الاسلامی
کنز العمال .

(۲)سنن النسائی –کتاب الجنائز–باب السرعة بالجنازة– ۱/۲۷۰ ط:قدیمی.
السنن الکبری للبیهقی –کتاب الجنائز–جماع ابواب المشی بالجنازة–باب الاسراع فی المشی بالجنازة –۴/۲۱ ط:نشر السنة ملتان.

مجھے (جلدی) آگے لے چلو، (جلدی) آگے لے چلواور جب کسی بدکار آدمی کی میت کو جنازہ کی چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ اے میری ہلاکت! مجھے کہاں لے جارہے ہو؟

قبر کا بھینچنا

میت کو جب دفن کیا جاتا ہے، اس کے پاس منکر ونکیر آتے ہیں اور سوال جواب کرتے ہیں، اور پھر مردے کے ساتھ اس کے اعمال کے مطابق معاملہ کیا جاتا ہے۔

بعض اوقات قبر مردے کو بھینچتی ہے اس کو "ضغطة القبر" فرمایا گیا ہے مندرجہ ذیل حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

حدیث ابن عمرؓ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

قال هذا الذی تحرک له العرش وفتحت له ابواب السماء وشهده سبعون الفا من الملائكة لقد ضم ضمة ثم فرج عنه (۱)

ترجمہ...... فرمایا یہ وہ تھے جن کی موت پر عرش بھی ہل گیا تھا اور اس (کی روح) کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے تھے اور اس کے جنازہ میں ستر ہزار ملائکہ نازل ہوئے تھے مگر اسے بھی قبر نے بھینچا مگر بعد میں وسیع ہوگئی۔

---

(۱) سنن النسائی - کتاب الجنائز - باب ضمة القبر وضغطته - ۱/ ۲۸۹ ط: قدیمی

اتحاف السادة المتقين - باب بيان سوال منكر ونكير - فصل فی فوائد المنثورة تتعلق بالسوال - ۱۴ - ۳۷۵.

مصنف ابن ابی شيبة - كتاب الجنائز - ۳/ ۳۷۷.

كنز العمال - ذكرهم متفرقين على ترتيب حروف المعجم - حرف السين - (سعد بن معاذ) ۱۱/ ٦٨٦ - رقم الحديث: ۳۳۳۱۵ ط: موسسة الرسالة بيروت.

شرح الصدور - باب ضمة القبر لكل أحد - ۴۵.

المعتصر من المختصر.

حدیث عائشہؓ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"ان للقبر ضغطة ولو كان احد ناجيا منها نجامنها سعد بن معاذ(۱)

ترجمہ...... بلاشبہ قبر کے لئے بھینچنا ہے، اگر اس سے کسی کو نجات ہوتی تو (حضرت) سعد بن معاذ ضرور اس سے بچ جاتے۔"

حدیث جابرؓ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"قال لقد تضايق على هذا العبد الصالح قبره حتى فرجه الله

---

(۱) المعتصر من المختصر من مشكل الاثار للقاضي أبي المحاسن يوسف بن موسى الحنفي –في فتنة القبر– ۱۱۵/۱ –ط: حيدر آباد دكن.

الاحسان بترتيب ابن حبان –كتاب الجنائز –فصل في احوال الميت في قبره –ذكر البيان بأن ضغطة القبر لاينجو منها احد......الخ ۴۳،۴۴/۵ –رقم الحديث: ۳۱۰۲ ط: دار الكتب العلمية

مسند احمد –حديث السيدة عائشة بنت ابي بكر الصديق –۲۸۲/۱۷ –رقم الحديث: ۲۴۱۶۴، ورقم: ۲۴۵۴۴ ، ۳۹۷/۱۷ ط: دار الحديث القاهرة

مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للحافظ نور الدين علي بن ابي بكر الهيثمي (م۸۰۷ھ) –كتاب الجنائز –باب في ضغطة القبر –۴۶/۳ ط: دار الكتاب بيروت

كنز العمال –الكتاب الرابع من حرف الميم من قسم الاقوال –كتاب الموت ......الخ الباب الثالث في امور بعد الدفن –الفصل الثاني في عذاب القبر ۶۳۲/۱۵ –رقم الحديث: ۴۲۵۳۷ ط: موسسة الرسالة بيروت.

اتحاف السادة –باب بيان سوال منكر ونكير –فصل في فوائد المنشورة تتعلق – ۳۷۵/۱۴

البداية والنهاية –وفاة سعد بن معاذ –۱۳۰/۴/۲ دار الريان للتراث مصر.

شرح الصدور –باب ضمة القبر لكل احد –ص۴۵.

عزوجل عنه(۱)

ترجمہ......فرمایا بلاشبہ اس نیک اور صالح آدمی پر اس کی قبر تنگ ہوگئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے کشادگی فرمادی۔''

حدیث ابوہریرہؓ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''یضیق علیه قبره حتی تلتقی اضلاعه (۲)

ترجمہ......اس پر قبر تنگ کردی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔''

---

(۱) مسند احمد -مسند جابر بن عبد الله الانصاری رضی الله عنه- ۱۱/۱۲ -رقم الحدیث ۱۴۸۰۹ .ط:دار الحدیث القاهره

مشکوة المصابیح -کتاب الایمان -باب اثبات عذاب القبر الفصل الثالث- ۲۶/۱ ط:قدیمی

کنز العمال -(۲۴۲)

مجمع الزوائد -حواله سابقه-۳-۴۲

شرح الصدور -ص ۴۵ حواله سابقه حاشیه نمبر۸

البدایة والنهایة (۱۲۸/۴)

(۲)مصنف عبدالرزاق(۵۶۸/۳)

موارد الظمان إلی زوائد ابن حبان -کتاب الجنائز-باب فی المیت یسمع ویسأل -۱۹۸- رقم الحدیث: ۷۸۱ ، ط:دار الکتب العلمیة

الاحسان بترتیب ابن حبان للامیر علاوالدین علی بن بلبان الفارسی(م۷۳۹ ھ)-کتاب الجنائز-فصل فی احوال المیت فی قبره-۴۶/۵-رقم الحدیث:۳۱۰۳ ، ط:دار الکتب العلمیة

اتحاف السادة المتقین (۴۰۴/۱۰)

حدیث ابوسعیدؓ:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

قال یضیق علیه قبره حتی تختلف اضلاعه(۱)

ترجمہ......فرمایا اس پر قبر تنگ کردی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔

حدیث ابن عمرؓ:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ثم یومر به فی قبره فیضیق علیه حتی تخلتف اضلاعه.(۲)

ترجمہ......پھر حکم کیا جاتا ہے اس کے بارے میں اس کی قبر میں، پس قبر تنگ ہوجاتی ہے اس پر یہاں تک کہ پسلیاں ایک دوسرے میں نکل جاتی ہیں۔"

حدیث حذیفہؓ:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن حذیفة بن یمان قال کنا مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی جنازة فلما انتهینا إلی القبر قعد علی شقته فجعل یردد بصره فیه ثم قال یضغط فیه المومن ضغطة تزول منها حمائله ویملا علی

---

(۱)مصنف عبدالرزاق-۳/۵۸۴.

مجمع الزوائد -۳/۴۷.

(۲)مصنف عبدالزاق -۳/۵۸۴.

مجمع الزوائد -۳/۴۷.

الکافر نارا.(۱)

ترجمہ...... حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک جنازہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، پس جب ہم قبر تک پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے کنارے بیٹھ گئے اور اس میں نظر مبارک پھرانے لگے، پھر فرمایا کہ اس میں مومن کو ایسا بھینچا جاتا ہے کہ اس سے اس کے کندھے اور سینہ ہل جاتے ہیں اور کافر کی قبر آگ سے بھر جاتی ہے۔

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

وعن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم دفن سعد بن معاذ وھو قاعد علی قبرہ قال لو نجا احد من فتنة القبر او مسئلة القبر لنجا سعد بن معاذ ولقد ضم ضمة ثم ارخا عنه رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجاله موثوقون(۲)

ترجمہ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس دن سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفن کیا ان کی قبر کے کنارے پر بیٹھے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اگر کوئی شخص قبر کی آزمائش سے یا فرمایا قبر کے

---

(۱) مجمع الزوائد – المرجع السابق – ۳/۴٦.
اتحاف السادة – المرجع السابق – ۱۴/۳۷۵.
کنز العمال – ۱۵/۶۴۳ – المرجع السابق – رقم الحدیث: ۴۲۵۴۱.
شرح الصدور – ۴۵.

(۲) مجمع الزوائد – کتاب الجنائز – المرجع السابق – ۳/۴٦.
کنز العمال حواله سابقه – ۱۵/۶۴۰ – رقم الحدیث: ۴۲۵۲۴.
شرح الصدور – ص ۴۵ – المرجع السابق.

سوال سے نجات پاتا تو البتہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نجات پاتے البتہ تحقیق ایک دفعہ تو ان کو بھی بھینچا گیا، پھر ان سے کشائش کر دی گئی۔“

حدیث انسؓ:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عن انس قال توفیت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخرجنا معه فرأينا رسول الله صلی الله علیہ وسلم مهتما شديد الحزن فجعلنا لانكلمه حتى انتهينا الى القبر فإذا لم يفرغ من لحده فقعد رسول الله صلی الله علیه وسلم وقعدنا حوله فحدث نفسه هنيعة وجعل ينظر الى السماء ثم فرغ من القبر فنزل رسول الله صلی الله عليه وسلم فيه فرأيته يزداد حزنه ثم انه فرغ فخرج فرأيته سرى عنه وتبسم صلى الله عليه وسلم فقلنا يارسول الله رأيناک مهتما حزينا فلم نستطع ان نكلمک ثم رأيناک سرى عنک فلم ذلک؟ قال كنت اذكر ضيق القبر وغمه وضعف زينب فكان ذلک يشق على فدعوت الله عزوجل ان يخفف عنها ففعل ولقد ضغطها ضغطة سمعها من بين الخافقين .(۱)

ترجمہ...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۱)مجمع الزوائد –المرجع السابق–۳/۴۷

کنز العمال –۱۵/۶۴۲–رقم الحدیث: ۴۲۵۳۶.

اتحاف السادة –کتاب الاذکار والدعوات–فضیلة التسبیح والتحمید – ۳۷۶/۱۴

شرح الصدور حواله سابقه–ص ۴۵

کے ساتھ نکلے، ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی غمگین ہیں، پس ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ قبر پر پہنچ گئے تو دیکھا کہ ابھی ان کی لحد سے فراغت نہیں ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے اور وہ تھوڑی دیر دل میں کچھ سوچتے رہے اور آپ آسمان کی طرف دیکھتے رہے پھر قبر سے فراغت ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں بہ نفس نفیس اترے، پس میں نے دیکھا کہ آپ کا غم بڑھ رہا ہے، پھر آپ فارغ ہوگئے، پس باہر نکلے تو میں نے دیکھا کہ آپ کی وہ کیفیت زائل ہوگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا، پس ہم نے کہا یا رسول اللہ ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ شدید غمگین اور فکرمند ہیں، اس لئے ہم آپ سے بات نہیں کرسکے، پھر ہم نے دیکھا کہ آپ کی وہ کیفیت زائل ہوگئی، فرمایا: اس کی وجہ یہ تھی کہ میں قبر کی تنگی اور غم کو اور زینب کے ضعف کو یاد کرتا تھا، پس یہ چیز مجھ پر شاق گزرتی تھی، پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان سے تخفیف فرمادیں پس اللہ نے ایسا ہی کیا، قبر نے اس کو ایسا بھینچا تھا کہ مشرق و مغرب کے لوگ اس کو سنتے۔"

حدیث ابن مسعودؓ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

"عن عبدالله قال اذا ادخل الرجل قبره فإن كان من اهل السعادة ثبته الله بالقول الثابت فيسأل ما انت فيقول أنا عبدالله حيا وميتا واشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله قال فيقال كذلك كنت فيوسع عليه قبره ماشاء الله ويفتح له باب الى الجنة ......الخ (١)

(١) مصنف ابن ابی شیبة - كتاب الجنائز - باب فی المسئلة فی القبر - ٣/٣٧٧ ط: ادارة القرآن
اتحاف السادة - بيان سوال منكر ونكير - ١٤/٣٦٦.

ترجمہ...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آدمی کو اس کی قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اگر وہ اہل سعادت میں سے ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قول ثابت کے ساتھ ثابت قدم رکھتے ہیں پس اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تو کون ہے؟ پس وہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، فرمایا پس اس کو کہا جاتا ہے تو ایسا ہی تھا، پس اس پر اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے جتنی کہ اللہ کو منظور ہے اور اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ الخ

حدیث براء بن عازبؓ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فینادی مناد من السماء ان کذب عبدی فافرشوا له من النار وافتحوا له باباً فی النار فیأتیه حرها ولمومها ویضیق علیه قبره حتی تختلف اضلاعه (۱)

ترجمہ...... دوزخی کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا پس آسمان سے ایک منادی اعلان کرتا ہے کہ میرا بندہ جھوٹ بولتا ہے پس اس کے لئے آگ کا بچھونا بچھاؤ اور اس کے لئے آگ کی طرف دروازہ کھول دو، پس اس شخص کو آگ کی تپش اور لو پہنچتی ہے اور قبر اس پر تنگ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ادھر سے ادھر نکل جاتی ہیں۔

---

(۱) کنز العمال - المرجع السابق - ۱۵/ ۶۲۹ - رقم الحدیث: ۴۲۴۹۵

مصنف ابن ابی شیبة - کتاب الجنائز - باب فی نفس المؤمن کیف تخرج الخ - ۳/ ۳۸۲

ط: ادارة القرآن

حدیث معاذؓ:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"الضمة فی القبر كفارة لكل مومن لكل ذنب بقی عليه ولم يغفرله(۱)

ترجمہ...... "قبر میں بھینچنا ہر مومن کے لئے کفارہ ہے ہر اس گناہ کے لئے جو اس پر باقی ہو اور اس کی مغفرت نہ ہوئی ہو۔"

حدیث عبید بن عمیرؓ:

حضرت عبید بن عمیرؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"ثم يسلب كفنه فيبدل ثيابا من نار ويضيق عليه حتى تختلف فيه اضلاعه(۲)

ترجمہ...... "پھر اس کا کفن چھین لیا جاتا ہے اور اس کے بجائے آگ کے کپڑے بدل دیئے جاتے ہیں، اور قبر اس پر تنگ کر دی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس میں اس کی پسلیاں ادھر سے ادھر نکل جاتی ہیں۔"

حدیث صفیہ بنت ابی عبیدؓ:

حضرت صفیہ بنت ابو عبیدؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

وعن نافع قال أتينا صفية بنت أبی عبيد فحدثنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان كنت لأرى لو أن احدا اعفى من ضغطة القبر لعفى سعد بن معاذ ولقد ضم ضمة .(۳)

ترجمہ...... حضرت نافع فرماتے ہیں کہ ہم حضرت صفیہ بنت ابی عبیدؓ کی خدمت میں

---

(۱) كنز العمال -المرجع السابق- ۱۵/ ۱۳۹ -رقم الحديث: ۴۲۵۱۹.

(۲) مصنف عبدالرزاق -۳/ ۵۹۱.

(۳) مجمع الزوائد -المرجع السابق- ۳/ ۴۷

حاضر ہوئے (یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اہلیہ تھیں) تو انہوں نے ہم سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا خیال یہ تھا کہ اگر کسی کو قبر کے بھینچنے سے معافی مل جائے گی تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ضرور معافی ملے گی، اور البتہ تحقیق ایک دفعہ تو ان کو بھی بھینچا گیا۔"

حدیث ابوایوبؓ:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

وعن ابی ایوب ان صبیا دفن فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لو افلت احد من ضمة القبر لافلت هذا الصبی رواه الطبرانی فی الکبیر ورجاله رجال الصحیح. (۱)

ترجمہ...... حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بچہ دفن کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر قبر کی بھینچنے سے محفوظ رہتا تو یہ بچہ ضرور محفوظ رہتا۔

احادیث واقعہ قلیب بدر

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد اس کی روح کا اس کے بدن کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جس سے اس کو ثواب وعذاب کا احساس ہوتا ہے، چنانچہ غزوہ بدر کے موقع پر کفار کے ستر سردار مارے گئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسم نے حکم فرمایا کہ ان سب کو گڑھے میں ڈال دیا جائے، جب سب کو گڑھے میں ڈال دیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گڑھے پر تشریف لے گئے اور فرمایا اے اہل قلیب! کیا تم نے وہ چیز پائی جس کا تم سے ہمارے رب نے وعدہ کیا تھا؟ کیونکہ میں نے تو وہ چیز پالی جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ ایسے جسموں سے کلام کر رہے ہیں جن میں روحیں نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) مجمع الزوائد — المرجع السابق — ۳/ ۴۷.

کنز العمال — المرجع السابق — ۱۵/ ۶۴۰ — رقم الحدیث/ ۴۲۵۲۳.

نے ارشادفرمایامیں ان کوجوکچھ کہہ رہاہوں،تم ان سے زیادہ نہیں سنتے،مندرجہ ذیل احادیث میں اس کاذکر ہے۔

هل وجدتم ماوعد ربكم حقاً؟

حدیث عائشہؓ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

”عن عائشه قالت لما أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالقتلى أن يطرحوا فى القليب فطرحوا فيه إلاما كان من أمية ابن خلف فانه انتفخ فى درعه فملاها فذهبوا ليخرجوه فتزايل (لحمه) فاقروه والقوا عليه ما غيبه من التراب والحجارة فلما القاهم فى القليب وقف عليهم رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال يااهل القليب هل وجدتم ماوعدكم ربكم حقا فانى قد وجدت ماوعدنى ربى حقا.(۱)

ترجمہ......حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقتولین کے بارے میں یہ حکم فرمایا کہ ان کو ایک گڑھے میں ڈال دیا جائے، چنانچہ ان کو ڈال دیا گیا مگر یہ کہ امیہ بن خلف زرہ میں پھول گیا تھا، پس اس نے اس کو بھر دیا تھا، اس کو حرکت دینے لگے تو وہ اور زیادہ بڑھتا جاتا، پس اس کو ویسا ہی رکھا اور اس پر کوئی ایسی چیز ڈال دی جو اس کو چھپادے یعنی مٹی اور پتھر، پس جب صحابہ نے ان کو اس قلیب (گڑھے) میں ڈالا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر

---

(۱) مسند احمد-مسند السيدة عائشة-۱۸/۲۰۳-رقم الحديث: ۲۶۲۳۹ ط:دار الحديث، وايضاً ۶/۲۷۶، ط:المكتب الاسلامى

صحيح البخارى -كتاب الجنائز-باب ماجاء فى عذاب القبر وقول الله ......الخ -۱/۱۸۳ ط:قديمى

الصحيح لمسلم -كتاب الجنائز-فصل ان الميت لايعذب ببكاء اهله عليه الا......الخ -۱/۳۰۳ ط:قديمى

البداية والنهاية -طرح رؤس الكفر فى بئر يوم بدر-۳/۲۹۲-ط:دار الريان للتراث .

کھڑے ہوئے، پس ارشاد فرمایا کہ اے اہل قلیب! کیا تم نے وہ چیز پالی جس کا تم سے تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا میں نے تو وہ چیز پالی جس کا مجھ سے میرے رب نے وعدہ کیا تھا۔ الخ

حدیث انسؓ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

عن انس قال کنا مع عمر بین مکة والمدینة أخذ یحدثنا عن اهل بدر فقال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لیرینا مصارعهم بالامس قال هذا مصرع فلان ان شاء الله غدا قال عمر والذی بعثه بالحق ما اخطوه تیک فجعلوه فی بیر فاتاهم النبی صلی الله علیه وسلم فنادی یافلان بن فلان یافلان بن فلان هل وجدتم ماوعد ربکم حقا ؟ فانی وجدت ماوعدنی الله حقا فقال عمر تکلم اجسادا لاارواح فیها؟ فقال ما انتم باسمع لما اقول منهم ".(۱)

---

(۱) سنن النسائی -کتاب الجنائز-باب ارواح المومنین - ۱/ ۲۹۳ -قدیمی

مصنف ابن ابی شیبة -کتاب المغازی -باب غزوة الکبری ومتی کانت - ۱۴/ ۳۷۸، ۳۷۹-رقم الحدیث/ ۱۸۵۵۶ ط:ادارة القرآن

الصحیح لمسلم -کتاب الجنة وصفتها ونعیمها -باب عرض مقعد المیت من الجنة والنار......الخ-۲/ ۳۸۶، ۳۸۷ ط:قدیمی

مسند احمد -مسند انس بن مالک - ۱۱/ ۲۶۸ رقم الحدیث ۱۳۷۰۷، ۱۱/ ۱۳۹، رقم الحدیث ۱۳۲۲۹، ۱۰/ ۴۶۸ ،رقم الحدیث ۱۲۴۱۰، ۱۱/ ۲۸، رقم ۱۲۸۰۸، مسند عمربن الخطاب رضی الله عنه، ۱/ ۲۴۱ ،رقم ۱۸۲ ، ط:دارالحدیث القاهرة......

دلائل النبوة ومعرفة احوال صاحب الشریعة لابی بکر احمد بن حسین البیهقی(م۴۵۸ ھ)-جماع ابواب مغازی رسول الله ﷺ -باب ماجاء فی دعاء النبی صلی الله علیه وسلم علی المشرکین ......الخ -۳/ ۴۸ ط:دارالکتب العلمیة بیروت

الدر المنثورفی التفسیر الماثور -سورة الروم : ۵۲-۶/ ۵۰۰، ۵۰۱-ط: دار الفکر للطباعة.

ترجمہ...... حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان تھے تو آپ ہم سے اہل بدر کے بارے میں بیان کرنے لگے، پس فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شام کے وقت ہمیں ان کی قتل گاہیں دکھا رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ یہ انشاءاللہ کل فلاں آدمی کی قتل گاہ ہوگی، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا اور وہ لوگ ان جگہوں سے ادھر ادھر نہیں ہوئے، پس ان کو ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، پس پکار کر فرمایا اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! کیا تم نے پالیا ہے جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا حق کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا تو میں نے حق پایا، پس حضرت عمرؓ نے کہا آپ ایسے جسموں سے کلام فرماتے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں؟ پس ارشاد فرمایا میں ان کو جو کچھ کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔''

حدیث عبداللہ بن عمرؓ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

حدثنی نافع عن ابن عمر قال قال اطلع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی اهل القلیب فقال هل وجدتم ماوعد ربکم حقا فقیل له تدعوا امواتا؟ قال ما انتم باسمع منهم ولکن لایجیبون(۱)

---

(۱)صحیح البخاری -کتاب الجنائز -باب عذاب القبر - ۱/ ۱۸۳ ط:قدیمی

الصحیح لمسلم -کتاب الجنائز -فصل ان المیت لایعذب ......الخ - ۱/ ۳۰۳ ط:قدیمی

سنن النسائی -کتاب الجنائز -باب ارواح المؤمنین -۱/ ۲۹۳ -ط:قدیمی

مسند احمد -مسند عبداللہ بن عمر بن الخطاب -۵/ ۳۹۳ -رقم الحدیث: ۶۱۴۵

ط:دارالحدیث القاهرة

مصنف ابن ابی شیبة -کتاب المغازی -باب غزوة بدر الکبری ومتی کانت - ۱۴/ ۳۷۷ - رقم الحدیث/ ۱۸۵۵۲ ط:ادارة القرآن

ترجمہ..... ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گڑھے کی طرف جھانکا جس میں بدر کے کافر مقتول ڈال دیئے گئے تھے، پس فرمایا کیا تم نے پایا اس چیز کو جس کا تم سے 'تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا سچ؟ پس عرض کیا گیا کہ آپ بے جان مردوں کو پکارتے ہیں؟ فرمایا تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دیتے۔''

حدیث ابن عباسؓ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''اخرج ابو سهل السری ابن سهل الجند نیسابوری الخامس من حدیثه من طریق عبدالقدوس عن ابی صالح عن ابن عباس فی قوله فإنک لاتسمع الموتیٰ وما أنت بمسمع من فی القبور قال کان النبی صلی الله علیه وسلم یقف علی القتلی یوم بدر ویقول هل وجدتم ماوعد ربکم حقا (۱)

ترجمہ..... ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''لاتسمع الموتی اور ومانت بمسمع من فی القبور (بے شک آپ نہیں سنا سکتے مردوں کو'' اور ''نہیں سنانے والے ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں) کی تفسیر میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے مقتولین پر بدر کے دن اور یوں فرماتے تھے کہ جو وعدہ تم سے تمہارے رب نے کیا تھا وہ تم نے سچ پالیا یا نہیں؟ الخ۔''

حدیث ابوطلحہؓ

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''عن ابی طلحة ان نبی الله صلی الله علیه وسلم امر یوم بدر باربعة

---

(۱) الدر المنثور فی التفسیر الماثور –سورة فاطر: ۲۲–۷/۱۸–ط: دار الفکر للطباعة والنشر.

وعشرين رجلا من صناديد قريش فقذفوا في طوى من اطواء بدر خبيث مخبث وكان إذا ظهر على قوم اقام بالعرصة ثلاث ليال فلما كان ببدر اليوم الثالث امر براحلته فشد عليها رحلها ثم مشى واتبعه اصحابه وقالوا مانرى ينطلق الا لبعض حاجته حتى قام على شفة الركي فجعل يناديهم باسمائهم واسماء آبائهم يافلان بن فلان ويافلان بن فلان ايسركم انكم اطعتم الله ورسوله فانا قدوجدنا ماوعدنا ربنا حقا فهل وجدتم ماوعدربكم حقا قال فقال عمر يارسول الله ماتكلم من اجساد لاارواح لها فقال النبي صلى الله عليه وسلم والذى نفس محمد بيده ما انتم باسمع لما اقول منهم (۱)

ترجمہ...... حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن چوبیس آدمیوں کے بارے میں جو قریش کے رئیس تھے حکم فرمایا کہ ان کو بدر کے گندے اور خبیث گڑھے میں ڈال دیا جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم پر غالب آتے تھے تو اس میدان میں تین دن ٹھہرتے تھے، جب تیسرا دن ہوا تو اپنی سواری (تیار کرنے) کے بارے میں حکم فرمایا پس اس کا کجاوہ کسا گیا، پھر تشریف لے گئے اور آپ کے صحابہ آپکے ساتھ تھے اور ہم نہیں جانتے تھے مگر یہ کہ آپ کسی کام کے لئے تشریف لے جارہے ہیں، یہاں تک کہ کھڑے ہوئے اس گڑھے کے کنارے پر، پس ان کا اور ان کے باپوں کا نام لے کر پکارنے لگے کہ اے فلاں بن فلاں اور اے فلاں بن فلاں! کیا تم کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کی بات مان لی ہوتی؟ کیونکہ ہم نے تو جو ہم سے ہمارے رب نے وعدہ کیا تھا اس کو سچا پایا، پس کیا تم نے پالیا ہے جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا

---

(۱) الصحيح للبخاري - كتاب المغازي - باب قتل ابى جهل - ۲/ ۵۶۶ ط: قديمى
مسند احمد - حديث ابى طلحة (زيد بن سهل الانصارى) - ۱۲/ ۵۳۲ - رقم الحديث: ۶۳۰۸ ط: دارالحديث القاهرة

حق؟ راوی کہتے ہیں کہ پس حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ایسے جسموں سے گفتگو فرماتے ہیں جن میں روح نہیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان اس کے قبضہ میں ہے تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سنتے۔''

حدیث موسیٰ بن عقبہؓ

حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''وامر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بقتلیٰ قریش من المشرکین فالقوا فی قلیب بدر ولعنھم وھو قائم یسمیھم باسمائھم غیر ان امیة ابن خلف کان رجلا مسمنا فانتفخ فی یومه فلما ارادوا ان یلقوہ فی القلیب تفقا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم دعوہ وھو یلعنھم ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا''.(۱)

ترجمہ......اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین قریش کے بارے میں حکم فرمایا تو ان کو بدر کے گڑھے میں ڈال دیا گیا اور ان پر لعنت فرمائی اور آپ کھڑے تھے ان کا اور ان کے باپوں کا نام لے رہے تھے سوائے امیہ بن خلف کے کہ وہ موٹا تازہ آدمی تھا پس اس دن پھول گیا، پس جب لوگوں نے اس کو گڑھے میں ڈالنے کا ارادہ کیا تو پھٹ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو چھوڑ دو اور آپ ان پر لعنت فرما رہے تھے ''جو وعدہ تم سے تمہارے رب نے کیا تھا تم نے اس کو سچ پایا یا نہیں۔''

لاتؤذ صاحب القبر

قبر مٹی کا ڈھیر نہیں، بلکہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے قبر والے کو نہ صرف یہ کہ قبر کے ثواب وعذاب کا احساس ہوتا ہے بلکہ قبر پر چڑھنے سے بھی اس کو

---

(۱) دلائل النبوۃ –جماع ابواب المغازی –باب سیاق قصة بدر عن مغازی موسی بن عقبة–۳/۱۱۷
ط: دار الکتب العلمیة

ایذا ہوتی ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان جانے کے آداب بیان فرمائیں ہیں۔مندرجہ ذیل احادیث میں اس کا ذکر ہے:

"عن زیاد بن نعیم ان ابن حزم ابا عمارة أو ابا عمرو قال رأنی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وأنا متکئ علی قبر فقال: قم لاتؤذ صاحب القبر او یؤذیک(۱)

ترجمہ......حضرت ابوعمارہ یا ابوعمرو فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میں قبر کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اٹھ جاؤ، قبر والے کو ایذا نہ دو، یا فرمایا کہ قبر سے ٹیک نہ لگاؤ کہ یہ تیرے لیے عذاب کا سبب ہوگا۔"

"عن عمرو بن حزم قال رأی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وأنا متکئی علی قبر،قال لا توذ صاحب القبر."(۲)

ترجمہ......عمرو بن حزم فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میں قبر کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا، آپ نے فرمایا قبر والے کو ایذا نہ پہنچاؤ۔

"عن عمرو بن حزم قال رأنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم جالسا علی قبر قال انزل عن القبر لاتوذ صاحب القبر ولایوذیک(۳)

---

(۱) کنز العمال -الکتاب الرابع من حرف المیم ......الخ-الباب الرابع فی فضیلة طول العمر، کتاب الموت من قسم الافعال، باب فی الدفن وامور تقع بعده(الزیارة وآدابها)۱۵/۷۵۹، رقم الحدیث ۴۲۹۸۸. ط:موسسة الرسالة

(۲) کنز العمال حواله بالا-۱۵/۷۶۰-رقم الحدیث: ۴۲۹۹۰

(۳) شرح معانی الاثار-باب الجلوس علی القبور-۱/۳۲۸،۳۲۹-ط:المکتبة الحقانیة ملتان.

کنز العمال -الکتاب الرابع من حرف المیم.....الخ، الباب الثالث فی امور بعد الدفن......الخ- باب زیارة قبر النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ۱۵/۶۵۷، رقم الحدیث، ۴۲۶۰۵. ط:موسسة الرسالة بیروت

مجمع الزوائد -کتاب الجنائز- باب البناء علی القبور والجلوس وغیر ذلک-۳/۶۱ ط:دار الکتاب

ترجمہ......حضرت عمرو بن حزم سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا قبر والے کو ایذا نہ دے قبر سے اتر جا، تاکہ تیرا یہ عمل تیرے لئے عذاب آخرت کا سبب نہ بنے۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ:

الف......عذاب وثواب قبر برحق ہے۔

ب......عذاب وثواب کا تعلق اسی گڑھے سے ہے جس کو عرف عام میں قبر کہا جاتا ہے، چنانچہ حدیث میں صراحت فرمائی گئی ہے "القبر روضة من رياض الجنةاو حفرة من حفر النار " (قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے)۔

ج......اور یہ بھی ثابت ہوا کہ عذاب وثواب قبر کی احادیث متواتر ہیں اور ان کا انکار ایک مسلمان کے لئے (جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہو) ممکن نہیں۔

د......چونکہ برزخ کے معاملات عام لوگوں کے احساس ومشاہدہ سے ماوراء ہیں، اس لئے عذاب وثواب قبر کا انکار محض اپنے احساس ومشاہدہ کی بناء پر قطعاً غلط ہے، اس لئے ہمیں رسول ﷺ کے ارشادات اور مشاہدات پر ایمان رکھنا ضروری ہے، اور وہ بقدر ضرورت اوپر آچکے ہیں، جو ایک مومن کے لئے کافی وشافی ہیں۔

چہارم......اب تک ہم نے عام اموات کے بارے میں گفتگو کی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ان کا عذاب وثواب متواتر ہے جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اس پر ایمان لانا فرض ہے، اور اس کے منکر کے حق میں اندیشۂ کفر ہے۔

اب ہم اس پر گفتگو کریں گے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص سید الانبیاء سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اپنی قبر شریف میں حیات ہونا اور حیات کے تمام لوازم کے ساتھ متصف ہونا برحق اور قطعی ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے، چنانچہ مذکورہ بالا تقریباً ایک سو پچاس احادیث سے حضرات انبیاء کرام کی حیات (جو عام اموات، شہداء اور صدیقین سے افضل ہیں) دلالت النص سے بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے، چنانچہ محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ اپنے رفیق خاص حضرت

مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ کے نام لکھے گئے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

۱...... شہداء کے لئے بنص قرآن ''حیات'' حاصل ہے اور مزید دفع تجویز کے لئے ''یرزقون'' کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ جیسے آج کل محاورہ بھی ہے ''فلان حی یرزق'' عام اہل برزخ سے ان کی حیات ممتاز ہے۔

۲...... جب انبیاء کا درجہ عام شہداء سے اعلیٰ وارفع ہے تو بدلالۃ النص یا بالاولیٰ خود قرآن کریم سے ان کی حیات ثابت ہوئی (علیہم الصلوات والتسلیمات) اور جب مرتبہ اعلیٰ وارفع ہے تو حیات بھی اقویٰ واکمل ہوگی۔

۳...... اس حیات کی اکملیت کے بارے میں دو حدیثیں آئی ہیں ...... ''ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' اور حدیث ''الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون '' اور اس کے علاوہ بھی روایات ہیں ...... اور ان احادیث کے شواہد کے طور پر دیگر احادیث صحیحہ موجود ہیں مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا تلبیہ حج۔

۴...... روح کے تعلقات اجساد سے پانچ قسم کے ہیں (۱) فی حالۃ الجنین (۲) بعد الولادۃ فی الدنیا اس کی دو صورتیں ہیں (۳) حالت نوم میں اور حالت یقظہ میں (۴) بعد الموت فی البرزخ (۵) بعد البعث فی الحشر۔

ضعیف ترین اول ورابع ہے، قوی ترین خامس اور متوسط دنیوی ہے ''کماحققه المتکلمون وابن القیم فی کتاب الروح والقاری فی شرح الفقه الاکبر''

۵...... انبیاء کرام علیہم السلام کی نوم جیسے ممتاز ہے عام نوم سے (ان عینایَ تنا مان ولا ینام قلبی) اسی طرح ان کی موت کی حالت بھی عام اموات جیسی نہیں ''النوم اخ الموت'' اور ''عام موتی میں تحقیق موت کے وقت انقطاع الروح عن الجسد بالکلیہ ہوتا ہے اور یہاں بالکلیہ نہیں ہوتا اور پھر علو مرتبہ جتنا ہوتا ہے اتنا ہی تعلق قوی ہوگا۔

۶...... مفارقۃ الروح عن الجسد سے مفارقت تعلق الروح عن الجسد لازم نہیں آتا۔

۷...... نبی کریم ﷺ کے جسد مبارک کو تروح کی کیفیت حاصل ہے، جیسے معراج میں جسد پر روح

کی کیفیت طاری ہوئی، تجسد ارواح اور تروح اجساد دونوں کی نظیریں عالم شہادت میں ہیں تو عالم ارواح میں کیوں استبعاد کیا جائے جبکہ اس کا تعلق عالم غیب سے ہے۔

۸......دنیا میں صوفیاء کرام کے یہاں ابدان مثالیہ کا تعدد وقت واحد میں متعدد امکنہ میں ظہور اور آثار کے ثبوت پر مشہور واقعات ہیں، انبیاء کرام کی نقل وحرکت بالا جساد الممتز جہ اس کی نظیر ہوگی۔

۹......الغرض انبیاء کرام کے لئے حیات وبقائے اجساد، نقل وحرکت، ادراک وعلم سب چیزیں حاصل ہیں۔

۱۰...... یہ حیات، دینوی حیات کے مماثل بلکہ اس سے اقویٰ ہے، دنیا میں ہمیشہ جسد کو روح کی خاصیت حاصل نہیں ہوتی اور برزخ میں ہوتی ہے اب اگر اس کو حیات دنیوی سے بعض حضرات نے تعبیر کیا ہے تو اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کیا ہے، بہرحال وہ حیات دنیوی بھی ہے اور حیات برزخی بھی، صرف حیات برزخی نہیں جس میں عام شہداء یا اموات بھی شریک ہوں، بلکہ اقویٰ واکمل ہے اس لئے حیات دنیوی کے مماثل ہے، بلکہ اس سے بھی اقویٰ ہے۔

اختلاف تعبیرات میں نزاع لفظی ہے اس دنیا سے رسمی تعلق ختم ہونے کے بعد برزخی دور شروع ہوتا ہے اب جو چاہے اطلاق کیا جائے۔

۱۱......اگر احادیث ونصوص میں حیات کا ثبوت ہے اور پھر عدم نکاح بالازواج المطہرات اور عدم توریث وغیرہ کی علت اصل حیات کو کہا جائے تو درست ہے، بہرحال حکم شرعی کی کوئی علت ہی ہوتی ہے اور یہاں تو علت از قبیل العلل المعتبرہ کے ہوگی نہ کہ علل مرسلہ کی قسم سے اور اس علت کی تنقیح، اصول تنقیح المناط اور تحقیق المناط سے زیادہ قطعی ہوگی۔

خیر القرون سے لے کر چودہ صدیوں تک اس مسئلہ میں کسی قسم کا کوئی اختلاف وافتراق نہیں تھا بلکہ تمام اکابر امت نے اپنی اپنی تصنیفات میں اپنے اپنے انداز میں اس مسئلہ کو واضح فرمایا، یہاں تک کے اکابر اسلاف میں سے بعض حضرات نے اس موضوع پر مشتمل رسائل تصنیف فرمائے اور ثابت کیا کہ حیات انبیاء کا مسئلہ بالکل واضح، بے غبار اور امت کا اجماعی عقیدہ رہا ہے اور جس طرح شہداء کرام کی حیات قرآن کریم سے ثابت ہے، اسی طرح حضرات انبیاء کرام کی حیات بھی بطور دلالت النص قرآن کریم سے

ثابت ہے، لیکن ناس ہوتو خودرائی وخودروی اوراسلاف بیزاری کا کہ اس نے تحقیق کے نام پر جہالت، اور سنت کے نام پر بدعت کورواج دیا، جس کی وجہ سے نام نہاد محققین نے جہاں دوسرے بعض اجماعی مسائل سے انحراف کیا وہاں اس عقیدہ کا بھی انکار کردیا، چنانچہ محدث العصر حضرت بنوریؒ تحریر فرماتے ہیں۔

''انبیاء کرام علیہم الصلوات والسلام کی حیات بعد الممات کا مسئلہ صاف اور متفقہ مسئلہ تھا شہداء کی حیات بنص قرآن ثابت تھی اور دلالۃ النص سے انبیاء کرام کی حیات قرآن سے ثابت تھی اوراحادیث نبویہ سے عبارۃ النص کے ذریعہ ثابت تھی لیکن برا ہوا اختلاف اور فتنوں کا کہ ایک مسلمہ حقیقت زیر بحث آکر مشتبہ ہوگی، کتنی ہی تاریخی بدیہیات کوکج بحثوں نے نظری بنالیا اور کتنے ہی حقائق شرعیہ کوکج فہمی نے مسخ کر کے رکھ دیا، یہ دنیا ہے اور دنیا کے مزاج میں داخل ہے کہ یہاں ہر دور میں کج فہم، کجرو اور کج بحث موجود ہوتے ہیں زبان بند کرنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے، ملاحدہ وزنادقہ کی زبان کب بند ہوسکی؟ کیا اس دور میں امام حسینؓ کی شہادت کوافسانہ نہیں بنایا گیا؟ اور یہ کہا گیا کہ یہ واقعہ ہے ہی نہیں؟ اور کیا امام حسین کو باغی اور واجب القتل اور یزید (بن معاویہؓ) کوامیر المومنین اور خلیفہ برحق ثابت نہیں کیا گیا؟ کسی صحیح حدیث کوضعیف بنانے کے لئے کسی راوی کے بارے میں کتب رجال میں جرح کا کوئی کلمہ دیکھ لینا بس کافی ہے کہ اس پر بنیاد قائم کی جائے؟ اگر عقل سلیم سے کام نہ لیا جائے اور صرف کسی کتاب میں جرح کو دیکھا جائے تو امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد تمام کے تمام ائمہ مجروح ہوکر دین کا سرمایہ ختم ہی ہوجائے گا۔

الغرض حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا مسئلہ بھی تقریباً اسی قسم کی کج بحثوں میں الجھ کر اچھا خاصا فتنہ بن گیا عصمت تو انبیاء کرام کا خاصہ ہے، علماء معصوم تو ہیں نہیں، کچھ حضرات نے دانستہ یا نادانستہ حدیثی وکلامی بحثیں پیدا کردیں اور سمجھا یہ گیا یا سمجھایا گیا کہ اس طرح توسل بالاموات اور استعانت بغیر اللہ وغیرہ وغیرہ بہت سی بدعات کا خاتمہ ہوجائے گا، گویا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ حیات انبیاء سے انکار

کرتے ہی یہ مفاسد ختم ہو سکتے ہیں، اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ بارش سے بچنے کے لئے پرنالے کے نیچے جا کر بیٹھ گئے، بہر حال ان تفصیلات میں جانے کی حاجت نہیں خلفشار کو ختم کرنے کے لئے ارباب فکر وخلوص نے چند حضرات کے نام تجویز کئے کہ اس اختلاف کو جس نے فتنہ کی شکل اختیار کر لی ہے، ختم کرنے کی کوشش کریں اور راقم الحروف کا نام بھی انہیں میں شامل تھا، تجویز یہ ہوئی کہ اس موضوع پر ایک محققانہ کتاب موثر انداز میں لکھی جائے اور تشکیک پیدا کرنے والے حضرات کے شبہات کا جواب بھی دیا جائے، اور مسئلہ کے تمام گوشوں پر سیر حاصل تبصرہ بھی کیا جائے باتفاق رائے اس کام کی انجام دہی کے لئے جناب برادر گرامی مآثر مولانا ابوالزاہد مولانا سرفراز صاحب منتخب ہو گئے جن کے دماغ میں بحث وتمحیص کی صلاحیت بھی ہے اور قلم میں پختگی بھی، علوم دینیہ اور حدیث ورجال سے اچھی اور قابل قدر مناسبت بلکہ عمدہ بصیرت بھی ہے، مختلف مکان سے غرر نقول جمع کرنے کی پوری قدرت بھی ہے اور حسن ترتیب کی پوری اہلیت بھی، الحمد للہ کہ برادر موصوف نے توقع سے زیادہ مواد جمع کر کے تمام گوشوں کو خوب واضح کر دیا اور تحقیق کا حق ادا کر دیا میرے ناقص خیال میں اب یہ تالیف (تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور) اس مسئلہ میں جامع ترین تصنیف ہے اور اس دور میں جتنی تصانیف اس مسئلہ پر لکھی گئی ہیں ان سب میں جامع، واضح، عالمانہ بلکہ محققانہ ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کی اس خدمت کو قبول سے نوازے اور اس قسم کی مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے"۔(۱)

اس تمہید کے بعد اب ہم بالترتیب قرآن وسنت اور اجماع امت کے حوالہ سے حیاۃ النبی پر چند گزارشات پیش کریں گے اس سے پہلے ملاحظہ ہو حیات الانبیاء قرآن کریم کی روشنی میں:

حیاۃ الانبیاء قرآن کی روشنی میں

قرآن کریم میں بیشتر مقامات پر حیات الانبیاء کا ثبوت اشارتاً دلالتاً اور اقتضاءً ملتا ہے، ان سب کا احصاء مشکل بھی ہے اور موجب طول بھی اس لئے اختصار کے پیش نظر چند آیتوں کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے:

۱.....واسئل من أرسلنا من قبلک من رسلنا أجعلنا من دون الرحمٰن ألهة يعبدون ٥ (الزخرف:۴۵)

ترجمہ..... ''اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے، پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟''

اس آیت کے ذیل میں صاحب ''زادالمسیر'' لکھتے ہیں:

''انه لما أسرى به جمع الأنبياء فصلى بهم ثم قال له جبريل: سل من ارسلنا قبلک الأية فقال: لا أسأل قد اكتفيت رواه عطاء عن ابن عباس وهذا قول سعيد بن جبير والزهري وابن زيد قالوا: جمع له الرسل ليلة أسرى به فلقيهم وأمر أن يسألهم فماشک ولا سأل (۱)

ترجمہ..... جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج پر پہنچایا گیا تو آپ کے لئے تمام انبیاء کو جمع کیا گیا، آپ نے نماز میں ان سب کی امامت فرمائی، پھر حضرت جبرئیلؑ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ ''آپ ان سب پیغمبروں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے.....الخ۔'' پس آپ نے فرمایا مجھے سوال کی ضرورت نہیں، میں نے اس پر اکتفا کیا (جو مجھے بتلایا گیا) حضرت سعید بن جبیر، زہری اور ابن زید فرماتے ہیں کہ معراج کی رات آپ کے لئے تمام انبیاء کرام کو

(۱) زاد المسير في علم التفسير لأبي الفرج جمال الدين عبدالرحمٰن بن علي بن محمد الجوزي القرشي البغدادي (۵۹۷ھ) — ۷/۳۱۹. ط: المكتب الاسلامي، الطبعة الثالثة ۱۴۰۴ھ

جمع کیا گیا، اس موقع پر آپ کی ان سے ملاقات ہوئی اور آپ کو حکم ہوا کہ آپ ان سے پوچھئے، پس آپ کو نہ تو شک تھا اور نہ آپ نے پوچھا۔"

"تفسیر کبیر" میں ہے:

قال عطاء عن ابن عباس رضی الله عنه لما أسری به صلی الله علیه وسلم إلی المسجد الأقصیٰ بعث الله له آدم وجمع المرسلین من ولده فاذن جبریل ثم أقام فقال: یامحمد! تقدم فصل بهم فلما فرغ رسول الله صلی الله علیه وسلم من الصلاة قال له جبریل علیه السلام: واسأل یا محمد من أرسلنا من قبلک من رسلنا ......الآیة، فقال صلی الله علیه وسلم لا أسأل لأنی لست شاکا فیه .(۱)

ترجمہ...... حضرت عطاء حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کو معراج پر لے جایا گیا اور جب آپ مسجد اقصیٰ میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام جو ان کی اولاد میں سے تھے سب کو جمع کیا پس حضرت جبرئیل نے اذان اور اقامت کہی اور عرض کیا یا محمد! آگے بڑھیئے اور ان کو نماز پڑھایئے، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت جبرئیل نے فرمایا اے محمد! اور پوچھئے ان سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا ہے، پس آپ ﷺ نے فرمایا میں ان سے کچھ نہیں پوچھتا کہ مجھے اس میں کوئی شک نہیں۔"

"تفسیر قرطبی" میں اس کی مزید تفصیلات یوں بیان کی گئی ہیں:

"لما أسری برسول الله صلی الله علیه وسلم من المسجد الحرام إلی المسجد الأقصیٰ ـ وهو مسجد بیت المقدس ـ بعث الله له آدم ومن ولده من المرسلین وجبریل مع النبی صلی الله علیه وسلم

(۱) التفسیر الکبیر للرازی-تحت قوله تعالی: واسئل من أرسلنا..الآیة-۲۷/۲۱۶ ط: قاهره مصر

فأذن جبريل صلى الله عليه وسلم ثم أقام الصلوٰة ثم قال: يامحمد! تقدم فصل بهم فلما فرغ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له جبريل صلى الله عليه وسلم: سل يا محمد من أرسلنا من قبلك من رسلنا أجعلنا من دون الرحمٰن آلهة يعبدون فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا أسأل قد اكتفيت. قال ابن عباس: وكانوا سبعين نبياً منهم إبراهيم وموسىٰ وعيسىٰ عليهم السلام فلم يسألهم لأنه كان أعلم بالله منهم، في غير رواية ابن عباس: فصلوا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم سبعة صفوف، المرسلون ثلاثة صفوف والنبيون أربعة وكان يلي ظهر رسول الله صلى الله عليه وسلم إبراهيم خليل الله وعلىٰ يمينه إسماعيل وعلىٰ يساره إسحاق ثم موسىٰ ثم سائر المرسلين فأمهم ركعتين، فلما انفتل قام فقال: ان ربي أوحىٰ اليّ ان اسألك هل أرسل أحد منكم يدعو الى عبادة غير الله؟ فقالوا: يامحمد! انا نشهد انا أرسلنا أجمعين بدعوة واحدة أن لا اله الا الله وأن مايعبدون من دونه باطل، وأنك خاتم النبيين وسيد المرسلين، قد استبان ذلك لنا بإمامتك إيانا وأن لا نبي بعدك إلىٰ يوم القيامة إلا عيسىٰ بن مريم فانه مأمور أن يتبع أثرك.(۱)

ترجمہ:...... ''جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک معراج پر لے جایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور جو ان کی اولاد میں سے انبیاء تھے سب کو اکٹھا فرمایا، جبرئیل علیہ السلام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، پس جبرئیل نے اذان و اقامت کہی اور عرض کیا: اے محمد! آگے بڑھیے اور ان کو نماز پڑھائیے، جب آپؐ فارغ ہوئے تو حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا: آپؐ سوال کیجیے

(۱) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي–۶ ۱/ ۹۴، ۹۵. ط: مصر

ان رسولوں سے جو آپ سے پہلے بھیجے گئے تھے کہ کیا ہم نے اللہ کے علاوہ کوئی معبود بنائے تھے کہ جن کی پوجا کی جاتی تھی؟ پس آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے سوال کی ضرورت نہیں کہ میں نے اس پر کفایت کی (جو مجھے بتایا گیا)۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہاں ستر نبی تھے، جن میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی تھے، پس آپؐ نے ان سے کوئی سوال نہیں کیا، اس لیے کہ آپؐ ان سب سے زیادہ اللہ کی جانب سے علم رکھتے تھے، ابن عباسؓ کی روایت کے علاوہ دوسری روایت میں ہے کہ: پس آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی سات صفیں تھیں، جن میں سے تین صفیں رسولوں کی اور چار انبیاء کی تھیں، آپ کے پیچھے متصل حضرت ابراہیم علیہ السلام، دائیں جانب حضرت اسماعیل علیہ السلام اور بائیں جانب حضرت اسحٰق علیہ السلام پھر موسیٰ علیہ السلام، پھر عیسیٰ علیہ السلام اور پھر تمام انبیاء تھے، آپ نے ان کو دو رکعتیں نماز پڑھائی، جب آپ نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو کھڑے ہوگئے اور فرمایا: بے شک میرے رب نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ میں آپ سے سوال کروں کہ کیا تم میں سے کوئی ایک ایسا رسول بھیجا گیا تھا جو لوگوں کو غیر اللہ کی عبادت کی طرف بلاتا ہو؟ ان سب نے کہا: اے محمد! بے شک ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم بھیجے گئے ایک (اللہ) کی طرف دعوت دینے کے لئے اور یہ کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے اور یہ کہ جو لوگ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہے، بے شک آپ خاتم النبیین اور تمام رسولوں کے سردار ہیں اور یہ بات اس سے واضح ہوگئی ہے کہ آپ نے ہماری امامت فرمائی ہے اور یہ کہ آپ کے علاوہ قیامت تک کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا، سوائے عیسیٰ ابن مریم کے کہ بے شک وہ اس پر مامور ہے کہ وہ آپ کی اتباع کرے۔''

اسی طرح اس آیت سے حیات الانبیاء پر استدلال کرتے ہوئے خاتمۃ المحدثین علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ:

يستدل به على حياة الأنبياء (۱)

۲- ولقد اٰتينا موسیٰ الكتاب فلا تكن فی مرية من لقآئه(الم سجدة :۲۳)

ترجمہ......اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی سو آپ اس کے ملنے پر شک نہ کیجئے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ فرماتے ہیں:

''معراج کی رات ان سے ملے تھے اور بھی کئی بار۔'' (۲)

اور ملاقات بغیر حیات ممکن نہیں، لہٰذا اس آیت میں اقتضاء النص سے حیات النبیؐ کا ثبوت ہوتا ہے، یہاں اصول فقہ کا یہ مسئلہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ جو حکم اقتضاء النص سے ثابت ہوتا ہے وہ بحالت انفراد قوت واستدلال میں عبارت النص کے مثل ہوتا ہے۔

اسی طرح علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وأراد بذالک لقائه صلى الله عليه وسلم إياه ليلة الاسراء

---

(۱)مشکلات القرآن للکشمیری(المتوفی:۱۳۵۲ھ)-ص ۲۳۴-ط:ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

الدر المنثور فی التفسير الماثور لعبدالرحمٰن جلال الدين السيوطی(المتوفی:۹۱۱ھ)-۳۸۱/۷ ط:دارالكتب العلمية بيروت.

روح المعانی للعلامة الآلوسی-۸۶/۲۵ ط:ادارة الطباعة المنيرية.

جمل على الجلالين المسماة بالفتوحات الإلهية لسليمان الجمل-۸۸/۴ الطبعة الأولىٰ ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۷ء. ط: المكتبة الاسلامية.

شيخ زاده لمحمد بن مصلح الدين القوجوی الحنفی (المتوفی: ۹۵۱ھ)-۴۷۰/۷، ۴۷۱ ط: دارالكتب العلمية الطبعة الأولىٰ ۱۴۱۹ھ، ۱۹۹۹ء.

خفاجی حاشية الشهاب المسماة بعناية القاضی وكفاية الراضی للقاضی شهاب الدين احمد بن محمدبن عمر الخفاجی(المتوفی:۱۰۶۹ھ)-۳۹۴/۸. ط:دارالكتب العلمية.

(۲) موضح القرآن للشاه عبدالقادر المحدث الدهلوی(المتوفی:۱۲۳۰ھ)-ص ۵۴۰ ط:ايچ.ايم.سعيد كمپنی كراچی.

کما ذکر فی الصحیحین وغیرهما، وروی نحو ذلک عن قتادة وجماعة من السلف........... وکان المراد من قوله تعالیٰ "فلاتکن فی مریة من لقائه" علی هذا وعده تعالیٰ نبیه علیه السلام بلقاء موسی وتکون الآیة نازلة قبل الاسراء "(۱)

ترجمہ...... اس سے مراد یہ ہے کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی، جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ہے، اور اسی طرح کی ایک اور روایت حضرت قتادہؒ اور سلف کی ایک جماعت سے بھی منقول ہے......اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد "سو آپ اس کے ملنے میں شک نہ کیجئے۔" کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا وعدہ فرمایا۔ اس اعتبار سے یہ آیت واقعہ معراج سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

تفسیر "زادالمسیر" میں ہے:

"والثانی من لقاء موسیٰ لیلة الاسراء قاله ابو العالیه ومجاهد وقتادة وابن السائب"(۲)

ترجمہ...... "دوسری بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ اسلام سے ملاقات معراج کی رات ہوئی تھی۔"

تفسیر "بحرمحیط" میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

أی من لقائک موسیٰ أی فی لیلة الاسراء، أی شاهدته حقیقةً وهو النبی الذی اوتی التوراة وقد وصفه الرسول فقال طوال جَعْدٍ کأنه من رجال شنوءة حین راٰه لیلة الاسراء......(۳)

(۱) روح المعانی للعلامة الآلوسی-۲۱/۱۳۸ ط:ادارة الطباعة المنیریة.

(۲) زاد المسیر لابن الجوزی-۶/۳۴۳.

(۳) البحر المحیط لمحمد بن یوسف الشهیر بأبی حیان الأندلسی الغرناطی(المتوفی:۷۵۴ھ)-۷/۲۰۵ ط:دارالفکر، الطبعة الثانیة ۱۳۸۹ھ، ۱۹۷۸ء

ترجمہ...... "یعنی آپ معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں شک نہ کیجئے، یعنی آپؐ نے واقعتاً ان کو دیکھا ہے اور وہ وہی نبی تھے جن کو تورات دی گئی تھی اور تحقیق آپؐ نے ان کا حلیہ بیان کیا اور فرمایا: وہ لمبے قد کے گھنگریالے بالوں والے تھے، جیسے قبیلہ شنؤہ کے آدمی ہوتے ہیں......"

۳- "ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله أموات بل أحياء ولكن لاتشعرون o" (البقرة: ۱۵۴)

ترجمہ......اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں نہ کہو کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے۔

۴- "بل أحياء عند ربهم يرزقون، فرحين بما اٰتاهم الله من فضلهo" (آل عمران: ۱۶۹)

ترجمہ......" بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں، ان کو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔"

ان دونوں آیتوں کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وإذا ثبت أنهم أحياء من حيث النقل فإنه يقويه من حيث النظر كون الشهداء أحياء بنص القرآن والأنبياء أفضل من الشهداء(۱)

یعنی جب نقل کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شہداء زندہ ہیں تو عقل کے اعتبار سے بھی یہ بات پختہ ہو جاتی ہے کہ انبیاء کرامؑ زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تو شہداء سے ہر حال میں افضل ہیں اس لئے اس آیت سے ان کی حیات بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے۔

---

(۱)فتح الباری بشرح صحیح البخاری للحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی (المتوفی: ۸۵۲ھ)-کتاب الأنبياء -باب قول الله تعالیٰ: واذكر في الكتب مريم ......الخ-۶/۴۸۸ ط: رئاسة ادارات البحوث العلمية بالمملكة العربية السعودية.

غور فرمایئے کہ حافظ الدنیا کس قدر قوت کے ساتھ آیت کریمہ سے بدلالۃ النص بلکہ بدرجہ اولویت حیات الانبیاء کو ثابت فر مار ہے ہیں۔

۵- "فلما قضينا عليه الموت ما دلهم على موته إلا دابة الأرض تأكل منسأته فلماخرّ تبينت الجن"......الآية (السبا: ۱۴)

ترجمہ......"پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم جاری کر دیا تو کسی چیز نے ان کے مرنے کا پتہ نہ بتلایا مگر گھن کے کیڑے نے کہ وہ سلیمان علیہ السلام کے عصا کو کھاتا تھا، سو جب وہ گر پڑے تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی۔"

اس آیت سے بھی بطریق دلالۃ النص حیات الانبیاء کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے، اس لیے کہ جب کیڑوں نے مضبوط اور سخت ترین عصاء سلیمانی کو کھالیا تو جسم عنصری کا کھانا اس سے کہیں سہل اور آسان تھا مگر اس کے باوجود جسم کا ٹکا رہنا بلکہ محفوظ ہونا حیات کی صریح دلیل ہے۔

اسی طرح آیت میں ذکر شدہ "خرور سلیمان" سے بھی حضرات انبیاء کی حیات مبارکہ پر استدلال کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسد اطہر کے زمین پر آ جانے کو "خر" کے لفظ کے ساتھ تعبیر فرمایا مگر اس کو سقط سے تعبیر نہیں فرمایا کیونکہ "خر" کا لفظ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں جہاں کہیں بھی مذکور ہے وہ زندہ انسان کے جھک جانے یا گر جانے کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے، مثلاً:

الف......وخروا له سجداً (یوسف: ۱۰۰)

ترجمہ......"سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے۔"

ب......فلما تجلّى ربه للجبل جعله دكاً وخرّ موسىٰ صعقاً (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ......"پس ان کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی، تجلی نے ان کے پرخچے اڑا دیئے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔"

لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسد اطہر کے سلامت زمین پر آنے سے حیات بعد الوفات کا جو بھی انکار کرتا ہے وہ قرآن کے معارف وعلوم سے ناواقف ہے۔

۶- "وإذا جاءك الذين يؤمنون بآياتنا فقل سلام عليكم كتب ربكم على نفسه الرحمة" (الانعام: ۵۴)

ترجمہ......''اور جب یہ لوگ آپ کے پاس آویں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو یوں کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہے، تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمہ مقرر کرلیا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو ایمان کی دولت کے ساتھ بارگاہ نبوت پر حاضر ہو، اس کے لئے خداوند قدوس کا اپنے رسول رحمت ﷺ کو حکم ہے کہ آپ اس کو السلام علیکم کی دعا کے ساتھ رب کی رحمت ومغفرت کا پیغام پہنچایئے، تو حق تعالیٰ کا یہ حکم دونوں حالتوں میں (ماقبل الموت ومابعد الموت) کے لئے عام ہے، یعنی رہتی دنیا تک کے لئے یہ حکم باقی ہے، جس طرح قرآن کریم کی دیگر آیات کے بارے میں یہ اصول مسلّم ہے کہ اگرچہ ان کے نزول کا واقعہ خاص ہے، لیکن ان کا حکم قیامت تک کے لئے جاری وباقی ہے، اسی طرح اس آیت مبارکہ میں بھی یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔

۷- ''ولو أنهم إذظلموا انفسهم جاء وک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابأرحيماً''o (النساء: ۶۴)

ترجمہ......''اور اگر جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا رحمت کرنے والا پاتے۔''

علماء امت کی تصریحات سے ثابت ہے کہ حیات نبوی ؐ کی ظاہری حیثیت ختم ہونے کے بعد بھی جو مؤمن بارگاہ نبوت میں حاضر ہوکر خداوند قدوس سے مغفرت طلب کرے گا وہ حضور ﷺ کی طرف سے دعاء مغفرت کا مستحق ہوگا چنانچہ ''تفسیر قرطبی'' میں ہے:

''عن علیؓ قال: قدم علينا أعرابی بعد ما دفنا رسول صلى الله عليه وسلم بثلاثة ايام، فرمى بنفسه على قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم وحثا على رأسه من ترابه، فقال: قلت يا رسول الله فسمعنا قولک ووعيت عن الله فوعينا عنک وكان فيما انزل الله عليک ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم ......الآية وقدظلمت نفسی وجئتک تستغفر

لی فنودی من القبر انه قد غفر لک (۱)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دفن کے تین روز بعد ایک بدوی نے روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر آیت کریمہ کے حوالے سے مغفرت طلب کی، روایت ہے کہ مرقد اطہر سے صدا آئی "انه قد غفر لک"

ان ارشادت ربانی کے مطابق رحمت العالمین ﷺ کی ذات گرامی عالم دنیا کی حیات ظاہری ختم ہونے کے بعد بھی حاضری دینے والے امتی کو سلام علیکم کے جواب سے نوازتی ہے اور آپ اس کو رب کی رحمت ومغفرت کا پیغام پہنچانے اور ان کیلئے دعائے مغفرت کرنے پر خداوند قدوس کی طرف سے مامور ہیں، یہ بھی آپ کی حیات جاودانی اور اسی مدینہ والی قبر میں حیات پر قرآنی دلیل اور واضح ثبوت ہے اس کے بعد بھی اگر کوئی انکار کرے تو منکر کو یہی کہا جا سکتا ہے کہ: ع اگر تو نہ مانے تو بہانے ہزار۔

حیاۃ الانبیاء حدیث کی روشنی میں

۱ – عن أنس رضی الله عنه قال: قال رسول صلی الله علیه وسلم: الأنبیاء أحیاء فی قبورهم یصلون. رواه أبویعلیٰ البزار ورجال أبی یعلیٰ ثقات (۲)

---

(۱) تفسیر القرطبی الجامع لأحکام القرآن –۵/۲۶۵،۲۶۶ ط: الهیئة المصریة العامة الکتاب.

(۲) مجمع الزوائد –کتاب فیه ذکر الأنبیاء –باب ذکر الأنبیاء –۸/۲۱۱.

لسان المیزان للعلامة ابن حجر العسقلانیؒ –حرف الحاء حسن بن قتیبة، رقم السلسلة ۱۰۳۳، ط: ادارة تالیفات اشرفیة ملتان –۲/۲۴۶.

مسند أبی یعلیٰ –باب الجنائز –۳/۳۷۹ –رقم الحدیث: ۳۴۱۲. ط: مؤسسة علوم القرآن بیروت.

فتح الباری –کتاب أحادیث الأنبیاء –باب قول الله واذکر فی الکتاب مریم –۶/۴۸۷. ط: رئاسة ادارة البحوث العلمیة

المطالب العالیة للعلامة ابن حجر العسقلانیؒ –کتاب أحادیث الأنبیاء –باب حیاة الأنبیاء فی قبورهم –۸/۴۱۴ –رقم الحدیث: ۳۸۰۴ –ط: مؤسسة قرطبة مکة المکرمة.

الأحادیث الصحیحة للألبانی –۲/۱۸۷ –رقم الحدیث: ۶۲۱ –ط: المکتب الاسلامی.

تکملة فتح الملهم للشیخ محمدتقی العثمانی –کتاب الفضائل –مسئلة حیاة الأنبیاء علیهم السلام –۵/۲۸ ط: مکتبه دارالعلوم کراتشی

(بقیہ صفحہ آئندہ پر)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''الحاوی للفتاویٰ'' میں حیات انبیاء سے متعلق اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ترجمہ...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (حضرات) انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز ادا فرماتے ہیں۔ اس حدیث کو روایت کیا ہے ابویعلیٰ اور مسند بزار نے اور ابویعلیٰ کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

"حیاة النبی صلی الله علیه وسلم فی قبره هو وسائر الأنبیاء معلومة عندنا علماً قطعیاً کما قام عندنا من الأدلة فی ذلک وتواترت (به) الأخبار.(۱)

ترجمہ...... ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام کا اپنی اپنی قبروں میں حیات ہونا ہمارے نزدیک علم قطعی سے ثابت ہے، اس لئے کہ اس سلسلہ میں ہمارے نزدیک دلائل واخبار درجہ تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں۔''

مزید اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

قال البیهقی فی کتاب الإعتقاد: الأنبیاء بعد ماقبضوا ردت إلیهم أرواحهم فهم أحیاء عند ربهم کالشهداء، وقال القرطبی فی التذکرة فی حدیث الصعقة نقلاً عن شیخه: الموت لیس بعدم محض إنما هو انتقال من حال إلی حال (۲)

ترجمہ...... امام بیہقی کتاب الاعتقاد میں فرماتے ہیں کہ انبیاء کی ارواح قبض

(بقیہ صفحہ گذشتہ) حیاة الأنبیاء صلوات الله علیهم بعد وفاتهم للبیهقی - ص ۲۷. حدیث انسؓ، ط: مکتبة العلوم والحکم المدینة المنورة

الحاوی للفتاوی - أنباء الأذکیاء بحیاة الأنبیاء...... ۲/۱۳۹،

الخصائص الکبری - باب حیاته صلی الله علیه وسلم فی قبره وصلاته فیه وتوکیل ملک بقبره یبلغه السلام علیه ورده علیٰ من سلم علیه. ۲/۴۹۰ ط: المکتبة الحقانیة پشاور

(۱) الحاوی للفتاویٰ فی الفقه وعلوم التفسیر - مسئله: ۲۱ - أنباء الأذکیاء بحیاة الأنبیاء - ۲/۱۳۹.

(۲) الحاوی للفتاویٰ - مسئله: ۲۱ - أنباء الأذکیاء بحیاة الأنبیاء - مبحث النبوات - ۲/۱۴۱.

ہو جانے کے بعد ان کی طرف لوٹادی جاتی ہیں، پس وہ اپنے رب کے ہاں شہداء کی طرح زندہ ہیں۔ علامہ قرطبی نے ''تذکرہ'' میں ''حدیث صعقہ'' کے ذیل میں اپنے شیخ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ موت کا معنی عدم محض نہیں بلکہ ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونے کا نام موت ہے۔''

مزید آگے چل کر لکھتے ہیں:

''قال المتکلمون المحققون من أصحابنا: أن نبینا صلی اللّٰہ علیہ وسلم حی بعد وفاتہ''.(۱)

ترجمہ...... ہمارے اصحاب میں سے محقق متکلمین فرماتے ہیں کہ بے شک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں۔''

آگے مزید لکھتے ہیں:

''وقال الشیخ تقی الدین السبکی: حیاۃ الأنبیاء والشھداء فی القبر کحیاتھم فی الدنیا ویشھد لہ صلوٰۃ موسیٰ فی قبرہ فان الصلاۃ تستدعی جسداً حیاً''.(۲)

ترجمہ...... ''شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ انبیاء اور شہداء کی قبر کی حیات ان کی دنیاوی حیات کی مانند ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے، کیونکہ نماز پڑھنا زندہ جسم کا تقاضا کرتا ہے۔''

حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت انسؓ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد واحوال ایں موطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد "الأنبیاء یصلون فی القبور" شنید باشد۔''(۳)

---

(۱) الحاوی للفتاویٰ - مسئلۃ: ۶۱ - مبحث النبوات - ۲/۱۴۱ - ط: المکتبۃ الرشیدیۃ کوئٹہ.

(۲) الحاوی للفتاویٰ - ۲/۲۴۴ - المرجع السابق.

(۳) مکتوبات امام ربانی للشیخ احمد سرھندی مجدد الف ثانیؒ - حصہ ششم - دفتر دویم - مکتوب شانزدھم - ص ۴۳ - ط: شیخ عبدالعزیز منیجر روزبازار پریس واقع امرتسر.

ترجمہ......چھوٹا برزخ (یعنی قبر) جب ایک وجہ سے دنیوی جگہوں میں سے ہے تو یہ ترقی کی گنجائش رکھتا ہے۔اور مختلف اشخاص کے اعتبار سے اس جگہ کے حالات خاصے متفاوت ہیں،آپ نے یہ تو سنا ہی ہوگا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں۔

۲......عن ابی هريره رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلّى عليَّ عند قبری سمعته ومن صلّى عليَّ نائياً أبلغته" رواه البيهقی فی شعب الايمان .(۱)

ترجمہ......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: جس نے میری قبر کے پاس سے مجھ پر درود شریف پڑھا، میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود وسلام پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

حدیث کی سند پر اشکال کا جواب:

امام ابوالحسن علی بن محمد بن عراقی الکنانی (المتوفی ۹۶۳ھ) اس حدیث کی سند کے ضعف وثقاہت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حديث من صلّى عليّ عند قبری سمعته، ومن صلّى علی نائياً

(۱)مشكوٰة المصابيح-كتاب الصلوٰة -باب الصلوٰة على النبى الفصل الثالث...... ۱/۸۷ .

الخصائص الكبرى للسيوطی-باب حياته ﷺ فی قبره وصلوته فيه -۲/۴۸۹-المكتبة الحقانية

كنز العمال -الكتاب الثانی من حرف الهمزة من قسم الأقوال -الباب السادس فی الصلوٰة عليه وعلىٰ اٰله عليه الصلوٰة والسلام -۱/۴۹۲-رقم الحديث:۲۱۶۵ .ط: مؤسسة الرسالة

اتحاف السادة المتقين -كتاب أسرار الصلوٰة ومهماته-الباب الخامس فی فضل الجمعة

الدر المنثور-سورة الاحزاب :۵۶-۶/۶۵۴-ط: دار الفكر بيروت..

فتح البارى - كتاب احاديث الأنبياء -باب قول الله واذكر فی الكتب مريم -۶/۴۸۸- رقم الحديث :۳۴۴۷-ط: دار الفكر بيروت .

الحاوی للفتاویٰ -۲/۱۴۰ . ط:مكتبة رشيديه كوئٹه

وكـل الله بهـا مـلـكـاً يبـلـغـني وكفىٰ أمر دنياه وآخرته وكنت له شهيداً وشفيعاً (خط) من حديث أبي هريرة ولايصح فيه محمد بن مروان وهو السـدى الـصـغيـر،وقـال الـعـقيلي: لا أصل لهذا الحديث (تعقب) بأن البيهقي أخرجه في الشعب من هذا الطريق وتابع السدى عن الأعمش فيـه أبـو معـاوية أخرجه أبو الشيخ في الثواب، قلت: وسنده جيد كما نـقـلـه الـسـخـاوى عـن شيـخـه الحافظ ابن حجر والله تعالىٰ أعلم وله شـواهـد مـن حـديـث ابـن مسـعـود وابـن عباس وأبي هريرة أخرجها البيهـقـي ومـن حـديث أبي بكر الصديق أخرجه الديلمي ومن حديث عـمـار أخـرجه العقيلي من طريق علي بن القاسم الكندي، وقال: علي بن قاسم شيعي فيه نظر لايتابع على حديثه .انتهىٰ

وفـي لسـان الـميـزان ان ابن حبان ذكر علي بن القاسم في الثقات وقد تابعه عبدالرحمن بن صالح وقبيصة بن عقبة أخرجهما الطبراني " .(۱)

ترجمہ......حدیث من صلی علی ....الخ یعنی جس نے میری قبر کے پاس درود شریف پڑھا تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے فرشتہ مقرر کیا ہے جو مجھے پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے دنیا وآخرت کے کام پورے کرتا ہے اور میں اس کے حق میں گواہ اور شفیع ہوں گا، (خطیب بغدادی نے یہ حدیث نقل کی ہے) یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اور صحیح نہیں، کیونکہ اس کی سند میں محمد بن مروان السدی الصغیر ہے اور امام عقیلیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں (عقیلی کی اس بات پر گرفت کی گئی ہے کہ) امام بیہقی نے شعب الایمان میں اس طریق سے اس کی تخریج کی ہے اور ابو معاویہ، اعمشؒ سے روایت کرنے میں سدی کا متابع ہے اس کی تخریج امام ابوالشیخ نے ''کتاب الثواب'' میں کی ہے، میں

(۱)تنـزيـه الشـريـعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة للكنائي-كتاب المناقب والمثالب-باب فيما يتعلق بالنبي ﷺ-الفصل الثاني -۱/۳۳۵- رقم الحديث : ۱۲ ط:القاهرة

کہتا ہوں کہ ابوالشیخ کی سند جید ہے، جیسا کہ علامہ سخاویؒ نے اپنے استاد حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور اس حدیث کے حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرۃؓ سے شواہد موجود ہیں جن کی تخریج امام بیہقیؒ نے کی ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی حدیث بھی شاہد ہے اس کی تخریج امام دیلمیؒ نے کی ہے اور حضرت عمارؓ کی حدیث بھی اس کا شاہد ہے جس کی تخریج علی بن القاسم الکندی کے طریق سے امام عقیلیؒ نے کی ہے اور کہا ہے کہ یہ راوی شیعہ ہے اس میں کلام ہے اور اس کی حدیث کی متابعت نہیں کی گئی مگر لسان المیزان (ج۔۴، ص۲۴۹) میں ہے کہ امام ابن حبان نے علی بن قاسم کو ثقات میں لکھا ہے اور عبدالرحمٰن بن صالح اور قبیصہ بن عقبہ اس کے متابع موجود ہیں۔

۳- عن أوس بن أوس رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: إن من أفضل أیامکم یوم الجمعة فیه خلق آدم علیه السلام وفیه قبض وفیه النفخة وفیه الصعقة فأکثروا علیّ من الصلوٰة فان صلوٰتکم معروضة علیّ، قالوا: یارسول الله! کیف تعرض صلاتنا علیک وقد أرمت؟ أی یقولون قد بلیت، قال: إن الله عزوجل قد حرم علی الأرض أجسادالأنبیاء علیهم السلام".(۱)

---

(۱)سنن النسائی -کتاب الجمعة -باب اکثار الصلوٰة علی النبی ﷺ ۱/۲۰۳،۲۰۴. ط:قدیمی کراچی
المستدرک للحاکم -کتاب الجمعة- ۱/۵۶۸ -رقم الحدیث:۱۰۶۸ -ط: دار المعرفة.
سنن أبی داؤد -کتاب الصلوٰة -باب فی الإستغفار- ۱/۲۱۴. ط:میرمحمد کتب خانه
السنن الکبریٰ للبیهقی - کتاب الجمعة -باب مایؤمر به فی لیلة الجمعة ویومها۳/۲۴۸- ط:نشر السنة ملتان.
سنن الدارمی -کتاب الصلوٰة-باب فضل الجمعة - ۱/۴۰۶-رقم الحدیث ۱۵۷۲ - ط: دار الحدیث القاهرة- ط:المطبع النظامی کانپور.
مسند أحمد-حدیث أوس بن أوس الثقفی - ۲/۴۷۴ رقم الحدیث ۱۶۱۰۷. ط:دار الحدیث القاهرة.

(بقیہ صفحہ آئندہ)

ترجمہ...... حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک دنوں میں سے افضل دن جمعہ ہے کہ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور اسی دن ان کا نتقال ہوا، اسی میں صور پھونکا جائے گا اور اسی دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا، پس (جمعہ کے دن) مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارا صلوٰۃ وسلام آپ کے انتقال کے بعد آپ کو کیسے پہنچے گا؟ حالانکہ آپ تو اس وقت مٹی میں مل جائیں گے؟ یعنی آپ بوسیدہ ہو جائیں گے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

صحيح ابن خزيمة- باب فضل الصلوٰة على النبي ﷺ يوم الجمعة -۳/۱۱۸ رقم الحديث: ۱۷۳۳ -ط: المكتب الاسلامي.

صحيح ابن حبان -باب ذكر وفاته ودفنه صلى الله عليه وسلم -ص: ۱۱۸

الاحسان بترتيب ابن حبان كتاب الرقاق-باب الأدعيه -ذكر البيان بأن صلوٰة من صلى على المصطفىٰ ......الخ -۲/۱۳۲ -رقم الحديث :۹۰۷ -ط: دار الكتب العلمية بيروت.

كتاب الروح للإمام ابن القيم الجوزى -المسئلة السادسة - أن الروح هل تعاد إلى الميت ......الخ-ص ۵۲. ط:دار الكتب العلمية

كنز العمال -كتاب الصلوٰة من قسم الأفعال -الباب السادس فى صلوٰة الجمعة ومايتعلق بها- ۸/۳۶۸-رقم الحديث ۲۳۳۰۱ ط:مؤسسة الرسالة، بيروت.

الترغيب والترهيب للمنذرى -كتاب الجمعة الترغيب فى صلوة الجمعة والسعى إليها ......الخ -۲/۱۱ - رقم الحديث:۱۶، وايضافى باب اكثار الصلوة على النبى ﷺ -۳/۱۶۳ رقم الحديث :۲۵، ۲۷ -ط: مصطفى البابى الحلبى مصر.

نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار للشوكانى -باب فضل يوم الجمعة وفضل الصلوة على رسول الله صلى الله عليه وسلم فيه -۳/۲۸۰، ۲۸۱ -رقم الحديث ۱۰ -ط: مصطفى البابى مصر.

مصنف ابن أبى شيبة -كتاب الصلوٰة -باب فى ثواب الصلوٰة على النبى ﷺ -۲/۵۱۶.

سنن ابن ماجة -أبواب إقامة الصلوٰة والسنة فيها -فرض الجمعة- ۱/۷۶ .وايضاً ابواب الجنائز......الخ -ص ۱۱۸ -ط: قديمى.

شرح الصدور-باب نتن الميت وبلاء جسده إلا الانبياء -ص ۳۶۱ ط:دار الكتب العلمية بيروت.

نے زمین پراس کوحرام قرار دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔"

۴—عن ابن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم: إن لله ملٰئکة سیاحین فی الارض یبلغونی عن أمتی السلام".(۱)

ترجمہ...... "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بے شک زمین میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے ملائکہ مقرر ہیں جو مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔"

۵— عن أبی الدرداء رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم: أکثروا الصلوٰة علیّ یوم الجمعة فإنه مشهود تشهده الملٰئکة وإن أحدا لن یصلی علیّ إلاعرضت علیّ صلوته حتی یفرغ

---

(۱)سنن النسائی –کتاب السهو–باب التسلیم علی النبی ﷺ –۱/۱۸۹. ط:قدیمی کراچی

مسند أحمد–حدیث عبدالله بن مسعود رضی الله عنه–۳/۵۳۶–رقم الحدیث: ۳۶۶۶ ط: دار الحدیث القاهرة.

مصنف ابن أبی شیبة–کتاب الصلوٰة–باب فی ثواب الصلوٰة علی النبی ﷺ ۲/۵۱۷.

موارد الظمأن –کتاب الأدعیة–باب الصلوٰة علی النبی ﷺ –ص ۵۹۴، ۵۹۵–رقم الحدیث: ۲۳۹۳ ط:دار الکتب العلمیة

مشکوٰة المصابیح –کتاب الصلوٰة –باب الصلوٰة علی النبی ﷺ–الفصل الثانی–۱/۸۶.

البدایة والنهایة–باب ذکر خلق الملائکة وصفاتهم –۱/۴۸. وایضاً فی ما أصاب المسلمین من المصیبة بوفاته ﷺ ۳/۲۴۱–ط:دار الریان

الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر–۱/۱۴۲–رقم الحدیث:۲۳۵۵–دار الکتب العلمیة

الخصائص الکبریٰ – باب حیاته ﷺ فی قبره وصلوته فیه–۲/۴۸۹–ط: المکتبة الحقانیة.

الإحسان بترتیب ابن حبان –ذکر البیان بان سلام المسلم ......الخ –۲/۱۳۴–رقم الحدیث ۹۱۰– ط: دار الکتب العلمیة بیروت.

المصنف للحافظ عبدالرزاق –باب الصلوة علی النبی ﷺ –۲/۲۱۵–رقم الحدیث ۳۱۱۶– ط: المجلس العلمی داهبیل.

منها، قال: قلت: وبعد الموت؟ قال: وبعد الموت، إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء فنبيّ الله حي يرزق ".(۱)

ترجمہ...... حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، اس لئے کہ جمعہ کے دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جب تم میں سے کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کے پڑھتے ہی اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، حضرت ابودرداء فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اور موت کے بعد؟ فرمایا: اور موت کے بعد بھی، بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے زمین پر اس بات کو کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے، پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اسے رزق دیا جاتا ہے۔"

۶- عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما من أحد يسلم عليّ إلا رد الله عليّ روحي حتى أرد عليه السلام ".(۲)

---

(۱) سنن ابن ماجه-آخر كتاب الجنائز-(قبيل ابواب ماجاء في الصيام) باب ذكر وفاته.....الخ ص۱۱۸.

الترغيب والترهيب -كتاب الجمعة -باب الترغيب في صلوة الجمعة - ۲/۱۱-رقم الحديث: ۱۶ -ط: مصطفى البابي الحلبي مصر.

نيل الأوطار-باب فضل يوم الجمعة وفضل الصلوة على رسول الله ﷺ فيه -رقم الحديث ۱-۳/۲۸۱-ط: مصطفى البابي الحلبي مصر..

شرح الصدور- باب نتن الميت.....الخ -ص۳۱۶- ط: دار الكتب العلمية بيروت.

(۲) سنن أبي داؤد-كتاب المناسك-باب زيارة القبور-۱/۲۷۹ ط:ميرمحمد كتب خانه.

مسندأحمد-مسند أبي هريرة-۹/۵۷۵-رقم الحديث: ۱۰۷۵۹ ط:دارالحديث ،القاهرة.

سنن الكبرى للبيهقي -كتاب الحج -باب زيارة قبر النبي ﷺ-۵/۲۴۵. ط: نشرالسنة.

كنز العمال -الباب السادس في الصلوة عليه السلام - ۱/۴۹۸-رقم الحديث: ۲۲۰۰-ط: مؤسسة الرسالة.

فيض القدير شرح الجامع الصغير للعلامة عبد الرؤف المناوي-۵/۴۶۷-رقم الحديث: ۷۹۸۶. ط:مطبع مصطفىٰ محمد ،مصر. ۱۳۵۶ھ

مجمع الزوائد-كتاب الأدعية-باب الصلوة على النبي ﷺ في الدعاء وغيره-۱۰/۱۶۲. (وقال فيه عبدالله بن يزيد الإسكندراني ولم أعرفه ومهدي بن جعفر ثقة وفيه خلاف وبقية رجالة ثقات.)

ترجمہ...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف لوٹادیتے ہیں یہاں تک کہ میں اس سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتاہوں۔"

۷- عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله عليه و سلم يقول: وصلوا علیّ فإن صلوتكم تبلغنی حيث كنتم ".(۱)

ترجمہ......" حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا کہ: مجھ پر درود پڑھو، کیونکہ مجھ تک تمہارادرود پہنچتا ہے، چاہے تم جہاں بھی ہو۔"

۸-عن أبی هريره رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول: والذی نفس أبی القاسم بيده! لينزلن عيسی ابن مريم ...... ثم لئن قام علی قبری فقال يا محمد! لأجبته. قلت: هو فی الصحيح باختصار ". "رواه أبو يعلیٰ ورجاله الصحيح".(۲)

---

(۱) سنن أبی داؤد-كتاب المناسك -باب زيارة القبور-۱/۲۷۹. ط: ميرمحمد كتب خانه.

الخصائص الكبریٰ -۲/۴۹۹ مسئلة: ۱۶-سابقاً و"لفظه" من صلی علیّ عند قبری سمعته...... الخ- ط: مكتبة رشيديه.

مشكوة المصابيح -كتاب الصلوة-باب الصلوة علی النبی-الفصل الثانی-۱/۸۶. ط: قديمی

فتح الباری -كتاب احاديث الأنبياء -باب قول الله واذكر فی الكتب مريم ۴۸۸/۶-رقم الحديث: ۳۴۴۷-ط: رئاسة ادارات البحوث العلمية.

(۲) مسند أبی يعلیٰ الموصلی (متوفی ۳۰۷ھ)- مسند أبی هريرة -۶/۱۰۱. رقم الحديث ۶۵۵۴ - ط: مؤسسة علوم القرآن بيروت.

مجمع الزوائد-كتاب فيه ذكر الأنبياء -باب ذكر الأنبياء -۸/۲۱۱- ط: دارالكتب.

المطالب العاليةبزوائد المسانيد الثمانية -كتاب المناقب - باب حياته فی قبره - ۱۵۸/۷- رقم الحديث: ۴۲۳۶- وكتاب الفتوح -باب علامات الساعة -۱۰/۱۲۷-رقم الحديث: ۵۹۵۰ -ط: مؤسسة قرطبة بيروت.

الحاوی للفتاویٰ -مبحث النبوات -انباء الأذكياء بحياة الأنبياء-۲/۱۴۰-ط: مكتبه رشيديه

الخصائص الكبریٰ -باب حياته ﷺ فی قبره وصلوته فيه-۲/۴۹۰-ط: المكتبة الحقانية

ترجمہ......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ابوالقاسم کی جان ہے کہ البتہ نازل ہوں گے حضرت عیسیٰ بن مریم......پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہوکر یہ کہیں گے یا محمد! تو میں ان کو جواب دوں گا۔

علامہ آلوسیؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

......انه (عيسىٰ) عليه السلام يأخذ الأحكام من نبينا صلى الله عليه وسلم شفاهاً بعد نزوله وهو (صلى الله عليه وسلم) فى قبره الشريف عليه الصلوٰة والسلام و أيد بحديث أبى يعلىٰ والذى نفسى بيده لينزلن عيسىٰ ابن مريم ثم لئن قام علىٰ قبرى وقال يا محمد! لأجيبنّه ".(۱)

ترجمہ......حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہوکر آپ سے براہ راست احکام حاصل کریں گے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں استراحت فرما ہوں گے اور اس کی تائید ابویعلیٰ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام میری قبر پر آ کر یا محمد کہیں گے تو میں اس کا جواب دوں گا۔

حضرات انبیاء کرامؑ سے ملاقات

حدیث ابو ہریرہؓ:

عن أبى هريره رضى الله عنه قال: قال النبى صلى الله عليه وسلم: ليلة أسرى بى لقيت موسىٰ قال: فنعته فإذا رجل حسبته قال: مضطرب رجلِ الرأس كأنه من رجال شنوء ة قال: ولقيتُ عيسى فنعته النبى صلى الله عليه وسلم فقال: ربعة أحمر كأنما خرج من

(۱) روح المعانى –سورة الأحزاب –تحت قوله تعالى: ماكان محمد أباأحدٍ ......الأية– ۲۲/۳۵.
ط: ادارة الطباعة المنيرية دمشق

دیماس یعنی الحمام ورأیت إبراهیم وأنا أشبه ولده به ......" (۱)

ترجمہ...... "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی (حضرت ابوہریرہ نے) فرمایا کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ اسلام کا حلیہ بیان فرمایا اور کہا پس وہ جوان تھے، میرا خیال ہے آپ نے فرمایا کسی قدر گھنگریالے بالوں والے تھے، ایسے جیسے کہ قبیلہ شنوءہ کے مرد ہوتے ہیں، فرمایا اور میں عیسیٰ علیہ السلام سے ملا، پھر آپ نے ان کا حلیہ بیان فرمایا اور کہا: وہ چوڑے جسم کے سرخ رنگ کے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ابھی ابھی غسل خانہ سے نکل کر آئے ہیں، اور میں نے حضرت ابراہیم کو دیکھا اور میں ان کی اولاد میں سے سب سے زیادہ ان سے مشابہ ہوں۔

حدیث ابن عمرؓ

"عن ابن عمر رضی الله عنه قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم: رأیت عیسیٰ وموسیٰ وإبراهیم فأما عیسیٰ فأحمر جعد عریض الصدر وأما موسیٰ فأدم جسیم سبط کأنه من رجال الزُّط ".(۲)

---

(۱)صحیح البخاری- کتاب الأنبیاء ،باب قول الله واذکر فی الکتاب مریم...... ۱/ ۴۸۹

وایضاً ۱/ ۴۸۱ وایضاً ۲/ ۶۸۴

صحیح مسلم- ۱/ ۹۶.

سنن الترمذی -أبواب التفسیر سورة بنی إسرائیل...... ۲/ ۱۴۵ . ط:قدیمی

مصنف عبدالرزاق-۵/ ۳۲۹.

مسند أحمد -مسند أبی هریرة-۷/ ۳۷۶،۳۷۷-رقم الحدیث: ۷۷۷۶. ط:دارالحدیث القاهرة

سنن النسائی -۲/ ۳۲۹.

الإحسان بترتیب صحیح ابن حبان -کتاب الاسراء-ذکر وصف المصطفی صلی الله علیه وسلم موسی ......

الخ- ۱/ ۱۳۴ -رقم الحدیث: ۵۱ . ط:دارالکتب العلمیة

(۲)صحیح البخاری - ۱/ ۴۸۹ -المرجع السابق.

ترجمہ...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (شب معراج میں) میں نے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا، پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو سرخ رنگ، پر گوشت جسم اور چوڑے سینے والے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ اور موزوں ساخت والے تھے، وہ ایسے تھے جیسے (سوڈان) کے طویل القامہ زط ہوتے ہیں۔

انبیاء کی امامت

حدیث ابو ہریرہؓ:

"...... وقد رأيتُني في جماعة من الأنبياء فإذا موسىٰ عليه السلام قائم يصلي ...... وإذا عيسىٰ بن مريم عليه السلام قائم يصلي ...... وإذا إبراهيم عليه السلام قائم يصلي ...... فحانت الصلوٰة فاممتهم فلما فرغت من الصلوٰة ...... قال قائل: يامحمد! هذا مالك صاحب النار فسلم عليه ......"(۱)

ترجمہ...... میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی جماعت میں دیکھا، پس اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں ...... اور پھر اچانک دیکھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز ادا کر رہے ہیں...... حضرت ابراہیم کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں...... پس اتنے میں نماز کا وقت ہوگیا تو میں نے ان کو نماز پڑھائی، پس جب میں نماز سے فارغ ہوا...... تو کسی نے کہا کہ اے محمد (ﷺ) یہ جہنم کے داروغے مالک ہیں، ان سے سلام کیجئے......۔

---

(۱) صحيح مسلم – كتاب الإيمان باب الاسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم...... الخ – ۱/۹۶.
ط: قديمي، كراچي.
مشكوٰة المصابيح – كتاب الفتن – باب في المعراج – الفصل الاول – ۲/۵۳۰ ط: قديمي

حضرت موسیٰؑ کا قبر میں نماز پڑھنا:

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں نہ صرف حیات ہیں بلکہ وہ نماز تلذذ بھی ادا فرماتے ہیں، مندرجہ ذیل حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں۔

"عن أنس بن مالک رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: مررت علیٰ موسیٰ لیلة أسری بی عند الکثیب الأحمر وهو قائم یصلی فی قبره". (۱)

ترجمہ...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرا معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گزر ہوا تو وہ سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

حیات النبی ﷺ آثار صحابہؓ کی روشنی میں

۱- وعن عائشه رضی الله عنها قالت: کنت أدخل بیتی الذی فیه

---

(۱) صحیح مسلم -کتاب الفضائل -باب من فضائل موسیٰ -۲/۲۶۸. ط: قدیمی

مسند أحمد -حدیث بعض أصحاب النبی ﷺ -۵/۲۵۹ رقم الحدیث: ۲۰۴۷۵ و۵/۱۲/۱۶ ورقم ۲۲۹۸۸، ۵۲۱/۱۶ -رقم الحدیث: ۲۲۹۵۷. ط: دار الحدیث القاهرة

مسند أحمد -مسند أنس بن مالک -۴۸۰/۱۰ -رقم الحدیث: ۱۲۴۴۳ و۲۲۵/۱۱ رقم: ۱۳۵۲۷.

سنن النسائی -کتاب قیام اللیل وتطوع النهار -باب ذکر صلوٰة النبی ﷺ -۱/۲۴۲. ط: قدیمی

کنز العمال -کتاب الفضائل من قسم الأفعال الباب الثانی فی فضائل سائر الأنبیاء. الفصل الثانی- ذکر موسیٰ علیه السلام -۱۱/۵۱۱. رقم الحدیث: ۳۲۳۸۶.

تلخیص الحبیر تخریج أحادیث الرافعی الکبیر لإبن حجر العسقلانیؒ -کتاب الجنائز -۲/۲۸۵. ط: مکتبة نزار مصطفیٰ البازمکة المکرمة.

الإحسان بترتیب صحیح ابن حبان -کتاب الوحی -ذکر الموضع الذی فیه رأی المصطفی ﷺ ...... رقم الحدیث: ۵۰ . ۱/۱۳۱ ط: دار الکتب

رسول الله صلی اللہعلیه وسلم وإنی واضع ثوبی وأقول إنما هو زوجی وأبی فلما دفن عمر رضی الله عنه معهم فوالله ما دخلته إلا وأنا مشدودة علیّ ثیابی حیاءً من عمر ".(۱)

ترجمہ...... "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں اپنے اس کمرے میں جس میں کہ حضور ﷺ مدفون ہیں، بلا حجاب داخل ہو جاتی تھی اور میں سمجھتی تھی کہ ایک تو میرے شوہر ہیں اور دوسرے میرے والد ماجد، پس جب ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین ہوئی تو اللہ کی قسم میں اس حجرہ میں حضرت عمرؓ سے حیاء کی وجہ سے بغیر پردہ کبھی نہ جاتی تھی۔"

اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے حاشیہ "مشکوۃ" میں ہے۔

حیاءً من عمر أوضح دلیل علی حیاة المیت(۲)

ترجمہ......(حیاءً من عمر) کے الفاظ میت کی زندگی پر واضح دلیل ہیں"۔

اس پر طیبی شارح مشکوٰۃ لکھتے ہیں:

" قال الطیبی : انه یجب احترام اهل القبور وتنزیه کل منهم ما هو علیه فی حیاته من مرعاة الأدب معهم علی قدر مراتبهم "(۳)

ترجمہ......علامہ طیبی نے کہا ہے کہ اس (حدیث) میں اس امر کی دلیل ہے کہ میت کا احترام بھی اس طرح کیا جائے جس طرح زندگی میں کیا جاتا ہے۔

۲- عن سعید بن المسیب قال: لم ازل أسمع الأذان والإقامة فی قبر رسول الله صلی اللہعلیه وسلم أیام الحرة حتی عاد الناس ".(۴)

(۱)مشکوٰة المصابیح -آخر کتاب الجنائز-باب زیارة القبور-الفصل الثالث-ج. ۱، ص ۱۵۴.

(۲)حاشیة المشکوٰة -رقم :۷ حواله بالا

(۳)شرح الطیبی -باب زیارة القبور-۴۱۸/۳-رقم الحدیث: ۱۷۷۱- ط:ادارة القرآن کراچی وایضا قال قبله صفحتین :اعلم أن زیارة المیت کزیارته فی حال حیاته ...... ویحترمه کماکان یحترمه فی الحیاة"-۴۱۶/۳-رقم الحدیث : ۱۷۶۵.

(۴)الخصائص الکبریٰ -۴۹۰/۲-

(بقیہ صفحہ آئندہ)

ترجمہ...... حضرت سعید بن میبّب سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ واقعہ حرہ کے دنوں میں، میں حضور ﷺ کی قبر شریف سے اذان اور اقامت کی آواز سنتا رہا یہاں تک کہ لوگ واپس آ گئے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیّ کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہ بأذان وإقامۃ (۱)

ترجمہ...... بے شک نبی اکرم ﷺ (اپنی قبر شریف میں) زندہ ہیں جیسا کہ ثابت ہو چکا اور بے شک آپ اپنی قبر میں اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں۔

عقیدۂ حیات النبیؐ وائمہ مذاہب اربعہ

حنفیہ کرام

فضل اللہ بن حسین تورپشتی الحنفی المتوفی ۶۳۰ھ

"وازاں جملہ آنست کہ بدانند کہ کالبدوے را زمین نخورد وبوسیدہ نشود و چوں زمین از وے شگافتہ شود کالبدوے بحال خود باشد وحشر وے ودیگر انبیاء چنیں باشد وحدیث درست است کہ **ان اللہ حرم علی الأرض أجساد الأنبیاء ھم**

(بقیہ صفحہ گذشتہ) الحاوی للفتاویٰ -۲/۱۴۰۔

شرح العلامۃ الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ للعلامۃ القسطلانیؒ (م۹۲۳ھ) الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف ومسجدہ المنیف ص۲۰۷ جلد نمبر ۱۲، ط: دار الکتب العلمیۃ بیروت

(۱) فتح الملھم بشرح صحیح مسلم للعلامۃ شبیر احمد العثمانیؒ - کتاب الحج - باب فضل مکۃ والمدینۃ وایھما افضل - ۳/۴۱۹...... ط: بھاندہ پریس جالندھر (ھند)

أحياء فی قبورهم يصلون واول ہمہ پیغمبر ما برخیز داز گور"۔(۱)

ترجمہ :ان خصوصیات میں سے ایک یہ بھی جاننی چاہیئے کہ آپ کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھاتی اور نہ وہ ریزہ ریزہ ہوگا اور (قیامت کو) جب زمین شق ہوگی تو آپ کا جسم مبارک اپنی حالت میں محفوظ ہوگا اور اسی وجود مبارک کے ساتھ آپ اور دیگر انبیا علیہم السلام کا حشر ہوگا اور صحیح احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام حرام کردیئے ہیں، انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور سب سے پہلے قبر مبارک سے ہمارے پیغمبر ﷺ اٹھیں گے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ:

"فمن المعتقد المعتمد أنه صلى الله عليه وسلم حيّ فی قبره كسائر الأنبياء فی قبورهم وهم أحياء عند ربهم وأن لأرواحهم تعلقاً بالعالم العلوی والسفلی كما كان فی الحال الدنيوی فهم بحسب القلب عرشيون وباعتبار القالب فرشيون".(۲)

ترجمہ:"عقیدہ جس پر پورا اعتماد ہے وہ یہی ہے کہ حضور اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور اسی طرح تمام انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی ارواح قدسیہ کو عالم علوی اور عالم سفلی کے ساتھ ایک تعلق بھی ہوتا ہے جیسا کہ دنیاوی حالت میں تھا پس وہ قلوب کے اعتبار سے عرشی اور جسم کے اعتبار سے فرشی ہیں۔"

علامہ ابن ہمامؒ المتوفیٰ ۶۸۱ھ:

"......تستقبل القبر بوجهک، ثم تقول: السلام عليک أيها النبی ورحمة الله وبركاته ......وذلک انه عليه السلام فی القبر الشريف المكرم

(۱)المعتمد فی المعتقد –باب: ۲،فصل: ۴– ص: ۱۰۷ – ط: مطبع مظهر العجائب مدراس ۱۲۸۸ھ

(۲)شرح الشفاء لعلی القاری علیٰ هامش نسيم الرياض فی شرح الشفاء، ۳/ ۴۹۹.

علی شقه الأیمن مستقبل القبلة......ثم یسئل النبی الشفاعة فیقول: یارسول الله! أسألک الشفاعة یارسول الله! أسألک الشفاعة ولیکثر دعائه بذالک فی الروضة الشریفة عقیب الصلوة وعند القبر ویجتهد فی خروج الدمع فانه من أمارات القبول وینبغی أن یتصدق بشیٔ علی جیران النبی ثم ینصرف متباکیاً متحسراً علی فراق الحضرة الشریفة النبویة والقرب منها". (۱)

ترجمہ...... ''تم حضور انور کی قبر شریف کے سامنے ہوکر السلام علیک ایھا النبی ورحمة الله عرض کرو اور یہ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر شریف میں دائیں کروٹ قبلہ کی طرف رخ کئے ہوئے ہیں...... پھر حضور انور سے شفاعت کرنے کی التجا بھی کرے اور کہے کہ یارسول اللہ! میں شفاعت کے لئے سوال عرض کرتا ہوں ......روضۂ شریفہ میں درود شریف کے بعد...... اور قبر کے پاس پھر کثرت سے دعا کرے اور آنسو آجانے کی حد تک زاری کرے، کیونکہ یہ قبولیت کی علامات میں سے ہے اور چاہئے کہ روضۂ اطہر کے مجاورین پر کچھ صدقہ بھی کرے، پھر روتا ہوا اور آپ کے قرب اقدس سے جدا ہونے کا غم ساتھ لیتے ہوئے واپس ہو۔''

شارح بخاری علامہ عینیؒ المتوفی ۸۵۵ھ:

''ومذهب أهل السنة والجماعة أن فی القبر حیاةً وموتاً فلابد من ذوق الموتتین لکل أحد غیر الانبیاء". (۱)

ترجمہ...... پورے اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ قبر میں حیات اور پھر موت یہ دونوں سلسلے ہوتے ہیں پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں، ماسوائے

(۱) فتح القدیر للامام کمال الدین محمد بن عبدالواحد، کتاب الحج، مسائل منثورة، باب زیارة قبر النبی ﷺ -۳/۹۵، ۹۷، ط: مکتبة رشیدیة کوئٹه

(۲) عمدة القاری- کتاب المناقب -باب قول النبی ﷺ سدوا الأبواب الاباب أبی بکر - ۸/۱۸۵ - رقم الحدیث: ۱۶۷، ط: دار الفکر، بیروت

انبیاء کے (کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں، ان پر دوبارہ موت نہیں آتی)۔

علامہ عینیؒ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"فانهم لایموتون فی قبورهم بل هم أحیاء(۲)

ترجمہ...... "یقیناً انبیاء کرامؑ اپنی قبور شریفہ میں مردہ نہیں ہوتے بلکہ وہ وہاں زندہ ہوتے ہیں۔"

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفیؒ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "امتنا اثنین ......الآیة" کی تفسیر کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

"أرادبالموتتین الموت فی الدنیا والموت فی القبر وهما الموتتان المعروفتان المشهورتان فلذلک ذکرهما بالتعریف وهما الموتتان الواقعتان لکل أحد غیر الأنبیاء علیهم الصلوٰة والسلام فإنهم لایموتون فی قبورهم بل هم أحیاء وأما سائر الخلق فإنهم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القیامة".(۱)

ترجمہ...... "دو موتوں سے ایک وہ موت مراد ہے جو دنیا میں آتی ہے اور دوسری وہ ہے جو قبر میں آتی ہے یہی معروف ومشہور موتیں ہیں (اس لئے ان کو الف ولام حرف تعریف سے ذکر کیا ہے) ہاں حضرات انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں، وہ اپنی قبروں میں نہیں مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں بخلاف دیگر مخلوق کے کہ (حساب وکتاب کے بعد) وہ قبروں میں وفات پاجاتے ہیں اور پھر قیامت کے دن وہ زندہ ہوں گے۔"

امام ملا علی قاریؒ المتوفیٰ ۱۰۱۴ھ:

"ان الأنبیاء أحیاء فی قبورهم فیمکن لهم سماع صلوٰة من

(۱)عمدة القاری –المرجع السابق.

(۲)عمدة القاری –المرجع السابق.

صلی علیهم."(۱)

ترجمہ...... بے شک انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ سن سکتے ہیں، اس شخص کو جوان پر درود پڑھے۔"

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ المتوفی ۱۰۵۲ھ:

"حیات انبیاء متفق علیہ است، ہیچ کس را در وے خلاف نیست۔"(۲)

ترجمہ...... حضور انورؐ کی حیات ایک متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے، کسی کا (اہل حق میں سے) اس میں اختلاف نہیں۔

علامہ شرنبلالیؒ المتوفی ۱۰۶۹ھ:

"ومما هو مقرر عند المحققين أنه صلى الله عليه وسلم حي يرزق ممتع بجميع الملاذ والعبادات غير انه حجب عن أبصار القاصرين عن شريف المقامات ......ينبغي لمن قصد زيارة النبي صلى الله عليه وسلم أن يكثر الصلوٰة عليه فإنه يسمعها وتبلغ إليه".(۳)

ترجمہ...... محققین کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ حضور انورؐ زندہ ہیں، آپ کو رزق بھی ملتا ہے اور عبادات سے آپ لذت بھی اٹھاتے ہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ ان کاموں سے پردے میں ہیں جو ان مقامات تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں ...... جو شخص حضور اکرمؐ کی زیارت کرنے کے لئے آئے، اُسے چاہئے کہ کثرت سے درود عرض کرے، کیونکہ آپؐ اُسے خود سن رہے ہوتے ہیں، اور (دور سے) آپ کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔

(۱) مرقاة المفاتيح–كتاب الصلوة –باب الجمعة –الفصل الثانی –۳/۴۵۴–رقم الحديث: ۱۳۶۱– وايضا : باب الصلوة على النبی ﷺ وفضلها –۳/۱۲ –رقم الحدبث: ۹۲۴ –المكتبة الرشيدية .

(۲) اشعة اللمعات ترجمه فارسی مشكوٰة–كتاب الصلوٰة –باب الجمعة –الفصل الثانی –۱/۶۱۳ ط: نول كشور لكهنئو.

(۳) حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح–فصل فی زيارة النبی ﷺ –۴۰۵. ط: قديمی، كراچی

علامہ طحطاویؒ المتوفی ۱۲۳۳ھ:

"(فانه يسمعها) أى إذا كانت بالقرب منه صلى الله عليه وسلم (وتبلغ إليه) أى يبلغها الملك إذا كان المصلى بعيداً". (۱)

ترجمہ...... آپ صلوٰۃ وسلام کو اس وقت خود سنتے ہیں جب قریب سے عرض کیا جارہا ہو اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں جب یہ دور سے پڑھا جارہا ہو۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ المتوفی ۱۲۵۲ھ:

فقد أفاد فى الدر المنتقىٰ أنه خلاف الإجماع قلت: وأما مانسب إلى الإمام الأشعرى إمام أهل السنة والجماعة من إنكار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان والمصرح به فى كتبه وكتب أصحابه خلاف مانسب إليه بعض أعدائه لأن الأنبياء عليهم الصلوٰة والسلام أحياء فى قبورهم وقد أقام النكير على افتراء ذلك الإمام العارف أبو القاسم القشيرىؒ......" (۲)

ترجمہ...... پس تحقیق در منتقی میں ہے کہ (حضور ﷺ کی رسالت آپ کی وفات شریف کے بعد اب بھی حقیقتاً باقی ہے اور اسے صرف حکماً باقی کہنا) خلاف اجماع ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام اہل سنت امام اشعریؒ کی طرف جو بات منسوب کی گئی ہے وہ آنحضرت کی وفات کے بعد آپ کی حقیقتاً رسالت کے بقا کے منکر تھے، یہ ان پر افتراء اور بہتان ہے کیونکہ ان کی اور ان کے تلامذہ کی کتابوں میں صراحتاً اس کے برعکس مذکور ہے، دراصل یہ بات ان کے دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کردی ہے، کیونکہ

---

(۱) حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح-فصل فى زيارة النبى ﷺ -۴۰۵-المرجع السابق.

(۲) رد المحتار على الدر المختار لابن عابدين الشامىؒ-كتاب الجهاد ،باب المنعم وقسمته، مطلب فى ان رسالته صلى الله عليه وسلم باقية بعد موته، ۴/۱۵۱ ط: ایچ ایم سعید

انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔اس افتراء کے خلاف امام عارف ابوالقاسم قشیریؒ نے اپنی کتاب میں رد کیا ہے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"ان المنع هنا لإنتفاء الشرط وهو إما عدم وجود الوارث بصفة الوارثية كما اقتضاه الحديث وإما عدم موت المورث بناءً على أن الأنبياء أحياء فى قبورهم كماورد فى الحديث".(۱)

ترجمہ...... "بے شک منع یہاں انتفائے شرط کی وجہ سے ہے اور وہ یا تو وارث وجود صفت وراثیت کے ساتھ نہ ہونا ہے جیسا کہ حدیث اس کا تقاضا کرتی ہے اور یا مورث کی موت کا نہ ہونا اس بنا پر کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔"

علامہ ابن عابدین شامیؒ امام ابوالحسن اشعریؒ کی طرف غلط منسوب عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لأن الأنبياء عليهم الصلوٰة والسلام أحياء فى قبورهم وقد أقام النكير على افتراء ذلك الإمام العارف أبو القاسم القشيرى فى كتابه شكاية السنة."(۲)

ترجمہ......اس لئے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور امام ابوالقاسم القشیری نے اپنی کتاب شکایت السنۃ میں اس افتراء کی سختی سے تردید کی ہے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

ان الأنبياء أحياء فى قبورهم كما ورد فى الحديث (۳)

ترجمہ...... "حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث

(۱)رسائل ابن عابدين الرحيق المختوم شرح قلائد المنظوم-فصل فى موانع الارث - ۲/ ۲۰۲.
ط:سهيل اكيڈيمی لاهور پاكستان

(۲)رد المحتار -مطلب فى أن رسالته ﷺ باقية بعد موته ۴/ ۱۵۱.

(۳)رسائل ابن عابدين -المرجع السابق.

شریف میں آیا ہے"۔

علامہ محمد عابد السندی المتوفی ۱۲۵۷ھ:

"اما هم (أى الأنبياء) فحياتهم لاشک فيه و لاخلاف لأحد من العلماء فى ذلک......فهو صلى الله عليه وسلم حى على الدوام." (۱)

ترجمہ......انبیاء کرام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور نہ علماء میں سے کسی کا اس سے اختلاف ہے، پس آپ ﷺ اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔"

نواب قطب الدین دہلویؒ المتوفی ۱۲۸۹ھ:

"زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں۔ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے، کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔" (۲)

حضرات مالکیہ

امام مالکؒ المتوفی ۱۷۹ھ:

"نقل عن الإمام مالک انه كان يكره أن يقول رجل: زرت قبر النبى صلى الله عليه وسلم، قال ابن رشد من اتباعه: ان الكراهة لغلبة الزيار ة فى الموتى وهو صلى الله عليه وسلم أحياه الله تعالىٰ بعد موته حياة تامة واستمرت تلک الحياة وهى مستمرة فى المستقبل وليس هذا خاصة به صلى الله عليه وسلم بل يشاركه الأنبياء عليهم السلام فهو

(۱) رسالہ مدنیہ –ص ۱۴– بحواله مقام حيات المسمى بمدارک الاذكياء فى حياة الانبياء – الفصل الثالث– شواهد الحيات شهادات اجماع –ص ۲۱۵ –ط: مكتبه پيام اسلام لاهور.

(۲) مظاهر حق– نواب محمد قطب الدين خان– كتاب الصلوٰة –باب الجمعة –الفصل الثانى تحت رواية اوس بن اوس . ۱/۸۹۱ . ط: دار الاشاعت كراچى

حی بالحیاة الکاملة مع الإستغناء عن الغذاء الحسی الدنیوی ".(۱)

ترجمہ......امام مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ: "میں نے حضورؐ کی قبر کی زیارت کی۔" امام مالکؒ کے مقلدین میں سے ابن رشد اس کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ اس ناپسندگی کی وجہ یہ ہے کہ زیارت کا لفظ عام طور پر مُردوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور حضور وفات شریفہ کے بعد اب حیات تامہ سے زندہ ہیں اور یہ حیات آئندہ بھی اسی طرح رہے گی۔ یہ صرف آپ ہی کا خاصہ نہیں، بلکہ تمام انبیاء کرام اس وصف میں آپؐ کے ساتھ شریک ہیں پس آپؐ غذائے حسی دنیوی سے استغناء کے باوجود حیات کاملہ سے زندہ ہیں۔"

علمائے مالکیہ میں سے امام قرطبیؒ (تفسیر قرطبی ج۵ ص۲۶۵) امام ابوحیان اندلسی (بحرالمحیط ج۱ص ۲۸۳) علامہ ابن الحاج علامہ ابن رشد اندلسی اور ابن ابی جمرة وغیرہم نے ان مسائل کا خوب تذکرہ کیا ہے۔

علامہ سمہودیؒ المتوفیٰ ۹۱۱ھ:

"لاشک فی حیاته صلی الله علیه وسلم بعد وفاته و کذا سائر الأنبیاء علیهم الصلوٰة والسلام أحیاء فی قبورهم حیاة أکمل من حیاة الشهداء التی أخبر الله تعالیٰ بها فی کتابه العزیز".(۲)

ترجمہ......وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی حیات شہداء کی اس حیات سے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کیا ہے بڑھ کر ہے۔"

---

(۱) نور الإیمان بزیارة آثار حبیب الرحمن-ص۱۴. مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی، وکذالک فی وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفیٰ -الباب الثامن فی زیارة النبی ﷺ -الفصل الثانی فی بقیة ادلة الزیارة ......الخ -۴/ ۱۳۵۲ - ط:مصر

(۲)وفاء الوفاء -حواله بالا -۴/ ۱۳۵۲.

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"وأما أدلة حياة الأنبياء فمقتضاها حياة الأبدان كحالة الدنيا مع الإستغناء عن الغذا."(۱)

ترجمہ...... "بہرکیف حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں تھی مگر خوراک سے وہ مستغنی ہیں۔"

حضرات شوافع

شوافع میں سے امام بیہقیؒ اور امام سیوطیؒ نے حیات انبیاء کے عنوان پر مستقل تصانیف سپرد قلم کی ہیں، علامہ طیبیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے متعدد حوالے، مباحث حدیثیہ کے ضمن میں آپ کے سامنے آچکے ہیں، اور علامہ سبکی نے بھی انہی حقائق کی تصدیق فرمائی ہے۔

علامہ تاج الدین السبکیؒ (المتوفی ۷۷۷ھ) حضرت انسؓ کی حدیث مذکورہ کا حوالے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عن أنس قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون فإذا ثبت أن نبينا صلى الله عليه وسلم حي فالحي لابد من أن يكون إما عالما اوجاهلاً ولايجوز أن يكون النبى صلى الله عليه وسلم جاهلاً".(۲)

ترجمہ...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ نماز پڑھتے ہیں جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت محمد ﷺ زندہ ہیں تو زندہ کے لئے لازم ہے کہ یا تو وہ عالم

(۱) وفاء الوفاء –حواله بالا –۱۳۵۵/۴.

(۲) الطبقات الشافعية الكبرىٰ –ترجمة الشيخ أبى الحسن الأشعرى–ذكر رسالة القشيرى إلى بلاد شكاية اهل السنة –۴۱۱/۳– رقم الترجمة– ۲۲۲ – ط:داراحياء الكتب العربية.

ہو یا جاہل اور یہ بات ہرگز جائز نہیں کہ آنحضرت ﷺ جاہل ہوں (معاذ اللہ! تو لامحالہ آپؐ عالم ہوں گے۔)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

لأن عندنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حي يحس ويعلم وتعرض عليه أعمال الامة ويبلغ الصلوٰة والسلام على مابينا "(۱)

ترجمہ...... ہمارے نزدیک آنحضرت ﷺ زندہ ہیں حس وعلم سے موصوف ہیں، اور آپ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچائے جاتے ہیں جس طرح کہ ہم بیان کرآئے ہیں"۔

نیز علامہ سبکیؒ اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ومن عقائدنا أن الأنبياء عليهم السلام أحياء في قبورهم، فأين الموت؟ إلى أن قال: وصنف البيهقي رحمه الله جزأً، سمعناه في "حياة الانبياء عليهم السلام في قبورهم" واشتد نكير الأشاعرة على من نسب هذا القول إلى الشيخ ".(۲)

ترجمہ...... ہمارے عقیدے میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں تو پھر ان پر موت کہاں؟ (پھر آگے فرمایا کہ) امام بیہقیؒ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں حیات پر ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جو خود ہم نے سنا ہے اور جن لوگوں نے امام ابوالحسن الاشعری کی طرف یہ غلط بات منسوب کی ہے اشاعرہ نے سختی سے اس کا رد کیا ہے"۔

حافظ ابن حجرؒ المتوفیٰ ۸۵۲ھ:

"ان حياته صلى الله عليه وسلم في القبر لايعقبها موت بل

(۱) الطبقات الشافعية الكبرىٰ –المرجع السابق –۳/ ۴۱۲

(۲) الطبقات الشافعية الكبرىٰ –حواله بالا –۳/ ۳۸۴، ۳۸۵.

یستمر حیاً والأنبیاء أحیاء فی قبورهم .(۱)

ترجمہ......آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے جس پر پھر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ؐ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"وإذا ثبت انهم أحیاء من حیث النقل فإنه یقویه من حیث النظر کون الشهداء أحیاء بنص القرآن والأنبیاء أفضل من الشهداء".(۲)

ترجمہ......اور جب نقل کے لحاظ سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی ان کی تائید کرتا ہے اور وہ یہ کہ شہداء نص قرآن کی رو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام تو شہداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔ (تو بطریق اولیٰ ان کو حیات حاصل ہوگی)۔

حضرات حنابلہ

ابن عقیلؒ:

قال ابن عقیل من الحنابلة هو صلی الله علیه وسلم حیّ فی قبره یصلی ".(۱)

ترجمہ......(حنابلہ کے مشہور بزرگ) ابن عقیلؒ فرماتے ہیں کہ حضور انورؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

---

(۱) فتح الباری - کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ - باب قول النبی ﷺ - لو کنت متخذا خلیلا - ۷/۲۹ - رقم الحدیث : ۳۶۶۸ - ط: رئاسة ادارات البحوث العلمیة السعودیة .

(۲) فتح الباری - کتاب أحادیث الأنبیاء - باب قول الله واذکر فی الکتب مریم ......الخ - ۶/۴۸۸ - رقم الحدیث: ۳۴۴۷ - ط: رئاسة ادارات البحوث العلمیة

(۳) الروضة البهیة - ص: ۱۴ - بحواله مقام حیات - الفصل الثانی - مذاهب اربعه درحیات نبویه - حنابله کرام - ص ۱۹۹ .

عقیدۂ حیات النبی ﷺ اور اکابرین امت

امام عبدالقاہر البغدادی المتوفی ۴۲۹ھ

”وأجمعوا على أن الحياة شرط في العلم والقدرة والإرادة والرؤية والسمع وأن من ليس بحي لايصح أن يكون عالماً قادراً مريداً سامعاً مبصراً وهذا خلاف قول الصالحي وأتباعه من القدرية في دعواهم جواز وجود العلم والقدرة والرؤية والإرادة في الميت“.(۱)

ترجمہ..... ”اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ علم، قدرت، ارادہ، دیکھنے اور سننے کے لئے حیات شرط ہے اور اس امر پر بھی اہل سنت کا اجماع ہے کہ جو ذات حیات سے متصف نہ ہو وہ عالم قادر، مرید اور سننے اور دیکھنے والی نہیں ہوسکتی، منکرین تقدیر میں صالحی اور اس کے پیروکاروں کا قول اس کے خلاف ہے، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ علم وقدرت دیکھنا اور ارادہ کرنا حیات کے بغیر بھی جائز ہوسکتا ہے۔“

امام بیہقیؒ المتوفی ۴۵۸ھ

ان الله جل ثنائه رد إلى الأنبياء أرواحهم فهم أحياء عند ربهم كالشهداء ......الخ (۲)

---

(۱) الفرق بين الفرق للامام عبدالقاهر بن طاهربن محمد البغدادى(م۴۲۹ھ)- الفصل الثالث فى بيان الأصول التى اجتمع عليها أهل السنة ......الخ-ص۳۳۷. ط:دارالمعرفة بيروت

(۲)حيات الأنبياء للبيهقىؒ -بيان وجه الإستشهاد بهذين الحديثين-ص ۱۱۱. ط:مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنوره

وفاء الوفاء للسهموديؒ-الباب الثامن فى زيارةالنبى ﷺ -الفصل الثامن فى بقية أدلة الزيارة۴/۱۳۵۲. ط:مطبعة السعادة مصر

الزرقانى على المواهب اللدنية-القسم الرابع مااختص به صلى الله عليه وسلم من الفضائل والكرامات-ومنها أنه حى فى قبره -۵/۳۳۲- ط:المطبعة الأزهرية المصرية

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح اُن کی طرف لوٹا دیئے ہیں، سووہ اپنے رب کے ہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔

امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاویؒ المتوفیٰ ۹۰۲ھ

"نحن نؤمن ونصدق بأنه صلى الله عليه وسلم حيّ يرزق في قبره وأن جسده الشريف لاتأكله الأرض والإجماع على هذا".(۱)

ترجمہ......ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں اوراس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپؐ کے جسد اطہر کو زمین نہیں کھاسکتی اوراسی پر اجماع منعقد ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ المتوفیٰ ۹۱۱ھ:

"حياة النبي صلى الله عليه وسلم في قبره هو وسائر الأنبياء معلومة عندنا علماً قطعياً لما قام عندنا من الأدلة في ذلك وتواترت به الأخبار الدالة على ذلك".(۲)

ترجمہ......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر مبارک میں اوراسی طرح دیگر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات ہمارے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے کیونکہ اس پر ہمارے نزدیک دلائل قائم ہیں اور تواتر کے ساتھ اخبار موجود ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں"۔

علامہ سیوطیؒ حیات النبی کے تواتر کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان من جملة ماتواتر عن النبي صلى الله عليه وسلم حياة

---

(۱) القول البديع في الصلوٰة على الحبيب الشفيع-الباب الرابع-السادسةرسول الله حي على الدوام- ص ۱۶۷ . ط:مطبعة الإنصاف، بيروت، ۱۳۸۳ھ ، ۱۹۶۳ء

(۲) الحاوي للفتاوي- أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء ۲/ ۱۳۹ - ط: مكتبة رشيديه كوئته

الأنبياء في قبورهم".(۱)

ترجمہ......یعنی جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ مروی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ المتوفی ۹۷۳ھ:

عقیدۂ حیات النبیؐ کے تواتر کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"قد صحت الأحاديث أنه صلى الله عليه وسلم حيّ في قبره يصلي بإذان وإقامة"(۲)

ترجمہ: بلاشبہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

ملاعلی قاریؒ المتوفی ۱۰۱۴ھ:

فمن المعتقد المعتمد أنه صلى الله عليه وسلم حي في قبره كسائر الأنبياء في قبورهم وهم أحياء عند ربهم وأن لأرواحهم تعلقاً بالعالم العلوي والسفلي كما كانوا في الحال الدنيوي فهم بحسب القلب عرشيون وباعتبار القالب فرشيون ".(۳)

ترجمہ......قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبروں میں، اور اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور ان کے ارواح عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم کے اعتبار سے فرشی ہیں۔

---

(۱) النظم المتناثر من الحديث المتواتر – كذا في شرح البوستوي، ص: ۴، ط:مصر

(۲) منح المنة – ص: ۹۲، ط:مصر

(۳) شرح الشفاء –الباب الرابع في حكم الصلوٰة عليه صلى الله عليه وسلم –فصل في تخصيصه عليه الصلوٰة والسلام بتبليغ صلاة من صلى عليه......الخ– ۲/ ۱۴۲ . ط:قاهره، مصر

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ المتوفیٰ ۱۰۵۲ھ:

''حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کسی را دروے خلافے نیست''۔(۱)

ترجمہ: حیات متفق علیہ ہے کسی کا اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ المتوفیٰ ۱۲۰۶ھ:

"والذی نعتقد أن رتبة نبینا صلی اللهعلیه وسلم علی مراتب المخلوقین علی الإطلاق وأنه حیّ فی قبره حیوٰة مستقرة أبلغ من حیاة الشهداء المنصوص علیها فی التنزیل إذ هو أفضل منهم بلاریب وأنه یسمع من یسلم علیه ".(۲)

ترجمہ...... جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ اپنی قبر مبارک میں حیات دائمی سے متصف ہیں، جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ وارفع ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپؐ پر (عندالقبر) سلام کہتا ہے، آپ سنتے ہیں۔

علامہ قاضی شوکانیؒ المتوفیٰ ۱۲۵۵ھ:

"وقد ذهب جماعة من المحققین إلی أن رسول الله صلی اللهعلیه وسلم حیّ بعد وفاته وأنه یسر بطاعات أمته وان الأنبیاء لایبلون مع أن مطلق الإدراک کالعلم والسماع ثابت بسائر الموتیٰ، إلی أن قال: وورد النص فی کتاب الله فی حق الشهداء أنهم أحیاء یرزقون وأن

(۱) أشعة اللمعات–کتاب الصلوٰة –باب الجمعة –الفصل الثانی – ۱/ ۶۱۳ . ط:منشی نول کشور لکهنئو

(۲) اتحاف النبلاء – بحوالہ مقام حیات الفصل الثانی - مذاہب اربعہ درحیات نبویہ - اکابر فرقہ اہل حدیث ۲۰۴، ۲۰۵.

الحیاة فیهم متعلقة بالجسد فکیف بالأنبیاء والمرسلین وقد ثبت فی الحدیث أن الأنبیاء أحیاء فی قبورهم، رواه المنذری وصححه البیهقی وفی صحیح مسلم عن النبی صلی اللہعلیه وسلم قال مررت بموسیٰ لیلة أسری بی عند الکثیب الأحمر وهو قائم یصلی فی قبره ".(۱)

ترجمہ...... بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں اور یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے، حالانکہ مطلق ادراک جیسے علم اور سماع وغیرہ تو یہ سب مردوں کے لئے ثابت ہے (پھر آگے کہا) اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں شہداء کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے اور ان کی حیات جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کی حیات جسم سے کیوں متعلق نہ ہوگی؟ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، امام منذریؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور امام بیہقیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات سرخ رنگ کے ٹیلے کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

نواب قطب الدین خان صاحبؒ المتوفی ۱۲۷۹ھ:

''زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے''۔(۲)

---

(۱) نیل الأوطار –ص.۳۰۵، ج.۳ ط: دار الفکر بیروت

(۲) مظاهر حق –کتاب الصلوٰة –باب صلوٰة الجمعة–الفصل الثانی. ۱/ ۸۹۱......ط: دار الاشاعت کراچی (جدید وقدیم کے الفاظ کے فرق کے ساتھ)

مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ المتوفی ۱۳۲۹ھ

"ان الأنبياء فی قبورهم أحياء". (۱)

ترجمہ: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

مولانا ابوالعتیق عبدالہادی محمد صدیق نجیب آبادی الحنفیؒ:

"انهم اتفقوا على حيوٰته صلى الله عليه وسلم بل حيوٰة الأنبياء عليهم الصلوٰة والسلام متفق عليها لاخلاف لأحدفيها "(۲)

ترجمہ..... "محدثین کرام" اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات متفق علیہا ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

اکابر علماء دیوبند کی تصریحات

"السوال الخامس ما قولكم فى حيوٰة النبى عليه الصلوٰة والسلام فى قبره الشريف، هل ذلک أمر مخصوص به أم مثل سائر المؤمنين رحمة الله عليهم حيوٰة برزخية.

الجواب: عندنا وعند مشائخنا حياة حضرة الرسالة صلى الله عليه وسلم حى فى قبره الشريف وحيوته صلى الله عليه وسلم دنيوية من غير تكليف وهى مختصة به صلى الله عليه وسلم وبجميع الأنبياء صلوات الله عليهم والشهداء لابرزخية كماهى حاصلة لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كما نص عليه العلامة السيوطى فى رسالته

(۱) عون المعبود لحل مشكلات سنن أبى داؤد للمحدث شمس الحق العظيم آبادى–كتاب الصلوٰة–باب تفريع ابواب الجمعة–باب فضل يوم الجمعة– .... ۱/۴۰۵– نشر السنة ملتان

(۲) أنوار المحمود على سنن أبى داؤد –كتاب المناسک –باب زيارة القبور– ۱/۶۱۰– ط: ادارة القرآن

أنباه الاذكياء بحيوة الانبياء" حيث قال: قال الشيخ تقي الدين السبكي: حيوة الأنبياء والشهداء في القبر كحياتهم في الدنيا ويشهد له صلوة موسى عليه السلام في قبره فان الصلوة تستدعي جسداً حياً إلى آخر ماقال. فثبت بهذا أن حيوته دنيوية برزخية لكونها في عالم البرزخ. ولشيخنا شمس الاسلام والدين محمد قاسم العلوم على المستفيدين قدس الله سره العزيز في هذا المبحث رسالة مستقلة دقيقة المأخذ بديعة المسلک لم يُر مثلها قدطبعت وشاعت في الناس واسمها "آب حيات" أي ماء الحياة ......الخ (۱)

ترجمہ...... پانچواں سوال...... کیا فرماتے ہو: جناب رسول اللہ ﷺ کی قبر میں حیات کے متعلق کہ کوئی خاص حیات آپ کو حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی حیات ہے؟

جواب...... ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے، بلا مکلّف ہونے کے، اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو، چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالے "انباء الأذكياء في حيوة الانبياء" میں بتصریح لکھا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکیؒ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام وشہداء کی قبروں میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے...... الخ۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب

(۱) المهند على المفند للعلامة المحدث خليل احمد السهارنپوري–السوال الخامس –ص ۲۱، ۲۲، ط: دار الاشاعت کراچی

عقائد علماء دیوبند اور حسام الحرمین. ص: ۲۲۱، ط: دارالاشاعت کراچی

قدس سرہ کا اس مبحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے، نہایت ہی دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل جو طبع ہوکر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے، اس کا نام "آب حیات" ہے۔"

مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ الحنفی المتوفی ۱۲۹۷ھ:

"والأحسن أن يقال ان حياته صلى الله عليه وسلم لايتعقبها موت بل يستمر حياً والأنبياء أحياء في قبورهم." (۱)

ترجمہ...... بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی، بلکہ دوامی حیات آپ کو حاصل ہے اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔"

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ المتوفی ۱۳۲۳ھ:

"قبر کے پاس...... انبیاء کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔" (۲)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ المتوفی ۱۳۴۶ھ:

"ان نبي الله صلى الله عليه وسلم حيّ في قبره كماأن الأنبياء عليهم السلام أحياء في قبورهم." (۳)

ترجمہ...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔"

---

(۱) حاشية البخاري مولانااحمد علی السهارنپوری(م۱۲۹۷ھ)-۱/۵۱۷ . ط:قديمی كراچی.

(۲) فتاویٰ رشیدیہ- کتاب العلم- اہل قبور سے استعانت-۱۲۳ط: محمد علی کارخانہ اسلامی کتب اردو بازار کراچی

(۳) بذل المجهود في حل أبي داؤد للشيخ الامام خليل احمد السهارنپوریؒ -باب التشهد- ۲/۱۱۷ . ط:معهد الخليل بهادر آباد كراتشی

حضرت مولانا سید محمد انور شاہؒ المتوفی ۱۳۵۲ھ:

"وقد يتخايل ان رد الروح ينافي الحيوة وهو يقررها فان الرد إنما يكون إلى الحي لا إلى الجماد كما وقع في حديث ليلة التعريس يريد بقوله الأنبياء مجموع الأشخاص لا الأرواح فقط ......الخ (۱)

ترجمہ...... "کبھی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ روح کالوٹانا حیات کے منافی ہے حالانکہ ردِّ روح حیات کوثابت کرتا ہے کیونکہ روح زندہ کی طرف لوٹائی جاتی ہے نہ کہ جماد کی طرف، جیسا کہ لیلۃ التعریس کی حدیث میں ہے (جب سب حضرات سو گئے تھے اور سورج چڑھنے کے بعد بیدار ہوئے اور اس میں زندہ روح کا ذکر ہے، بخاری ج۱ص۸۳) اور انبیاء احیاء سے حضرات انبیاء کے مجموع اشخاص مراد ہیں نہ کہ فقط ارواح (یعنی وہ اپنے اجسام کے ساتھ زندہ ہیں)۔"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"ان كثيراً من الأعمال قد ثبتت في القبور كالأذان والإقامة عند الدارمي وقرأة القرآن عند الترمذي......الخ". (۲)

ترجمہ...... قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے، جیسے اذان واقامہ کا ثبوت دارمی کی روایت میں اور قرأت قرآن کا ترمذی کی روایت میں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ المتوفی ۱۳۶۲ھ:

بیہقی وغیرہ نے حدیث انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں کذا فی المواهب ف: یہ نماز تکلیفی نہیں بلکہ تلذذ کے لئے ہے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا

(۱) تحية الاسلام – ص ۳۵ ، ۳۶ مدينه پريس بجنور، يوپی (هند)

(۲) فيض الباری – ج. ۱ ، ص ۸۳ كتاب العلم، باب من اجاب الفتيا، ط: ڈربھيل

جائے کہ آپ کو ہر جگہ پکارنا جائز ہے......الخ۔(۱)

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''آپؐ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں''۔(۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ المتوفی ۱۳۶۹ھ

''أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیّ کما تقرر وأنہ یصلی فی قبرہ بأذان وإقامۃ''(۳)

ترجمہ......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ یہ ثابت ہے اور آپؐ اپنی قبر میں اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

حضرت مولانا سید حسین احمدؒ مدنی المتوفی ۱۳۷۷ھ:

''آپؐ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر۔(۴)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''وہ (وہابی) وفات ظاہری کے بعد انبیاء علیہم الصلوٰۃ کی حیات جسمانی اور بقائے علاقہ بین الروح والجسم کے منکر ہیں اور یہ (علماء دیوبند) حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہوئے اور بڑے زور شور سے اس پر دلائل قائم کرتے متعدد رسائل اس کے بارے میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں۔(۵)

---

(۱) نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ-للعلامۃ حکیم الامۃ مولانا اشرف علی التھانویؒ فصل نمبر ۲۸: آپ ﷺ کے عالم برزخ میں تشریف رکھنے کے متعلق بعض احوال وفضائل میں-روایت:۳ عن انسؓ بن مالک ص ۲۳۸۔ط: مطبع انتظامی کانپور

(۲) التکشف عن مھات التصوف- التوسل - ص ۴۱۵-ط: کتب خانہ مظھری.

(۳) فتح الملھم بشرح صحیح مسلمؒ للعلامۃ شبیر احمد العثمانیؒ(المتوفی: ۱۳۶۹ھ)-کتاب الحج -باب فضل مکۃ والمدینۃ ......الخ-۳/ ۴۱۹- ط:مطبعۃ ؟؟ندہ پریس جالندھر(ھند)

(۴) مکتوبات شیخ الاسلام (مولانا سید حسین احمد مدنی) -مکتوب :۴۴-۱/ ۱۲۰.

(۵) نقش حیات-رسالہ حسام الحرمین کی حقیقت-۱/۱۲۰ط: المیزان لاھور

عقیدہ حیات النبی پر اجماع

علامہ سخاویؒ المتوفی ۹۰۲ھ:

نحن نومن ونصدق بانه صلی الله علیه وسلم حی یرزق فی قبره وان جسده الشریف لاتاکله الارض والاجماع علی هذا". (۱)

ترجمہ...... ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں آپ کو وہاں رزق بھی ملتا ہے اور آپ کے جسد اطہر کو زمین بھی نہیں کھاتی اور اس عقیدہ پر اہل حق کا اجماع ہے۔

منکرین حیات کا حکم:

شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ المتوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں:

"من انکر الحیوة فی القبور وهم المعتزلة ومن نحا نحوهم وأجاب اهل السنة عن ذلک". (۲)

ترجمہ: جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زندگی کا انکار کیا اور وہ معتزلہ اور ان کے ہم عقیدہ ہیں اہل سنت نے ان کے دلائل کے جوابات دیئے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ نے بھی اسی انداز میں بیان کو اختیار فرمایا ہے کہ منکرین حیات اہل سنت میں سے نہیں۔

"قد تمسک به من انکر الحیوة فی القبر واجیب عن اهل السنة . ان حیوته صلی الله علیه وسلم فی القبر لایعقبها موت بل

(۱) القول البدیع فی الصلوة علی الحبیب الشفیع للإمام شمس الدین السخاوی الشافعی (المتوفی: ۹۰۲ھ) - الباب الرابع - السادسة رسول الله حی علی الدوام - ص ۱۶۷ - ط: مطبعة الانصاف بیروت.

(۲) عمدة القاری شرح صحیح البخاری - کتاب فی فضائل اصحاب النبی ﷺ - باب قول النبی صلی الله علیه وسلم لو کنت متخذا خلیلا - ۲۵۴/۱۳ - ط: مصطفی البابی الحلبی .

یستمر حیاً".(۱)

ترجمہ..... منکر حیات فی القبر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اہل سنت کی طرف سے ان کا جواب دیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کی قبر کی زندگی ایسی ہے کہ دوبارہ اس پر موت نہیں اور آپ اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔

حضرت مولا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نے بھی اس عبارت کو حاشیہ بخاری پر نقل اور تسلیم کیا ہے۔

اب تک کی گزارشات سے واضح ہوا ہوگا کہ قرآن وسنت اور اکابر علماء امت کی تصریحات کی روشنی میں یہ عقیدہ اہل سنت کا بنیادی عقیدہ ہے اس سے دور حاضر کے بعض تجدد پسندوں کے علاوہ کسی نے اختلاف نہیں کیا وہاں یہ بھی واضح ضروری ہوتا ہے کہ اکابرین دیوبند نے "المہند علی المفند مرتب فرما کر امت کے سامنے یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ علماء دیوبند اہل سنت کا عقیدہ اس سلسلہ میں بھی وہ ہی ہے جو اسلاف امت کا تھا۔

مگر بایں ہمہ جب شر ذمہ قلیلہ نے اس اجماعی عقیدہ سے اختلاف کرنے کی کوشش کی تو نہ صرف اس سے بیزاری کا اظہار کیا گیا بلکہ دور حاضر کے اساطین امت نے اس مسئلہ کی اہمیت اور حقیقت کو واضح کرتے ہوئے درج ذیل تحریر فرما کر مشتہر فرمائی اور متفقہ اعلان فرمایا۔

مسئلۂ حیات النبیؐ کے متعلق

دور حاضر کے اکابر دیوبند کا مسلک اور ان کا متفقہ اعلان:

"حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہا محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو

---

(۱) فتح الباری شرح صحیح البخاری - کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ - باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا - ۷/ ۲۹ - رقم الحدیث: ۳۶۶۷ - ط: رئاسة ادارات البحوث العلمية السعودية

(۲) صحیح البخاری - باب قول النبی صلی الله علیه وسلم سدوا الأبواب إلا باب أبی بکر - حاشیة تحت قول أبی بکر: لایذیقک الله الموتتين أبدا - ۱/ ۵۱۷ - ط: قدیمی کراتشی

حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلّف نہیں ہیں، لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضۂ اقدس میں جو درود پڑھا جاوے بلاواسطہ سنتے ہیں، اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے، اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی تو مستقل تصنیف حیات انبیاء پر ''آب حیات'' کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں ان کا رسالہ ''المھند علی المفند'' بھی اہل انصاف اور اہل بصیرت کے لیے کافی ہے، اب جو اس مسلک کے لئے دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل.

(۱) حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ	مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی نمبر ۵
(۲) مولانا عبدالحقؒ	مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
(۳) مولانا محمد صادقؒ	سابق ناظم محکمۂ امور مذہبیہ بھاولپور
(۴) مولانا ظفر احمد عثمانیؒ	شیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ ٹنڈ والہ یار سندھ
(۵) مولانا شمس الحق افغانیؒ	صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان
(۶) مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ	شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور
(۷) مولانا مفتی محمد حسنؒ	مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور
(۸) مولانا رسول خانؒ	جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور
(۹) مولانا مفتی محمد شفیعؒ	مہتمم دار العلوم کراچی
(۱۰) مولانا احمد علی لاہوریؒ	امیر نظام العلماء و امیر خدام الدین لاہور (۱)

(تلک عشرۃ کاملۃ)

الغرض میرا اور میرے اکابر کا عقیدہ یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ مطہرہ میں حیات جسمانی کے ساتھ حیات ہیں، یہ حیات برزخی ہے مگر حیات دنیوی سے زیادہ قوی تر ہے، جو لوگ اس مسئلہ کا انکار کرتے ہیں، ان کا اکابر علماء دیوبند اور اساطین امت کی تصریحات کے مطابق علماء دیوبند سے تعلق نہیں ہے، اور میں ان کو اہل حق میں سے نہیں سمجھتا، اور وہ میرے اکابر کے نزدیک گمراہ ہیں، ان کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز نہیں، اور ان کے ساتھ کسی قسم کا تعلق روا نہیں۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل.

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی

فبأي آلاء ربكما تكذبان